

مکتوباتِ امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ

(حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی قدس سرہ)

دفتر دوم

ترجمہ، تخریج آیات و احادیث و تعلیقات

ڈاکٹر محمد نذیر انجھا

خانقاہ سراجیہ نقشبندیہ مجددیہ

کنڈیاں، ضلع میانوالی

©

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

اشاعت اول ۱۴۳۶ھ / ۲۰۱۵ء

ران رانجھا، محمد نذیر

مکتوبات امام ربانی / محمد نذیر رانجھا۔

میانوالی: خانقاہ سراجیہ نقشبندیہ مجددیہ، جلد دوم، ۲۰۱۵ء

۵۹۲ ص

RAN Ranjha, Muhammad Nazir

Maktobaat e Imam e Rabbani/ by Muhammad Nazir Ranjha.- Mianwali: Khanqah

Sirajia Naqshbandiyah Mujaddadiyah, vol. 2, 2015

592 p.

ISBN 978-969-9951-09-1

قیمت: 1900 روپے (مکمل سیٹ)

خانقاہ سراجیہ نقشبندیہ مجددیہ

کندیاں، ضلع میانوالی

0300 - 6091121

6-A، یوسف مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور

0300 - 8099774, 0321 - 4650131

دارالکتاب

تقسیم کار

فہرست

دفتر دوم

- مکتوب نمبر
- مضمون
- صفحہ نمبر
- (۱) شیخ عبدالعزیز جوئیہ کو تحریر فرمایا۔ شیخ محی الدین ابن العربی قدس سرہ کے مذہب (کی رو) سے مسئلہ وحدت الوجود کی تحریر کے بیان میں، نیز اس مسئلہ میں حضرت عالی (مجدد الف ثانی) سلمہ اللہ تعالیٰ کے مسلک مختار کے بیان میں۔ ۲۰
- (۲) میر شمس الدین علی خلغائی کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ حق تعالیٰ کی ذات اور حق سبحانہ کی صفات کا مرتبہ وجود اور وجوب کے اعتبار سے بالاتر ہے۔ ۲۷
- (۳) مخدوم زادہ، حقائق و معارف آگاہی، مظہر فیض الہی خواجہ محمد سعید سلمہ اللہ تعالیٰ کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ آفاق اور انفس کا معاملہ ظلال میں داخل ہے، نیز ولایت صغریٰ، ولایت کبریٰ، کمالات نبوت اور تجلی افعال کی حقیقت کی تحقیق کے بیان میں جس کو بعض صوفیہ نے قرار دیا ہے کہ وہ حق (تعالیٰ) کے فعل کے ظل کا ظل ہے، نہ کہ عین فعل۔ پھر (حق) تعالیٰ کی ذات و صفات تک اس کی رسائی کہاں ہو سکتی ہے۔ ۲۸
- (۴) سیادت مآب میر محمد نعمان کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین جو بعض صوفیہ نے مقرر کیے ہیں۔ حقیقت میں علم الیقین کے تین حصوں میں سے دو حصے ہیں اور علم الیقین کا ایک حصہ باقی ہے تو پھر عین الیقین اور حق الیقین تک کیسے پہنچا جاسکتا ہے۔ نیز اس بیان میں کہ ان علوم کا صاحب اس ہزار سال کا مجدد ہے۔ ۳۳
- (۵) میر شمس الدین علی خلغائی کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ حق سبحانہ تعالیٰ کی صفات و اعتبار رکھتی ہیں۔ پہلا اعتبار ان کا حصول اپنے نفس میں ہے اور دوسرا اعتبار ان کا ذات کے ساتھ قیام ہے اور دونوں اعتبارات خارج میں ممتاز ہیں۔ ۳۵
- (۶) خواجہ محمد معصوم سلمہ اللہ تعالیٰ کو تحریر فرمایا۔ بعض پوشیدہ اسرار کے بیان میں اور اسی جگہ سے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ملت کے اتباع کرنے کے حکم کی وجہ معلوم ہوتی ہے۔ ۳۶
- (۷) فقیر حقیر عبدالحی جو ان مکتوبات شریفہ (دفتر دوم) کے جامع ہیں، کو تحریر فرمایا۔ مراتب پنجگانہ: محبوبیت، محسیت، محبت، حب اور رضا اور ان سے اوپر کے مرتبہ کے بیان میں۔ نیز ان میں سے ہر ایک کی ایک نبی کے ساتھ خصوصیت اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اُس کا بیان)۔ ۳۷
- (۸) (عبدالرحیم) خان خاناں کو تحریر فرمایا۔ خاص الخالص، عوام اور متوسط لوگوں کے ایمان بالغیب میں فرق کے بیان میں۔ ۳۹
- (۹) محمد عارف خٹنی کو تحریر فرمایا۔ کلمہ طیبہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کے فضائل اور مقام تنزیہ کی تحقیق، نیز اس چیز کے بیان میں کہ غیب پر ایمان اس وقت متحقق ہوتا ہے جب معاملہ اقربیت تک پہنچ جائے، کیونکہ یہ معاملہ وہم و خیال کے احاطہ سے باہر ہے۔ ۴۱
- (۱۰) حضرت عالی (مجدد قدس سرہ) نے (اپنے) برادر حقیقی حقائق آگاہ جناب میاں محمد مودود کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ جو ظہور بھی ہو، وہ ظلیت کے شائبہ کے بغیر نہیں ہوتا، بخلاف اس ظہور کے جو عرش کے اوپر (واقع) ہو۔ جب قلب اپنی انتہا کو پہنچتا ہے

- تو عرش کے انوار سے ایک چمک اخذ کر لیتا ہے، نیز جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کا بیان)۔ ۴۳
- (۱۱) حقائق و معارف آگاہ، مظہر فیض الہی مخدوم زادہ مجدد الدین خواجہ محمد معصوم سلمہ ربہ، کو تحریر فرمایا۔ عرش کے اوپر ظہور کی بعض خصوصیات کے بیان میں اور (آیت) کریمہ: **اللَّهُ نُورُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ** کے تاویلی معنی میں۔ نیز انسان کے بعض خاص کمالات کا بیان اور جزو ارضی کے فضائل اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کا بیان)۔ ۴۴
- (۱۲) حضرت عالی (مجدد قدس سرہ نے اپنے) حقیقی بھائی معارف آگاہ، میاں غلام محمد کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ فرشتہ اگرچہ اصل کو دیکھنے والا ہے اور انسان کا شہود انفس کے آئینہ میں ہے، لیکن اس دولت کو انسان میں جزء کی طرح بنایا گیا ہے اور اس کے ساتھ اس کو ایک بقا بخشی گئی ہے اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کا بیان)۔ ۴۹
- (۱۳) مرزا شمس الدین کو تحریر فرمایا۔ ان کے مکتوب کے جواب میں اور اس بیان میں کہ علمائے ظاہر کا نصیب کیا ہے اور بلند (شان) صوفیہ کا نصیب کیا ہے اور علمائے راتخین جو انبیاء (علیہم الصلوٰۃ والسلام) کے وارث ہیں، ان کا نصیب کیا ہے۔ ۵۱
- (۱۴) مولانا احمد برکی کو تحریر فرمایا۔ ان کے اس سوال کے جواب میں کہ کیا صاحب منصب کو اپنے منصب کا علم ہوتا ہے یا نہیں؟ اور دوسرا سوال یہ کہ فانی اللہ اور بقا باللہ ابھی تک ہاتھ نہیں آئی، نیز اور اپنے احوال کی اطلاع نہ ہونے کے بارے میں جو (سوال) انہوں نے کیا تھا۔ ۵۲
- (۱۵) شہر سامانہ کے سادات عظام، قاضی صاحبان، باشندوں اور نامور بزرگوں کو تحریر فرمایا۔ وہاں کے خطیب کی مذمت میں جس نے عید قربان (کے خطبہ) میں خلفائے راشدینؓ کا ذکر ترک کر دیا اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کا بیان)۔ ۵۳
- (۱۶) شیخ بدیع الدین سہارنپوری کو تحریر فرمایا۔ ان کے سوالات کے جواب میں اور برزخ صغریٰ کے عجیب و غریب احوال کے بیان میں اور طاعون کی موت کی فضیلت اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کا بیان)۔ ۵۶
- (۱۷) مرزا حسام الدین احمد کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ اس دنیا کی مصیبتیں اگرچہ ظاہری طور پر جراثیم (کی طرح) ہیں، لیکن درحقیقت ترقیوں کا ذریعہ اور مرہم ہیں۔ نیز طاعون کی موت کی فضیلت (کے بارے) میں۔ ۵۷
- (۱۸) شیخ جمال الدین ناگوری کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ علمائے راتخین کا نصیب کیا ہے اور علمائے ظواہر کا کیا نصیب ہے اور صوفیہ کا نصیب کیا ہے اور اس التماس کے جواب میں جو انہوں نے کی تھی۔ ۵۹
- (۱۹) میر محبت اللہ کو تحریر فرمایا۔ روشن سنت کی اتباع میں اور ناپسندیدہ بدعت سے پرہیز (کے بیان) میں۔ ۶۰
- (۲۰) مولانا محمد طاہر بدخشی کو تحریر فرمایا۔ نماز کے فضائل اور اس کی ترغیب دینے میں کہ (نماز کے) ارکان و شرائط، آداب اور تعدیل ارکان کو اچھی طرح بجالانا چاہیے اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کا بیان)۔ ۶۱
- (۲۱) خواجہ محمد صدیق ملقب بہ ہدایہ کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ قلب سے مراد جو کہ حدیث قدسی: **لَا يَسْعُنِي أَرْضِي... الخ** میں وارد ہے، گوشت کا ٹکڑا ہے، نہ کہ حقیقت جامعہ جس کی وسعت سے بعض مشائخ نے اطلاع دی ہے، لیکن گوشت کا وہ ٹکڑا مراد ہے جس نے سلوک و جذبہ کے بعد، اور تصفیہ و تزکیہ کے بعد، اور تمکین قلب اور اطمینان نفس کے بعد اجزائے عشرہ سے ترکیب پائی ہے اور ہیئت وحدانی پیدا کی ہے اور گوشت کے ٹکڑے کی حقیقت جامعہ پر فضیلت کئی وجوہات سے ہے۔ نیز اس بیان میں کہ یہ سب کمالات جو گوشت کے ٹکڑے کے لیے ثابت ہوئے ہیں، مقام **قَابِ قَوْسَيْنِ** میں ہیں اور **أَوَّاذُنِي** کا معاملہ اس سے بھی بالاتر ہے۔ ۶۲
- (۲۲) مولانا محمد صادق کشمیری کو تحریر فرمایا۔ حضرت عالی (مجدد) سلمہ اللہ تعالیٰ کے طفیل سرہند (شریف) کے شہر کا اکثر شہروں پر

- فضیلت پانے کے بیان میں اور اپنی سکونت والی زمین میں ایسے نور کا مشاہدہ کرنے (کے بیان) میں جس کی صفت و شان کی گرد سے بھی کوئی آگاہ نہیں تھا اور یہ زمین کچھ عرصہ بعد خواجہ محمد صادق قدس سرہ کا روضہ مقدسہ بن گئی۔ ۶۷
- (۲۳) خواجہ محمد عبداللہ سلمہ اللہ تعالیٰ کو تحریر فرمایا، اس بیان میں کہ بہترین کام روشن سنت کا اتباع اور ناپسندیدہ بدعت سے پرہیز کرنا ہے اور اس بیان میں کہ طریقہ عالیہ نقشبندیہ کی دوسرے طریقوں پر فضیلت صاحب شریعت ﷺ کی اتباع اور عزیمت پر عمل کرنے کی وجہ سے ہے اور اس طریقہ عالیہ نقشبندیہ کی تعریف اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کا بیان)۔ ۶۸
- (۲۴) حاجی محمد فرکتی کو تحریر فرمایا۔ ان کے اس مکتوب کے جواب میں جس میں انہوں نے اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ (انہیں) تمام ذرات میں لایزال کے جمال کا مشاہدہ میسر ہو جائے اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کا بیان)۔ ۷۳
- (۲۵) خواجہ محمد شرف الدین حسین کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ جو عمل بھی روشن شریعت کے مطابق کیا جائے، وہ ذکر میں داخل ہے، خواہ وہ خرید و فروخت ہی ہو۔ ۷۴
- (۲۶) عرفان پناہ مرزا حسام الدین احمد کو تحریر فرمایا۔ ان کے مکتوب کے جواب میں جس سے جانب داری کی بو آتی ہے۔ اس بیان میں کہ ذکر کی تلقین بچوں کو الف و با کی تعلیم دینے کی مانند ہے۔ ۷۴
- (۲۷) مولانا محمد طاہر بدخشی کو تحریر فرمایا۔ شیخ عبدالعزیز جو پوری کے ان شکوک (اور سوالات) کے جواب میں جو (دفتر دوم کے) مکتوب اول، جو کہ ان کے نام ہے، میں درج کیے گئے تھے۔ ۷۵
- (۲۸) مولانا محمد صادق کشمیری کو تحریر فرمایا، ان کے سوالات کے جواب میں۔ ۷۷
- (۲۹) فضیلت پناہ شیخ عبدالحق (محدث) دہلوی کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ اس دنیا کی بہترین دولتیں غم اور اندوہ ہیں اور اس دسترخوان کی خوشگوار ترین نعمتیں دکھ اور مصیبت ہیں۔ ۷۹
- (۳۰) خواجہ محمد اشرف اور حاجی محمد فرکتی کو ان خط کے جواب میں تحریر فرمایا اور ان کے دو سوالات کے جواب میں، ایک نسبت رابطہ (تصور شیخ) کی مشق اور دوسرا اپنی (باطنی) مشغولیت میں فتور کے بارے میں۔ ۷۹
- (۳۱) خواجہ شریف الدین حسین کو تحریر فرمایا، وعظ و نصیحت میں۔ ۸۰
- (۳۲) مرزا فلیح اللہ کو تحریر فرمایا۔ ان کے عریضہ کے جواب میں جس میں انہوں نے جمعیت باطن کی شکایت کی تھی۔ ۸۱
- (۳۳) مولانا محمد صالح کولابی کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ محبوب ہر حال میں محبت کی نظر میں محبوب ہوتا ہے، خواہ انعام فرمائے اور خواہ دکھ دے، بلکہ بہت کم حضرات ایسے بھی ہیں جن کے نزدیک دکھ انعام سے زیادہ محبت بخش ہوتا ہے، اور حمد کی شکر پر فضیلت اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کا بیان)۔ ۸۲
- (۳۴) نور محمد تہاری کو تحریر فرمایا۔ ان کے عریضہ کے جواب میں جو انہوں نے احوال کے وارد ہونے کے بارے میں لکھا تھا۔ ۸۳
- (۳۵) پیر زادہ خواجہ محمد عبداللہ سلمہ اللہ تعالیٰ کو تحریر فرمایا۔ ان سوالات کے جواب میں جو انہوں نے توحید اور عین الیقین کے بارے میں بطور خاص کیے تھے، نیز جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کا بیان)۔ ۸۴
- (۳۶) خواجہ محمد تقی کو تحریر فرمایا۔ امامت کی بحث اور مذہب اہل سنت و جماعت اور مخالفین کے مذہب کی حقیقت کے بیان میں۔ نیز اس بیان میں کہ اہل سنت و جماعت اعتدال پر ہیں اور اس افراط و تفریط کا بیان جس کو روافض اور خوارج نے اختیار کیا ہے۔ نیز آنسر و صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت کی مدح اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کا بیان)۔ ۸۵
- (۳۷) فقیر حقیر عبدالحی، جو ان مکتوبات شریف کے جامع ہیں، کو تحریر فرمایا۔ کلمہ طیبہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کے فضائل میں۔ ۱۰۵

- (۳۸) حاجی محمد یوسف کشمیری کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ اہل اللہ کے باطن کا دنیا کے ساتھ رائی برابر بھی تعلق نہیں ہے، اگرچہ وہ ظاہری طور پر دنیا اور دنیا کے اسباب کو اختیار کرتے ہیں اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کا بیان)۔ ۱۰۸
- (۳۹) سید عبدالباقی سارنگپوری کو تحریر فرمایا۔ اصحابِ یحییٰ، اصحابِ شمال اور سابقین جنہوں نے ایک قدم شمال پر اور دوسرا یحییٰ پر رکھا ہوا ہے اور سبقت کی گیند میدانِ اصل میں لے گئے ہیں، کے بیان میں۔ ۱۰۹
- (۴۰) مولانا بدر الدین کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ پردوں کا اٹھنا شہود کے اعتبار سے ہے، وجود کے اعتبار سے نہیں ہے، اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کا بیان)۔ ۱۱۰
- (۴۱) شیخ فرید تھانیسری کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ نہایت النہایت کے مراتب سے آگے ایک ایسا مرتبہ سامنے آتا ہے جس کا ہر ایک ذرہ تمام دائرہ امکان سے کئی گنا زیادہ ہے اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کا بیان)۔ ۱۱۱
- (۴۲) خواجہ جمال الدین حسین کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ صوفیہ نے سیر کو آفاق و انفس میں منحصر رکھا ہے اور ان دوسروں میں تخلیہ اور تجلیہ کو ثابت کیا ہے اور حضرت عالی (مجدد) قدس سرہ الاقدس اس حصر سے منع فرماتے ہیں اور اللہ سبحانہ کی عنایت سے نہایت النہایت کو آفاق و انفس سے باہر ثابت فرماتے ہیں اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کا بیان)۔ ۱۱۱
- (۴۳) مولانا محمد افضل کو تحریر فرمایا۔ اس معنی کے بیان میں کہ (صوفیہ نے) کہا ہے کہ حضرت (حق سبحانہ) کی بارگاہ میں صرف یافت کا ذوق ہے، نہ کہ یافت۔ نیز انتہا کے ابتدا میں درج ہونے کی تحقیق، جو اس طریقہ عالیہ کا خاصہ ہے۔ اور اس طریقہ کی دوسرے طریقوں پر افضلیت کے بیان میں اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کا بیان)۔ ۱۲۳
- (۴۴) محمد صادق ولد حاجی محمد مومن کو تحریر فرمایا۔ ان کے سوال کے جواب میں جو انہوں نے وحدت الوجود کے بارے میں کیا تھا اور اس کو شرعی علوم کے ساتھ مطابقت دینے (کے بیان میں)۔ نیز انہوں نے پوچھا تھا کہ ”إِذَا أَحَبَّ اللَّهُ سُبْحَانَهُ عَبْدًا.. الخ“ کے کیا معنی ہیں۔ اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کا بیان)۔ ۱۲۶
- (۴۵) حقائق آگاہ معارف دستگاہ خواجہ حسام الدین احمد کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ تمام عالم واجب جل سلطانہ کے اسماء و صفات کا آئینہ ہے، برخلاف ذات کے کہ ممکن اس دولت سے بے نصیب ہے اور اسے اپنی ذات کے ساتھ قیام عطا نہیں فرمایا گیا اور وہ مکمل طور پر عرض ہے۔ اس نے جو ہریت کی بُت تک نہیں پائی اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کا بیان)۔ ۱۳۲
- (۴۶) مولانا حمید بنگالی کو تحریر فرمایا۔ کلمہ طیبہ کے فضائل میں، جو طریقت و حقیقت اور شریعت پر مشتمل ہے اور اس بیان میں کہ کمالات ولایت کی کمالات نبوت کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں۔ اس بیان میں کہ (صاحب) ولایت کو شریعت کے بغیر چارہ نہیں اور ظاہر ہمیشہ شریعت کا مکلف ہے اور باطن اس معاملہ کا گرفتار ہے اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کا بیان)۔ ۱۳۶
- (۴۷) خواجہ محمد قاسم بدخشی کو تحریر فرمایا، نصیحت اور تنبیہ (کے بیان) میں۔ ۱۴۱
- (۴۸) خواجہ محمد طالب بدخشی کو تحریر فرمایا۔ تعزیت اور مقام رضا کی ترغیب دینے (کے بیان) میں۔ ۱۴۲
- (۴۹) خواجہ گدا کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ ماسوا کو بھلا دینا اس راستے کا پہلا قدم ہے۔ کوشش کریں کہ اس ایک قدم میں بھی کوتاہی نہ ہو۔ ۱۴۲
- (۵۰) مرزا شمس الدین کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ شریعت کی ایک صورت ہے اور ایک حقیقت ہے۔ نیز اس بیان میں کہ ابتدا سے انتہا تک شریعت کے بغیر چارہ نہیں ہے اور قلب کی تمکین، نفس کا اطمینان اور قالب کے اجزاء کے اعتدال کے بیان میں، جو کہ مرتبہ نبوت میں ہے، اور جو کچھ اس کے مناسب ہے۔ ۱۴۳

- (۵۱) خواجہ محمد صدیق کو تحریر فرمایا۔ حضرت حق سبحانہ کا بعض کالمین کے ساتھ بالمشافہ کلام کرنے کے بیان میں۔ ۱۴۸
- (۵۲) خواجہ مہدی علی کشمیری کو تحریر فرمایا۔ اس بلند مرتبہ گروہ (صوفیہ) کے ساتھ محبت کی ترغیب (کے بیان) میں۔ ۱۴۹
- (۵۳) گرد و نواح کے مشائخ میں سے ایک کو تحریر فرمایا۔ ان کے اس استفسار کے جواب میں کہ اگر عبادت کرتا ہوں تو نفس کو استغنا حاصل ہو جاتا ہے اور اگر کوئی خطا اور خلاف شرع چیز مجھ سے صادر ہو جائے تو شرمندگی اور عاجزی پیدا ہو جاتی ہے۔ ۱۴۹
- (۵۴) سید شاہ محمد کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ آنسور علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کے مراتب و درجات ہیں اور وہ سات درجے ہیں اور ہر درجے کی دوسرے پر فضیلت کے بیان میں اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کا بیان)۔ ۱۵۱
- (۵۵) عالی درجات مخدوم زادگان خواجہ محمد سعید اور خواجہ محمد معصوم سلمہما اللہ تعالیٰ کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ قرآن مجید تمام شرعی احکام کا جامع ہے اور امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے مناقب اور بلند شان صوفیہ کی مدح میں اور اس بیان میں اس کام کی اصل شریعت ہے اور اس بیان میں کہ الہامی احکام ہر وقت ثابت ہیں اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کا بیان)۔ ۱۵۵
- (۵۶) مولانا عبدالقادر انبالی کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ عارف کا معاملہ اس جگہ پہنچ جاتا ہے کہ دوسروں کے گناہ اس کے حق میں نیکیوں کا حکم پیدا کر لیتے ہیں۔ ۱۶۲
- (۵۷) ملا غازی نائب کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ حق جل و علا کا ذکر خیر البشر ﷺ پر درود بھیجنے سے بہتر ہے، لیکن ایسا ذکر جو قبولیت کی لیاقت و شان رکھتا ہو یا ایسا ذکر جو طالب نے شیخ مقتدا سے اخذ کیا ہو اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کا بیان)۔ ۱۶۳
- (۵۸) خواجہ محمد تقی کو تحریر فرمایا۔ ان کے اس استفسار کے بارے میں جو عالم مثال (کے بارے) میں تھا اور اس جماعت کے رد میں جو تنازع کی قائل ہے اور اس دوسرے گروہ (کے رد میں) جو روح کے منتقل ہونے کا قائل ہے اور کمون و بروز (پوشیدہ ہونے اور ظاہر ہونے) کا بیان اور جو کچھ اس کے مناسب ہے۔ ۱۶۵
- (۵۹) پیر زادہ خواجہ محمد عبداللہ سلمہ اللہ تعالیٰ کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ معقول و مہوم اور مکشوف و مشہود سب ماسوا میں داخل ہے اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کا بیان)۔ ۱۷۲
- (۶۰) محمد تقی کو تحریر فرمایا۔ ان کے مکتوب کے جواب میں اور اس بیان میں کہ دین کی فضولیات (غیر ضروری چیزوں) سے منہ موڑ کر ضروریات دین میں مشغول ہونا چاہیے اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کا بیان)۔ ۱۷۳
- (۶۱) مرحوم مولانا احمد برکی کی تعزیت میں تحریر فرمایا۔ نیز دوستوں کو نصیحت کرنے اور مولانا حسن کو ان کے حلقہ کا سردار بنانے کے بارے میں اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کے بیان میں)۔ ۱۷۴
- (۶۲) خان خانان کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ انسان مدنی الطبع پیدا کیا گیا ہے اور وہ اپنے تمدن اور زندگی گزارنے میں بنی نوع انسان کا محتاج ہے اور انسان کی خوبی بھی اسی احتیاج میں ہے اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کا بیان)۔ ۱۷۶
- (۶۳) نور محمد انبالی کو تحریر فرمایا۔ ان کے اس استفسار کے جواب میں جو انہوں نے پوچھا تھا کہ اگر پیر کے حیات ہونے کے باوجود کوئی طالب دوسرے شیخ کے پاس چلا جائے اور حق جل و علا کی طلب کرے تو (یہ) جائز ہے یا نہیں؟ ۱۷۷
- (۶۴) محمد مومن ولد خواجہ علی خان مرحوم کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ احوال کی تبدیلی اور کمینی دنیا کی امیدوں کے حاصل نہ ہونے پر مایوس نہ ہوں اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کا بیان)۔ ۱۷۸
- (۶۵) مولانا محمد ہاشم خادم کو تحریر فرمایا۔ بے فائدہ کاموں سے بچنے (کے بیان) میں۔ ۱۷۸
- (۶۶) خان خانان کو تحریر فرمایا۔ توبہ و انابت اور ورع و تقویٰ کے بیان میں اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کا بیان)۔ ۱۷۹

(۶۷) خان جہاں کو تحریر فرمایا۔ اہل سنت و جماعت کے عقائد کے بیان میں۔ نیز اسلام کے پانچ ارکان اور کلمہ حق کہنے کی ترغیب دینے یعنی کلمہ اسلام کو بادشاہ وقت کے کانوں تک پہنچانے کا بیان اور جو کچھ اس کے مناسب ہے۔ ۱۸۲

(۶۸) خواجہ شرف الدین حسین کو تحریر فرمایا۔ نورانی ستون اور دمدار ستارے کے بیان میں، جو مشرق کی طرف سے طلوع ہوئے تھے اور قیامت کی علامتیں اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کا بیان)۔ ۱۹۳

(۶۹) محمد مراد بدخشی کو تحریر فرمایا۔ نماز کے ارکان کی تعدیل، سکون قلب اور صفوں کی درستی کے بیان میں، اور اس بیان میں کہ جب کافروں کے ساتھ جہاد کے لیے گئے ہیں تو نیت کو صحیح کریں تاکہ اس پر نتیجہ مترتب ہو اور نماز تہجد کا حکم فرمانا اور لقمے میں احتیاط کرنا اور جو کچھ اس سے تعلق رکھتا ہے (اس کا بیان)۔ ۱۹۷

(۷۰) مولانا عبد الواحد لاہوری کو تحریر فرمایا۔ کعبہ معظمہ کے اسرار اور حقائق کے بیان میں کہ جس طرح انسان میں عرش کا نمونہ ہے، اسی طرح کعبہ معظمہ کا نمونہ بھی ہے اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کا بیان)۔ ۲۰۱

(۷۱) خواجہ محمد سعید سلمہ اللہ تعالیٰ کو تحریر فرمایا۔ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ (کے اسرار میں)۔ ۲۰۲

(۷۲) خواجہ محمد معصوم کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ بیت اللہ مقدس کا معاملہ تجلیات و ظہورات اور ظہور عرشی سے بالاتر ہے، نیز حقیقت کعبہ کے ملنے اور وصول ہونے اور (اپنی ظاہری صورت سے) کعبہ معظمہ کی صورت کی زیارت کے شوق کے بیان میں۔ ۲۰۳

(۷۳) حضرت مخدوم زادہ مجد الدین خواجہ محمد معصوم سلمہ اللہ تعالیٰ کو تحریر فرمایا۔ انسان کامل کے ظاہر و باطن کے بیان میں اور جو کچھ اس کے مناسب ہے۔ ۲۰۴

(۷۴) خواجہ ہاشم کو تحریر فرمایا۔ آیت کریمہ: فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ اور آیت کریمہ: إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَىٰ نَبِيِّكَ قَالَ خَوِيفْتُكُمْ فَأَعْلَنَ الْكَذِبَ (۱) کے بیان میں کہ جس کا معاملہ یہاں تک پہنچ جاتا ہے کہ اسے تمام اشیاء کا قیوم بنادیتے ہیں اور یہ اپنے نفس کے لیے ظالم ہے اور مقصد کو ندیم اور خلیل سے تعبیر کیا گیا ہے اور سابق الخیرات کو محبت اور محبوب کے ساتھ جن کے حلقہ کے سردار (حضرت) محمد رسول اللہ علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ ۲۰۶

(۷۵) مرزا مظفر خان کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ تکلیفیں اور مصیبتیں دوستوں کے لیے کفارہ ہیں اور عاجزی اور زاری سے معافی اور عافیت طلب کرنی چاہیے اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کا بیان)۔ ۲۰۹

(۷۶) مولانا فخر حسین کو تحریر فرمایا۔ عرش کی حقیقت کے بیان میں جو عالم خلق اور (عالم) امر کے درمیان ایک برزخ (پل) ہے اور یہ دونوں کا رنگ رکھتا ہے اور یہ زمین و آسمان کی قسم سے نہیں ہے۔ نیز کرسی اور اس کی وسعت کا بیان۔ ۲۱۰

(۷۷) مولانا حسن برکی کو تحریر فرمایا۔ ان کے عریضہ کے جواب میں جس میں انہوں نے صوفیہ کے طرز کلام پر اعتراضات کیے تھے اور مکتوب کے آخر میں لکھا تھا کہ گویا شرعی احکام میں سے ہر حکم ایک چھوٹا دروازہ ہے جو مقصود کے شہر تک پہنچانے والا ہے۔ نیز ان کے دوسرے سوالات جو انہوں نے کیے تھے۔ ۲۱۲

(۷۸) داراب خان کو تحریر فرمایا۔ اس بلند شان گروہ (صوفیہ) کی محبت و اخلاص کے بیان میں کہ یہ محبت و اخلاص فنا فی اللہ اور بقا باللہ کا زینہ ہے اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کا بیان)۔ ۲۱۵

(۷۹) شیخ یوسف برکی کو تحریر فرمایا۔ ان کے رسالہ کے جواب میں جو کفر سے روگردانی پر مشتمل تھا اور اسلام کی جانب رخ کرنے کی خبر دیتا تھا اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کا بیان)۔ ۲۱۶

(۸۰) شیخ حامد تہاری کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ تمہیدات عین القضاۃ (ہدائی) میں لکھا ہے کہ تم جس کو اللہ سمجھتے ہو، وہ ہمارے

- نزدیک (حضرت) محمد ﷺ ہیں اور تم جن کو (حضرت) محمد ﷺ سمجھتے ہو، وہ ہمارے نزدیک اللہ جل سلطانہ ہے۔ ۲۱۷
- (۸۱) محمد مراد قوری بک کو تحریر فرمایا۔ ہندو نصیحت اور کمینی دنیا کی فضول چیزوں سے بچنے کے بیان میں۔ ۲۱۸
- (۸۲) خواجہ شرف الدین حسین کو تحریر فرمایا۔ کمینی دنیا سے پرہیز کرنے اور روشن شریعت پر (عمل کی) ترغیب دینے اور جو کچھ اس کے مناسب ہے اس کے بیان میں۔ ۲۱۹
- (۸۳) میر ماہ محمود کو تحریر فرمایا۔ اس بلند شان گروہ (صوفیہ) کی محبت میں جو تمام سعادتوں کا سرمایہ ہے اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کا بیان)۔ ۲۲۰
- (۸۴) شیخ حمید بنگالی کو تحریر فرمایا۔ بعض نصیحتوں کے بارے میں۔ ۲۲۱
- (۸۵) شیخ نور محمد کو تحریر فرمایا۔ شیخ عبدالحی کے بعض کمالات میں۔ ۲۲۲
- (۸۶) شیخ طاہر بدخشی کو تحریر فرمایا۔ ان کے خط کے جواب میں۔ ۲۲۲
- (۸۷) فتح خان افغان کو تحریر فرمایا۔ نصیحتوں کے بیان میں۔ ۲۲۳
- (۸۸) ملا بدیع الدین کو تحریر فرمایا۔ قضا پر راضی رہنے اور مولیٰ (تعالیٰ) کے فعل سے لذت پانے کے بیان میں۔ ۲۲۳
- (۸۹) سیادت پناہ میر محبت اللہ کو نصیحت (کے بیان) میں تحریر فرمایا۔ ۲۲۴
- (۹۰) مرزا عرب خان کو سفارش کے متعلق تحریر فرمایا۔ ۲۲۴
- (۹۱) مخدوم زادہ حضرت خواجہ محمد سعید کو قَابِ قَوْسَیْنِ اَوْ اَذْنٰی کے اسرار میں تحریر فرمایا۔ ۲۲۵
- (۹۲) میر محمد نعمان کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ ولایت سے مراد قرب الہی ہے اور خوارق و کرامات اس کی شرط نہیں ہیں اور بادشاہوں کو سجدہ تعظیمی کرنا کیسا ہے؟ اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کا بیان)۔ ۲۲۶
- (۹۳) خواجہ محمد ہاشم بدخشی کشمی کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ عالم خلق اور عالم امر کے لطائف میں سے ہر لطیفہ ظاہر بھی رکھتا ہے اور باطن بھی رکھتا ہے۔ اور یہ باطن عارف کے اسم قیوم کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ اور اس بیان میں کہ عارف نزول کے وقت کئی طور پر ظاہر اور باطن کے ساتھ دعوت و عبادت میں متوجہ رہتا ہے۔ ۲۳۱
- (۹۴) مولانا عبدالقادر انبالوی کو تحریر فرمایا۔ فنا اور بقا کی حقیقت اور عارف کی صورت اور حقیقت سے عدم کے جدا ہونے اور ہمسائیگی کی نسبت بہم پہنچانے کے بیان میں۔ ۲۳۳
- (۹۵) مقصود علی تبریزی کو تحریر فرمایا، کفر حقیقی اور اسلام حقیقی کے (بارے میں) ان کے سوال (کے جواب) میں۔ ۲۳۵
- (۹۶) خواجہ ابوالحسن بہا بدخشی کشمی کو تحریر فرمایا۔ اس حل میں کہ نبی (کریم) صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مرض وصال میں کاغذ طلب فرمایا تاکہ ایک چیز لکھیں اور حضرت فاروق (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے صحابہ (کرامؓ) کی ایک جماعت کے ساتھ کئی وجوہات کی بنا پر منع کیا۔ ۲۳۷
- (۹۷) خواجہ ہاشم کشمی کی طرف تحریر فرمایا۔ ان کے سوال کے جواب میں، جس میں انہوں نے (دفتر دوم کے) مکتوب ششم کا حل طلب کیا تھا۔ ۲۴۶
- (۹۸) حضرات مخدوم زادگان جامع اسرار و علوم خواجہ محمد سعید اور خواجہ محمد معصوم مدظلہما کو تحریر فرمایا۔ اس قرب و معیت کے راز میں جو عالم کو حق عز و جل سجانے کے ساتھ ہے اور شرارت عدم اور شرارت ابلیس علیہ العتہ کے درمیان فرق کے بیان میں۔ ۲۴۷
- (۹۹) میر محمد نعمان کو تحریر فرمایا۔ جو سوالات انہوں نے کیے تھے، ان کے جواب میں۔ ۲۵۲

فہرست

دفتر سوم

مکتوب نمبر	مضمون	صفحہ نمبر
(۱)	سیادت اور ارشاد پناہ میر محمد نعمان کو تحریر فرمایا۔ ان کے اس سوال کے جواب میں جو انہوں نے واجب جل سلطانہ کی ذات و صفات اور افعال کی اقریت کے بارے میں تحریر کیا تھا۔	۲۷۰
(۲)	جامع الاسرار والعلوم حضرات مخدوم زادگان گرامی خواجہ محمد سعید اور خواجہ محمد معصوم سلمہما اللہ تعالیٰ کو تحریر فرمایا۔ نصائح اور خلقت سے قطع تعلقی کرنے اور حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ کی جناب سے متوسل ہونے (کے بیان) میں۔	۲۷۱
(۳)	سیادت مآب میر محبت اللہ مالکپوری کو تحریر فرمایا۔ کلمہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کے معنی کے بیان میں۔	۲۷۳
(۴)	سیادت اور ارشاد پناہ میر محمد نعمان کو تحریر فرمایا۔ آیت کریمہ: لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ کی تاویل میں۔	۲۷۷
(۵)	یہ بھی سیادت و ارشاد پناہ میر محمد نعمان کو تحریر فرمایا۔ حضرت عالی مدظلہ العالی (حضرت مجدد قدس سرہ) کے بعض خاص احوال و اذواق کے بیان میں جو بعض مصائب پیش آنے کی وجہ سے ظاہر ہوئے۔	۲۷۸
(۶)	معارف آگاہ شیخ بدیع الدین کو تحریر فرمایا، اس بیان میں کہ محبوب کی جانب سے مصائب اس کے انعام سے اور اس کا جلال اس کے جمال سے زیادہ محبوب ہے۔	۲۷۹
(۷)	سیادت پناہ میر محبت اللہ مالکپوری کو تحریر فرمایا۔ خلقت کی ایذا کو برداشت کرنے کے بیان میں۔	۲۷۹
(۸)	حقائق آگاہ مولانا محمد صدیق کو تحریر فرمایا۔ غیب کی اصلیت اور شہود کی ظلیت کے بیان میں۔	۲۸۰
(۹)	سیادت و ارشاد پناہ میر محمد نعمان کو تحریر فرمایا۔ آیت کریمہ: مَا أَتَكُمْ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ کے بیان میں۔	۲۸۱
(۱۰)	میر محمد نعمان کو تحریر فرمایا۔ آیت کریمہ: وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ (کے بیان) میں۔	۲۸۲
(۱۱)	سیادت پناہ میر شمس الدین علی خلخالی کو تحریر فرمایا۔ انسان کی جامعیت کے بیان میں، جو عالم امر اور خلق کے دس اجزاء سے مرکب ہے اور انسان کے قلب کی عرش مجید پر برتری کے بیان میں۔	۲۸۲
(۱۲)	میر محمد نعمان کو تحریر فرمایا۔ زاری و نیاز، ذکر اور قرآن کی تلاوت اور نماز میں لمبے قیام کے فوائد (کے بیان) میں۔	۲۸۳
(۱۳)	سیادت پناہ میر محبت اللہ مالکپوری کو تحریر فرمایا۔ روشن شریعت کے صاحب علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت اور پیر طریقت کی متابعت میں پختہ ہونے کا شوق دلانے (کے بیان) میں۔	۲۸۵
(۱۴)	میر شمس الدین علی کو تحریر فرمایا۔ سوال کے جواب میں جو واجب تعالیٰ کے وجود کی حقیقت (کے بارے) میں کیا گیا تھا۔	۲۸۵
(۱۵)	سیادت پناہ میر محمد نعمان کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ محبوب کی جانب سے پہنچنے والے دکھوں کی لذت محبت کی نظر میں اس کے انعام سے زیادہ زیبا ہوتی ہے۔	۲۸۶
(۱۶)	مولانا احمد دہلوی (دیوبندی) کو تحریر فرمایا۔ سالک کے اپنے احوال سے آگاہ نہ ہونے کے راز اور اُن کا مشاہدہ مریدوں کے	

- ۲۸۸ احوال کے آئینوں میں ہونے (کے بیان) میں۔
- ۲۸۹ (۱۷) ارادت مندوں میں سے ایک صالحہ (خاتون) کو تحریر فرمایا۔ دینی عقائد اور شرعی عبادات کی ترغیب کے بیان میں۔
- ۳۰۳ (۱۸) میر محمد نعمان کو تحریر فرمایا۔ ماسوا سے بے تعلقی اور حق تعالیٰ کے طالبین کی صحبت کی ترغیب کے بیان میں۔
- ۳۰۴ (۱۹) سیادت پناہ میر محمد نعمان کو تحریر فرمایا۔ حق تعالیٰ کی قضا پر صبر و رضا کے بیان میں۔
- ۳۰۵ (۲۰) مولانا امان اللہ کو تحریر فرمایا۔ ہمت کی بلندی اور سب نعمتوں کے پانے کو اپنے پیر کی طرف راجع کرنے کے بیان میں۔
- ۳۰۶ (۲۱) میر محمد نعمان کو تحریر فرمایا، اُن کے سوالوں کے جواب میں کہ جو ضائر کے ساتھ حق تعالیٰ کے مشاڑ الیہ ہونے اور زاہدوں کی فضیلت اور حق تعالیٰ جل سلطانہ و عم احسانہ کے علم کی اپنی ذات کے ساتھ کیفیت کے بارے میں کیے گئے تھے۔
- ۳۰۷ (۲۲) ملا مقصود علی تبریزی کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ مشرکوں کی نجاست (ناپاکی) سے مراد اُن کے باطن کی پلیدی اور بد اعتقادی ہے، نہ کہ ان کا نجس العین ہونا۔
- ۳۰۸ (۲۳) خواجہ ابراہیم قبادیانی کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ حق تعالیٰ نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ذریعے اپنی ذات و صفات اور بندوں کے پسندیدہ اور ناپسندیدہ اعمال کے بارے میں خبر دی ہے، جن میں عقل کو کوئی دخل نہیں ہے۔
- ۳۰۹ (۲۴) ملا محمد مراد کشمی جو میر محمد نعمان کے خادموں میں سے ہیں، کو تحریر فرمایا۔ آنسور علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ کرامؓ کی بزرگی اور ان کی ایک دوسرے کے ساتھ مہربانی کے بیان میں۔
- ۳۱۵ (۲۵) ملا طاہر کو تحریر فرمایا۔ ان مراتب کے بیان میں جو ذکر کرنے، قرآن کی تلاوت اور نماز سے حاصل ہوتے ہیں۔
- ۳۲۱ (۲۶) سیادت پناہ میر محمد نعمان کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ جس طرح اپنی ذات کے ساتھ موجود ہے نہ کہ وجود کے ساتھ، اُسی طرح وہ اپنی ذات کے ساتھ حی و عالم اور (دوسری) آٹھ صفات کے ساتھ بھی موجود ہے، نہ کہ صفات زائدہ کے ساتھ۔ نیز جو کچھ اس کے مناسب ہے (اُس کا بیان)۔
- ۳۲۲ (۲۷) ملا علی کشمی کو تحریر فرمایا، اس بیان میں کہ بندے کو چاہیے کہ اپنی مرادوں سے کئی طور پر باہر آ کر اپنے مولیٰ تعالیٰ شائے کی مراد پر (راضی) رہے۔ نیز ذاتی اور عارضی بیماری کے بیان میں۔
- ۳۲۶ (۲۸) ملا صالح ترک کو تحریر فرمایا۔ مُردوں کے ارواح کے لیے صدقہ کرنے کی کیفیت کے بیان میں۔
- ۳۲۸ (۲۹) سیادت پناہ میر محمد نعمان کو تحریر فرمایا۔ آیات قرآنی کے بعض کلمات قدسی کے سمجھنے کے بیان میں۔
- ۳۳۰ (۳۰) سیادت و ارشاد پناہ میر محمد نعمان کو تحریر فرمایا۔ مراتب اصول اور مراتب عبادات کے عروج کے بیان میں۔
- ۳۳۱ (۳۱) ملا بدر الدین کو تحریر فرمایا۔ عالم ارواح، عالم مثال اور عالم اجساد کی تحقیق (کے بیان) میں۔
- ۳۳۲ (۳۲) مقصود علی کو تحریر فرمایا، اس بیان میں کہ جن خطرات کو وصل کے اسباب کہا گیا ہے، وہ تجلی صوری کے اندازہ کے مطابق ہیں۔ نیز کثرت و ہمیت کی حقیقت کی تحقیق (کے بارے) میں اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کا بیان)۔
- ۳۳۳ (۳۳) ملا شمس کو تحریر فرمایا، شیخ شرف الدین یحییٰ منیری کی اس بات کی تحقیق میں جو انہوں نے کہا ہے کہ جب تک کافر نہ ہو جائے اور بھائی کا سر قلم نہ کر دے اور اپنی ماں کے ساتھ جفت نہ ہو، مسلمان نہیں ہو سکتا۔
- ۳۳۷ (۳۴) میر محمد امین کی والدہ کو تحریر فرمایا۔ نصیحت اور ذکر الہی کی ترغیب اور دنیا کی محبت سے پرہیز (کے بارے) میں۔
- ۳۴۱ (۳۵) میرزا منوچر کو تحریر فرمایا۔ تعزیت و نصیحت اور جوانی کو غنیمت سمجھنے (کے بارے) میں۔
- ۳۴۲ (۳۶) جناب میر محمد نعمان کو تحریر فرمایا، عذابِ قبر کے منکرین کے شبہات کو دور کرنے (کے بیان) میں۔

- (۳۷) مولانا محمد طاہر بدخشی کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں جو کچھ جمیل مطلق کی طرف سے آئے، وہ جمیل ہے۔ ۳۴۴
- (۳۸) ملا ابراہیم کو تحریر فرمایا۔ ان کے ایک سوال، جو انہوں نے حدیث: سَتَفْتَرُ قُؤْمَتِی کے معنی کے بارے میں کیا تھا، کے جواب میں اور اب فقر کے درجہ کی تحقیق (کے بیان) میں۔ ۳۴۵
- (۳۹) مولانا محمد صادق کشمیری کو تحریر فرمایا۔ صوفیہ کے علم یقین اور اب معقول (فلاسفہ) کے علم یقین کے درمیان فرق کے بیان میں۔ ۳۴۶
- (۴۰) خواجہ حسام الدین احمد کی خدمت میں تحریر فرمایا۔ ان کے خط کے جواب میں، جس میں انہوں نے آنجناب سے اپنے متعلقین کے ہمراہ حج پر جانے کے بارے میں مشورہ طلب کیا تھا۔ ۳۴۷
- (۴۱) صالح خواتین میں سے ایک صالحہ خاتون کو تحریر فرمایا۔ عورتوں کے لیے ان ضروری نصیحتوں کے بارے میں جو (آیت) کریمہ: يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جِآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ... الخ کی تاویل میں شامل ہیں۔ ۳۴۸
- (۴۲) خواجہ محمد ہاشم کشمیری کو تحریر فرمایا، ان کو بشارت دینے (کے بارے) میں۔ ۳۵۵
- (۴۳) حضرت مخدوم زادگان بزرگوار خواجہ محمد سعید اور خواجہ محمد معصوم سلمہما اللہ تعالیٰ کو تحریر فرمایا۔ اس گفتگو کے بارے میں جو بادشاہ وقت (جہانگیر) مدظلہ کی محفل میں ہوئی تھی۔ ۳۵۵
- (۴۴) میر عبد الرحمن کو تحریر فرمایا۔ آخرت میں رویت (الہی) کے منکرین کے شبہات کو دور کرنے (کے بیان) میں۔ ۳۵۶
- (۴۵) مولانا سلطان سرہندی کو تحریر فرمایا۔ مومن کے قلب کی شان کی بلندی اور اس کی ایذا سے منع کرنے کے بیان میں۔ بالمعنی نقل کیا گیا ہے۔ ۳۶۰
- (۴۶) حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد سعید مدظلہ العالی کو تحریر فرمایا۔ عروج و نزول (کے بیان) میں۔ بالمعنی نقل کیا گیا ہے۔ ۳۶۱
- (۴۷) بادشاہ وقت (جہانگیر) کو تحریر فرمایا۔ دعا کے اسرار اور علماء و صلحاء کی تعریف میں۔ ۳۶۲
- (۴۸) حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد سعید مدظلہ العالی کو تحریر فرمایا۔ حق تعالیٰ کی اقریت کے راز (کے بیان) میں، اور اس بیان میں کہ گنہ ذات (کا انکشاف) علم حضوری سے ہے۔ ۳۶۴
- (۴۹) جناب حضرت میر محمد نعمان کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ جو علم حضوری عارف کو اپنے آپ سے ہوتا ہے، وہی حق تعالیٰ کے ساتھ تعلق پیدا کر لیتا ہے۔ ۳۶۶
- (۵۰) قاضی نصر اللہ کو تحریر فرمایا۔ راسخ علماء کے استدلال اور اب باب ظاہر کے استدلال کے درمیان اثر سے موثر کی جانب فرق (کے بیان) میں۔ ۳۶۷
- (۵۱) ملا شیر محمد لاہوری کو تحریر فرمایا۔ دل کی تصدیق اور دل کے یقین کے درمیان فرق (کے بیان) میں۔ ۳۶۸
- (۵۲) فقیر محمد ہاشم کشمیری کو تحریر فرمایا۔ قلب اور نفس کی فنا اور علم حصولی اور حضوری کے زوال (کے بیان) میں۔ ۳۶۹
- (۵۳) حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد معصوم مدظلہ کو تحریر فرمایا۔ وجودی اور شہودی طور پر عین اور اثر کے زوال کے بیان میں۔ ۳۷۰
- (۵۴) خان جہان کو تحریر فرمایا۔ مضبوط شریعت کی اتباع اور دین کے دشمنوں کے ساتھ جنگ کرنے (کے بیان) میں۔ ۳۷۴
- (۵۵) مرز خان افغان کے نام تحریر فرمایا۔ فقر سے غنا کی طرف رجوع کرنے کی برائی (کے بیان) میں۔ ۳۷۵
- (۵۶) حضرت عالی (مجدد الف ثانی قدس سرہ) کے پیر زادہ خواجہ محمد عبداللہ اور خواجہ جمال الدین حسین ولد خواجہ حسام الدین کو تحریر فرمایا۔ گذشتہ صحبت کے فوت ہونے پر افسوس کرنے اور جدید اسرار کی طرف اشارہ کرنے (کے بیان) میں۔ ۳۷۶

- (۵۷) مولانا حمید احمدی کو تحریر فرمایا۔ عالم کے حادث ہونے اور عقلِ فعال کے رد (کے بیان) میں۔ ۳۷۷
- (۵۸) خواجہ صلاح الدین احراری کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ وجود ممکنات کا خلق اور نمود مرتبہ وہم اور حس میں ہے جس نے استحکام حاصل کر لیا ہے۔ ۳۷۹
- (۵۹) خواجہ شرف الدین حسین کو تحریر فرمایا۔ روزمرہ کے حوادث کو حق تعالیٰ کے ارادہ کی طرف راجع کرنے اور ان سے لطف اندوز ہونے (کے بیان) میں۔ ۳۸۱
- (۶۰) حضرت عالی (مجدد الف ثانی قدس سرہ) نے اپنے پیرزادہ خواجہ محمد عبداللہ کو تحریر فرمایا۔ انسان کی ذات کی عدمیت اور اس میں واجب تعالیٰ کے اسماء و صفات کے ظلال کے انعکاس کے بیان میں اور اس کا بیان کہ انسان کی ذات اس کا نفس ناطقہ ہے۔ اور نفس و قلب کی فنا اور علم حصولی و حضوری کے زوال کے بیان میں۔ ۳۸۲
- (۶۱) حضرت محمد سعید مدظلہ کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ بعض مظاہر کا دیکھنا کبھی عارف کے لیے عروج کا زینہ بن جاتا ہے۔ ۳۸۵
- (۶۲) خواجہ محمد معصوم مدظلہ العالی کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ انسان کے عدم ذاتی کی بنا پر اس کی فنا وجودی نہیں ہوتی۔ ۳۸۶
- (۶۳) میر منصور کو تحریر فرمایا۔ حق تعالیٰ کے احاطہ و قرب اور معیت کے راز کے کشف اور اس عظیم راز کو کتاب کریم کے مجمل و مشکل مقامات کی جانب راجع کرنے (کے بیان) میں۔ ۳۸۷
- (۶۴) اکابر مخدوم زادگان جامع الاسرار والعلوم حضرت خواجہ محمد سعید اور (حضرت) خواجہ محمد معصوم سلمہما اللہ تعالیٰ کو تحریر فرمایا۔ اس فنائے اتم (کے بیان) میں جو عین و اثر کے زوال سے وابستہ ہے، اور واجب سبحانہ کے وجود کی تحقیق اور ممکن سے عدم کے زوال اور اس کے ثبوت و عروج و جات کی بقا اور دوسرے مشکل دقائق کے بیان میں۔ ۳۸۸
- (۶۵) مولانا اصغر رومی کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ بقائے ذات کے بعد عارف پر صفات میں سے ہر صفت اور لطائف میں ہر لطیفہ اس کی ذات کی کلیت میں ظاہر ہوتا ہے۔ ۳۹۲
- (۶۶) محمد مقیم قصوری کو تحریر فرمایا۔ ان کے سوال کہ ”الْمَجَازُ قَنْطَرَةُ الْحَقِيقَةِ“ کے کیا معنی ہیں؟ کے جواب میں۔ ۳۹۳
- (۶۷) میر منصور کو تحریر فرمایا۔ کائنات کی حقیقت اور حضرت عالی (مجدد الف ثانی قدس سرہ) اور صاحب فتوحات (مکیہ) کے مکشوف کے درمیان فرق (کے بیان) میں۔ ۳۹۴
- (۶۸) فقیر محمد ہاشم کشمی کو تحریر فرمایا۔ اس مرتبہ وہم کی تحقیق میں کہ جس میں عالم مرتبہ نمود و وجود رکھتا ہے۔ ۳۹۶
- (۶۹) قاضی موسیٰ شوحین کو تحریر فرمایا۔ شریعت کو لازم پکڑنے اور ارباب جمعیت کی صحبت کی ترغیب (کے بیان) میں۔ ۳۹۸
- (۷۰) مولانا قاضی اسحاق ولد قاضی موسیٰ کو تحریر فرمایا۔ ارباب جمعیت کی صحبت کی ترغیب (کے بیان) میں۔ ۳۹۸
- (۷۱) جناب پیرزادہ خواجہ محمد عبداللہ کو تحریر فرمایا۔ حقائق موہوم، جو کہ عالم ہے، اور ”موجود حقیقی“ جو کہ عالم کا صالح (بنانے والا) ہے، کے درمیان فرق (کے بیان) میں۔ ۳۹۹
- (۷۲) جناب خواجہ حسام الدین احمد کو تحریر فرمایا۔ اس (بیان) میں کہ لشکر کی مصروفیات میں بھی ارباب جمعیت کے لیے تمکین (اطمینان) ہے۔ اس سوال کے جواب میں جو انہوں نے مولود خوانی کے بارے میں پوچھا تھا۔ ۴۰۱
- (۷۳) حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد سعید کو تحریر فرمایا۔ صفتِ حیات کے اسرار میں جو علم سے بالاتر ہے، اور اس بیان میں کہ علم جس طرح صفات زائدہ میں سے ہے (اسی طرح) شیون غیر زائدہ سے بھی ہے اور ایسے ہی دوسری صفات ہیں۔ ۴۰۲
- (۷۴) حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد معصوم کو تحریر فرمایا۔ صاحبِ فصوص کے کلام کی شرح میں اور تجلی ذات کے بیان میں اور حضرت عالی

- (۷۵) اس حقیر محمد ہاشم کشمی کو تحریر فرمایا۔ تجلی افعال اور تجلی صفات اور تجلی ذات سبحانہ (کے بیان) میں۔ ۴۰۸
- (۷۶) حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد معصوم کو تحریر فرمایا۔ شان العلم کی بلندی اور اس سے اوپر مرتبہ مقدسہ، جس کی تعبیر نورِ صرف سے کی جاتی ہے (کے بیان) میں۔ ۴۱۲
- (۷۷) حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد سعید کو تحریر فرمایا۔ حقیقت کعبہ ربانی کے اسرار اور بحر معرفت کے دقائق اور حقیقتِ صلوٰۃ اور کلمہ طیبہ کی نفی و اثبات کے بیان میں۔ ۴۱۴
- (۷۸) حضرت مخدوم زادگان عالی مرتبت خواجہ محمد سعید اور خواجہ محمد معصوم کو تحریر فرمایا۔ ان کے اشتیاق اور (ان پر) شفقت کے اظہار اور لشکر کے ثمرات (کے بیان) میں۔ ۴۱۸
- (۷۹) حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد معصوم کو تحریر فرمایا۔ عارف کو بخشی ہوئی ذاتِ بے مثلی کے رازوں اور تجلی ذات اور آخرت میں رویت (الہی) کی تحقیق (کے بیان) میں۔ ۴۱۹
- (۸۰) یہ بھی حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد معصوم سلمہ اللہ سبحانہ کو تحریر فرمایا۔ عارف کو بخشی ہوئی ذات کی جانب چیزوں کے منسوب ہونے (کے بیان) میں۔ ۴۲۵
- (۸۱) خواجہ جمال الدین حسین کو تحریر فرمایا۔ ایک معاملہ کے حل اور واقعہ کی تعبیر (کے بیان) میں۔ ۴۲۸
- (۸۲) حضرات مخدوم زادگان خواجہ محمد سعید اور خواجہ محمد معصوم مدظلہما کو تحریر فرمایا۔ جدائی کے درد و غم کا اظہار (اور) اس کے ساتھ بعض بشارات (کے بیان) میں۔ ۴۳۰
- (۸۳) یہ بھی حضرات مخدوم زادگان کبار (حضرت خواجہ محمد سعید اور حضرت محمد معصوم) سلمہما اللہ تعالیٰ کو تحریر فرمایا۔ لشکر کی برکات (کے بیان) میں کہ اس میں رہنا (اپنے) اختیار میں نہیں ہے۔ ۴۳۰
- (۸۴) حافظ عبد الغفور کو تحریر فرمایا۔ اس طریقہ عالیہ کے آداب (کے بیان) میں۔ ۴۳۱
- (۸۵) خواجہ محمد سعید اور خواجہ محمد معصوم سلمہما اللہ تعالیٰ کو تحریر فرمایا۔ اوقات کی حفاظت کی نصیحت (کے بیان) میں۔ ۴۳۲
- (۸۶) درویش حبیب خادم کو تحریر فرمایا۔ کرامات کے کثرت و قلت سے ظاہر ہونے کے راز (کے بیان) میں۔ ۴۳۳
- (۸۷) مولانا صالح کولابی کو تحریر فرمایا۔ حضرت مجدد الف ثانی مدظلہ العالی کی مرادی اور مریدی کے اسرار (کے بیان) میں۔ ۴۳۴
- (۸۸) خواجہ محمد سعید سلمہ اللہ تعالیٰ کو تحریر فرمایا۔ خلیل کی خلعت کے اسرار اور تعین و جودی کے اثبات (کے بیان) میں۔ ۴۳۵
- (۸۹) قاضی اسماعیل فرید آبادی کو تحریر فرمایا۔ شیخ روز بہان نقلی (قدس سرہ) کے کلام کی شرح (کے بیان) میں اور اس کے ساتھ توحید و جودی کے بعض دقائق (کا بیان)۔ ۴۴۳
- (۹۰) فقیر ہاشم کشمی کو تحریر فرمایا۔ ان کے اس سوال کے جواب میں جو انہوں نے عارفوں کے دل کے حق و علا کے مشاہدہ کرنے کی حقیقت کے بارے میں کیا تھا۔ ۴۴۷
- (۹۱) مولانا طاہر بدخشی کو تحریر فرمایا۔ ان کے سوالات کے جواب میں جو (انہوں نے) معرفت اور ایمان حقیقی کے درمیان فرق وغیرہ کے بارے میں کیے تھے۔ ۴۵۰
- (۹۲) فقیر ہاشم کشمی کو تحریر فرمایا ہے۔ ان کے اس سوال کے جواب میں جو انہوں نے صوفیہ کے حق سبحانہ کے کلام کو سننے اور ان کے حق تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کے بارے میں کیا تھا۔ ۴۵۳

(۹۳) حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد سعید کو تحریر فرمایا۔ تعین اوّل وجودی کی تحقیق (کے بیان) میں اور حبیب و خلیل اور کلیم علیہم الصلوٰات والتسلیمات کے مبادی تعینات کے درمیان فرق (کے بیان) میں۔ ۴۵۵

(۹۴) حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد معصوم سلمہ اللہ کو تحریر فرمایا۔ کمال و جمال ذاتی کے دقائق اور جو مرتبہ مقدسہ اس سے اوپر ہے، اُس کے بیان میں۔ نیز (حضرت) حبیب، (حضرت) خلیل اور (حضرت) کلیم علیہم السلام کے تعینات کا ان دو مرتبہ سے جو حصہ ہے اور حضرت عالی (مجدد الف ثانی قدس سرہ) کے تعین کا بہرہ کونسا ہے۔ ۴۵۷

(۹۵) مولانا صالح کولابی کو تحریر فرمایا۔ ان اسرار (کے بیان) میں جو حضرت عالی مدظلہ العالی (مجدد الف ثانی قدس سرہ) کی ولایت کے ساتھ مخصوص ہیں۔ ۴۶۲

(۹۶) فقیر ہاشم کشمی کو تحریر فرمایا۔ ان اسرار (کے بیان) میں جو آنسرو صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دو مبارک ناموں (حضرت) احمد اور (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے متعلق ہیں۔ ۴۶۴

(۹۷) صوفی قربان جدید کو تحریر فرمایا۔ عالم کے سرّ موہوم ہونے (کے بیان) میں۔ ۴۶۶

(۹۸) حاجی عبداللطیف خوارزمی کو تحریر فرمایا۔ حسن صوری سے بہت زیادہ لطف اندوز ہونے کے راز (کے بیان) میں۔ ۴۶۷

(۹۹) جناب سیادت تاب اور ارشاد پناہ میر مومن بختی کو تحریر فرمایا۔ ان ظاہری و باطنی نعمتوں کے شکریہ کے اظہار میں جو ماوراء النہر کے اکابر کی برکات سے پہنچی ہیں۔ ۴۶۷

(۱۰۰) شیخ نور الحق کو تحریر فرمایا۔ حضرت یعقوب (علیہ السلام) کی حضرت یوسف (علیہ السلام) کی محبت میں گرفتاری کے راز کے کشف (کے بیان) میں (اور) اس کے ساتھ بعض عجیب اسرار اور نزلے علوم (کا ذکر)۔ ۴۶۹

(۱۰۱) شیخ عبداللہ کو تحریر فرمایا۔ فلاسفہ کے ذوق کے مطابق قرآن کی آیات کی تفسیر و تاویل کرنے سے منع کرنے (کے بیان) میں۔ ۴۷۷

(۱۰۲) جناب میر محمد نعمان کو تحریر فرمایا۔ مجاہدات اور یکسوئی کی ترغیب اور طالبان حق جل و علا کی تربیت (کے بیان) میں۔ ۴۷۷

(۱۰۳) شیخ حمید الجمیری کو تحریر فرمایا۔ کمال و تکمیل کے حاصل کرنے کی ترغیب (کے بیان) میں۔ ۴۷۸

(۱۰۴) خواجہ محمد سعید اور خواجہ محمد معصوم کو تحریر فرمایا۔ ان کو بعض اعلیٰ مقامات حاصل ہونے کی بشارت (کے بیان) میں۔ ۴۷۹

(۱۰۵) شیخ حسن برکی کو تحریر فرمایا۔ ان کے خط کے جواب میں جو انہوں نے اپنے حالات کے بارے میں لکھا تھا۔ نیز سنت کو زندہ کرنے کی ترغیب اور بدعت سے ڈرانے (کے بیان) میں۔ ۴۹۱

(۱۰۶) حضرات مخدوم زادگان سلمہم اللہ سبحانہ کو تحریر فرمایا۔ اس واقعہ کے بیان میں کہ جس میں آپ (حضرت مجدد قدس سرہ) نے آنسرو صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے بشارتیں پائی ہیں۔ ۴۹۲

(۱۰۷) خواجہ محمد اشرف کو تحریر فرمایا۔ نسبت رابطہ اور عبادتوں کی لذت میں فتور آنے کے سبب کے بیان میں۔ ۴۹۳

(۱۰۸) ملا طاہر خادم کو تحریر فرمایا۔ ان معاملات کے بیان میں جو اصل الاصل سے تعلق رکھتے ہیں اور یہ معرفت معنی سے منقول ہے۔ ۴۹۳

(۱۰۹) حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد معصوم سلمہ اللہ سبحانہ کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ عالم کی ایجاد مرتبہ وہم میں ہے، لیکن ایجاد کے استقرار و تعلق کی وجہ سے یہ نفس امری ہو گیا ہے اور یہ مرتبہ علم و خارج کے مرتبہ سے ماوراء ہے۔ نیز اس بیان میں کہ وحدت بھی نفس امری ہے اور کثرت بھی۔ اور اس چیز کی تحقیق میں کہ سالک کی فنا اس کے ثبات و استقرار کے باوجود کس معنی میں

- ۴۹۴ ہے۔ یہ مکتوب زمانے کے حادثات کی وجہ سے نامکمل رہ گیا ہے۔
- (۱۱۰) حضرت مخدوم زادہ محمد معصوم سلمہ اللہ تعالیٰ کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ عارف کا معاملہ یہاں تک پہنچ جاتا ہے کہ کسی معلوم کی صورت اس میں حاصل نہیں ہوتی۔ اس وقت ذرات میں سے ہر ذرہ اس کے لیے مطلوب کی جانب ایک شاہراہ ہوتا ہے۔ نیز اس کا بیان کہ اس عارف کی محبت حق سبحانہ کی محبت تک پہنچا دیتی ہے اور اس کا بغض حق تعالیٰ کے بغض تک لے جاتا ہے اور ایسے ہی اس کی تعظیم اور اہانت (کا معاملہ ہے)۔ اور آنسور علیہ وسلم الصلوٰۃ والسلام کی آلؑ و اصحابؑ کو بھی آنسور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ یہی نسبت ہے۔ یہ معارف معنی سے نقل کیے گئے ہیں۔
- ۴۹۶ (۱۱۱) شیخ نور محمد تہاری کو تحریر فرمایا۔ مقام قَابِ قَوْسَیْنِ اَوْ اَذْنٰی کے بعض عجیب اسرار (کے بیان) میں اور اس کا راز جو عارف اپنے کاتبِ شمال (بائیں جانب نامہ اعمال لکھنے والے فرشتے) کو نہیں پاتا۔ یہ معارف بھی معنی سے منقول ہیں۔
- ۴۹۷ (۱۱۲) شریعت پناہ قاضی اسلم کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ حق تعالیٰ کی صفات حقیقہ نہ اس کی ذات کا عین ہیں اور نہ ہی حق سبحانہ کی ذات کا غیر ہیں۔
- ۴۹۹ (۱۱۳) ملا سلطان سرہندی کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ حق تعالیٰ کی صفات حیات و علم اور باقی سب کمالات کے ساتھ متصف ہیں اور صفات کے اس قیام کے معنی کی تحقیق (کے بیان) میں جو وہ ذات جل سلطانہ کے ساتھ رکھتی ہیں۔
- ۵۰۰ (۱۱۴) صفات واجبی تعالیٰ کی تحقیق اور اپنے کمالات کے ساتھ حق تعالیٰ کے علم کے تعلق کی کیفیت (کے بیان) میں اور اس بیان میں کہ معنی کو عین کے ساتھ قیام کے سوا چارہ نہیں، لیکن اس کے لیے محل کو ثابت کرنا ضروری نہیں ہے۔ نیز تعین وجودی اور انبیائے متبوعین، انبیائے تابعین اور ملائکہ کرام علی الانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مبادی تعینات اور اولیاء و عوام مومنین، کفار اور عالم آخرت کی موجودات کے مبادی تعینات کے بیان میں۔
- ۵۰۱ (۱۱۵) عرفان پناہ مرزا حسام الدین احمد کو تحریر فرمایا، ان کے سوالات کے جواب میں۔
- ۵۰۸ (۱۱۶) خواجہ ابوالکرام کو تحریر فرمایا، اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی خدمتگاری کی ترغیب میں۔
- ۵۰۸ (۱۱۷) مولانا شیخ غلام محمد کو تحریر فرمایا۔ آیت کریمہ: اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَذِکْرٰی کے معنی کے بیان میں اور دوسرے اعتراضات کے بیان میں۔
- ۵۰۹ (۱۱۸) مولانا عبدالقادر انبالی کو تحریر فرمایا۔
- ۵۱۲ (۱۱۹) مولانا شیخ محمود کو تحریر فرمایا۔
- ۵۱۷ (۱۲۰) میر منصور کو تحریر فرمایا، گوشہ نشینی کے اختیار کرنے کے بیان میں۔
- ۵۱۹ (۱۲۱) میرزا حسام الدین احمد کو تحریر فرمایا۔ اس مکتوب کی عبارات کے حل میں جو اسرار پر مشتمل ہے۔
- ۵۱۹ (۱۲۲) مولانا حسن دہلوی کو تحریر فرمایا۔
- ۵۲۸ (۱۲۳) نور محمد تہاری کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ جو راستے جنابِ قدس کی طرف پہنچانے والے ہیں، وہ دو ہیں۔
- ۵۴۴ (۱۲۴) شیخ محمد طاہر بدخشی کو تحریر فرمایا۔
- ۵۴۷

مکتوباتِ امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ

(حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی قدس سرہ)

دفترِ دوّم

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ.

الْحَمْدُ لِلَّهِ حَمْدًا كَثِيرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيهِ مُبَارَكًا عَلَيْهِ وَكَمَا يُحِبُّ رَبُّنَا وَيَرْضَى وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ
الْآتِمَانِ الْاَكْمَلَانِ عَلَى حَبِيبِهِ مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَأَهْلِ بَيْتِهِ وَكَمَلِ وَرَثَتِهِ وَسَائِرِ مَنْ اتَّبَعَ الْهُدَى
وَعَلَى جَمِيعِ الْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِينَ وَالْمَلَائِكَةِ الْمَقَرَّبِينَ كَمَا يَلِيقُ لِعُلُوِّ شَانِهِمْ وَيَجْوَى.

یعنی: اللہ تعالیٰ کے لیے حمد ہے، بہت ہی زیادہ، پاکیزہ حمد جس میں برکت ہو اور جس (کی ادائیگی) پر بھی برکت ہو اور
ایسی ہو جو ہمارے پروردگار کو محبوب اور پسند ہو۔ اور مکمل ترین اور کامل ترین درود و سلام اس کے حبیب (حضرت) محمد (صلی
اللہ علیہ وآلہ وسلم)، آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آل (اطہار)، صحابہ (کرام)، اہل بیت (عظام)، کامل وارثین، تمام
ہدایت کی پیروی کرنے والوں اور سب انبیاء و مرسلین اور مقررین فرشتوں پر، جیسا کہ ان کی شان کی بلندی اور مرتبہ (کی
عظمت) کے لائق ہے۔

اما بعد، یہ وہ مکتوبات ہیں جو نادر علوم اور عجیب معارف، لطیف اسرار اور گرامی نکات پر مشتمل ہیں، جن کے بارے میں
عارفوں میں سے کسی عارف نے گفتگو نہیں کی اور اولیاء میں سے کسی ولی نے اشارہ نہیں کیا (اور) ان کو بلند ہمت امام، راسخ علماء
کے پیشوا، انبیاء کی بزرگیوں سے مشرف، اصلی ولایت کے صاحب، اسرار الہی کے مخزن، قرآن (مجید) کے مشابہات کی
باریکیوں سے آگاہ، رحمان کی نشانیوں میں سے ایک عجیب نشانی، مجدد الف ثانی، ہمارے شیخ اور ہمارے امام (حضرت) شیخ
احمد فاروقی سَلَّمَہُ اللہُ تَعَالٰی سُبْحَانَهُ عَلٰی رَءْ وُسِ الْعَالَمِیْنَ (اللہ تعالیٰ سبحانہ جہان والوں کے سروں پر آپ کو سلامت
رکھے) نے نبوت کے چراغ سے اخذ کیا ہے۔

جب مکتوبات کی پہلی جلد تین سو تیرہ کے عدد پر پہنچی تو حضرت عالی (مجدد الف ثانی) سلمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کو
اسی عدد پر ختم کر دیا جائے، کیونکہ (یہ) انبیاء مرسلین صلوات اللہ تعالیٰ علی نبینا وعلیہم کی تعداد کے موافق ہے اور نیز اہل بدر
رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کے عدد کے مطابق ہے، (لہذا) برکت اور فیض حاصل کرنے کے لیے اسے اسی عدد پر ختم کر دیا گیا۔
اس کے بعد جو دوسرے قدسی آیات مکتوبات تحریر کیے گئے، معارف آگاہی، حقائق دستگاہی، مظہر فیض الہی، مظہر اسرار
ناتناہی، جامع علوم ظاہری و باطنی حضرت مخدوم زادہ شیخ مجدد الدین خواجہ محمد معصوم سَلَّمَہُ اللہُ سُبْحَانَهُ وَأَوْصَلَهُ
إِلٰی غَايَةِ مَا يَتِمَّنَّاهُ (اللہ تعالیٰ ان کو سلامت و باقی رکھے اور ان کو اُن کی تمناؤں کی انتہا تک پہنچائے) اس بات کا موجب
بنے کہ یہ مکتوبات بھی جمع کیے جائیں۔ (لہذا) آپ کے مبارک اشارہ کے مطابق اس بلند درگاہ کے خاکروہوں میں سب سے
حقیر اور باری تعالیٰ کے بندوں میں سب سے زیادہ ضعیف عبدالحی بن خواجہ چاکر حصارِی غَفَرَ اللہُ تَعَالٰی سُبْحَانَهُ ذُنُوبَهُ
وَسَتَرَ اللہُ تَعَالٰی سُبْحَانَهُ عِيُوبَهُ وَأَحْسَنَ اللہُ تَعَالٰی خَاتِمَتَهُ (اللہ تعالیٰ سبحانہ اس کے گناہوں کو بخشے اور اللہ تعالیٰ
سبحانہ اس کے عیبوں پر پردہ ڈالے اور اللہ تعالیٰ اس کا خاتمہ بالخیر کرے) ان مکتوبات کے جمع کرنے میں مصروف ہو گیا۔
وَهُوَ اللہُ الْمُؤَفَّقُ وَعَلَيْهِ التَّكْلَانُ. یعنی: اور اللہ ہی توفیق دینے والا ہے اور اُسی پر بھروسہ ہے۔

مکتوب نمبر (۱)

شیخ عبدالعزیز جو نیوری کو تحریر فرمایا۔ شیخ محی الدین ابن العربی قدس سرہ کے مذہب (کی رو) سے مسئلہ وحدت الوجود کی تحریر کے بیان میں، نیز اس مسئلہ میں حضرت عالی (مجدد الف ثانی) سَلَّمَهُ اللہُ تَعَالٰی کے مسلک مختار کے بیان میں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ.

سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے جس نے امکان کو وجوب کا آئینہ بنایا اور عدم کو وجود کا مظہر بنایا۔ وجوب اور وجود اگرچہ حق سبحانہ کے کمال کی دو صفات ہیں، لیکن حق تعالیٰ ان دونوں سے وراء ہیں، بلکہ وہ تمام اسماء و صفات سے وراء اور سب شیون و اعتبارات سے وراء اور ظہور و بطون سے وراء اور بروز و کمون (ظاہر ہونے اور پوشیدہ ہونے) سے وراء اور تجلیات و ظہورات سے وراء اور سب موصول و مفصول سے وراء اور تمام مشاہدات و مکاشفات سے وراء اور سب محسوس و معقول سے وراء اور تمام موہوم و متخیل سے بھی وراء ہے۔ پس حق سبحانہ وراء الوراء ہے۔ پھر وراء الوراء اور پھر وراء الوراء ہے:

چہ گویم با تو از مرغی نشانہ کہ با عنقا بود ہم آشیانہ
ز عنقا ہست نامے پیش مردم ز مرغ من بود آں نام ہم گم

یعنی: میں تجھے اس پرندے کا پتا کیا بتاؤں، کیونکہ وہ عنقا کا ہم گھونسل ہے۔

♦ عنقا کا نام تو لوگ جانتے ہیں، میرے اس پرندے کا نام بھی نامعلوم ہے۔

کسی حمد کرنے والی کی حمد اس کی ذات اقدس کی بارگاہ میں نہیں پہنچتی، بلکہ سب تعریفوں کی نہایت اس کی عزت کے پردوں سے نیچے رہ جاتی ہے۔ پس وہ ایسی ذات (اقدس) ہے جو اپنی ذات کی تعریف خود ہی کرتا ہے اور اپنی ذات (قدس) کی حمد خود اپنی ذات سے کرتا ہے۔ پس حق سبحانہ (خود ہی) حامد اور (خود ہی) محمود ہے اور اس کے علاوہ ہر کوئی حمد مقصود ادا کرنے سے عاجز ہے۔ کیوں (عاجز) نہ ہو، جبکہ وہ ہستی (حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ آلہ وسلم) بھی حق سبحانہ کی حمد سے عاجز ہے جو قیامت کے روز حمد کے اس جھنڈے کو اٹھانے والی ہے جس کے نیچے (حضرت) آدم (علیہ السلام) اور سب انبیاء (علیہم السلام) ہوں گے اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ظہور میں تمام مخلوقات سے افضل و اکمل اور مرتبہ میں سب سے زیادہ قریب اور کمال میں سب سے زیادہ جامع اور جمال میں سب سے زیادہ حسین اور حسن میں بدر کمال اور قدر میں سب سے زیادہ ارفع اور بزرگی و شرف میں سب سے زیادہ عظیم اور دین میں سب سے زیادہ مضبوط اور ملت میں سب سے زیادہ عادل اور حسب میں زیادہ سے زیادہ اکرم اور نسب میں سب سے زیادہ شریف اور خاندان سب سے زیادہ معزز ہیں۔ اگر اللہ سبحانہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو پیدا نہ کرتا تو تمام مخلوقات کو پیدا نہ کرتا اور اپنی ربوبیت کو ظاہر نہ فرماتا۔^(۱) آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اُس وقت بھی نبی تھے جب (حضرت) آدم (علیہ السلام) پانی اور مٹی کے درمیان تھے۔^(۲) جب قیامت کا روز ہوگا تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سب نبیوں کے امام، ان کے خطیب اور صاحب شفاعت ہوں گے۔^(۳) آپ (صلی اللہ علیہ وسلم)

وسلم) نے ارشاد فرمایا کہ (دنیا میں ظہور کے لحاظ سے) ہم سب سے آخر میں ہیں اور قیامت کے روز ہم سب سے آگے ہوں گے اور میں یہ بات بغیر فخر کے کہتا ہوں۔^(۴) اور میں اللہ تعالیٰ کا حبیب ہوں اور میں نبیوں کا خاتم (مہر اور آخری نبی) ہوں اور مجھے اس پر کوئی فخر نہیں۔^(۵) اور جب لوگ اٹھائے جائیں گے تو میں سب سے پہلے اٹھوں گا۔^(۶) اور جب بنی آدم (گروہ درگروہ) بارگاہِ خدا میں حاضر ہوں گے تو میں ان کا قائد ہوں گا اور جب وہ (ابھی) خاموش ہوں گے تو میں ان کا خطیب ہوں گا اور جب وہ روک لیے جائیں گے تو میں ان کا شفاعت کرنے والا ہوں گا، جب لوگ رحمت و کرامت سے ناامید ہو جائیں گے تو میں ان کو خوشخبری دینے والا ہوں گا۔^(۷) اور (اس روز کرامت و جنت کی) کنجیاں میرے ہاتھ میں ہوں گی:

در قافلہ کہ اوست دائم نرسم این بسکہ رسد ز دور بانگِ جزم
یعنی: جس قافلہ میں وہ ہے میں جانتا ہوں کہ اس تک نہیں پہنچ سکتا، یہی کافی ہے کہ دور سے مجھے گھنٹی کی آواز پہنچتی رہے۔
اللہ سبحانہ کی رحمتیں اور (حق) عز شانہ کا سلام اور اللہ جل برہانہ کی برکتیں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بھائیوں تمام انبیاء و مرسلین اور مقربین فرشتوں پر اور تمام اہل طاعت پر نازل ہوں، وہ درود و سلام اور تحیہ و برکت نازل ہو جس کے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سزاوار ہیں اور یہ سب جس کے لائق ہیں، جب تک کہ ذکر کرنے والے اس کے ذکر میں مشغول رہیں اور جب تک غافل اس کے ذکر سے غافل رہیں۔

بَعْدَ الْحَمْدِ وَالصَّلَاةِ وَتَبْلِيغِ الدَّعَوَاتِ وَإِرْسَالِ التَّحِيَّاتِ.
یعنی: اللہ تعالیٰ کی حمد اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود (وسلام) اور سلام و دعا پیش کرنے کے بعد۔
واضح ہو کہ آپ نے جو مکتوب شریف اس فقیر کے نام لکھا تھا، میرے پیارے بھائی شیخ محمد طاہر نے پہنچایا اور انہوں نے خوش وقت بنایا۔ چونکہ یہ ارباب کشف و شہود کے حقائق و معارف پر مشتمل تھا، لہذا اس نے خوشی پر خوشی کو بڑھایا۔
جَزَاكُمُ اللَّهُ خَيْرًا سُبْحَانَهُ. یعنی: اللہ سبحانہ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

آپ کے مکتوب کی موافقت کرتے ہوئے فقیر بھی اس بلند گروہ (صوفیہ) کے اذواق اور مذاق کی چند باتوں کو سامنے رکھ کر چند کلمات کی (آپ کو) زحمت دیتا ہے۔

میرے مخدوم! آپ کے علم شریف میں ہے کہ وجود ہر خیر و کمال کا مبداء ہے اور عدم ہر نقص و خرابی اور زوال کا منشاء ہے۔ پس وجود واجب (تعالیٰ) جل سلطانہ کے لیے ثابت ہے اور عدم ممکن کو نصیب ہے، تاکہ تمام خیر و کمال اللہ تعالیٰ کی جانب عائد ہو اور سب شر و نقص اس (ممکن) کی طرف راجع ہو۔ ممکن کے لیے وجود ثابت کرنا اور خیر و کمال کو اس کی جانب راجع کرنا درحقیقت اس کو حق جل سلطانہ کے ملک و ملک میں شریک بنانا ہے۔ ایسے ہی ممکن کو واجب تعالیٰ شانہ کا عین کہنا اور اس (ممکن) کی صفات و افعال کو حق تعالیٰ کی صفات و افعال کا عین بنانا بے ادبی اور اللہ تعالیٰ کی اسماء و صفات میں گمراہی (شرک) ہے۔ بیچارہ کمینہ خاکروب جو ذاتی نقص و خبث سے داندرا ہے، اس کی کیا مجال کہ وہ خود کو اس عظیم الشان سلطان، جو خیرات و کمالات کا مبداء ہے، کا عین تصور کرے اور اپنی بری صفات و افعال کو اس کی نیک صفات و افعال کا عین خیال کرے۔
علمائے طاہر نے ممکن کے لیے وجود ثابت کیا ہے اور واجب تعالیٰ کے وجود اور ممکن کے وجود کو وجود کے افراد مطلق میں

سے سمجھا ہے۔ مختصر یہ ہے کہ انہوں نے (منطقی اصطلاح) قضیہ تشکیک کے قاعدہ کی رو سے واجب تعالیٰ کے وجود کو اولیٰ اور اقدم کہا ہے اور یہ چیز ممکن کو واجب تعالیٰ کے ساتھ ان کمالات و فضائل میں جو اس وجود سے پیدا ہوئے، شریک بنانے کا موجب ہے۔ تَعَالٰی اللّٰهُ عَنْ ذٰلِكَ عُلُوًّا كَبِيْرًا۔

یعنی: اللہ تعالیٰ اس بات سے بہت ہی زیادہ بلند اور بزرگ ہے۔

حدیث قدسی میں آیا ہے: اَلْكِبْرِيَاءُ رِذَائِي وَالْعُظْمَةُ اِزَارِي۔^(۸)

یعنی: بڑائی میری چادر اور عظمت میرا آزار (تہبند) ہے۔

اگر علمائے ظاہر اس نکتہ سے آگاہ ہو جاتے تو ہرگز ممکن کے لیے وجود ثابت نہ کرتے اور خیر و کمال جو (بارگاہ) حضرت حق جل و علا کے ساتھ مخصوص ہے، کو وجود کی خصوصیت کے اعتبار سے ممکن کے لیے ثابت نہ کرتے۔

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَسِيتْنَا اَوْ اَخْطَاْنَا۔ (سورۃ بقرہ، ۲۸۶)

یعنی: اے ہمارے پروردگار! اگر ہم سے بھول یا چوک ہو گئی ہو تو ہم سے مواخذہ نہ فرمانا۔

اکثر صوفیہ خاص کر ان کے متاخرین نے ممکن کو واجب تعالیٰ کا عین سمجھا ہے اور وہ اس کی صفات و افعال کو واجب تعالیٰ کی صفات و افعال کا عین خیال کرتے ہوئے کہتے ہیں:

ہمسایہ و ہمنشین و ہمرہ ہمہ اوست در دلّی گدا و اطلّسِ شہ ہمہ اوست

در انجمن فرق و نہانِ خانہ جمع باللہ ہمہ اوست ثم باللہ اوست

یعنی: پڑوسی، ہم نشین اور رفیق سب وہی (اللہ تعالیٰ) ہے، فقیر کی گودڑی اور شاہی لباس میں بھی وہی (اللہ تعالیٰ) ہے۔

✦ انجمن کی علیحدگی اور خلوت خانہ کے اجتماع میں (یعنی سب جگہ) اللہ کی قسم وہی (اللہ) ہے، پھر اللہ کی قسم وہی (اللہ) ہے۔

ان بزرگواروں نے اگرچہ وجود کو شریک کرنے سے پرہیز کیا ہے اور دوئی سے گریز کیا ہے، لیکن انہوں نے غیر وجود کو وجود سمجھا ہے اور نقائص کو کمالات کہہ کر کہتے ہیں کہ کسی چیز میں بھی ذاتی نقص اور خرابی نہیں ہے، اگر ہے تو وہ نسبی اور اضافی ہے۔ مثلاً زہر قاتل انسان کی نسبت سے خرابی رکھتا ہے کہ اس کی زندگی کو ختم کرنے والا ہے اور اس حیوان کی نسبت سے آب حیات اور تریاقِ نافع ہے جس میں یہ زہر پیدا ہوتا ہے۔ اس معاملے میں ان کا پیشوا ان کا کشف و شہود ہے۔ جس قدر انہوں نے ظاہر کیا ہے، اتنا ہی انہیں معلوم ہوا ہے۔ اَللّٰهُمَّ اَرِنَا حَقَائِقَ الْاَشْيَاءِ کَمَا هِيَ۔^(۹)

یعنی: اے اللہ! تو ہمیں چیزوں کی حقیقتیں دکھا جیسی کہ وہ ہیں۔

اس بارے میں جو کچھ اس فقیر پر ظاہر کیا گیا ہے، وہ تفصیل کے ساتھ بیان کرتا ہے۔ پہلے (فقیر) شیخ محی الدین ابن عربی (رحمۃ اللہ علیہ) جو متاخرین صوفیہ کے امام اور پیشوا ہیں، کا اس مسئلے میں مذہب بیان کرتا ہے۔ اس کے بعد جو کچھ کشف میں آیا ہے، وہ تحریر کرے گا، تاکہ دونوں مذاہب کے درمیان مکمل طور پر فرق واضح ہو جائے، اور باریکی کی وجہ سے ایک دوسرے کے ساتھ خط ملط نہ رہیں۔

شیخ محی الدین (ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ) اور ان کے پیروکار فرماتے ہیں کہ واجب تعالیٰ جل و علا کے اسماء و صفات،

ذاتِ واجب تعالیٰ و تقدّس کے عین ہیں اور اسی طرح ایک دوسرے کے بھی عین ہیں۔ مثلاً علم اور قدرت جس طرح ذاتِ حق تعالیٰ کے عین ہیں، اُسی طرح ایک دوسرے کے بھی عین ہیں۔ نیز اس مقام میں کسی اسم اور رسم (نشان) کی کوئی تعداد اور کثرت نہیں ہے اور نہ ہی کوئی امتیاز اور فرق ہے۔ مختصر یہ کہ ان اسماء و صفات اور شبیوں و اعتبارات نے حضرتِ علم میں اجمالی و تفصیلی طور پر امتیاز اور فرق پیدا کر لیا ہے۔ اگر فرق اجمالی ہے تو اس کو تعینِ اوّل سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اگر تفصیلی ہے تو وہ تعینِ ثانی سے موسوم ہے۔ تعینِ اوّل کو وحدت کا نام دیتے ہیں اور اس کو حقیقتِ محمدی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سمجھتے ہیں، اور تعینِ ثانی کو واحدیت کہتے ہیں اور (اسے) تمام ممکنات کے حقائق خیال کرتے ہیں۔ نیز ممکنات کو ان حقائق کو اعیانِ ثابتہ سمجھتے ہیں اور وہ ان دو تعینِ علمی، جنہیں وحدت اور واحدیت کہتے ہیں، کو مرتبہ و جوب میں ثابت کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ان اعیان نے خارجی وجود کی کوئی بونہیں پائی ہے اور خارج میں احدیتِ مجردہ کے علاوہ کچھ بھی موجود نہیں ہے اور یہ کثرت جو خارج میں دکھائی دیتی ہے، ان اعیانِ ثابتہ کا عکس ہے جو ظاہری وجود کے آئینے میں منعکس ہوا ہے، جس کے سوا خارج میں کچھ موجود نہیں ہے اور اس نے وجودِ تجلی پیدا کر لیا ہے، جس طرح کہ ایک شخص کی صورت آئینے میں منعکس ہو جاتی ہے اور آئینے میں وجودِ تجلی پیدا کر لیتی ہے، لیکن تجل کے سوا اس عکس کا کوئی وجود ثابت نہیں ہے اور آئینے میں کسی چیز نے حلول نہیں کیا ہے اور اس آئینے کی سطح پر بھی کوئی چیز منقش نہیں ہوئی، بلکہ اگر کچھ نقش ہوا ہے تو وہ تجل میں ہے، جس کا آئینے کی سطح پر وہم ہوا ہے اور یہ خیالی اور وہمی چیز چونکہ اللہ جلّ سلطانہ کی پیدا کی ہوئی ہے جو کامل یقینِ محکم کی حامل ہے اور وہم و خیال کے ذریعے زائل نہیں ہوتی۔ دائمی ثواب اور عذاب اسی پر مرتب ہوتا ہے۔ یہ کثرت، جو خارج میں نمودار ہوئی ہے، اس کی تین قسمیں ہیں:

پہلی قسم تعینِ روحی ہے، دوسری قسم تعینِ مثالی ہے اور تیسری قسم تعینِ جسمی ہے جو (عالم) شہادت سے تعلق رکھتی ہے۔ ان تین اقسام کو تعیناتِ خارجیہ کہتے ہیں اور مرتبہ امکان میں ثابت کرتے ہیں۔ تنزلاتِ خمسہ سے مراد یہی پانچ تعینات ہیں اور ان تنزلاتِ خمسہ کو حضراتِ خمس بھی کہتے ہیں۔ چونکہ علم اور خارج میں واجب تعالیٰ کی ذات کے سوا اور اسماء و صفاتِ واجبی جلّ سلطانہ، جو کہ عین ذات تعالیٰ و تقدّس ہیں، کے علاوہ ان کے نزدیک اور کوئی چیز ثابت نہیں ہوئی ہے اور انہوں نے صورتِ علمیہ کو ذی صورت کا عین سمجھا ہے، نہ کہ اس کی خیالی شبیہ اور مثال۔ اسی طرح انہوں نے اعیانِ ثابتہ کی منعکس ہونے والی صورت، جو ظاہر وجود کے آئینہ میں نمودار ہوئی ہے، کو ان اعیان کا عین تصور کر لیا ہے، نہ کہ ان کی شبیہ (اور مثال)، لہذا مجبوراً انہوں نے اتحاد کا حکم لگا دیا ہے اور ”ہمہ اوست“ کہہ دیا ہے۔

یہ مسئلہ وحدت الوجود میں شیخ محی الدین ابن العربی (رحمۃ اللہ علیہ) کے مذہب کا اجمالی طور پر بیان ہے (اور) یہی وہ علوم ہیں۔ اسی طرح کے وہ علوم ہیں جن کو ان کے شیخ (ابن العربی) ”خاتم الولاہیت“ کے ساتھ مخصوص سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ”خاتم النبوت ان علوم کو خاتم الولاہیت سے اخذ کرتا ہے۔“ اور فصوص (الحکم) کے شارحین اس کی وضاحت کرنے میں تکلفات کرتے ہیں۔

الغرض یہ کہ شیخ (ابن العربی) سے پہلے اس گروہ (صوفیہ) میں سے کسی ایک نے بھی ان علوم و اسرار کے بارے میں زبان نہیں کھولی ہے اور اس بات کو اس طریقہ سے بیان نہیں کیا۔ اگرچہ سکر کے غلبات میں ان سے توحید و اتحاد کی باتیں ظہور

میں آئی ہیں اور انہوں نے اَنَا الْحَقُّ (قول منصور حلاجؒ) اور مُبْحَانِي (قول بایزید بسطامیؒ) کہا ہے، لیکن ان کو اتحاد کی وجہ معلوم نہیں ہوئی اور انہوں نے توحید کی منشاء کو نہیں پایا۔ پس شیخ (ابن العربیؒ) اس گروہ (صوفیہ) کے متقدمین کی برہان ہوئے اور ان کے متاخرین کی حجت بنے ہیں۔ اس کے باوجود اس مسئلہ میں بہت سے دقائق پوشیدہ رہ گئے ہیں اور اس بارے میں مخفی اسرار پوری طرح ظاہر نہیں ہوئے ہیں جن کے اظہار کی توفیق فقیر کو حاصل ہوئی ہے اور جن کے تحریر کرنے کی اسے بشارت ملی ہے۔ وَاللّٰهُ يُحَقِّقُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيلَ.

یعنی: اور اللہ تعالیٰ ہی حق کو ثابت کرتا ہے اور وہی سیدھا راستہ دکھاتا ہے۔

میرے مخدوم! واجب الوجود تعالیٰ و تقدس کی صفات ثنائیہ (آٹھ صفات) جو اہل حق (اہل سنت و جماعت) شَکَرُ اللّٰهِ تَعَالٰی سَعَّيْهُمْ (اللہ تعالیٰ ان کی کوشش کو مشکور فرمائے) کے نزدیک خارج میں موجود ہیں، وہ ضرور خارج میں ذات تعالیٰ و تقدس سے متمیز ہیں، اس امتیاز کے ساتھ جو بے مثالی اور بے مثالی کی قسم سے ہے۔ اسی طرح یہ صفات ایک دوسرے سے متمیز ہیں، بے مثالی امتیاز کے ساتھ، بلکہ بے مثالی فرق حضرت ذات تعالیٰ و تقدس کے مرتبہ میں بھی ثابت ہے۔

لَا نَهْ الْوَاسِعُ بِالْوَسْعِ الْمَجْهُولِ الْكَيْفِيَّةِ.

یعنی: کیونکہ وہ ایسی وسعت کے ساتھ ہر چیز کو گھیرنے والا ہے جس کی کیفیت معلوم نہیں۔

اور وہ تمیز جو ہمارے عقل و شعور میں آسکتی ہے، اس جناب قدس سے مسلوب ہے، کیونکہ وہاں بعض ہونا اور جز جز ہونا متصور نہیں ہے۔ اور تحلیل و ترکیب کو حضرت جل سلطانہ میں دخل نہیں اور حالت (اس کا کسی میں سرایت کرنا) اور مخلولیت (کسی کا اس میں سرایت کرنا) کی بھی وہاں کوئی گنجائش نہیں۔

الغرض جو کچھ ممکن کی صفات و اعراض میں سے ہے، وہ سب اس جناب قدس سے مسلوب ہے۔

لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ (سورۃ شوریٰ، ۱۱) لَا فِي الذَّاتِ وَلَا فِي الصِّفَاتِ وَلَا فِي الْأَفْعَالِ.

یعنی: اس جیسی کوئی چیز نہیں، نہ ذات میں اور نہ صفات میں اور نہ افعال میں۔

اس بے مثالی تمیز اور اس بے مثالی وسعت کے باوجود واجب تعالیٰ جل سلطانہ کے اسماء و صفات خانہ علم میں بھی تفصیل اور تمیز رکھتے ہیں اور منعکس ہو گئے ہیں اور ہر اسم و صفت کی تمیز کے لیے مرتبہ عدم میں ایک مقابل اور ایک نقیض ہے، جو عدم علم ہے اور جہل سے تعبیر ہے۔ صفت قدرت کا مقابل عجز ہے جس کو عدم قدرت کہتے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس۔ ان متقابل عدما نے بھی علم واجبی جل سلطانہ میں تفصیل اور تمیز پیدا کی ہوئی ہے اور وہ اپنے متقابل اسماء و صفات کے آئینے بن گئے ہیں اور ان کے عکسوں کے مظہر بن گئے ہیں۔ فقیر کے نزدیک وہ عدما ان اسماء و صفات کے عکسوں کے ساتھ ممکنات کے حقائق ہیں۔

مختصر یہ کہ وہ عدما ان مایہتوں کے لیے اصول اور مواد کی مانند ہیں اور وہ عکس اس مواد میں حلول کرنے والی صورتوں کی طرح ہیں۔ پس شیخ محی الدین (ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ) کے نزدیک ممکنات کے حقائق یہی اسماء و صفات ہیں جو مرتبہ علم میں امتیاز رکھتے ہیں اور فقیر کے نزدیک ممکنات کے حقائق وہ عدما ہیں جو اسماء و صفات کے نقائص ہیں، اسماء و صفات کے ان عکسوں کے ساتھ جو ان عدما کے آئینوں میں علم کے خانہ میں ظاہر ہو کر ایک دوسرے کے ساتھ آپس میں مل گئے ہیں اور

قادر مطلق جل سلطانہ نے جب چاہا تو اس نے ملی جلی مابینوں میں سے کسی ایک ماہیت کو وجود ظلی، جو حضرت وجود کا پرتو ہے، کے ساتھ متصف کر کے اسے موجود خارجی بنادیا۔ الغرض حضرت وجود سے اس ملی ہوئی ماہیت پر پرتو ڈال کر اس نے اسے خارجی آثار کا مبداء بنادیا۔ پس وجود ممکن علم میں اور خارج میں اس کی سب صفات کی طرح حضرت وجود کا ایک پرتو ہے اور اس کے کمالات کا تابع ہے۔ مثلاً ممکن کا علم واجب تعالیٰ و تقدس کے علم کا ایک پرتو اور ظل ہے جو اپنے مقابل میں منعکس ہوا ہے اور ممکن کی قدرت بھی ایک ظل ہے جو اپنے مقابل عجز میں منعکس ہوئی ہے۔ اسی طرح وجود ممکن حضرت وجود کا ایک ظل ہے جو عدم کے آئینوں میں منعکس ہوا ہے جو اس کے مقابل ہیں:

نیادردم از خانہ چیزے نخست تو دادی ہمہ چیز و من چیز تست

یعنی: میں اپنے گھر سے کوئی چیز لے کر نہیں آیا، سب چیزیں تُو نے بخشی ہیں اور میں بھی تیری ہی چیز ہوں۔

لیکن فقیر کے نزدیک شے کا ظل شے کا عین نہیں ہے، بلکہ اس شے کی ایک شبیہ اور مثال ہے اور ایک کا دوسرے کے ثبوت میں پیش کرنا ممنوع ہے۔ پس فقیر کے نزدیک ممکن واجب کا عین نہیں اور ممکن اور واجب کے درمیان حمل کرنا ثابت نہیں، کیونکہ ممکن کی حقیقت عدم ہے اور اس عدم میں اسماء و صفات کا جو عکس منعکس ہوا ہے، وہ ان اسماء و صفات کی شبیہ اور مثال ہے، ان کا عین نہیں ہے۔ لہذا ”ہمہ اوست“ کہنا درست نہیں، بلکہ ”ہمہ از وست“ (کہنا درست ہے)۔ کیونکہ جو کچھ ممکن کا ذاتی ہے، وہ عدم ہے جو خرابی و نقص اور خباثت کا منشا ہے اور کمالات کی قسم میں سے جو کچھ وجود اور اس کے توابع میں سے پیدا ہو، وہ سب اس حضرت جل سلطانہ سے حاصل ہے اور حق سبحانہ کے کمالات ذاتیہ کا عکس ہے۔ پس یقیناً حق تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا نور ہے اور حق سبحانہ کے سوا سب ظلمت ہے، پھر عدم جو تمام ظلمتوں سے بڑھ کر ہے، اس کا کیا حال ہوگا۔ اس بحث کی مکاتھ، تحقیق اس مکتوب (۱: ۲۳۴) میں ملاحظہ فرمائیں جو (فقیر نے) وجود کی حقیقت اور ماہیات ممکنات کی تحقیق کے بیان میں اپنے بڑے فرزند مرحوم (خواجه محمد صادق قدس سرہ) کے نام لکھا ہے۔

پس شیخ محی الدین (ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ) کے نزدیک سارا عالم ان اسماء و صفات سے عبارت ہے، جنہوں نے علم کے خانہ میں تمیز پیدا کر کے ظاہر وجود کے آئینے میں ظہور حاصل کیا ہے۔ فقیر کے نزدیک عالم ان عدا مات سے عبارت ہے، جن کے اندر واجب تعالیٰ جل سلطانہ کے اسماء و صفات خانہ علم میں منعکس ہو گئے ہیں اور یہ عدا مات ان عکسوں کے ساتھ حق سبحانہ کی ایجاد سے وجود ظلی کے ساتھ خارج میں موجود ہو گئے ہیں۔ پھر عالم میں ذاتی خباثت اور فطری خرابی ظاہر ہو گئی اور تمام خیر و کمال جناب قدس جل و علا کی جانب راجع ہو گیا۔ (یہ آیت) کریمہ اسی معرفت کی تائید کرتی ہے:

مَا أَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللَّهِ وَمَا أَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَفْسِكَ. (سورۃ نساء، ۷۹)

یعنی: تجھ کو جو فائدہ پہنچے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور جو نقصان پہنچے وہ تیری ہی (شامت اعمال کی) وجہ سے ہے۔

وَاللَّهُ سُبْحَانَهُ الْمُلْهُمُ. یعنی: اور اللہ سبحانہ ہی (صحیح) الہام فرمانے والا ہے۔

پس اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ عالم خارج میں وجود ظلی کے ساتھ موجود ہے جس طرح کہ حضرت حق سبحانہ خارج میں وجود اصلی کے ساتھ، بلکہ اپنی ذات کے ساتھ موجود ہے۔

مختصر یہ کہ یہ خارج بھی وجود و صفات کی مانند اسی خارج کا ظل ہے۔ پس عالم کو حق جل و علا سلطانہ کا عین نہیں کہا جاسکتا اور ایک کو دوسرے پر حمل کرنا جائز نہیں ہے۔ آدمی کے ظل کو اس کا عین نہیں کہا جاسکتا، کیونکہ خارج میں یہ دونوں چیزیں ایک دوسرے کی متغائر ہوتی ہیں۔ اگر کوئی شخص کسی آدمی کے ظل کو اس کا عین کہے تو وہ غفلت اور مجاز کے طور پر ہوگا جو ہماری اس بحث سے خارج ہے۔

اگر کہیں کہ شیخ محی الدین (ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ) اور ان کے پیروکار بھی عالم کو حق تعالیٰ کا ظل ہی سمجھتے ہیں، پھر فرق کیا ہوا؟ ہم (جواب میں) کہتے ہیں کہ وہ اس ظل کے وجود کو وہم کا درجہ ہی سمجھتے ہیں اور اس کے حق میں وجود خارجی کی بوجہ تجویز نہیں کرتے۔ الغرض وہ کثرت موہومہ کو وحدت موجودہ کے ظل سے تعبیر کرتے ہیں اور خارج میں واحد تعالیٰ ہی کو موجود مانتے ہیں۔ شَتَّانَ مَا بَيْنَهُمَا۔ یعنی: ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔

پس اصل پر ظل کے حمل کرنے اور نہ کرنے کا موجب ظل کے لیے وجود خارجی کا اثبات اور اس وجود کا عدم اثبات ہوا۔ چونکہ وہ لوگ ظل کے لیے وجود خارجی ثابت نہیں کرتے، لہذا مجبوراً اصل پر محمول کرتے ہیں۔ یہ فقیر چونکہ ظل کو خارج میں موجود سمجھتا ہے، اس لیے اصل پر حمل کرنے کی پیش قدمی نہیں کرتا۔ ظل سے وجود اصلی کی نفی میں فقیر اور وہ لوگ شریک ہیں اور وجود ظلی کے اثبات میں بھی متفق ہیں، لیکن یہ فقیر وجود ظلی کو خارج میں ثابت کرتا ہے اور وہ وجود ظلی کو وہم و خیال میں گمان کرتے ہیں اور خارج میں احدیت مجردہ کے سوا کچھ موجود نہیں سمجھتے۔ صفات ثمانیہ جن کا وجود اہل سنت و جماعت رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی آراء سے خارج میں ثابت ہو چکا ہے، ان کو بھی (صفت) علم کے سوا ثابت نہیں کرتے۔ علمائے ظاہر اور ان حضرات رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اعتدال کی دو طرفوں (افراط و تفریط) کو اختیار فرمایا ہے اور حق کا متوسط درجہ اس فقیر کو نصیب ہوا، جس میں وہ کامیاب ہوا۔ اگر یہ لوگ بھی اس خارج کو اس خارج کا ظل پاتے تو عالم کے خارجی وجود کا انکار نہ کرتے اور وہم و خیال پر کفایت نہ فرماتے اور واجب الوجود کی صفات کے خارجی وجود کا بھی انکار نہ کرتے۔ اگر علماء ظواہر بھی اس راز سے آگاہ ہو جاتے تو وہ ہرگز ممکن کے لیے وجود اصلی کا اثبات نہ کرتے اور وجود ظلی پر کفایت کرتے۔

نیز فقیر نے یہ جو کچھ (اپنے) بعض مکتوبات میں لکھا ہے کہ ممکن پر وجود کا اطلاق حقیقت کے طور پر ہے، نہ کہ مجاز کے طور پر۔ (یہ بات) اس تحقیق کے منافی نہیں ہے، کیونکہ ممکن خارج میں وجود ظلی کے ساتھ حقیقت کے طور پر موجود ہے، نہ کہ وہم اور خیال کے طور پر، جیسا کہ ان لوگوں نے گمان کیا ہے۔

سوال: صاحب فتوحات مکیہ نے اعیان ثابتہ کو وجود اور عدم کے درمیان برزخ (پل) کہا ہے۔ لہذا ان کے طریقہ سے عدم بھی ممکنات کے حقائق میں داخل ہے۔ پھر اس تحقیق اور اس قول کے درمیان فرق کیا ہوگا؟

جواب: انہوں نے برزخ (پل) اس اعتبار سے کہا ہے کہ صور علمیہ کی دو جہتیں ہیں۔ ایک جہت ہے جس کا تعلق ثبوت علمی کے واسطہ سے وجود سے ہے اور دوسری جہت وہ ہے جس کا تعلق عدم خارجی کے واسطہ سے عدم سے ہے، کیونکہ اس کے نزدیک اعیان ثابتہ نے وجود خارجی کی بابت تک نہیں سوچھی۔ جو عدم اس تحقیق میں درج ہوا ہے، وہ ایک اور حقیقت رکھتا ہے۔ ایسے ہی بعض بزرگوں کی عبارات میں جو عدم کا اطلاق ممکن پر ہوا ہے، اُس سے مراد معدوم خارجی ہے، نہ کہ وہ عدم جس کی

تحقیق اوپر (درج) ہوئی ہے۔ حق تعالیٰ ان اسماء و صفات سے وراء الوراء ہے جنہوں نے علم میں تفصیل اور تمیز پائی ہے اور جو عداوت کے آئینوں میں منعکس ہو کر ممکنات کے حقائق قرار پائی ہیں۔ پس عالم کو حق سبحانہ کے ساتھ کسی طرح مناسبت نہیں ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ. (سورۃ العنکبوت، ۶) یعنی: بیشک اللہ تعالیٰ سارے جہانوں سے بے پرواہ ہے۔

حق سبحانہ کو اس عالم کا عین اور متحد بنانا، بلکہ منسوب کرنا اس فقیر پر بہت گراں گزرتا ہے:

ع آں ایشانند من چنینم یا رب

یعنی: اے رب! وہ ایسے ہیں اور میں اس طرح ہوں۔

سُبْحَنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ. وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ. وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ. (سورۃ صافات، ۱۸۰-۱۸۲) وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَعَلَىٰ مَنْ لَّدَيْكُمْ.

یعنی: یہ جو کچھ بیان کرتے ہیں تمہارا پروردگار، جو صاحبِ عزت ہے، اس سے پاک ہے اور پیغمبروں پر سلام ہو۔ اور سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہی ہے جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے اور تم پر اور جو تمہارے پاس ہیں اُن پر سلام ہو۔

مکتوب نمبر (۲)

میرٹس الدین علی خلّالی کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ حق تعالیٰ کی ذات اور حق سبحانہ کی صفات کا مرتبہ وجود اور وجوب کے اعتبار سے بالاتر ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ. الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی. (سورۃ النمل، ۵۹)

یعنی: شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے اور اس کے اُن بندوں پر سلام ہو جن کو اُس نے منتخب فرمایا۔

آپ کا گرامی نامہ مبارک، جو آپ نے محبت اور اخلاص کے ساتھ تحریر فرمایا تھا، وہ پہنچا اور اس نے بہت زیادہ خوشی پہنچائی۔ دینی بھائیوں کی کثرتِ آخرت میں بڑی امیدوں کا ذریعہ ہے۔ اَللّٰهُمَّ کَثِّرْ اِخْوَانِنَا فِی الدِّیْنِ وَتَبَتْنَا وَاِیَّاهُمْ عَلٰی مُتَابِعَةِ سَيِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ عَلَیْهِ وَعَلِیْهِمْ مِّنَ الصَّلَوٰتِ اَفْضَلُهَا وَمِنَ التَّسْلِیْمٰتِ اَكْمَلُهَا.

یعنی: اے اللہ! تو ہمارے دینی بھائیوں کو زیادہ کر اور ہم کو اور ان کو سید المرسلین (حضرت محمد مصطفیٰ) عَلَیْهِ وَعَلِیْهِمْ مِّنَ الصَّلَوٰتِ اَفْضَلُهَا وَمِنَ التَّسْلِیْمٰتِ اَكْمَلُهَا کی متابعت پر ثابت قدم رکھ:

ع از ہر چہ می رود سخن دوست خوشتر است

یعنی: دوست کی بات جس طرف سے بھی ہو وہ بہت بھلی ہے۔

اے محبت کے نشان والے! واجب الوجود تعالیٰ و تقدس کی سات یا آٹھ صفات جو مختلف آراء کے لحاظ سے صفات حقیقیہ ہیں، وہ خارج میں موجود ہیں اور اہل حق (اہل سنت و جماعت) شَکَرَ اللّٰهَ تَعَالٰی سَعِیْہُمْ (اللہ تعالیٰ ان کی کوشش کو مشکور فرمائے) کے سوا مخالف فرقوں میں سے کوئی ایک بھی واجب تعالیٰ جلِ سلطٰنہ کی صفات کے وجود کا قائل نہیں ہوا، یہاں تک کہ ان (اہل حق) میں سے بھی متاخرین صوفیہ نے صفات کے وجود کا انکار کیا ہے اور وہ صفات کی زیادتی کو علم کی جانب لوٹا کر کہتے ہیں:

از روئے تعقل ہمہ غیر اند صفات با ذات تو از روئے تحقیق ہمہ عین
یعنی: عقل کی رو سے تمام صفات (ذات کا) غیر ہیں اور تحقیق کی رو سے سب ذات کی عین ہیں۔

درست یہ ہے کہ اہل حق کی بات برحق ہے اور یہ نبوت کے چراغ سے حاصل کردہ ہے اور کشف و فراست کے نور سے
تائید شدہ ہے۔ مختصر یہ کہ مخالفین جو اعتراضات صفات کے وجود پر کرتے ہیں، وہ قوی ہے۔ کیونکہ صفات اگر موجود ہیں تو دو امر
سے خالی نہیں؛ یا ممکن ہوں گی یا واجب لذات ہوں گی۔ امکان حدوث کو لازم کرتا ہے۔ کیونکہ ان لوگوں کے نزدیک ہر ممکن
حادث ہے اور واجب لذات کے متعدد ہونے کا قائل ہونا توحید کے منافی ہے۔ نیز امکان کی صورت میں حق تعالیٰ و تقدس کی
ذات سے صفات کے جدا ہونے کا جواز لازم آتا ہے اور یہ چیز واجب تعالیٰ و تقدس کے لیے جہل اور عجز کے جواز کا سبب ہے۔
اس مشکل کا حل، جو اس فقیر پر ظاہر کیا گیا ہے، وہ یہ ہے کہ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ اپنی ذات کے ساتھ موجود ہے، نہ
کہ وجود کے ساتھ۔ وہ وجود عین ہو یا زائد ہو۔ اور واجب تعالیٰ کی صفات اس کی برتر ذات کے ساتھ موجود ہیں، نہ کہ وجود
کے ساتھ۔ کیونکہ اس مقام میں وجود کی گنجائش نہیں ہے۔

شیخ علاء الدولہ (سمانی قدس سرہ) نے اس مقام کی جانب اشارہ فرمایا ہے، جس جگہ انہوں نے کہا ہے: فَوْقَ عَالَمِ
الْوُجُودِ عَالَمِ الْمَلِكِ الْوُدُودِ۔ یعنی: عالم وجود کے اوپر مالک و دود (حق تعالیٰ) کا عالم ہے۔
پس امکان اور وجود کی نسبت بھی اس مقام میں متصور نہیں۔ کیونکہ امکان اور وجوب ماہیت و وجود کے درمیان ایک
نسبت ہے، لیکن وہاں نہ وجود ہے، نہ امکان ہے اور نہ وجوب ہے۔ یہ معرفت نظر و فکر کے طریقہ سے بالاتر ہے۔ عقل کے
قیدی اس معرفت کو کیسے پاسکتے ہیں اور انکار کے علاوہ ان کو کیا نصیب ہوگا؟ اِلَّا مَنْ عَصَمَهُ اللَّهُ سُبْحَانَهُ۔
یعنی: سوائے اس کے جس کو اللہ سبحانہ محفوظ رکھے۔

دوسرا یہ کہ سیادت پناہ میر سید محبت اللہ کچھ عرصہ یہاں تھے۔ اب چونکہ اس علاقے کی جانب متوجہ ہو چکے ہیں، (لہذا)
آپ ان کی صحبت اور خدمت کو غنیمت سمجھیں۔ وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَعَلَىٰ مَنْ لَدَيْكُمْ۔
یعنی: اور آپ پر اور جو آپ کے پاس ہیں اُن پر سلام ہو۔

مکتوب نمبر (۳)

مخدوم زادہ، حقائق و معارف آگاہی، مظہر فیض الہی خواجہ محمد سعید سلمہ اللہ تعالیٰ کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ آفاق اور
انفس کا معاملہ ظلال میں داخل ہے، نیز ولایت صغریٰ، ولایت کبریٰ، کمالات نبوت اور تجلی افعال کی حقیقت کی تحقیق
کے بیان میں جس کو بعض صوفیہ نے قرار دیا ہے کہ وہ حق (تعالیٰ) کے فعل کے ظل کا ظل ہے، نہ کہ عین فعل۔ پھر (حق)
تعالیٰ کی ذات و صفات تک اس کی رسائی کہاں ہو سکتی ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ. الْحَمْدُ لِلَّهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَىٰ. (سورۃ النمل، ۵۹)
یعنی: شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔ سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اُس
کے اُن بندوں پر سلام ہو جن کو اُس نے منتخب فرمایا۔

جو کچھ صفات اور ذات کے آئینوں میں ظاہر ہوتا ہے، یہ ظلیت کے داغ سے داغدار ہے۔ پس نفی کے لائق ہے تاکہ اصل کو ثابت کیا جائے۔ جب معاملہ آفاق اور انفس سے آگے گزر گیا تو وہ ظلیت کی قید سے آزاد ہو گیا اور فعل و صفت کی تجلی کی ایک ابتدا میسر ہو گئی اور معلوم ہوا کہ اس سے پہلے جو تجلی بھی ظاہر ہوئی تھی، وہ سیر آفاقی و انفسی میں تھی، خواہ اس کو تجلی ذات ہی سمجھیں، وہ سب فعل و صفت کے ظلال سے تعلق رکھتی تھی، نہ کہ نفس فعل و صفت سے۔ (پھر) ذات تعالیٰ و تقدس تک پہنچ کیسے ہو سکتی ہے، کیونکہ ظلیت کا دائرہ انفس کی نہایت تک منتهی ہو جاتا ہے۔ پس جو کچھ آفاق اور انفس میں ظاہر ہوتا ہے وہ اس دائرے میں داخل ہے۔ فعل اور صفت بھی اگرچہ حقیقت میں حضرت ذات تعالیٰ و تقدس کے ظلال ہیں، لیکن دائرہ اصل میں داخل ہیں اور اس مرتبہ کی ولایت اصلی ولایت ہے، بخلاف پہلے مرتبہ کی ولایت کے جو آفاق اور انفس سے تعلق رکھتی ہے، (اور) وہ ظلی ولایت ہے۔ دائرہ ظل کے منتهیوں کو برقی تجلی، جو مرتبہ اصل سے پیدا ہے، میسر ہوتی ہے جو ساعت بھر کے لیے آفاق اور انفس کی قید سے رہا کر دیتی ہے۔ جو جماعت آفاق اور انفس کے دائرے سے آگے گزر گئی اور ظل سے اصل کے ساتھ جاملی، یہ تجلی برقی ان (لوگوں) کے حق میں دائمی ہے، کیونکہ ان بزرگواروں کا مسکن اور ٹھکانہ دائرہ اصل ہے، جہاں سے تجلی برقی پیدا ہوتی ہے۔ بلکہ ان بزرگواروں کا معاملہ تجلیات و ظہورات سے بالاتر ہے، کیونکہ ہر تجلی و ظہور جس مرتبہ سے بھی متعلق ہو، وہ ظلیت کے شائبہ سے باہر نہیں ہے۔ اصل الاصل کی گرفتاری نے ان کو ظل سے فارغ بنا ڈالا ہے اور وہ نظر کی کجی سے نجات پا چکے ہیں۔

ولایت ظلی، جو ولایت صغریٰ ہے، اس کا نہایت کمال تجلی برقی کے ساتھ حاصل ہو جاتا ہے اور یہ تجلی برقی ولایت کبریٰ، جو انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کی ولایت ہے، میں پہلا قدم ہے۔ ولایت صغریٰ اولیاء قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کی ولایت ہے۔ اس جگہ سے ولایت اولیاء اور ولایت انبیاء صلوٰات اللہ تعالیٰ و تسلیماتہ سبحانہ علیہم کافرق سمجھ لینا چاہیے، کیونکہ اس ولایت (صغریٰ) کی انتہا اس ولایت (کبریٰ) کی ابتداء ہے۔ (فقیر) انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کی نبوت کے کمالات کے بارے میں کیا کہے کہ نبوت کی ابتدا اس ولایت کی انتہا ہے، مگر حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ نے تبعیت (پیروی) اور وراثت کے طور پر انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کی ولایت سے ایک حصہ حاصل کیا ہے جس کی وجہ سے آپ نے فرمایا ہے کہ ”ہم انتہا کو ابتداء میں درج کرتے ہیں۔“ یہ فقیر اس قدر جانتا ہے کہ نسبت و حضور نقشبند یہ جب کمال کو پہنچتا ہے تو ولایت کبریٰ سے پیوستہ ہو جاتا ہے اور اس ولایت کے کمالات سے وافر حصہ حاصل کرتا ہے، بخلاف دوسرے طریقوں کے، جن کے کمال شان کی انتہا تجلی برقی تک ہے۔

جاننا چاہیے کہ جو سیر، آفاق و انفس کی سیر کے بعد میسر ہوتی ہے وہ حق سبحانہ و تعالیٰ کی اقربت میں سیر ہوتی ہے، کیونکہ حق تعالیٰ کا فعل ہم سے زیادہ ہمارے نزدیک ہے۔ اسی طرح حق تعالیٰ کی صفت بھی ہم سے اور حق تعالیٰ کے فعل سے زیادہ ہمارے نزدیک ہے اور حق تعالیٰ کی ذات بھی ہم سے اور حق سبحانہ کے فعل و صفت سے زیادہ ہمارے نزدیک ہے۔ ان مراتب کی سیر (حق تعالیٰ) کی اقربت میں سیر ہے۔ تجلی فعل، تجلی صفت اور تجلی ذات کی حقیقت اس مقام میں ثابت ہوتی ہے اور وہم کی سلطنت اور خیال کے دائرے سے اس مقام میں ایک نجات حاصل ہو جاتی ہے، کیونکہ وہم و خیال کے سلطان کو آفاق و

انفس کے دائرے کے باہر سلطنت میسر نہیں ہے۔ وہم کی انتہا ظل کی انتہا تک ہے۔ جس جگہ ظل نہیں ہے، وہاں وہم بھی نہیں ہے۔ پس مجبوراً ولایت ظلی میں وہم کی قید سے خلاصی موت کے بعد میسر ہوتی ہے، جب وہم عدم کی طرف رخ کر لیتا ہے۔ ولایت اصلی، جو ولایت کبریٰ ہے، میں وہم و خیال کی قید سے خلاصی اسی جہان میں میسر ہے، وہم کے باوجود وہم کی قید سے آزادی (حاصل) ہے۔ جو کچھ پہلے گروہ کو آخرت میں حاصل ہے، دوسرے گروہ کو اسی جگہ میسر ہے۔ ولایت ظلی میں اس جہان میں مطلوب کا حاصل ہونا وہم و خیال کی تراش (و خراش) کے سوا (کچھ) نہیں ہے اور ولایت اصلی میں مطلوب تراش (و خراش) کی علت سے منزہ اور پاک ہوتا ہے۔ شاید مولانا روم (رحمۃ اللہ علیہ) وہم کے احاطے اور خیال کی قید سے تنگ آ کر موت کی ایک آرزو کرتے ہیں، تاکہ مطلوب کو وہم و خیال سے عریاں (صورت میں) آغوش میں کھینچ سکیں اور موت کے آغاز میں عافیت کی دعا کرنے سے روکتے ہوئے فرماتے ہیں۔ شعر:

من شوم عریاں ز تن او از خیال تا خرام در نہایات الوصال

یعنی: میں تن سے عریاں ہو جاؤں اور وہ خیال سے، تو پھر میں وصال کی نہایتوں میں ٹہل سکتا ہوں۔

سنو! ہم نے جو یہ کہا ہے کہ آفاق و انفس میں افعال و صفات کے ظلال کی تجلیات ہیں، نہ کہ نفس افعال و صفات کی تجلیات۔ اس کا بیان یہ ہے کہ تکوین صفات حقیقیہ میں سے ہے، جیسا کہ علمائے ماتریدیہ شکر اللہ تعالیٰ سَعِیْہُمْ (اللہ ان کی کوشش کو مشکور فرمائے) کا مذہب ہے (اور) یہ صفات اضافیہ میں سے نہیں ہے، جیسا کہ اشعریہ نے گمان کیا ہے۔ اس صفت میں چونکہ اضافت کا رنگ غالب ہے، (لہذا انہوں نے) دوسری صفات کی جانب نظر کرتے ہوئے اس کو بھی صفات اضافیہ میں سے گمان کر لیا ہے۔ ایسا نہیں ہے، بلکہ یہ صفت صفات حقیقیہ میں سے ہے جس کے ساتھ اضافت کا رنگ مل گیا ہے۔ یہ صفت تکوین جو سب صفات سے زیادہ نیچے ہے، صفات عالیہ کا رنگ رکھتی ہے۔ مثلاً علم اور حیات سے ایک حصہ رکھتی ہے اور قدرت اور ارادت سے بھی ایک حصہ رکھتی ہے۔ اس صفت تکوین کی جزئیات ہیں جو درحقیقت اس کے ظلال ہیں۔ مثلاً تخلیق (پیدا کرنا)، ترزیق (رزق دینا)، احیا و امانت (زندہ کرنا اور مارنا)، اور انعام و ایلام (انعام و تکلیف دینا)۔ یہ جزئیات افعال میں داخل ہیں جو درحقیقت اس صفت کے ظلال ہیں اور صفات حقیقیہ کے دائرے سے خارج ہیں۔

اس فعل کی دو جہتیں ہیں۔ ایک جہت فاعل کی جانب اور دوسری جہت مفعول کی طرف ہے۔ یہ دونوں جہتیں کشفی نگاہ میں ایک دوسرے سے ممتاز ہیں۔ پہلی جہت عالی ہے اور دوسری جہت پست ہے۔ نیز پہلی جہت اصل کی مانند نظر میں آتی ہے اور دوسری جہت اس اصل کے ظل کی طرح دکھائی دیتی ہے۔ نیز پہلی جہت وجوب کا رنگ رکھتی ہے اور دوسری جہت امکان کا رنگ رکھتی ہے۔ یہ دوسری جہت انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کے علاوہ اولیائے کرام اور باقی تمام مخلوق کے تعینات کے مبادی ہیں۔

حق جل سلطانہ کا یہ فعل چونکہ دو جہتوں کے اعتبار سے ایک رنگ وجوب سے رکھتا ہے اور ایک رنگ امکان سے رکھتا ہے، لہذا ممکن ہے۔ کیونکہ واجب اور ممکن سے مرکب (چیز) ممکن (ہوتی) ہے۔ نیز یہ فعل چونکہ جہت فوقانی کے اعتبار سے قدم کی جانب رخ رکھتا ہے اور جہت تحتانی کے اعتبار سے حدوث میں بھی ایک قدم رکھتا ہے، لہذا لازمی طور پر حادث ہے۔

کیونکہ قدیم اور حادث کا مرکب حادث ہوتا ہے۔

جس جماعت نے حق جلِ سلطانہ کے فعل کو قدیم کہا ہے، اس کی نظر پہلی جہت کی جانب ہے اور جس دوسری جماعت نے حادث سمجھا ہے، ان (لوگوں) کے پیش نظر دوسری جہت ہے۔ پہلے گروہ کی نظر بلند ہے اور دوسرے گروہ کی نظر پرست ہے۔ اگرچہ دونوں گروہ حق سے دو اطراف (افراط و تفریط) میں جا پڑے ہیں اور حق وہ متوسط ہے جس کے ساتھ فقیر نے امتیاز پایا ہے۔ ذَلِکَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ ط وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ. (سورۃ حدید، ۲۱)

یعنی: یہ اللہ کا فضل ہے، جسے چاہے عطا فرمائے، اور اللہ بڑے فضل کا مالک ہے۔

صفاتِ حقیقیہ کے بارے میں اسی طرح کی تحقیق بعض (دوسرے) مکتوبات میں تحریر کی گئی ہے، وہاں سے ملاحظہ کر لیں۔ جاننا چاہیے کہ فعل کی دوسری جہت سے مراد خلق خاص ہے جس نے زید کے ساتھ تعلق بنا لیا ہے اور یہ خلق زید گویا خلق کے مطلق جزئیات میں سے ایک جز ہے۔ نیز یہ خلق خاص جس کا تعلق زید کے ساتھ ہے، بھی کئی جزئیات رکھتی ہے۔ جیسے کہ زید کی ذات کا خلق، زید کی صفات کا خلق اور زید کے افعال کا خلق۔ خلق زید کی یہ جزئیات ذات زید کی اس خلق زید کے لیے ظلال کی طرح ہیں جو کئی کے مانند ہیں اور زید کے فعل کا خلق بھی ایک ظل اور ایک مظہر ہے اور وہ زید کا کسب ہے جس نے فعل کے ساتھ تعلق بنا لیا ہے۔ اس کسب کو زید اپنے باپ کے گھر سے نہیں لایا ہے، بلکہ اس کا کسب حق جل و علا کے خلق کا ایک پرتو ہے۔ پس ان معارف سے معلوم ہوا کہ (حق تعالیٰ کا) فعل تکوین کا ظل ہے اور فعل کی دوسری جہت، پہلی جہت کا ظل ہے جس طرح کہ تحقیق ہو چکی ہے۔ دوسری جہت کا بھی ایک ظل ہے۔ مثلاً جو خلق زید ہے۔ اور خلق زید کا بھی ایک ظل ہے جو فعل زید کا خلق ہے۔ اور اس ظل کا بھی ایک ظل ہے جو کسب زید ہے۔

جب تو نے یہ سمجھ لیا تو پھر جاننا چاہیے کہ سلوک کے وقت سالکوں کی نظر میں مثلاً جب زید کے کسب کی نسبت اس سے نابود ہو جاتی ہے اور اس کی اضافت زید سے دور ہو جاتی ہے تو لازمی طور پر (سالکین) اس فعل کا فاعل حق تعالیٰ و تقدس کو سمجھتے ہیں، بلکہ وہ مخلوقات کے کثیر و مختلف افعال کو ایک فاعل کا فعل پاتے ہیں۔ اور اس معنی کے ظہور کو افعال کی تجلی خیال کرتے ہیں۔ انصاف کرنا چاہیے کہ یہ تجلی حق سبحانہ کے فعل کی تجلی ہے یا اس فعل کے ظلال میں سے کسی ظل کی تجلی ہے، جس نے مراتب میں تنزل کر کے ظلیت کا نام پالیا ہے۔ فعل کی تجلی پر دوسری تجلیات کو قیاس کرنا چاہیے، کیونکہ لوگوں نے ظلال میں سے ایک ظل پر کفایت کر کے اس کو اصل اصل خیال کر لیا ہے اور انہوں نے اخروٹ اور مٹھی کے ساتھ آرام حاصل کر لیا ہے۔

جاننا چاہیے کہ وجود کا وجوب چونکہ نسبت اور اضافت ہے، لہذا وہ مجبوراً مرتبہ فعل میں پایا جاتا ہے۔ چونکہ یہ نسبت عالم سے مناسبت نہیں رکھتی، بلکہ (یہ) عالم کے بنانے والے (حق) تعالیٰ و تقدس کے ساتھ مخصوص ہے، لہذا فعل کی پہلی جہت کے ساتھ مناسب ہے جو اوپر مذکور ہوئی ہے۔ اگر کہیں کہ اس بیان سے لازم آتا ہے کہ وجوب (حق) تعالیٰ و تقدس کی ذات و صفات کے مرتبہ میں ثابت نہیں ہوتا اور (حق) تعالیٰ و تقدس کی ذات و صفات کو واجب نہیں کہا جاتا۔ پس وجوب بھی حضرت ذات و صفات سے مسلوب ہے، جس طرح کہ امکان اور امتناع حضرت (حق) تعالیٰ سے مسلوب ہے۔ لہذا ایک چوتھی قسم وجوب، امکان اور امتناع کے علاوہ پیدا ہو گئی، جبکہ عقلی انحصار ان تین اشیاء میں ثابت ہو چکا ہے؟

(جواب میں) ہم کہتے ہیں کہ یہ انحصار اس کے وجود کی نسبت سے ماہیت کے لیے ہے۔ پس جب ماہیت کو وجود کی جانب کوئی نسبت نہیں تو وہاں کوئی انحصار نہیں، جس طرح کہ واجب تعالیٰ کی ذات اور حق سبحانہ کی صفات میں ہے۔ اس لیے کہ ذات تعالیٰ اپنی ذات سے موجود ہے، نہ کہ وجود کے ساتھ۔ خواہ وہ وجود عین ہو، یا زائد ہو اور حق تعالیٰ کی صفات حق سبحانہ کی ذات کے ساتھ موجود ہیں، بغیر اس کے کہ ان میں وجود کا دخل ہو۔ پس حق تعالیٰ کی ذات اور حق سبحانہ کی صفات ان تینوں منحصرہ چیزوں سے بلند ہیں۔

مختصر یہ کہ جب حق تعالیٰ کی ذات کا تصور اور مختلف وجوہ اور اعتبارات کے لحاظ سے حق سبحانہ کی صفات میں غور کیا جائے جس کی حقیقت کی جانب کوئی راستہ نہیں تو حق سبحانہ کی ذات کے لیے وجود تصور ظلی میں وجوب عارض ہو جاتا ہے کہ یہی حق تعالیٰ کی بے نیاز ذات کے مناسب و لائق ہے اور حق سبحانہ کی صفات کے لیے وجود ذہنی میں امکان عارض ہو جاتا ہے کہ یہی ان کے لیے مناسب ہے، کیونکہ وہ ذات حق کی جانب محتاج ہیں۔ پس حق تعالیٰ کی ذات اور حق سبحانہ کی صفات اپنی ذات کی حد میں وجوب و امکان کے مرتبہ سے بلند ہیں، بلکہ مرتبہ وجوب سے بھی بالاتر ہیں اور جاننا چاہیے کہ وجود تصور ظلی کے لحاظ سے وجوب حق تعالیٰ کی ذات کے مناسب ہے اور امکان اس ذات تعالیٰ و تقدس کی صفات کے مناسب ہے۔ پس (اس کی) بلند صفات وجود خارجی کے اعتبار سے نہ واجب ہیں اور نہ ممکن ہیں، بلکہ وہ وجوب اور امکان کے مرتبہ سے بالاتر ہیں۔ لیکن وجود ذہنی کے اعتبار سے یقیناً ممکن ہیں۔ اس امکان سے صفات کا حدوث لازم نہیں آتا، کیونکہ یہ امکان صفاتِ ماہیات کے لیے تمام ممکنات کی صورت میں ظاہر نہیں ہوا، بلکہ صفات کے ظلی وجودوں کے رنگ میں ظاہر ہوا ہے۔ اور وہ اس معرفت کے مشابہ ہے۔

جو کچھ اربابِ معقول (عقلی علوم کے ماہرین) نے کہا ہے کہ کلیت اور جزئیت دونوں وجود ذہنی کے اعتبار سے ماہیت کو عارض ہوتی ہیں، لیکن وجود خارجی کی حالت میں ماہیت ان دونوں میں سے کسی ایک کے ساتھ بھی موصوف نہیں ہوتی۔ مثلاً زید جو خارج میں تعقل سے پہلے موجود ہے، جزئی نہیں ہے جیسا کہ وہ کلی بھی نہیں، بلکہ وجود ذہنی ظلی کے بعد جزئیت اسے عارض ہو گئی ہے، بلکہ ہم کہتے ہیں کہ سب نسبتیں، اضافتیں، احکام اور اعتبارات جو حق تعالیٰ پر محمول ہوتے ہیں، مثلاً الوہیت و ربوبیت اور اولیت و ازلیت وغیرہ جو کچھ آٹھ صفات کے علاوہ موجود ہیں، وہ حق سبحانہ پر تعقل و تصور کے مرتبہ ہی میں صادق آتی ہیں، ورنہ (حق سبحانہ کی) ذات مِنْ حَيْثُ ذَاتِ نہ کسی صفت سے موصوف ہے اور نہ کسی اسم سے مستمٰی ہے اور نہ ہی کسی حکم کی محکوم ہے۔ پس صاحبِ شرع نے ذات (حق) تعالیٰ و تقدس پر، جن اسماء اور احکام کا اطلاق کیا ہے، وہ تناسب اور تشابہ کے اعتبار سے ہے، تاکہ مخلوقات کی سمجھ کے قریب ہو جائے اور ان کی عقلوں کے مطابق ان کے ساتھ گفتگو ہو سکے۔ جس طرح زید جو خارج میں موجود ہے، کے لیے اس کے ذہنی وجود کے ملاحظہ کے بغیر تشبیہ اور تنظیر کے طور پر کہا جائے کہ وہ جزئی ہے اور ان کا زید پر جزئیت کا حکم کرنا زیادہ مناسب اور مشابہ ہے بہ نسبت اس کے کہ وہ کہیں کہ زید کُلّی ہے۔ پس اسی طرح اس بے نیاز ذات (حق سبحانہ) پر امکان اور امتناع کے حکم کی بہ نسبت وجوب اور وجود کا حکم کرنا زیادہ بہتر اور زیادہ مناسب ہوگا، ورنہ اس کی جناب قدس تعالیٰ تک نہ وجوب کی رسائی ہے اور نہ وجود کی، جیسا کہ حق تعالیٰ کے مرتبہ پاک کے لیے امکان اور امتناع بھی

لاق نہیں ہے۔ پس (اس طرح) اس شریف اور پاک معرفت کو سمجھ لیں، کیونکہ یہ دین کی بنیاد اور حق تعالیٰ و تقدس کی ذات و صفات کے علم کا خلاصہ ہے اور بزرگوں اور اکابر میں سے کسی نے بھی اس معرفت کے بارے میں بات نہیں کی، بلکہ حق سبحانہ نے اس معرفت خاص کے لیے اس بندے کو منتخب فرمایا ہے۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اتَّبَعَ الْهُدٰی. (سورۃ طہ، ۴۷) یعنی: اور جو شخص ہدایت کی بات مانے، اس کو سلامتی نصیب ہو۔

مکتوب نمبر (۴)

سیادت مآب میر محمد نعمان کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین جو بعض صوفیہ نے مقرر کیے ہیں۔ حقیقت میں علم الیقین کے تین حصوں میں سے دو حصے ہیں اور علم الیقین کا ایک حصہ باقی ہے تو پھر عین الیقین اور حق الیقین تک کیسے پہنچا جاسکتا ہے۔ نیز اس بیان میں کہ ان علوم کا صاحب اس ہزار سال کا مجدد ہے۔

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی. (سورۃ نمل، ۵۹)

یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اُس کے اُن بندوں پر سلام ہو جن کو اُس نے منتخب فرمایا۔

ایک مدت ہوئی ہے کہ آپ نے اپنے نیک انجام احوال کی اطلاع نہیں بخشی ہے۔ الْمَسْئُولُ مِنَ اللّٰهِ سُبْحَانَهُ سَلَامَتُكُمْ وَاسْتِقَامَتُكُمْ. یعنی: اللہ سبحانہ سے آپ کی سلامتی اور استقامت کا سوال ہے۔

جاننا چاہیے کہ علم الیقین سے مراد اُن نشانیوں کا مشاہدہ ہے جن سے یقین علمی کو فائدہ پہنچتا ہے۔ یہ شہود درحقیقت اثر سے مؤثر کی جانب ایک دلیل پیش کرنا ہے۔ پس تجلیات و ظہورات میں سے جو کچھ آفاق و انفس کے آئینوں میں دکھائی دیتا ہے، سب اثر سے مؤثر کی طرف دلیل پیش کرنے کی قسم میں سے ہے، خواہ ان تجلیات کو تجلیات ذاتیہ کا نام دیں اور ان ظہورات کو بے کیف کہیں۔ کیونکہ آئینے میں کسی چیز کا ظہور اس چیز کے آثار میں سے ایک اثر کا حاصل ہونا ہے، نہ کہ اس چیز کے عین کا حاصل ہونا۔ پس سیر آفاقی و انفسی سب کی سب علم الیقین کے دائرے سے قدم باہر نہیں رکھ سکتی اور اس کو اثر سے مؤثر کی طرف دلیل پیش کرنے کے سوا کچھ نصیب نہیں ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے:

سَنُرِيهِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَفِیْ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰی یَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ. (سورۃ حم السجدة، ۵۳)

یعنی: ہم عنقریب ان کو اطراف (عالم) میں بھی اور خود ان کی ذات میں بھی نشانیاں دکھائیں گے، یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہو جائے گا کہ وہ حق ہے۔

دوسروں نے سیر آفاقی کو علم الیقین میں سے سمجھا ہے اور عین الیقین اور حق الیقین کو سیر انفسی میں ثابت کیا ہے اور انفس کے باہر (کوئی) سیر بیان نہیں کی:

ع آں ایشانند و من چنینم یارب!

یعنی: اے رب! وہ ایسے ہیں اور میں اس طرح ہوں۔

آپ جانتے ہیں کہ حضرت حق سبحانہ بندے کے ساتھ بندے سے بھی زیادہ قریب ہے۔ پس بندے سے حق جل و علا تک اقریبیت کی طرف ایک اور سیر درپیش ہے جس کے طے کرنے پر وصول (الی اللہ) وابستہ ہے۔ یہ تیسری سیر بھی درحقیقت

علم الیقین کے اثبات میں ہے۔ اگرچہ ظلیت کے دائرہ سے باہر ہے، لیکن ظلیت کے ثائبہ سے پاک و مبرا نہیں ہے، کیونکہ واجب جل سلطانہ کے اسماء و صفات درحقیقت حضرت ذات تعالیٰ و تقدس کے ظلال ہیں اور جہاں ظلیت کی آمیزش ہے وہ آثار و آیات میں داخل ہے۔ پس ان لوگوں نے علم الیقین کی تین سیروں میں سے ایک (سیر) کو علم الیقین کے ساتھ مخصوص کر لیا ہے اور اس کی دوسری سیر کو علم الیقین اور حق الیقین کے حاصل کرنے والا سمجھا ہے اور تیسری سیر کے بارے میں لب کشائی نہیں کی، تاکہ علم الیقین کا دائرہ مکمل ہو جائے، جبکہ عین الیقین اور حق الیقین درپیش ہیں:

ع قیاس کن ز گلستان من بہار مرا

یعنی: تو میرے باغ سے میری بہار کا اندازہ کر لے۔

(فقیر) عین الیقین اور حق الیقین کے متعلق کیا کہے۔ (اسے) کون سمجھے گا؟ اور کون پائے گا؟ اور کیا پائے گا؟ یہ معارف ولایت کے احاطہ سے خارج ہیں۔ علمائے ظاہر کی طرح ارباب ولایت اس کے ادراک سے عاجز ہیں اور اس کے سمجھنے سے قاصر ہیں۔ یہ علوم انوار نبوت علیٰ اربابہا الصلوٰۃ والسلام والتَّحِيَّةُ کی قندیل سے حاصل شدہ ہیں جو دوسرے ہزار سال (الف ثانی) کے آغاز کے بعد تبعیت اور وراثت کے طور پر تازہ ہوئے ہیں اور تازگی کے ساتھ ظاہر ہو گئے ہیں۔ ان علوم و معارف کا (حائل) صاحب اس ہزار (سال) کا مجدد ہے۔ جیسا کہ اس کے ان علوم و معارف میں جو ذات و صفات، افعال، احوال و مواجید اور تجلیات و ظہورات سے متعلق ہیں، غور و خوض کرنے والوں پر (یہ چیز) مخفی نہیں ہے۔ پس وہ جانتے ہیں کہ یہ سب علوم و معارف علماء کے علوم اور اولیاء کے معارف سے برتر ہیں، بلکہ ان کے یہ علوم ان علوم کے مقابلے میں چھلکے کی مانند ہیں، اور یہ معارف اس چھلکے کے مغز کی طرح ہیں۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ الْهَادِي۔ یعنی: اور اللہ سبحانہ ہی ہدایت بخشنے والا ہے۔

جاننا چاہیے کہ ہر سو سال پر ایک مجدد گزرا ہے، لیکن صدی (سو سال) کا مجدد اور ہے اور ہزار سال کا مجدد اور ہے۔ جتنا سو سال اور ہزار سال کے درمیان فرق ہے، اتنا ہی ان دونوں مجددوں کے درمیان فرق ہے، بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ مجدد وہ ہے کہ اس مدت میں جو فیوض امتیوں کو پہنچتے ہیں، وہ اس کے ذریعے سے پہنچتے ہیں، خواہ اس زمانے کے اقطاب اور اتاد بھی (موجود) ہوں اور ابدال و نجباء بھی (موجود) ہوں:

ع خاص کند بندہ مصلحت عام را^(۱)

یعنی: اللہ تعالیٰ ایک بندے کو مصلحت عام کے لیے خاص کر لیتا ہے۔

وَالسَّلَامُ عَلَىٰ مَنْ اتَّبَعَ الْهُدَىٰ (سورۃ طہ، ۴۷) وَالْتَزَمَ مُتَابِعَةَ الْمُصْطَفَىٰ عَلَيْهِ وَعَلَىٰ آلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيمَاتُ الْعُلَىٰ وَعَلَىٰ جَمِيعِ إِخْوَانِهِ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِينَ وَالْمَلَائِكَةِ الْمُقَرَّبِينَ وَعِبَادِ اللَّهِ الصَّالِحِينَ أَجْمَعِينَ۔

یعنی: اور جو شخص ہدایت کی بات مانے اور (حضرت محمد) مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی متابعت کو لازم پکڑے اس کو سلامتی نصیب ہو اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر، اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آل (اطہار) پر اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے تمام بھائیوں نبیوں اور رسولوں پر اور مقربین فرشتوں پر اور اللہ تعالیٰ کے سب نیک بندوں پر عمدہ درود و سلام ہو۔

مکتوب نمبر (۵)

میرٹھس الدین علی خلّائی کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ حق سبحانہ تعالیٰ کی صفات دو اعتبار رکھتی ہیں۔ پہلا اعتبار ان کا حصول اپنے نفس میں ہے اور دوسرا اعتبار ان کا ذات کے ساتھ قیام ہے اور دونوں اعتبارات خارج میں ممتاز ہیں۔

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰی. (سورۃ نمل، ۵۹)

یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اُس کے اُن بندوں پر سلام ہو جن کو اُس نے منتخب فرمایا۔

میرے مخدوم! واجب تعالیٰ جلّ سلطانہ کی جو صفات موجود ہیں اور اس کی ذات کے ساتھ قائم ہیں، وہ دو اعتبار رکھتی ہیں۔ پہلا اعتبار یہ ہے کہ وہ اپنی ذات کی حد تک موجود ہیں اور دوسرا اعتبار یہ ہے کہ وہ واجب تعالیٰ و تقدس کی ذات کے ساتھ قائم ہیں۔ پہلے اعتبار کی رُو سے عالم کے ساتھ مناسبت رکھتی ہیں اور تعینات کے مبادی ہیں اور دوسرے اعتبار کے لحاظ سے عالم سے بے نیاز ہیں اور عالم اور عالم والوں کے ساتھ کوئی توجہ نہیں رکھتیں۔

اسی طرح نظر کشفی میں پہلے اعتبار کی رُو سے ذات تعالیٰ و تقدس سے جدا نظر آتی ہیں اور ذات تعالیٰ و تقدس کا اثبات ان سے ماوراء دکھائی دیتا ہے اور دوسرے اعتبار کی رُو اس طرح نہیں ہیں اور ان کا (ذات سے) جدا ہونا متصور نہیں ہے۔

نیز ایسے ہی پہلے اعتبار کی رُو سے ذات تعالیٰ و تقدس کا حجاب ہیں اور دوسرے اعتبار کے لحاظ سے حجاب اٹھا ہوا ہے، اس طرح جیسے کہ جو سفیدی کپڑے کے ساتھ قائم ہوتی ہے وہ حجاب نہیں ہوتی۔ مختصر یہ کہ کپڑے کی سفیدی حصولِ نفسی اور حصولِ قیامی دونوں اعتبار سے کپڑے کی ذات کے لیے حجاب نہیں ہے۔ اگرچہ محسوس وہی سفیدی ہے، لیکن حجاب اٹھا ہوا ہے۔ برخلاف واجب تعالیٰ و تقدس کی صفات کے جو پہلے اعتبار کی رُو سے حجاب بنتی ہیں اور دوسرے اعتبار کے لحاظ سے حجاب نہیں ہیں اور تو ان دونوں اعتباروں کے درمیان فرق کو کم خیال نہ کر۔ اس فقیر نے قوی جذب اور مسافت کی سیر کی تیزی کے باوجود ان دونوں اعتباروں کے درمیانی فاصلہ کو تقریباً پندرہ سال میں طے کیا ہے۔

علمائے متقدمین ان دونوں اعتباروں کے فرق سے آگاہ نہیں ہوئے اور انہوں نے کہا ہے عرض کافی نفسہ حصول وہی ہے جو جو ہر کے ساتھ اس کے قیام کا حصول ہے۔ علمائے متاخرین میں سے بعض ان دو اعتباروں کے فرق سے آگاہ ہو گئے ہیں اور انہوں نے تحقیق کی ہے کہ عرض کا حصول نفسی اور ہے اور حصول قیامی دوسری شے ہے۔

لَاِنَّ الْعَرَضَ يُقَالُ فِي حَقِّهِ، اَنَّهُ وُجِدَ فَقَامَ فَالَوْ جُوْدٌ غَيْرِ الْقِيَامِ.

یعنی: کیونکہ عرض وہ ہے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ بلاشبہ وہ پایا گیا اور وہ قائم ہوا۔ پس وجود قیام کے سوا ہے۔ متاخرین کی یہ تحقیق جو انہوں نے عرض کے بارے میں کی ہے، یہ ایک بے بس (سالک) کے عروجِ کمال کے لیے زینہ ہے اور ایک حاجتمند (سالک) کی معرفت کے لیے وسیلہ ہے۔ بہت سی کلامی و فلسفی تحقیقات نے اس سیر و سلوک میں (فقیر کی) مدد کی ہے اور وہ معارفِ الہی جلّ شأنہ کا واسطہ بنی ہیں۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اتَّبَعَ الْهُدٰی (سورۃ طہ، ۴۷)

وَالنَّزَمُ مُتَابَعَةُ الْمُصْطَفٰی عَلَيْهِ وَعَلٰی آلِهِ وَاصْحَابِهِ مِنَ الصَّلٰوَاتِ اَتَمَّهَا وَمِنَ النَّسْلِيْمَاتِ اَكْمَلُهَا.

یعنی: اور جو شخص ہدایت کی بات مانے اور (حضرت محمد) مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی متابعت کو لازم پکڑے،

اس کو سلامتی نصیب ہو اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر، اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آل (اطہار) اور صحابہ (کرام) پر تمام تردد و دواور کامل تر سلام ہو۔

مکتوب نمبر (۶)

جامع علوم عقلی و نقلی مخدوم زادہ مجدد الدین خواجہ محمد معصوم سلمہ اللہ تعالیٰ کو تحریر فرمایا۔ بعض پوشیدہ اسرار کے بیان میں اور اسی جگہ سے ہمارے نبی (کریم) علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ملت کے اتباع کرنے کے حکم کی وجہ معلوم ہوتی ہے۔

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَىٰ. (سورۃ نمل، ۵۹)

یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اُس کے اُن بندوں پر سلام ہو جن کو اُس نے منتخب فرمایا۔ میں گمان کرتا ہوں کہ میری پیدائش کا مقصد یہ ہے کہ ولایت محمدی علیہ الصلوٰۃ والتحيات ولایت ابراہیمی علیہ الصلوٰۃ والتسليمات کے رنگ میں رنگی جائے اور اس ولایت کے حسن کی رعنائی اس ولایت کے جمال کی دلکشی کے ساتھ مل جائے۔ حدیث میں آیا ہے: أَخِي يُوسُفُ أَصْبَحَ وَأَنَا أَمْلَحُ. (۱)

یعنی: میرے بھائی یوسف (علیہ السلام) صبح تھے اور میں ملیج ہوں۔

اور اس رنگینی اور آمیزش سے محبوبیت محمدیہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا مقام بلند درجے پر پہنچ جائے۔ شاید کہ (حضرت) ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی ملت کی اتباع کے حکم سے مقصود اس دولت عظمیٰ کو حاصل کرنا ہے اور درود و برکات کا حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے درود و برکات جیسا طلب کرنا بھی اسی غرض کے لیے ہے۔ ملاحظہ و صباحت دونوں ذات تعالیٰ کے اس حسن کی خبر دیتی ہیں، جس میں صفات کی آمیزش نہیں، لیکن صفات و افعال اور آثار کا حسن سب حسن صباحت سے مستفاد ہے جو بہت زیادہ برکت والا ہے۔ حسن ملاحظہ حضرت اجمال کے زیادہ مناسب ہے۔ گویا ملاحظہ حسن مطلق کا مرکز ہے اور صباحت اس مرکز کا دائرہ ہے۔

حضرت ذات تعالیٰ و تقدس میں جس طرح بساطت ہے، اسی طرح وسعت بھی ہے۔ (لیکن) یہ بساطت اور وسعت ایسی نہیں ہے جو ہمارے فہم میں آ سکے اور نہ ہی وہ اجمال و تفصیل ہے جو ہمارے ادراک میں آ سکے۔

لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ ذُوهُ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ ط وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ. (سورۃ الانعام، ۱۰۳)

یعنی: وہ ایسا ہے کہ نگاہیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں اور وہ نگاہوں کا ادراک کر سکتا ہے اور وہ بھید جاننے والا خبردار ہے۔ بساطت اور وسعت جو ہم حضرت ذات تعالیٰ میں ثابت کرتے ہیں، وہ ایک دوسرے سے جدا ہیں۔ وہ ایک دوسرے کا عین نہیں ہیں، جس طرح کہ بعضوں نے گمان کیا ہے، لیکن وہ فرق جو ان کے درمیان اس مرتبہ میں ثابت ہے، وہ ہمارے ادراک کے احاطہ سے خارج ہے اور ہماری فہموں کے دائرہ سے باہر ہے۔ لہذا ملاحظہ اور صباحت بھی اس مرتبہ میں (ایک دوسرے سے) امتیاز رکھتی ہیں اور ان کے احکام ایک دوسرے سے جدا ہیں اور جو کمالات ان سے متعلق ہیں وہ بھی ایک دوسرے سے الگ ہیں۔

میں اپنی پیدائش کا جو مقصد سمجھتا تھا، معلوم ہوا کہ وہ حاصل ہو گیا ہے اور ہزار سالہ (تجدید) کی دعائے قبولیت کا شرف پایا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ جَعَلَنی صِلَۃً بَیْنَ الْبَحْرَیْنِ وَ مُصْلِحًا بَیْنَ الْفِتَنِ اَکْمَلَ الْحَمْدَ عَلٰی کُلِّ حَالٍ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَیْرِ الْاَنَامِ عَلٰی اِخْوَانِهِ الْکِرَامِ مِنَ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمَلَائِکَةِ الْعِظَامِ۔

یعنی: سب تعریفوں کے لائق وہ اللہ تعالیٰ ہے جس نے مجھے دو سمندروں کے ملانے والا اور دو گروہوں کے درمیان صلح کرانے والا بنایا۔ ہر حال میں کامل ترجمہ (الہی) ہے اور خیر الانام (حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بھائیوں انبیائے کرام اور ملائکہ عظام پر درود و سلام ہو۔

چونکہ صباحت بھی ملاحت کے رنگ میں رنگین بن گئی ہے، لہذا خلتِ ابراہیمی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے مقام نے بھی وسعت پیدا کر لی ہے اور محیط نے مرکز کا حکم حاصل کر لیا ہے۔

جاننا چاہیے کہ مقامِ محبت ملاحت کے مرتبہ سے مناسبت رکھتا ہے اور مقامِ خلتِ صباحت کے مرتبہ سے۔ محبت میں محبوبیت صرف خاتم النبیین (حضرت محمد مصطفیٰ) علیہ علیہم الصلوٰۃ والسلام کو نصیب ہے اور محسبیت خالص حضرت (موسیٰ) کلیم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مخصوص ہے اور حضرت (ابراہیم) خلیل علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام دوستی اور ہم نشینی کی نسبت رکھتے ہیں۔ محبت اور محبوب اور ہیں اور دوست اور ہم نشین اور، ہر ایک کی نسبت الگ ہے۔

یہ فقیر چونکہ ولایت محمدیہ اور ولایت موسویہ علی صاحبہما الصلوٰۃ والسلام والختیہ کا پروردہ ہے، لہذا (یہ) مقام ملاحت میں جائے سکونت اور جائے اقامت رکھتا ہے اور ولایت محمدیہ علی صاحبہما الصلوٰۃ والسلام والختیہ کی محبت کے غلبہ کی وجہ سے (اس) پر) محبوبیت کی نسبت غالب ہے اور محسبیت کی نسبت مغلوب اور پوشیدہ ہے۔

اے فرزند! اس معاملہ کے باوجود جو میری تخلیق سے متعلق ہوا ہے، ایک اور کارخانہ عظیم بھی میرے حوالے فرمایا گیا ہے۔ پیری اور مریدی کے لیے مجھے (دنیا میں) نہیں لائے ہیں۔ میری تخلیق کا مقصد خلقت کی تکمیل و ارشاد نہیں ہے، بلکہ ایک اور معاملہ اور دوسرا کام ہے۔ اس ضمن میں جو شخص مناسبت رکھتا ہے، وہ فیض حاصل کرے گا، ورنہ نہیں۔ تکمیل و ارشاد کا معاملہ اس کارخانے کے مقابلے میں راستے میں پھینکی گئی چیز کی طرح ہیں۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کی دعوت ان کے باطنی معاملات کی نسبت یہی حکم رکھتی ہے۔ اگرچہ نبوت کا منصب ختم ہو چکا ہے، لیکن نبوت کے کمالات اور اس کے خصائص سے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے کامل پیروکاروں کو تبعیت اور وراثت کے طور پر (حصہ) نصیب ہے۔

مکتوب نمبر (۷)

فقیر حقیر عبدالحی جو ان مکتوبات شریفہ (دفتر دوم) کے جامع ہیں، کو تحریر فرمایا۔ مراتب پنجگانہ: محبوبیت، محسبیت، محبت، حب اور رضا اور ان سے اوپر کے مرتبہ کے بیان میں۔ نیز ان میں سے ہر ایک کی ایک نبی کے ساتھ خصوصیت اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اُس کا بیان)۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ (سورۃ نمل، ۵۹) اَنْعَمَ عَلَیْنَا وَهَدٰنَا اِلٰی الْاِسْلَامِ وَجَعَلْنَا مِنْ اُمَّۃٍ حَبِیْبَہٖ مُحَمَّدٍ الْمُصْطَفٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ۔

یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے ان بندوں پر سلام ہو جن کو اُس نے منتخب فرمایا۔ جس نے ہم پر انعام فرمایا اور اسلام کی جانب ہدایت فرمائی اور اپنے حبیب (حضرت) محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی امت بنایا۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آل (اطہار) پر درود و سلام ہو۔

جان لو، اللہ تعالیٰ تمہیں ہدایت بخشنے کہ محبت ذاتیہ جس کے ساتھ حضرت حق تعالیٰ و تقدس خود کو دوست رکھتا ہے، اس کے تین اعتبار ہیں: محبوبیت، محسبیت اور محبت۔ محبوبیت ذاتیہ کے کمالات کا ظہور خاتم الرسل (حضرت محمد مصطفیٰ) علیہ علی آلہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کے لیے مسلم ہے۔

مختصر یہ ہے کہ محبوبیت کی جانب میں دو کمال ہیں: فعلی اور انفعالی۔ فعل اصل ہے اور انفعال اس کے تابع ہے۔ لیکن انفعال فعل کے لیے علت غائی ہے، اگرچہ (انفعال) وجود میں متاخر ہے، لیکن تصور میں متقدم ہے۔

محسبیت کے کمالات کا ظہور حضرت (موسیٰ) کلیم اللہ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا حصہ ہے۔ تیسرا اعتبار جو نفس محبت ہے، اس مقام میں پہلی بار ابوالبشر حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام مشہود ہوئے۔ دوسری مرتبہ حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام بھی اسی مقام میں مشہود ہوئے اور تیسری بار حضرت نوح علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام بھی اسی اعتبار میں نظر آئے۔ وَالْأَمْرُ إِلَى اللَّهِ سُبْحَانَهُ۔ یعنی: اور معاملے کی حقیقت کو اللہ سبحانہ ہی جانتا ہے۔

حضرت حق تعالیٰ و تقدس جس طرح خود کو دوست رکھتا ہے (اسی طرح) اپنے اسمائی و صفاتی اور انفعالی کمالات کو بھی دوست رکھتا ہے۔ اور حضرت حق تعالیٰ و تقدس کی اپنے اسماء و صفات کے ساتھ اس محبت کا ظہور حضرت (ابراہیم) خلیل علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام میں کامل طور پر ہے اور اسمائی و صفاتی اور انفعالی محبوبیت کا ظہور دوسرے انبیاء علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام والتسلیمات والتحیات میں ان کی محسبیت کے ظہور کی طرح متحقق ہے۔ چونکہ اسماء و صفات اور انفعال کے لیے ظلال ہیں، لہذا ان ظلال کی محبوبیت کا ظہور ان کے اصول کے توسط سے مراد اور محبوب اولیاء کو نصیب ہے اور ان ظلال کی محسبیت کی طرح مریدین اور محبین اولیاء کو بھی نصیب ہے۔

محبت ذاتیہ کے مقام سے اوپر مقام حب ہے جو ان تینوں اعتبارات کا جامع اور ان کا اجمال ہے۔ رضا کا مقام محبت و حب کے مقام سے اوپر ہے، کیونکہ محبت میں اختصار و تفصیل کے ساتھ نسبت کا وجود ہے۔ مقام رضا میں وہ نسبت حذف ہوتی ہے جو حضرت حق تعالیٰ و تقدس کی ذات کے مناسب ہے اور مقام رضا سے اوپر خاتم الرسل (حضرت محمد مصطفیٰ) علیہ علیہم الصلوٰۃ والسلام کے سوا کسی کا قدم نہیں ہے۔ شاید اسی مقام کی خبر دیتے ہوئے آپ علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے:

لِي مَعَ اللَّهِ وَقْتُ لَا يَسْعُنِي فِيهِ مَلَكٌ مُقَرَّبٌ وَلَا نَبِيٌّ مَرْسَلٌ^(۱)

یعنی: میرے لیے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک وقت ہے، جس میں کوئی مقرب فرشتہ اور نبی مرسل شریک نہیں ہوتا۔

ایک دوسری حدیث قدسی میں بھی اس خصوصیت کی طرف اشارہ ہے جس میں وارد ہوا ہے: يَا مُحَمَّدُ أَنَا وَأَنْتَ وَمَا سِوَاكَ خَلَقْتُ لِأَجْلِكَ فَقَالَ مُحَمَّدٌ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ اللَّهُمَّ أَنْتَ وَمَا أَنَا وَمَا سِوَاكَ تَرَكْتُ لِأَجْلِكَ^(۲)۔ یعنی: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! میں اور تو، اور جو کچھ ترے سوا ہے (یہ میں نے) تیرے لیے پیدا

کیا ہے۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اس پر) عرض کیا: اے اللہ! تو ہی ہے اور میں نہیں ہوں اور جو کچھ تیرے سوا ہے میں نے وہ سب تیرے لیے ترک کر دیا ہے۔

اللہ کے رسول (حضرت) محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (کی شان) کو آج لوگ کیا پاسکتے ہیں اور اس دنیا میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی عظمت و بزرگی کو کیا پہچان سکتے ہیں؟ کیونکہ اس جہان میں سچ جھوٹ کے ساتھ ملا ہوا ہے اور حق باطل کے ساتھ مخلوط ہے۔ قیامت کے روز آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی عظمت معلوم ہوگی جب آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نبیوں کے امام ہوں گے اور اُن کی شفاعت کرنے والے ہوں گے اور (حضرت) آدم اور اُن کے علاوہ سب انبیاء علیہ وعلیٰ جَمِیعِ الْأَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ مِنَ الصَّلَوَاتِ أَفْضَلُهَا وَمِنَ التَّسْلِیْمَاتِ أَكْمَلُهَا آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔

جائز ہے کہ اس خاص مقام میں جو مقام رضا سے برتر ہے، ان کا پس خوردہ کھانے والے خدام میں سے کسی خادم کو وراثت اور تبعیت کے طور پر جگہ دے دیں اور ان کے طفیل اس بارگاہ کا محرم بنالیں:

ع با کریموں کا رہا دشوار نیست

یعنی: کریم لوگوں کے لیے کام مشکل نہیں ہیں۔

اس چیز سے انبیاء علیہم الصلوٰات والتّحیات پر غیر انبیاء کی فضیلت لازم نہیں آتی، کیونکہ خادم کی مخدوم کے ہم پلہ سب لوگوں کے ساتھ کیا برابری ہے؟ اور تابع کو متبوع کے ہمسروں کے ساتھ کیا نسبت ہے؟ یہی اصل مقصود ہے۔ تابع طفیلی کی نہایت کا معاملہ صرف ایک جزئی فضیلت تک پہنچتا ہے جس میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ جولاہا اور حجام اپنے پیشے کے اعتبار سے متعدد فنون کے ماہر دانشمند پر فضیلت رکھتا ہے اور اعتبار کے محل سے ساقط ہے۔

ہماری گفتگو اشارات و رموز اور بشارت و خزانے ہیں۔ ان میں سے اکثر لوگوں کو اس وقت تک کچھ نصیب نہیں ہوتا جب تک وہ حسن ظن کے ساتھ ان پر یقین نہ کریں۔ پس ان کے یقین کی بدولت انہیں نفع بخش ثمرات مل سکتے ہیں۔

وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ الْمُؤَفَّقِ. یعنی: اور اللہ سبحانہ ہی توفیق دینے والا ہے۔

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اَتْبَعَ الْهُدٰی (سورۃ طہ، ۴۷) وَالتَّزَمَ مُتَابِعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْهِ وَعَلٰی جَمِیْعِ اِخْوَانِهِ مِنَ الْأَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَالْمَلَائِكَةِ الْمُقَرَّبِیْنَ مِنَ الصَّلَوَاتِ أَفْضَلُهَا وَمِنَ التَّسْلِیْمَاتِ أَكْمَلُهَا.

یعنی: اور جو شخص ہدایت کی بات مانے اور (حضرت محمد) مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی متابعت کو لازم پکڑے اُس کو سلامتی نصیب ہو اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے تمام بھائیوں نبیوں اور رسولوں اور مقربین فرشتوں پر افضل درود اور اکمل سلام ہو۔

مکتوب نمبر (۸)

(عبدالرحیم) خانخانان کو تحریر فرمایا۔ خاص الخاص، عوام اور متوسط لوگوں کے ایمان بالغیب میں فرق کے بیان میں۔

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی. (سورۃ نمل، ۵۹)

یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اُس کے اُن بندوں پر سلام ہو جن کو اُس نے منتخب فرمایا:

ع از ہر چہ میرود سخن دوست خوشتر است
یعنی: دوست کی بات جس طرف سے بھی ہو وہ بہت بھلی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ. (سورۃ بقرہ، ۱۸۶)

یعنی: اور (اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم!) جب آپ سے میرے بندے میرے بارے میں دریافت کریں تو کہہ دیں کہ میں تو (تمہارے) قریب ہوں۔

نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: مَا يَكُونُ مِنْ نَجْوَى ثَلَاثَةٍ إِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ إِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَا اَدْنَى مِنْ ذَلِكَ وَلَا أَكْثَرَ إِلَّا هُوَ مَعَهُمْ أَيْنَ مَا كَانُوا. (سورۃ مجادلہ، ۷)

یعنی: کسی جگہ تین (شخصوں) کا (مجمع اور) کانوں میں صلاح مشورہ نہیں ہوتا، مگر وہ ان میں چوتھا ہوتا ہے اور نہ کہیں پانچ کا مگر وہ ان میں چھٹا ہوتا ہے اور نہ اس سے کم یا زیادہ، مگر وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے خواہ وہ کہیں ہوں۔

حق سبحانہ و تعالیٰ کا قرب اور معیت اس کی ذات سبحانہ کی مانند بے مثل و بے مثال ہے، کیونکہ مثل کو بے مثل کی طرف کوئی راہ نہیں ہے۔ پس قرب اور معیت کے معنی سے جو کچھ ہماری عقل و فہم اور کشف و شہود میں آ سکتا ہے، حق تعالیٰ اس چیز سے منزہ و مبرا ہے، کیونکہ یہ بات مذہب مجسمہ (اللہ تعالیٰ کے جسم کے قائل لوگوں کے مذہب) میں قدم رکھتی ہے۔ ہم ایمان لاتے ہیں کہ حق تعالیٰ ہمارے قریب اور ہمارے ساتھ ہے، لیکن ہم قرب و معیت کے معنی نہیں سمجھتے کہ وہ کیا ہے؟

اس دنیا میں کالمین کو جو انتہائی (حصہ) نصیب ہے، وہ حق تعالیٰ کی ذات و صفات پر غیب کے ساتھ ایمان لانا ہے:

دور بیناں بارگاہِ الست بیش ازیں پے نبردہ اند کہ ہست

یعنی: بارگاہِ الست کے دور بین اس سے زیادہ کچھ سراغ نہیں لگا سکے کہ وہ ہے۔

غیب پر ایمان جو خاص الخاص لوگوں کا نصیب ہے، وہ عوام کے غیب پر ایمان کی طرح نہیں ہے۔ عوام نے سننے اور دلیل لانے سے غیب پر ایمان حاصل کیا ہے اور خاص الخاص لوگوں نے غیب الغیب کو جمال و جلال کے پردوں کے اندر اور تجلیات و ظہورات کے سراپردوں کے پیچھے مطالعہ کر کے غیب پر ایمان حاصل کیا ہے۔ اور متوسط لوگ نے ظلال کو اصل گمان کر کے اور تجلیات کو عین متجلی (جلوہ دینے والا) سمجھ کر ایمان شہودی کے ساتھ خوش ہیں اور ان کے حق میں غیب پر ایمان دشمنوں کا نصیب ہے: كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ. (سورۃ روم، ۳۲) یعنی: سب فرقے اسی سے خوش ہیں جو ان کے پاس ہے۔

زحمت دینے کا ایک سبب یہ ہے کہ مولانا عبد الغفور اور مولانا جامی محمد خاص دوستوں میں سے ہیں۔ ان کے ساتھ جس قسم کا احسان کیا جائے گا، وہ فقیر کی احسان مندی کا سبب ہوگا:

ع با کریمیاں کارہا دشوار نیست

یعنی: کریم لوگوں کے لیے کام مشکل نہیں ہیں۔

مکتوب نمبر (۹)

محمد عارف خٹنی کو تحریر فرمایا۔ کلمہ طیبہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کے فضائل اور مقام تنزیہ کی تحقیق کے بیان میں۔ نیز اس چیز کے بیان میں کہ غیب پر ایمان اس وقت متحقق ہوتا ہے جب معاملہ اقرہیت تک پہنچ جائے، کیونکہ یہ معاملہ وہم و خیال کے احاطہ سے باہر ہے۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ وَسَلَامٌ عَلَى عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَى. (سورۃ نمل، ۵۹)

یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اُس کے اُن کے بندوں پر سلام ہو جن کو اُس نے منتخب فرمایا۔ مولانا محمد عارف خٹنی کو چاہیے کہ اوّل جھوٹے معبودوں کی نفی کر کے، معبودِ برحق جلِ سلطانہ کا اثبات کر کے، جو کچھ چونی و چندی (مثلاً اور کسی تعداد) کے داغ سے داغدار ہے اس کو لا کے نیچے لا کر بے مثل خدا جلِ سلطانہ پر ایمان (کا یقین) حاصل کریں۔ نفی و اثبات میں جامع ترین عبارت کلمہ طیبہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ ہے۔ آپ علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے: أَفْضَلُ الذِّكْرِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ. ^(۱) یعنی: سب سے افضل ذکر لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ ہے۔

نیز آپ علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام و اُختیہ نے اللہ سبحانہ سے نقل فرمایا ہے (کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں): لَوْ أَنَّ السَّمَوَاتِ السَّبْعَ وَ عَامِرَهُنَّ غَيْرِي وَالْأَرْضَيْنِ السَّبْعَ وَضِعْنَ فِي كَفِّ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ فِي كَفِّ لَمَالَتْ بِهِنَّ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ. ^(۲) یعنی: اگر میرے علاوہ سات آسمانوں اور اُن میں آباد ہر شے اور سات زمینوں کو ایک پلڑے اور لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ دو دوسرے پلڑے میں رکھ دیا جائے تو لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ والا پلڑا بھاری ہوگا۔

افضل کیوں نہ ہو؟ اور وزنی کیوں نہ بنے؟ جبکہ اس کا ایک کلمہ (لا) تمام ماسوا کی نفی کر دیتا ہے، کیا آسمان اور کیا زمینیں اور کیا عرش اور کیا کرسی اور کیا لوح اور کیا قلم اور کیا عالم اور کیا آدم! اور اس کا دوسرا کلمہ إِلَّا اللہ معبودِ برحق جلِ برہانہ کا اثبات فرماتا ہے جو آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنے والا ہے۔ حق جل و علا کے ماسوا آفاق و انفس میں سے جو کچھ ہے، وہ سب چونی و چندی (مثلاً اور کسی تعداد) کے داغ سے داغدار ہے۔ پس لازمی طور پر جو کچھ آفاق و انفس کے آئینوں میں جلوہ گر ہوگا، وہ بطریق اولیٰ چند و چون (تعداد اور مثل) ہوگا جو نفی کرنے کے لائق ہے۔

پس جو کچھ ہمیں معلوم ہوتا ہے، ہمارے وہم میں آتا ہے اور جو ہمارا مشہود اور محسوس ہے، وہ سب چونی و چگونگی (مثلاً اور مثالی) سے متصف ہے اور حدوث و امکان کے عیب سے داغدار ہے، کیونکہ ہمارا معلوم و محسوس ہمارا (اپنا) تراشا ہوا ہے اور ہمارا (اپنا) بنایا ہوا ہے اور وہ تنزیہ جس کے ساتھ ہمارے علم کا تعلق ہے، وہ عین تشبیہ ہے اور جو کمال ہماری فہم کے انداز سے ہوتا ہے وہ عین نقص ہے۔ پس جو کچھ ہم پر متجلی، مکشوف اور مشہود ہوتا ہے، وہ سب حق سبحانہ کا غیر ہے اور حق تعالیٰ اس سے وراء الراء ہے۔ حضرت خلیل علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں: اَتَعْبُدُونَ مَا تَنْحِتُونَ. وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ. (سورۃ صافات، ۹۵-۹۶) یعنی: تمام ایسی چیزوں کو کیوں پوجتے ہو جن کو خود تراشتے ہو، حالانکہ تم کو اور جو تم بناتے ہو اُس کو اللہ ہی نے پیدا کیا ہے۔

ہمارا تراشا ہوا، خواہ وہ ہم نے ہاتھ سے تراشا ہو اور خواہ عقل و وہم سے، وہ سب حق سبحانہ کی مخلوق ہے اور لائقِ عبادت

نہیں۔ عبادت کے لائق وہ بے مثل و بے مثال خدا ہے جس (کی ذات) تعالیٰ کے دامنِ ادراک سے ہماری عقل و وہم کا ہاتھ کوتاہ ہے اور جس (کی ذات) سبحانہ کی عظمت و جلال کے مشاہدے سے ہمارے کشف و شہود کی آنکھ خیرہ اور عاجز ہے۔ پس اس طرح کے بے مثل و بے مثال خدا جل شانہ پر ایمان غیب کے طریقہ کے سوا میسر نہیں آ سکتا۔ کیونکہ ایمان شہودی، اس (حق) تعالیٰ پر ایمان نہیں ہے، بلکہ (یہ) اپنی تراشی ہوئی چیز پر ایمان ہے جو اس (حق) تعالیٰ کی مخلوقات میں سے ہے اور (یہ) غیر کے ایمان کو اس (حق) تعالیٰ کے ایمان کے ساتھ شریک کرنا ہے، بلکہ محض غیر پر ایمان ہے۔

اعَاذَنَا اللَّهُ سُبْحَانَهُ عَنْ ذَلِكَ. یعنی: اللہ سبحانہ ہم کو اس سے محفوظ رکھے۔

غیب پر ایمان اس وقت میسر ہوتا ہے جب ہمارے تیز رفتار وہم کی اس جگہ دوڑ دھوپ نہ رہے اور وہاں کی کوئی چیز ہمارے تخیل کی قوت میں منقش نہ ہو اور یہ معنی حق تعالیٰ کی اقربت میں ثابت ہے جو وہم و خیال کے احاطہ سے باہر ہے، کیونکہ جس قدر (چیز) زیادہ دور ہوگی، وہم کی گردش وہاں زیادہ ہوگی اور وہ خیال کی سلطنت میں زیادہ جلدی داخل ہوگی۔ یہ دولت انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کے ساتھ مخصوص ہے اور غیب پر ایمان ان بزرگواروں علیہم الصلوٰات والتسلیمات کو نصیب ہے اور جس کسی کو چاہتے ہیں اُن کی تبعیت اور وراثت کے طریقہ سے اس کو اس دولت سے مشرف فرماتے ہیں۔

غیب پر ایمان جو عام مومنوں کو حاصل ہے وہ وہم کے احاطہ سے باہر نہیں ہے، کیونکہ وراء الورا عوام کے نزدیک بُعد (دوری) کی جانب میں ہے جو وہم کا میدان ہے اور وراء الورا ان بزرگواروں (انبیاء) علیہم الصلوٰات والتسلیمات والتجیات کے نزدیک قرب کی جانب میں ہے جہاں وہم کی مجال نہیں ہے۔ جب تک دنیا قائم ہے اور (آدمی) دنیاوی زندگی کے ساتھ زندہ ہے، (اس وقت تک) اسے غیب پر ایمان رکھنے سے چارہ نہیں ہے، کیونکہ ایمان شہودی اس جگہ معلوم (علت رکھنے والا) ہے۔ جب عالمِ آخرت کی زندگی منعکس ہوگی اور وہم و خیال کی صورت کو توڑ دے گی تو پھر ایمان شہودی مقبول ہوگا اور کسب و تراش کی علت سے پاک ہوگا۔

میں خیال کرتا ہوں کہ چونکہ (حضرت) محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا میں رویت (حق تعالیٰ) کی دولت سے مشرف ہوئے ہیں، (لہذا) اگر ایمان شہودی آپ علیہ علی آلہ الصلوٰات والتسلیمات کے حق میں اس جگہ ثابت کریں تو اچھا ہے اور (یہ) بنانے اور تراشنے سے آزاد ہے، کیونکہ جس چیز کا دوسروں کے لیے کل قیامت کو ملنے کا وعدہ ہے وہ آپ علیہ علی آلہ الصلوٰة والسلام کو یہاں (دنیا) میں میسر ہے۔ ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ ط وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ. (سورۃ حدید، ۲۱) یعنی: یہ اللہ کا فضل ہے، جسے چاہے عطا فرمائے اور اللہ بڑے فضل کا مالک ہے۔

جاننا چاہیے کہ کلمہ نفی کو حضرت خلیل علی نبینا وعلیہ الصلوٰة والسلام نے پورا کیا اور شرک کے دروازوں میں سے کوئی دروازہ ایسا نہیں چھوڑا جس کو بند نہ کیا ہو، لہذا آپ علیہ علیہم الصلوٰات والتسلیمات، انبیاء علیہم الصلوٰة والسلام کے امام ہوئے اور ان کے پیشوا بن گئے، کیونکہ اس دنیا میں کمال کی نہایت اس (کلمہ) نفی کو پورا کرنے سے وابستہ ہے اور کلمہ طیبہ کے کمالات کا ظہور یعنی اثبات، آخرت کی زندگی پر موقوف ہے۔

مختصر یہ کہ جب خاتم الرسل (حضرت محمد مصطفیٰ) علیہ علیہم الصلوٰات والتسلیمات اس دنیا میں دولتِ رویت سے

مشرف ہوئے (اور) آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کلمہ طیبہ کے جزو اثبات (اَللّٰہُ) کے کمالات سے بھی وافر نصیب پالیا تو پھر کہا جاسکتا ہے کہ کلمہ اثبات (اَللّٰہُ) اس جہان کے اندازہ کے مطابق آپ علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت سے مکمل ہو گیا اور ممکن ہے کہ اسی وجہ سے تجلی ذات کو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حق میں اس جہان میں ثابت کرتے ہیں اور دوسروں کے لیے (آخرت کے) وعدہ پر موقوف سمجھتے ہیں۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اتَّبَعَ الْهُدٰی (سورۃ طہ، ۴۷) وَالنَّزَمَ مُتَابِعَةً الْمُصْطَفٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہِ مِنَ الصَّلٰوَاتِ اَفْضَلُہَا وَمِنَ التَّسْلِیْمَاتِ اَكْمَلُہَا۔

یعنی: اور جو شخص ہدایت کی بات مانے اور (حضرت محمد) مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی متابعت کو لازم پکڑے، اس کو سلامتی نصیب ہو اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آل (اطہار) پر افضل درود اور اکمل سلام ہو۔

مکتوب نمبر (۱۰)

حضرت عالی (مجددِ قدس سرہ) نے (اپنے) برادرِ حقیقی حقائق آگاہ جناب میاں محمد مودود کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ جو ظہور بھی ہو، وہ ظلیت کے شائبہ کے بغیر نہیں ہوتا، بخلاف اس ظہور کے جو عرش کے اوپر (واقع) ہو۔ جب قلب اپنی انتہا کو پہنچتا ہے تو عرش کے انوار سے ایک چمک اخذ کر لیتا ہے، نیز جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کا بیان)۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ (سورۃ نمل، ۵۹)

یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اُس کے اُن بندوں پر سلام ہو جن کو اُس نے منتخب فرمایا۔ شیخ ابویزید بسطامی قدس سرہ فرماتے ہیں: ”اگر عرش اور جو کچھ عرش میں ہے، وہ (سب) عارف کے قلب کے ایک گوشے میں رکھ دیں تو عارف کو دل کی کشادگی کے موجب اس کا کچھ احساس نہیں ہوتا۔“

شیخ جنید (رحمۃ اللہ علیہ) اس بات کی تائید کرتے ہیں اور دلیل کے ساتھ اس کو ثابت کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ: ”حادث جب قدیم کے ساتھ ملتا ہے تو اس کا اثر نہیں رہتا۔“ یعنی: عرش اور جو کچھ اس میں ہے وہ حادث ہے اور عارف کا قلب جو انوارِ قدم کے ظہور کا محل ہے، جب اس حادث کا اس قلب کے ساتھ قرب واقع ہوتا ہے تو وہ نیست و نابود ہو جاتا ہے، پھر وہ کیسے محسوس ہو؟

تعب ہے، ہزار بار تعب! اکابرِ صوفیہ جو سلطانِ العارفین اور سیدِ الطائفہ ہیں، جب وہ اس طرح فرماتے ہیں اور عرش مجید کو قلبِ عارف کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں دیتے اور عرش کو انوارِ قدم کے ظہورات سے خالی سمجھتے ہوئے حادث کہتے ہیں اور قلب کو انوارِ قدم کے ظہور کی وجہ سے قدیم کا نام دیتے ہیں تو پھر (فقیر) دوسروں کے بارے میں کیا کہے اور کیا لکھے؟ یہ فقیر جو کہ جذباتِ الہی جلِ سلطانہ کا پروردہ ہے، اس کے نزدیک (تحقیق) یہ ہے کہ عارف کا قلب جب اپنی خاص استعداد کی رُو سے انتہا کی انتہا تک پہنچ جاتا ہے اور وہ کمال حاصل کر لیتا ہے جس سے اوپر (کوئی کمال) متصور نہیں ہے تو اس کی قابلیت پیدا کر لیتا ہے کہ انوارِ عرشی کے بے انتہا انوار میں سے ایک چمک کا ظہور اس پر فائز ہو۔ اس چمک کی ان انوار کے ساتھ وہ نسبت ہوتی ہے جو قطرے کو دریائے محیط کے ساتھ ہوتی ہے، بلکہ اس سے بھی کمتر ہوتی ہے۔ عرش وہ ہے جس کو حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ اعظم فرماتا ہے اور استوئی کا راز اس پر ثابت فرماتا ہے۔ عارف کے قلب کو جامعیت کے لحاظ سے تشبیہ

اور تمثیل کے طور پر ”عرش اللہ“ کہتے ہیں۔ یعنی جس طرح عرش مجید عالم کبیر میں عالم خلق اور عالم امر کے درمیان برزخ ہے اور اس عالم کے خلق اور امر کی دونوں اطراف کا جامع ہے۔ اسی طرح قلب بھی عالم صغیر میں عالم خلق اور عالم امر کے درمیان برزخ ہے اور اس عالم کے خلق اور امر کی دونوں اطراف کا جامع ہے۔ پس قلب کو بھی تشبیہ کے طور پر عرش کہا جاسکتا ہے۔

سنو! (پھر) سنو! انوارِ قدم کے ظہور کی قابلیت جو ظلیت کے شائبہ سے منزہ اور مبرا ہے، وہ عرش مجید کے ساتھ مخصوص ہے اور عرش مجید کے سوا عالم خلق، عالم امر، عالم کبیر اور عالم صغیر میں سے کوئی چیز بھی اس کی قابلیت نہیں رکھتی۔

عارف کامل کا قلب جامعیت و برزخیت کے تعلق کی وجہ سے ان انوار میں سے اخذ کرتا ہے اور سمندر سے ایک چلو حاصل کرتا ہے۔ عرش اور کامل معرفت والے عارف کے قلب کے سوا جہاں بھی ظہور ہے وہ ظلیت کے داغ سے داغدار ہے اور (کسی نے) اصل کی خوشبو نہیں پائی۔ بایزید (بسطامی قدس سرہ) اگر سکر (کی وجہ) سے اس طرح کہیں تو ممکن ہے، لیکن جنید (بغدادی قدس سرہ) جو صحو کے مدعی ہیں، ان کے لیے یہ بات زیبا نہیں ہے۔ کیا کریں انہوں نے معاملے کی حقیقت سے آگاہی نہیں پائی اور وہ دریائے ظلیت کے بھنور سے ساحل کی طرف نہیں دوڑے۔ اگرچہ یہ بات آج اکثر لوگوں کی نظر میں بہت بعید دکھائی دیتی ہے، لیکن آج کے لیے کل (قیامت) کا دن قریب ہے، جلدی نہ کریں۔ اَتَىٰ أَمْرُ اللَّهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوهُ طُ سُبْحَنَهُ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ۔ (سورہ نحل، ۱) یعنی: اللہ کا حکم (یعنی عذاب گویا) آ ہی پہنچا تو (کافرو!) اس کے لیے جلدی مت کرو۔ یہ لوگ جو (اللہ کا) شریک بناتے ہیں وہ اس سے پاک اور بالاتر ہے۔

وَالسَّلَامُ عَلَىٰ مَنِ اتَّبَعَ الْهُدَىٰ (سورہ طہ، ۴۷) وَالتَّزَمَ مُتَابِعَةَ الْمُصْطَفَىٰ عَلَيْهِ وَعَلَىٰ آلِهِ مِنَ الصَّلَاةِ الْعُلَىٰ وَعَلَىٰ جَمِيعِ الْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِينَ وَالْمَلَائِكَةِ الْمُقَرَّبِينَ وَعَلَىٰ سَائِرِ الصَّالِحِينَ وَعَلَىٰ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ أَجْمَعِينَ۔

یعنی: جو شخص ہدایت کی بات مانے اور (حضرت محمد) مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی متابعت کو لازم پکڑے، اس کو سلامتی نصیب ہو اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آل (اطہار) پر اور تمام نبیوں اور رسولوں پر اور مقربین فرشتوں پر اور تمام نیک لوگوں اور سب ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں پر عمدہ درود و سلام ہو۔

مکتوب نمبر (۱۱)

حقائق و معارف آگاہ، مظہر فیض الہی مخدوم زادہ مجدد الدین خواجہ محمد معصوم سلمہ ربہ کو تحریر فرمایا۔ عرش کے اوپر ظہور کی بعض خصوصیات کے بیان میں اور (آیت) کریمہ: اللَّهُ نُورُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ (سورہ نور، ۳۵) کے تاویلی معنی میں۔ نیز انسان کے بعض خاص کمالات کا بیان اور جزوِ ارضی کے فضائل اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کا بیان)۔

نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي عَلَى نَبِيِّهِ وَنُسَلِّمُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ الْكَرَامِ۔

یعنی: ہم اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے ہیں اور اس کے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آلِ کرام پر درود و سلام بھیجتے ہیں۔

عالم وجود وسعت اور تفصیل کے باوجود چونکہ ہیت وحدانی نہیں رکھتا، لہذا بسیط حقیقی جو نسبتوں اور اعتبارات سے خالی اور شیوں و صفات کی تفصیلات سے عاری ہے، کے ظہور کی قابلیت بھی نہیں رکھتا۔

عالم کبیر کے اجزائیں سے اشرف (جزو) حضرت رحمن کا عرش ہے جو حضرت ذات جامع الصفات جل سلطانہ کے انوار کے ظہور کا محل ہے۔ عرش مجید کے علاوہ عالم کبیر میں جس قدر ظہورات ہیں (یہ) ظلیت کے شائبہ سے خالی نہیں ہیں، لہذا رب العالمین نے استواء کے راز کو عالم کبیر کے اجزا کے درمیان عرش مجید کے ساتھ مخصوص بنایا ہے جو اس عالم کے افضل اجزا میں سے ہے، کیونکہ ظلال میں سے کسی ظل کا ظہور درحقیقت حق تعالیٰ کا ظہور نہیں ہے، تاکہ اسے استواء کی عبارت سے تعبیر کیا جائے۔

نیز جو ظہور وہاں (عرش مجید) پر ہے، وہ پوشیدہ ہونے کے خلل کے بغیر دائمی ہے۔ اگرچہ حق تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا نور ہے، لیکن وہ نور ظلال کے پردوں سے ملا ہوا ہے اور ظلیت کے واسطے کے بغیر ان میں ظہور نہیں فرمایا ہے۔ یہ سب ظہورات ظہور عرشی کے انوار سے حاصل کردہ ہیں، جنہوں نے ظلال میں سے کسی ظل کے پردے میں پوشیدہ ہو کر ظہور فرمایا ہے، جس طرح دریائے محیط میں سے برتنوں کے ذریعے پانی ہر جگہ لے جاتے ہیں اور نفع حاصل کرتے ہیں یا جس طرح ایک بڑی مشعل سے چھوٹے چراغوں کو جلا کر اطراف و اکناف کو روشن کرتے ہیں۔ شاید (اس آیت) کریمہ میں انہی معارف کی جانب ایک اشارہ ہے:

اللَّهُ نُورُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ مِثْلُ نُورِهِ كَمِشْكُورَةٍ فِيهَا مِصْبَاحٌ الْمِصْبَاحُ فِي زُجَاجَةٍ الزُّجَاجَةُ كَأَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُوقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُبْرَكَةٍ زَيْتُونَةٍ لَا شَرْقِيَّةٍ وَلَا غَرْبِيَّةٍ يَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ نُورٌ عَلَى نُورٍ. (سورۃ نور، ۳۵) یعنی: اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ اس کے نور کی مثال ایسی ہے کہ گویا ایک طاق ہے جس میں چراغ ہے اور ایک چراغ ایک قندیل میں ہے اور قندیل (ایسی شفاف ہے کہ) گویا موتی کا سا چمکتا ہوا تارا ہے۔ اس میں ایک مبارک درخت کا تیل جلایا جاتا ہے یعنی زیتون کا۔ کہ نہ مشرق کی طرف ہے اور نہ مغرب کی طرف۔ (ایسا معلوم ہوتا ہے کہ) اس کا تیل خواہ آگ اسے نہ بھی چھوئے جلنے کو تیار ہے، روشنی پر روشنی (ہو رہی ہے)۔

کیونکہ مذکورہ (آیت) کریمہ میں تمثیل کو اس لیے اختیار کیا گیا ہے، تاکہ ان (آسمانوں اور زمین) میں اس نور کے ظہور کو واسطہ کے بغیر نہ سمجھیں اور ظل کو اصل کے ساتھ مشتبہ نہ کریں اور ظل کے نور کو اصل کے نور سے روشن کیا ہوا اور حاصل کیا ہوا سمجھیں۔ يَهْدِي اللَّهُ لِنُورِهِ مَنْ يَشَاءُ (اللہ اپنے نور سے جس کو چاہتا ہے سیدھی راہ دکھاتا ہے۔ سورۃ نور، ۳۵) آیت کریمہ (کا یہ حصہ) اللہ تعالیٰ کی مراد پر محمول ہے اور ہم اس کی تاویل اپنے کشف کی بنیاد پر بیان کرتے ہیں اور ہم (یہ سب کچھ) اللہ سبحانہ کی مدد اور اس کے حسن توفیق سے کہتے ہیں:

اللَّهُ نُورُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ. (ایضاً) یعنی: اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔

نور وہ ہے جس سے چیزیں روشن ہوتی ہیں۔ آسمان اور زمین حق تعالیٰ کے نور سے روشن ہوئے ہیں، کیونکہ حق سبحانہ نے ان کو عدم کے اندھیروں سے نکال کر وجود اور توالع وجود کے ظلال کے ساتھ متصف کر کے منور فرمایا ہے۔ آسمان اور زمین جو اس نور سے روشن ہوئے ہیں، کو ایک بڑے طاق کی طرح تصور کرنا چاہیے۔ اور اس کو چراغ کی مانند سمجھنا چاہیے جو اس طاق

میں بطور امانت رکھا گیا ہے۔ مشکوٰۃ پر کافِ تمثیل کا داخل ہونا اس بنا پر ہے کہ وہ طاق اس چراغ پر مشتمل ہے۔ قدیل (صاف و شفاف شیشے) سے اسماء و صفات کا پردہ ملاحظہ کرنا چاہیے، کیونکہ وہ نور اسماء و صفات کے ساتھ ملا ہوا ہے اور شیون و اعتبارات سے عاری نہیں ہے۔ صفاتِ عز سلطانہا کی قدیل (صاف و شفاف شیشہ) حسن و جوب اور قدیم جمال کے ساتھ ایک چمکتے ہوئے ستارے کی طرح ہے اور وہ طاق جو اس چراغ میں بطور امانت رکھا ہوا ہے، اس نے زیتون کے مبارک درخت سے چمک پائی ہے، جو جامعِ ظہورِ عرشی سے رمز و اشارہ ہے اور استوئی اس ظہور سے ایک رمز ہے۔ کیونکہ دوسرے ظہورات جو آسمانوں اور زمین سے تعلق رکھتے ہیں، وہ اس ظہورِ جامع کے لیے اجزا کی مانند ہیں۔ جب وہ ظہورِ جامع لامکانی ہے اور بے جہت ہے تو اس کو لَا شَرْقِيَّةٌ وَلَا غَرْبِيَّةٌ (نہ مشرق کی طرف اور نہ مغرب کی طرف ہے) کہا جاسکتا ہے۔ يَكَاذُ زَيْتُهَا يُضِيءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ (اس کا تیل خواہ آگ اسے نہ بھی چھوئے جلنے کو تیار ہے) اس مبارک درخت کی تعریف و توصیف کرنے والی صفت ہے اور اس درخت کے تیل کی صفائی و چمک کا بیان ہے جس کی نُورٌ عَلٰی نُورٍ (روشنی پر روشنی ہو رہی ہے) کے ساتھ تمثیل دی گئی ہے۔ یعنی قدیل (صاف و شفاف شیشے) کا وہ پردہ صفائی و چمک کی وجہ سے اس نور سے زیادہ بڑھ گیا ہے اور اس کے حسن و جمال میں اضافہ ہو گیا ہے، کمالاتِ صفات، ذات (حق) تعالیٰ و تقدس کے کمالات کے ساتھ جمع ہو گئے ہیں اور حسنِ صفات، ذات تعالیٰ و تقدس کے ساتھ مل گیا ہے، نور میں کئی گنا اضافہ ہو جانے اور ظہور کے کمال کے باوجود ”يَهْدِي اللَّهُ لِنُورِهِ مَنْ يَشَاءُ“، یعنی: اللہ اپنے نور سے جس کو چاہتا ہے سیدھی راہ دکھاتا ہے۔ جی ہاں! مَنْ لَمْ يَجْعَلِ اللَّهُ لَهُ نُورًا فَمَا لَهُ مِنْ نُورٍ۔ (سورۃ نور، ۴۰) یعنی: جس کو اللہ روشنی نہ دے اس کو کہیں بھی روشنی نہیں مل سکتی۔

ظہورِ جامع جو عرش سے متعلق ہے، یہ مشاہدات و معاینات اور مکاشفات کی انتہا ہے اور تجلیات و ظہورات کی نہایت ہے۔ خواہ تجلی ذات ہو یا تجلی صفات۔ اس کے بعد معاملہ جہل کے ساتھ قرار پاتا ہے۔ چنانچہ اس میں سے تھوڑا سا بیان کیا جائے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

یہ ظہورِ جامع اگرچہ صفات کے ساتھ ملا ہوا، لیکن صفات اس مقام میں ذات کے لیے حجاب نہیں ہیں۔ صفات کا ذات تعالیٰ و تقدس کے لیے حجاب بنا ظلی ظہورات کے ساتھ مخصوص ہے، کیونکہ ظلی ظہورات مرتبہ علم میں ہیں اور ظہورِ اصل مقام عین میں ہے اور علم میں صفات ذات کا حجاب ہیں، نہ کہ عین میں۔ تم نہیں دیکھتے کہ جب تم مرتبہ علم میں زید کا تصور کرو تو اس کا ظہور علم میں صفات کے ساتھ ہوگا۔ مثلاً وہ دراز قد ہے یا کوتاہ قامت، عالم ہے یا جاہل، چھوٹا ہے یا بڑا، شاعر ہے یا کاتب۔ یہ سب صفات جن کا تم تصور کرو گے وہ اس کی ذات کے لیے حجاب بنیں گی اور یہ سب تقیدات کلیہ اس کے تشخص کے لیے مفید نہیں ہوں گی۔ اور جب یہ زید علم سے عین کی طرف سامان لے جاتا ہے اور صفات کے باوجود مشہود ہو جاتا ہے اور معاملہ ظلیت سے اصالت قرار پاتا ہے، کیونکہ زید کی صورت علمی خارج میں موجود زید کے لیے ظل (کی طرح) ہے جو اس کی اصل ہے۔ اس جگہ صفات اس کی ذات کے لیے حجاب نہیں ہوں گی۔ اور وہ شخص جامع الصفات محسوس ہوگا۔

نیز اسی طرح حضرت ذات تعالیٰ و تقدس سے صفات کی مفارقت (جدائی) ظلال کے مراتب اور مثال کی تصویروں میں ہے اور جب اصل کے ساتھ وصول میسر ہوگا تو صفات کو ذات تعالیٰ سے جدا نہیں پائے گا اور شہود ذات صفات کے شہود

سے جدا نہیں ہوگا۔ تجلی صفات کو جو ذات کی تجلی سے جدا کہا گیا ہے اور تجلی افعال کو الگ سمجھا گیا ہے (یہ) سب ظلال کے مقامات میں ہے۔ اصل سے وصول کے بعد صرف ایک تجلی ہے جو تین تجلیات پر مشتمل ہے۔ مثلاً جب کوئی شخص زید کو دیکھتا ہے تو اس کی ذات کا شہود اس کی صفات کے شہود سے جدا نہیں ہوتا، بلکہ اسی وقت کہ جب وہ زید کو دیکھتا ہے تو اس کو عالم اور فاضل بھی پاتا ہے۔ جس طرح علم و فضل اس کے دیکھنے میں حجاب نہیں ہیں، اسی طرح اس سے جدا بھی نہیں ہیں۔ ہاں! اگر زید کا تصور کریں اور ظلی صورتوں سے اس کا ادراک کریں تو صفات اس کی ذات سے جدا ہوں گی اور اس کی ذات کے لیے حجاب بن جائیں گی، جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔

تم نہیں دیکھتے کہ آخرت میں جامع الصفات ذات تعالیٰ و تقدس کا دیدار ہے، نہ کہ اسماء و صفات سے خالی ذات کا جو محض اعتبار ہے، کیونکہ ذات صفات سے ہرگز خالی نہیں ہے اور صفات ذات سے ہرگز جدا نہیں ہیں۔ تجرد (الگ ہونا) اس اعتبار سے کہتے ہیں کہ جب کامل عارف ذات تعالیٰ و تقدس کی گرفتاری کا غلبہ پاتا ہے تو اسماء و صفات کا ملاحظہ اس کی نظر سے ساقط ہو جاتا ہے اور ذات احدیت تعالیٰ کے سوا اس کا کوئی مشہود نہیں رہتا۔ پس ذات تعالیٰ و تقدس کا صفات سے خالی ہونا عارف کی نظر کے اعتبار سے ہوا، نہ کہ خارج اور نفس الامر کے اعتبار سے۔ جیسا کہ اس کی تحقیق جلد آئے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

نیز یہ ظہور جامع مثالی تصویروں کی انتہا ہے، اس کے بعد جو کمال ظاہر ہوتا ہے وہ تصویر کی مثال کے آئینے میں نہیں پایا جاسکتا، کیونکہ مثال میں اس چیز کی تصویر دکھاتے ہیں جو خارج کے ساتھ مشابہت اور مناسبت رکھتی ہو، خواہ وہ مشابہت اسم میں ہی ہو۔ جو چیز خارج میں کسی چیز سے کسی وجہ سے بھی مشابہت نہیں رکھتی، اس کی تصویر مثال میں محال ہے۔ (ظہورِ عرشی سے) اوپر کے کمالات اسی قسم کے ہیں کہ کوئی چیز کسی وجہ سے بھی ان کے مشابہ نہیں ہے، تا کہ مثال میں اس کی تصویر دکھائی جائے۔

یہی وجہ ہے کہ اس مقام میں ہر وقت جہل دامن گیر ہے اور ادراک کا نہ ہونا ہی ادراک کا ہدف ہے۔ اگرچہ اس دنیا میں اس مقام سے یافت کے علم کے ساتھ جہل کے سوا کوئی اور چیز حاصل نہیں ہوئی، لیکن امید ہے کہ آخرت میں ایسی قوت بخشش گے اور ایسا دل دیں گے جو نور کی چمک میں نابود نہیں ہوگا اور معاملے کی حقیقت سے آگاہ ہوگا:

تو مرا دل دہ و دلیری میں روبہ خویش خواں و شیریں بین

یعنی: تو مجھے دل دے اور پھر میری دلیری دیکھ۔ اپنی لومڑی بنا اور پھر (میری) بہادری دیکھ۔

آگاہ رہو کہ عرش کے اوپر کا ظہور تمہیں وہم میں نہ ڈالے کہ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ عرش کے اوپر قرار فرما ہے اور مکان اور جہت اس کے لیے ثابت ہے۔ تعالیٰ عَنْ ذَلِكْ وَعَمَّا لَا يَلِيْقُ بِجَنَابِ قُدْسِيهِ تَعَالٰی۔

یعنی: اللہ تعالیٰ اس سے اور ایسی باتوں سے جو اس کی ذات اقدس کے لائق نہیں، بلند و بالا تر ہے۔

کیونکہ آئینے میں زید کی صورت کے ظاہر ہونے سے زید کا آئینے میں قرار پذیر ہونا لازم نہیں آتا۔ اگرچہ بے عقل لوگ وہم میں پڑ جاتے ہیں۔ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْأَعْلٰی۔ (سورہ نحل، ۶۰) یعنی: اور اللہ کو صفۃ اعلیٰ زیب دیتی ہے۔

مومن آخرت میں حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ کو بہشت میں دیکھیں گے۔ جبکہ بہشت اور غیر بہشت حضرت حق سبحانہ کے لیے برابر ہیں اور اس بلند ذات کی مخلوق ہیں۔ جو تجلی کوہ طور پر پڑی تھی، وہ حالت اور محلیت کا شائبہ نہیں رکھتی تھی۔

مختصر یہ ہے کہ بعض مقامات ظہور کی قابلیت رکھتے ہیں اور بعض دوسرے مقامات کو یہ قابلیت (حاصل) نہیں۔ آئینہ صورتوں کے ظہور کی قابلیت رکھتا ہے اور گھوڑوں کے نعل میں یہ قابلیت نہیں ہے، جبکہ دونوں لوہے کے ہیں۔ پس فرق مظہر میں ہے، ظاہر میں نہیں۔ ظاہر کی نسبت سے سب مظاہر برابر ہیں، قابل ہوں یا ناقابل۔ اسی طرح جو الفاظ کلیت اور جزیت کا وہم ڈالتے ہیں، یا اُن سے حالت و محلیت مفہوم ہوتی ہے، ظاہر سے پھرے ہوئے (یعنی تاویل کے لائق) ہیں، وہ حق تعالیٰ کی ذات پاک کے شایانِ شان نہیں ہیں۔ عبارت کی تنگی کے پیش نظر یہ الفاظ اختیار کیے جاتے ہیں:

ایں قاعدہ یاد دار کائنجا کہ خداست نے جزو نہ کل و نہ ظرف نے مظهر است

یعنی: تو یہ اصول یاد رکھ کہ جس جگہ خدا ہے، وہاں نہ جزو ہے اور نہ کل ہے، نہ برتن ہے اور نہ ہی برتن میں پڑنے والی چیز ہے۔ چونکہ انسان کا قلب عالم صغیر کا عرش ہے اور عالم کبیر کے عرش کے مشابہ ہے، اس لیے جو تجلی وہاں ہے، وہ ظلیت کی چمک کے شائبے کے بغیر ہے۔ یہی تجلی اس ظلیت کے شائبے کے بغیر اس قلب کو نصیب ہے۔ اگرچہ آسمانوں اور زمین میں بھی وہی تجلی پہنچی ہے، لیکن وہ ظلال میں سے ایک ظل کے پردے میں ہے، مگر قلب جو عرش کی طرح ظلیت کے شائبے سے مبرا ہے، اگرچہ چھوٹے اور بڑے ظہور کے اعتبار سے فرق ہے:

ع بقدر آئینہ حسن تو می نماید رُو

یعنی: بقدر آئینہ تیرا حسن دکھائی دیتا ہے۔

پس عرش مجید کے بعد ظلیت کے شائبے کے بغیر تجلی کامل انسان کے قلب کو نصیب ہے اور دوسروں کو ظلیت دامن گیر ہے۔ جاننا چاہیے کہ ظہور عرش اگرچہ ظلیت کے شائبے سے مبرا ہے، لیکن اس جگہ صفات ذات تعالیٰ و تقدس کے ساتھ ملی ہوئی ہیں اور شیون و اعتبارات ذات تعالیٰ میں ثابت ہیں، اگرچہ صفات و شیونات اس مرتبہ میں ذات کے لیے حجاب نہیں ہیں، لیکن دید اور دانش میں شریک ہیں اور محبت و گرفتاری میں باہم حصہ دار ہیں۔ ذات تعالیٰ و تقدس کی احدیت مجردہ کی محبت میں گرفتار (ہونے والے) کسی چیز کی شرکت پر راضی نہیں ہیں اور (آیت) کریمہ: **أَلَا لِلَّهِ الدِّينُ الْخَالِصُ** (یعنی: دیکھو! خالص عبادت اللہ ہی کے لیے (زیبا) ہے۔ سورۃ زمر، ۳) کے حکم سے خالص دین (عبادت) کو چاہنے والے ہیں۔

صفات کا شریک نہ کرنا درجات کے فرق کی رُو سے انسان کی ہیئت وحدانی کا حصہ ہے اور ہیئت وحدانی کا حصہ انسان کا دل ہے اور جزوارضی کا حصہ انسان ہے اور ان سب سے اوپر انسان کی وہ ہیئت وحدانی ہے جو اس کے جزوارضی کی شکل میں برآمد ہوئی ہے اور اس کا حکم پالیا ہے۔ الغرض اس معاملے کا عمدہ جزوارضی ہے۔ انسان میں دو چیزیں ایسی ہیں جو عرش نہیں رکھتا اور عالم کبیر کو بھی ان سے حصہ نصیب نہیں ہے۔ انسان میں جزوارضی ہے جو عرش میں نہیں ہے اور ہیئت وحدانی ہے جو عالم کبیر میں نہیں ہے اور جو شعور ہیئت وحدانی سے تعلق رکھتا ہے وہ نُورٌ عَلٰی نُورٍ ہے جو عالم اصغر (قلب) کے ساتھ مخصوص ہے۔ پس انسان ایک ایسا مجوبہ ہے جس نے خلافت کی لیاقت پیدا کر لی ہے اور امانت کا بوجھ اٹھالیا ہے۔

انسان کی عجیب خصوصیات سنو کہ اس کا معاملہ یہاں تک پہنچتا ہے کہ وہ حضرت احدیت مجردہ کے آئینے کی قابلیت پیدا کر لیتا ہے اور صفات و شیونات کی ملاوٹ اور آمیزش کے بغیر ذات احد تعالیٰ شانہ کا مظہر بن جاتا ہے، جبکہ حضرت ذات تعالیٰ

وتقدس ہر وقت (اپنی) صفات و شیونات کی جامع ہے، کسی وقت بھی ذاتِ تعالیٰ کی صفات و شیونات اس سے الگ نہیں ہیں۔ اس کا بیان یہ ہے کہ انسان کامل جب ذاتِ احدیت تعالیٰ وتقدس کے مساوی گرفتاری سے آزاد ہو کر ذاتِ احدیت جلِ سلطانہ کے ساتھ گرفتاری پیدا کر لیتا ہے اور صفات و شیونات میں سے کچھ بھی اسے ملحوظ و منظور اور مقصود و مطلوب نہیں ہوتا تو اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ^(۱) (یعنی: آدمی اس کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت کرتا ہے) کی رو سے اس کو حضرت ذاتِ احدیت مجردہ کے ساتھ ایک قسم کا مجہول الکفایت اتصال پیدا ہو جاتا ہے اور وہ گرفتاری جو اسے ذاتِ احد جلِ سلطانہ کے ساتھ حاصل ہوئی تھی، ذاتِ بے مثل کے ساتھ بے مثل قرب کی نسبت اس میں ثابت کر دیتی ہے۔ اس وقت انسان کامل ذاتِ احد کا آئینہ بن جاتا ہے، اس حیثیت سے کہ صفات و شیونات میں سے کوئی چیز اس میں مشہود اور دکھائی نہیں دیتی، بلکہ احدیت مجردہ تعالت و تقدس اس میں ظاہر اور جلوہ گر ہوتی ہے۔ سُبْحَانَ اللَّهِ الْعَظِيمِ۔

جو ذاتِ صفات سے ہرگز جدا نہ تھی، وہ اس انسان کامل کے آئینہ میں تجرد کی حیثیت سے ظاہر اور جلوہ گر ہو گئی اور حسن ذاتی، حسنِ صفاتی سے ممتاز ہو گیا اور یہ آئینہ داری اور مظہریتِ انسان کامل کے سوا کسی کو بھی میسر نہیں ہوئی ہے اور حضرت ذاتِ تعالیٰ وتقدس، صفات و شیونات کے قرب کے بغیر انسان کے علاوہ کسی چیز میں بھی جلوہ گر نہیں ہوا۔ عالم کبیر میں عرش مجید حضرت ذاتِ جامع صفات تعالیٰ وتقدس کا مظہر ہے اور انسان کامل عالم صغیر میں حضرت ذاتِ احد تعالیٰ وتقدس کا مظہر ہے جو صرف اعتبارات سے ہے۔ یہ آئینہ داری انسان کے عجائبات میں سے ہے۔ وَاللَّهُ سُبْحَانَهُ الْمُعْطَى لَا مَانِعَ اعْطَاءَ وَلَا مُعْطَى لِمَا مَنَعَهُ۔ یعنی: اور اللہ سبحانہ عطا کرنے والا ہے جو چیز وہ عطا فرمائے، اسے کوئی روک نہیں سکتا اور جو چیز وہ روک لے اس کو کوئی عطا نہیں کر سکتا۔

وَالسَّلَامُ عَلَى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدَى (سورۃ طہ، ۴۷) وَالتَّوَكَّلْ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفَى عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ الصَّلَوَاتُ وَالْتَحِيَّاتُ الْعُلَى۔ یعنی: اور جو شخص ہدایت کی بات مانے اور (حضرت محمد) مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی متابعت کو لازم پکڑے، اس کو سلامتی نصیب ہو اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آل (اطہار) اور صحابہ (کرام) پر عمدہ درود و سلام ہو۔

مکتوب نمبر (۱۲)

حضرت عالی (مجدد قدس سرہ نے اپنے) حقیقی بھائی معارف آگاہی میاں غلام محمد کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ فرشتہ اگرچہ اصل کو دیکھنے والا ہے اور انسان کا شہودِ نفس کے آئینہ میں ہے، لیکن اس دولت کو انسان میں جزء کی طرح بنایا گیا ہے اور اس کے ساتھ اس کو ایک بقا بخشی گئی ہے اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کا بیان)۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ وَسَلَامٌ عَلَى عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَى۔ (سورۃ النمل، ۵۹)

یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اُس کے اُن بندوں پر سلام ہو جن کو اُس نے منتخب فرمایا۔

ملائکہ کرام علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام اصل کا مشاہدہ کرنے والے ہیں اور اصل کی جانب متوجہ ہیں اور اصل کے ساتھ گرفتاری رکھتے ہیں۔ ظلیت کا شائبہ ان کے حق میں مفقود ہے۔ اس دنیا میں کم ہی ہے کہ انسان بیچارہ دائرہ ظلیت سے باہر قدم

رکھ سکے اور آفاق و انفس کے آئینوں کے توسط کے بغیر دائمی شہود حاصل کر سکے۔ اصل تک پہنچنے کے بعد اصل کے انوار کی شعاعوں کا عکس اس کے قلب کے آئینے میں جلوہ گر کر کے اسے عالم کی جانب واپس لوٹا دیتے ہیں اور ناقصوں کی تربیت اس کے سپرد کر دیتے ہیں۔ اس رجوع میں اس کی بھی تربیت ہے اور دوسروں کی تربیت بھی ہے۔ کیونکہ اصل کے انوار کا وہ عکس جسے اس کے جزو کی طرح بنایا گیا ہے، رجوع کی مدت میں وہ دوسرے اجزاء کو بھی اپنے رنگ میں رنگ لیتا ہے اور اپنے رنگ سے رنگین بنالیتا ہے جس طرح کہ دوسروں کو نقص سے کمال میں لے آتا ہے اور غیب سے شہود کی جانب دلالت کرتا ہے۔ جب دعوت و رجوع کی مدت مکمل ہو جاتی ہے اور کتاب (زندگی) کی مقررہ مدت پوری ہو جاتی ہے تو اصل کا شوق پیدا ہو جاتا ہے اور رفیقِ اعلیٰ کی صدا اس کی طبیعت سے بلند ہوتی ہے اور (انسان) پر اکندہ تعلقات سے چھٹکارا پا کر سامان کو غیب سے شہادت کی طرف کھینچتا ہے اور معاملے کو گوش سے آغوش تک لاتا ہے۔ اَلْمَوْتُ جَسْرٌ يُوصِلُ الْحَبِيبَ إِلَى الْحَبِيبِ (یعنی: موت ایک پل ہے جو دوست کو دوست سے ملاتا ہے) اس وقت صادق آتا ہے۔

جاننا چاہیے کہ فرشتہ اگرچہ اصل کا مشاہدہ کرنے والا ہے اور انسان کا شہود انفس کے آئینے میں ہے، لیکن اس دولت کو انسان میں جزء کی طرح بنایا گیا ہے اور اس سے (اسے) ایک بقا بخشی گئی ہے اور اس سے متحقق (ثابت) بنایا گیا ہے، بخلاف فرشتے کے جس میں اس دولت کو جزء کی طرح نہیں بنایا گیا۔ وہ باہر سے نظارہ کرتا ہے اور اس سے (اسے) کوئی بقا اور تحقق (ثبوت) حاصل نہیں ہوتا۔ یہ رنگین ہونا اور رنگین بننا جو انسان کو اصل کے رنگ سے میسر ہوا ہے، فرشتے کو حاصل نہیں۔ اور جو خصوصیت خاکیوں (انسانوں) کو ہاتھ آئی ہے، وہ قدسیوں (فرشتوں) کو حاصل نہیں، کیونکہ اندر سے باہر تک بہت فرق ہے، اگرچہ اندرونی دولت جزء کی مانند تھی اور بیرونی دولت کل کی طرح، لیکن اندر اندر ہے اور باہر باہر ہے۔

كَلَامُنَا اِشَارَةٌ وَبَشَارَةٌ. یعنی: ہمارا کلام اشارہ ہے اور بشارت ہے۔

اسی وجہ سے خواص بشر خواص فرشتے سے افضل بن گئے اور ان کے ہوتے ہوئے انہوں نے خلافت کا استحقاق پیدا کر لیا۔ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَّشَاءُ ط وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ. (سورۃ بقرہ، ۱۰۵)

یعنی: اللہ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ خاص کر لیتا ہے، اور اللہ بڑے فضل کا مالک ہے۔

زمین زادہ بر آسمان تاختہ زمین و زماں را پس انداختہ

یعنی: زمین سے پیدا ہونے والا (انسان) آسمان پر چلا گیا (اور) زمین و زمان کو پیچھے چھوڑ گیا۔

انسان کو یہ دولت جزوارضی کے واسطے سے میسر ہوئی ہے اور قلب جو عرش اللہ بنا ہے، وہ عنصر خاک کی بدولت (بنا) ہے جو کل کا جامع اور دائرہ امکان کا مرکز ہے۔ جی ہاں! زمین نے پستی اور فرومانیگی کے سبب یہ سب بلندی اور رفعت پالی ہے اور اس عاجزی نے اس کو سر بلند کر دیا ہے۔ مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ سُبْحَانَهُ رَفَعَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی. (۱)

یعنی: جو شخص اللہ کے لیے تواضع اختیار کرے، اللہ اس کا درجہ بلند کر دیتا ہے۔

جب انسان رجوع اور دعوت کی مدت پوری ہونے کے بعد اور اصل کے رنگ سے رنگین ہونے کے بعد اصل کی جانب رجوع کرتا ہے اور جنابِ قدس کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور جو خصوصی رابطہ اور انبساط اس کو اس جگہ میسر ہوتا ہے، یقین ہے کہ وہ

کسی دوسرے کو نہیں ہوتا اور جو قربت اور مرتبہ اس کو حاصل ہوتا ہے وہ کسی اور کو نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہ اصل میں فنا ہو گیا ہے اور اس نے اصل کے ساتھ بقا پیدا کر لی ہے اور اصل کے رنگ سے رنگین ہو گیا ہے۔ کسی دوسرے کی کیا مجال کہ اس کے ساتھ برابری کرے۔ کیونکہ دوسروں کا رنگین ہونا اگرچہ تہجد اور تنزہ کے اعتبار سے زیادہ کامل اور زیادہ مکمل ہوتا ہے، لیکن خارج سے آیا ہے، اس لیے عارضی کا حکم رکھتا ہے اور انسان کا رنگین ہونا اندرونی ہے، (لہذا) ذاتی کا حکم رکھتا ہے۔ شَتَّانَ مَا بَيْنَهُمَا۔ یعنی: ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔

یہ کمال انبیاء صلوات اللہ تعالیٰ و تسلیما علیہم اجمعین کے ساتھ مخصوص ہے، کیونکہ خواص بشر سے مراد یہی (حضرات) ہیں اور وراثت و تبعیت کے طور پر جس کو چاہیں اس دولتِ عظمیٰ سے مشرف فرمادیتے ہیں۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتحيات کے صحابہ (کرامؓ) میں ان کی صحبت کی برکت سے یہ دولت بہت زیادہ میسر تھی اور صحابہ کرامؓ کے علاوہ جسے چاہیں نوازیں، اگرچہ وہ کم، بلکہ بہت ہی تھوڑے ہیں:

اگر بادشاہ بر درِ پیر زن بیاید تو اے خواجہ سبّت مکن

یعنی: اگر بادشاہ بڑھیا کے دروازے پر آجائے تو اے خواجہ! تو حسد سے اپنی داڑھی مت نوچ۔

رَبَّنَا آتِنَا صَلَواتَكَ وَغُفْرَانَا وَاعْفِرْ لَنَا جِائِكَ إِنَّكَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (سورۃ تحریم، ۸) بِحُرْمَةِ سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمُ الصَّلَواتُ وَالتَّسْلِيمَاتُ اكْمَلْهَا وَاتَّمَّهَا۔ یعنی: اے ہمارے پروردگار! ہمارا نور ہمارے لیے پورا کر اور ہمیں معاف فرما، بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے۔ سید المرسلین (حضرت محمد مصطفیٰ) صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل، آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اور تمام انبیاء (علیہم الصلوٰۃ والسلام) پر اکمل و اتم درود و سلام ہو۔

مکتوب نمبر (۱۳)

مرزا شمس الدین کو تحریر فرمایا۔ ان کے مکتوب کے جواب میں اور اس بیان میں کہ علمائے ظاہر کا نصیب کیا ہے اور بلند

(شان) صوفیہ کا نصیب کیا ہے اور علمائے راسخین جو انبیاء (علیہم الصلوٰۃ والسلام) کے وارث ہیں، ان کا نصیب کیا

ہے اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کا بیان)۔

بَعْدَ الْحَمْدِ وَالصَّلَوةِ وَتَبْلِيغِ الدَّعَوَاتِ۔

یعنی: اللہ تعالیٰ کی تعریف کرنے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجنے اور سلام و دعا پیش کرنے کے بعد۔

(فقیر) عرض کرتا ہے کہ جو مکتوب شریف آپ نے مہربانی فرماتے ہوئے ارسال کیا تھا وہ پیارے بھائی شیخ محمد طاہر

نے پہنچایا اور خوش وقت بنایا۔

اس میں لکھا تھا کہ ملاقات حاصل ہونے کے زمانے تک ایسے مکتوبات جو نصاب پر مشتمل ہوں، سے یاد کرتے رہیں۔

میرے مخدوم و مکرم! النَّصِيحَةُ هِيَ الدِّينُ وَمُتَابَعَةُ سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمُ مِنَ الصَّلَواتِ أَفْضَلُهَا وَمِنَ التَّحِيَّاتِ اكْمَلُهَا۔ یعنی: اصلی نصیحت تو یہی ہے کہ سید المرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام من التحيات اکملہا کا دین اور متابعت اختیار کی جائے۔

سید المرسلین (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دین اور متابعت سے علمائے ظاہر کا نصیب عقائد کی تصحیح کے بعد شرائع و احکام کا علم (حاصل کرنا) اور اس کے تقاضا سے عمل کرنا ہے اور بلند (شان) صوفیہ کا نصیب جو کچھ علماء رکھتے ہیں اس کے ساتھ احوال و مواجید اور علوم و معارف بھی ہیں۔ اور علمائے راسخین جو انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کے وارث ہیں، کا نصیب جو کچھ علمائے ظاہر رکھتے ہیں اور جس سے صوفیہ ممتاز ہیں، ان (سب) کے علاوہ وہ اسرار و دقائق بھی ہیں جن کے بارے میں تشابہات قرآنی میں رمز و اشارہ ہوا ہے اور بطور تاویل درج ہوا ہے۔ پس یہی (علمائے راسخین) متابعت میں کامل ہیں اور وراثت میں متحقق (ثابت شدہ) ہیں۔ یہ (حضرات) بطور تبعیت و وراثت انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کی خاص دولت میں شریک ہیں اور بارگاہ (الہی) کے محرم ہیں، لہذا: عُلِمَاءُ اُمَمِنِي كَاَنْبِيَاءِ بَنِي اِسْرَآئِيلَ^(۱) (یعنی: میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی طرح ہیں) کی کرامت کے شرف سے مشرف ہوئے ہیں۔ پس سید المرسلین، سارے جہانوں کے رب کے حبیب علیہ علیٰ جمیع الانبیاء والمرسلین والملائکۃ المقربین و اہل الطاعة اجمعین الصلوٰات والتحيات کی متابعت علم و عمل میں اور حال و وجد کے لحاظ سے لازم ہے، تاکہ وراثت حاصل کرنے کا ذریعہ بنے جو سعادت کے درجات کی انتہا ہے۔

مکتوب نمبر (۱۳)

مولانا احمد برکی کو تحریر فرمایا۔ ان کے اس سوال کے جواب میں کہ کیا صاحب منصب کو اپنے منصب کا علم ہوتا ہے یا نہیں؟ اور دوسرا سوال یہ کہ فناء فی اللہ اور بقا باللہ ابھی تک ہاتھ نہیں آئی، نیز اور اپنے احوال کی اطلاع نہ ہونے کے بارے میں جو (سوال) انہوں نے کیا تھا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ. اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی. (سورۃ النمل، ۵۹)
یعنی: شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔ سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اُس کے اُن بندوں پر سلام ہو جن کو اُس نے منتخب فرمایا۔

آپ کے دو مکتوب شریف لگا تار پہنچے (جو) مصیبتوں کی تعزیت پر لکھے گئے تھے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُونَ. (سورۃ بقرہ، ۱۵۶) یعنی: ہم اللہ ہی کا مال ہیں اور اُسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔

یاروں اور دوستوں کو فرمائیں کہ ستر ستر ہزار مرتبہ کلمہ طیبہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ میرے مرحوم (بیٹے) خواجه محمد صادق (رحمۃ اللہ علیہ) کی روح کے لیے اور ان کی ہمشیرہ ام کلثوم (رحمۃ اللہ علیہا) کی روح کے لیے پڑھیں اور ستر ہزار بار کا ثواب ایک کی روح کو بخشیں اور ستر ہزار کا دوسرے کی روح کو بخشیں، دوستوں سے دعا اور فاتحہ کے لیے درخواست ہے۔

آپ نے لکھا تھا کہ مکتوبات میں تحریر ہوا ہے کہ ”صاحب منصب کو اپنے منصب کا علم ہوتا ہے۔“
میرے مخدوم! قطب الاقطاب صاحب علم ہوتا ہے اور مختلف مقامات کے قطب اس کے اجزاء کی مانند ہیں اور اس کے ہاتھ اور پاؤں کی طرح ہیں۔ بعض کو اپنے مدار ہونے کا علم ہوتا ہے اور بعض دوسروں کو نہیں ہوتا۔

آپ نے لکھا تھا کہ فناء فی اللہ اور بقا باللہ ابھی تک ہاتھ نہیں آئی۔ کیا ہو سکتا ہے کہ آپ صحبت میں کم رہے ہیں اور اس قدر نہیں ٹھہرے کہ آپ کو آپ کے بعض حاصل ہونے والے احوال کی اطلاع دی جاتی۔ اب ہندوستان سے آپ کی فناء و بقا کا

مشاہدہ کر رہا ہوں اور یہ دو کمال جن کا آپ نے ذکر کیا ہے، آپ کے اندر محسوس کر رہا ہوں اور آپ اس چیز کا انکار کر رہے ہیں۔ درمیان میں بہت زیادہ فاصلہ ہے، لہذا جب تک ظاہری ملاقات میسر نہ ہو، پوشیدہ احوال کی اطلاع (دینا) مشکل ہے۔ مشائخ نے فنا و بقا کے بارے میں باتیں بیان کی ہیں جو سب رمز و اشارہ میں ہیں۔ کوئی شخص اپنے بارے میں کیا سمجھے؟ حضرت حق سبحانہ سب کو احوال کا علم نہیں بخشا۔ وہ ایک شخص کو احوال کا علم عطا فرما کر پیشوا بنا ڈالتا ہے اور ایک جماعت کو اس کے ساتھ وابستہ کر کے کمال و تکمیل کے مرتبہ تک پہنچا دیتا ہے:

ع خاص کند بندہ مصلحتِ عام را^(۱)

یعنی: اللہ تعالیٰ ایک بندے کو مصلحتِ عام کے لیے خاص کر لیتا ہے۔

کاش، ہم شیخ حسن کو کچھ روز اور اپنے پاس رکھتے اور اس کے بعض احوال کی اطلاع دے کر اسے آپ کی خدمت میں بھیجتے۔ آپ کا آنا مشکل ہے اور آپ کے ارشد و قابل دوستوں میں سے اگر کوئی آجاتا اور چند روز (یہاں) قیام کرتا اور وہ بات کی سمجھ بھی رکھتا تو کتنا ہی خوب ہوتا، تاکہ ضروری چیزیں اسے بتائی جاتیں۔ مقصد یہ ہے کہ احوال حاصل ہوں۔ احوال پر اطلاع (ہونا) ایک دوسری چیز ہے۔ وَالْبَاقِي عِنْدَ التَّلَاقِي إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى.

یعنی: اور باقی ملاقات ہونے پر، اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا۔

والسلام۔

جو نصیحت ضروری ہے، وہ یہ ہے کہ علوم کے درس (پڑھانے) میں کسی طرح بھی خود کو معاف نہ کریں۔ اگر آپ کا سارا وقت درس (پڑھانے) میں مستغرق ہو جائے تو ذکر و فکر کی ہوس نہ کریں۔ رات کی گھڑیاں ذکر و فکر کے لیے بڑی کشادہ ہیں۔ شیخ حسن کو بھی سبق پڑھاتے رہیں اور اسے بیکار نہ چھوڑیں اور چونکہ ان علاقوں کو علم سے بہت کم (حصہ) نصیب ہے، (لہذا) آپ شرعی علوم کا احیاء کریں۔ (فقیر) زیادہ مبالغہ کیا کرے۔

خواجہ اولیس کے واقعات (مکشوفات) کے اوراق پہنچ گئے ہیں۔ اکثر جگہوں کو دیکھ لیا ہے، (یہ) بشارتیں ہیں۔ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ سے امیدوار رہیں کہ یہ (باتیں) قوت کے ساتھ عمل میں آجائیں۔ والسلام۔

مکتوب نمبر (۱۵)

شہر سامانہ کے ساداتِ عظام، قاضی صاحبان، باشندوں اور نامور بزرگوں کو تحریر فرمایا۔ وہاں کے خطیب کی مذمت میں جس نے عید قربان (کے خطبہ) میں خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ذکر ترک کر دیا اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کا بیان)۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ وَسَلَامٌ عَلَى عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَى. (سورۃ النمل، ۵۹)

یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اُس کے اُن بندوں پر سلام ہو جن کو اُس نے منتخب فرمایا۔

شہر سامانہ کے ساداتِ عظام اور قاضیوں اور باشندوں اور نامور بزرگوں کے باعزت خادموں کو زحمت دینے کا سبب یہ ہے کہ سنا گیا ہے کہ اس مقام کے خطیب نے عید قربان کے خطبہ میں خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ذکر ترک کر دیا۔

اور ان کے مبارک ناموں کو نہیں پڑھا۔ نیز سنا گیا ہے کہ جب ایک جماعت نے اس پر اعتراض کیا تو وہ اپنے سہو اور بھول پر عذر نہ کرتے ہوئے سرکشی سے پیش آیا اور کہنے لگا کہ اگر خلفائے راشدین کے ناموں کا ذکر نہیں ہوا تو کیا ہوا؟ نیز یہ بھی سنا گیا ہے کہ اس جگہ کے اکابر اور باشندوں نے اس بارے میں سستی کی اور وہ اس بے انصاف خطیب کے ساتھ شدت اور سختی سے پیش نہیں آئے:

ع وائے نہ یکبار کہ صد بار وائے

یعنی: افسوس! ایک بار نہیں سو بار افسوس!

خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم! جمعین کا ذکر اگرچہ خطبہ کی شرائط میں سے نہیں ہے، لیکن اہل سنت شکر اللہ تعالیٰ سَعِيَهُمْ (اللہ تعالیٰ ان کی کوشش کو مشکور فرمائے) کے شعائر میں سے ہے۔ اس کو قصد اور سرکشی کے ساتھ سوائے اس آدمی کے کوئی ترک نہیں کرتا جس کا دل بیمار ہو اور اس کا باطن پلید ہو۔ اگر ہم (یہ) فرض کریں کہ اس نے تعصب اور عناد سے نہیں کیا ہوگا تو اس وعید کا جواب کیا دے گا کہ:

مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ^(۱)۔ یعنی: جس نے کسی قوم کی مشابہت کی وہ انہیں میں سے ہے۔

اور (اس حدیث کی رو سے) تہمت کے نقص سے کس طرح خلاصی پائے گا کہ:

اتَّقُوا مِنْ مَوَاضِعِ التُّهْمِ^(۲)۔ یعنی: تہمت کے مواقع سے بچو۔

اگر اسے حضرات شیخین (حضرات ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کی تقدیم و تفضیل (پیش قدمی اور برتری) میں توقف ہے تو وہ اہل سنت کے طریقہ کو ترک کرنے والا ہے اور اگر وہ حضرات ختین (حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کی محبت میں شک کرتا ہے تو اہل حق سے خارج ہے اور بعید نہیں ہے کہ یہ بے حقیقت (خطیب) جو کشمیری نسبت رکھتا ہے، اس نے اس خباثت کو کشمیر کے بدعتیوں سے اخذ کیا ہو۔ اسے سمجھانا چاہیے کہ حضرات شیخین (حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کی افضلیت صحابہ (کرامؓ) اور تابعین کے اجماع سے ثابت ہو چکی ہے۔ جس طرح کہ اکابر ائمہ کی ایک جماعت نے اس کو نقل کیا ہے، جن میں سے ایک امام شافعی (رحمۃ اللہ علیہ) ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ شیخ امام ابو الحسن اشعری (رحمۃ اللہ علیہ) نے کہا ہے: اَنَّ تَفْضِيلَ أَبِي بَكْرٍ ثُمَّ عُمَرَ عَلَى بَقِيَّةِ الْأُمَّةِ قَطْعِيٌّ۔

یعنی: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی افضلیت باقی امت پر قطعی ہے۔

(امام) ذہبی (رحمۃ اللہ علیہ) نے کہا ہے: قَدْ تَوَاتَرَ عَنْ عَلِيٍّ فِي خِلَافَتِهِ وَكُرْسِيِّ مُمْلِكَتِهِ وَبَيِّنَ الْجَمْعُ الْغَفِيرُ مِنْ شِيعَتِهِ أَنَّ أَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ أَفْضَلُ الْأُمَّةِ۔ یعنی: بے شک حضرت علی رضی اللہ عنہ سے آپ کی خلافت اور کرسی سلطنت کے زمانے میں آپ کے اپنے پیروکاروں کے جم غفیر کے سامنے یہ فرمانا تواتر کے ساتھ ثابت ہو چکا ہے کہ (حضرت) ابوبکر اور (حضرت) عمر (رضی اللہ عنہما) تمام امت سے افضل ہیں۔

پھر (امام) ذہبی (رحمۃ اللہ علیہ) نے کہا ہے: وَرَوَاهُ عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ نَيْفٌ وَثَمَانُونَ نَفْسًا وَعَدَّ مِنْهُمْ جَمَاعَةً. ثُمَّ قَالَ فَقَبَّحَ اللَّهُ الرَّافِضَةَ مَا أَجْهَلُ لَهُمْ۔

یعنی: اس روایت کو اسی سے زیادہ راویوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے اور ان میں سے ایک جماعت کے نام بھی بتائے ہیں۔ پھر فرمایا ہے کہ خدا را فضیوں کا بُرا کرے، کتنے نادان ہیں۔

(امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ) نے اپنی کتاب میں، جو کتاب اللہ (قرآن مجید) کے بعد سب سے صحیح کتاب ہے، نقل کیا ہے کہ (حضرت علی رضی اللہ عنہ نے) فرمایا ہے کہ نبی کریم علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد تمام لوگوں سے بہتر (حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ) ہیں اور پھر (حضرت عمر رضی اللہ عنہ)، پھر ایک اور شخص۔ اس پر آپ (حضرت علی رضی اللہ عنہ) کے صاحبزادے (حضرت محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ) نے کہا کہ پھر وہ آپ ہوں گے۔ (حضرت علی رضی اللہ عنہ نے) فرمایا کہ میں تو مسلمانوں میں سے ایک شخص ہوں۔ اس قسم کی اور بھی بہت سی روایتیں اکابر صحابہ (کرام) اور تابعین سے مشہور ہیں جن سے جاہل اور ضدی آدمی کے سوا کوئی انکار نہیں کر سکتا۔

اس بے انصاف (خطیب) سے کہنا چاہیے کہ ہمیں نبی کریم علیہم الصلوٰۃ والسلام و التسلیمات کے تمام صحابہ (کرام) کے ساتھ محبت کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور ان کے ساتھ بغض رکھنے اور ان کو تکلیف دینے سے منع کیا گیا ہے۔ حضرات ختنین (حضرت علی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما) اکابر صحابہ (کرام) میں سے ہیں اور آنسور علیہم الصلوٰۃ والسلام و التسلیمات کے قریبی رشتہ داروں میں سے ہیں، لہذا وہ محبت و موافقت کے بہت زیادہ حقدار ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ. (سورۃ شوریٰ، ۲۳)

یعنی: (آپ) فرمادیں کہ میں اس کا تم سے صلہ نہیں مانگتا، مگر قرابت والوں کے ساتھ دوستی۔

نیز آپ علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: اللّٰهُ اللّٰهُ فِیْ أَصْحَابِیْ لَا تَتَّخِذُوهُمْ غَرَضًا مِنْ بَعْدِیْ. فَمَنْ أَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّیْ أَحَبَّهُمْ وَ مَنْ أَبْغَضَهُمْ فَبِیْغْضِیْ أَبْغَضَهُمْ وَ مَنْ آذَاهُمْ فَقَدْ آذَانِیْ وَ مَنْ آذَانِیْ فَقَدْ آذَى اللّٰهُ وَ مَنْ آذَى اللّٰهُ فَبِیْؤْشِكُ أَنْ یَأْخُذَهُ. (۳) یعنی: میرے صحابہ (کرام) کے بارے میں اللہ سے ڈرو اور میرے بعد اُن کو ملامت کا نشانہ نہ بناؤ۔ پس جس نے ان سے محبت کی تو اس نے میرے ساتھ محبت کی بنا پر ان سے محبت کی اور جس نے ان سے دشمنی کی تو اس نے میرے ساتھ دشمنی کی بنا پر ان سے دشمنی کی، اور جس نے انہیں تکلیف دی، بلاشبہ اس نے مجھے تکلیف دی، اور جس نے مجھے تکلیف دی، اس نے اللہ کو تکلیف دی۔ پس قریب ہے کہ اللہ اسے پکڑ لے۔

اس قسم کا بدبودار پھول ابتداءً اسلام سے لے کر اس وقت تک معلوم نہیں کہ ہندوستان میں کھلا ہو۔ قریب ہے کہ اس معاملے کی وجہ سے پورے شہر (سامانہ) پر الزام لگ جائے، بلکہ ہندوستان سے اعتماد ختم ہو جائے۔ بادشاہ وقت (جہانگیر) نصرہ اللّٰہ سُبْحَانَهُ عَلٰی اَعْدَاءِ الْاِسْلَامِ (اللہ سبحانہ اسلام کے دشمنوں پر اسے نصرت عطا فرمائے) اہل سنت میں سے ہے اور حنفی مذہب ہے۔ اس کے زمانے میں اس طرح کی بدعت اختیار کرنا انتہائی جرأت ہے، بلکہ درحقیقت بادشاہ کے ساتھ مقابلہ کرنا ہے اور اولی الامر (فرمانروا) کی اطاعت سے نکلنا ہے۔ اس کے باوجود عجیب ہے کہ اس جگہ کے مخدوم لوگ اس واقعہ میں خود کو معاف کر رہے ہیں اور سستی فرما رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اہل کتاب کی مذمت میں فرماتا ہے: لَوْلَا یَنْهَیْهُمْ الرَّبُّیُّونَ وَالْأَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْإِثْمَ وَ أَكْلِهِمُ السُّحْتَ لَبِئْسَ مَا كَانُوا یَصْنَعُونَ. (سورۃ مائدہ، ۶۳)

یعنی: بھلا ان کے مشائخ اور علماء انہیں گناہ کی باتوں اور حرام کھانے سے منع کیوں نہیں کرتے۔ بلاشبہ وہ بھی برا کرتے ہیں۔
نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: كَانُوا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُنْكَرٍ فَعَلُوهُ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ. (سورۃ مائدہ، ۷۹)
یعنی: برے کاموں سے جو وہ کرتے تھے ایک دوسرے کو روکتے نہیں تھے۔ بلاشبہ وہ برا کرتے تھے۔

اس طرح کے واقعات میں سستی کرنا بدعتیوں کو دلیر بنانا اور دین میں رخنہ ڈالنا ہے۔ سستیوں میں سے (ایک سستی یہ) ہے کہ جماعت مہدویہ^(۴) وہاں اعلانیہ اہل حق کو اپنے باطل (مسلک) کی طرف دعوت دے رہی ہے اور تھوڑی مدت میں بھیڑیوں کی مانند ایک دو (آدمیوں) کو ریوڑ سے اٹھا کر لے جاتے ہیں۔ (فقیر) اس سے زیادہ کیا زحمت دے۔ چونکہ اس وحشت ناک خبر کے سننے سے وجود میں شورش پیدا ہوئی اور اس نے میری رگ فاروقی کو بھڑکایا تو چند کلمات لکھ دیے۔ (امید ہے آپ) معذور رکھیں گے۔ وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَ عَلَى سَائِرِ مَنْ اتَّبَعَ الْهُدَى وَالتَّزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفَى عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيمَاتُ وَالتَّحِيَّاتُ وَالْبُرَكَاتُ. یعنی: اور آپ پر اور ان سب پر جو ہدایت کی بات مانیں اور (حضرت محمد) مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی متابعت کو لازم پکڑیں، سلام ہو اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آل (اطہار) پر درود و سلام اور رحمتیں ہوں۔

مکتوب نمبر (۱۶)

شیخ بدیع الدین سہارنپوری کو تحریر فرمایا۔ ان کے سوالات کے جواب میں اور برزخ صغریٰ کے عجیب و غریب احوال کے بیان میں اور طاعون کی موت کی فضیلت اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کا بیان)۔
الْحَمْدُ لِلَّهِ وَسَلَامٌ عَلَى عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَى. (سورۃ النمل، ۵۹)
یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اُس کے اُن بندوں پر سلام ہو جن کو اُس نے منتخب فرمایا۔
(آپ کا) مکتوب شریف پہنچا۔ (اس میں) لکھا گیا تھا کہ اس علاقے میں دوز بردست حادثے رونما ہوئے ہیں۔ پہلا حادثہ طاعون اور دوسرا قحط کا۔

أَعَاذَنَا اللَّهُ سُبْحَانَهُ وَإِيَّاكُمْ عَنِ الْبَلِيَّاتِ. یعنی: اللہ سبحانہ ہمیں اور آپ کو بلاؤں سے محفوظ رکھے۔
آپ نے لکھا تھا کہ ان فتنوں کے باوجود رات اور دن عبادت و مراقبہ میں گزرتا ہے۔ باطن معمور (آباد) ہے۔
لِلَّهِ سُبْحَانَهُ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ عَلَى ذَلِكَ. یعنی: اس پر اللہ سبحانہ کی حمد اور احسان ہے۔
ان سوالات کے جوابات درج ذیل ہیں جو لکھے گئے تھے:

سنتوں میں اکثر اوقات چاروں قل کی قرأت کرنی چاہیے اور مردوں کے لیے مسنون کفن تین کپڑے ہیں اور پگڑی زائد ہے۔ ہم مسنون مقدار کو کافی سمجھتے ہیں۔ ہم عہد نامہ نہیں لکھتے، کیونکہ نجاست اور گندگی سے اس کے آلودہ ہونے کا احتمال ہے اور صحیح سند سے بھی (یہ) ثابت نہیں ہوتا اور ماوراء النہر کے علماء کا بھی اس پر عمل نہیں۔ تبرک کا پیرا ہن اگر کفن کی قمیص کی جگہ استعمال کر لیں تو اس کی گنجائش ہے۔ شہدائے کپڑے ہی ان کا کفن ہیں۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وصیت کی تھی: كَفِّنُونِي فِي ثَوْبِي هَذَيْنِ. یعنی: مجھے میرے ان دو کپڑوں میں کفنانا۔

برزخِ صغریٰ (قبر) چونکہ ایک لحاظ سے دنیاوی مقامات میں سے ہے، (لہذا) ترقی کی گنجائش رکھتا ہے اور اس مقام کے احوال مختلف اشخاص کی جانب نظر کرنے سے بہت زیادہ فرق رکھتے ہیں۔ آپ نے سنا ہوگا کہ اَلْأَنْبِيَاءُ يُصَلُّونَ فِي الْقُبُورِ۔ یعنی: انبیاء (اپنی) قبروں میں نماز پڑھتے ہیں۔

ہمارے نبی (کریم) علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام معراج کی رات جب حضرت کلیم علی نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قبر (مبارک) پر سے گزرے تو دیکھا کہ آپ قبر (مبارک) میں نماز پڑھ رہے ہیں اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) جب اسی لحظہ آسمان پر پہنچے تو حضرت کلیم (علی نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام) کو وہاں پایا۔ اس مقام کا معاملہ عجائب و غرائب رکھتا ہے۔

ان دنوں چونکہ میرے بڑے صاحبزادے مرحوم (حضرت خواجہ محمد صادق قدس سرہ) کی وفات کی وجہ سے اس مقام کی جانب نظر بہت زیادہ کی جاتی ہے، (لہذا) ایسے عجیب اسرار ظاہر ہوتے ہیں کہ اگر ان میں سے تھوڑا سا بیان کیا جائے تو وہ فتنوں کا باعث بنے گا۔ اگرچہ جنت کی چھت عرشِ مجید ہے، لیکن قبر بھی جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔ اگرچہ عقل کوتاہ اس کی تصویر کشی سے عاجز ہے لیکن ایک اور آنکھ ہے جو ان عجائبات کا تماشا کرتی ہے۔ تنہا ایمان اگرچہ شدید یا ہلکے عذاب کے بعد یا عفوِ الہی سے نجات دلانے والا ہے، لیکن کلمہ طیبہ کی بلندی نیک عمل سے تعلق رکھتی ہے اور وباء کی موت سے بھاگنا جہاد کے روز (جنگ سے) بھاگنے کی طرح کبیرہ گناہ ہے اور جو شخص وباء کے علاقے میں صبر کے ساتھ رہے اور مر جائے تو وہ شہیدوں میں سے ہے۔ نیز وہ قبر کے فتنے سے محفوظ ہے اور جو شخص صبر کرے اور اسے موت نہ آئے وہ غازیوں میں سے ہے:

إِنْ قَالَ لِي مُمْ مُمْ سَمْعًا وَ طَاعَةً وَ قُلْتُ لِدَاعِي الْمَوْتِ أَهْلًا وَ مَرْحَبًا

یعنی: اگر وہ مجھے کہتا ہے کہ تو مر جا تو میں خوشی سے مر جاتا ہوں اور داعی اجل کو خوش آمدید کہتا ہوں۔

چند روز سے بلغم اور کھانسی نے عاجز کر رکھا ہے اور ضعفِ بدن لاحق ہو گیا ہے۔ ضرورت کے تحت مختصر جوابات دیے گئے ہیں۔ والسلام۔

مکتوب نمبر (۱۷)

مرزا حسام الدین احمد کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ اس دنیا کی مصیبتیں اگرچہ ظاہری طور پر جراثحت (کی طرح) ہیں، لیکن درحقیقت ترقیوں کا ذریعہ اور مرہم ہیں۔ نیز طاعون کی موت کی فضیلت (کے بارے) میں اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کا بیان)۔

بَعْدَ الْحَمْدِ وَالصَّلَاةِ وَتَبْلِيغِ الدَّعَوَاتِ.

یعنی: اللہ تعالیٰ کی تعریف کرنے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجنے اور سلام و دعا پیش کرنے کے بعد۔ (فقیر) زحمت اس لیے دے رہا ہے کہ آپ کا مکتوب شریف جو آپ نے شیخ مصطفیٰ کے ذریعے مصیبتوں کی تعزیت کے بارے میں ارسال کیا تھا، فقیر اس کے مضمون سے مشرف ہوا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَيْہِ رَاجِعُونَ۔ (سورۃ بقرہ، ۱۵۶)

یعنی: ہم اللہ ہی کا مال ہیں اور اُسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔

یہ مصیبتیں ظاہری طور پر جراثحتوں کی طرح تھیں اور درحقیقت ترقیاں اور مرہم تھیں۔ اللہ سبحانہ کی عنایت سے اس جہان

میں ان پر جو نتائج اور ثمرات مرتب ہوئے ہیں، یہ ان ثمرات کا عشرِ عشر (سواواں حصہ) بھی نہیں ہیں جن کی اللہ تعالیٰ کی عنایت سے آخرت میں امید و توقع ہے۔ پس فرزندوں کا وجود عینِ رحمت ہے۔ ان کی زندگی میں بھی منافع و فوائد ہیں۔ اور ان کی موت پر بھی ثمرات و نتائج مرتب ہوتے ہیں۔

امام اجل محی السنۃ (امام نووی رحمۃ اللہ علیہ) حلیۃ الابرار کے حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ (حضرت) عبداللہ بن زبیر (رضی اللہ عنہ) کے زمانہ (خلافت) میں تین روز تک طاعون کی بیماری جاری رہی اور اس طاعون میں حضرت انس رضی اللہ عنہ، جو حضرت نبی (کریم) علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والتسلیمات کے خادم تھے اور آنسور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ان کے حق میں برکت کی دعا فرمائی تھی، ان کے تراسی صاحبزادے فوت ہوئے اور حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے چالیس صاحبزادے فوت ہوئے۔ جب خیر الانام (حضرت محمد مصطفیٰ) علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ کرام کے ساتھ یہ معاملہ فرماتے ہیں تو ہم گنہگار کس حساب میں ہیں۔

حدیث (شریف) میں آیا ہے کہ طاعون پہلی امتوں کے لیے عذاب تھا اور اس امت کے لیے شہادت ہے۔ واقعی جو لوگ اس وبا میں مرتے ہیں عجیب حاضر و متوجہ ہوتے ہیں۔ آرزو پیدا ہو جاتی ہے کہ کوئی اور شخص بھی ان دنوں مصیبت میں گرفتار جماعت کے ساتھ ہو جائے اور دنیا سے آخرت کی طرف رخصت ہو جائے۔ یہ مصیبت اس امت میں بظاہر غضب ہے اور باطن میں رحمت ہے۔

میاں شیخ طاہر نقل کرتے ہیں کہ لاہور میں طاعون کے دنوں میں ایک آدمی نے خواب میں دیکھا تھا کہ (فرشتے) کہہ رہے ہیں کہ جو شخص ان دنوں نہ مرا وہ حسرت کرے گا۔ جی ہاں! جب بھی ان جانے والوں کے احوال پر نظر کی جاتی ہے تو حیرت انگیز حالات اور عجیب معاملات مشاہدہ میں آتے ہیں۔ شاید اللہ کے راستے میں شہید ہونے والے ان خصوصیات سے ممتاز ہوتے ہیں۔

میرے مخدوم! میرے پیارے فرزند (خواجہ محمد صادق) قدس سرہ کی جدائی عظیم مصیبتوں میں سے ہے۔ معلوم نہیں ہے کہ کوئی شخص ایسی مصیبت میں مبتلا ہوا ہو، لیکن حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ نے جو صبر و شکر اس ضعیف قلب (فقیر) کو کرامت فرمایا وہ بڑی نعمتوں اور عظیم انعامات میں سے ہے۔ (فقیر) حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ سے التماس کرتا ہے کہ اس کی جزا آخرت میں عطا فرمائے اور دنیا میں اس جزا سے کچھ بھی ظاہر نہ ہو۔ جبکہ (فقیر) جانتا ہے کہ یہ درخواست بھی سینہ کی تنگی کے پیش نظر ہے، ورنہ حق تعالیٰ بڑی وسیع رحمت والا ہے۔ فَلِلّٰهِ الْآخِرَةُ وَالْأُولٰٓئِی. یعنی: پس آخرت اور دنیا اللہ ہی کے لیے ہے۔

دوستوں سے بھی یہی گزارش ہے کہ وہ امداد اور اعانت فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ان لغزشوں کو معاف فرمائے جو انسانی لوازمات میں سے ہیں اور ان تقصیرات سے درگزر فرمائے جو بشری تقاضے سے ہوتی ہیں۔ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَإِسْرَافَنَا فِيْ أَمْرِنَا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ. (سورۃ آل عمران، ۱۴۷)

یعنی: اے ہمارے پروردگار! ہمارے گناہ اور زیادتیاں جو ہم اپنے کاموں میں کرتے رہے ہیں، معاف فرما اور ہم کو ثابت قدم رکھ اور کافروں پر فتح عنایت فرما۔

وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَ عَلَى سَائِرِ مَنْ اتَّبَعَ الْهُدَى.

یعنی: اور آپ پر اور ان سب پر جو ہدایت کی بات مانیں، سلام ہو۔

مکتوب نمبر (۱۸)

شیخ جمال الدین ناگوری کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ علمائے راسخین کا نصیب کیا ہے اور علمائے ظواہر کا کیا نصیب ہے

اور صوفیہ کا نصیب کیا ہے اور اس التماس کے جواب میں جو انہوں نے کی تھی۔

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلَى عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَى. (سورۃ النمل، ۵۹)

یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اُس کے اُن بندوں پر سلام ہو جن کو اُس نے منتخب فرمایا۔

علمائے عظام کی مدح (ستائش) میں (یہی حدیث شریف) کافی ہے: الْعُلَمَاءُ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ. (۱)

یعنی: علماء انبیاء کے وارث ہیں۔

علم وراثت، علم شریعت ہے جو انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات سے باقی رہ گیا ہے۔ علم شریعت کی ایک صورت ہے اور ایک حقیقت ہے۔ اس کی صورت وہ ہے جو علمائے ظاہر شکر اللہ تعالیٰ سَعِيَهُمْ (اللہ تعالیٰ ان کی کوشش کو مشکور فرمائے) کو نصیب ہے (اور) جو کتاب و سنت کے محکمات سے تعلق رکھتی ہے اور اس کی حقیقت وہ ہے جو علمائے راسخین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو نصیب ہے (اور) جو کتاب و سنت کے متشابہات سے متعلق ہے۔

محکمات اگرچہ کتاب کی امہات (اصول) ہیں، لیکن ان کے نتائج و ثمرات متشابہات ہیں جو کتاب کے (اصلی) مقاصد ہیں۔ امہات کی نتائج کے حاصل ہونے کے وسیلے سے زیادہ کچھ حیثیت نہیں ہے۔ لہذا کتاب کا مغز متشابہات ہوئے اور کتاب کے محکمات اس مغز کا چھلکا ہیں۔ متشابہات ہی ہیں جو رمز و اشارہ سے اصل کو بیان کرتے ہیں اور اس معاملے کی حقیقت کا پتہ دیتے ہیں۔

علمائے راسخین نے جھلکے کو مغز کے ساتھ جمع کر لیا ہے اور شریعت کی صورت و حقیقت کے مجموعے کو پالیا ہے۔ ان بزرگواروں نے شریعت کو اس شخص کی مانند تصور کیا ہے، جس کا چھلکا اور مغز صورت اور حقیقت ہو۔ انہوں نے شرائع و احکام کے علم کو شریعت کی صورت سمجھا ہے اور حقائق و اسرار کے علم کو شریعت کی حقیقت جانا ہے۔ ایک جماعت کے لوگوں نے شریعت کی صورت میں گرفتار ہو کر اس کی حقیقت سے انکار کیا ہے اور ہدایہ اور بز دوی کے علاوہ کسی کو اپنا پیر اور پیشوا نہیں سمجھا ہے۔ ایک دوسری جماعت کے لوگ اگرچہ اس کی حقیقت کے گرفتار بنے ہیں، لیکن چونکہ انہوں نے اس حقیقت کو شریعت کی حقیقت نہیں سمجھا، بلکہ شریعت کو صورت میں منحصر رکھا ہے اور اسے چھلکا خیال کیا ہے اور مغز کو اس کے ماسوا میں تصور کیا ہے، لہذا انہوں نے اس حقیقت کی حقیقت سے آگاہی نہیں پائی اور متشابہات سے کوئی حصہ حاصل نہیں کر سکے۔ پس علمائے راسخین ہی درحقیقت وارث ہیں۔ اللہ سبحانہ ہمیں اور آپ کو ان کے محبوں اور ان کے نشانات پر چلنے والوں میں سے بنائے۔

دوسری بات یہ کہ میرے بھائی شیخ نور محمد نے آپ کی جانب سے ظاہر کیا کہ آپ نے فرمایا ہے کہ ”ہم کو دوسرے سلاسل سے اجازتیں (حاصل) ہیں اور (سلسلہ) نقشبندیہ کی طرف سے بھی اجازت چاہتا ہوں۔“

میرے مخدوم (اور) میرے مکرم! سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کی پیری و مریدی طریقہ کے سیکھنے اور سکھانے پر موقوف ہے، نہ کہ پگڑی اور شجرہ (طریقہ) پر، جیسے کہ دوسرے سلاسل میں متعارف ہے۔ ان بزرگواروں کا طریقہ صحبت ہے اور ان کی تربیت ان کا ہی ہے۔ اسی وجہ سے ان کی ابتدا میں دوسروں کی انتہا درج ہوئی ہے اور سب سے زیادہ قریب (راستہ) بن گئی ہے۔ ان کی نگاہ قلب کی بیماریوں کو شفا بخشنے والی ہے اور ان کی توجہ باطنی عوارض کو دفع کرنے والی ہے:

نقشبندیہ عجب قافلہ سالار اند
کہ برند از رہ پنہاں بحر قافلہ را^(۲)
یعنی: نقشبندی بزرگ قافلے کے عجیب سالار ہیں جو پوشیدہ راستے سے قافلے کو حرم تک لے جاتے ہیں۔
امید ہے کہ معذور سمجھیں گے:

ع وَالْعُذْرُ عِنْدَ الْكَرَامِ النَّاسِ مَقْبُولٌ
یعنی: کریم لوگوں کے ہاں عذر قبول ہوتا ہے۔
والسلام۔

مکتوب نمبر (۱۹)

میر محبت اللہ کو تحریر فرمایا۔ روشن سنت کی اتباع میں اور ناپسندیدہ بدعت سے پرہیز (کے بیان) میں اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کا بیان)۔

بَعْدَ الْحَمْدِ وَالصَّلَاةِ وَتَبْلِيغِ الدَّعَوَاتِ.

یعنی: اللہ تعالیٰ کی تعریف کرنے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجنے اور سلام و دعا پیش کرنے کے بعد۔
سیادت پناہ میرے پیارے بھائی میر محبت اللہ پر واضح ہو کہ اس علاقے کے فقراء کے احوال و واقعات حمد کے لائق ہیں۔ اَلْمُسْتُوْلُ مِنَ اللّٰهِ سُبْحَانَهُ سَلَامَتُكُمْ وَثَبَاتُكُمْ وَاسْتِقَامَتُكُمْ۔

یعنی: اللہ سبحانہ سے آپ کی سلامتی، ثابت قدمی اور استقامت کے لیے سوال ہے۔

اس عرصے میں آپ نے اس علاقے کے حالات کی کیفیت سے اطلاع نہیں بخشی ہے، فاصلے کی دوری رکاوٹوں میں سے ہے۔

احکام دین کو لازم پکڑنے اور سید المرسلین (حضرت محمد مصطفیٰ) علیہ علی آلہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کرنے اور روشن سنت کو بجالانے اور ناپسندیدہ بدعت سے پرہیز کرنے کی نصیحت کی جاتی ہے۔ بدعت اگرچہ صبح کی روشنی کی طرح دکھائی دے تو درحقیقت اس میں کوئی نور اور ضیاء نہیں ہوتا اور نہ ہی اس میں بیمار کے لیے شفا ہوتی ہے اور نہ ہی کسی بیمار کے لیے اس میں دوا ہے۔ کیسے ہو؟ کیونکہ بدعت یا تو سنت کو رافع کرنے والی ہوگی، یا اس سے ساکت ہوگی اور ساکت ہونے کی صورت میں یقیناً سنت پر زائد ہوگی۔ پس وہ درحقیقت اس کو منسوخ کرنے والی ہوگی۔ ایسے ہی نص پر زیادتی نص کی ناسخ ہے۔ پھر بدعت سنت کی رافع کیسے ہو سکتی ہے؟ وہ تو اس کو مٹانے والی اور اس کے مخالف ہے۔

پس اس میں کوئی بھلائی نہیں اور اس میں کوئی اچھائی نہیں۔ کاش میں سمجھ سکتا کہ انہوں نے دین کامل اور پسندیدہ اسلام

کے اندر نعمت کے پورا ہو جانے کے بعد بدعتِ محدثہ کے حسن ہونے کا حکم کس طرح دیا۔ وہ نہیں جانتے کہ دین کامل اور پورا ہو جانے اور رضا حاصل ہو جانے کے بعد دین میں کوئی نیا کام پیدا کرنا حسن سے کوسوں دور ہے: فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ إِلَّا الضَّلَالُ. (سورۃ یونس، ۳۲) یعنی: حق بات کے ظاہر ہونے کے بعد گمراہی کے سوا ہے ہی کیا؟

اگر وہ جانتے کہ دین کامل میں کسی بدعت کے جاری کرنے کو حسن کہنا، اس (دین) کے کامل نہ ہونے کو لازم کرتا ہے اور نعمت کے پورا نہ ہونے پر دلالت کرتا ہے تو وہ یقیناً ایسا کرنے کی جرأت نہ کرتے۔

رَبَّنَا لَا تَوَاحِدْنَا إِنَّا نَسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا. (سورۃ بقرہ، ۲۸۶)

یعنی: اے ہمارے پروردگار! اگر ہم سے بھول یا چوک ہو گئی ہو تو ہم سے مواخذہ نہ کرنا۔

وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَعَلَىٰ مَنْ لَّدَيْكُمْ. یعنی: آپ پر اور جو آپ کے پاس ہیں، اُن پر سلام ہو۔

مکتوب نمبر (۲۰)

مولانا محمد طاہر بدخشی کو تحریر فرمایا۔ نماز کے فضائل اور اس کی ترغیب دینے میں کہ (نماز کے) ارکان و شرائط، آداب اور

تعدیل ارکان کو اچھی طرح بجالانا چاہیے اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کا بیان)۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَىٰ. (سورۃ النمل، ۵۹)

یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اُس کے اُن بندوں پر سلام ہو جن کو اُس نے منتخب فرمایا۔

آپ کا مکتوب شریف جو آپ نے جوینور کے آس پاس سے لکھا تھا، وہ پہنچا۔ چونکہ اس میں ضعفِ بدن کا ذکر تھا، (لہذا) بے چینی کا سبب بنا۔ (فقیر) آپ کی صحت کی اطلاع کا منتظر ہے۔ آئندہ آنے والوں کے ہاتھ ارسال کریں اور احوال کی کیفیات کو لکھیں۔

اے محبت کی عادت والے! چونکہ یہ دنیا عمل کا مقام ہے، جزا کا مقام جہانِ آخرت ہے، (اس لیے) نیک اعمال کے بجالانے میں کوشش فرمائی چاہیے۔ اعمال میں سب سے اچھا عمل اور عبادات میں سب سے فضیلت والی عادت، اقامتِ صلوٰۃ ہے، جو دین کا ستون ہے اور مومن کی معراج ہے۔ لہذا اس کی ادائیگی کے پورے اہتمام کا لحاظ رکھنا چاہیے اور احتیاط کرنی چاہیے کہ اس کے ارکان و شرائط اور سنن و آداب کما حقہ ادا ہوں۔ اطمینان اور تعدیل ارکان کا لحاظ رکھنے کے لیے بار بار مبالغہ کیا جاتا ہے۔ (اس کی) اچھی طرح محافظت کریں، کیونکہ اکثر لوگوں نے نماز کو ضائع کر دیا ہے اور وہ اطمینان اور تعدیل ارکان کو درہم برہم کر بیٹھے ہیں۔ ان لوگوں کے حق میں وعیدیں وارد ہوئی ہیں اور دھمکیاں آئی ہیں اور جب نماز درست ہو گئی تو نجات کے لیے بہت بڑی امید میسر ہو گئی، کیونکہ دین قائم ہو گیا اور عروج کی معراج مکمل ہو گئی:

بر شکر غلطید اے صفرائیاں از برائے کورئی سودائیاں

یعنی: اے صفراء (چڑچڑاپن) کے مریضو! تم شکر پر لوٹ پوٹ ہو جاؤ، سودا (مالجو) کے مریضوں کے اندھا پن کے لیے۔

وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَعَلَىٰ سَائِرِ مَنْ اتَّبَعَ الْهُدَىٰ وَالتَّزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفَىٰ عَلَيْهِ وَعَلَىٰ آلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيمَاتُ الْعُلَىٰ.

یعنی: اور آپ پر اور ان سب پر جو ہدایت کی بات مانیں اور (حضرت محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی متابعت کو لازم پکڑیں، سلام ہوا اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آل (اطہار) پر عمدہ درود و سلام ہو۔

مکتوب نمبر (۲۱)

خواجہ محمد صدیق ملقب بہ ہدایہ کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ قلب سے مراد جو کہ حدیثِ قدسی: لَا يَسْعُنِي أَرْضِي... الخ میں وارد ہے، گوشت کا ٹکڑا ہے، نہ کہ حقیقتِ جامعہ جس کی وسعت سے بعض مشائخ نے اطلاع دی ہے، لیکن گوشت کا وہ ٹکڑا مراد ہے جس نے سلوک و جذبہ کے بعد، اور تصفیہ و تزکیہ کے بعد، اور تمکینِ قلب اور اطمینانِ نفس کے بعد جزائے عشرہ سے ترکیب پائی ہے اور ہیئتِ وحدانی پیدا کی ہے اور گوشت کے ٹکڑے کی حقیقتِ جامعہ پر فضیلت کئی وجوہات سے ہے۔ نیز اس بیان میں کہ یہ سب کمالات جو گوشت کے ٹکڑے کے لیے ثابت ہوئے ہیں، مقامِ قَابِ قَوْسَيْنِ میں ہیں اور اَوْ اَذْنِي کا معاملہ اس سے بھی بالاتر ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ. الْحَمْدُ لِلَّهِ وَسَلَامٌ عَلَى عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَى. (سورۃ النمل، ۵۹)

یعنی: شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔ سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے اُن بندوں پر سلام ہو جن کو اُس نے منتخب فرمایا۔

آپ نے پوچھا تھا کہ تم نے اپنے مکتوبات اور رسائل میں لکھا ہے کہ ظہورِ قلبی ظہورِ عرشی سے ایک چمک ہے اور کلی فضیلت ظہورِ عرشی کے لیے ہے، جبکہ حدیثِ قدسی میں آیا ہے:

لَا يَسْعُنِي أَرْضِي وَلَا سَمَانِي وَلَكِنْ يَسْعُنِي قَلْبُ عَبْدِي الْمُؤْمِنِ. ^(۱)

یعنی: میں اپنی زمین اور آسمان میں نہیں سما سکتا، لیکن اپنے مومن بندے کے دل میں سما سکتا ہوں۔

اس حدیث سے لازم آتا ہے کہ ظہورِ قلبی کامل تر ہے اور فضیلت اسی کے لیے ثابت ہوتی ہے۔

محبت کے نشانات والے! اس سوال کا حل ایک مقدمے پر مبنی ہے۔

جاننا چاہیے کہ اربابِ ولایت قلب کہتے ہیں اور اس سے انسان کی وہ حقیقتِ جامعہ مراد لیتے ہیں جو عالمِ امر میں سے ہے اور زبانِ نبوت علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والحق یہ کہ قلب سے مراد گوش کا وہ ٹکڑا ہے جس کی درستی سے جسم کی درستی متعلق ہے اور جس کی خرابی سے جسم کی خرابی وابستہ ہے۔ جیسا کہ نبی (کریم) علیہ و آلہ الصلوٰۃ والتسلیمات کی حدیث میں آیا ہے:

إِنَّ فِي جَسَدِ ابْنِ آدَمَ لِمُضْغَةً إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ إِلَّا وَهِيَ الْقَلْبُ. ^(۲) یعنی: بلاشبہ انسان کے جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے، جب وہ درست ہوتا ہے تو سارا جسم درست ہوتا ہے اور جب وہ خراب ہوتا ہے تو سارا جسم خراب ہوتا ہے۔ سن لو کہ وہ قلب ہے۔

وسعتِ قلب، اطلاقِ اول (حقیقتِ جامعہ) کو لازم ہے۔ اسی جگہ سے ہے کہ بایزید اور جنید قدس اللہ تعالیٰ اسرارہما نے وسعتِ قلب سے اطلاع دی ہے اور عرش اور جو کچھ اس میں ہے، کو قلب کی عظمت کے مقابلے میں حقیر خیال کیا ہے۔

تنگیِ قلب اطلاقِ ثانی (گوشت کے ٹکڑے) کو لازم ہے۔ اس مقام میں قلب کی تنگی اس طرح ہے کہ تقسیم نہ ہونے

والے جزء (جزء لائتجزی) جو تمام اشیاء سے احقر اور اصغر ہے، کی بھی اس میں گنجائش نہیں ہے۔ بعض اوقات جب قلب کو جزء لائتجزی کے ساتھ نسبت دی جاتی ہے تو وہ حقیر جزء نگاہ میں آسمانوں اور زمین کے طبقات کی طرح دکھائی دیتا ہے اور یہ معاملہ عقل کی نظر سے بالاتر ہے۔ پس تم شک کرنے والوں میں سے نہ بنو۔ ایسے ہی ہے۔

جب یہ مقدمہ معلوم ہو گیا تو جاننا چاہیے کہ جس ظہور کا تعلق حقیقتِ جامعہ سے ہے، شک نہیں ہے کہ وہ ظہور تام عرش کے مقابلے میں ایک چمک ہے اور اس مقام میں کلی فضیلت عرش کو حاصل ہے۔ شیخ بایزید (رحمۃ اللہ علیہ) اور شیخ جنید (رحمۃ اللہ علیہ) نے جو قلب کو سب سے وسیع کہا ہے اور عرش اور جو کچھ اس میں ہے، کو اس کے مقابلے میں حقیر سمجھا ہے۔ یہ (بات) کسی شے کے نمونے سے اس شے کا شبہ ہو جانے کی قسم سے ہے۔ عرش اور جو کچھ اُس میں ہے، کے نمونوں کو قلب کے مقابلے میں حقیر سمجھ کر انہوں نے اس کا حکم عرش اور جو کچھ اُس میں ہے، کے حقائق پر کر دیا ہے۔ اس فقیر نے اس اشتباہ کی وجہ اپنی کتب و رسائل میں بار بار تحریر کی ہے اور جو کچھ حدیثِ قدسی میں آیا ہے، وہ انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کی زبان کے مطابق ہے اور اس قلب سے مراد گوشت کا ٹکڑا ہے۔ نیز شک نہیں ہے کہ ظہورِ اتم اسی جگہ ہے اور حق تعالیٰ کی ذاتِ مجردہ کی احدیت کی آئینہ داری اس کے لیے مسلم ہے۔ عرش کو اگرچہ ظہورِ تام جو ظہورِ اصل ہے، سے وافر (حصہ) نصیب ہے، لیکن اس مقام میں صفات کی آمیزش ہے۔ چونکہ صفات در حقیقت حضرت ذات تعالیٰ و تقدس کے ظلال ہیں، لہذا وہ ظہورِ ظلیت کی آمیزش سے پاک اور مبرا نہیں ہے۔ یہی سبب ہے کہ عرش کو ظہورِ انسانی جو اصلِ صرف سے تعلق رکھتا ہے، سے امیدیں ہیں اور اس معاملے کا مرکز بھی وہ (قلب انسان) ہے۔

سوال: حدیثِ قدسی سے اس قلب کی وسعت معلوم ہوتی ہے اور تم اس کو تنگ کہتے ہو؟

جواب: اس کی تنگی اس میں ماسوائے حق کی گنجائش نہ ہونے کے اعتبار سے ہے اور اس کی وسعت انوارِ قدم کے ظہور کے اعتبار سے ہے، لہذا اس میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ اس فقیر نے اپنے بعض رسائل میں اس قلب کی تعبیر اس عبارت میں کی ہے: **الصَّيْقُ الْأَوْسَعُ وَالْبَسِيطُ الْأَبْسَطُ وَالْأَقْلُ الْأَكْثَرُ**۔

یعنی: بہت تنگ، بہت وسیع، بسیط بہت ہی بسیط، بہت چھوٹا بہت زیادہ۔

سوال: فضیلت کے لائق حقیقتِ جامعہ ہے جو عالمِ امر سے ہے۔ گوشت کا جو ٹکڑا عالمِ خلق ہے اور عناصر سے مرکب ہے۔ یہ فضیلت اس نے کہاں سے پائی ہے؟

جواب: عالمِ خلق کو عالمِ امر پر ایک فضیلت ہے (اور) اس فضیلت (کے سمجھنے) سے فہمِ عوام، بلکہ فہمِ خواص بھی قاصر ہے۔ اس مضمون کو اس فقیر نے اس مکتوب (۲۶۰، دفترِ اوّل) میں جو اس نے اپنے بڑے فرزند مرحوم (خواجہ محمد صادق قدس سرہ) کے نام طریقہ کے بیان میں لکھا ہے، واضح کیا ہے۔ اگر کوئی تردد رہے تو وہاں سے تسلی طلب کریں۔

گوشت کے اس ٹکڑے کی حقیقت سنو! عوام کے نزدیک (یہ) گوشت کا ایسا ٹکڑا ہے جو عناصرِ اربعہ کی ترکیب سے حاصل ہوا ہے اور خاص اور خاص الخاص کے نزدیک (یہ) گوشت کا وہ ٹکڑا ہے جس نے سلوک و جذبہ، تصفیہ و تزکیہ، قلب کی تمکین اور نفس کے اطمینان کے بعد محض اللہ جلّ سلطانہ کے فضل و کرم سے دس اجزا کی ترکیب سے صورت پائی ہے۔ چار اجزا

عناصر سے، ایک جزء نفس مطمئنہ سے اور پانچ اجزا عالم امر سے ہیں۔ ان تمام دس اجزا میں باہم تضاد و اختلاف ہونے کے باوجود واجب تعالیٰ و تقدس کی قدرت کاملہ سے ان کے تضاد و اختلاف کی صورت زائل ہو گئی ہے (اور یہ) جمع ہو گئے ہیں اور انہوں نے ہیئت وحدانی پیدا کر کے اس عجوبہ کو حاصل کر لیا ہے۔ اس معاملے میں جزو اعظم عنصر خاک ہے۔ یہ ہیئت وحدانی بھی جزو ارضی کے رنگ میں ظاہر ہوئی ہے اور اس نے خاک کے ساتھ قرار پایا ہے:

خاک شو خاک تا بروید گل کہ بجز خاک نیست مظهر گل

یعنی: خاک بن خاک تاکہ پھول اگیں، کیونکہ خاک کے سوا کوئی چیز پھول کا مظہر نہیں ہے۔

اے بھائی! ارباب ولایت کا ہاتھ ان علوم و معارف تک نہیں پہنچ سکتا جو انوار نبوت علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والختیہ کی قدیل سے حاصل ہوئے ہیں۔ ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء ط واللہ ذو الفضل العظیم۔ (سورۃ حدید، ۲۱) یعنی: یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے عطا فرمائے اور اللہ بڑے فضل کا مالک ہے۔

وہ قلب جس کے اطمینان کے لیے حضرت خلیل الرحمن علی نبینا وعلیہ وعلی جمیع الانبیاء والمرسلین وعلی الملائکۃ المقربین الصلوٰۃ والسلام اتممہا واکملہا نے سوال کیا تھا، یہی گوشت کا ٹکڑا تھا۔ کیونکہ حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی حقیقت جامعہ تمکین تک پہنچ چکی تھی اور نفس اطمینان تک پہنچ چکا تھا، کیونکہ یہ تمکین اور یہ اطمینان مرتبہ ولایت میں صورت پکڑتا ہے جو نبوت علی اربابہا الصلوٰۃ والسلام والختیہ کا زینہ ہے۔ شان نبوت کے مناسب گوشت کے ٹکڑے (قلب) کا تغیر و تبدل اور اضطراب ہے، نہ کہ حقیقت جامعہ کا تغیر و تبدل، کیونکہ وہ عوام کا نصیب ہے۔

حضرت رسالت خاتمیت علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والختیہ نے جو قلب کی ثابت قدمی طلب فرمائی ہے اور فرمایا ہے:

اللَّهُمَّ يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوبِ ثَبِّثْ قَلْبِي عَلَى طَاعَتِكَ. (۳)

یعنی: اے اللہ! اے دلوں کو پھیرنے والے! میرے دل کو اپنی طاعت پر ثابت قدم رکھ۔

اس سے بھی مقصود گوشت کے ٹکڑے (قلب) کی ثابت قدمی ہے۔

نیز بعض احادیث جو دل کے تغیر و تبدل کے بارے میں وارد ہوئی ہیں، امتوں کے احوال پر نظر کر کے اگر وہاں قلب سے عام معنی لیے جائیں جو حقیقت جامعہ اور گوشت کے ٹکڑے کو شامل ہیں تو اس کی بھی گنجائش موجود ہے۔

سوال: یہ گوشت کا ٹکڑا (قلب) جب ”لَا يَسْعُنِي قَلْبُ عَبْدِي الْمُؤْمِنِ“ (میں اپنے مومن بندے کے دل میں سما سکتا ہوں) کے شرف سے مشرف ہو گیا ہو اور حضرت ذات تعالیٰ و تقدس کی آئینہ داری کے لائق بن گیا ہو تو پھر اس میں تغیر و تبدل اور اضطراب کیوں ہے؟ اور وہ اطمینان کا محتاج کس لیے ہے؟

جواب: ظہور اگرچہ زیادہ کاملیت پیدا کرتا ہے اور شیون و صفات کے شائبہ سے رہا کرتا ہے، لیکن جہل و حیرت زیادہ پیدا کرتا ہے اور ناشناسی اور عدم وصول بہت زیادہ حاصل ہوتا ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اس ظہور کے باوجود اور اس گنجائش کے باوجود کمال جہل و حیرت سے (سالک) صانع کے وجود پر دلیل طلب کرتا ہے اور عوام کی طرح استدلال یا تقلید کے بغیر وہ صانع تعالیٰ کے وجود کا یقین پیدا نہیں کرتا۔ اس لیے بے قراری و اضطراب اس کے حال کے مناسب ہوتا ہے اور اس کے لیے

اطمینان طلب کرنا ضروری ہوتا ہے۔

اس فقیر نے اپنے بعض رسائل میں لکھا ہے کہ صاحب یقین عارف کو رجوع کے بعد استدلال کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس مقام میں معلوم ہوا کہ عین حصول و وصول میں دلیل کی حاجت ہے۔ یہ مقام مرتبہ نبوت علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کے کمالات کے حال کے مطابق ہے اور وہ مقام ولایت کے حال کے مناسب ہے۔ جب اس قلب والے صاحب کو دعوت کی جانب رجوع واقع ہوگا تو اس کے دل کی بیقراری و اضطراب اور تغیر و تبدل زیادہ ہو جائے گا۔ کیونکہ جب وہ عین وصل میں جہل و حیرت کی وجہ سے دلیل کا محتاج ہے تو جدائی کے زمانے میں بطریقِ اولیٰ استدلال کا محتاج ہوگا، تاکہ استدلال کے ذریعے کچھ اطمینان حاصل کرے۔ باوجودیکہ ہم کہتے ہیں کہ جو دولت چند روز کے لیے اس سے پوشیدہ رکھی گئی ہے اور اس کی جدائی کے داغ سے اس کو داغدار کیا گیا ہے، یہ اس کے لائق ہے کہ وہ ہمیشہ بیقراری و اضطراب میں رہے اور ہمیشہ غمگین اور دکھی رہے: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُتَوَاصِلُ الْحُزْنِ دَائِمُ الْفِكْرِ^(۴)۔
یعنی: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم متواتر غمگین اور ہمیشہ متفکر رہتے تھے۔

(اب فقیر) بعض وجوہات جو قلب کے ان دو اطلاق کے درمیان فرق کرنے والی ہیں، بیان کرتا ہے، غور سے سننا

چاہیے۔

وجہ اول: حقیقتِ جامعہ جو عالمِ امر میں سے ہے، اسے تصفیہ اور تزکیہ کے بعد ہمیشہ کے لیے کامل قرار میسر ہو جاتا ہے، بخلاف گوشت کے ٹکڑے (قلب) کے جس کا اطمینان حواس کے ادراک سے متعلق ہے، جب تک وہ کسی چیز کو حواس کے ذریعے درک نہیں کرتا، بیقراری سے رہا نہیں ہوتا، لہذا حضرت خلیل علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام وعلی جمیع الانبیاء والمرسلین والملائکۃ المقربین نے اپنے قلب کے اطمینان کے لیے سوال کیا اور عرض کیا: رَبِّ ارْنِي كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتَىٰ۔ (سورۃ بقرہ، ۲۶۰) یعنی: اے پروردگار! مجھے دکھا کہ تو مردوں کو کیسے زندہ کرے گا۔

وجہ دوّم: دوسرا فرق یہ ہے کہ حقیقتِ جامعہ ذکر سے متاثر ہوتی ہے اور جب ذکر کے کمال تک پہنچتی ہے تو ذکر سے متحد ہو جاتی ہے اور ذکر کے ساتھ ہم جنس بن جاتی ہے۔ اس مقام کو صاحب عوارف المعارف قدس اللہ تعالیٰ سرہ نے مقصدِ اسٹی کہا ہے اور قلب کی اس ہم رنگی کو ذاتِ تعالیٰ کے ذکر سے تعبیر فرمایا ہے، بخلاف گوشت کے ٹکڑے کے کہ ذکر کے لیے اس کی جانب راستہ نہیں ہے۔ اس کا متاثر ہونا کجا اور اس کا ہم رنگ ہونا کجا؟ وہاں مذکور کا ظہور اصالت کے طور پر ہے، نہ کہ ظلیت کے طور پر۔ ذکر کے عروج کی انتہا مذکور کی دہلیز تک ہے۔

وجہ سوّم: ایک اور فرق یہ ہے کہ جب حقیقتِ جامعہ نہایتِ انتہائی تک پہنچتی ہے اور ولایت خاصہ سے وافر نصیب حاصل کرتی ہے تو اگر وہ مطلوب کی آئینہ داری پیدا کر لے تو اس میں مطلوب کا ظل ظاہر ہوگا، نہ کہ مطلوب کا عین۔ جس طرح کہ ظاہری آئینے میں آدمی کی شکل ظاہر ہوتی ہے، نہ کہ آدمی کا عین۔ بخلاف گوشت کے ٹکڑے کے کہ اس میں ظاہری آئینے کے برعکس مطلوب کا عین ظاہر ہوتا ہے، نہ کہ اس کا ظل۔ لہذا فرمایا ہے: يَسْعَى قَلْبُ عَبْدِي الْمُؤْمِنِ۔
یعنی: میں اپنے مومن بندے کے دل میں سما سکتا ہوں۔

یہ معاملہ بھی نظر و فکر کے طریقہ سے بالاتر ہے۔ خبردار! تم اس سے ہرگز حلول و تمکن (قرار پکڑنا) نہ سمجھ بیٹھو، کیونکہ یہ کفر اور بے دینی ہے۔ اگرچہ عقل معاش یقین نہیں کرتی کہ ایک چیز کا عین دوسری چیز میں ظاہر ہو اور اس کا حلول و تمکن وہاں نہ ہو۔ یہ عقل کی نارسائی کی بنا پر ہے اور حاضر پر غائب کا قیاس ہے۔ پس تم کوتاہ بین لوگوں میں سے نہ بنو۔

وجہ چہارم: ایک اور فرق یہ ہے کہ حقیقت جامعہ عالم امر سے ہے اور گوشت کا ٹکڑا عالم خلق سے ہے، بلکہ عالم خلق اور عالم امر دونوں اس کے اجزاء ہیں اور خلق اس کا جزو اعظم ہے اور امر جزو اصغر ان دونوں کے جمع ہونے سے ایک ایسی ہیئت وحدانی ایجاد ہو گئی ہے جو عجب و روزگار بن گئی ہے۔ یہ عجب اگرچہ عالم خلق اور عالم امر سے جدا ہے اور ہیئت ترکیبی کے لحاظ سے ان میں سے کسی ایک کے ساتھ بھی مناسبت اور مشابہت نہیں رکھتا، لیکن اس کا شمار عالم خلق میں ہوتا ہے، کیونکہ جزو وارضی اس معاملے میں (ایک) عمدہ (چیز) ہے اور خاک کی پستی اس کی بلندی کا سبب بن گئی ہے۔

وجہ پنجم: ایک اور فرق یہ ہے کہ حقیقت جامعہ کی وسعت چیزوں کے اس میں ظہور کے اعتبار سے ہے اور گوشت کے ٹکڑے کی وسعت جو اس کی تنگی کے بعد ظاہر ہوتی ہے، وہ مطلوب کی گنجائش کے اعتبار سے ہے جو لامحدود اور نامتناہی ہے اور وہ تنگی اس کی دبلیز کی تنگی ہے، جو ماسوا کے داخلہ کے لیے رکاوٹ ہے، یہاں تک کہ وہ ذکر کو بھی نہیں چھوڑتی کہ وہ مذکور کے سراپردوں میں داخل ہو جائے۔ اور ظلیت کے شائبے کو بھی نہیں چھوڑتی کہ وہ اس حریم مقدس کے گرد جائے۔

وجہ ششم: اوّل (حقیقت جامعہ) کی وسعت چونکہ مثل کا شائبہ رکھتی ہے، لہذا بے مثل (ذات) کی گنجائش کے لائق نہیں ہے اور ثانی (گوشت کے ٹکڑے) کی وسعت نے چونکہ بے مثلی سے ایک حصہ پایا ہے، لہذا اس میں مثل کی گنجائش نہیں۔ عجیب معاملہ ہے کہ اسی قلب پر دعوت کی جانب رجوع کرنے کے بعد ایک ظلیت اور پردہ طاری ہو جاتا ہے۔ یہیں سے ہے کہ سید البشر (حضرت محمد مصطفیٰ) علیہ علیہم الصلوٰات والتسلیمات نے فرمایا ہے: **إِنَّهُ لَيُعَانُ عَلَى قَلْبِي** (۵)۔

یعنی: بلاشبہ میرے دل پر پردہ گرتا ہے۔

(فقیر) کتنا فرق بیان کرے:

ع مَا لِلتُّرَابِ وَرَبِّ الْأَرْبَابِ

یعنی: خاک کو عالم پاک سے کیا نسبت ہے۔

اے بھائی! تو گوشت کے اس ٹکڑے کو ایک حقیر شے خیال نہ کر، کیونکہ یہ ایسا نفیس جوہر ہے جس میں عالم خلق کے خزانے اور اسرار جمع ہوئے ہیں اور عالم امر کے دینے اور مخفی امور اس میں مدفون ہوئے ہیں۔ ان خاص معاملات کے اضافے کے ساتھ جو اس کی ہیئت وحدانی سے وابستہ ہے۔ پہلے دس اجزاء کو تصفیہ و تزکیہ، جذبہ و سلوک اور فنا و بقا کے ساتھ پاک اور مطہر بنایا گیا ہے اور ماسوا کے تعلقات کی آلودگی سے آزاد کیا گیا ہے۔ مثلاً قلب کو تغیر و تبدل سے گزار کر تمکین تک پہنچایا گیا ہے اور نفس کو مارگی (شر پر ابھارنے) سے اطمینان پر لے آئے ہیں اور جزو ناری کو سرکشی اور نافرمانی سے روک دیا گیا ہے اور خاک کو پستی اور پست فطرتی سے بلندی عطا فرمائی گئی ہے۔ اسی طرح اس کے تمام اجزاء کو افراط و تفرید سے اعتدال و میانہ روی کی حد پر لے آئے ہیں۔ اس کے بعد محض فضل و کرم سے ان اجزاء کو ترتیب دے کر شخص معین بنایا گیا ہے اور انسان کامل بنا کر اس شخص

کے دل کو جو اس کا خلاصہ ہے اور اس کے وجود کا مرکز ہے، گوشت کے ٹکڑے سے تعبیر کر دیا ہے۔ یہ ہے گوشت کے ٹکڑے کی حقیقت جو عبارت کے اندازہ سے بیان کی گئی ہے۔ وَالْأَمْرُ إِلَى اللَّهِ سُبْحَانَهُ۔ یعنی: اور معاملے کی حقیقت اللہ سبحانہ ہی کو معلوم ہے۔

اگر کوئی ناقص کہے کہ ہر انسان انہی دس اجزاء سے مرکب ہے اور انہی کی ترکیب سے ہیئتِ وحدانی رکھتا ہے؟ تو ہم جواب میں کہیں گے کہ جی ہاں! انہی اجزاء سے مرکب ہے، لیکن وہ اجزاء پاک اور مطہر نہیں ہوئے ہیں اور جذبہ و سلوک کے ذریعے ماسوا کے تعلقات کی آلودگی سے آزاد نہیں ہوئے ہیں، بخلاف انسانِ کامل کے اجزاء کے جو فنا و بقا کے ذریعے پاک اور پاکیزہ ہو گئے ہیں، جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔

ہر انسان میں چونکہ اجزاء مختلف اور جدا جدا ہیں اور ہر جزو کے احکام اور احوال علیحدہ ہیں، لہذا لازمی طور پر وہ ہیئتِ وحدانی سے کوئی حصہ نہیں رکھتا اور اگر اس نے ایک ہیئت پیدا کر لی ہے تو وہ (محض) اعتباری ہے، حقیقی نہیں۔ بخلاف انسانِ کامل کے اجزاء کے جو علیحدگی اور اختلاف سے نکل کر آپس میں اکٹھے اور مخلوط ہو گئے ہیں اور ان کے علیحدہ علیحدہ احکام و احوال زائل ہو کر ایک ہی (شے) کا حکم پا چکے ہیں۔ لہذا لازمی طور پر اس کی ہیئتِ وحدانی حقیقی ہے، اعتباری نہیں۔ جس طرح ایک مجنون کو مختلف دواؤں سے تیار کرتے ہیں اور پیس کر اس کے تمام اجزاء کو آپس میں ملا کر ہیئتِ وحدانی ثابت کرتے ہیں اور مختلف احکام سے ایک حکم میں لے آتے ہیں۔ فَافْهَمْ وَاللَّهُ سُبْحَانَهُ اَعْلَمُ۔

یعنی: پس اس کو سمجھ لو اور اللہ سبحانہ ہی خوب جانتا ہے۔

اے بھائی! یہ سب کمالات جو (فقیر نے) گوشت کے ٹکڑے کے لیے ثابت کیے ہیں، مقامِ قَابِ قَوْسَيْنِ میں ہیں جہاں ظاہر میں مظہر کے رنگ کا وہم ہوتا ہے۔ اگرچہ یہاں ظاہر اصل ہے، اس کا ظل اور صورت نہیں ہے۔ لیکن شخص ظاہر آئینے کے رنگ سے پاک اور مبرا نہیں ہے۔ پس قَوْسَيْنِ ثابت ہوں گے اور اس سے بالاتر مقامِ اَوْ اَذْنٰی ہے جہاں ظاہر نے مظہر کا رنگ اختیار نہیں کیا اور کوئی امر زائد یہاں تخیل میں نہیں آیا۔ لہذا قَوْسَيْنِ اس جگہ مفقود ہوں گے اور وہاں یک رنگی کے سوا کچھ متصور نہیں ہوگا اور یہ مقامِ اَوْ اَذْنٰی کے مناسب ہے اور اس مقام کا معاملہ الگ ہے۔ تمام اوراق کو اُلْتَنَا چاہیے تاکہ قَوْسَيْنِ سے اَوْ اَذْنٰی تک سامان لے جایا جائے۔ کَلَامُنَا اِشَارَاتٍ وَرَمُوزٌ وَبَشَارَاتٍ وَكُنُوزٌ وَاللَّهُ سُبْحَانَهُ الْمُلْهُمُ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَصَحْبِهِ وَسَلَّمَ وَبَارَكَ۔ یعنی: ہمارا کلام اشارات و رموز، بشارتیں اور خزانے ہیں اور اللہ سبحانہ ہی الہام کرنے والا ہے۔ ہمارے سردار (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے صحابہ (کرام) پر درود و سلام اور برکتیں (نازل) ہوں۔

مکتوب نمبر (۲۲)

مولانا محمد صادق کشمیری کو تحریر فرمایا۔ حضرت عالی (مجدد) سلمہ اللہ تعالیٰ کے طفیل سرہند (شریف) کے شہر کا اکثر شہروں پر فضیلت پانے کے بیان میں اور اپنی سکونت والی زمین میں ایسے نور کا مشاہدہ کرنے (کے بیان) میں جس کی صفت و شان کی گرد سے بھی کوئی آگاہ نہیں تھا اور یہ زمین کچھ عرصہ بعد مخدوم زادہ بزرگ خواجہ محمد صادق قدس سرہ

کاروضہ مقدسہ بن گئی۔

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰی. (سورۃ النمل، ۵۹)

یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اُس کے اُن بندوں پر سلام ہو جن کو اُس نے منتخب فرمایا۔

اللہ تعالیٰ و سبحانہ کی عنایت اور حق تعالیٰ کے حبیب (حضرت محمد مصطفیٰ) عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ وَالتَّحِیَّۃُ وَالْبَرَکَۃُ کے صدقے سرہند کا شہر گویا میرے احیاء (زندہ کرنے) کی زمین ہے جو میرے لیے ایک گہرے تاریک کنوئیں کو پُر کر کے بلند چوترہ بنایا گیا ہے اور اکثر شہروں اور خانقاہوں میں اسے رفعت بخشی گئی ہے اور اس زمین میں ایک نور ودیعت ہوا ہے جو بے صفی و بے کیفی کے نور سے ماخوذ ہے، اس نور کی مانند جو بیت اللہ کی مقدس زمین سے روشن اور درخشاں ہے۔

میرے بڑے فرزند مرحوم (خواجہ محمد صادق قدس سرہ) کی رحلت سے چند ماہ پہلے یہ نور اس درویش پر ظاہر کیا گیا تھا اور سکونت کی جگہ زمین کے ایک کونے میں نشاندہی کر کے ایک روشن نور دکھایا گیا جس کی صفت و شان کی گرد بھی اس کو نہ لگی تھی اور وہ کیفیات سے پاک اور مبرا تھا۔ اس چیز کی آرزو ہوئی کہ یہ زمین میرا مدفن بنے اور وہ نور میری قبر پر درخشاں ہو۔ اس بات کو میں نے اپنے فرزند بزرگ پر جو کہ صاحب سر تھے، ظاہر کیا اور انہیں اس نور اور اس آرزو سے آگاہ کیا۔ اتفاق سے میرے فرزند مرحوم (خواجہ محمد صادق قدس سرہ) نے اس دولت میں سبقت کی اور خاک کے پردے میں اس نور کے دریا میں مستغرق ہو گئے:

هٰنِیْئًا لَا رِبَابَ النَّعِیْمِ نَعِیْمُہَا وَلِلْعَاشِقِ الْمُسْکِیْنِ مَا یَنْجُوْهُ

یعنی: نعمت والوں کو ان کی نعمتیں مبارک ہوں اور عاشق مسکین کو خون کے گھونٹ۔

اس شہر عظیم (سرہند) کی فضیلت میں سے ہے کہ میرے فرزند بزرگ (خواجہ محمد صادق قدس سرہ) جیسا (شخص) جو اکابر اولیاء اللہ میں سے ہے، وہاں آسودہ خاک ہے۔

کچھ مدت کے بعد ظاہر ہوا کہ امانت رکھا گیا نور اس فقیر کے قلبی انوار میں سے ایک چمک ہے جو یہاں سے اخذ کر کے اس زمین میں روشن کیا گیا ہے، جس طرح کہ ایک چراغ مشعل سے روشن کرتے ہیں۔ قُلْ کُلُّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ (سورۃ نساء، ۷۸) اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ (سورۃ نور، ۳۵) سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا یَصِفُوْنَ. وَسَلٰمٌ عَلٰی الْمُرْسَلِیْنَ. وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ. (سورۃ صافات، ۱۸۰-۱۸۲)

یعنی: آپ فرمادیں کہ سب اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ یہ جو کچھ بیان کرتے ہیں تمہارا پروردگار جو صاحب عزت ہے اس سے پاک ہے اور پیغمبروں پر سلام ہو۔ اور سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔

مکتوب نمبر (۲۳)

مخدوم زادہ خواجہ محمد عبداللہ سلّمہ اللہ تعالیٰ وَاَبْقَاہُ وَاَوْصَلَہٗ اِلٰی غَایَۃِ مَا یَتَمَنّٰہُ (اللہ انہیں سلامت رکھے اور باقی رکھے اور انہیں ان کی آرزو کی انتہا تک پہنچائے) کو تحریر فرمایا، اس بیان میں کہ بہترین کام روشن سنت کا اتباع اور ناپسندیدہ بدعت سے پرہیز کرنا ہے اور اس بیان میں کہ طریقہ عالیہ نقشبندیہ کی دوسرے طریقوں پر فضیلت صاحب

شریعت (حضرت محمد مصطفیٰ) علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام والختیہ کی اتباع اور عزیمت پر عمل کرنے کی وجہ سے ہے اور اس طریقہ عالیہ نقشبندیہ کی تعریف اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کا بیان)۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ. الْحَمْدُ لِلَّهِ وَسَلَامٌ عَلَى عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَى. (سورۃ النمل، ۵۹)
یعنی: شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔ سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اُس کے اُن بندوں پر سلام ہو جن کو اُس نے منتخب فرمایا۔

جو نصیحت اپنے پیارے فرزند، اللہ سبحانہ انہیں سلامت رکھے اور نامناسب کاموں سے محفوظ فرمائے اور دوسرے تمام دوستوں کو کی جاتی ہے، وہ روشن سنت علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والختیہ کی اتباع اور ناپسندیدہ بدعت سے پرہیز کرنا ہے۔ اسلام نے اس زمانے میں غربت پیدا کر لی ہے اور مسلمان غریب ہو گئے ہیں اور جب تک رہیں گے، زیادہ غریب ہو جائیں گے، یہاں تک کہ کوئی اللہ کہنے والا زمین پر نہیں رہے گا۔ وَتَقُومُ السَّاعَةُ عَلَى شَرَارِ النَّاسِ. (۱) یعنی: اور قیامت بدترین لوگوں پر قائم ہوگی۔

سعادتمند وہ آدمی ہے جو اس غربت کے زمانے میں ترک شدہ سنتوں میں سے کوئی سنت زندہ کرے اور جاری بدعتوں میں سے کسی بدعت کو ختم فرمائے۔ یہ وہ وقت ہے کہ خیر البشر (حضرت محمد مصطفیٰ) علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت سے ہزار سال گزر چکے ہیں اور قیامت کی علامات کا ظہور ہونے لگا ہے اور سنت عہد نبوت کی دوری کی وجہ سے مخفی ہو گئی ہے اور بدعت جھوٹ کے آشکار ہونے کے سبب جلوہ گر ہو گئی ہے۔ ایک شہباز چاہیے جو سنت کی نصرت فرمائے اور بدعت کو شکست دے۔ بدعت کی ترویج دین کو خراب کرنے کا موجب ہے اور بدعتی کی تعظیم کرنا اسلام کو گرانے کا باعث ہے۔ آپ نے یہ حدیث سنی ہوگی: مَنْ وَقَّرَ صَاحِبَ بِدْعَةٍ فَقَدْ آعَانَ عَلَى هَدْمِ الْإِسْلَامِ. (۲) یعنی: جس نے بدعتی کی تعظیم کی، پس اس نے اسلام کے گرانے میں مدد کی۔

پوری ہمت اور کامل ارادے سے اس جانب متوجہ رہنا چاہیے کہ سنتوں میں سے کسی سنت کی ترویج کی جائے اور بدعتوں میں سے کسی بدعت کو ختم کیا جائے۔ ہر وقت خاص کر کے اسلام کے اس ضعف کے زمانے میں اسلام کے مراسم کو قائم کرنا سنت کی ترویج اور بدعت کی خرابی سے وابستہ ہے۔ پہلے لوگوں نے بدعت میں کوئی حسن دیکھا ہوگا جس کی وجہ سے انہوں نے بعض بدعتوں کو مستحسن سمجھا ہے، لیکن یہ فقیر اس مسئلے میں ان سے موافقت نہیں رکھتا اور کسی ایک بدعت کو بھی حسن نہیں سمجھتا اور ظلمت و کدورت کے سوا اس میں کچھ محسوس نہیں کرتا۔ آپ علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے: كُلُّ بِدْعَةٍ ضَالَّةٌ. (۳) یعنی: ہر بدعت گمراہی ہے۔

(یہ فقیر) دیکھتا ہے کہ اسلام کی اس غربت اور ضعف (کے زمانے) میں سلامتی سنت کے بجالانے سے وابستہ ہے۔ اور خرابی بدعت کے اختیار کرنے میں ہے، خواہ کوئی بدعت ہو۔ فقیر بدعت کو کسی کی مانند سمجھتا ہے جو اسلام کی بنیاد کو گرا دیتی ہے اور سنت کو روشن ستارے کی طرح پاتا ہے جو گمراہی کی تاریک رات میں رہنمائی فرماتا ہے۔ علمائے وقت کو حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ توفیق بخشے کہ وہ کسی بدعت کے حسن ہونے میں لب کشائی نہ کریں اور کسی بدعت پر عمل کرنے کا فتویٰ نہ دیں، خواہ وہ

بدعت ان کی نظر میں صبح کی سپیدی کی مانند روشن دکھائی دے، کیونکہ غیر سنت کاموں میں شیطان کے مکر و فریب کو عظیم غلبہ حاصل ہے۔ گذشتہ زمانوں میں چونکہ اسلام قوت رکھتا تھا، لہذا بدعتوں کے اندھیروں کو برداشت کرتا تھا اور شاید کہ ان میں سے بعض ظلمتیں نور اسلام کی روشنی میں بعض لوگوں کو نورانی محسوس ہوتی ہوں اور وہ حسن کے حکم کا باعث بنتی ہوں، اگرچہ وہ درحقیقت کوئی حسن اور نورانیت نہ رکھتی تھیں، بخلاف اس وقت کے، جبکہ (یہ) اسلام کے ضعف کا وقت ہے۔ بدعتوں کی ظلمتوں کے برداشت کی صورت نہیں، لہذا یہاں متقدمین اور متاخرین کے فتویٰ کو جاری نہیں کرنا چاہیے، کیونکہ ہر وقت کے احکام الگ ہیں۔ اس وقت جہان بدعت کے کثرت سے ظہور کی وجہ سے بحرِ ظلمات کی مانند نظر آ رہا ہے اور سنت کا نور غربت اور کمیابی کے باعث اس تاریک سمندر میں جگنو کی طرح محسوس ہوتا ہے اور بدعت کا عمل اس ظلمت کو بڑھاتا ہے اور سنت کے نور کو کم کرتا ہے اور سنت پر عمل کرنا اس ظلمت کی کمی اور اس نور کے زیادہ ہونے کا باعث ہے۔ پس جو شخص چاہے وہ بدعت کی ظلمت کو زیادہ کرے اور جو چاہے وہ سنت کے نور کو بڑھائے اور جو چاہے وہ شیطان کے گروہ میں اضافہ کرے اور جو چاہے وہ اللہ کے گروہ کو بڑھائے: **آلَا إِنَّ حِزْبَ الشَّيْطَانِ هُمُ الْخَاسِرُونَ** (سورۃ مجادلہ، ۱۹) **آلَا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ** (سورۃ مجادلہ، ۲۲)

یعنی: سن لو کہ شیطان کا لشکر نقصان اٹھانے والا ہے۔ اور سن لو کہ اللہ کا لشکر ہی مراد حاصل کرنے والا ہے۔

صوفیہ وقت بھی اگر انصاف پر آئیں اور اسلام کے ضعف اور جھوٹ کے ظاہر ہونے کا ملاحظہ کریں تو پھر چاہیے کہ وہ سنت کے خلاف (کسی بات میں) اپنے پیروں کی تقلید نہ کریں اور اپنے شیوخ کو بہانہ بنا کر خود ساختہ امور پر عمل نہ کریں۔ سنت کا اتباع یقیناً نجات دینے والا اور خیرات و برکات لانے والا ہے۔ اور غیر سنت (عمل) کی تقلید میں خطرہ ہی خطرہ ہے۔ **وَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ** (سورۃ نور، ۵۴) یعنی: اور قاصد کے ذمے پیغام پہنچا دینا ہے۔

ہمارے پیروں کو حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ ہماری جانب سے جزائے خیر عطا کرے کہ انہوں نے ہم پیچھے رہ جانے والوں کو امور بدعت کے بجالانے کی ہدایت نہیں کی اور اپنی تقلید سے ہلاک کر دینے والے اندھیروں میں نہیں ڈالا اور سنت کی متابعت کے علاوہ کوئی راستہ نہیں دکھایا اور صاحب شریعت (حضرت محمد مصطفیٰ) علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام والحقیر کی اتباع کے سوا اور عزیمت پر عمل کرنے کے علاوہ کوئی ہدایت نہیں فرمائی۔ یقیناً ان بزرگواروں کا کارخانہ بلند ہوا اور ان کے وصول کا چوتراہ رفیع الشان ہو گیا۔ یہی حضرات ہیں جنہوں نے سماع و قص کو ٹھکرا دیا ہے اور وجد و تواجہ کو شہادت کی انگلی سے دو ٹکڑے کر دیا ہے۔ دوسرے لوگوں کے مکاشفے اور مشاہدے ان بزرگواروں کے نزدیک ماسوا میں داخل ہیں اور ان کا معلوم و متخیل نفی کے قابل ہے۔ ان بزرگواروں کا معاملہ دید و دانش سے بالاتر ہے اور معلوم و متخیل سے بالاتر ہے اور تجلیات و ظہورات سے بالاتر ہے اور مکاشفات و معانیات سے بالاتر ہے۔

دوسروں کا اہتمام اثبات میں ہے اور ان بزرگواروں کی ہمت ماسوا کی نفی میں ہے۔ دوسرے کلمہ طیبہ کا تکرار اور نفی و اثبات اس لیے کرتے ہیں تاکہ اثبات کے دائرے میں وسعت پیدا کریں اور تمام عالم، جو غیریت (ماسوا) کے عنوان سے پیدا ہے، وہ کلمہ توحید کے تکرار سے حقیقت کے عنوان سے ظاہر ہو جائے اور سب کو حق دیکھیں اور حق تعالیٰ و تقدس پائیں۔

بخلاف ان بزرگواروں کے جن کا مقصود کلمہ طیبہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کے تکرار سے دائرہ نفی کی وسعت ہے، تاکہ جو کچھ مشہود و مشکوف اور معلوم و مخفی ہوا تھا، سب لا کے تحت میں داخل ہو جائے اور اثبات کی جانب میں کوئی چیز ملحوظ اور منظور نہ رہے۔ بالفرض اگر کوئی چیز اثبات کی جانب میں ظاہر ہو جائے تو اس کو بھی نفی کی جانب لوٹانا چاہیے اور اثبات کے مقام میں کلمہ مستثنیٰ (اللہ) کے کہنے کے علاوہ کچھ بھی نصیب نہ ہو۔

پس دوسرے طریقوں میں نفی و اثبات کا ذکر مبتدیوں کے حال کے مناسب ہے اور ذکر اللہ جو محض کلمہ اثبات ہے، وہ اس کے بعد مناسب ہوتا ہے، تاکہ مثبت مشکوف اس کلمہ کے تکرار سے اثبات و قرار اور دوام پیدا کرے۔ بخلاف ان اکابر (نقشبندیہ) کے طریقہ کے جو اس کے برعکس ہے اور (اس میں) اول اثبات ہے اور پھر اس اثبات و استقرار کی نفی ہے۔ اس لیے اس طریقہ میں اسم اللہ ابتدا میں مناسب ہے اور نفی و اثبات کا ذکر اس کے بعد صورت پکڑتا ہے۔

سوال: اگر کوئی ناقص سوال کرے اور کہے کہ اس صورت میں اس طریقہ (نقشبندیہ) کے اکابر کو مقام اثبات سے کچھ نصیب نہیں ہوگا اور نفی کے علاوہ ان کے ہاتھ کچھ نہیں آئے گا۔

جواب: اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ دوسروں کا اثبات ان بزرگواروں (اکابر نقشبندیہ) کو ابتدائے حال ہی میں میسر ہو جاتا ہے، لیکن بلند ہمتی کی وجہ سے وہ اس جانب التفات نہیں کرتے، بلکہ نفی کے لائق سمجھتے ہوئے اس کی نفی کرتے ہیں اور مطلوب مثبت کو اس کے بالاتر سے بالاتر سمجھتے ہیں۔ پس دوسروں کا اثبات بھی ان کو میسر ہے اور اس اثبات کی وہ نفی بھی جو مقام کبریائی کے مناسب ہے ان کے لیے مسلم ہے۔ ہر ناقص ان کے کام کا سراغ نہیں لگا سکتا اور ہر لالچی ان کے معاملے کی حقیقت سے آگاہ نہیں ہو سکتا۔ ان اکابر (نقشبندیہ) کے عدم حصول کا تھوڑا سا حصہ جو اس مقام میں نفس حصول ہے، وہ بیان کر دیا ہے۔ اگر ان کے اکابر کے حصول سے (فقیر) لب کشائی کرے تو خواص بھی عوام سے مل جائیں گے اور منتہی مبتدیوں کی صورت میں الف و با کا سبق اختیار کر لیں گے۔ شعر:

فریاد حافظ ایں ہمہ آخر بہر زہ نیست ہم قصہ غریب و حدیث عجیب ہست (۴)

یعنی: حافظ کی یہ سب فریاد، یہودہ نہیں، بلکہ عجیب قصہ اور ایک نرالی کہانی ہے۔

ذاتِ تعالیٰ و تقدس کا مراقبہ جو دوسروں نے اختیار کیا ہے، ان (اکابر نقشبندیہ) کے نزدیک احاطہ اعتبار سے ساقط اور بے حاصل ہے اور مراقبہ کرنے والے کو اس مقام میں ظلال میں سے ظل کے علاوہ کچھ نصیب نہیں۔ تَعَالَى اللَّهُ عَمَّا يَقُولُونَ عُلُوًّا كَبِيرًا۔ یعنی: اللہ سبحانہ و تعالیٰ ان باتوں سے بہت بلند ہے جو یہ لوگ کہتے ہیں۔

ذاتِ حق تعالیٰ، بلکہ اللہ سبحانہ کے اسماء و صفات بھی ہمارے فکر و مراقبہ کے احاطہ سے باہر ہیں۔ اس مقام سے جہل اور حیرت کے سوا کچھ نصیب نہیں ہے، نہ وہ جہل و حیرت جس کو لوگ جہل و حیرت کہتے ہیں، کیونکہ وہ مذموم ہے۔ اس مقام کا جہل و حیرت عین معرفت و اطمینان ہے، نہ وہ معرفت و اطمینان جو لوگوں کی سمجھ میں سما سکتا ہے، کیونکہ وہ مثل کی قسم سے ہے اور بے مثلی سے بے نصیب ہے۔ اس مقام میں ہم جو کچھ ثابت کریں، وہ بے مثل ہوگا، خواہ ہم اس کو جہل سے تعبیر کریں یا معرفت سے۔ مَنْ لَمْ يَذُقْ لَمْ يَقْدِرْ۔ (۵) یعنی: جس نے نہیں چکھا اس نے نہیں پہچانا۔

اسی طرح ان بزرگواروں کی توجہ ذات تعالیٰ و تقدس کی جانب ہے اور وہ اسم و صفت سے ذات تعالیٰ و تقدس کے سوا کچھ نہیں چاہتے اور دوسروں کی مانند ذات سے صفات کی طرف نیچے نہیں آتے اور بلندی سے پستی کی جانب مائل نہیں ہوتے۔ عجیب کا روبرو ہے۔ اس گروہ سے ایک جماعت نے اسم اللہ کا ذکر اختیار کیا ہے اور اس پر اکتفا نہ کرتے ہوئے صفات کی طرف نیچے آجاتے ہیں اور سمیع و بصیر اور علیم کا ملاحظہ کرتے ہیں اور پھر عروج کے طور پر علیم و بصیر اور سمیع سے اسم اللہ کی طرف جاتے ہیں۔ وہ صرف اسم اللہ پر کفایت کیوں نہیں کرتے؟ اور فقط ذات تعالیٰ کی احادیث کو توجہ کا قبلہ کیوں نہیں بناتے؟ نص قاطع ہے کہ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهُ۔ (سورۃ زمر، ۳۶) یعنی: کیا اللہ اپنے بندوں کو کافی نہیں۔ (یہ آیت) کریمہ اس معنی کی تائید کرنے والی ہے: قُلِ اللّٰهُ ثُمَّ ذَرْهُمْ۔ (سورۃ انعام، ۹۱) یعنی: آپ کہیں اللہ! پھر ان کو چھوڑ دیں۔

الغرض اس طریقہ عالیہ (نقشبندیہ) کے بزرگواروں کی ہمت کی نظر بلند ہوگئی ہے اور وہ ہر ریا کار اور رقص کرنے والے کی نسبت نہیں رکھتے، لہذا دوسروں کی انتہا ان کی ابتدا میں درج ہوئی ہے اور ان کے طریقے کے مبتدی نے دوسرے طریقوں کے منتہی کا حکم پایا ہے اور ابتدا ہی سے ان کا سفر وطن میں مقرر ہو گیا ہے اور خلوت در انجمن (مجلس میں تنہائی) نصیب ہوگئی ہے اور حضور کا دوام ان کے وقت کی نقدی بن گیا ہے۔ یہ ہیں وہ لوگ جن کی بلند صحبت سے طالبوں کی تربیت وابستہ ہے اور ناقصوں کی تکمیل ان کی توجہ شریف سے متعلق ہے۔ ان کی نظر قلبی امراض کو شفا دینے والی ہے اور ان کی توجہ باطنی بیماریوں کو دور کرتی ہے۔ ان کی ایک توجہ سوچلوں کا کام کرتی ہے اور ان کی ایک توجہ سالوں کی ریاضتوں اور مجاہدوں کے برابر ہے:

نقشبندیہ عجب قافلہ سالار اند کہ برند از رہ پنہا بحر قافلہ را^(۶)

یعنی: نقشبندی بزرگ قافلے کے عجیب سالار ہیں جو پوشیدہ راستے سے قافلے کو حرم تک لے جاتے ہیں۔

اے سعادت کے نشانات والے! اس بیان سے کوئی شخص وہم نہ کرے کہ یہ اوصاف اور صفات حسنہ طریقہ عالیہ نقشبندیہ کے تمام پیروں اور مریدوں کو حاصل ہیں۔ ہرگز نہیں! بلکہ یہ اوصاف حسنہ اس طریقہ عالیہ کے بزرگواروں کے اکابر کے ساتھ مخصوص ہیں جنہوں نے کام کو نہایت کی نہایت تک پہنچایا ہے اور (جن) ہدایت یافتہ مبتدیوں نے ان اکابر سے ارادت کی نسبت درست کی ہوئی ہے اور آداب کا لحاظ رکھا ہوا ہے، انتہا کا ابتدا میں درج ہونا ان کے حق میں ثابت ہے، بخلاف اس طریقہ کے اُس مبتدی کے جو اس طریقہ کے ناقص شیخ کے پاس پہنچے۔ انتہا کا ابتدا میں درج ہونا اس کے حق میں متصور نہیں ہے، کیونکہ اس کا شیخ نہایت تک نہیں پہنچا ہے۔ اس لیے مبتدی کے حق میں انتہا کا درج ہونا کس طرح متصور ہو سکتا ہے:

ع از کوزہ بروں ہماں تراود کہ دروست

یعنی: کوزے سے وہی باہر ٹپکتا ہے جو اس کے اندر ہے۔

اے شرافت کے آثار والے! ان اکابر کا طریقہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کا طریقہ ہے اور یہ انتہا کا ابتدا میں درج ہونا اسی اندراج کا اثر ہے جو خیر البشر (حضرت محمد مصطفیٰ) علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت میں میسر ہوتا تھا۔ کیونکہ آنسور علیہ

وَعَلَى آلهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ کی پہلی صحبت ہی میں وہ کچھ میسر ہو جاتا تھا جو دوسروں کو انتہا میں بھی کم ہی میسر ہوتا ہے اور یہ فیوض و برکات وہی فیوض و برکات ہیں جو قرینِ اوّل میں ظہور میں آتے تھے۔ اگرچہ ظاہری طور پر آخرِ اوّل سے وسط کی نسبت دور ہے، لیکن درحقیقت آخرِ وسط کی نسبت اوّل سے زیادہ نزدیک ہے اور اس کے رنگ میں رنگا ہوا ہے۔ متوسط حضرات اس کا یقین کریں یا نہ کریں، بلکہ متاخرین میں سے اکثر کو بھی معلوم نہیں ہے کہ وہ اس معاملے کی حقیقت تک پہنچتے ہیں (یا نہیں)۔ وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَ عَلَى سَائِرِ مَنْ اتَّبَعَ الْهُدَى وَالتَّزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفَى عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيمَاتُ الْعُلَى۔

یعنی: اور آپ پر اور اُس شخص پر جو ہدایت کی بات مانے اور (حضرت محمد) مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی متابعت کو لازم پکڑے، سلام ہو اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آل (اطہار) پر عمدہ درود و سلام ہو۔
مکتوب نمبر (۲۴)

حاجی محمد فرقتی کو تحریر فرمایا۔ ان کے اس مکتوب کے جواب میں جس میں انہوں نے اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ (انہیں) تمام ذرات میں لایزال کے جمال کا مشاہدہ میسر ہو جائے اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کا بیان)۔

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلَى عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَىٰ. (سورۃ النمل، ۵۹)

یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اُس کے اُن بندوں پر سلام ہو جن کو اُس نے منتخب فرمایا۔

آپ نے جو مکتوب شریف کمالِ اخلاص اور محبت سے ارسال کیا تھا، وہ بہت زیادہ خوشی کا سبب بنا۔ نسبتِ رابطہ آپ کو ہمیشہ صاحبِ رابطہ کے ساتھ رکھتی ہے اور اندک اسی فیوض کا وسیلہ بنتی ہے۔ اس نعمتِ عظمیٰ کا شکر بجالانا چاہیے۔ قبض اور بسط اس راستے کی پرواز کے دو بازو ہیں۔ قبض سے پریشان نہ ہوں اور بسط سے خوش نہ ہوں۔

آپ نے اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ تمام ذرات میں لایزال کے جمال کا مشاہدہ میسر ہو جائے۔ اے میرے محبت کے اطوار والے! بندے کا آرزو سے کیا کام! اور اس کی آرزو تو اس کی کوتاہ سمجھ کے مطابق ہوگی۔ لایزال کے جمال کا مشاہدہ ذرات کے آئینے میں کرنا نظر کی کوتاہی سے ہے۔ ذرات کی کیا مجال کہ وہ اس کے جمال کے آئینے بنیں۔ جو کچھ ذرات کے آئینے میں مشہود ہوتا ہے، وہ اس بے نہایت جمال کے ظلال میں ایک ظل ہوتا ہے۔ حق سبحانہ و تعالیٰ کو بالاتر سے بالاتر میں تلاش کرنا چاہیے اور آفاق و انفس کے دائرے سے باہر طلب کرنا چاہیے۔ جو نسبت اس وقت آپ رکھتے ہیں، وہ آپ کی آرزو سے بالاتر ہے۔ خبردار! لوگوں کی تقلید میں پستی کی جانب مائل نہ ہوں اور بلندی سے پستی کی جانب آنے کی تمنا نہ کریں۔ ان اکابر (نقشبندیہ) کا کارخانہ بلند ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ سُبْحَانَهُ يُحِبُّ مَعَالِيَ الْاَلِهَمِّ۔

یعنی: بیشک اللہ سبحانہ بلند ہمت لوگوں کو پسند فرماتا ہے۔

الْمَسْئُولُ مِنَ اللّٰهِ سُبْحَانَهُ جَمْعِيَّتُكُمْ الصُّورِيَّةُ وَالْمَعْنَوِيَّةُ۔

یعنی: اللہ سبحانہ سے آپ کی ظاہری و باطنی جمعیت کے لیے سوال ہے۔

والسلام۔

مکتوب نمبر (۲۵)

خواجہ محمد شرف الدین حسین کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ جو عمل بھی روشن شریعت کے مطابق کیا جائے، وہ ذکر میں داخل ہے، خواہ وہ خرید و فروخت ہی ہو۔

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰی. (سورۃ النمل، ۵۹)

یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اُس کے اُن بندوں پر سلام ہو جن کو اُس نے منتخب فرمایا۔

جو مکتوب شریف میرے فرزند عزیز نے مولانا عبدالرشید اور مولانا جان محمد کے ذریعے ارسال کیا تھا، وہ پہنچا اور نذر کی رقم بھی پہنچ گئی۔ جَزَاكُمُ اللّٰهُ سُبْحَانَهُ خَيْرًا. یعنی: اللہ سبحانہ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

آپ کی صحت کی خبر سننے سے بہت زیادہ خوشی ہوئی۔ اے فرزند! فرصت غنیمت ہے اور آپ صحت اور فراغت کو غنیمت سمجھیں۔ ہمیشہ اوقات کو ذکر الہی جل شانہ میں مصروف رکھنا چاہیے، جو عمل بھی روشن شریعت کے مطابق کیا جائے وہ ذکر میں داخل ہے، خواہ خرید و فروخت ہی ہو۔

پس تمام حرکات و سکنات میں شریعت کے احکام کا لحاظ رکھنا چاہیے، تاکہ وہ سب ذکر بن جائیں۔ کیونکہ ذکر سے مراد غفلت کو دور کرنا ہے اور جب تمام کاموں میں اوامر اور نواہی کی رعایت کی جائے تو ان اوامر و نواہی کی غفلت سے نجات حاصل ہو جاتی ہے اور حق تعالیٰ کے ذکر کا دوام میسر ہو جاتا ہے۔ یہ دوام ذکر حضرات خواجگان قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کی یادداشت سے الگ شے ہے، کیونکہ وہ باطن پر منحصر ہے اور یہ ظاہر میں بھی جاری ہے، اگرچہ دشوار ہے۔

وَفَقَّنَا اللّٰهُ سُبْحَانَهُ وَاَيَّاكُمْ بِمُتَابَعَةِ صَاحِبِ الشَّرِيعَةِ عَلَيْهِ وَعَلٰی اٰلِهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ وَالتَّحِيَّۃُ.

یعنی: اللہ سبحانہ ہمیں اور آپ کو صاحب شریعت (حضرت محمد مصطفیٰ) صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت کی توفیق عطا فرمائے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آل (اطہار) پر درود و سلام ہو۔

مکتوب نمبر (۲۶)

عرفان پناہ مرزا حسام الدین احمد کو تحریر فرمایا۔ ان کے مکتوب کے جواب میں جس سے جانب داری کی بو آتی ہے۔ اس بیان میں کہ ذکر کی تلقین بچوں کو الف و با کی تعلیم دینے کی مانند ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ. الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰی. (سورۃ النمل، ۵۹)

یعنی: شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔ سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اُس کے اُن بندوں پر سلام ہو جن کو اُس نے منتخب فرمایا۔

آپ نے جو گرامی نامہ کشمیری قاصد کے ذریعے کرم فرماتے ہوئے ارسال کیا تھا، (فقیر) اس کے مطالعہ سے مشرف ہوا۔ چونکہ وہ اس علاقے کے حضرات کی خیریت پر مشتمل تھا، (لہذا) اس نے خوشی بخشی۔ جَزَاكُمُ اللّٰهُ سُبْحَانَهُ خَيْرًا. یعنی: اللہ سبحانہ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

لکھا گیا تھا کہ مخدوم زادہ کلاں اور خواجہ جمال الدین حسین، میاں شیخ اللہ داد سے تلقین ذکر کے شرم سے آپ کی خدمت

میں نہیں پہنچ سکے۔

میرے مخدوم! ابھی اس قسم کی باتوں سے جانب داری کی بُو آتی ہے اور اس ادا اور حالت سے اختلاف اور مخالفت مفہوم ہوتی ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔ (سورۃ بقرہ، ۱۵۶)

یعنی: ہم اللہ ہی کا مال ہیں اور اُسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔

خواجہ کلاں کو چاہیے تھا کہ اپنے والد بزرگوار (خواجہ باقی باللہ قدس سرہ) کی وصیت کا شرم کرتے اور اس توجہ و افادہ کا بھی شرم کرتے جو حضرت عالی (خواجہ باقی باللہ قدس سرہ) کے حضور میں حضرت عالی کے حکم سے ہر دو مخدوم زادگان پر کی گئی تھی اور میاں شیخ اللہ داد کو بھی چاہیے تھا کہ پیر پرستی کے دعویٰ کے باوجود اس معاملے میں جرأت نہ کرتے اور وصیت اور افادہ کی سبقت کا لحاظ کرتے۔

جو کچھ آپ نے لکھا ہے وہ سچ اور صحیح ہوگا، لیکن جو مکتوب مخدوم زادہ کلاں نے اپنے برادر عزیز کے ذریعے ارسال کیا تھا وہ کمال تواضع پر مشتمل تھا اور (اس میں) طلب و شوق کی زیادتی تھی۔ اس مکتوب میں ایسی عبارتیں تحریر کی گئی تھیں جو طلب کے جنون کے بغیر لکھنا متصور نہیں ہیں۔ اس مکتوب کے ارسال کرنے کے بعد شاید ایک انحراف کی صورت پیدا ہوئی ہے: رَبَّنَا لَا تُرِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً جَ إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ۔ (سورۃ آل عمران، ۸)

یعنی: اے ہمارے پروردگار! جب تو نے ہمیں ہدایت بخشی ہے تو اس کے بعد ہمارے دلوں میں کجی نہ پیدا کرنا اور ہمیں اپنے ہاں سے نعمت عطا فرما، تو تو بڑا عطا فرمانے والا ہے۔

لیکن فقیر سمجھتا ہے کہ حضرت عالی (خواجہ باقی باللہ قدس سرہ) کی وصیت بے حکمت نہیں ہوگی۔ امید ہے کہ انجام قابل تحسین ہوگا۔ لیکن افسوس ہے کہ اس قسم کی طلب، جس سے تھوڑا سا اُن کے مکتوب سے مفہوم ہوتا تھا، برباد ہو جائے گی اور اس کی جگہ اس کی ضد آجائے گی۔ دوستوں اور خیر خواہوں کے لیے یہ چیز بڑی گراں ہے۔ مناسب یہ ہے کہ اس کا اہتمام کریں۔ میرے مکرم! اگر کام صرف تلقین سے مکمل ہوتا ہے تو پھر مبارک ہو۔ فقیر کے نزدیک ذکر کی تلقین بچوں کو الف و با کی تعلیم دینے کی مانند ہے۔ اگر صرف اسی تعلیم سے مولویت کا ملکہ حاصل ہو جائے تو کیا مضائقہ ہے؟ آپ کے کرم اور التفات سے توقع یہ ہے کہ آپ طرف داری کے پلہ کو ترک کر دیں گے اور سب دوستوں کے ساتھ یکساں محبت کریں گے۔ (فقیر) زیادہ کیا مبالغہ کرے۔ والسلام۔

مکتوب نمبر (۲۷)

مولانا محمد طاہر بدخشی کو تحریر فرمایا۔ شیخ عبدالعزیز جو نیوری کے ان شکوک (اور سوالات) کے جواب میں جو (دفتر دوم کے) مکتوب اول، جو کہ ان کے نام ہے، میں درج کیے گئے تھے۔

بَعْدَ الْحَمْدِ وَالصَّلَاةِ وَتَبْلِيغِ الدَّعَوَاتِ۔

یعنی: اللہ تعالیٰ کی تعریف کرنے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجنے اور سلام و دعا پیش کرنے کے بعد۔ (فقیر) واضح کرتا ہے کہ آپ نے جو مکتوب شریف عرصہ دراز کے بعد ارسال کیا تھا، وہ پہنچا (اور) اس نے بڑی خوشی

پہنچائی۔ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ آپ کو ظاہر و باطن کی جمعیت سے آراستہ اور مزین رکھے۔ فقیر نے اس مدت میں آپ کو تین مکتوب لکھے ہیں، جن میں سے ایک آپ کو پہنچا ہے۔ دوردراز کے فاصلے کا عذر پیش ہے۔ جو مکتوب مشیخت ماب شیخ عبدالعزیز نے لکھا تھا، آپ کے مکتوب کے ساتھ وہ بھی پہنچا اور جو کچھ انہوں نے لکھا تھا، وہ بھی واضح تھا۔

سوال: اس میں لکھا تھا کہ اگر ممکنات کے حقائق، جو کہ صور علمیہ ہیں، عدمات ہوں جو کہ صفات کی ضد ہیں تو لازم آتا ہے کہ ان عدمات کا حصول ذات تعالیٰ و تقدس میں ہو اور اللہ سبحانہ اس سے پاک ہے۔
جواب: (شیخ عبدالعزیز کو) عجیب شبہ ہے (شیخ موصوف کو) معلوم ہونا چاہیے کہ حضرت حق سبحانہ (تمام) اشیائے شریفہ اور کثیفہ کو جانتا ہے اور ان میں سے کسی چیز کو بھی حق تعالیٰ کی ذات میں حصول نہیں ہے اور ان میں سے کسی کے ساتھ انصاف نہیں۔ اس صورت میں حصول کہاں سے پیدا ہوگا۔
سوال دوم: اس میں یہ بھی لکھا گیا تھا کہ ممکنات کے حقائق وجودی اور ثبوتی ہونے چاہئیں، نہ کہ عدمی، کیونکہ حقائق سے مراد ممکنات کی ارواح اور نفوس ہیں۔

جواب: ہاں! ایسا علمی وجود و ثبوت رکھتے ہیں جو حقائق کے لیے درکار ہیں۔ (شیخ موصوف کو) چاہیے کہ یہ اعتراض پہلے شیخ محی الدین (ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ) پر کریں جنہوں نے کہا ہے کہ: **الْأَعْيَانُ مَا شَمَّتْ رَائِحَةُ الْوُجُودِ**۔
یعنی: اعیان نے وجود کی بو بھی نہیں سونگھی۔
عجیب معاملہ ہے کہ انہوں نے یہاں حقائق سے مراد ممکنات کی ارواح اور نفوس لیے ہیں اور اعیان ثابتہ اور معلومات اللہ کو چھوڑ دیا ہے۔

سوال سوم: نیز لکھا گیا تھا کہ انبیاء علیہم الصلوٰت والتسلیمات اور اولیاء علیہم الرضوان اور دوسرے تمام افراد جو ممکنات ہیں، اگر ان کے حقائق عدمات ہوں تو شرف و کرامت اس گروہ عالیہ سے مسلوب و معدوم ہو جاتی ہے۔
جواب: کیوں مسلوب و معدوم ہو جاتی ہے جب حق تعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ اور قدرت کاملہ سے ان عدمات کو اپنے حسن تربیت کے ساتھ اپنے اسماء و صفات کے عکسوں کے آئینے بنا کر نبوت و ولایت کے شرف سے مشرف فرمایا ہے اور اپنے کمالات کے ظلال سے آراستہ کر کے معزز اور مکرم بنایا ہے۔ جس طرح کہ اس نے انسان کو ایک حقیر پانی (قطرہ مٹی) سے پیدا کر کے بلند درجات تک پہنچایا۔ عجیب ہے کہ آپ لوگ انسان کے شرف و کرامت کو تو نگاہ میں لاتے ہیں اور واجب تعالیٰ و تقدس کے تنزیہ و تقدیس کو ہاتھ سے چھوڑ دیا ہے۔ کہتے ہیں کہ ”ہمہ اوست“۔ گھٹیا اور پست چیزوں کو حق تعالیٰ و تقدس کا عین کہتے ہیں اور اس قول سے دوری اختیار نہیں کرتے اور انسان کے لیے حقائق عدمیہ تجویز نہیں کرتے اور اس سے اجتناب کرتے ہیں۔ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ انصاف (کی توفیق) دے۔

سوال چہارم: نیز لکھا گیا تھا کہ اجماعی بات (ہمہ اوست) کو اختراعی بات (ہمہ ازوست) سے رد نہیں کیا جاسکتا۔
جواب: ہم تو اختراعی بات ”ہمہ اوست“ کو جانتے ہیں، ”ہمہ ازوست“ کے قول پر علماء کا اتفاق ہے۔ اس زمانے تک

ملاست اور مذمت کا جو راستہ صاحبِ فصوص پر جاری ہے، وہ یہی مقولہ ”ہمہ اوست“ ہے جو وہ کہتے ہیں۔ فقیر نے جو معارف لکھے ہیں، ان کا حاصل ”ہمہ از اوست“ ہے جو شرع و عقل کے نزدیک مقبول ہے۔ جب کشف والہام سے اس کی تائید ہوتی ہے تو پھر ایسا کیوں نہ ہو۔

شیخ موصوف (عبدالعزیز) اعتراضات کا ذکر کرنے کے بعد مقامِ شفقت میں آ کر لکھتے ہیں کہ اگر ممکنات کے حقائق کو ارواحِ انسانی مانیں تو (یہ چیز) جمہور کے موافق ہے۔ انہوں نے جمہور سے کوئی قسم مراد لی ہے؟ (کیونکہ) اس زمانے تک نہیں سنا گیا کہ کسی نے ارواحِ انسانی کو ممکنات کے حقائق کہا ہو۔ عجیب ہے! بہت عجیب! شیخ نے خیال کیا ہے کہ شخص بات کو قیاس اور انداز سے کرتا ہے اور فکر و خیال سے بٹتا ہے۔ ایسا ہرگز نہیں! جو معارف کشف والہام کے بغیر لکھے اور کہے جائیں اور شہود و مشاہدہ کے بغیر تحریر و تقریر میں آئیں، وہ بہتان اور افتراء ہیں، خاص کر کے جبکہ قوم (اہل شرع) کے خلاف ہوں۔ شیخ موصوف (عبدالعزیز) کیا اعتقاد رکھتے ہیں اور ان معارف کو کس قسم سے سمجھتے ہیں؟ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَإِسْرَافَنَا فِيْ أَمْرِنَا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ۔ (سورۃ آل عمران، ۱۴۷)

یعنی: اے ہمارے پروردگار! ہمارے گناہ اور ہماری زیادتیاں جو ہم اپنے کاموں میں کرتے رہے، معاف فرما اور ہم کو ثابت قدم رکھ اور کافروں پر فتح عنایت فرما۔ والسلام۔

مکتوب نمبر (۲۸)

مولانا محمد صادق کشمیری کو تحریر فرمایا، ان کے سوالات کے جواب میں۔

بَعْدَ الْحَمْدِ وَالصَّلَاةِ وَتَبْلِيغِ الدَّعَوَاتِ.

یعنی: اللہ تعالیٰ کی تعریف کرنے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجنے اور سلام و دعا پیش کرنے کے بعد۔ (فقیر) واضح کرتا ہے کہ (آپ کا) مکتوب شریف پہنچا۔ چونکہ پسندیدہ احوال پر مشتمل تھا، (لہذا) خوشی کا موجب بنا۔ آپ نے لکھا تھا کہ وراثت (حق تعالیٰ کے وراء الوراہ ہونے) کا معاملہ یہاں تک پہنچ گیا ہے کہ صفات کا (ذات حق) تعالیٰ و تقدس پر حمل کرنا تکلف دکھائی دیتا ہے اور (بندہ) حق سبحانہ کو ان سب سے بالاتر سمجھتا ہے۔ آپ کو شش کریں کہ یہ حمل تکلف سے بھی میسر نہ ہوا اور معاملہ حیرت محض تک پہنچ جائے۔

آپ نے پوچھا تھا کہ رشحات میں بابا آبریز (رحمۃ اللہ علیہ) سے نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے کہا: ”جب حق سبحانہ و تعالیٰ ازل کے روز آدم (علیہ السلام) کی مٹی گوندھر ہاتھ تو میں اس مٹی پر پانی ڈال رہا تھا۔“ اس (قول) کی تاویل کیا ہے؟ جاننا چاہیے کہ حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی مٹی کی خدمات میں جس طرح کہ ملائکہ کرام علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کو دخل دیا گیا تھا، (شاید) ان (بابا آبریز) قدس سرہ کی روح کو بھی دخل دیا گیا ہو اور پانی ڈالنے کی خدمت ان کے سپرد کی گئی ہو اور پھر ان کی جسمانی پیدائش کے بعد، بلکہ ان کے کمال کے بعد ان کو اس چیز کی اطلاع دی گئی ہو۔ جائز ہے کہ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ ارواحِ مجردہ کو ایسی قدرت عطا فرمائے کہ ان سے اجسام کے افعال صادر ہوں۔ اسی قسم کی وہ باتیں ہیں جو بعض اکابر نے اپنے افعالِ شاقہ سے بیان کی ہیں، جو ان کے وجود غضری میں آنے سے صدیوں پہلے ان سے صادر

ہوئے تھے۔ افعال کا یہ صدور ان کے ارواحِ مجردہ سے ہوا تھا اور اس چیز کی اطلاع ان کو وجودِ عنصری کے بعد حاصل ہوئی۔ ایک جماعت کو اس طرح کے افعال کا صدور تناسخ کے وہم میں ڈال دیتا ہے۔ ہرگز ایسا نہیں کہ کسی دوسرے بدن سے اس روح نے تعلق بنایا ہو۔ روح مجردہ جو اللہ جلّ سلطانہ کی قدرت سے بدن کا کام کرتی ہے اور کج رولوگوں کو گمراہی میں ڈالتی ہے۔ اس مقام میں بہت باتیں کرنے کی گنجائش ہے اور عجیب تحقیقات فائض ہوئی ہیں۔ اگر (فقیر کو) توفیق ملی تو کسی اور جگہ تحریر کرے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ اب وقت نے مدد نہیں کی۔

اسی طرح آپ نے پوچھا تھا کہ صاحبِ رشحات لکھتے ہیں کہ جب خواجہ علاء الدین عطار قدس سرہ نے مولانا نظام الدین خاموش (قدس سرہ) سے رنجیدہ خاطر ہو کر چاہا کہ ان سے نسبت سلب کر لیں تو مولانا (نظام الدین خاموش قدس سرہ) نے آنسو و علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی روحانیت سے التجا کی اور آنحضرت علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی جانب سے حضرت خواجہ (علاء الدین عطار قدس سرہ) کو خطاب ہوا کہ نظام الدین ہمارا ہے اور کسی کو اس پر تصرف کی مجال نہیں۔ اسی کتاب میں دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ بڑھاپے میں حضرت خواجہ احرار قدس سرہ نے مولانا (نظام الدین خاموش قدس سرہ) سے نسبت سلب کر لی۔ مولانا (نظام الدین خاموش قدس سرہ) فرمایا کرتے تھے کہ ”خواجہ نے ہمیں بوڑھا پایا اور جو کچھ میں رکھتا تھا، وہ لے لیا اور آخر کار مجھے مفلس بنا ڈالا۔“ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ حضرت رسالت خاتمیت علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے جس شخص کو اپنا بنالیا ہو اور فرمایا ہو کہ کسی کو اس پر تصرف کی مجال نہیں ہے، حضرت خواجہ احرار قدس سرہ کس طرح اس پر تصرف کر لیں؟

جاننا چاہیے کہ ہمارے حضرت خواجہ (باقی باللہ) قدس سرہ اس نقل کو پسند نہیں کرتے تھے اور مولانا (نظام الدین خاموش قدس سرہ) کی نسبت کے سلب (ہونے) میں توقف رکھتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ مولانا نظام الدین (قدس سرہ) کے مرید مولانا سعد الدین کاشغری (قدس سرہ) کے مریدوں میں مولانا عبد الرحمن (جامی قدس سرہ) اور ان کے علاوہ جو بہت سے دوسرے حضرات شامل ہیں، ان میں سے کسی نے بھی اس نقل کے بارے میں لب کشائی نہیں کی اور رد و قبول کے لیے کوئی سامنے نہیں آیا تو مولانا فخر الدین علی (صاحبِ رشحات) نے (یہ واقعہ) کہاں سے لیا ہے؟ اور اگر یہ خبر صداقت رکھتی تو تواتر سے نقل ہوتی رہتی، کیونکہ اس کے تواتر کے ساتھ نقل ہونے کے بڑے مواقع تھے اور جب (یہ) تواتر سے نقل نہیں ہوئی اور خبر واحد قرار پائی تو معلوم ہوا کہ اس کی صداقت میں تردد ہے۔ بعض دوسری روایات جو صاحبِ رشحات نے نقل کی ہیں، وہ بھی صداقت سے دور ہیں اور اس سلسلہ عالیہ (نقشبندیہ) کے لوگ ان کے بارے میں تردد رکھتے ہیں۔

وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ اَعْلَمُ۔ یعنی: اور اللہ سبحانہ ہی خوب جانتا ہے۔

نیز اسی طرح ہمارے حضرت خواجہ (باقی باللہ) قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ مفلس بنانا ایمان سلب کرنے پر دلالت کرتا ہے۔ اَعَاذَنَا اللّٰهُ سُبْحَانَهُ مِنْهُ (اللہ سبحانہ ہمیں اس سے محفوظ رکھے)۔ اور یہ چیز تجویز کرنا بڑا مشکل ہے۔ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ۔ (سورۃ آل عمران، ۸)

یعنی: اے ہمارے پروردگار! جب تو نے ہمیں ہدایت بخشی ہے تو اس کے بعد ہمارے دلوں میں کجی نہ پیدا کرنا اور ہمیں اپنے ہاں سے نعمت عطا فرما، تو تو بڑا عطا فرمانے والا ہے۔

مکتوب نمبر (۲۹)

فضیلت پناہ شیخ عبدالحق (محدث) دہلوی کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ اس دنیا کی بہترین دولتیں غم اور اندوہ ہیں اور اس دسترخوان کی خوشگوار ترین نعمتیں دکھ اور مصیبت ہیں۔

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَىٰ. (سورۃ النمل، ۵۹)

یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اُس کے اُن بندوں پر سلام ہو جن کو اُس نے منتخب فرمایا۔

میرے مخدوم مکرم! مصیبتوں کے آنے پر اگرچہ تکلیف برداشت کرنی پڑتی ہے، لیکن کرامتوں کی امید ہے۔ اس دنیا کی بہترین دولتیں غم اور اندوہ ہیں اور اس دسترخوان کی خوشگوار ترین نعمتیں دکھ اور مصیبت ہیں۔ ان شکر پاروں پر تلخ دارو کا باریک غلاف چڑھایا گیا ہے اور اس حیلے سے آزمائش کا راستہ کھولا گیا ہے۔ سعادت مند لوگ ان کی شیرینی پر نظر رکھتے ہوئے اس تلخی کو شکر کی مانند چباتے ہیں اور تلخی کو صفراء کے برعکس میٹھا پاتے ہیں۔ میٹھا کیوں نہ پائیں، جب محبوب کے سارے افعال ہی میٹھے ہوتے ہیں۔ شاید (قلبی) مریض اس کو کڑوا پائے، کیونکہ وہ ماسوا (اللہ) میں گرفتار ہیں۔ دولت مند لوگ محبوب کی درد رسانی میں اس قدر حلاوت و لذت پاتے ہیں کہ اس کے انعام میں متصور نہیں۔ اگرچہ دونوں چیزیں محبوب کی طرف سے ہیں، لیکن درد رسانی میں محبت کے نفس کا کوئی دخل نہیں ہے اور انعام میں نفس کی مراد پوری ہوتی ہے:

ع هَيِّنَا لِأَرْبَابِ النِّعَمِ نَعِيمَهَا

یعنی: نعمت والوں کو اُن کی نعمتیں مبارک ہوں۔

اللَّهُمَّ لَا تَحْرِمْْنَا أَجْرَهُمْ وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَهُمْ.

یعنی: اے اللہ! تو ہمیں ان (مرحومین) کے اجر سے محروم نہ فرما اور ان کے بعد ہمیں آزمائش میں نہ ڈال۔

آپ کا وجود شریف اسلام کی اس ضعف کے زمانے میں مسلمانوں کے لیے غنیمت ہے۔ سَلِّمُكُمُ اللَّهُ سُبْحَانَهُ وَآبِقَاتُكُمْ. یعنی: اللہ سبحانہ! آپ کو سلامت رکھے اور بقا عطا فرمائے۔ والسلام۔

مکتوب نمبر (۳۰)

خواجہ محمد اشرف اور حاجی محمد فرحتی کو ان خط کے جواب میں تحریر فرمایا اور ان کے دو سوالات کے جواب میں، ایک نسبتِ رابطہ (تصورِ شیخ) کی مشق اور دوسرا اپنی (باطنی) مشغولیت میں فتور کے بارے میں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ. الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَىٰ. (سورۃ النمل، ۵۹)

یعنی: شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔ سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اُس کے اُن بندوں پر سلام ہو جن کو اُس نے منتخب فرمایا۔

گرامی نامہ جو دو بزرگ (اور) پیارے بھائیوں نے ارسال کیا تھا، وہ پہنچا اور احوال کی جو کیفیات درج کی گئی تھیں، وہ واضح ہوئیں۔ خواجہ محمد اشرف نے نسبتِ رابطہ (تصورِ شیخ) کے بارے میں لکھا تھا کہ اس حد تک غلبہ پا چکی ہے کہ نماز میں اس

کو اپنا مسجود سمجھتا ہوں اور دیکھتا ہوں اور اگر بالفرض نفی کرتا ہوں تو نابود نہیں ہوتی۔

اے میرے محبت کے نشانات والے! اس دولت کی تمنا طالین کرتے ہیں۔ شاید ہزاروں میں سے ایک کو دیتے ہیں۔ اس معاملے میں مستعد شخص کامل مناسبت والا ہے۔ ممکن ہے کہ وہ شیخ مقتدا کی تھوڑی سی صحبت سے اس کے تمام کمالات کو جذب کر لے۔ آپ رابطہ کی نفی کیوں کرتے ہیں؟ کیونکہ وہ مسجود الیہ ہے، مسجود لہ نہیں ہے۔ آپ محرابوں اور مسجدوں کی نفی کیوں نہیں کرتے؟ اس قسم کی دولت کا ظہور سعادت مندوں کو نصیب ہوتا ہے، تاکہ وہ تمام احوال میں صاحبِ رابطہ (مرشد) کو اپنا وسیلہ سمجھیں اور تمام اوقات میں اس کی جانب متوجہ رہیں، نہ کہ اس بے نصیب جماعت کی مانند جو خود کو (رابطہ شیخ) سے بے نیاز سمجھتی ہے اور یہ لوگ اپنی توجہ کے قبلہ کو اپنے شیخ سے ہٹا لیتے ہیں اور اپنے معاملے کو خراب کرتے ہیں۔

دوسرا یہ کہ آپ نے اپنے فرزندوں کی والدہ کی وفات کی خبر لکھی تھی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ۔ (سورۃ بقرہ، ۱۵۶) یعنی: ہم اللہ ہی کا مال ہیں اور اُسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔

فاتحہ پڑھی گئی اور پڑھنے کے دوران اس کی قبولیت کا اثر معلوم ہوا۔

مولانا حاجی محمد نے اظہار کیا تھا کہ دو ماہ کے قریب ہوئے ہیں کہ مشغولیت (باطنی) میں ایک فتور آ گیا ہے اور جو ذوق و حلاوت پہلے رکھتا تھا، وہ نہیں رہا۔

اے محبت کے آثار والے! اگر دو چیزوں میں فتور نہیں آیا تو کوئی غم نہیں ہے۔ ان دو چیزوں میں سے ایک صاحبِ شریعت (حضرت محمد مصطفیٰ) علیہ علی آلہ الصلوٰات والتسلیمات کی متابعت ہے اور دوسری اپنے شیخ سے محبت و اخلاص ہے۔ ان دو چیزوں کے ثبوت کے ساتھ اگر ہزاروں ظلمتیں اور کدورتیں طاری ہو جائیں تو بھی کوئی ڈر نہیں۔ آخر اس کو ضائع نہیں کریں گے۔ اگر نعوذ باللہ ان دو چیزوں میں سے ایک میں بھی نقصان پیدا ہوا تو خرابی ہی خرابی ہے۔ اگرچہ حضور اور جمعیت (میسر) ہو، کیونکہ یہ استدراج ہے جو خراب انجام رکھتا ہے۔ آپ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ سے گر گڑا کر اور زاری سے ان دو چیزوں کی ثابت قدمی طلب کریں اور ان دو کاموں پر استقامت کا سوال کریں۔ پس یہی دو کام اصل مقصود اور نجات کا مدار ہیں۔ وَالسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَ عَلَی سَائِرِ الْاِخْوَانِ خُصُوصًا عَلَی الْمُحِبِّ الْقَدِیْمِ مَوْلَانَا عَبْدِ الْغَفُورِ السَّمَوُ قُنْدِی۔ یعنی: اور آپ پر اور سب بھائیوں پر خاص کر کے قدیم محبت مولانا عبدالغفور سمرقندی پر سلام ہو۔

مکتوب نمبر (۳۱)

خواجہ شریف الدین حسین کو تحریر فرمایا، وعظ و نصیحت میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ سَلَامٌ عَلَی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ (سورۃ النمل، ۵۹)

یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اُس کے اُن بندوں پر سلام ہو جن کو اُس نے منتخب فرمایا۔

اے فرزند عزیز! فرصت غنیمت ہے۔ چاہیے کہ تمام بیکار کاموں میں صرف نہ ہو۔ بلکہ سب حق جلا و علا کی رضا میں صرف ہو۔ پانچ وقت کی نماز جمعیت و جماعت اور تعدیل ارکان کے ساتھ ادا ہونی چاہیے اور نماز تہجد کو ہاتھ سے نہ جانے دیں۔ اور سحری کے استغفار کو چھوڑ کر ضائع نہ کریں۔ نیز خواب خرگوش سے لطف اندوز نہ ہوں اور دنیا کی لذتوں پر فریفتہ نہ

ہوں۔ موت کی یاد اور آخرت کی سختیوں کو آنکھوں کے سامنے رکھیں۔

الغرض یہ کہ دنیا سے منہ موڑ لیں اور آخرت کی جانب متوجہ رہیں۔ ضرورت کے مطابق دنیا میں مشغول ہوں اور باقی اوقات کو آخرت کے کاموں سے آباد رکھیں۔

مختصر یہ ہے کہ دل کو ماسوا کی گرفتاری سے آزاد ہونا چاہیے اور ظاہر شرعی احکام سے آراستہ و مزین ہونا چاہیے:

ع کار اینست و غیر ایں ہمہ ہیج

یعنی: اصل کام یہ ہے اور باقی سب بیکار ہے۔

باقی حالات بخیر ہیں۔ والسلام۔

مکتوب نمبر (۳۲)

مرزا قلیچ اللہ کو تحریر فرمایا۔ ان کے عریضہ کے جواب میں جس میں انہوں نے جمعیت باطن کی شکایت کی تھی اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کا بیان)۔

بَعْدَ الْحَمْدِ وَالصَّلَاةِ وَتَبْلِيغِ الدَّعَوَاتِ.

یعنی: اللہ تعالیٰ کی تعریف کرنے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجنے اور سلام و دعا پیش کرنے کے بعد۔
(فقیر) واضح کرتا ہے کہ آپ کا مکتوب شریف جو تعزیت کے بارے میں لکھا تھا، پہنچا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَيْہِ رٰجِعُوْنَ۔
(سورۃ بقرہ، ۱۵۶) یعنی: ہم اللہ ہی کا مال ہیں اور اُسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔

ہم اللہ سبحانہ کی توفیق سے حق تعالیٰ کی قضا سے راضی ہو گئے ہیں، آپ بھی راضی رہیں اور دعا و فاتحہ کے ساتھ مددگار و معاون بنیں۔

دوسرا یہ کہ آپ کی خلاصی کی خبر مسرت و خوشی کا سبب بنی اور دو دکھوں میں سے ایک دکھ سے آرام مل گیا۔

لِلّٰہِ سُبْحَانَهُ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ عَلٰی ذٰلِكَ.

یعنی: اس پر اللہ سبحانہ کی حمد اور احسان ہے۔

آپ نے جمعیت باطن کی شکایت کی تھی۔ ہاں! ظاہری پراگندگی کی باطن کے تصرف میں بڑی تاثیر ہے۔ جب آپ باطن میں کدورت پائیں تو اس کا تدارک توبہ و استغفار سے کریں اور جب خوفناک صورت ظاہر ہو تو کلمہ تجید: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ^(۱) سے اسے دفع کریں اور معوذتین (سورۃ فلق اور سورۃ الناس) کا تکرار اس وقت غنیمت ہے۔

باقی حالات حمد کے لائق ہیں۔

لِلّٰہِ سُبْحَانَهُ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ دَائِمًا وَعَلٰی كُلِّ حَالٍ وَّاعُوْذُ بِاللّٰہِ سُبْحَانَهُ مِنْ حَالِ اَهْلِ النَّارِ.

یعنی: ہمیشہ اور ہر حال میں اللہ سبحانہ کی حمد و احسان ہے اور میں اہل دوزخ کے حال سے اللہ سبحانہ کی پناہ مانگتا ہوں۔
فقیر کو ضعف (بدن) لاحق تھا، اس وجہ سے احوال کی تفصیل میں مصروف نہیں ہوا۔ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ ہمیں اور آپ کو شریعتِ مصطفویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام و اختیہ کی شاہراہ پر استقامت کرامت فرمائے۔ والسلام۔

مکتوب نمبر (۳۳)

مولانا محمد صالح کو لابی کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ محبوب ہر حال میں محبت کی نظر میں محبوب ہوتا ہے، خواہ انعام فرمائے اور خواہ دکھ دے، بلکہ بہت کم حضرات ایسے بھی ہیں جن کے نزدیک دکھ انعام سے زیادہ محبت بخش ہوتا ہے، اور حمد کی شکر پر فضیلت اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کا بیان)۔

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَىٰ. (سورۃ النمل، ۵۹)

یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اُس کے اُن بندوں پر سلام ہو جن کو اُس نے منتخب فرمایا۔

میرے پیارے بھائی محمد صالح معلوم فرمائیں کہ محبوب محبت کی نظر میں، بلکہ درحقیقت ہر وقت اور ہر حال میں محبوب ہوتا ہے۔ خواہ دکھ دے تو بھی محبوب ہے اور اگر انعام فرمائے تو بھی محبوب ہے۔ اکثر لوگوں کے نزدیک جو محبت کی دولت سے مشرف ہوئے ہیں، انعام کے وقت میں محبوب کی محبت اس کے دکھ دینے کے وقت سے زیادہ ہوتی ہے، یا دونوں وقت میں برابر ہوتی ہے۔ بلکہ بہت کم حضرات کے نزدیک اس معاملے کے برعکس ہے اور (ان کے نزدیک) دکھ اس کے انعام سے زیادہ محبت بخش ہے۔ اس دولتِ عظمیٰ کا مقدمہ محبوب کے ساتھ حسن ظن ہے، یہاں تک کہ اگر محبوب محبت کے گلے پر چاقو چلا دے اور اس کے ہر عضو کو اس کے دوسرے عضو سے جدا کر دے تو بھی محبت اس کو اپنی عین صلاح سمجھتا ہے اور اپنی بہتری تصور کرتا ہے اور جب اس حسن ظن کے حاصل ہونے کی وجہ سے محبوب کے فعل کی ناپسندیدگی محبت کی نظر سے اٹھ گئی تو وہ محبت ذاتی کی اس دولت سے جو کہ حبیب رب العالمین علیہ علی آلہ الصلوٰات والتسلیمات کے ساتھ مخصوص ہے اور تمام نسبتوں اور اعتبارات سے عاری ہے، مشرف ہو گیا اور اس نے محبوب کے دکھ میں اس کے انعام سے زیادہ لذت اور خوشی پائی۔ میں خیال کرتا ہوں کہ یہ مقام مقامِ رضا سے برتر ہے، کیونکہ رضا میں محبوب کے دکھ دینے والے فعل کی ناپسندیدگی دور ہو جاتی ہے اور یہاں اس فعل سے لذت حاصل ہوتی ہے۔ کیونکہ محبوب کی جانب سے جس قدر جفا بلند اور زیادہ ہو، محبت کی طرف میں اسی قدر خوشی اور سرور بہت زیادہ ہوتا ہے۔ شَتَّانَ مَا بَيْنَهُمَا۔ یعنی: ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔

جب محبوب محبت کی نظر میں، بلکہ نفس امر میں ہر وقت اور ہر حال میں محبوب ہے تو یقیناً محبوب ہر وقت اور ہر حال میں، بلکہ واقع اور نفس امر میں بھی اس کی نظر میں محمود اور مدوح ہوگا اور محبت دکھ اور انعام کے وقت میں اس کی حمد کرنے والا اور ثنا کرنے والا ہوگا۔ اس وقت اس محب صادق کے لیے درست ہوتا ہے کہ وہ صادق و صدوق بن کر کہے: الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ عَلَىٰ كُلِّ حَالٍ۔ یعنی: سب تعریفیں ہر حال میں سارے جہانوں کے رب کے لیے ہیں۔

اور اس طرح یہ محبت خوشی اور دکھ میں حقیقی طور پر اللہ سبحانہ کی حمد کرنے والوں میں سے ہو جاتا ہے۔

شاید حمد کو شکر پر اسی وجہ سے فضیلت ہے، کیونکہ شکر میں منعم کے انعام کا لحاظ ہوتا ہے جو صفت، بلکہ فعل کی جانب راجع ہوتا ہے اور حمد میں محمود (محبوب) کا حسن و جمال ملحوظ ہوتا ہے۔ برابر ہے خواہ وہ ذاتی ہو یا صفاتی ہو یا فعلی ہو، نیز برابر ہے خواہ وہ انعام ہو یا دکھ ہو۔ پس اللہ سبحانہ کا دکھ میں ذلنا، حق تعالیٰ کے انعام کی مانند حسن ہوتا ہے۔ لہذا حمد ثنائیں زیادہ بلیغ، حسن و جمال کے مراتب میں زیادہ جامع اور خوشی و غنی کی دونوں حالتوں میں زیادہ بقار کھنے والی ہے بخلاف شکر کے جو اپنے قصور کی وجہ

سے جلدی زائل ہونے والا ہے اور انعام کے زوال اور احسان کے نابود ہونے سے ختم اور معدوم ہونے والا ہے۔

سوال: تم نے اپنے بعض مکتوبات میں لکھا ہے کہ مقامِ رضا، مقامِ محبت اور مقامِ حب سے بالاتر ہے اور یہاں لکھ رہے ہیں کہ یہ مقامِ محبت، مقامِ رضا سے بالاتر ہے۔ ان دونوں باتوں کے درمیان مطابقت کیسے ہو سکتی ہے؟

جواب: یہ مقامِ محبت اور مقامِ حب اس مقامِ محبت اور مقامِ حب سے بالاتر ہے، کیونکہ وہ مقامِ اجمالی طور پر اور تفصیلی طور پر نسبتوں اور اعتبارات پر مشتمل ہے، اگرچہ اس محبت کو محبتِ ذاتی کہتے ہیں اور اس حب کو حبِ ذات تصور کرتے ہیں۔ کیونکہ وہاں شیون و اعتبارات کے ملاحظہ سے قطع نظر نہیں ہے۔ بخلاف اس مقام کے جو نسبتوں اور اضافات سے عاری ہے۔ جیسا کہ (اوپر) بیان ہوا ہے۔ لہذا جو بعض مکتوبات میں لکھا گیا ہے کہ مقامِ رضا سے بالاتر حضرت خاتم الرسل علیہ وعلیہم وعلی آل کل الصلوٰات والتسلیمات کے سوا کسی کے لیے قدم رکھنے کی کوئی جگہ نہیں۔ درحقیقت اس سے مراد وہی مقام ہے جو آنسور علیہ علی آلہ الصلوٰة والسلام کے ساتھ مخصوص ہے۔

وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ اَعْلَمُ بِحَقَائِقِ الْاُمُورِ كُلِّهَا۔ یعنی: اور اللہ سبحانہ ہی سب کاموں کے حقائق کو خوب جانتا ہے۔ جاننا چاہیے کہ ظاہر کی ناپسندیدگی باطن کی رضا کے منافی نہیں ہے اور صورت کی تلخی حقیقت کی حلاوت کی نفی نہیں کرتی۔ کیونکہ عارفِ کامل کے ظاہر اور (اس کی) صورت کو بشری صفات پر رکھا گیا ہے، تاکہ وہ اس کے کمالات کا پردہ بنیں اور ابتلا و آزمائش پیدا کریں اور وہ حق و باطل کے ساتھ ملارہے۔ عارفِ کامل کے اس ظاہر و صورت کو اس کے باطن و حقیقت کے ساتھ وہی نسبت دینی چاہیے جو لباس پہننے والا شخص کپڑے کے ساتھ رکھتا ہے اور معلوم ہے کہ کپڑا کو کپڑے پہننے والے شخص سے کتنی مناسبت ہے۔ یہی حال عارف کی صورت کا اس کی حقیقت کے مقابلے میں ہے۔ بے بصیرت لوگ (اس کو) پہاڑ کی مانند خیال کرتے ہیں اور حقائق سے خالی اپنی صورتوں کی طرح گمان کرتے ہیں۔ لہذا یقیناً انکار کے مقام میں آجاتے ہیں اور بد نصیبی کسب کرتے ہیں۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اتَّبَعَ الْهُدٰی (سورۃ طہ، ۴۷) وَالتَّزَمَ مُتَابِعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلٰیہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ۔ الصَّلٰوٰتِ وَالتَّسْلِيْمٰتِ الْعُلٰی۔

یعنی: جو شخص ہدایت کی بات مانے اور (حضرت محمد) مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی متابعت کو لازم پکڑے اُس کو سلامتی نصیب ہو اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آل (اطہار) پر عمدہ درود و سلام ہو۔

مکتوب نمبر (۳۴)

نور محمد تہاری کو تحریر فرمایا۔ ان کے عریضہ کے جواب میں جو انہوں نے احوال کے بارے میں لکھا تھا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ (سورۃ النمل، ۵۹)

یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اُس کے اُن بندوں پر سلام ہو جن کو اُس نے منتخب فرمایا۔

مکتوب شریف پہنچا۔ آپ نے احوال کے بارے میں جو لکھا تھا، اس سے آگاہی ہوئی۔

جاننا چاہیے کہ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ جس طرح عالم میں داخل نہیں ہے، اسی طرح عالم کے خارج میں بھی نہیں ہے اور جس طرح عالم سے منفصل نہیں ہے، اسی طرح عالم سے متصل بھی نہیں ہے۔ حق سبحانہ و تعالیٰ (موجود) ہے، لیکن دخول و

خروج اور اتصال و انفصال کی ساری صفات حق سبحانہ و تعالیٰ سے مسلوب ہیں۔ حق سبحانہ و تعالیٰ کو ان چار صفات سے خالی تلاش کرنا چاہیے اور حق سبحانہ و تعالیٰ کو ان صفات سے باہر پانا چاہیے۔ اگر ان صفات میں سے کسی رنگ کی آمیزش ہے تو ظلال و مثال کی گرفتاری حاصل ہے، بلکہ بے مثالی اور بے مثلی کی ایسی صفت جو ظلیت کی گرد تک نہ رکھتی ہو، اس سے حق سبحانہ و تعالیٰ کو طلب کرنا چاہیے اور اس مرتبہ کے ساتھ بے مثالی کا اتصال پیدا کرنا چاہیے۔ یہ دولت (شیخ کامل کی) صحبت کا نتیجہ ہے، کہنے اور لکھنے سے درست (بیان) نہیں ہوتی۔ اگر لکھی جائے تو کون سمجھے گا اور کون پائے گا؟

آپ اپنے کام میں سرگرم رہیں اور ملاقات کے وقت تک اپنے احوال کی کیفیات لکھتے رہیں۔ والسلام۔

مکتوب نمبر (۳۵)

پیر زادہ خواجہ محمد عبداللہ سلمہ اللہ تعالیٰ کو تحریر فرمایا۔ ان سوالات کے جواب میں جو انہوں نے توحید اور عین الیقین کے

بارے میں بطور خاص کیے تھے، نیز جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کا بیان)۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ. بَعْدَ الْحَمْدِ وَالصَّلٰوةِ وَتَبْلِغِ الدَّعَوَاتِ.

یعنی: شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تعریف کرنے اور نبی کریم صلی

اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجنے اور سلام و دعا پیش کرنے کے بعد۔

(فقیر) جناب مخدوم زادہ کے لیے واضح کرتا ہے کہ (آپ کا) مکتوب شریف پہنچا۔ اس کے مطالعہ سے بڑی خوشی حاصل ہوئی۔ نسبت حضور کے گھیر لینے اور اس کے غلبہ کے بارے میں لکھا گیا تھا۔ نیک اور مبارک ہے۔ یہ دولت جو آپ کو تین ماہ میں میسر ہو گئی ہے، دوسرے سلاسل میں اگر دس سال میں میسر ہو تو اسے نعمتِ عظمیٰ خیال کرتے ہیں اور عظیم کام تصور کرتے ہیں۔ اس نعمت کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ چونکہ فقیر جانتا ہے کہ آپ کی فطرت بلند ہے اور اس قسم کے احوال کی تحسین کرنا عُجَب کے شانہ سے مبرا ہے، (لہذا) اس نعمت کا اظہار کیا گیا ہے۔ نص قاطع ہے کہ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ. (سورۃ ابراہیم، ۷) یعنی: اگر تم شکر کرو گے تو میں تمہیں زیادہ دوں گا۔

آپ نے لکھا تھا کہ توحید کی ابتدا کا ظہور شروع ہو گیا ہے۔ یہ دولت بھی مبارک ہو۔ ادب سے اس کے درود کو قبول کریں، لیکن اس حال کے غلبہ میں شرعی آداب کی اچھی طرح رعایت فرمائیں اور بندگی کے حقوق کو مکمل نہ بجالائیں۔

جاننا چاہیے کہ یہ شعبہ صدق و محبت کے انداز پر محبوب کی محبت کے غلبہ کی بدولت ہے، کیونکہ محبت جو کچھ دیکھتا ہے اور جانتا ہے، محبوب کے سوانہ کچھ دیکھتا ہے اور نہ جانتا ہے اور جس سے بھی لذت و ذوق حاصل کرتا ہے، اس کو محبوب کی جانب منسوب کرتا ہے۔ اس صورت میں محبت کا مشہود کثرت ہے، لیکن وحدت کے عنوان سے۔ پس اس مقام میں فنا ثابت نہیں ہوتی، کیونکہ فنا میں واحد کے شہود کے غلبہ کی وجہ سے کثرت کا شہود بالکل رفع ہو جاتا ہے۔ اس کو بھی ممکنات کی کثرت کے عدم شہود کی نسبت سے فنا ہی کہا گیا ہے۔ حقیقی فنا اس وقت ثابت ہوتی ہے جب اسماء و صفات اور شیون و اعتبارات کی کثرت بھی کلی طور پر نظر سے مخفی ہو جائے اور ذاتِ مجرد تعالیٰ کی احدیت کے سوا کوئی چیز ملحوظ و منظور نہ رہے۔ سیر حقیقی کے پورا ہونے کی حقیقت اس جگہ جلوہ گر ہوتی ہے اور ظلال کی گرفتاری سے کلی طور پر رہائی کی صورت اس مقام میں بنتی ہے۔ اس وقت معاملہ اصل اصول

سے پڑتا ہے اور دال سے مدلول تک رسائی حاصل ہوتی ہے اور علم سے عین تک اور گوش سے آغوش تک عروج کیا جاتا ہے اور وصلِ عریاں ثابت ہو جاتا ہے اور اسی طرح اور ایسے ہی پھر اسی طرح اور ایسے ہی ہوتا رہتا ہے۔ جس کو رمز و اشارہ کے بغیر بیان نہیں کر سکتے اور وہ بھی مبہم انداز میں اور سرآستین میں چھپائے بغیر اس مقام کے بارے میں لب کشائی نہیں ہو سکتی۔

مخدوم زادہ (صاحب) ہم سے اس علم الیقین کا بیان طلب کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ وہ عین علم میں سما جائے۔ (یہ) مشکل کام ہے۔ (فقیر) کیا کرے اور کیا کہے؟ اور کس طرح واضح کرے اور کیسے عقل میں آنے کے قابل بنائے؟ مگر یہ کہ مخدوم زادہ (صاحب) ازراہِ کرم معذور رکھیں اور علم کی طلب سے حال کی طلب کی جانب مائل ہو جائیں۔ دو سوال جو مخدوم زادہ (صاحب) نے کیے ہیں، دونوں نے ان کی بلند فطرت کی خبر دی ہے۔ ایک سوال خاص انداز میں عین الیقین کے بیان سے تھا، جیسا کہ (اوپر) مذکور ہوا۔ اور دوسرا سوال متشابہاتِ قرآنی کی تاویل کے بیان میں تھا جس کا علم علمائے راسخین کو نصیب ہے۔ دوسرے سوال کا جواب پہلے سوال کے جواب سے بھی زیادہ دقیق ہے، نیز زیادہ پوشیدہ اور مخفی رکھنے کے لائق اور ظہور و اظہار کے منافی ہے۔

متشابہات کی تاویل کا علم ان معاملات سے کنایات ہیں جو انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کے ساتھ مخصوص ہیں اور اُمتوں میں سے بہت کم افراد کو تبعیت اور وراثت کے طور پر اس علم سے گھونٹ بھرا زانی کرتے ہیں اور اس دنیا میں ان کے جمال کا نقاب ان پر کھولتے ہیں، لیکن امید ہے جہانِ آخرت میں امتوں سے ایک جم غفیر بھی تبعیت کے طور پر اس دولت سے فیض یاب ہوگا۔ اس قدر سمجھ میں آتا ہے کہ اس دنیا میں بھی ان کم افراد کے علاوہ بعض دوسرے لوگوں کے لیے روا ہے کہ انہیں اس دولت سے مشرف فرمادیں، لیکن معاملے کی حقیقت کا علم نہ دیں اور تاویل کو منکشف نہ کریں۔ الغرض جائز ہے کہ ان بعض لوگوں کو متشابہات کی تاویل حاصل ہو، لیکن وہ نہ سمجھتے ہوں کہ انہیں کیا حاصل ہے؟ کیونکہ متشابہات جو معاملات سے کنایات ہیں، (ان کے بارے میں) روا ہے کہ معاملہ حاصل ہو اور اس معاملے کا علم میسر نہ ہو۔ فقیر نے اپنے وابستگان میں سے ایک شخص میں یہ چیز مشاہدہ کی ہے، دوسروں کی رسائی کہاں تک ہو سکتی ہے! آپ کے سوال نے اس معاملے کا امیدوار بنا دیا ہے۔

رَبَّنَا آتِنَا نُورَنَا وَاعْفِرْ لَنَا جِائِكَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ. (سورۃ تحریم، ۸)

یعنی: اے ہمارے پروردگار! ہمارا نور ہمارے لیے پورا کر اور ہمیں معاف فرما۔ بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے۔

والسلام۔

مکتوب نمبر (۳۶)

خواجہ محمد تقی کو تحریر فرمایا۔ امامت کی بحث اور مذہبِ اہل سنت و جماعت اور مخالفین کے مذہب کی حقیقت کے بیان میں۔ نیز اس بیان میں کہ اہل سنت و جماعت اعتدال پر ہیں اور اس افراط و تفریط کا بیان جس کو روافض اور خوارج نے اختیار کیا ہے۔ نیز آنسور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت کی مدح اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کا بیان)۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ. الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی. (سورۃ النمل، ۵۹) یعنی: شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔ سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اُس

کے اُن بندوں پر سلام ہو جن کو اُس نے منتخب فرمایا۔

(فقیر) واضح کرتا ہے کہ درویشوں کے ساتھ محبت اور ان کے ساتھ روابط اور الفت اور اس بلند گروہ کی باتوں کے سننے کی رغبت اور اس پاکیزہ طبقہ کی اوضاع و عادات کی جانب میلان رکھنا اللہ جل سلطانہ کی بڑی نعمتوں میں سے ہے اور حق تعالیٰ کی عظیم دولتوں میں سے ہے۔

مخبر صادق (حضرت محمد مصطفیٰ) علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ الْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ. ^(۱)

یعنی: آدمی اُس کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت کرتا ہے۔

پس ان (درویشوں) کا محب ان کے ساتھ ہے اور قرب کے حرم حریم میں ان کا طفیلی ہے۔ توفیق آثار سعادت اطوار میرے فرزند خواجہ شرف الدین حسین نے ظاہر کیا ہے کہ مختلف تعلقات کے باوجود یہ اچھے اوصاف آپ میں موجود ہیں اور یہ پسندیدہ معانی بیکار گرفتاریوں کے باوجود آپ میں جمع ہیں۔ لِلّٰہِ سُبْحَانَهُ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ عَلٰی ذٰلِكَ. یعنی: اُس پر اللہ سبحانہ کی حمد اور احسان ہے۔

آپ کی درستی و اصلاح ایک بڑی جماعت کی اصلاح کا موجب ہے اور آپ کی فلاح کثیر لوگوں کی فلاح کو لازم کرتی ہے۔ موصوف نے بیان کیا کہ آپ میری باتوں سے آگاہ ہیں اور نئے علوم کے سننے کی رغبت رکھتے ہیں۔ لہذا اگر چند کلمے جناب کی خدمت میں لکھے جائیں تو بہتر ہے۔ اس لیے التماس کرنے والے کی خواہش کے مطابق چند کلمات ہی لکھے گئے ہیں۔ چونکہ ان دنوں میں امامت کی بحث زیادہ بیان ہو رہی ہے اور ہر کوئی اس بارے میں (اپنے) گمان اور اندازے سے باتیں کر رہا ہے، لہذا ضرورت کے تحت اس بحث میں چند سطریں لکھی گئی ہیں اور مذہب اہل سنت و جماعت اور مخالفین کے مذاہب کی حقیقت بیان کی گئی ہے۔

شرافت اور بزرگی کے آثار والے! شیخین (حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما) اور ختنین (حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما) کی محبت اہل سنت و جماعت کی علامات میں سے ہے۔ شیخینؓ کی فضیلت جب ختنینؓ کی محبت کے ساتھ جمع ہو جائے تو (یہ) اہل سنت و جماعت کے خصائص میں سے ہے۔ شیخینؓ کی فضیلت صحابہ (کرامؓ) اور تابعین کے اجماع سے ثابت ہو چکی ہے۔ چنانچہ اکابر ائمہ نے اس کو نقل کیا ہے جن میں سے ایک (حضرت) امام شافعی (رحمۃ اللہ علیہ) ہیں۔ نیز شیخ ابوالحسن اشعری (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں کہ (حضرت) ابوبکر اور (حضرت) عمر (رضی اللہ عنہما) کا باقی امت سے افضل ہونا قطعی ہے اور حضرت امیر (علی رضی اللہ عنہ) سے تو اتر کے ساتھ ثابت ہو چکا ہے کہ آپ اپنی خلافت کے زمانے اور مملکت کے وقت میں اپنے لوگوں کے ایک جم غفیر کے سامنے یہ فرماتے تھے کہ (حضرت) ابوبکر اور (حضرت) عمر (رضی اللہ عنہما) اس وقت میں سب سے بہتر ہیں۔ جس طرح کہ امام ذہبی (رحمۃ اللہ علیہ) نے کہا ہے اور امام بخاری (رحمۃ اللہ علیہ) نے روایت کیا ہے کہ حضرت امیر (علی رضی اللہ عنہ) نے فرمایا ہے کہ نبی کریم علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد تمام لوگوں سے بہتر (حضرت) ابوبکر (رضی اللہ عنہ) ہیں، اس کے بعد (حضرت) عمر (رضی اللہ عنہ)، پھر ایک اور شخص۔ اس پر آپ (حضرت علی رضی اللہ عنہ) کے صاحبزادے (حضرت) محمد بن حنفیہ (رضی اللہ عنہ) نے کہا کہ پھر آپ ہیں؟ تو آپ (حضرت

علی رضی اللہ عنہ) نے فرمایا کہ میں تو مسلمانوں میں سے ایک شخص ہوں۔

الغرض شیخینؒ کی فضیلت ثقہ راویوں کی کثیر تعداد سے شہرت اور تواثر کی حد تک پہنچ چکی ہے۔ اس سے انکار یا تو جہالت کی وجہ سے ہے اور یا تعصب کی بنا پر ہے۔ چونکہ عبدالرزاق، جو اکابر شیعہ میں سے ہے، نے جب انکار کی مجال نہ پائی تو بے اختیار شیخینؒ کی فضیلت کا قائل ہو گیا اور کہہ اٹھا کہ جب (حضرت) علی (رضی اللہ عنہ) نے شیخینؒ کو خود اپنے اوپر فضیلت دی ہے تو میں بھی (حضرت علی رضی اللہ عنہ) کے ارشاد کے مطابق ان کو (حضرت) علی (رضی اللہ عنہ) پر فضیلت دیتا ہوں اور اگر (حضرت) علی (رضی اللہ عنہ) ان کو فضیلت نہ دیتے تو میں بھی ان کو فضیلت نہ دیتا۔ (یہ) گناہ ہے کہ میں (حضرت) علی (رضی اللہ عنہ) کی محبت کا دعویٰ کروں اور (پھر) ان کی مخالفت کروں۔

چونکہ حضراتِ ختین (حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما) کی خلافت کے زمانے میں فتنوں کا ظہور اور لوگوں کے کاموں میں خلل بہت زیادہ پیدا ہو گیا تھا اور لوگوں کے دلوں میں اس وجہ سے بید کدورت پیدا ہو گئی تھی اور مسلمانوں کے درمیان دشمنی اور کینہ غالب آ گیا تھا، لہذا ضرورت کے تحت ختین (حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما) کی محبت کو بھی اہل سنت و جماعت کی جملہ شرائط میں سے شمار کر لیا گیا، تاکہ کوئی اس راستے سے خیر البشر (حضرت محمد مصطفیٰ) علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ (کرامؓ) کے ساتھ بدگمانی پیدا نہ کرے اور نبی علیہم الصلوٰۃ والسلام کے جانشینوں کے ساتھ کوئی بغض اور عداوت حاصل نہ کرے۔ پس حضرت امیر (علی رضی اللہ عنہ) کی محبت اہل سنت و جماعت ہونے کی شرط قرار پائی اور جو شخص یہ محبت نہیں رکھتا، وہ اہل سنت و جماعت سے خارج ہو گیا اور جس شخص نے حضرت امیر (علی رضی اللہ عنہ) کی محبت میں افراط کا پہلو اختیار کیا اور جتنا چاہیے اس سے زیادہ کا قائل ہوا اور اس نے اس محبت میں غلو کیا اور خیر البشر علیہم الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ (کرامؓ) پر سب و شتم کرنے میں زبان کھولی اور صحابہ (کرامؓ)، تابعین اور سلف صالحین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا طریقہ ترک کر دیا، اس کا نام رافضی ہو گیا۔

پس اہل سنت حضرت امیر (علی رضی اللہ عنہ) کی محبت میں اس افراط و تفریط سے، جو روافض اور خوارج نے اختیار کی ہے، میانہ روی میں اور (اس بات میں) شک نہیں کہ حق میانہ روی میں ہے اور افراط و تفریط دونوں مذموم ہیں۔

چنانچہ (حضرت) امام احمد بن حنبل (رحمۃ اللہ علیہ) نے حضرت امیر (علی رضی اللہ عنہ) سے روایت کی ہے کہ آپ نے کہا کہ حضرت نبی کریم علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اے علیؓ! تم میں حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کی ایک مشابہت ہے، یہود جن کے ساتھ دشمنی رکھتے تھے، یہاں تک کہ انہوں نے ان کی والدہ پر بہتان لگایا اور نصاریٰ ان کے دوست ہوئے، اور وہ ان کو اس مرتبے پر لے آئے جس کے وہ لائق نہیں تھے۔ یعنی انہوں نے ان (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کو اللہ کا بیٹا کہا۔ اس کے بعد حضرت امیر (علی رضی اللہ عنہ) نے فرمایا: ”دو آدمی میرے معاملے میں ہلاک ہوں گے۔ ایک وہ شخص جو میری محبت میں حد سے بڑھ جائے اور جو چیز مجھ میں نہیں ہے وہ میرے لیے ثابت کرے، اور دوسرا وہ شخص جو میرے ساتھ دشمنی رکھے اور عداوت کی وجہ سے مجھ پر بہتان لگائے۔“

اس طرح آپ (حضرت علی رضی اللہ عنہ) نے خوارج کے حال کو یہود کے حال کے، اور روافض کے حال کو نصاریٰ

کے حال کے مشابہ فرمایا ہے، کیونکہ (یہ) دونوں میانہ روی کی حد سے دور جا پڑے ہیں۔ بڑا ہی جاہل ہے وہ شخص جو اہل سنت و جماعت کو حضرت امیر (علی رضی اللہ عنہ) کے محبوں میں سے نہ سمجھے اور (حضرت) امیر (علی رضی اللہ عنہ) کی محبت کو رافضی کے ساتھ مخصوص رکھے۔ (حضرت) امیر (علی رضی اللہ عنہ) کی محبت رافضی نہیں ہے، (بلکہ) خلفائے ثلاثہ سے تبرازی اور صحابہ کرامؓ سے بیزاری (کا اظہار کرنا) مذموم اور قابلِ ملامت ہے۔ (حضرت) امام شافعی (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں:

لَوْ كَانَ رَفُضًا حُبُّ آلِ مُحَمَّدٍ فَلَيْشُ هَدَى الثَّقَلَانِ إِنِّي رَافِضٌ

ترجمہ: اگر آل محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی محبت رافضی ہے تو پھر جن و انس گواہ رہیں کہ میں رافضی ہوں۔

یعنی: آل محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی محبت رافضی نہیں ہے جیسا کہ لوگ گمان کرتے ہیں اور اگر اسی محبت کو رافضی کہتے ہیں تو پھر رافضی مذموم نہیں ہے، کیونکہ رافضی کا بُرا ہونا دوسروں پر تبرازی کرنے کی وجہ سے ہے، ان (اہل بیتِ عظامؓ) کی محبت کی وجہ سے نہیں ہے۔ اس طرح نبی کریم علیہم الصلوٰات والتسلیمات کے اہل بیتؓ کے محبت اہل سنت ہیں اور درحقیقت اہل بیتؓ کا گروہ بھی یہی لوگ ہیں۔ شیعہ جو نبی کریم علیہم الصلوٰات والتسلیمات کے اہل بیتؓ کی محبت کا دعویٰ کرتے ہیں اور خود کو اہل بیتؓ کا گروہ بناتے ہیں، اگر وہ اہل بیتؓ کی محبت پر ہی اکتفا کریں اور دوسروں (صحابہ کرامؓ) پر تبرازی نہ کریں اور نبی کریم علیہم الصلوٰہ والسلام کے تمام صحابہ (کرامؓ) کی تعظیم و توقیر بجالائیں اور ان کے جھگڑوں کو نیک نیتی پر محمول کریں تو اہل سنت میں داخل ہیں اور خوارج و رافضی سے باہر ہیں۔ کیونکہ اہل بیتؓ کی محبت نہ ہونا خروج ہے اور صحابہ (کرامؓ) پر تبریزی بازی کرنا رافضی ہے اور اہل بیتؓ کی محبت تمام صحابہ کرامؓ کی تعظیم و توقیر کے ساتھ رکھنا ہی تسنن (سُنی) ہونا ہے۔

الغرض خروج اور رافضی کی بنیاد نبی کریم علیہم الصلوٰات والتسلیمات کے صحابہ (کرامؓ) کے بغض پر ہے اور تسنن (سُنی ہونے) کی بنیاد آنحضرت علیہم الصلوٰات والتسلیمات کے صحابہ (کرامؓ) کی محبت پر ہے۔ عقلمند صاحب انصاف صحابہ (کرامؓ) کے بغض کو ان کی محبت پر ہرگز اختیار نہیں کرے گا اور وہ نبی کریم علیہم الصلوٰات والتسلیمات کی دوستی کی وجہ سے سب کو دوست رکھے گا۔ آنحضرت علیہم الصلوٰہ والسلام نے فرمایا ہے کہ: مَنْ أَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّي أَحَبَّهُمْ وَمَنْ أَبْغَضَهُمْ فَبِإِبْغَاضِي أَبْغَضَهُمْ^(۲)۔ یعنی: پس جس نے ان سے محبت کی تو اُس نے میرے ساتھ محبت کی بنا پر اُن سے محبت کی، اور جس نے اُن سے دشمنی کی تو اُس نے میرے ساتھ دشمنی کی بنا پر اُن سے دشمنی کی۔

اب ہم اصل بات کی جانب آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اہل سنت کے بارے میں اہل بیتؓ کی محبت نہ رکھنے کا گمان کس طرح کیا جاسکتا ہے، جبکہ یہ محبت ان بزرگواروں کے نزدیک ایمان کا جزو ہے اور انہوں نے خاتمہ بالخیر کو اس محبت کی پختگی سے وابستہ کیا ہے۔ اس فقیر کے والد بزرگوار جو علم ظاہر اور علم باطن کے عالم تھے، اکثر اوقات میں اہل بیتؓ کی محبت کی ترغیب فرمایا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ اس محبت کو سلامتی خاتمہ میں ایک عظیم دخل ہے۔ اس کی خوب رعایت کرنی چاہیے۔ ان کی مرض موت میں یہ فقیر حاضر تھا۔ جب ان کا معاملہ آخر کو پہنچا اور اس دنیا کا شعور کم رہ گیا تو فقیر نے اس وقت میں انہیں ان کی (یہ) بات یاد دلائی اور اس محبت کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے اس بیخودی میں فرمایا کہ ”میں اہل بیتؓ کی محبت میں

غرق ہوں۔“ اس وقت عزوجل کا شکر بجالایا گیا۔

اس طرح اہل بیتؑ کی محبت اہل سنت کا سرمایہ ہے۔ مخالفین اس صورت سے بے خبر ہیں اور ان کی معتدل محبت سے نا آگاہ ہیں۔ (مخالف لوگوں نے) خود ہی افراط کے پہلو کو اختیار کر رکھا ہے اور افراط کے علاوہ (محبت) کو تفریط خیال کرتے ہوئے خروج کا حکم لگا دیا ہے اور (اس کو) خوارج کا مذہب سمجھ لیا ہے۔ وہ نہیں سمجھ سکے کہ افراط و تفریط کے درمیان ایک حد اعتدال ہے جو حق (سچائی) کا مرکز ہے اور صدق کا مقام ہے، جو اہل سنت شکر اللہ تعالیٰ سَعِیْہُمْ (اللہ تعالیٰ ان کی کوشش کو مشکور فرمائے) کو نصیب ہو گیا ہے۔

عجیب بات ہے کہ خارجیوں کو اہل سنت نے قتل کیا ہے اور اہل بیتؑ کے (ان) دشمنوں کی بیخ کنی بھی انہوں نے کی ہے۔ اس زمانے میں روافض کا نام و نشان تک نہیں تھا اور اگر تھا تو وہ نہ ہونے کے درجہ میں تھا۔ مگر (یہ لوگ) اپنے فاسد گمان سے اہل بیتؑ کے کھین کو رافضی تصور کرتے ہیں اور اہل سنت کو روافض کہتے ہیں۔

عجیب معاملہ ہے کہ کبھی اہل سنت کو خوارج میں شمار کرتے ہیں جو محبت میں افراط نہیں رکھتے اور کبھی ان بزرگواروں میں نفسِ محبت محسوس کرتے ہوئے بھی ان کو روافض سمجھتے ہیں۔ لہذا یہی وہ لوگ ہیں جو اپنی جہالت کی وجہ سے اہل سنت کے اولیائے عظام، جو اہل بیتؑ کی محبت کا دم بھرتے ہیں اور آلِ محمد علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کی حب کا اظہار کرتے ہیں، کو رافضی خیال کرتے ہیں اور اہل سنت کے بہت سے علمائے کرام، جو اس محبت کی افراط سے منع کرتے ہیں اور حضراتِ خلفائے ثلاثہؑ کی تعظیم و توقیر میں کوشش کرتے ہیں، کو خارجی سمجھتے ہیں۔ افسوس! ان کی اس نامناسب جرأت پر ہزار (بار) افسوس! اَعَاذَنَا اللّٰهُ سُبْحَانَهُ مِنْ اِفْرَاطٍ تِلْكَ الْمُحِبَّةِ وَمِنْ تَفْرِیطِهَا۔

یعنی: اس محبت کی افراط و تفریط سے ہم اللہ سبحانہ کی پناہ طلب کرتے ہیں۔

(یہ) افراطِ محبت ہی تو ہے کہ انہوں نے خلفائے ثلاثہؑ اور ان کے علاوہ دوسرے صحابہ (کرامؓ) پر تبرئی کرنے کو (حضرت) امیر (علی رضی اللہ عنہ) کی محبت کی شرط بنا رکھا ہے۔

انصاف کرنا چاہیے کہ یہ کیسی محبت ہے جس کے حاصل ہونے کی شرط نبی کریم علیہم الصلوٰۃ والسلام کے جانشینوں سے بیزاری اور خیر البشر علیہم الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ (کرامؓ) پر سب اور طعن کرنا ہے۔ اہل سنت کا گناہ یہی ہے کہ وہ اہل بیتؑ کی محبت کے ساتھ آنسور علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے تمام صحابہ (کرامؓ) کی تعظیم و توقیر کرتے ہیں اور ان میں سے کسی ایک کو بھی ان کے باہمی جھگڑوں اور مخالفتوں کے باوجود برائی سے یا نہیں کرتے اور نبی کریم علیہم الصلوٰۃ والسلام کی صحبت کی تعظیم اور آنحضرت علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مصاحبین کی تکریم کی وجہ سے ان سب کو ہوا اور تعصب سے دور رکھتے ہیں۔ اس کے ساتھ وہ حق والے کو حق پر اور غلطی والے کو غلطی پر کہتے ہیں لیکن ان کی غلطی کو ہوا اور ہوس سے دور رکھتے ہیں اور اس چیز کو رائے اور اجتہاد کے حوالے کرتے ہیں۔ روافض اہل سنت سے تب خوش ہوں گے جب اہل سنت بھی ان کی طرح دوسرے صحابہ (کرامؓ) پر تبرئی بازی کریں اور ان اکابر دین سے بدگمان ہو جائیں، جیسا کہ خوارج کی خوشنودی اہل بیتؑ کی عداوت اور آلِ محمد علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات والبرکات کے بغض رکھنے سے وابستہ ہے۔ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ اِذْ

هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً ۖ إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ. (سورۃ آل عمران، ۸۰)

یعنی: اے ہمارے پروردگار! جب تو نے ہمیں ہدایت بخشی ہے تو اس کے بعد ہمارے دلوں میں کجی نہ پیدا کرنا اور ہمیں اپنے ہاں سے نعمت عطا فرما، تو تو بڑا عطا فرمانے والا ہے۔

اہل سنت کے اکابر شکر اللہ تعالیٰ سَعِيْهِمْ (اللہ تعالیٰ ان کی کوشش کو مشکور فرمائے) کے نزدیک نبی کریم علیہ وسلم الصلوات والتسلیمات کے صحابہ (کرامؓ) آپس میں جھگڑوں اور لڑائیوں کے وقت تین گروہ تھے۔ ایک جماعت کے لوگوں نے دلیل واجتہاد سے حقیقت کو (حضرت) امیر (علی رضی اللہ عنہ) کی جانب معلوم کر لیا تھا اور دوسری جماعت کے لوگوں نے بھی دلیل واجتہاد سے حقیقت کو دوسری طرف پالیا تھا اور تیسرے گروہ کے لوگ متوقف تھے اور انہوں نے کسی جانب کو بھی دلیل سے ترجیح نہ دی۔ اس طرح پہلے گروہ پر (حضرت) امیر (علی رضی اللہ عنہ) کی مدد کرنا واجب ہوا جو ان کے اجتہاد کے موافق ہے اور دوسرے گروہ پر (حضرت) امیر (علی رضی اللہ عنہ) کے مخالف جانب کی مدد کرنا لازم ہوا جو ان کے اجتہاد کا تقاضا ہے۔ اور تیسرے گروہ پر توقف کرنا لازم ہوا اور کسی ایک طرف کو دوسرے پر ترجیح دینا خطا ٹھہرا۔ پس تینوں گروہوں نے اپنے اجتہاد کی رُو سے عمل کیا اور جو چیز ان پر لازم اور واجب تھی، اسے بجالائے۔ اس طرح ملامت کی کیا گنجائش ہے؟ اور طعنہ زنی کیسے مناسب ہوئی؟

(حضرت) امام شافعی (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں اور یہ عمر بن عبدالعزیز (رحمۃ اللہ علیہ) سے بھی منقول ہے: تِلْكَ دِمَاءٌ طَهَّرَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا أَيْدِيَنَا فَلْنُطَهِّرْ عَنْهَا أَلْسِنَتَنَا. یعنی: یہ وہ خون ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے ہمارے ہاتھوں کو پاک رکھا۔ پس ہمیں ان سے اپنی زبانوں کو بھی پاک رکھنا چاہیے۔

اس عبارت سے مفہوم ہوتا ہے کہ کسی ایک کے حق پر ہونے اور دوسرے کے خطا پر ہونے کے بارے میں بھی لب کشائی نہیں کرنی چاہیے۔ سب کو نیکی کے ساتھ یاد کرنا چاہیے۔ اسی طرح حدیث نبوی علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام میں آیا ہے کہ: إِذَا ذُكِرَ أَصْحَابِيْ فَأَمْسِكُوا. (۳) ترجمہ: جب میرے صحابہ (کے اختلاف) کا ذکر ہو تو خاموشی اختیار کرو۔

یعنی: جب میرے صحابہ کا ذکر آئے اور ان کے جھگڑوں کا تذکرہ کیا جائے تو تم خود کو محتاط رکھو اور ایک کو دوسرے پر ترجیح

ندو۔

لیکن جمہور اہل سنت اس دلیل سے جو ان پر ظاہر ہوئی ہے، اس بات پر ہیں کہ (حضرت) امیر (علی رضی اللہ عنہ) حق پر تھے اور آپ کے مخالف خطا پر تھے، لیکن یہ خطا چونکہ خطائے اجتہادی ہے، لہذا ملامت و طعن سے دور ہے اور تشنیع و تحقیر سے پاک و مبرا ہے۔ حضرت امیر (علی رضی اللہ عنہ) سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا ہے: ”ہمارے بھائیوں نے ہم سے بغاوت کی، وہ نہ کافر ہیں اور نہ فاسق۔ کیونکہ ان کے پاس ایک تاویل ہے جو ان کو کفر اور فسق سے بچاتی ہے۔“ پس اہل سنت اور روافض دونوں (حضرت) امیر (علی رضی اللہ عنہ) کے ساتھ لڑنے والوں کو خطا پر سمجھتے ہیں اور دونوں (حضرت) امیر (علی رضی اللہ عنہ) کے حق پر ہونے کے قائل ہیں، لیکن اہل سنت لفظ خطا کے اطلاق سے زیادہ، جو کہ تاویل پر مبنی ہے، (حضرت) امیر (علی رضی اللہ عنہ) کے ساتھ لڑنے والوں کے بارے میں کچھ تجویز نہیں کرتے اور زبان کو ان پر طعن و تشنیع کرنے سے

محفوظ رکھتے ہیں اور خیر البشر علیہ وعلیہم الصلوٰت والتسلیمات کی صحبت کے حق کی حفاظت کرتے ہیں، کیونکہ آنسور علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے: **اَللّٰهُ اَللّٰهُ فِیْ اَصْحَابِیْ لَا تَتَّخِذُوْهُمْ غَرَضًا بَعْدِیْ**۔^(۴)

یعنی: اللہ جل شانہ سے ڈرو، اللہ جل سلطانہ سے ڈرو! میرے صحابہ کے بارے میں (تاکید کے لیے یہ کلمہ تکرار سے فرمایا) میرے صحابہ کو اپنی ملامت کے تیر کا نشانہ مت بناؤ۔

نیز آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا ہے: **اَصْحَابِیْ کَالنَّجْمِ بِاَیِّهِمْ اُفْتَدِیْتُمْ اِهْتَدِیْتُمْ**۔^(۵)

یعنی: میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں، تم ان میں سے جس کسی کی پیروی کرو گے، ہدایت پاؤ گے۔

بہت سی اور حدیثیں بھی سب صحابہ (کرامؓ) کی تعظیم و توقیر کے بارے میں مروی ہیں۔ پس سب کو معزز اور مکرم رکھنا چاہیے اور ان کی لغزشوں کو نیک نیتی پر محمول کرنا چاہیے۔ یہ ہندو مذہب اہل سنت اس مسئلے میں۔ اور روافض اس بارے میں غلو کرتے ہیں اور (حضرت) امیر (علی رضی اللہ عنہ) کے ساتھ لڑنے والوں کی تکفیر کرتے ہیں اور ان پر ہر طرح کی طعن اور ہر قسم کی دشنام سے اپنی زبانوں کو آلودہ کرتے ہیں۔ اگر مقصد (حضرت) امیر (علی رضی اللہ عنہ) کے حق پر ہونے کو ظاہر کرنا ہے اور آپ کے ساتھ لڑنے والوں کی خطا کا اظہار ہے تو پھر جو کچھ اہل سنت نے اختیار کیا ہے، وہی کافی ہے اور وہ عدالت و اعتدال کی حد پر ہے۔ اکابر دین پر سب طعن کرنا دیانت و دینداری سے دور ہے، جس کو روافض نے اختیار کر لیا ہے اور انہوں نے نبی کریم علیہ وعلیہم الصلوٰت والتسلیمات کے صحابہ (کرامؓ) کو دشنام دینا اپنا دین و ایمان تصور کر رکھا ہے۔ (یہ) عجیب دین ہے کہ نبی کریم علیہ وعلیہم الصلوٰت والتسلیمات کے جانشینوں کو گالی دینا اس کا جزو اعظم ہے۔

بدعتیوں کے جن گروہوں نے بھی بدعتیں اختیار کی ہیں اور اہل سنت سے جدا ہو گئے ہیں، ان تمام گروہوں کے درمیان خوارج اور روافض معاملے سے دور ہیں اور حق سے بعید جا پڑے ہیں۔ وہ جماعت جس کے لوگ اکابر دین پر سب طعن کو اپنے ایمان کا جزو اعظم تصور کریں، انہیں حق سے کیا نصیب ہوگا۔ رافضیوں کے بارہ فرقے ہیں، سب نبی کریم علیہ وعلیہم الصلوٰت والتسلیمات کے صحابہ (کرامؓ) کی تکفیر کرتے ہیں اور خلفائے راشدین کو گالی دینا عبادت سمجھتے ہیں۔ اس جماعت کے لوگ اپنے اوپر لفظ رُفُض کے اطلاق سے کنارہ کرتے ہیں اور روافض اپنے علاوہ (دوسروں) کو سمجھتے ہیں، کیونکہ احادیث میں رافضیوں کے بارے میں بہت زیادہ وعیدیں آئی ہیں۔ کاش کہ یہ لوگ رُفُض کے معنی سے بھی پرہیز کرتے اور نبی کریم علیہ وعلیہم الصلوٰت والتسلیمات کے صحابہ (کرامؓ) پر تبریٰ بازی نہ کرتے۔ ہندوستان کے ہندو بھی خود کو ہندو کہلاتے ہیں اور لفظ کفر سے کنارہ کرتے ہیں اور خود کو کافر نہیں سمجھتے اور وہ دارالحرب میں رہنے والوں کو کافر خیال کرتے ہیں۔ انہوں نے غلط سمجھ رکھا ہے۔ دونوں کافروں کی قسمیں ہیں اور کفر کی حقیقت ان پر ثابت ہے۔

شاید ان لوگوں نے نبی کریم علیہ وعلیہم الصلوٰت والتسلیمات کے اہل بیتؑ کو اپنی طرح تصور کر رکھا ہے اور ان کو بھی (حضرت) ابوبکر (رضی اللہ عنہ) اور (حضرت) عمر (رضی اللہ عنہ) کا دشمن خیال کر لیا ہے اور اس جماعت کے لوگوں نے تقیہ جو یہ کرتے ہیں، کی رو سے اکابر اہل بیتؑ کو منافق اور دغا باز گمان کر لیا ہے اور حکم کر رکھا ہے کہ حضرت امیر (علی رضی اللہ عنہ) نے تقیہ کے مطابق تیس سال تک خلفائے ثلاثہ سے منافقانہ طور پر صحبت رکھی ہے اور ناحق ان کی تعظیم و توقیر کی ہے۔

عجیب معاملہ ہے! اگر نبی کریم علیہم الصلوٰات والتسلیمات کے اہل بیتؑ کی محبت، محبت رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی وجہ سے ہے تو پھر ان کو رسول (اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے دشمنوں کا دشمن بھی ہونا چاہیے اور وہ اہل بیتؑ کے دشمنوں سے زیادہ ان پر سب و لعن کریں۔ ابو جہل جو نبی کریم علیہ علی آلہ الصلوٰات والتحیات کا دشمن ہے اور اس نے طرح طرح کی اذیتیں اور بیشمار تکلیفیں آنسو و علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کو پہنچائی ہیں، ہرگز کسی نے اس جماعت کے لوگوں سے نہیں سنا ہے کہ انہوں نے اس کو سب و لعن کیا ہو اور اس کی برائی میں زبان کھولی ہو۔ (حضرت) ابو بکر صدیق (رضی اللہ عنہ)، جو رسول اللہ علیہ علی آلہ الصلوٰات والتحیات کے ہاں مردوں میں سب سے زیادہ محبوب آدمی ہیں، کو یہ لوگ اپنے فاسد گمان سے اہل بیتؑ کا دشمن تصور کرتے ہوئے ان پر سب و طعن کرنے میں زبان درازی کرتے ہیں اور نامناسب امور ان کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ یہ کیسی دیانت اور دین داری ہے؟ اللہ جل شانہ نہ کرے کہ (حضرت) ابو بکر (رضی اللہ عنہ) اور (حضرت) عمر (رضی اللہ عنہ) اور باقی صحابہ کرامؓ رسول کریم علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اہل بیتؑ کے دشمن ہوں اور وہ آل محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ بغض اور دشمنی رکھیں۔ کاش کہ یہ بے انصاف، اہل بیتؑ کے دشمنوں کو دشنام دیتے اور اکابر صحابہؓ کے ناموں کا تعین نہ کرتے اور بزرگان دین سے بدگمانی پیدا نہ کرتے تو تب اس بارے میں ان کی اہل سنت کے ساتھ مخالفت ختم ہو جاتی ہے، کیونکہ اہل سنت بھی اہل بیتؑ کے دشمنوں کے دشمن ہیں اور ان پر طعن و تشنیع کے قائل ہیں۔

اہل سنت کی یہ خوبی ہے کہ وہ کسی معین شخص کو جو کئی قسموں کے کفر میں مبتلا ہو، اسلام اور توبہ کے احتمال سے جہنمی نہیں کہتے اور اس پر لعن کا اطلاق تجویز نہیں کرتے، جبکہ کافروں پر عام طور پر لعنت جائز سمجھتے ہیں، لیکن کسی معین کافر پر لعنت نہیں کرتے جب تک کہ قطعی دلیل سے اس کا سوئے خاتمہ معلوم نہ ہو جائے اور وافض بے تحاشا (حضرت) ابو بکر اور (حضرت) عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر لعن کرتے ہیں اور اکابر صحابہؓ پر سب و طعن کرتے ہیں۔ ھَذَا هُمْ اللّٰهُ سُبْحَانَهُ سِوَاَ الصِّرَاطِ۔
یعنی: اللہ سبحانہ ان کو سیدھے راستے کی ہدایت بخشے۔

اس بحث میں دو مقام پر اہل سنت اور مخالفین کے درمیان بہت بڑا اختلاف ہے۔ پہلا مقام یہ ہے کہ اہل سنت خلفائے اربعہ کی خلافت کے حق ہونے کے قائل ہیں اور چاروں کو برحق سمجھتے ہیں، کیونکہ صحیح حدیث میں آیا ہے جو غیبی خبروں میں سے ہے کہ: **الْخِلَافَةُ بَعْدِي ثَلَاثُونَ سَنَةً**۔^(۶)
یعنی: میرے بعد خلافت تیس سال ہوگی۔

اور یہ مدت حضرت امیر (علی رضی اللہ عنہ) کی خلافت پر پوری ہوتی ہے۔ پس اس حدیث کا مصداق چاروں خلفاء ہیں اور (ان کی) خلافت کی ترتیب برحق ہے اور مخالفین خلفائے ثلاثہ کی خلافت کے حق ہونے سے انکار کرتے ہیں اور ان کی خلافت کو غصب و غلبہ کے ساتھ منسوب کرتے ہیں اور (حضرت) امیر (علی رضی اللہ عنہ) کے سوا کسی کو امام برحق نہیں سمجھتے اور (حضرت) امیر (علی رضی اللہ عنہ) نے جو بیعت تینوں خلفاء سے کی تھی (اس کو) تقیہ پر محمول کرتے ہیں اور خیر الانام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ کرامؓ کے درمیان (رہنے والی) صحبت کو منافقت خیال کرتے ہیں اور ان کے باہمی حسن سلوک کو مکرو فریب تصور کرتے ہیں، کیونکہ ان کے گمان کے مطابق (حضرت) امیر (علی رضی اللہ عنہ) کے چاہنے والے آپ کے

مخالفین کے ساتھ یقیناً تقیہ کے طور پر منافقانہ صحبت رکھتے تھے اور جو کچھ ان کے دلوں میں ہوتا تھا، اس کے خلاف اپنی زبان سے ظاہر کرتے تھے اور مخالفین بھی چونکہ ان کے گمان میں (حضرت) امیر (علی رضی اللہ عنہ) کے دشمن اور (حضرت) امیر (رضی اللہ عنہ) کے دوستوں کے دشمن تھے، (لہذا) وہ ان کے ساتھ منافقانہ دوستی رکھتے تھے اور دشمنی کو دوستی (کے رنگ) میں ظاہر کرتے تھے۔ پس ان (روافض) کے گمان میں نبی کریم علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے تمام صحابہ (کرامؓ) منافق اور فریبی تھے اور ان کے باطن میں جو کچھ ہوتا تھا، اس کے برعکس ظاہر کرتے تھے۔ لہذا چاہیے کہ ان کے نزدیک امت کے بدترین لوگ صحابہ کرامؓ ہوں اور سب صحبتوں میں بدترین صحبت خیر البشر علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی ہو، جس سے یہ برے اخلاق جاری ہوئے اور تمام زمانوں میں برا زمانہ صحابہ (کرامؓ) کا ہوا جو منافقت و دشمنی اور بغض و کینہ سے پُر تھا اور جبکہ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ اپنے کلام مجید میں ان کے بارے میں فرماتا ہے کہ: رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ. (سورۃ فتح، ۲۹) یعنی: آپس میں رحم دل ہیں۔

أَعَاذَنَا اللَّهُ سُبْحَانَهُ عَنْ مُعْتَقَدَاتِهِمُ السُّوَاءِ. یعنی: اللہ سبحانہ ہمیں ان لوگوں کے برے عقائد سے بچائے۔ جب (یہ لوگ) اس امت کے سابقین (صحابہ کرامؓ) کو ان برے اخلاق سے متصف کرتے ہیں تو متاخرین میں کیا بھلائی پائیں گے۔ اس گروہ کے لوگوں نے شاید ان آیات قرآنی اور احادیث نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کو، جو خیر البشر علیہم الصلوٰۃ والسلام کی صحبت کی فضیلت اور آنحضرت علیہم الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ کرامؓ کی افضلیت اور اس امت کی خیریت (برتری) میں وارد ہوئی ہیں، نہیں دیکھا اور یاد کیا ہے اور ان پر ایمان نہیں رکھتے۔ قرآن اور احادیث صحابہ کرامؓ کی تبلیغ سے ہم تک پہنچے ہیں۔ جب صحابہ (کرامؓ) مطعون ہوں گے (یعنی ان پر طعنہ زنی کی جائے گی) تو پھر جو دین ان کے ذریعے ہم تک پہنچا ہے، وہ بھی مطعون ہوگا۔ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ سُبْحَانَهُ مِنْ ذٰلِكَ. یعنی: ہم اس سے بچنے کے لیے اللہ سبحانہ کی پناہ مانگتے ہیں۔

اس گروہ کا مقصود شاید دین کو باطل قرار دینا ہے اور آنحضرت علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی شریعت کا انکار ہے۔ وہ ظاہر میں رسول (کریم صلی اللہ علیہ وسلم) کے اہل بیتؑ سے محبت کرتے ہیں اور حقیقت میں آنحضرت علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی شریعت کو باطل قرار دیتے ہیں۔ کاش کہ وہ (حضرت) امیر (علی رضی اللہ عنہ) اور (حضرت) امیر (علی رضی اللہ عنہ) کے ساتھیوں کو ثابت شدہ سمجھ کر قبول کرتے اور ان کو تقیہ کے داغ سے، جو اہل مکر اور نفاق کی صفات میں سے ہے، داغدار نہ بناتے۔ (حضرت) امیر (علی رضی اللہ عنہ) کے موافقین اور یا آپ کے مخالفین میں سے جو لوگ تیس سال تک آپس میں منافقانہ صحبت رکھتے ہیں اور مکر و فریب سے زندگی گزارتے ہیں، ان میں کیا خیریت (فضیلت) ہوگی؟ اور یہ کس طرح اعتماد کے لائق ہوں گے؟ اور یہ لوگ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو طعن کرتے ہیں، نہیں سمجھتے کہ ان پر طعن کرنے سے نصف احکام شرعیہ مطعون ہو جاتے ہیں، کیونکہ علمائے مجتہدین نے فرمایا ہے کہ احکام میں تین ہزار احادیث وارد ہوئی ہیں، یعنی تین ہزار احکام سنت سے ثابت ہوئے ہیں۔ ان تین ہزار میں سے پندرہ سو (حضرت) ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) کی روایت سے ثابت ہوئے ہیں۔ لہذا ان (حضرت) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ) پر طعن کرنا نصف احکام شرعیہ پر طعن کرنا ہوا۔ (حضرت) امام

بخاری (رحمۃ اللہ علیہ) کہتے ہیں کہ (حضرت) ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت کرنے والے صحابہ کرامؓ اور تابعین آٹھ سو سے زیادہ ہیں۔ ان میں سے ایک (حضرت عبداللہ) ابن عباس (رضی اللہ عنہ) ہیں اور (حضرت عبداللہ) ابن عمر (رضی اللہ عنہ) بھی ان سے روایت کرتے ہیں اور اسی طرح (حضرت) جابر ابن عبداللہ (رضی اللہ عنہ) اور (حضرت) انس ابن مالک (رضی اللہ عنہ) بھی ان سے روایت کرنے والوں میں سے ہیں۔ یہ لوگ جو حدیث (حضرت) ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) کے طعن میں (حضرت) امیر (علی رضی اللہ عنہ) سے نقل کرتے ہیں، وہ سراسر جھوٹ اور بہتان ہے، جیسا کہ علماء نے اس کی تحقیق فرمائی ہے اور جس حدیث میں آنسر و علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے (حضرت) ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) کے فہم علم کے لیے دعا فرمائی ہے، یہ علماء میں معروف و مشہور ہے:

قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ حَضَرْتُ مَجْلِسًا لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَنْ يَسْطُ مِنْكُمْ رَدَّائِهِ حَتَّى أَفِيضَ فِيهِ مَقَالَتِي فَيَضُمُّهَا إِلَيْهِ ثُمَّ لَا يَنْسَاهَا فَبَسَطْتُ بُرْدَةً كَانَتْ عَلَى فَاَفَاضَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ مَقَالَتَهُ فَضَمَمْتُهَا إِلَى صَدْرِي فَمَا نَسِيتُ بَعْدَ ذَلِكَ شَيْئًا. (۷)

یعنی: (حضرت) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں حاضر ہوا تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ تم میں سے کون ہے جو اپنی چادر بچھائے، تاکہ میں اس میں اپنے کلام کا فیض بھر دوں۔ پھر وہ اس کو اپنے بدن سے لگا لے تو اسے کوئی چیز نہیں بھولے گی۔ پس میں نے اپنی چادر جو میرے اوپر تھی، بچھا دی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے کلام کا فیض اس میں بھر دیا۔ پھر میں نے اس چادر کو اٹھا کر اپنے سینے کے ساتھ لگا لیا۔ پس اس کے بعد میں کوئی چیز نہیں بھولا۔

اس طرح محض اپنے گمان سے دین کی ایک بزرگ شخصیت کو (حضرت) امیر (علی رضی اللہ عنہ) کا دشمن سمجھنا اور اس کی شان میں طعن و لعن جائز رکھنا انصاف سے دور ہے۔ یہ سب افراطِ محبت کے پھول ہیں، مگر نزدیک ہے کہ (ایسا کرنے والا) اپنا سر ایمان کے حلقہ سے باہر نکال لے۔

بالفرض اگر (حضرت) امیر (علی رضی اللہ عنہ) کے حق میں تقیہ بھی جائز رکھا جائے تو (حضرت) امیر (علی رضی اللہ عنہ) کے (ان) اقوال کے بارے میں کیا کہیں گے جو تو اتر کے طور پر شیخینؒ (حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما) کی افضلیت میں منقول ہوئے ہیں اور اسی طرح آپ کے وہ پاکیزہ کلمات جو آپ سے اپنی خلافت و مملکت کے دوران خلفائے ثلاثہؓ کی خلافت کے برحق ہونے میں صادر ہوئے ہیں۔ کیونکہ تقیہ اسی قدر ہے کہ اپنی خلافت کے حق ہونے کو پوشیدہ رکھیں اور خلفائے ثلاثہؓ کی خلافت کے باطل ہونے کو ظاہر نہ کریں۔ لیکن خلفائے ثلاثہؓ کی خلافت کے برحق ہونے کا اظہار اور شیخینؒ کی افضلیت کا بیان اس تقیہ کے علاوہ ایک الگ معاملہ ہے جو صدق و صواب کے سوا کوئی تاویل نہیں رکھتا اور تقیہ کے ذریعے اس کے دور کرنے کی صورت نہیں بنتی۔

اسی طرح صحاح کی احادیث، جو شہرت کی حد کو پہنچ چکی ہیں، بلکہ معنی کے لحاظ سے متواتر ہو گئی ہیں (اور) جو حضرات خلفائے ثلاثہؓ اور ان کے علاوہ دوسرے صحابہ کرامؓ کے بارے میں وارد ہوئی ہیں اور ان میں سے ایک جماعت کو ان میں جنت

کی بشارت دی گئی ہے۔ یہ لوگ ان احادیث کا کیا جواب دیں گے؟ اس لیے کہ حضرت نبی کریم علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کے حق میں تقیہ جائز نہیں ہے، کیونکہ تبلیغ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات پر لازم ہے۔

نیز اسی طرح جو آیات قرآنی اس بارے میں نازل ہوئی ہیں، ان میں تقیہ متصور نہیں ہے، حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ ان لوگوں کو انصاف (کی توفیق) عطا کرے۔

اہل عقل جانتے ہیں کہ تقیہ بزہد کی صفت ہے۔ اسد اللہ (شیر خدا رضی اللہ عنہ) کو اس سے منسوب کرنا نامناسب ہے۔ بشریت کے تقاضا سے اگر ایک گھڑی یا دو گھڑی یا ایک روز یا دو روز کے لیے جائز سمجھا جائے تو گنجائش ہے۔ لیکن تیس سال تک شیر خدا میں بزہد کی اس صفت کو ثابت کرنا اور تقیہ پر قائم رکھنا بہت نازیبا ہے اور صغیرہ (گناہ) پر اصرار کرنے کو کبیرہ (گناہ) کہا گیا ہے۔ پھر دشمنی کرنے والوں اور منافقوں کی صفات میں سے کسی صفت پر اصرار کرنا کیسے روا ہوگا؟ کاش یہ لوگ اس معاملے کی برائی کو سمجھیں! وہ شیخینؒ کی تقدیم (تعظیم) سے اس لیے بھاگے ہیں کہ (یہ حضرت) امیر (علی رضی اللہ عنہ) کی اہانت کو لازم کرتی ہے اور انہوں نے تقیہ اختیار کر لیا ہے۔ اگر وہ تقیہ کی صفت کی برائی کو، جو منافق لوگوں کی صفت ہے، سمجھتے ہوتے تو ہرگز اس کو جائز قرار نہ دیتے اور دو بلاؤں میں سے آسان تر کو اختیار کرتے۔ بلکہ ہم کہتے ہیں کہ شیخینؒ کی تقدیم (تعظیم) میں (حضرت) امیر (علی رضی اللہ عنہ) کی کوئی اہانت نہیں ہے، کیونکہ (حضرت) امیر (علی رضی اللہ عنہ) کی خلافت کا برحق ہونا اپنی جگہ قائم ہے اور حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کی ولایت کا درجہ اور ہدایت و ارشاد کا رتبہ بھی اپنے مقام پر قائم ہے، جبکہ تقیہ کے ثابت کرنے میں نقص اور توہین لازم آتی ہے، کیونکہ یہ صفت منافق لوگوں کی خصوصیات میں سے ہے اور مکار اور دغا باز لوگوں کے لوازمات میں سے ہے۔

دوسرا مقام یہ ہے کہ اہل سنت شکر اللہ تعالیٰ سَعِیْہُمْ (اللہ تعالیٰ ان کی کوشش کو مشکور فرمائے) خیر البشر علیہ علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے صحابہ (کرامؓ) کے اختلافات اور جھگڑوں کو نیک معانی پر محمول کرتے ہیں اور خواہش نفسانی اور تعصب سے دور سمجھتے ہیں، کیونکہ ان کے نفوس خیر البشر علیہ علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کی صحبت میں پاکیزہ بن گئے تھے اور ان کے سینے عداوت اور کینہ سے پاک ہو گئے تھے۔ مختصر یہ کہ ہر ایک صاحب رائے واجتہاد تھا اور ہر مجتہد کے لیے اپنی رائے کے مطابق عمل کرنا واجب ہوتا ہے۔ لہذا ضرورت کے تحت بعض امور میں آراء کے اختلاف کی وجہ سے مخالفت اور جھگڑا لازم ہوا اور ہر ایک کے لیے اپنی رائے کی تقلید کرنا صواب ٹھہرا۔ اس طرح ان کی مخالفت بھی موافقت کی صورت میں حق کے لیے تھی، نہ کہ نفسِ امارہ کی ہوا اور خواہش کے لیے۔

مخالفین حضرت امیر (علی رضی اللہ عنہ) کے ساتھ لڑائی کرنے والوں کی تکفیر کرتے ہیں اور لڑنے والوں کے بارے میں طرح طرح کی طعن و تشنیع کو جائز قرار دیتے ہیں، جبکہ صحابہ کرامؓ نے بعض اجتہادی امور میں آنسور علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام سے بھی اختلاف کیا ہے اور آنسور علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی رائے (مبارک) کے خلاف حکم کیا ہے اور ان کا یہ اختلاف قابلِ مذمت اور ملامت نہیں ہوا اور وحی کے نزول کے باوجود اس سے منع نہیں کیا گیا۔ پھر حضرت امیر (علی رضی اللہ عنہ) کے ساتھ اجتہادی امور میں مخالفت کیونکر کفر ہوئی اور مخالفین پر کس لیے طعن اور ملامت کرتے ہیں۔ حضرت امیر (علی

رضی اللہ عنہ) کے ساتھ لڑائی کرنے والے مسلمان ایک جم غفیر ہیں اور وہ بلند مرتبہ صحابہ (کرامؓ) میں سے ہیں اور ان میں سے بعض جنت کی بشارت رکھنے والے ہیں، (لہذا) ان کی تکفیر اور تشنیع آسان معاملہ نہیں ہے۔ کَبُرَتْ کَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ۔ (سورۃ کہف، ۵) یعنی: یہ بڑی سخت بات ہے جو ان کے منہ سے نکلتی ہے۔

نصف کے قریب دین اور شریعت کی انہوں نے ہی تبلیغ کی ہے۔ اگر وہ مطعون ہوں گے تو نصف دین سے اعتماد اٹھ جائے گا۔ یہ بزرگوار کیسے مطعون ہو سکتے ہیں؟ جبکہ ان میں سے کسی کی روایت کو نہ کسی امیر نے اور نہ کسی وزیر نے رد کیا ہے۔ صحیح بخاری جو کتاب اللہ (قرآن مجید) کے بعد سب کتابوں سے زیادہ صحیح کتاب ہے اور شیعہ بھی اس کا اعتراف کرتے ہیں۔ فقیر نے احمد متقی، جو اکابر شیعہ میں سے تھا، سنا ہے کہ وہ کہتا تھا: (کتاب اللہ کے بعد) سب سے زیادہ صحیح کتاب بخاری ہے۔ اس میں حضرت امیر (علی رضی اللہ عنہ) کے موافقین کی روایات بھی ہیں اور (حضرت) امیر (علی رضی اللہ عنہ) کے مخالفین کی بھی۔ اور (اس کے جامع نے) مخالفت اور موافقت میں کسی روایت کو مرجوح اور راجح نہیں سمجھا۔ چنانچہ وہ جس طرح (حضرت) امیر (علی رضی اللہ عنہ) سے روایت کرتے ہیں، اسی طرح (حضرت) معاویہ (رضی اللہ عنہ) سے بھی روایت کرتے ہیں، (لہذا) اگر (حضرت) معاویہ (رضی اللہ عنہ) اور ان کی روایت میں طعن کا شبہ ہوتا تو وہ ہرگز اپنی کتاب میں ان کی روایت کو درج نہ کرتے۔ اس طرح سلف میں احادیث کے جو ناقدین گزرے ہیں، کسی ایک نے بھی اس بنا پر حدیث کی روایت میں فرق نہیں کیا اور نہ ہی (حضرت) امیر (علی رضی اللہ عنہ) کی مخالفت کو طعن کا سبب بنایا ہے۔

جاننا چاہیے کہ ضروری نہیں ہے کہ (حضرت) امیر (علی رضی اللہ عنہ) تمام اختلافی امور میں حق پر ہوں اور ان کے مخالف خطا پر۔ اگرچہ جنگ کے معاملے میں حق (حضرت) امیر (علی رضی اللہ عنہ) کی جانب تھا۔ کیونکہ اکثر ایسا ہوا ہے کہ صدر اوّل کے اختلافی امور میں علمائے تابعین اور ائمہ مجتہدین نے (حضرت) امیر (رضی اللہ عنہ) کے مذہب کے علاوہ (دوسرا مذہب) اختیار کیا ہے اور (حضرت) امیر (علی رضی اللہ عنہ) کے مذہب کے مطابق حکم نہیں کیا ہے۔ اگر حق (حضرت) امیر (علی رضی اللہ عنہ) کی جانب ہی متعین ہوتا تو (یہ حضرات) اس کے برخلاف فیصلہ نہ کرتے۔ قاضی شریعت جو تابعین میں سے ہیں اور صاحب اجتہاد ہوئے ہیں، نے (حضرت) امیر (علی رضی اللہ عنہ) کے مذہب پر فیصلہ نہیں کیا اور (حضرت) امام حسن (رضی اللہ عنہ) کی گواہی کو نسبت نبوت (حضرت علی رضی اللہ عنہ کا صاحبزادہ ہونے) کی وجہ سے قبول نہیں کیا اور مجتہدین نے قاضی شریعت کے قول پر عمل کیا ہے اور باپ کے لیے بیٹے کی گواہی کو جائز نہیں کیا۔ نیز دوسرے بہت سے مسائل میں بھی (حضرت) امیر (علی رضی اللہ عنہ) کے علاوہ دوسرے (صحابہ کرامؓ) کے اقوال جو (حضرت) امیر (علی رضی اللہ عنہ) کی رائے کے خلاف تھے، اختیار کیے گئے ہیں، جو انصاف کے ساتھ پیروی کرنے والے پر پوشیدہ نہیں ہیں۔ ان کی تفصیل طوالت چاہتی ہے۔ لہذا حضرت امیر (رضی اللہ عنہ) کی مخالفت پر اعتراض کی گنجائش نہیں ہے اور مخالفین طعن و ملامت کے لائق نہیں ہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو رب العالمین کے حبیب (حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) کی محبوبہ تھیں اور لب گورتک آنحضرت علیہ و آلہ الصلوٰۃ والسلام کی مقبول اور منظور نظر رہی ہیں اور حضرت رسول کریم (صلی اللہ علیہ

وسلم) نے مرضِ موت (کے ایام) کو ان کے حجرہ میں بسر فرمایا ہے اور ان کی آغوش میں جانِ جانِ آفرین کے حوالے کی ہے اور ان کے حجرہ پاک میں مدفون ہوئے ہیں۔ اس شرف و بزرگی کے علاوہ حضرت صدیقہ (رضی اللہ عنہا) عالمہ اور مجتہدہ تھیں اور نبی کریم علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے نصفِ دین کا بیان ان کے حوالے فرمایا تھا اور صحابہ کرام احکام کی مشکلات میں ان کی جانب رجوع کیا کرتے تھے اور مشکل مسائل کا حل ان سے حاصل کرتے تھے۔ ایسی صدیقہ مجتہدہ کو حضرت امیر (علی رضی اللہ عنہ) کی مخالفت کی وجہ سے مطعون کرنا اور نازیبا چیزوں کو ان کی طرف منسوب کرنا بہت ہی نامناسب ہے اور نبی کریم علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان رکھنے سے بعید ہے۔ حضرت امیر (علی رضی اللہ عنہ) اگر نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے داماد ہیں اور چچا زاد بھائی ہیں تو حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا آپ علیہ وعلیٰ جمیع اہل بیتہ الصلوٰۃ والسلام کی زوجہ مطہرہ ہیں اور آپ علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی حبیبہ اور مقبولِ نظر ہیں۔

اس سے چند سال پہلے فقیر کی عادت یہ تھی کہ اگر کھانا پکاتا تھا تو اس (کے ثواب) کو اہلِ عبا (اہلِ بیت) کی پاکیزہ ارواح (کے ایصال) کے لیے مخصوص کرتا تھا اور آنسور علیہ علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات، حضرت امیر (علی رضی اللہ عنہ)، حضرت فاطمہ (رضی اللہ عنہا) اور حضراتِ امین (حسن و حسین رضی اللہ عنہما) کو اس کے ساتھ شامل کر لیتا تھا۔ ایک رات (فقیر) دیکھتا ہے کہ آنسور علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام تشریف فرما ہیں۔ فقیر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں سلام عرض کرتا ہے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) فقیر کی جانب متوجہ نہیں ہوتے اور چہرہ انور دوسری جانب فرما لیتے ہیں۔ اسی اثناء میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فقیر سے فرمایا کہ میں کھانا عائشہ (رضی اللہ عنہا) کے گھر میں کھاتا ہوں جو کوئی میرے لیے کھانا بھیجے وہ عائشہ (رضی اللہ عنہا) کے گھر بھیجے۔ اس وقت فقیر کو معلوم ہوا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے توجہ شریف نہ فرمانے کا سبب یہ تھا کہ فقیر حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) کو اس کھانے میں شریک نہیں کرتا تھا۔ اس کے بعد حضرت صدیقہ (رضی اللہ عنہا)، بلکہ باقی ازواجِ مطہرات، جو سب اہلِ بیت ہیں، کو شریک کر لیا کرتا تھا اور ان سب اہلِ بیت کو وسیلہ بناتا تھا۔

پس وہ تکلیف و اذیت جو حضرت نبی کریم علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کو حضرت (عائشہ) صدیقہ (رضی اللہ عنہا) کے راستے سے پہنچتی ہے، وہ اس تکلیف و اذیت سے زیادہ ہے جو حضرت امیر (علی رضی اللہ عنہ) کی راہ سے پہنچتا ہے۔ صاحبِ انصاف عقلمندوں سے یہ بات پوشیدہ نہیں ہے۔ ہاں! یہ بات اس صورت میں ہے جب حضرت امیر (علی رضی اللہ عنہ) کی محبت اور تعظیم حضرت نبی کریم علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت و تعظیم کے واسطے سے ہو اور اگر کوئی شخص حضرت امیر (علی رضی اللہ عنہ) کی محبت کو مستقل طور پر اختیار کرے اور حضرت نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی محبت کو اس میں دخل نہ دے تو وہ (اس) بحث سے خارج ہے اور اس لائق نہیں کہ اسے مخاطب کیا جائے۔ اس کی غرض دین کو باطل قرار دینا اور شریعت کو گرانا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ حضرت نبی کریم علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کے واسطے کے بغیر کوئی راستہ اختیار کرے اور (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے بے تعلق ہو کر (حضرت) علی (رضی اللہ عنہ) کی طرف مائل ہو جائے۔ اور یہ چیز عین کفر اور سراسر بے دینی ہے اور (حضرت) علی (رضی اللہ عنہ) اس سے بیزار ہیں اور اس کے کردار سے تکلیف میں ہیں۔ نبی کریم علیہ علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے صحابہ (کرام) سے محبت اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے سسر

(حضرات) اور دامادوں سے محبت نبی کریم علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والتحیات کی محبت کے واسطے سے ہے اور ان کی تعظیم و تکریم آپ علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کی تعظیم و تکریم کے واسطے سے ہے۔ آپ علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ: مَنْ أَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّي أَحَبَّهُمْ۔ ترجمہ: جس نے ان سے محبت کی اس نے میرے ساتھ محبت رکھنے کی وجہ سے ان سے محبت کی۔

اسی طرح جو شخص ان کا دشمن ہے، وہ نبی (کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے دشمنی کی وجہ سے ان کا دشمن ہے۔ جیسا کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ مَنْ أَبْغَضَهُمْ فَبِإِبْغَضِي أَبْغَضَهُمْ^(۸)۔

ترجمہ: جس نے ان سے بغض رکھا اُس نے میرے ساتھ بغض رکھنے کی وجہ سے ان سے بغض رکھا۔

مرا دیہ ہے کہ جس محبت کا تعلق میرے صحابہ (کرامؓ) کے ساتھ ہو گیا ہے، وہ وہی محبت ہے جو مجھ سے تعلق رکھتی ہے اور اسی طرح ان سے بغض رکھنا وہی بغض ہے جو مجھ سے تعلق رکھتا ہے۔

(حضرت) طلحہ اور (حضرت) زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اکابر صحابہ (کرامؓ) میں سے ہیں اور عشرہ مبشرہ جنت میں سے ہیں۔ ان پر طعن و تشنیع کرنا نامناسب ہے۔ ان پر لعن و طعن خود لعن و طعن کرنے والے پر لوٹ آتی ہے۔ (حضرت) طلحہ اور (حضرت) زبیر (رضی اللہ عنہما) وہی ہیں کہ جب حضرت فاروق (رضی اللہ عنہ) نے اپنے بعد خلافت کا معاملہ چھ افراد کے مشورہ پر چھوڑا تو ان میں (حضرت) طلحہ اور (حضرت) زبیر (رضی اللہ عنہما) کو بھی شامل فرمایا اور آپ نے ایک دوسرے پر ترجیح کی کوئی واضح دلیل نہ پائی۔ اور (حضرت) طلحہ اور (حضرت) زبیر (رضی اللہ عنہما) نے اپنے اختیار سے اپنا حصہ خلافت چھوڑ دیا اور ہر ایک نے کہہ دیا کہ: تَوَكَّلْتُ عَلَى اللَّهِ۔ یعنی: میں نے اپنا حصہ چھوڑ دیا۔

(حضرت) طلحہ (رضی اللہ عنہ) وہی ہیں جنہوں نے اپنے باپ کو اس بے ادبی کی وجہ سے قتل کر ڈالا جو اس سے آنسرور علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں سرزد ہوئی تھی اور (پھر) اس کا سر لا کر آنسرور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں پیش کر دیا اور ان کے اس فعل پر قرآن مجید میں ان کی تعریف آئی ہے۔

(حضرت) زبیر (رضی اللہ عنہ) وہی ہیں، جن کے قاتل کے لیے مجرصادق علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے دوزخ کی وعید فرمائی ہے، جیسا کہ آپ علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے: قَاتِلُ زُبَيْرٍ فِي النَّارِ^(۹)۔ یعنی: زبیر کا قاتل دوزخ میں ہے۔

(حضرت) زبیر (رضی اللہ عنہ) پر طعن و لعن کرنے والا ان کے قاتل سے کچھ کم نہیں ہے۔ پس تم ڈرو، ڈرو، پھر ڈرو، ڈرو! پھر ڈرو، ڈرو! ان اکابر دین پر طعن کرنے سے اور اسلام کے ان بزرگواروں کی مذمت کرنے سے، جنہوں نے کلمہ اسلام کو بلند کرنے اور سید الانام (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی مدد و نصرت میں سر توڑ کوششیں کی ہیں اور جنہوں نے دین کی تائید میں دن رات خفیہ و علانیہ طور پر اپنے مالوں کو خرچ کیا ہے اور رسول (اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی محبت میں اپنے خاندانوں، قبیلوں، اولادوں، بیویوں، وطنوں، گھروں، چشموں، کھیتوں، درختوں اور نہروں کو چھوڑ دیا اور رسول اللہ علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ذات اقدس کو اپنی جانوں پر ترجیح دی اور اپنی محبت کے مقابلے میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی محبت اور اپنے مالوں اور اولادوں کی محبت کے مقابلے میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی محبت کو اختیار کیا۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہیں شرف

صحبت نصیب ہوا اور یہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی صحبت میں نبوت کی برکات سے سرفراز ہوئے اور انہوں نے وحی کا مشاہدہ کیا اور فرشتے کی حضوری سے مشرف ہوئے اور خوارق و معجزات کو دیکھا، حتیٰ کہ ان کا غیب شہادت اور ان کا علم عین ہو گیا اور ان کو یقین کی ایسی دولت عطا کی گئی جو ان کے بعد کسی کو بھی نہ ملی، یہاں تک کہ احد پہاڑ جتنا سونا خیرات کرنے والا بھی ان کے ایک یا آدھے مدّ جو خرچ کرنے کے برابر نہیں ہو سکتا اور یہی وہ لوگ ہیں جن کی قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے یوں تعریف فرمائی ہے: رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ (سورة مائدة، ۱۱۹) ذَلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْئَهُ فَازْرَدَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَىٰ عَلَىٰ سَوْبِقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ. (سورة فتح، ۳۹) یعنی: اللہ ان سے خوش ہے اور وہ اللہ سے خوش ہیں۔ ان کے یہی اوصاف تورات میں (مرقوم) ہیں اور یہی اوصاف انجیل میں ہیں، (وہ) گویا ایک کھیتی ہیں، جس نے (پہلے زمین سے) اپنی سوئی نکالی، پھر اس کو مضبوط کیا، پھر موٹی ہوئی اور اپنی نال پر کھڑی ہو گئی اور لگی کھیتی والوں کو خوش کرنے، تاکہ کافروں کا جی جل جائے۔

(اس آیت میں) اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرامؓ پر غیض و غضب کرنے والوں کو کفار کہا ہے۔ پس ان (صحابہ کرامؓ) پر غیض و غضب کرنے سے اس طرح ڈرنا چاہیے، جس طرح کہ کفر سے ڈرتے ہیں۔ وَاللَّهُ سُبْحَانَهُ الْمَوْفِقِ. یعنی: اور اللہ سبحانہ ہی توفیق بخشنے والا ہے۔

وہ جماعت جس نے اس طرح کی نسبت آنسور علیہ علیہم الصلوٰات والتسلیمات سے درست کر لی ہو اور وہ آپ علیہ علیہم الصلوٰات والتسلیمات والتحمیات کے مقبول و منظور نظر ہو گئے ہوں، اگر وہ بعض امور میں ایک دوسرے کے ساتھ اختلاف کریں اور لڑائی کریں اور اپنی رائے اور اجتہاد پر عمل فرمائیں تو طعن و اعتراض کی گنجائش نہیں ہے، بلکہ اس مقام میں اختلاف کرنا اور اپنے علاوہ دوسرے کی رائے کی تقلید نہ کرنا ہی حق و صواب ہے۔

امام ابو یوسف (رحمۃ اللہ علیہ) کے لیے درجہ اجتہاد کو پالینے کے بعد امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تقلید کرنا خطا ہے اور ان کے لیے اپنی رائے کی تقلید کرنا صواب ہے۔ امام شافعی (رحمۃ اللہ علیہ) قول صحابیؓ کو، جو صحابیؓ بھی ہو، خواہ (حضرت ابوبکر) صدیق (رضی اللہ عنہ) ہوں اور خواہ (حضرت) امیر (علی رضی اللہ عنہ) ہوں، اپنی رائے پر مقدم نہیں کرتے اور اپنی رائے پر عمل کرنا، خواہ قول صحابیؓ کے مخالف ہو، ہی صواب سمجھتے ہیں۔ جب امت کے مجتہد کے لیے صحابہ (کرامؓ) کی رائے کی مخالفت کرنے کی گنجائش ہے تو پھر اگر صحابہ (کرامؓ) ایک دوسرے کی (آراء کی) مخالفت کریں تو کس لیے مطعون قرار پائیں گے۔ یا ہم یہ کہتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ نے اجتہادی امور میں آنسور علیہ علیہم الصلوٰات والتسلیمات سے اختلاف کیا ہے اور آنسور علیہ علیہم الصلوٰات والتحمیات کی رائے (مبارک) کے خلاف حکم کیا ہے اور باوجود نزول وحی کے ان کے اختلاف کرنے کی مذمت نہیں آئی اور ان کے اختلاف پر ممانعت وارد نہیں ہوئی، جیسا کہ (اوپر) بیان ہوا ہے۔ اگر یہ اختلاف حق تعالیٰ کے ہاں ناپسندیدہ و نامقبول ہوتا تو یقیناً حق جل شانہ کی طرف سے ممانعت آتی اور اختلاف کرنے والوں پر وعید نازل ہوتی۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ جو لوگ آنسور علیہ علیہم الصلوٰة والسلام کے ساتھ گفتگو کے دوران آواز بلند کرتے تھے، ان کو کس طرح اس آواز کے بلند کرنے سے منع کیا گیا اور اس آواز کے بلند ہونے پر وعید نازل ہوئی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ. (سورة حجرات، ۲)

یعنی: اے اہل ایمان! اپنی آوازیں پیغمبر (اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی آواز سے اونچی نہ کرو اور جس طرح آپس میں ایک دوسرے سے زور سے بولتے ہو (اس طرح) آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے روبرو زور سے نہ بولا کرو (ایسا نہ ہو) کہ تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تم کو خبر بھی نہ ہو۔

بدر کے قیدیوں کے بارے میں بہت بڑا اختلاف رونما ہوا تھا۔ (حضرت عمر) فاروق اور (حضرت) سعد بن معاذ (رضی اللہ عنہما) نے ان قیدیوں کے قتل کا مشورہ دیا تھا اور دوسرے (حضرات) نے ان کی رہائی اور فدیہ (لینے) کا حکم کیا تھا اور آنسور علیہ علیہم الصلوٰات والتحیات کے نزدیک مقبول رائے قیدیوں کی رہائی اور فدیہ تھا اور (اس طرح کے) دوسرے اختلافات کے واقعات بہت زیادہ ہیں۔ اسی قسم کا وہ اختلاف ہے جو کاغذ کے لانے کے بارے میں کیا گیا تھا۔ جب آنسور علیہ علیہم الصلوٰات والتسلیمات نے مرض موت میں کاغذ طلب فرمایا تھا، تاکہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان (صحابہ کرام) کے لیے ایک چیز لکھیں۔ ایک جماعت نے کہا کہ کاغذ لانا چاہیے اور دوسری جماعت نے کاغذ لانے سے منع کیا۔ حضرت (عمر) فاروق (رضی اللہ عنہ) اس جماعت سے تھے جو کاغذ کے لانے پر راضی نہیں تھی اور انہوں نے فرمایا کہ حَسْبُنَا كِتَابُ اللَّهِ. یعنی: ہمارے لیے اللہ کی کتاب کافی ہے۔

طعن کرنے والوں نے اس وجہ سے بھی حضرت (عمر) فاروق (رضی اللہ عنہ) پر طعن کیا ہے اور طعن و تشنیع میں زبانیں کھولی ہیں۔ درحقیقت (یہ چیز) محل طعن نہیں ہے۔ کیونکہ حضرت (عمر) فاروق (رضی اللہ عنہ) جان گئے تھے کہ وحی کا زمانہ ختم ہو گیا ہے اور آسمانی احکام مکمل ہو گئے ہیں اور رائے و اجتہاد کے سوا احکام کے ثبوت میں گنجائش نہیں رہی۔ اس وقت آنسور علیہ علیہم الصلوٰة والسلام جو کچھ لکھیں گے، وہ اجتہادی امور میں سے ہوگا جس میں فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِيَ الْأَبْصَارِ (یعنی: اے بصیرت کی آنکھیں رکھنے والو! عبرت پکڑو۔ سورة حشر، ۲) کے حکم سے دوسرے بھی شریک ہیں۔ لہذا انہوں نے بہتری اس میں سمجھی کہ اس طرح کے درد کے غلبہ میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو تکلیف نہیں دینی چاہیے اور دوسروں کے رائے و اجتہاد پر ہی کفایت کرنی چاہیے۔ حَسْبُنَا كِتَابُ اللَّهِ. یعنی: قرآن مجید جو قیاس و اجتہاد کا ماخذ ہے، استنباط کرنے والوں (مجتہدین) کے لیے کافی ہے، وہ احکام کو اس سے نکال لیں گے۔ کتاب اللہ کے ذکر کی تخصیص ہو سکتا ہے کہ اس لیے ہو کہ انہوں نے قرآن سے معلوم کر لیا ہو کہ یہ احکام جن کے لکھنے کے لیے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) فرما رہے ہیں، ان کا ماخذ کتاب اللہ میں ہے نہ کہ سنت میں کہ سنت کا ذکر کیا جاتا۔

اس طرح حضرت (عمر) فاروق (رضی اللہ عنہ) کا منع کرنا شفقت و مہربانی کی وجہ سے تھا، تاکہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) درد کی شدت میں کسی امر کی تکلیف نہ اٹھائیں۔ جیسا کہ آنسور علیہ علیہم الصلوٰة والسلام کا کاغذ لانے کا حکم فرمانا بھی استئذان کے لیے تھا، نہ کہ وجوب کے لیے۔ تاکہ دوسرے حضرات اس کے استنباط کے رنج سے محفوظ رہیں اور اگر اِيتُونِي^(۱۰) یعنی: میرے لیے لاؤ، کا حکم وجوب کے طور پر ہوتا تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس حکم کے فرمانے میں

مبالغہ فرماتے اور محض اختلاف کی وجہ سے اس سے صرف نظر نہ فرماتے۔

سوال: حضرت (عمر) فاروق (رضی اللہ عنہ) نے اس وقت کہا تھا: اَهْجَرَ اسْتَفْهَمُوْهُ (یعنی: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تکلیف کی زیادتی کی وجہ سے کچھ فرما رہے ہیں، اس کی تحقیق کرلو)، اس سے کیا مراد ہے؟

جواب: حضرت (عمر) فاروق (رضی اللہ عنہ) نے شاید اس وقت سمجھ لیا ہو کہ یہ کلام آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے درد کی وجہ سے بلا قصد و اختیار صادر ہوا ہے، لہذا لفظ اُكْتُبُ^(۱۱) ”یعنی: میں لکھ دوں“ سے وہم ہوتا ہے، کیونکہ آنسور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے کبھی کوئی چیز نہیں لکھی۔ اسی طرح آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ لَنْ تَصْلُوْا بَعْدِي^(۱۲) ”یعنی: تم میرے بعد ہرگز گمراہ نہیں ہو گے“ جبکہ دین کامل ہو چکا ہے اور نعمت مکمل ہو گئی ہے اور مولیٰ (تعالیٰ) کی رضا اس سے وابستہ ہو چکی ہے، (لہذا) اس کے بعد گمراہی کی کیا صورت ہوگی اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ایک ساعت میں کیا تحریف فرمائیں گے جو گمراہی کو دور کر دے اور جو کچھ تیس سال میں لکھا جا چکا ہے کیا وہ کافی نہیں ہے اور وہ گمراہی کو دور نہیں کرتا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بیماری کی شدت میں ایک ساعت میں ایک چیز تحریف فرمائیں جو گمراہی کو دور کر دے۔ اس بنا پر حضرت (عمر) فاروق (رضی اللہ عنہ) نے سمجھا ہوگا کہ یہ کلام بشریت کی بنا پر بلا قصد آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی زبان (مبارک) سے جاری ہو گیا ہے، (لہذا) اس چیز کی تحقیق کرلو اور اسے از سر نو دریافت کرو۔ اور اسی اثناء میں اختلافی گفتگو بلند ہو گئی۔ جس پر حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ”اُٹھ جاؤ اور آپس میں اختلاف نہ کرو کہ نبی کے حضور میں جھگڑنا مستحسن نہیں ہے۔“^(۱۳) پھر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس بارے میں مزید گفتگو نہیں فرمائی اور دوات و کاغذ کا ذکر نہیں فرمایا۔

جاننا چاہیے کہ صحابہ کرام آنسور علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات سے اجتہادی امور میں جو اختلاف کرتے تھے اگر عِيَاذًا بِاللّٰهِ سُبْحَانَهُ۔ (اللہ سبحانہ کی پناہ!) اس میں خواہش نفس اور تعصب کا شائبہ ہوتا تو وہ ان کو مرتدوں کے گروہ میں لے جاتا اور ان کا سر اسلام کے حلقے سے باہر نکال دیتا۔ کیونکہ آنسور علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے ساتھ بے ادبی اور بدسلوکی کفر ہے۔ اَعَاذَنَا اللّٰهُ سُبْحَانَهُ مِنْهُ۔ یعنی: اللہ سبحانہ ہمیں اس سے محفوظ رکھے۔

بلکہ یہ اختلاف فَاغْتَبِرُوا (عبرت پکڑو۔ سورۃ حشر، ۲) کے حکم کو بجالانے کی بنا پر ہوا ہے، کیونکہ جو شخص اجتہاد کا مرتبہ رکھتا ہو اُس کے لیے اجتہادی امور میں کسی دوسرے کے اجتہاد اور رائے کی تقلید کرنا خطا ہے اور اسے اس سے منع کیا گیا ہے۔ ہاں (آسمان سے) نازل شدہ احکام، جن میں رائے اور اجتہاد کو کوئی دخل نہیں ہے، ان کی تقلید کے سوا چارہ نہیں ہے اور ان پر ایمان ہونا اور ان کی پابندی کرنا واجب ہے۔

مختصر یہ کہ قرنِ اوّل کے صحابہ (کرام) تکلفات سے آزاد تھے اور عبارتوں کی آرائش سے بے نیاز تھے۔ وہ باطن کی اصلاح کا اہتمام کرتے تھے اور ان کا ظاہر ان کی نظر میں ناقابلِ توجہ و لحاظ تھا اور زمانے میں آداب کی رعایت حقیقت اور معنی کے اعتبار سے تھی، نہ کہ صورت اور لفظ کے اعتبار سے۔ رسول اللہ علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کے حکم کی بجا آوری ان کا کام تھا اور آنسور علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کی ناپسندیدہ چیزوں سے بچنا ان کا شیوہ تھا۔ ان کا معاملہ ایسا تھا کہ انہوں نے اپنے باپوں، ماؤں، اولادوں اور بیویوں کو آنسور علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات پر فدا کر دیا تھا اور وہ کمال اعتقاد اور اخلاص کی وجہ

سے آنسور علیہم الصلوٰات والتحيات کے لعاب مبارک کو زمین پر نہیں گرنے دیتے تھے، بلکہ آب حیات کی طرح اس کو پی جاتے تھے اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے فصد کرانے کے بعد آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خون (مبارک) کو کمال اخلاص سے پی جانے کا قصہ مشہور و معروف ہے۔ اگر کوئی عبارت مکر و فریب سے پُر اس زمانے کے لوگوں کے نزدیک بے ادبی کا وہم پیدا کرتی ہو اور وہ ان بزرگوں سے آنسور علیہ علی آلہ الصلوٰة والسلام کے بارے میں صادر ہوئی ہو تو اس کو اچھے معنی پر محمول کرنا چاہیے اور عبارت کے اصل مطلب کو دیکھنا چاہیے اور الفاظ جس طرح کے بھی ہوں ان کا لحاظ نہیں کرنا چاہیے۔ سلامتی کا راستہ یہی ہے۔ وَاللَّهُ سُبْحَانَهُ الْمُؤَفَّقِي. یعنی: اور اللہ سبحانہ ہی توفیق بخشنے والا ہے۔

سوال: جب اجتہادی احکام میں خطا کے احتمال کی گنجائش ہے تو پھر وہ تمام شرعی احکام جو آنسور علیہ علی آلہ الصلوٰة والسلام سے منقول ہیں، ان پر اعتماد کس طرح کیا جائے گا۔

جواب: اجتہادی احکام آخر کار آسمان سے نازل شدہ احکام بن گئے ہیں، کیونکہ انبیاء علی نبینا علیہم الصلوٰات والتسلیمات کو خطا پر برقرار رکھنا جائز نہیں ہے۔ پس اجتہادی احکام میں مجتہدوں کے اجتہاد کے ثبوت اور ان کی آراء کے اختلاف کے بعد حق جل و علا کے ہاں سے ایک حکم نازل ہوتا ہے جو صواب کو خطا سے جدا کر دیتا ہے اور ذی حق کو باطل سے ممتاز کر دیتا ہے۔ پس اجتہادی احکام بھی آنسور علیہ علی آلہ الصلوٰة والسلام کے زمانے میں نزول وحی کے بعد جب صواب اور خطا میں تمیز ہو گئی تو قطعی الثبوت تھے اور ان میں خطا کا احتمال نہیں رہتا تھا۔ لہذا وہ تمام احکام جو آنسور علیہ علی آلہ الصلوٰة والسلام کے زمانے میں پایہ ثبوت کو پہنچ گئے تھے، وہ قطعی ہیں اور خطا کے احتمال سے محفوظ ہیں، کیونکہ وہ ابتدا میں یا انتہا میں وحی قطعی سے ثابت ہو گئے ہیں۔ ان احکام کے استنباط یا اجتہاد سے مقصود یہ تھا کہ مجتہدین اور استنباط کرنے والوں کو کرامت کے درجات حاصل ہو جائیں اور مُخْطِی (خطا کرنے والا) اور مُصِیْب (صواب کو پہنچنے والا) اپنے درجات کے فرق کے لحاظ سے ثواب پائیں۔ اس طرح اجتہادی احکام میں بھی مجتہدین کے درجات بلند ہوئے اور نزول وحی کے بعد ان احکام کی قطعیت بھی ثابت ہو گئی۔ ہاں! زمانہ نبوت کے ختم ہو جانے کے بعد اجتہادی احکام ظنی ہیں، جو عمل کے لیے مفید ہیں، لیکن اعتقاد کے لیے مثبت نہیں ہیں، کیونکہ ان کا منکر کافر ہو جاتا ہے۔ مگر جب مجتہدین کا اجماع ان (احکام) پر منعقد ہو جائے تو اس وقت یہ اعتقاد کے لیے مثبت بھی ہو جاتے ہیں۔

خاتمہ: اور ہم اس مکتوب کو رسول اللہ علیہ وعلی آلہ وعلیہم الصلوٰات والتسلیمات والبرکات والتحيات کے اہل بیت کے فضائل کے خوبصورت خاتمہ کے ساتھ ختم کرتے ہیں۔

✦ علامہ ابن عبد البر نے روایت کیا ہے کہ آنسور علیہ علی آلہ الصلوٰة والسلام نے فرمایا: مَنْ أَحَبَّ عَلِيًّا فَقَدْ أَحَبَّنِي وَمَنْ أَبْغَضَ عَلِيًّا أَبْغَضَنِي وَمَنْ آذَى عَلِيًّا فَقَدْ آذَانِي وَمَنْ آذَانِي آذَى اللَّهُ. (۱۴)

یعنی: جس نے علیؑ سے محبت کی، اس نے مجھ سے محبت کی، اور جس نے علیؑ سے بغض کیا، اس نے مجھ سے بغض کیا، اور جس نے علیؑ کو اذیت دی، اس نے مجھے اذیت دی، اور جس نے مجھے اذیت دی، اس نے اللہ کو اذیت دی۔

✦ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: إِنَّ اللَّهَ أَمَرَنِي بِحُبِّ أَرْبَعَةٍ

وَ أَخْبَرَنِي أَنَّهُ يُحِبُّهُمْ قِيلَ يَا رَسُولَ اللَّهِ سَمِعَهُمْ لَنَا قَالَ عَلَيَّ مِنْهُمْ يَقُولُ ذَلِكَ ثَلَاثًا وَأَبُو ذَرٍّ وَالْمِقْدَادُ وَ سَلَمَانٌ. (۱۵)

یعنی: اللہ تعالیٰ نے مجھے چار آدمیوں کے ساتھ محبت رکھنے کا حکم فرمایا۔ اور مجھے یہ خبر بھی دی کہ وہ بھی ان سے محبت رکھتا ہے۔ عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہمیں ان کے ناموں سے آگاہ فرمائیں۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: علیؑ ان میں سے ہیں اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے یہ بات تین بار فرمائی اور ابو ذرؓ، مقدادؓ اور سلمانؓ۔

♦ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: النَّظَرُ إِلَى عَلِيٍّ عِبَادَةٌ. (۱۶) یعنی: علیؑ کی طرف دیکھنا عبادت ہے۔

♦ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے کندھے پر ہیں اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) فرما رہے ہیں: اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اُحِبُّهُ فَاحِبِّهٖ. (۱۷) یعنی: اے اللہ! میں اس سے محبت کرتا ہوں تو بھی اس سے محبت فرما۔

♦ حضرت ابوبکرہ (ثقفی مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو منبر پر کہتے ہوئے سنا اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پہلو میں تھے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ایک بار لوگوں کی طرف دیکھا اور ایک بار حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی جانب دیکھا اور فرمایا: اِنَّ ابْنِیْ هَذَا سَيِّدٌ وَلَعَلَّ اللّٰهَ اَنْ یُّصْلِحَ بِهِ فَنَتِّیْنَ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ. (۱۸)

یعنی: بیشک میرا یہ بیٹا سردار ہے اور اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے مسلمانوں کے دو گروہوں میں صلح کرائے گا۔

♦ ترمذی نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو (اس حال میں) دیکھا جبکہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی دو رانوں پر تھے۔ پس آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: هٰذَانِ ابْنَاۤیَ وَابْنَاۤیَ بَنَتْنِیْ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اُحِبُّهُمَا فَاحِبِّهُمَا وَ اَحَبُّ مِنْ یُّحِبُّهُمَا. (۱۹) یعنی: یہ دونوں میرے بیٹے ہیں اور میری بیٹی کے بیٹے ہیں۔ اے اللہ! میں ان دونوں سے محبت رکھتا ہوں تو بھی ان دونوں سے محبت فرما اور اُس شخص سے بھی محبت فرما جو ان دونوں سے محبت رکھے۔

♦ ترمذی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ آپ کو اپنے اہل بیتؑ میں سے کس سے زیادہ محبت ہے؟ تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: اَلْحَسَنُ وَ اَلْحُسَیْنُ. یعنی: حسن اور حسین (رضی اللہ عنہما)۔

♦ حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: فَاطِمَةُ بِضْعَةٌ مِنِّیْ فَمَنْ اَغْضَبَهَا اَغْضَبَنِیْ وَفِیْ رِوَاۤیَۃٍ یُّرِیْنِیْ مَا اَرَابَهَا وَیُوْذِیْنِیْ مَا اِذَاهَا. (۲۰)

یعنی: فاطمہ (رضی اللہ عنہا) میرے جگر کا ٹکڑا ہے، جس نے اس سے بغض رکھا اُس نے مجھ سے بغض رکھا۔ اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ جو چیز اسے پریشان کرتی ہے وہ مجھے پریشان کرتی ہے اور جو چیز اسے ایذا پہنچاتی ہے وہ مجھے ایذا پہنچاتی ہے۔

♦ حاکم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ بیشک نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: فَاطِمَةُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْكَ وَأَنْتَ أَعَزُّ عَلَيَّ مِنْهَا. ^(۲۱)

یعنی: فاطمہ (رضی اللہ عنہا) مجھے تجھ سے زیادہ پیاری ہے اور تو مجھے اس سے زیادہ عزیز ہے۔

♦ حضرت عائشہ (صدیقہ) رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپ فرماتی ہیں کہ لوگ عائشہ کی باری کے روز ہدیے بھیجنے کا ارادہ کرتے تھے اور اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضامندی چاہتے تھے۔

نیز آپ فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات کے دو گروہ تھے۔ ایک گروہ وہ تھا جس میں عائشہ اور حفصہ اور صفیہ اور سودہ شامل تھیں اور دوسرے گروہ میں ام سلمہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دوسری ازواج مطہرات شامل تھیں۔ پھر حضرت ام سلمہ کے گروہ نے حضرت ام سلمہ سے بات کی کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کریں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں سے فرمائیں کہ جو آدمی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے لیے ہدیہ بھیجنا چاہے، اسے چاہیے کہ جہاں میں ہوں وہیں ہدیہ بھیج دیا کرے۔ اس طرح حضرت ام سلمہ نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے یہ بات عرض کی تو حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: لَا تُؤْذِنُنِي فَإِنَّ الْوُحْيَ لَمْ يَأْتِنِي وَأَنَا فِي ثَوْبِ امْرَأَةٍ إِلَّا عَائِشَةً. ^(۲۲) یعنی: مجھے (عائشہ کے بارے میں) اذیت نہ دو، کیونکہ مجھ پر عائشہ کے بستر کے سوا کسی اور کے بستر پر وحی نازل نہیں ہوئی۔

اس پر حضرت ام سلمہ (رضی اللہ عنہا) نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں اللہ سبحانہ کی بارگاہ میں اس بات سے توبہ کرتی ہوں کہ میں آپ کو اذیت پہنچاؤں۔ پھر انہوں نے حضرت فاطمہ (الزہراء رضی اللہ عنہا) کو بلایا اور آپ (رضی اللہ عنہا) کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھیجا، تا کہ حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا یہی بات آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے عرض کریں (چنانچہ حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا نے عرض کیا) تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: يَا بُنَيَّةُ أَلَا تُحِبِّينَ مَا أَحَبُّ قَالَتْ بَلَى قَالَ فَاجِئِي هَذِهِ. ^(۲۳) یعنی: اے میری بیٹی! کیا تو اس کو محبوب نہیں رکھتی جس سے میں محبت کرتا ہوں۔ (حضرت سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا نے) عرض کیا کہ کیوں نہیں! آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: پھر تو اس (حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا) سے محبت رکھ۔

♦ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات میں سے کسی پر اتنا رشک نہیں آتا تھا جتنا کہ حضرت سیدہ خدیجہ (رضی اللہ عنہا) پر رشک آتا تھا۔ اور میں نے ان کو نہیں دیکھا تھا اور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اکثر ان کا ذکر فرمایا کرتے تھے اور اکثر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بکری کو ذبح فرماتے۔ پھر اُس کے گوشت کے ٹکڑے کرتے۔ پھر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سہیلیوں کے لیے بھجواتے۔ پس میں اکثر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہتی تھی کہ شاید دنیا میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا جیسی کوئی عورت نہیں ہوئی۔ تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) فرماتے تھے کہ خدیجہ (رضی اللہ عنہا) میں یہ یہ خوبیاں تھیں اور اسی سے میری اولاد ہوئی۔

♦ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

الْعَبَّاسُ مِنِّي وَأَنَا مِنْهُ. (۲۴) یعنی: عباس مجھ سے ہیں اور میں اس سے ہوں۔

♦ الدیلمی نے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

إِشْتَدَّ غَضَبُ اللَّهِ عَلَى مَنْ آذَانِي فِي عِثْرَتِي. (۲۵)

یعنی: اس شخص پر اللہ تعالیٰ کا سخت عذاب ہوگا جس نے مجھے میری عثرت (اہل بیتؑ) کے بارے میں اذیت پہنچائی۔

♦ حاکم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: خَيْرُكُمْ لَا هَلِي مِنْ بَعْدِي. یعنی: تم میں سے اچھا شخص وہ ہے جو میرے بعد میرے اہل بیتؑ کے ساتھ بھلائی کرے۔

♦ ابن عساکر نے حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے روایت کی ہے کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ صَنَعَ إِلَى أَهْلِ بَيْتِي بَرًّا كَأَفَاتِهِ عَلَيْهَا يَوْمَ الْقِيَمَةِ. (۲۶)

یعنی: جس شخص نے میرے اہل بیتؑ کے ساتھ احسان کیا، میں قیامت کے روز اسے اس کا بدلہ دوں گا۔

♦ ابن عدی اور الدیلمی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

أَثْبَتُكُمْ عَلَى الصِّرَاطِ أَشَدُّكُمْ حُبًّا لِأَهْلِ بَيْتِي وَلَا صَحَابِي. (۲۷) یعنی: تم میں سے پل صراط پر زیادہ ثابت قدم وہ

شخص ہوگا، جو میرے اہل بیتؑ اور میرے صحابہ (کرامؓ) سے زیادہ محبت رکھتا ہوگا۔

الہی بحق بنی فاطمہ کہ بر قول ایمان کنی خاتمہ

اگر دعوت رد کنی و قبول من و دست و دامن آل رسول (۲۸)

یعنی: یا اللہ! حضرت فاطمہ (الزہراء رضی اللہ عنہا) کی اولاد کے صدقے ایمان کے قول پر میرا خاتمہ فرمانا۔

♦ خواہ تو میری دعا رد فرمائے یا قبول کرے! میں ہوں اور میرا تھ ہے اور آل رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا دامن ہے۔

وَصَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَعَلَى جَمِيعِ إِخْوَانِهِ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِينَ وَالْمَلَائِكَةِ الْكِرَامِ الْمُقَرَّبِينَ

وَعَلَى سَائِرِ عِبَادِ اللَّهِ الصَّالِحِينَ أَجْمَعِينَ. یعنی: اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

وَسَلَّمَ کے بھائیوں انبیاء اور رسولوں پر اور مقربین ملائکہ کرام پر اور اللہ تعالیٰ کے تمام نیک بندوں پر درود و سلام ہو۔

مکتوب نمبر (۳۷)

فقیر حقیر عبدالحی، جو ان مکتوبات شریف کے جامع ہیں، کو تحریر فرمایا۔ کلمہ طیبہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کے فضائل میں اور جو کچھ

اس کے مناسب ہے (اس کا بیان)۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ. لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ.

رب جل سطرانہ کے غصے کو ٹھنڈا کرنے کے لیے کوئی چیز اس کلمہ طیبہ سے بڑھ کر مفید نہیں ہے۔ چونکہ یہ کلمہ طیبہ دوزخ

کی آگ میں داخل ہونے کے غضب کو ٹھنڈا فرما دیتا ہے، لہذا دوسرے غضب، جو درجہ میں اس سے کم ہیں، ان کو بطریق اولیٰ

ٹھنڈا کرتا ہے۔ ٹھنڈا کیوں نہ کرے؟ جب بندہ نے اس کلمہ طیبہ کے تکرار سے ماسوا (حق) کی نفی کر کے سب سے منہ موڑ لیا

ہے اور معبود بحق کو توجہ کا قبلہ بنالیا ہے۔ غصے کا سبب مختلف تو جہات تھیں، جن میں بندہ مبتلا ہو چکا تھا۔ جب وہ نہ رہیں تو غصہ

بھی نہ رہا۔ تم اس چیز کو عالم مجاز میں مشاہدہ کر سکتے ہو۔ جب کوئی مالک کسی غلام سے اذیت میں ہوتا ہے اور اُس پر غصہ کرتا ہے تو غلام جو حسنِ فطرت رکھتا ہے، اس کی بدولت اپنی توجہ کو اپنے مالک کے علاوہ دوسروں سے ہٹا کر اپنے تمام وجود کو اپنے مالک کی جانب متوجہ کر لیتا ہے۔ اس وقت ناچار مالک میں اپنے غلام کے بارے میں شفقت اور ترحم پیدا ہو جاتا ہے اور غصہ اور آزار ختم ہو جاتا ہے۔

(فقیر) اس کلمہ طیبہ کو رحمت کے اُن ننانوے خزانوں کی کنجی پاتا ہے جن کو آخرت کے لیے ذخیرہ فرمایا گیا ہے اور سمجھتا ہے کہ کفر کے اندھیروں اور شرک کی کدورتوں کو دور کرنے کے لیے اس کلمہ طیبہ سے زیادہ شفاعت کرنے والی کوئی اور چیز نہیں ہے۔ جس شخص نے اس کلمہ کی تصدیق کی ہے اور ایمان کا ذرہ حاصل کیا ہے اور اس کے ساتھ اگر وہ کفر کی رسموں اور شرک کی بری عادتوں میں مبتلا ہو گیا ہے تو بھی امید ہے کہ وہ اس کلمہ طیبہ کی شفاعت سے عذاب سے باہر آ جائے گا اور ہمیشہ کے لیے دوزخ میں رہنے سے خلاصی پائے گا۔ جیسا کہ اس امت کے سب کبیرہ گناہوں کے عذابوں کو دفع کرنے میں (حضرت) محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت بہت مفید اور زیادہ کارگر ہے۔ میں نے جو یہ کہا ہے کہ ”اس امت کے کبیرہ گناہ“، یہ اس لیے کہا ہے کہ پہلی امتوں میں کبیرہ گناہوں کا ارتکاب بہت کم ہے، بلکہ کفر کی رسمیں اور شرک کی بری عادتیں بھی تھوڑی ہیں۔ اس لیے شفاعت کی زیادہ محتاج یہی امت ہے۔ پہلی امتوں میں ایک جماعت کے لوگ کفر پر مصر تھے تو دوسرے گروہ کے لوگ اخلاص کے ساتھ ایمان لے آئے اور انہوں نے احکام کی بجا آوری کی۔ یہ گناہوں سے پُر امت ہلاک ہو جاتی اگر اس کلمہ طیبہ کی مانند ان کا کوئی شفیع نہ ہوتا اور خاتم الرسل علیہم الصلوٰات والتسلیمات والتحیات جیسے (پیغمبر) ان کی شفاعت نہ فرماتے۔ اُمّةٌ مُّذْنِبَةٌ وَرَبٌّ غَفُورٌ۔ یعنی: امت گناہگار ہے اور پروردگار بخشنے والا ہے۔

جس قدر حق جل و علا کی معافی اور بخشش اس امت کے بارے میں کام آئے گی، معلوم نہیں کہ تمام گزشتہ امتوں کے کام بھی آئے۔ رحمت کے ننانوے حصے اسی پُر گناہ امت کے لیے ذخیرہ کیے گئے ہیں:

ع کہ مستحق رحمت گناہگار مانند^(۱)

یعنی: کیونکہ رحمت کے مستحق گناہگار ہیں۔

چونکہ حق سبحانہ و تعالیٰ معافی اور مغفرت کو دوست رکھتا ہے اور معافی اور مغفرت کے لیے اس پُر گناہ امت کے برابر کوئی اور محل نہیں ہے، لہذا یقیناً یہ امت خیر الامم بن گئی اور کلمہ طیبہ جو اُن کی شفاعت کرنے والا ہے، وہ افضل الذکر بن گیا اور ان کی شفاعت کرنے والے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے سید الانبیاء علیہم الصلوٰات والتحیات کا خطاب پایا۔

أُولَٰئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ ط وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا۔ (سورۃ فرقان، ۷۰)

یعنی: ایسے لوگوں کے گناہوں کو اللہ نیکوں سے بدل دے گا اور اللہ تو بخشنے والا مہربان ہے۔

جی ہاں! اَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ (سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا) ایسا ہی ہے اور اَحْكَمُ الْأَحْكَمِينَ (سب سے بڑھ کر کریم) اسی طرح ہونا چاہیے:

ع با کریمیاں کارہا دشوار نیست

یعنی: کریم ذات کے لیے کام مشکل نہیں ہیں۔

وَكَانَ اللَّهُ ذَلِكَ يَسِيرًا (سورة نساء، ۳۰) رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَإِسْرَافَنَا فِي أَمْرِنَا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ. (سورة آل عمران، ۱۴۷)

یعنی: اور یہ اللہ کو آسان ہے۔ اے ہمارے پروردگار! ہمارے گناہ اور زیادتیاں جو ہم اپنے کاموں میں کرتے ہیں، معاف فرما اور ہم کو ثابت قدم رکھ اور کافروں پر فتح عنایت فرما۔

نیز اس کلمہ کے فضائل سنو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وبارک نے فرمایا: مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ. (۲) یعنی: جس نے کہا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وہ جنت میں داخل ہوا۔

کوتاہ نظر لوگ تعجب کرتے ہیں کہ ایک بار لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کہنے سے (ہمیشہ کے لیے) جنت میں داخل ہونا کیسے میسر ہو جائے گا۔ وہ اس کلمہ طیبہ کی برکات سے واقف نہیں ہیں۔ اس فقیر کو محسوس ہوا ہے کہ اگر سارے جہاں کو ایک باری کلمہ طیبہ کہنے سے بخش دیں اور بہشت میں بھیج دیں تو اس کی گنجائش ہے اور مشہود ہوتا ہے کہ اس کلمہ مقدسہ کی برکات کو اگر تمام عالم پر تقسیم کریں تو وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے سب کی کفایت کرے اور سب کو سیراب کرے۔ پھر کیسا ہو جب اس کلمہ طیبہ کے ساتھ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللَّهِ جمع ہو جائے اور توحید کی تبلیغ کا انتظام ہو جائے اور رسالت ولایت کے ساتھ مل جائے۔ ان دو کلمات کا مجموعہ ولایت اور نبوت کے کمالات کا جامع ہے اور ان دونوں سعادتوں کے راستے کا رہنما ہے، جو ولایت کو ظلال کے ظلمات سے پاک بناتا ہے اور نبوت کو بلند درجے پر پہنچاتا ہے۔ اَللّٰهُمَّ لَا تَخْرِمْْنَا مِنْ بَرَكَاتِ هَذِهِ الْكَلِمَةِ الطَّيِّبَةِ وَثَبِّتْنَا عَلَيْهَا وَآمِنْنَا عَلَى تَصْدِيقِهَا وَاحْشُرْنَا مَعَ الْمُصَدِّقِينَ لَهَا وَادْخُلْنَا الْجَنَّةَ بِحُرْمَتِهَا وَحُرْمَةِ مُبَلِّغِيهَا عَلَيْهِمُ الصَّلَوَاتُ وَالتَّلَامِيْمَاتُ وَالتَّحِيَّاتُ وَالْبَرَكَاتُ.

یعنی: اے اللہ! ہمیں اس کلمہ طیبہ کی برکات سے محروم نہ فرما اور ہمیں اس پر ثابت قدم رکھ اور ہمیں اس کی تصدیق پر موت عطا فرما اور ہمارا حشر اس کی تصدیق کرنے والوں کے ساتھ فرما اور ہمیں اس کے طفیل اور اس کی تبلیغ کرنے والے (انبیاء) علیہم الصلوٰات والتسلیمات والتحیات والبرکات کے صدقے جنت میں داخل فرما نا۔

نیز جب نظر اور قدم عاجز ہو جاتے ہیں اور ہمت کے بال و پر جھڑ جاتے ہیں اور معاملہ غیب صرف کے ساتھ پڑتا ہے تو اس مقام میں کلمہ طیبہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللَّهِ کے پاؤں کے بغیر چلا نہیں جاسکتا اور اس کلمہ مقدسہ کی آغوش میں بیٹھے بغیر یہ مسافت طے نہیں کی جاسکتی۔ اس کلمہ طیبہ کو ایک بار کہنے سے اس مقام کا مسافر اس کلمہ طیبہ مقدسہ کی حقیقت کی مدد و اعانت سے اس مسافت کے راستے کا ایک قدم طے کر لیتا ہے اور وہ اپنی ذات سے دور اور حق جل و علا کے قریب ہو جاتا ہے اور اس مسافت کا ہر ایک جزو عالم امکان کے تمام دائرے سے کئی گنا زیادہ ہے۔ اس طرح اس ذکر کی فضیلت کو سمجھنا چاہیے جس کے مقابلے میں تمام دنیا کی کوئی مقدار اور کوئی حیثیت نہیں ہے۔ کاش کہ یہ دریائے محیط کے مقابلے میں ایک قطرے کا حکم رکھتی۔ اس کلمہ طیبہ کی عظمت کا ظہور کہنے والے کے درجات کے اعتبار سے ہے۔ جس قدر کہنے والے کا درجہ زیادہ ہوتا ہے۔ اُسی قدر اس کلمہ مقدسہ کی عظمت کا ظہور بھی زیادہ ہوگا۔

يَزِيدُكَ وَجْهَهُ حُسْنًا إِذَا مَا زِدْتَهُ نَظْرًا

یعنی: جتنی بار زیادہ تو اُس کے چہرے کو دیکھے گا، اتنا ہی زیادہ اس کا چہرہ تجھے حسین نظر آئے گا۔

کوئی آرزو دنیا میں معلوم نہیں ہے جو اس کے برابر ہو کہ ایک آدمی گوشے میں تنہا بیٹھے اور اس کلمہ طیبہ کے تکرار سے لطف اندوز اور محفوظ ہو۔ لیکن کیا کہا جاسکتا ہے کہ سب آرزوئیں میسر نہیں ہیں اور غفلت اور خلقت کے ساتھ میل جول کے سوا چارہ نہیں ہے۔ رَبَّنَا أَنْتُمْ لَنَا نُورٌ نَا وَاعْفُو لَنَا إِنَّكَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ. (سورۃ تحریم، ۸) سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ. وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ. وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ. (سورۃ صافات، ۱۸۱-۱۸۲) یعنی: اے ہمارے پروردگار! ہمارا نور ہمارے لیے پورا کر اور ہمیں معاف فرما، بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے۔ یہ جو کچھ بیان کرتے ہیں تمہارا پروردگار جو صاحبِ عزت ہے، اس سے پاک ہے اور پیغمبروں پر سلام ہو اور سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہی ہے جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔

مکتوب نمبر (۳۸)

حاجی محمد یوسف کشمیری کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ اہل اللہ کے باطن کا دنیا کے ساتھ رائی برابر بھی تعلق نہیں ہے،

اگرچہ وہ ظاہری طور پر دنیا اور دنیا کے اسباب کو اختیار کرتے ہیں اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کا بیان)۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ وَسَلَامٌ عَلَى عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَى. (سورۃ النمل، ۵۹)

یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اُس کے اُن بندوں پر سلام ہو جن کو اُس نے منتخب فرمایا۔

اللہ جل سلطنت کی معرفت اس آدمی پر حرام ہے جس کے باطن میں رائی کے برابر دنیا کی محبت ہو یا اس کے باطن کا دنیا کے ساتھ اتنا ہی تعلق ہو، یا دنیا کے بارے میں اتنا سا خیال بھی اس کے باطن میں گزرے۔ رہا اس کا ظاہر جو باطن سے کئی منزلیں دور پڑا ہے اور آخرت سے دنیا میں آگیا ہے اور اس نے لوگوں کے ساتھ میل جول پیدا کر لیا ہے، تاکہ وہ مناسبت حاصل ہو جائے جو افادہ اور استفادہ کی شرط ہے۔

اگر وہ دنیا کی بات کرے اور دنیاوی اسباب کو اختیار کرے تو اس کی گنجائش ہے اور کچھ مذموم نہیں، بلکہ محمود ہے، تاکہ بندوں کے حقوق معطل نہ ہوں اور افادہ و استفادہ کا راستہ بند نہ ہو۔ پس اس شخص کا باطن اس کے ظاہر سے بہتر ہے، وہ جو نما گندم فروش کا حکم رکھتا ہے اور ظاہر بین لوگ اپنی طرح اس کو گندم نما جو فروش تصور کرتے ہیں۔ وہ اس کے ظاہر کو اس کے باطن سے بہتر سمجھتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ وہ ظاہری طور پر دنیا سے تعلق نظر آتا ہے اور باطنی طور پر (اس میں) گرفتار ہے۔

رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَأَنْتَ خَيْرُ الْفَاتِحِينَ. (سورۃ اعراف، ۸۹)

یعنی: اے ہمارے پروردگار! ہم میں اور ہماری قوم میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دے اور تو سب سے بہتر فیصلہ کرنے

والا ہے۔

وَالسَّلَامُ عَلَى مَنْ اتَّبَعَ الْهُدَى (سورۃ طہ، ۴۷) وَالتَّزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفَى عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيمَاتُ الْعَلَى. یعنی: اور جو شخص ہدایت کی بات مانے اور (حضرت محمد) مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی متابعت

کو لازم پکڑے، اس کو سلامتی نصیب ہو اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی آل (اطہار) پر عمدہ درود و سلام ہو۔

مکتوب نمبر (۳۹)

سید عبدالباقی سارنگپوری کو تحریر فرمایا۔ اصحاب یمن، اصحاب شمال اور سابقین جنہوں نے ایک قدم شمال پر اور دوسرا یمن پر رکھا ہوا ہے اور سبقت کی گیند میدانِ اصل میں لے گئے ہیں، کے بیان میں اور جو کچھ اُس کے مناسب ہے (اس کا بیان)۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ. الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی. (سورۃ النمل، ۵۹)
یعنی: شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔ سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اُس کے اُن بندوں پر سلام ہو جن کو اُس نے منتخب فرمایا۔

اللہ تعالیٰ آپ کو ہدایت بخشے! جان لیں کہ اصحاب شمال تاریک پردوں والے لوگ ہیں اور اصحاب یمن نورانی پردوں والے صاحبان ہیں اور سابقین وہ لوگ ہیں جو ان پردوں اور اُن پردوں سے باہر نکل آئے ہیں اور ایک قدم شمال پر اور دوسرا قدم یمن پر رکھ کر سبقت کی گیند میدانِ اصل میں لے گئے ہیں اور وہ ظلالِ امکانی اور ظلالِ وجوبی سے اوپر گزر گئے ہیں اور انہوں نے اسم و صفت اور شان و اعتبار سے ذاتِ تعالیٰ و تقدس کے علاوہ کچھ نہیں چاہا۔

اصحاب شمال کفر و شقاوت والے ہیں اور اصحاب یمن اہلِ اسلام اور اربابِ ولایت ہیں اور سابقین اصل میں انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات ہیں اور تبعیت (پیروی) کے لحاظ سے جس کو چاہیں اس دولت سے مشرف فرمادیں۔ تبعیت کے طور پر یہ دولت زیادہ تر انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کے اکابر صحابہ (کرامؓ) میں موجود ہے اور قلت و ندرت کے طور پر غیر صحابہ میں بھی ثابت ہے۔ درحقیقت یہ شخص بھی صحابہ (کرامؓ) کے گروہ میں سے ہے اور انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کے کمالات سے ملا ہوا ہے۔ شاید نبی کریم علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے اسی کے بارے میں فرمایا ہے:

لَا يُدْرِي أَوَّلُهُمْ خَيْرٌ أَمْ آخِرُهُمْ. (۱) یعنی: معلوم نہیں کہ ان کا اول اچھا ہے یا ان کا آخر۔
اگرچہ آپ علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ بھی فرمایا: خَيْرُ الْقُرُونِ قُرْنِي. (۲)

یعنی: زمانوں میں بہترین میرا زمانہ ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس (اپنے زمانے) کو زمانوں کے اعتبار سے (بہترین) فرمایا اور اس (آخری زمانے) کو آدمیوں کے لیے لحاظ سے فرمایا۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ اَعْلَمُ. یعنی: اور اللہ سبحانہ ہی خوب جانتا ہے۔

لیکن اہل سنت کا اجماع انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کے بعد شیخین (حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ) کی افضلیت پر ہے۔ کوئی شخص ایسا نہیں ہے جسے (حضرت) ابوبکر (رضی اللہ عنہ) پر سبقت حاصل ہو۔ اس امت کے سابقین میں سب سے سابق اور اس ملت کے پہلوں میں سب سے پہلے وہی ہیں اور حضرت (عمر) فاروق (رضی اللہ عنہ) انہی کے ذریعے افضلیت کی دولت سے مشرف ہوئے ہیں اور ان کے توسط سے دوسروں سے اوپر چلے گئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ (حضرت عمر) فاروق

(رضی اللہ عنہ) کو (حضرت ابوبکر) صدیق (رضی اللہ عنہ) کا خلیفہ کہتے تھے اور خطبہ میں خَلِيفَةُ خَلِيفَةِ رَسُولِ اللَّهِ (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلیفہ کے خلیفہ) پڑھا کرتے تھے۔ اس معاملے کے شہسوار (حضرت ابوبکر) صدیق (رضی اللہ عنہ) ہیں اور حضرت (عمر) فاروق (رضی اللہ عنہ) ان کے پیچھے بیٹھنے والے ہیں۔ پس کتنا اچھا پیچھے بیٹھنے والا ہے جو شہسوار کی رفاقت کرے اور اس کے خاص ترین اوصاف میں شرکت فرمائے۔

اب ہم اصل مطلب کی طرف آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ سابقین یمین اور شمال کے احکام سے خارج ہیں اور ظلمانی اور نورانی معاملات سے بالا ہیں۔ ان کا نامہ اعمال یمین کے نامہ اعمال اور شمال کے نامہ اعمال سے بالاتر ہے اور ان کا حساب کتاب اصحاب یمین اور اصحاب شمال سے بالاتر ہے۔ ان کے ساتھ کاروبار علیحدہ ہے اور ان کے ساتھ ناز و ادا اور انداز کار و بار الگ ہے۔ اصحاب یمین اصحاب شمال کی طرح ان کے کمالات کو کیسے پاسکتے ہیں اور ارباب ولایت تمام مومنوں کی مانند ان کے اسرار سے کیا حاصل کر سکتے ہیں۔ حروف مقطعات قرآنی ان کے اسرار کے راز ہیں اور متشابہات فرقانی ان کے درجات وصول کے خزانے ہیں۔ اصل کے ساتھ وصول نے ان کو ظل سے فارغ کر دیا ہے اور ارباب ظلال کو ان کی خاص حریم سے دور کر دیا ہے۔ مقربین (درگاہ) یہی لوگ ہیں اور روح و ریحان (بہشت) ان کو نصیب ہے، جن کو (قیامت کے روز کا) بھاری خوف غمگین نہیں کرے گا (سورۃ انبیاء، ۱۰۳) اور دوسروں کی مانند قیامت کے خوفوں سے نہیں گھبرائیں گے۔

اللَّهُمَّ اجْعَلْنَا مِنْ مُحِبِّهِمْ فَإِنَّ الْمَرْءَ مَعَ مَنْ أَحَبَّ بِصَدَقَةِ سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَعَلَيْهِمُ الصَّلَاةُ وَالتَّسْلِيمَاتُ وَالتَّحِيَّاتُ وَالْبَرَكَاتُ.

یعنی: اے اللہ! سید المرسلین (حضرت محمد مصطفیٰ) صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے تو ہمیں ان سے محبت کرنے والوں سے بنا، کیونکہ (روز قیامت) آدمی اس کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت کرتا ہے۔

مکتوب نمبر (۴۰)

مولانا بدر الدین کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ پردوں کا اٹھنا شہود کے اعتبار سے ہے، وجود کے اعتبار سے نہیں ہے،

اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کا بیان)۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ وَسَلَامٌ عَلَى عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَى. (سورۃ النمل، ۵۹)

یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اُس کے اُن بندوں پر سلام ہو جن کو اُس نے منتخب فرمایا۔

حضرت ذات تعالیٰ و تقدس کے اسماء و صفات اور شیون و اعتبارات کے پردوں کے اٹھنے کی دو قسمیں ہیں۔ اٹھنے کی ایک قسم شہود کے اعتبار سے ہے اور دوسری وجود کے اعتبار سے ہے۔ وجود (کے پردے) کا اٹھنا محال ہے اور شہود (کے پردے) کا اٹھنا ممکن، بلکہ واقع ہے۔ اگرچہ (یہ) بہت ہی قلیل اور بہت خاص الخاص (حضرات) کو نصیب ہے اور جو بات حدیث میں آئی ہے کہ: إِنَّ لِلَّهِ سَبْعِينَ أَلْفَ حِجَابٍ مِّنْ نُورٍ وَظُلْمَةٍ لَّوْ كُشِفَ لَا حَرَقَتْ سُبْحَاتُ وَجْهِهِ مَا أَنْتَهَى إِلَيْهِ بَصَرُهُ مِنْ خَلْقِهِ^(۱)۔ یعنی: بیشک اللہ تعالیٰ کے لیے نور و ظلمات کے ستر ہزار پردے ہیں۔ اگر وہ اٹھا دیے جائیں تو اس کے چہرے کے انوار وہاں تک ہر شے کو جلاڈالیں جہاں تک مخلوق میں اس کی نگاہ پہنچتی ہے۔

(پردوں کے) اس ہٹنے اور اٹھنے سے مراد وجود (کے پردے) کا اٹھنا ہے جو محال ہے اور جو چیز اس فقیر نے اپنے بعض رسائل میں لکھی ہے کہ حضرت ذاتِ تعالیٰ و تقدّس کے تمام پردوں کے اٹھنے سے مراد شہود (کے پردے) کا اٹھنا ہے، جیسے کہ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ ایک شخص کو ایسی بینائی کرامت فرمائے کہ وہ پردوں اور اوٹ کے پیچھے چھپی ہوئی چیزوں کو دیکھ لے۔ یہاں پردوں اور اوٹ کا اٹھنا شہود کے اعتبار سے ہے۔ پس یہ بھی ایسے ہی ہے۔

سومعلوم ہو گیا کہ جو چیز اس فقیر نے (پردوں کے) اٹھنے کے جواز میں لکھی ہے، وہ پردوں کے اٹھنے کا جواز نہ ہونے کے خلاف نہیں ہے، کیونکہ (پردوں کا) وہ اٹھنا اور ہے اور (پردوں کا) یہ اٹھنا اور ہے۔ فَلَا تَكُنْ مِنَ الْمُمْتَرِينَ۔
یعنی: پس تو شک کرنے والوں میں سے نہ ہو۔

وَالسَّلَامُ عَلَى مَنْ اتَّبَعَ الْهُدَى (سورۃ طہ، ۴۷) وَالتَّوَكُّلُ مُتَابَعَةُ الْمُصْطَفَى عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيمَاتُ الْعُلَى۔ یعنی: اور جو شخص ہدایت کی بات مانے اور (حضرت محمد) مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی متابعت کو لازم پکڑے، اس کو سلامتی نصیب ہو۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی آل (اطہار) پر عمدہ درود و سلام ہو۔

مکتوب نمبر (۴۱)

شیخ فرید تھانیسری کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ نہایت النہایت کے مراتب سے آگے ایک ایسا مرتبہ سامنے آتا ہے جس کا ہر ایک ذرّہ تمام دائرہ امکان سے کئی گنا زیادہ ہے اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کا بیان)۔
بِعْنَايَةِ اللَّهِ سُبْحَانَهُ وَبِصَدَقَةِ حَبِيبِهِ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ الصَّلَوَةُ وَالسَّلَامُ۔ (اللہ سبحانہ کی عنایت سے اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے) نہایت النہایت کے مراتب کی جانب عروج کے وقت ایک ایسا مرتبہ سامنے آیا جس کا ہر ایک ذرّہ تمام دائرہ امکان سے کئی گنا زیادہ تھا۔ لہذا اس مقام سے ذرّہ بھر سلوک طے کیا جائے تو گویا دائرہ امکان سے کئی گنا زیادہ (فاصلہ) طے کرنا میسر ہو جائے گا۔ پھر کیسا ہے وہ سالک جس نے اس مرتبہ کی طویل مسافت طے کر لی ہو۔
پس معلوم ہوا کہ مراتب و جوب اور جو کچھ اس کے اوپر ہے، کے مقابلے میں دائرہ امکان کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔
کاش یہ دریائے محیط کے مقابلے میں قطرے کا حکم رکھتا۔ پس یقیناً اپنے پاؤں کی طاقت سے محبوب کے کوچے میں نہیں پہنچا جا سکتا اور اپنی آنکھوں سے اسے نہیں دیکھا جاسکتا۔ لَا يَحْمِلُ عَطَايَا الْمَلِكِ إِلَّا مَطَايَاً^(۱)۔ یعنی: بادشاہ کے عطیات کو اس کی سواریاں ہی اٹھا سکتی ہیں۔

مکتوب نمبر (۴۲)

خواجہ جمال الدین حسین ولد مرزا حسام الدین احمد کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ صوفیہ نے سیر کو آفاق و انفس میں منحصر رکھا ہے اور ان دوسروں میں تخلیہ اور تجلیہ کو ثابت کیا ہے اور حضرت عالی (مجدد) قدس سرہ الاقدس اس حصر سے منع فرماتے ہیں اور اللہ سبحانہ کی عنایت سے نہایت النہایت کو آفاق و انفس سے باہر ثابت فرماتے ہیں اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کا بیان)۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ. الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ. وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ وَعَلَى آلِهِ الْكَرَامِ وَأَصْحَابِهِ الْعِظَامِ مِنْ يَوْمِنَا هَذَا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامِ.

یعنی: شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان (اور) نہایت رحم والا ہے۔ سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے جو سارے جہانوں کا رب ہے اور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی آل کرام اور صحابہ عظام پر اس روز سے لے کر قیامت کے دن تک درود و سلام ہو۔

پیارے فرزند! اللہ تعالیٰ تمہیں دونوں جہانوں میں سعادت مند بنائے! خوب غور سے سنو کہ جب سالک نیت کو درست کرنے اور خواہشات سے رہائی پانے کے بعد ذکر الہی جل سلطانہ میں مشغول ہوتا ہے اور سخت ریاضتوں اور کٹھن مجاہدوں کو اختیار کرتا ہے اور تزکیہ حاصل کر لیتا ہے اور اس کی بری صفات اچھے اخلاق میں تبدیل ہو جاتی ہیں اور توبہ و انابت اسے میسر ہو جاتی ہے اور اس کے دل سے دنیا کی محبت باہر نکل جاتی ہے اور صبر و توکل اور رضا حاصل ہو جاتی ہے اور ان حاصل ہونے والی چیزوں کو تدریج و ترتیب سے عالم مثال میں مشاہدہ کرتا ہے اور خود کو بشری کدورتوں اور اس کی بری صفات سے پاک اور صاف پاتا ہے تو یقیناً (اس وقت) وہ سیر آفاقی کو مکمل کر چکا ہوتا ہے۔

اس گروہ میں سے ایک جماعت نے اس مقام میں احتیاط سے کام لیا ہے اور سات انسانی لطائف میں سے ہر لطیفہ کو عالم مثال میں ان کے مناسب انوار میں سے کسی نور کی صورت میں قرار دیا ہے اور ہر لطیفہ کی صفائی کی علامت ان مثالی انوار میں سے کسی نور کے ظہور کو مقرر کیا ہے اور اس سیر کی ابتدا لطیفہ قلب سے کر کے اسے بتدریج و ترتیب لطیفہ اخفی جو لطائف کی انتہا ہے، تک پہنچایا ہے۔ مثلاً انہوں نے سالک کے قلب کی صفائی کی علامت اس کے قلب میں سرخ نور کے ظاہر ہونے کو قرار دیا ہے اور روح کی صفائی کی علامت کو زرد نور قرار دیا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس۔

پس سیر آفاقی کا حاصل یہ ہوا کہ سالک اپنی صفات کی تبدیلی اور اخلاق کے بدلنے کا عالم مثال کے آئینوں میں مشاہدہ کرتا ہے اور اس عالم میں اپنی ظلمتوں اور کدورتوں کے زوال کا احساس کرتا ہے، تاکہ اس کو اپنی صفائی کا ایک یقین حاصل ہو جائے اور اس کے لیے اپنے تزکیہ کا ایک علم ثابت ہو جائے۔ جب سالک اس سیر میں اپنے احوال و اطوار کو لحظہ بہ لحظہ عالم مثال میں، جو کہ جملہ آفاق میں سے ہے، مشاہدہ کرتا ہے اور اپنے آپ کو اس عالم میں ایک حالت سے دوسری حالت میں تبدیل ہوتے دیکھتا ہے تو گویا اس کی یہ سیر آفاق میں ہوتی ہے۔ اگرچہ یہ سیر درحقیقت سالک کے نفس کی سیر ہے اور اس کے (اپنے) اوصاف و اخلاق کی حرکتِ کیفی (ایک حالت سے دوسری حالت میں تبدیل ہونے کی کیفیت) ہے، لیکن دور بینی کی بنا پر چونکہ اس کا مطلق نظر آفاق ہے نہ کہ نفس، لہذا یہ سیر بھی آفاق کی جانب منسوب ہوئی۔ پس آفاق کی طرف منسوب اس سیر کے مکمل ہونے کو سیر الی اللہ کی تکمیل قرار دیا گیا ہے اور فنا کو اس سیر سے متعلق رکھا ہے اور سلوک کی تعبیر اس سیر سے کی گئی ہے۔

اس کے بعد جو سیر واقع ہوتی ہے، اس کو سیر نفسی کا نام دیتے ہیں اور سیر فی اللہ بھی کہتے ہیں اور بقاء باللہ اسی مقام میں ثابت کرتے ہیں اور اس مقام میں ہی سلوک کے بعد جذبہ کا حاصل ہونا سمجھتے ہیں۔ چونکہ سالک کے لطائف پہلی سیر (آفاقی) میں تزکیہ حاصل کر چکے ہیں اور بشری کدورتوں سے آزاد ہو چکے ہیں، لہذا انہوں نے اس چیز کی قابلیت پیدا کر لی

ہے کہ اسم جامع، جو اس کا رب ہے، کے ظلال و عکوس ان لطائف کے آئینوں میں ظاہر ہو جائیں اور یہ لطائف اس اسم جامع کی جزئیات کی تجلیات و ظہورات کے ورود کی جگہ بن جائیں۔

اس سیر کا نام سیرِ انفسی اس لیے رکھتے ہیں کہ نفس ان اسماء کے ظلال و عکوس کا آئینہ بن گئے ہیں، نہ یہ کہ سالک کی سیر نفس میں ہوتی ہے۔ جیسا کہ (اوپر) سیرِ آفاقی میں مذکور ہوا ہے کہ آئینہ داری کے اعتبار سے اس کو سیرِ آفاقی کہا گیا ہے، نہ یہ کہ سیرِ آفاق میں واقع ہے۔ اس سیر میں درحقیقت اسماء کے ظلال کی سیر ہے جو انفس کے آئینوں میں ہے، لہذا اس سیر کو 'عاشق کی سیر معشوق میں' کہا گیا ہے:

آئینہ صورت از سفر دورست کان پذیرائے صورت از نورست
یعنی: آئینہ جو صورت قبول کرتا ہے وہ سفر (حرکت) کرنے سے عاری ہے، وہ تو اپنی نورانیت کی وجہ سے صورت کو قبول کرتا ہے۔

اس سیر کو سیر فی اللہ اس اعتبار سے کہا جاسکتا ہے کہ (صوفیہ) نے کہا ہے کہ سالک اس سیر میں اللہ سبحانہ کے اخلاق سے آراستہ ہو جاتا ہے اور ایک اخلاق سے دوسرے میں تبدیل ہو جاتا ہے، کیونکہ مظہر کو ظاہر کے بعض اوصاف سے حصہ نصیب ہوتا ہے، اگرچہ وہ کم ہی ہو۔ پس گویا حق سبحانہ و تعالیٰ کے اسماء میں سیر ثابت ہوگئی۔ اس مقام کی تحقیق کی انتہا اور اس کلام کی تصحیح یہی ہے۔ صاحبِ مقام کا حال کیسا ہے؟ اور کلام کرنے والے کی مراد کیا ہے؟ ہر شخص اپنی فہم اور دریافت کے اندازے سے کوئی چیز کہتا ہے اور متکلم اپنے کلام سے ایک معنی مراد لیتا ہے اور سننے والا اسی کلام سے ایک دوسرا مطلب سمجھتا ہے۔

مشائخِ سیرِ انفسی کو بلا تکلف سیر فی اللہ کہتے ہیں اور بے تحاشا اس کا نام بقا باللہ رکھتے ہیں اور (اس کو) وصل و اتصال کا مقام خیال کرتے ہیں۔ یہ اطلاعات اس فقیر پر بڑی گراں گزرتی ہیں۔ لہذا ان کی تصحیح و توجیہ کے لیے حیلہ و تکلف اختیار کیا جا رہا ہے، جس کا کچھ حصہ انہی مشائخ کے کلام سے ماخوذ ہے اور تھوڑا سا افاضہ و الہام کے ذریعے سے حاصل ہوا ہے۔ سیرِ آفاقی میں گویا برے اخلاق سے چھٹکارا حاصل ہو گیا تھا اور اس سیرِ انفسی میں پسندیدہ اخلاق جلوہ گر ہو گئے ہیں۔ کیونکہ برے اخلاق سے چھٹکارا مقام فنا کے مناسب ہے اور پسندیدہ صفات کی جلوہ گری مقام بقا کے مناسب ہے۔ ان کے ہاں اس سیرِ انفسی کے لیے نہایت نہیں ہے اور اس کے طے کرنے کے لیے اگر سالک کو ابدی عمر میسر ہو جائے تو بھی (ان مشائخ نے) اس کے طے نہ ہونے کا حکم کیا ہے اور کہا ہے کہ محبوب کے شامل اور اوصاف کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ لہذا اخلاق اللہ سے آراستہ سالک کے آئینے میں لایزال (باری تعالیٰ) کی صفات میں سے ایک صفت کی تجلی ہوتی رہے گی اور اس کے کمالات میں سے ایک کمال کا ظہور ہوتا رہے گا۔ پس طے کر لینا کہاں ہوا اور انتہا کس طرح جائز ہوگی۔ (مشائخ نے) کہا ہے:

ذّرہ گر بس نیک و ر بس بد بود گرچہ عمرے تگ زند در خود بود

یعنی: ذرّہ خواہ اچھا ہو اور خواہ بُرا ہو، خواہ عمر بھر کوشش کرے وہ ذرّہ ہی رہتا ہے۔

اس فنا و بقا کو جو سیرِ آفاقی اور سیرِ انفسی سے حاصل ہوئی ہے، (مشائخ) ولایت کا نام دیتے ہیں اور کمال کی انتہا کو اس مقام تک جانتے ہیں۔ اس کے بعد اگر سیر واقع ہو تو ان کے نزدیک یہ سیر رجوعی ہے جو سیر عن اللہ باللہ سے تعبیر کی جاتی ہے۔

اسی طرح چوتھی سیر جس کو سیر فی الاشیاء باللہ کہتے ہیں، بھی نزول سے تعلق رکھتی ہے اور ان دونوں سیروں کو تکمیل و ارشاد کے لیے قرار دیا گیا ہے جیسا کہ وہ (پہلی) دو سیریں نفس ولایت و کمال کے حاصل کرنے کے لیے (مقرر) ہیں۔ ایک جماعت نے کہا ہے کہ (اس) حدیث میں جن ستر ہزار پردوں کا ذکر آیا ہے کہ: اِنَّ لِلّٰہِ سَبْعِیْنَ اَلْفَ حِجَابٍ مِّنْ نُورٍ وَّظُلْمَةٍ۔^(۱) یعنی: بیشک اللہ تعالیٰ کے نور و ظلمات کے ستر ہزار پردے ہیں۔

(یہ پردے) سیر آفاقی میں اُٹھ جاتے ہیں، کیونکہ سات لطائف میں سے ہر لطیفہ کے اندر دس دس ہزار پردے اُٹھ جاتے ہیں اور جب وہ سیر تکمیل کو پہنچتی ہے تو تمام پردے دور ہو جاتے ہیں اور سالک سیر فی اللہ سے متصف ہو جاتا ہے اور مقام وصل میں پہنچ جاتا ہے۔ ارباب ولایت کی سیر و سلوک کا حاصل اور ان کے کمال و تکمیل کا جامعہ نسخہ یہی ہے۔ اس بارے میں جو کچھ اس فقیر پر محض اللہ جل سلطانہ کے فضل و کرم سے ظاہر کیا گیا ہے اور جس راستے پر اس کو چلایا گیا ہے، اس نعمت کے اظہار اور عطیہ کا شکر ادا کرنے کی غرض سے (فقیر) اس کو تحریر کرتا ہے۔ فَاَعْتَبِرُوا یَا اُولِی الْاَبْصَارِ۔ (سورۃ حشر، ۲) یعنی: تو اے (بصیرت کی) آنکھیں رکھنے والو! عبرت پکڑو۔

جاننا چاہیے، اللہ تعالیٰ تجھے سعادت مند بنائے اور سیدھے راستے کی ہدایت بخشے، کہ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ جو بے مثل و بے مثال ہے، جیسا کہ وہ آفاق سے بالاتر ہے، ایسے ہی نفس سے بھی بالاتر ہے۔ لہذا سیر آفاقی کو سیر الی اللہ کہنا اور سیر انفسی کو سیر فی اللہ کا نام دینا کوئی معنی نہیں رکھتا، بلکہ دونوں سیریں آفاقی اور انفسی سیر الی اللہ (میں داخل) ہیں اور سیر فی اللہ ایسی سیر ہے جو آفاق و انفس سے کئی منازل دور ہے اور ان سے وراء الراء ہے۔

ایک عجیب معاملہ ہے کہ سیر فی اللہ، جس کو (مشائخ نے) سیر انفسی قرار دیا ہے اور اس سیر کو بے نہایت کہا ہے اور ابدی عمر کے ساتھ بھی اس سیر کو طے کرنا جائز نہیں رکھا، جیسا کہ (اوپر) گزرا ہے۔ جب نفس آفاق کی طرح دائرہ امکان میں داخل ہیں تو پھر اس صورت میں دائرہ امکان کو طے کرنا ممکن نہ ہوگا، لہذا یقیناً دائمی حسرت اور ابدی خسارہ ہوگا اور فنا کبھی ثابت نہیں ہوگی اور نہ ہی کبھی بقا ثابت ہوگی۔ پھر وصل و اتصال کس طرح (نصیب) ہوگا اور پھر قرب و کمال کس طرح (حاصل) ہوگا؟

سبحان اللہ! جب بزرگ پانی کی بجائے سراب کو کافی سمجھیں اور الی اللہ کو فی اللہ خیال کریں اور امکان کو وجوب تصور کریں اور مثل کو بے مثل تعبیر فرمائیں تو پھر (فقیر) چھوٹوں اور پست فطرتوں سے کیا گلہ کرے اور ان سے شکایت کا اظہار کیسے کرے؟ کیا مصیبت آئی؟ انہوں نے نفس کو کس اعتبار سے حق جل و علا کہا ہے؟ اور اس کی سیر کو حد و نہایت کے باوجود بے نہایت خیال کر لیا ہے۔ سالک کے آئینے میں اسماء و صفات واجبی جل سلطانہ کے جس ظہور کو انہوں نے اس سیر انفسی کے اندر قرار دیا ہے، وہ ظہور اسماء و صفات کے ظلال میں سے ایک ظل کا ظہور ہے، نہ کہ عین اسماء و صفات کا ظہور جیسا کہ اس معنی کی تحقیق اس مکتوب کے آخر میں لکھی جائے گی، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

میں کیا کروں اور علم و تمیز رکھنے کے باوجود کس طرح حق تعالیٰ کی جناب پاک میں بے ادبی کو جائز رکھوں اور حق تعالیٰ کے ملک میں اللہ سبحانہ کے غیر کو شریک بناؤں۔ اگرچہ میں ان اکابر کے حقوق اپنے ذمے لازمی سمجھتا ہوں، کیونکہ میں نے کئی طرح سے ان کی تربیت سے پرورش پائی ہے، لیکن واجب الوجود جل سلطانہ کے حقوق ان سب کے حقوق سے بالاتر ہیں اور

حق تعالیٰ کی تربیت دوسروں کی تربیت سے بالاتر ہے۔ میں نے حق تعالیٰ کے حسن تربیت سے اس بھنور سے نجات پائی ہے اور حق تعالیٰ کے مقدس ملک میں اللہ سبحانہ کے غیر کو شریک نہیں بنایا۔

الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي هَدَانَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا اَنْ هَدَانَا اللّٰهُ. (سورۃ اعراف، ۴۳)

یعنی: اللہ تعالیٰ کی حمد ہے، جس نے اس طرف کا راستہ دکھایا۔ اگر وہ ہم کو ہدایت نہ بخشا تو ہم ہرگز راستہ نہ پاتے۔
حق تعالیٰ بے مثل و بے مثال ہے اور جو چیز بھی مثلی و مثالی کے داغ سے داغدار ہے، وہ حق تعالیٰ کی جناب پاک سے دور ہے۔ اس طرح آفاق کے آئینوں اور انفس کی جلوہ گاہوں میں حق سبحانہ کی گنجائش نہیں ہے اور جو کچھ اس میں ظاہر ہوتا ہے وہ مثل و مثال کے مظاہر کی صورت میں ہے۔ لہذا آفاق و انفس سے آگے گزرنا چاہیے اور حق سبحانہ کو آفاق و انفس سے ماورا تلاش کرنا چاہیے اور جیسا کہ دائرہ امکان میں خواہ وہ آفاق ہو اور خواہ انفس ہو، اللہ سبحانہ کی ذات کی گنجائش نہیں ہے، اسی طرح حق تعالیٰ کے اسماء و صفات کی بھی گنجائش نہیں ہے اور جو کچھ وہاں ظاہر ہے، وہ اس ذات تعالیٰ و تقدس کے اسماء و صفات کے ظلال اور عکوس ہیں اور ان کی مثال ہیں۔ بلکہ اسماء و صفات کی ظلیت اور ان کی مثالیت بھی آفاق و انفس سے باہر ہے۔ یہاں بنانے سنوارنے اور نقشِ قدرت سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔ کس کا ظہور؟ اور تجلی کہاں؟ کیونکہ حق سبحانہ کے اسماء و صفات حق تعالیٰ کی ذات کی طرح بے مثل و بے مثال ہیں اور بے شبہ و بے نمونہ ہیں۔ جب تک تم آفاق و انفس سے باہر نہیں نکلو گے، اس وقت تک حق تعالیٰ کے اسماء و صفات کی ظلیت کے معنی نہیں سمجھ سکتے۔ پھر اس ذات تعالیٰ و تقدس کے اسماء و صفات کا وصول کس طرح ہو سکتا ہے۔

عجیب معاملہ ہے! اگر میں اپنے یقینی مکشوفات و معلومات میں سے کوئی بات بیان کروں تو وہ مشائخ کے مذاق کے موافق نہ ہوگی اور ان کے مکشوفات کے مطابق نہ ہوگی۔ میرے اوپر کون یقین کرے گا؟ اور کون قبول کرے گا؟ اور اگر میں نہ کہوں اور پوشیدہ رکھوں تو پھر میں نے حق کو باطل میں ملانا روا رکھا ہے اور جس چیز کا حق تعالیٰ و تقدس پر اطلاق کرنا جائز نہیں ہے، اس کا جواز پیدا کیا ہے۔ اس طرح میں ضرورت کے تحت جو چیز حق ہے اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی جناب پاک کے لائق ہے اس کا اظہار کرتا ہوں اور جو چیز اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی جناب پاک کے لیے نامناسب ہے، اس کی نفی کرتا ہوں اور دوسروں کے خلاف کرنے سے نہیں ڈرتا اور غم نہیں کرتا۔ دوسروں کی مخالفت کا خوف تب ثابت ہوگا جب مجھے اپنے معاملے میں تذبذب ہو اور مجھے اپنے مکشوف میں شبہ ہو۔ جب معاملہ کی حقیقت کو صبح کی سفیدی کی مانند ظاہر کر دیں اور چودھویں کے چاند کی طرح اصل معاملے کو واضح فرمادیں اور ظلال سے پوری طرح گزاردیں اور شبہ و مثال سے بالالے جائیں تو پھر اشتباہ کہاں ہوگا؟ اور تذبذب کسے ہوگا؟

ہمارے حضرت خواجہ (باقی باللہ) قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ احوال کے صحیح ہونے کی علامت کمال پر یقین کا حاصل ہونا ہے۔ اس طرح تذبذب اور اشتباہ کی صورت کیسے پیدا ہو کہ حق تعالیٰ کی بے انتہا عنایت سے ان بزرگواروں کے مقررہ احوال کی تفصیل پر اطلاع میسر ہو چکی ہے اور تو حید و اتحاد اور احاطہ و سرایان کے معارف مکشوف ہو گئے ہیں اور ان کے مکشوف و مشہود کی حقیقت حاصل ہو گئی ہے اور ان کے علوم و معارف کے دقائق مکمل واضح ہو چکے ہیں اور مدتوں اس مقام میں مقیم رہا

ہوں اور ان کے قلیل و کثیر سے الا ماشاء اللہ آگاہی ہوگئی اور آخر کار اللہ جل سلطانہ کے فضل سے ظاہر ہوا کہ یہ سب ظلال کی شعبہ بازیوں ہیں اور شبہ و مثال کی گرفتاری ہے۔ مطلوب (حقیقی) ان سے وراء الراء ہے اور مقصود ان سے سواء السوا ہے۔ ناچار ان سب سے منہ موڑ کر (فقیر ذات) بے مثل کی جناب پاک کی جانب متوجہ ہو گیا اور جو کچھ مثل و مثال کے داغ سے داغدار تھا، اس سے بری و آزاد ہو گیا۔ اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهَیْ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ۔ (سورۃ انعام، ۷۹) یعنی: میں نے سب سے یکسو ہو کر خود کو اسی ذات کی طرف متوجہ کیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔

اگر معاملہ اس طرح نہ ہوتا تو میں ہرگز مشائخ کے خلاف لب کشائی نہ کرتا اور گمان و اندازے سے ان کی مخالفت نہ کرتا۔ نیز ایسے ہی اگر یہ چیز واجب جل سلطانہ کی ذات و صفات کے خلاف تعلق نہ رکھتی اور بات حق تعالیٰ کی تقدیس و تنزیہ کے بارے میں نہ ہوتی تو یقیناً ان اکابر کے کشف کے خلاف اظہار واقع نہ ہوتا اور ان کے علوم کی مخالفت میں بات نہ کی جاتی۔ کیونکہ میں مکینہ ان کی دولتوں کے انباروں کا خوشہ چین ہوں اور ان کی نعمتوں کے دسترخوان سے پس خوردہ کھانے والا ایک کمترین ہوں۔ میں مکرر اظہار کرتا ہوں کہ یہی (مشائخ) ہیں جنہوں نے قسم قسم کی تربیت سے میری پرورش کی ہے اور طرح طرح کے کرم و احسان سے مجھے نفع پہنچایا ہے، لیکن کیا کیا جائے کہ اللہ جل سلطانہ کے حقوق ان کے حقوق سے بالاتر ہیں۔ جب بحث حق تعالیٰ کی ذات و صفات کے بارے میں چھڑتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ بعض امور کا اطلاق اللہ سبحانہ کی جناب پاک کے لائق نہیں ہے۔ لہذا اس مقام میں خاموش رہنا اور دوسروں کی مخالفت سے ڈرنا دین و دیانت سے دوری ہے اور بندگی و طاعت کا مقام اسے برداشت نہیں کرتا۔

مشائخ رحمہم اللہ سبحانہ کے ساتھ علماء کا اختلافی امور مسئلہ تو حید وغیرہ میں اختلاف نظر و استدلال کی بنا پر ہے اور اس فقیر کا ان امور میں ان کے ساتھ اختلاف کشف و شہود کی وجہ سے ہے۔ علماء ان امور کی برائی کے قائل ہیں اور یہ فقیر بشرط عبور ان کی اچھائی کا قائل ہے۔ وحدت الوجود کے مسئلہ میں شیخ علاء الدولہ (سمنانی رحمۃ اللہ علیہ) کا اختلاف علماء کے طور پر معلوم ہوتا ہے اور ان کی نظر برائی کی طرف ہے، اگرچہ یہ برائی کشف کے راستے سے آئی ہے، کیونکہ صاحب کشف اس کو برا نہیں سمجھتے۔ کیونکہ یہ مسئلہ عجیب حالات اور نرالے معارف پر مشتمل ہے۔ مختصر یہ ہے کہ اس مقام میں ٹھہرے رہنا اچھا نہیں اور ان احوال و معارف پر اکتفا کرنا زیبا نہیں۔

سوال: اس صورت میں مشائخ باطل پر ہوئے اور حق ان کے مکشوف و مشہود کے علاوہ ہوا۔

جواب: باطل وہ ہے جس میں ذرہ بھر صدق نہ ہو اور جو مسئلہ ہمارے زیر بحث ہے اس میں ان احوال و معارف کا منشا حق سبحانہ کی محبت کا غلبہ ہے اور یہ حق تعالیٰ کی حب کا ایسا غلبہ جو ماسوا کا نام و نشان ان کی نظر بصیرت میں نہیں چھوڑتا اور غیر و غیریت کے نام و رسم کو نیست و نابود بنا دیتا ہے۔ اس وقت یقیناً سا لک حال کے سکرو غلبہ کی بنا پر ماسوا کو معدوم سمجھے گا اور حق تعالیٰ کے سوا کسی کو موجود نہیں پائے گا۔ اس جگہ باطل کیا ہے؟ اور بطلان کہاں؟ اس مقام میں حق کا غلبہ ہے اور باطل کا بطلان ہے۔ ان بزرگواروں نے حق جلا و علا کی محبت میں خود کو اور اپنے غیر کو ترک کر دیا ہے اور اپنے اور اپنے غیر سے کوئی نام و نشان

نہیں چھوڑا۔ نزدیک ہے کہ باطل ان کے سائے سے بھی بھاگ پڑے۔ یہاں سب حق ہے اور حق کے لیے ہے۔ ظاہر بین علماء ان کی حقیقت کو کیسے پائیں؟ اور ظاہری مخالفت کے سوا کیا سمجھیں؟ اور ان کے کمالات سے کیا حاصل کریں؟ گفتگو اس معاملے میں ہے کہ ان احوال و معارف کے علاوہ بھی ایسے اور کمالات ہیں جن کے ساتھ ان کمالات کی نسبت اس طرح ہے، جس طرح کہ قطرے کی دریائے محیط کے ساتھ ہوتی ہے:

آسمان نسبت بہ عرش آمد فرود ورنہ بس عالی ست پیش خاک تود

یعنی: اگرچہ آسمان عرش کی نسبت نیچے ہے، لیکن وہ زمین سے بہت اونچا ہے۔

ہم اصل بات کی طرف آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جو کچھ پردوں کے اُٹھنے کے بارے میں مشائخ نے کہا ہے کہ سیرِ آفاقی میں ظلمانی و نورانی پردے کئی طور پر اُٹھ جاتے ہیں، جیسا کہ (اوپر) بیان ہوا ہے۔ اس فقیر کے نزدیک یہ بات تشویش کے لائق ہے، بلکہ اس کے خلاف ثابت ہوا ہے اور مشہود ہوا ہے۔ ظلمانی پردوں کا اُٹھنا امکان کے تمام مراتب کو طے کرنے سے وابستہ ہے جو سیرِ آفاقی اور سیرِ انفسی سے میسر ہوتا ہے، لیکن نورانی پردوں کا اُٹھنا واجبِ تعالیٰ و تقدس کے اسماء و صفات کی سیر سے متعلق ہے۔ یہاں تک کہ اس (ساک) کی نظر میں نہ اسم رہتا ہے اور نہ صفت رہتی ہے، اور نہ شان اور نہ اعتبار (رہتا ہے)۔ اس وقت نورانی پردوں کا کئی طور پر اُٹھنا میسر آ جاتا ہے اور ساک و صلِ عریانی سے مشرف ہو جاتا ہے اور یہ وصل حاصل ہونے میں بہت کم ہے اور اس کا واصل بہت نادر الوجود ہے۔ پھر معلوم نہیں کہ سیرِ آفاقی میں نصف ظلمانی پردے اُٹھے ہوں گے۔ نورانی پردوں کے اُٹھنے کی وہاں کیا صورت ہو سکتی ہے؟

مختصر یہ ہے کہ ظلمانی پردوں میں مراتب مختلف ہیں جو اشتباہ کا سبب بن جاتے ہیں، کیونکہ نفسانی پردے ظلمت میں قلبی پردوں سے اوپر ہیں۔ مثلاً جیسا کہ تھوڑی ظلمت والا اگر خود کو نورانی نسبت والا ظاہر کرتا ہے تو (یہ) ظلمانی بھی نورانی تخیل ظلمانی ظلمانی ہوتا ہے اور نورانی نورانی ہوتا ہے۔ تیز نظر والا ایک کو دوسرے سے خلط ملط نہیں کرتا اور اشتباہ کو پا کر ظلمت پر نور کا حکم نہیں لگاتا۔ ذلک فضلُ اللہِ یؤتیہ من یشاء ط وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ۔ (سورۃ حدید، ۲۱)

یعنی: یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، جسے چاہے عطا فرمائے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل کا مالک ہے۔

وہ طریقہ جس کے سلوک سے اس فقیر کو مشرف فرمایا گیا ہے، یہ ایک ایسا راستہ ہے جو جذبہ و سلوک کا جامع ہے۔ خلوت و جلوت وہاں آپس میں اکٹھی ہیں اور تصفیہ و تزکیہ اس جگہ میں ایک دوسرے کے ساتھ ملے ہوئے ہیں اور سیرِ انفس اس مقام میں سیرِ آفاق پر مشتمل ہے۔ عین تصفیہ میں تزکیہ ہے اور عین جلوت میں خلوت ہے اور جذبہ و سلوک کو فراہم کرتا ہے اور انفس آفاق کو شامل ہیں۔ لیکن ذاتی تقدّم جلوت و جذبہ کے لیے ہے اور تصفیہ کو تزکیہ پر ذاتی سبقت (حاصل) ہے اور ملحوظ خاطر انفس ہیں، نہ کہ آفاق۔ پس یقیناً یہ راستہ سب سے زیادہ قریب ہے اور وصول سے زیادہ نزدیک ہے، بلکہ ہم کہتے ہیں کہ یہ طریقہ یقیناً منزل مقصود تک پہنچانے والا ہے۔ اور اس میں عدم وصول کا احتمال مفقود ہے۔ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ سے استقامت کا سوال کرنا چاہیے اور فرصت طلب کرنی چاہیے۔

میں نے جو یہ کہا ہے کہ یہ طریقہ یقیناً (مقصود تک) پہنچانے والا ہے، اس لیے (کہا ہے) کہ اس راستے کا پہلا قدم

جذبہ ہے جو وصول کی دلیز ہے اور رک جانے کے مواقع یا تو سلوک کی منزلیں ہیں (اور) یا ایسے جذبات کے مقامات جو سلوک میں شامل نہیں ہیں اور اس طریقہ میں (یہ) دونوں رکاوٹیں دور کی ہوئی ہیں، کیونکہ سلوک طفیلی ہے جو جذبہ کے تحت حاصل ہو جاتا ہے۔ لہذا یہاں نہ تو سلوک خالص ہے اور نہ جذبہ ناقص جو راستے کی رکاوٹ بنے۔

یہ ایسا طریقہ ہے جو انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کی شاہراہ ہے۔ یہ بزرگوار (علیہم الصلوٰات والتسلیمات) اسی راستے سے اپنے اپنے درجات کے مطابق وصول کی منزلوں تک پہنچے ہیں اور آفاق و انفس کو ایک قدم میں طے کر کے انہوں نے دوسرا قدم آفاق و انفس سے اوپر رکھا ہے اور معاملے کو سلوک و جذبہ سے بالالے گئے ہیں۔ کیونکہ سلوک کی نہایت سیر آفاقی کی انتہا تک ہے اور جذبے کی نہایت سیر انفسی کی انتہا تک ہے اور جب سیر آفاقی اور انفسی نہایت کو پہنچ گئی تو سلوک کا معاملہ بھی مکمل ہو گیا۔ اس کے بعد نہ تو سلوک ہے اور نہ جذبہ ہے۔ یہ چیز ہر مجذوب سالک اور سالک مجذوب کی سمجھ میں نہیں آ سکتی، کیونکہ ان کے نزدیک آفاق و انفس سے بالاقدم رکھنے کی کوئی جگہ نہیں ہے۔ اگر بالفرض وہ ابدی عمر پائیں تو اسے سیر انفس میں صرف کر دیں گے اور ابھی تک اسے مکمل کر لینا نہیں سمجھیں گے۔ ایک بزرگ کہتے ہیں:

ذّرہ گر بس نیک و ر بس بد بود گرچہ عمرے تگ زند در خود بود

یعنی: ذرّہ خواہ اچھا ہو اور خواہ برا ہو، خواہ عمر بھر کوشش کرے وہ ذرّہ ہی رہتا ہے۔

جیسا کہ (اوپر) بیان ہو چکا ہے۔ نیز ایک دوسرے بزرگ کہتے ہیں: ”ذات کی تجلی متجلی لہ (جس پر تجلی ہوتی ہے) کی صورت ہی میں ہو سکتی ہے اور متجلی لہ نے حق کے آئینے میں اپنی صورت کے سوا کچھ نہیں دیکھا اور اس نے حق کو نہیں دیکھا اور نہ ہی ممکن ہے کہ وہ اسے دیکھ سکے۔“

جاننا چاہیے کہ میرے مرشد اور خدا کی جانب میری رہنمائی کرنے والے جن کے طفیل میں نے اس راستے میں آنکھ کھولی ہے اور جن کے توسط سے میں نے اس گفتگو میں لب کشائی کی ہے اور جن سے طریقت میں الف اور با کا سبق لیا ہے اور جن کی توجہ شریف سے میں نے مولویت کا ملکہ بھی حاصل کیا ہے۔ اگر میں علم رکھتا ہوں تو وہ ان ہی کے طفیل ہے اور اگر (میرے پاس) معرفت ہے تو وہ انہی کے التفات کا اثر ہے، میں نے انتہا کے ابتدا میں درج ہونے کا طریقہ انہی بزرگواروں سے سیکھا ہے اور قیومیت کی جانب انجذاب کی نسبت بھی انہی سے اخذ کی ہے اور میں نے ان کی ایک نگاہ سے وہ کچھ دیکھا ہے جو لوگ چلہ میں بھی نہیں دیکھ سکتے اور میں نے ان کے ایک کلام سے وہ کچھ پایا ہے جو دوسرے سالوں میں نہیں پاسکتے:

آنکہ بہ تہریز یافت یک نظر شمس دین طعنہ زند بر دہہ سحرہ کند بر چلہ^(۲)

یعنی: جس نے شمس دین (مرشد کامل) کی ایک نگاہ حاصل کر لی، وہ دس روز کی خلوت گزینی پر طعنہ کرتا ہے اور چالیس روز کی چلہ کشی کا مذاق اڑاتا ہے۔

خوب کہا جس نے بھی کہا:

نقشبندیہ عجب قافلہ سالار اند کہ برند از رہ پنہاں بحر م قافلہ را^(۳)

یعنی: نقشبندی بزرگ قافلے کے عجیب سالار ہیں جو پوشیدہ راستے سے قافلے کو حرم تک لے جاتے ہیں۔

(ان بزرگواروں) نے فطرت کی بلندی اور ہمت کی سرفرازی سے طریقت کی ابتدا کو سیرِ انفسی سے مقرر کیا ہے اور سیرِ آفاقی کو اس سیر کے ضمن میں طے کیا ہے۔ ان کی عبارات میں سفرِ دروٹن سے اسی سیر کی طرف اشارہ ہے۔ ان بزرگواروں کے طریقہ میں راستہ سب سے زیادہ قریب ہے اور یہ وصول کے زیادہ نزدیک ہے اور دوسروں کی سیر کی انتہا ان کی سیر کی ابتدا ہے، لہذا انہوں نے فرمایا ہے: ”ہم انتہا کو ابتدا میں درج کرتے ہیں۔“

الغرض تمام مشائخِ قَدَسَ اللہُ تَعَالٰی اَسْرَارَ جَمِيعِهِمْ کے طریقوں میں ان بزرگواروں کا طریقہ بہت ہی زیادہ عالی شان ہے اور کہا جاسکتا ہے کہ ان کا حضورِ آگاہی دوسروں کی اکثر آگاہیوں سے بالاتر ہے۔ اسی وجہ سے انہوں نے فرمایا ہے کہ ”ہماری نسبت تمام نسبتوں سے بالا ہے۔“ اس نسبت سے مراد یہی حضورِ آگاہی ہے، لیکن آفاق و انفس سے ماوراء اور سلوک و جذبہ سے بالا ولایت اولیاء کی کوئی قدم گاہ نہیں ہے اور گزرگاہ نہیں ہے، لہذا مجبوراً ان بزرگواروں نے آفاق و انفس سے باہر کی خبر نہیں دی ہے اور جذبہ و سلوک سے بالاتر بات نہیں کی ہے۔ وہ کمالاتِ ولایت کے اندازے سے فرماتے ہیں: ”اہل اللہ فنا اور بقا کے بعد جو کچھ دیکھتے ہیں، خود میں دیکھتے ہیں اور جو کچھ پہچانتے ہیں، خود میں پہچانتے ہیں اور ان کی حیرت اپنے وجود میں ہوتی ہے۔“ وَفِي أَنْفُسِكُمْ طَافًا لَا تُبْصِرُونَ. (سورۃ ذاریات، ۲۱)

یعنی: اور خود تمہارے نفوس میں (بہت سی نشانیاں ہیں) تو کیا تم دیکھتے نہیں۔

لِللّٰهِ سُبْحَانَهُ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ. (اللہ سبحانہ کی حمد اور احسان ہے) کہ ان بزرگواروں نے اگرچہ انفس کے باہر کی خبر نہیں دی ہے، لیکن وہ انفس کے بھی گرفتار نہیں ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ انفس کو آفاق کی طرح ”لا“ کے تحت لائیں اور غیریت کے سبب سے اس کی نفی کریں۔ حضرت خواجہ بزرگ (بہاء الدین نقشبند) قدس سرہ فرماتے ہیں: ”جو کچھ دیکھا گیا اور سنا گیا اور سمجھا گیا، وہ سب غیر ہے۔ کلمہ ”لا“ کی حقیقت سے اس کی نفی کرنی چاہیے۔“

نقش بندند و لے بند بہر نقش نیند ہر دم از بواجبی نقش دگر پیش آرند
نقشبند نے ولیک از نقش پاک نفس ما ہم گرچہ پاک از لوح خاک

یعنی: نقشبند کہلاتے ہیں، لیکن کسی نقش میں بند نہیں ہیں، ہر لحظہ اپنے کمال اور بواجبی سے ایک اور عمدہ نقش سامنے لاتے ہیں۔
♦ نقشبندی کہلاتے ہیں مگر ہر نقش سے پاک ہیں، ہمارا نقش بھی اگرچہ خاک سے پاک ہیں۔

یہاں ایک راز ہے۔ جاننا چاہیے کہ غیرت کی نفی اور ہے اور غیریت کا نیست و نابود ہو جانا دوسری چیز ہے۔
شَتَّانَ مَا بَيْنَهُمَا. یعنی: ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔

میں نے جو یہ کہا ہے کہ ولایت کی جذبہ و سلوک اور آفاق و انفس کے باہر کوئی قدم گاہ نہیں ہے، اس لیے (کہا ہے) کہ ولایت کے ان چاروں ارکان سے بالاتر کمالاتِ نبوت کے مبادی اور مقدمات ہیں، جس کے بلند و بالا درخت تک ولایت کا ہاتھ نہیں پہنچ سکتا۔ انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کے صحابہ (کرامؓ) میں سے اکثر اور باقی امتیوں میں سے بہت تھوڑے حضرات انبیاء علیہم الصلوٰات والتحمیات کی تبعیت اور وراثت کے طور پر اس دولت سے مشرف ہوئے ہیں اور انہوں نے جذبہ و سلوک کے اس جامع راستے سے دوری کی منازل کو طے کر کے سلوک و جذبہ سے بالاتر قدم رکھا ہے اور دائرہ ظلال سے پوری

طرح باہر نکل کر انفس کو آفاق کی مانند پیچھے چھوڑ دیا ہے۔

اس مقام میں تجلی برقی ذاتی جو دوسروں کے لیے لمحہ بھر چمکنے والی بجلی کی طرح ہوتی ہے، ان کو دائمی طور پر نصیب ہوتی ہے، بلکہ ان بزرگواروں کا معاملہ تجلی سے بالا ہے، خواہ وہ برقی ہو یا غیر برقی ہو۔ کیونکہ تجلی بھی ایک طرح کی ظلیت طلب کرتی ہے اور ظلیت کا ایک نقطہ بھی ان بزرگواروں کے لیے کوہِ عظیم کی مانند (بھاری) ہے۔ ان بزرگواروں کے کام کی ابتدا جذب و محبت الہی جل سلطانہ پر ہے اور جب اللہ جل سلطانہ و عظم شانہ کی بے انتہا عنایت سے یہ محبت لمحہ بہ لمحہ غلبہ پاتی ہے اور قوت و غلبہ پیدا کر لیتی ہے تو یقیناً ماسوا کی محبت آہستہ آہستہ زوال پذیر ہو جاتی ہے اور اغیار کے تعلق کی گرفتاری بتدریج دور ہو جاتی ہے۔ جب ایک صاحب دولت پر اللہ جل سلطانہ کی محبت کے غلبہ کی وجہ سے ماسوا کی محبت بالکل زائل ہو گئی اور اس کی جگہ اللہ جل سلطانہ کی جناب پاک کی محبت و گرفتاری آ بیٹھی تو لازماً اس کی بری صفات اور گھٹیا اخلاق مکمل طور پر دور ہو گئے اور وہ پسندیدہ صفات سے آراستہ ہو گیا اور وہ مقاماتِ عشرہ (توبہ، صبر، شکر، زہد، توکل، قناعت، عزلت، دوام ذکر، توجہ، مراقبہ) سے موصوف ہو گیا، اور جو کچھ سیر آفاقی سے تعلق رکھتا تھا، وہ اسے سلوک و تفصیل کے بغیر اور سخت ریاضتوں و مجاہدوں کے بغیر میسر ہو گیا۔ کیونکہ محبت محبوب کی اطاعت کا تقاضا کرتی ہے اور جب محبت کمال کو پہنچی تو اطاعت پوری طرح حاصل ہو گئی اور محبوب کی اطاعت بشری طاقت کے اندازہ سے کامل تر حاصل ہو گئی تو مقاماتِ عشرہ میسر ہو گئے اور اسی سیرِ محبوبی سے جیسا کہ سیرِ آفاقی ہاتھ آئی، سیرِ انفسی بھی انجام کو پہنچ گئی، کیونکہ مخبر صادق (حضرت محمد مصطفیٰ) علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے:

الْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ. ^(۴) یعنی: آدمی اس کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت کرتا ہے۔

جب محبوب آفاق و انفس سے بالاتر ہے تو محبت کو بھی معیت کے حکم سے آفاق و انفس سے آگے گزرنا چاہیے۔ پھر لازماً سالک سیرِ انفسی کو بھی پیچھے چھوڑ دے گا اور معیت کی دولت حاصل کر لے گا۔ پس یہ بزرگوار دولتِ محبت کی وجہ سے نہ آفاق سے کام رکھتے ہیں اور نہ انفس سے، بلکہ آفاق و انفس ان کے کاروبار کے تابع ہیں اور سلوک و جذبہ ان کے معاملہ کا طفیلی ہے۔ ان بزرگواروں کا سرمایہ محبت ہے جس کے لیے محبوب کی اطاعت لازم ہے اور محبوب کی اطاعت شریعت (نبوی) علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام و التحیۃ کی بجا آوری سے وابستہ ہے جو حق تعالیٰ کا پسندیدہ دین ہے۔ اس طرح کمالِ محبت کی علامت شریعت کی بجا آوری کا کمال ہوا اور شریعت کی بجا آوری کا کمال علم و عمل اور اخلاص پر وابستہ ہے۔ نیز ایسا اخلاص جو تمام اقوال و اعمال میں صورت پذیر ہو اور سب حرکات و سکنات میں متصور ہو۔ جو مخلص بفتح لام کو نصیب ہے اور مخلصین بکسر لام اس پہیلی کو کیسے سمجھ سکتے ہیں۔ آپ نے (اس روایت کو) سنا ہوگا: وَالْمُخْلِصُونَ عَلَىٰ خَطَرٍ عَظِيمٍ. ^(۵) یعنی: اور مخلصین بڑے خطرے میں ہیں۔

ہم اصل بات کی طرف آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ سیر و سلوک اور جذبہ و تصفیہ سے مقصود انفس کو خراب اخلاق اور بری صفات سے پاک کرنا ہے۔ کیونکہ ان تمام برائیوں کی سردار انفس کے ساتھ گرفتاری ہے اور مرادوں اور انفس کی خواہشات کا حاصل ہونا ہے۔ پس سیرِ انفسی کے بغیر چارہ نہیں اور بری صفات سے پسندیدہ صفات کی جانب جانے کے لیے اس کے سوا کوئی راستہ نہیں۔ سیرِ آفاقی اس مقصود سے خارج ہے اور کوئی مفید غرض اس سے متعلق نہیں ہے۔ کیونکہ آفاق سے گرفتاری انفس کے واسطے سے ہے۔ اس لیے کہ جس چیز کو کوئی آدمی دوست رکھتا ہے، وہ اسے اپنی دوستی کی وجہ سے دوست رکھتا ہے اور اگر وہ اولاد

اور مال کو دوست رکھتا ہے تو اپنے نفع اور فائدے کے لیے دوست رکھتا ہے۔ سو جب سیرِ نفسی میں اپنی دوستی حق جل و علا کی محبت کے غلبے کی وجہ سے زائل ہوگئی تو اولاد اور مال کی دوستی بھی اس کے ضمن میں زائل ہوگئی۔ اس طرح سیرِ نفسی ضروری ہوئی اور سیرِ آفاقی اس کے طفیل سے اس کے ضمن میں میسر ہوئی۔ لہذا انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کی سیرِ انفس میں منحصر ہوگئی اور (سیر) آفاقی اس کے طفیل سے اس کے ضمن میں طے ہوگئی۔ ہاں سیرِ نفسی بھی اچھی ہے اگر اس کے طے کرنے کی فرصت عطا کریں اور رکاوٹوں کے خلل کے بغیر انجام تک پہنچا دیں اور اگر اس کے طے کرنے کی فرصت نہ دیں اور رکاوٹوں میں مبتلا کریں تو قریب ہے کہ سیرِ آفاقی کو بے فائدہ (کاموں) میں شمار کیا جائے اور مطلوب کے حاصل ہونے کے موانع میں سے گنی جائے۔ سیرِ آفاقی جس قدر بھی طے کی جائے غنیمت ہے، کیونکہ یہ بدی سے نیکی کی طرف جانا ہے۔ بہت بڑی نعمت ہے کہ (سالمک) اس سیر کو انجام تک پہنچائے اور دائرہ امکان سے باہر ٹپلے۔ کیا ضرورت ہے کہ (سالمک) نفس کی تلوینات کا مشاہدہ آفاق کے آئینے میں کرے اور اپنے تغیرات کا معائنہ آفاق میں کرے۔ جیسا کہ اپنے قلب کی صفا کو مثلاً مثال کے آئینے میں معلوم کرے اور اس صفا کو سرخ نور کی صورت میں دیکھ لے۔ وہ اپنے وجدان (قوتِ باطن) کو کام میں کیوں نہ لائے اور اس کی صفا کو اپنی فراست کے سپرد کیوں نہ کرے۔ مشہور مثال ہے کہ بارہ سالہ لڑکے کو طبیب کی کیا ضرورت ہے؟ کیونکہ (سالمک) اپنے صحیح وجدان سے اپنے احوال کی تلوینات کو سمجھ جائے گا اور فراست اپنی صحت و بیماری کو معلوم کر لے گا۔

ہاں! سیرِ آفاقی بہت سے علوم و معارف اور تجلیات و ظہورات رکھتی ہے، لیکن یہ سب ظلال کی طرف راجع ہیں اور شبہ و مثال کی تسلی سے متعلق ہیں۔ جب سیرِ نفسی ظلال سے تعلق رکھتی ہو، جیسا کہ میں نے اپنے رسائل و مکتوبات میں اس کی تحقیق کی ہے تو پھر چاہیے کہ سیرِ آفاقی ظل کے ظل سے متعلق ہو، کیونکہ آفاقِ انفس کے لیے ظل کی مانند ہے اور ظہور کے لیے آئینے کی طرح ہے۔

جاننا چاہیے کہ انفس کے جن احوال کو آفاق کے آئینے میں مشاہدہ کرتے ہیں اور صفا و تجلیہ (صفائی و نکھار) کو اس مقام سے معلوم کرتے ہیں۔ (یہ) اس طرح ہے جیسے کوئی شخص خواب میں یا واقعہ میں عالم مثال کے اندر خود کو بادشاہ (بنا ہوا) دیکھتا ہے اور خود کو وہاں کا قطبِ وقت مشاہدہ کرتا ہے۔ (جبکہ) حقیقت میں نہ وہ بادشاہ ہے اور نہ ہی قطبِ وقت ہے۔ بادشاہ اور قطبِ وقت وہ ہے جو خارج میں بھی ان دومتوں سے مشرف ہو۔ مختصر یہ کہ اس خواب اور اس واقعہ سے دیکھنے والے کی بادشاہ ہونے کی استعداد اور قطب بننے کی قابلیت معلوم ہو جاتی ہے۔ سخت جان ماری کرنی چاہیے، تاکہ معاملہ استعداد سے فعل میں آجائے اور گوش سے آغوش میں پہنچ جائے۔ اور جو معاملہ ہمارے زیرِ بحث ہے اس میں بھی تزکیہ و تجلیہ (پاکیزگی و صفائی) سیرِ نفسی سے وابستہ ہے۔ جو کچھ سیرِ نفسی میں دیکھا ہے وہ تزکیہ و تجلیہ کی استعداد و قابلیت ہے۔ اس طرح جب تک (سالمک) خارج میں خود کو پاکیزہ و صاف نہ دیکھے اور اپنے وجدان سے اپنے آپ کو صاف ستھرا نہ پائے (اس وقت تک) درحقیقت فنا سے بے نصیب ہے اور مقاماتِ عشرہ کے ساتھ موصوف ہونے سے محروم ہے اور اطوارِ سبعہ (سات لطائف) سے چھلکے کے سوا کچھ اس کے ہاتھ نہیں آیا، لہذا مجبوراً سیرِ نفسی سیرِ الی اللہ میں داخل ہوئی اور سیرِ الی اللہ کی تکمیل جو مقامِ فنا ہے، وہ سیرِ نفسی کی تکمیل سے وابستہ ہوئی اور سیرِ فی اللہ سیرِ نفسی کی کئی منازل کے بعد صورت پذیر ہوتی ہے:

كَيْفَ الْوُصُولُ إِلَى سَعَادَةٍ وَ ذُنُوبَهَا قُلُّ الْجِبَالِ وَ ذُنُوبُهُنَّ خِيُوفٌ

یعنی: سعادت (محبوبہ) تک پہنچنا کیسے ممکن ہے؟ کیونکہ درمیان میں پہاڑ کی چوٹیاں اور خوفناک غار حائل ہیں۔

اے سعادت کے نشان والے! جب سیر انفس میں علمی وجہی تعلق جو سالک کی ذات سے منسوب تھا، زائل ہو جاتا ہے اور جو گرفتاری وہ اپنے ساتھ رکھتا تھا، وہ دور ہو جاتی ہے تو دوسروں کی گرفتاری بھی اس کی ذات کی گرفتاری کے زوال کے ضمن میں زائل ہو جاتی ہے، کیونکہ دوسروں کی گرفتاریاں اپنی ذات کے ساتھ گرفتاری کی وجہ سے تھیں، جس طرح کہ ان کی تحقیق (اوپر) گزر چکی ہے۔

پس یہ بات سچ ہوئی کہ سیر آفاقی سیر انفس کے ضمن میں قطع ہو گئی اور سالک نے اسی ایک سیر کے ذریعے اپنی گرفتاری سے بھی اور دوسروں کی گرفتاری سے بھی نجات پائی۔ پس اس تحقیق کے مطابق سیر انفسی اور سیر آفاقی کے معنی بے تکلف درست ہو گئے، کیونکہ درحقیقت سیر انفس میں ہے اور آفاق میں بھی ہے۔ اس لیے کہ انفس کے تعلقات کا بدرجہ قطع کرنا انفس میں سیر کرنا ہے اور آفاق کے تعلقات کا قطع کرنا جو سیر انفسی کے ضمن میں صورت پذیر ہوتا ہے، یہ آفاق میں سیر کرنا ہے۔ برخلاف دوسروں کی سیر آفاقی اور سیر انفسی کے جو تکلف کی محتاج ہے، جیسا کہ (اوپر) بیان ہوا ہے۔ ہاں! جس جگہ حقیقت ہے، وہاں تکلف سے آزادی ہے۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ الْمُؤَقِّفِ. یعنی: اور اللہ سبحانہ ہی توفیق بخشنے والا ہے۔

سنو، پھر سنو! سالک کے آئینے میں اسماء و صفات واجبی جل سلطانہ کا ظہور جس کو سیر انفسی کہتے ہیں اور اس کو تخلیہ کے بعد تجلیہ سمجھا گیا ہے۔ درحقیقت یہ اسماء و صفات کا ظہور نہیں ہے اور تخلیہ کے بعد تجلیہ نہیں ہے، بلکہ یہ ظہور، اسماء و صفات کے ظلال میں سے ایک ظل کا ظہور ہے، جس سے تخلیہ حاصل ہوتا ہے اور وہ تزکیہ و تصفیہ کو آسان کرنے والا ہے۔

اس کا بیان یہ ہے کہ سبقت اس طرف سے ہے جو مبداءیت کے لائق ہے۔ اول طالب کے آئینے میں مطلوب کے ظلال میں سے ایک ظل کا ظہور ہوتا ہے، تاکہ مطلوب کی ظلمتوں اور کدورتوں کو زائل کرے اور اسے تصفیہ و تزکیہ حاصل ہو جائے۔ ظلمات کے خاتمے اور تزکیہ و تصفیہ کے حصول کے بعد جو سیر انفسی کی تکمیل سے وابستہ ہے، تخلیہ کی صورت بنتی ہے اور تجلیہ کی استعداد پیدا ہوتی ہے اور اسماء و صفات واجبی جل سلطانہ کے ظہور کے لائق بنتا ہے۔ پس سیر انفسی میں تخلیہ حاصل ہوتا ہے جو تزکیہ و تصفیہ سے وابستہ ہے اور جس تخلیہ کا وہم سیر آفاقی میں ہوا تھا، وہ تخلیہ کی صورت تھی، نہ کہ تخلیہ کی حقیقت۔ تاکہ سیر انفسی میں تخلیہ کا حصول اور ظہور متصور ہو جائے، جیسا کہ (مشائخ نے) کہا ہے۔

اس بیان سے لازم ہوا کہ ظل کے ساتھ (تعلقات) جوڑنا، توڑنے سے مقدم ہے۔ جب تک مطلوب کے ظلال میں سے کوئی ظل سالک کے آئینے میں منعکس نہ ہو جائے، اس وقت تک غیر مطلوب سے (تعلق کا) توڑنا متصور نہیں ہوتا، لیکن اصل کے ساتھ جوڑنا، توڑنے کے بعد ہے۔ پس مشائخ میں سے جس کسی نے جوڑنے کو مقدم رکھا ہے، اس سے مراد ظل کے ساتھ جوڑنا، لینی چاہیے اور جس کسی نے توڑنے کو جوڑنے پر مقدم رکھا ہے، اس سے مراد اصل کے ساتھ جوڑنا لینی چاہیے، تاکہ فریقین کا جھگڑا لفظ کی حد تک رہے۔

شیخ ابوسعید خراز قدس سرہ اس مقام میں متوقف ہیں۔ وہ فرماتے ہیں: ”جب تک تو آزاد نہ ہو، نہیں پاسکتا اور جب تک

تو پانہ لے، آزاد نہیں ہو سکتا۔ میں نہیں جانتا کہ کونسا (معاملہ) پہلے ہے۔“

معلوم ہوا کہ ظل کا پانا، آزاد ہونے سے پہلے ہے اور اصل کا پانا آزاد ہونے کے بعد ہے، لہذا کوئی شبہ نہ رہا۔ جس طرح کہ صبح کے وقت سورج کے طلوع ہونے سے پہلے سورج کی کرنوں کے ظلال کا ظہور ہوتا ہے، تاکہ جہان کو اندھیرے سے خالی کرے اور روشنی بخشنے۔ اندھیرے کے خاتمے اور روشنی کے حاصل ہونے کے بعد سورج کا وجود طلوع ہوتا ہے۔ پس سورج کے ظل کا ظہور اندھیرے کے خاتمے سے پہلے ہے اور سورج کے وجود کا طلوع ہونا اندھیرے کے ختم ہونے کے بعد ہے۔ بادشاہوں کی آمدِ تخیلہ و تصفیہ کے حاصل ہونے کے بعد زیبا ہوتی ہے۔ اگرچہ تخیلہ و تصفیہ ان کے مقدمۃً لکھش کے طلوع کے بغیر متصور نہیں ہے۔ پس حق ظاہر ہو گیا اور جھگڑا ختم ہوا اور شبہ جاتا رہا۔

وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ الْمُلْكُ يَعْنِي: اور اللہ سبحانہ ہی الہام کرنے والا ہے۔

مکتوب نمبر (۴۳)

مولانا محمد افضل کو تحریر فرمایا۔ اس معنی کے بیان میں کہ (صوفیہ نے) کہا ہے کہ حضرت (حق سبحانہ) کی بارگاہ میں

صرف یافت کا ذوق ہے، نہ کہ یافت۔ نیز انتہا کے ابتدا میں درج ہونے کی تحقیق، جو اس طریقہ عالیہ کا خاصہ ہے۔

اور اس طریقہ کی دوسرے طریقوں پر افضلیت کے بیان میں اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کا بیان)۔

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَىٰ. (سورۃ النمل، ۵۹)

یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اُس کے اُن بندوں پر سلام ہو جن کو اُس نے منتخب فرمایا۔

اس طریقہ عالیہ کے مشائخ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کی عبارتوں میں آیا ہے کہ حضرت (حق) جلِ سلطانہ کی بارگاہ میں یافت کا ذوق ہے، نہ کہ یافت۔ یہ بات انتہا کے ابتدا میں درج ہونے کے مقام کے مناسب ہے جو ان بزرگواروں کے جذبہ خاص کا مقام ہے۔ اس مقام میں یافت کی حقیقت نہیں ہے، کیونکہ وہ انتہا کے ساتھ مخصوص ہے۔ لیکن چونکہ انتہا کی لذت کو ابتدا میں درج کیا گیا ہے، (لہذا) یافت کا ذوق اس مقام میں میسر ہے اور جب معاملہ جذبہ سے باہر جاتا ہے اور ابتدا سے وسط میں آتا ہے تو یافت کا ذوق بھی، یافت کی مانند معدوم ہو جاتا ہے، (پھر) نہ یافت رہتی ہے اور نہ ہی یافت کا ذوق۔ اور جب کام انتہا کو پہنچتا ہے تو یافت میسر ہو جاتی ہے اور یافت کا ذوق مفقود ہو جاتا ہے۔ جب یافت کا ذوق منتهی میں مفقود ہے تو مجبوراً لذت و حلاوت بھی اس کے حق میں کمتر ہے۔ منتهی نے ذوق و حلاوت کو پہلے قدم میں چھوڑ دیا ہے۔ اور آخر میں بے لذتی اور بے مزگی کے گوشہ میں گنما ہو گیا ہے: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ تَعَالَى اللَّهُ وَعَلَىٰ آلِهِ وَصَحْبِهِ وَسَلَّمَ وَبَارَكَ مُتَوَاصِلَ الْحَزَنِ وَدَائِمَ الْفُكْرِ^(۱) یعنی: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ غمگین اور متفکر رہتے تھے۔

سوال: جب منتهی کو مطلوب کی یافت میسر ہوگئی تو پھر یافت کا ذوق کیوں مفقود ہو گیا اور مبتدی جب یافت سے

بے نصیب ہے تو اسے یافت کا ذوق کہاں سے حاصل ہو گیا؟

جواب: یافت کی دولت منتهی کے باطن کو نصیب ہے جو اپنے ظاہری تعلق کو منقطع کرنے کے بعد اس دولت سے مشرف

ہوا ہے اور چونکہ اس کے باطن کا اس کے ظاہر کے ساتھ تعلق بہت کم رہ گیا ہے، لہذا مجبوراً باطن کی نسبت ظاہر میں سرایت نہیں

کرتی اور باطن کی یافت سے ظاہر کو کوئی ذوق نہیں ہوتا اور کچھ لذت نہیں ملتی۔ پس منتہی کے باطن کو مطلوب کی یافت حاصل ہوتی ہے اور اس کے ظاہر کو اس یافت کا ذوق نہیں ہوتا۔ باقی رہا باطن کا ذوق جس کا نصیب یافت ہے۔ جب باطن نے بے مثلی سے ایک حصہ پالیا ہے تو پھر اس کا وہ ذوق بھی عالم بے مثلی سے ہوگا اور ظاہر کے درک میں جو کہ سراسر مثل ہے، نہیں آئے گا۔ پس اکثر اوقات ایسا ہے کہ ظاہر باطن کے ذوق کی نفی کرتا ہے اور باطن کو بھی اپنی طرح بے لذت سمجھتا ہے، کیونکہ مثل کا ذوق اور ہے اور بے مثل کا ذوق اور ہے۔ چونکہ منتہی کا ظاہر اس کے باطن کے ذوق کی خبر نہیں رکھتا، لہذا ظاہر بین عوام منتہی کے باطن کی کیا خبر رکھتے ہوں گے اور انکار کے علاوہ ان کو کیا نصیب ہوگا۔ جو ذوق ان کی سمجھ میں آتا ہے، وہ ظاہر کا ذوق ہے جو عالم مثل سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سماع و رقص، ہائے ہو اور بیقراری وغیرہ جو ظاہر کے احوال میں سے ہیں اور صورت کے اذواق میں سے ہیں، ان کے نزدیک نادر العزیز اور عظیم القدر ہیں، بلکہ اکثر ایسا ہے کہ اذواق و مواجید کو وہ ان امور میں منحصر سمجھتے ہیں اور ولایت کے کمالات کو ان امور کے علاوہ میں خیال نہیں کرتے۔ هَذَا هُمْ اللّٰهُ سُبْحَانَهُ سِوَاِ الصِّرَاطِ۔

یعنی: اللہ سبحانہ ان کو سیدھا راستہ دکھائے۔

ظاہر کے احوال باطن کے احوال کے ساتھ وہی نسبت رکھتے ہیں جو مثل کو بے مثل کے ساتھ حاصل ہے۔ پس ثابت ہوا کہ منتہی کا باطن یافت بھی رکھتا ہے اور یافت کا ذوق بھی۔ مختصر یہ ہے کہ چونکہ وہ ذوق عالم بے مثلی سے ایک نصیب رکھتا ہے، لہذا وہ اس کے ظاہر کے ادراک میں نہیں آسکتا، بلکہ ظاہر اس ذوق کی نفی کا حکم کرتا ہے۔ اگرچہ ظاہر باطن کی یافت کی اطلاع رکھتا ہے، لیکن وہ اس یافت کے ذوق کو دریافت نہیں کر سکتا۔ پس ظاہر کی نظر سے کہا جاسکتا ہے کہ منتہی کو یافت میسر ہے، لیکن یافت کا ذوق مفقود ہے۔ اس طریقہ کے مبتدی رشید میں یافت کے فقدان کے باوجود یافت کے ذوق کو ثابت کرتے ہیں۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ یہ بزرگوار ابتدا میں انتہا کی لذت درج کر دیتے ہیں اور انعکاسی طریقہ سے نہایت کا ایک پر تو مبتدی رشید کے باطن میں ڈال دیتے ہیں اور چونکہ مبتدی کا ظاہر اس کے باطن سے وابستہ ہے اور اس کے ظاہر و باطن میں تعلق کی قوت ثابت ہے، لہذا لازمی طور پر نہایت کا وہ پر تو اور ولایت کی وہ لذت مبتدی کے باطن سے اس کے ظاہر کی طرف دوڑ آتی ہے اور اس کے ظاہر کو اس کے باطن کے رنگ میں رنگین بنا ڈالتی ہے اور یافت کا ذوق بے اختیار اس کے ظاہر میں پیدا ہو جاتا ہے۔ پس درست ہوا کہ مبتدی میں یافت کی حقیقت مفقود ہے اور اسے یافت کا ذوق حاصل ہے۔ اس بیان سے اکابر نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے طریقہ کی بلندی اور ان کی نسبت عالیہ کی رفعت معلوم ہوتی ہے اور مریدوں اور طالبوں کے بارے میں ان بزرگواروں کی حسن تربیت اور کمال اہتمام مفہوم ہوتا ہے۔ وہ جو کچھ رکھتے ہیں پہلے ہی قدم میں مرید رشید کے حوصلہ کے مطابق طالب صادق کو عطا فرمادیتے ہیں اور جی رابطہ کے تعلق کی وجہ سے التفات و انعکاس کے ساتھ اس کی تربیت کرتے ہیں۔

دوسرے سلاسل کے بعض مشائخ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم ان بزرگواروں سے صادر ہونے والے قول ”انتہا ابتدا میں درج ہے“ کے بارے میں تردد رکھتے ہیں اور وہ اس کو جائز نہیں سمجھتے کہ اس طریقہ کا مبتدی دوسرے طریقوں کے منتہی کے برابر ہو۔

تعب ہے کہ انہوں نے اس طریقہ کے مبتدی کو دوسرے طریقوں کے منتہی کے برابر کہاں سے سمجھ لیا ہے۔ ان

بزرگواروں نے انتہا کے ابتدا میں درج ہونے سے زیادہ کوئی بات نہیں کہی اور یہ عبارت مساوات پر دلالت نہیں کرتی۔ ان کا مقصود یہ ہے کہ اس طریقہ میں شیخِ منتہی اپنی توجہ و تصرف سے مبتدی رشید کو ان عکاسی طور پر اپنی نہایت کی دولت کی لذت عطا فرماتا ہے اور اس کی ابتدا میں اپنی انتہا کے نمک کو ملاتا ہے۔ (یہ) برابر کی کہاں ہے؟ اور شبہ کی جگہ کونسی ہے؟ اور اس کی حقیقت میں تردد کی کیا گنجائش ہے۔ یہ اندراج ایک عظیم دولت ہے۔ اس طریقہ کا مبتدی اگرچہ منتہی کا حکم نہیں رکھتا، لیکن وہ انتہا کی دولت سے بے نصیب نہیں ہے۔ بالفرض اگر اس مبتدی کو وصول کے راستے کو طے کرنے اور اس کی منزلوں کو قطع کرنے کی فرصت نہ دیں تو بھی یہ انتہا کی دولت سے بے نصیب نہیں رہے گا اور وہ ذرہ بھر نمک اس کو مکمل طور پر دلربا اور حسین بنادے گا۔ برخلاف دوسرے طریقوں کے مبتدیوں کے جو انتہا سے بے خبر ہیں اور منازل کے طے کرنے اور مسافتوں کو قطع کرنے کے بوجھ تلے ہیں۔ افسوس، ہزار افسوس! اگر انہیں ان (منازل) کے طے کرنے کی فرصت نہ دیں اور ان مسافتوں کو قطع کرنا ان کے حق میں جائز نہ رکھیں۔ جب اس طریقہ کے مبتدی اور دوسرے طریقوں کے مبتدیوں کے درمیان فرق واضح ہو گیا اور اس مبتدی کی افضلیت دوسرے طریقوں کے مبتدی لوگوں پر ظاہر ہو گئی تو پھر جاننا چاہیے کہ اس طریقہ کے منتہی اور دوسرے طریقوں کے منتہیوں کے درمیان اسی قدر فرق ہے اور اس طریقہ کے منتہی کی دوسرے طریقوں کے منتہیوں پر افضلیت بھی اسی مقدار سے ثابت ہے، بلکہ اس طریقہ عالیہ کی انتہا دوسرے طریقوں کے مشائخ کے نہایتوں سے بہت زیادہ بالاتر ہے۔ میری اس بات پر یقین کرتے ہیں یا نہیں؟ اگر انصاف کو مد نظر رکھیں تو شاید یقین کر لیں! وہ انتہا جس کی ابتدا انتہا آمیز ہو، وہ دوسروں کی نہایتوں سے یقیناً امتیاز رکھتی ہوگی اور لازماً اس کی نہایت میں (کئی) نہایتیں ہوں گی:

مع سألے کہ نکوست از بہارش پیدا است

یعنی: جو سال اچھا ہے وہ اپنی بہار سے ظاہر ہوتا ہے۔

دوسرے سلاسل کے متعصب لوگوں کی ایک جماعت ہمیں کہتی ہے کہ ہماری انتہا حق سبحانہ کا وصول ہے اور اس کو تم اپنی ابتدا کہتے ہو۔ پھر تم حق سے (آگے) کہاں جاؤ گے؟ اور تمہاری انتہا حق کے علاوہ کیا ہوگی؟ ہم کہتے ہیں کہ ہم حق سے حق جل سلطانہ کی طرف جاتے ہیں اور ظلمت کے شبہ سے بھاگ کر اصل الاصل کی جستجو میں لگ جاتے ہیں اور تجلیوں سے منہ موڑ کر متجلی کو ڈھونڈتے ہیں اور ظہورات کو پیچھے چھوڑ کر ظاہر کو باطنوں کے باطن میں تلاش کرتے ہیں اور چونکہ بطنیت (زیادہ باطن والا ہونے) میں مختلف مراتب ہیں، لہذا ہم ایک بطنیت سے دوسری بطنیت میں جاتے ہیں اور اس دوسری بطنیت سے تیسری بطنیت میں قدم رکھتے ہیں، الی ما شاء اللہ تعالیٰ۔ (جہاں تک اللہ تعالیٰ چاہتا ہے)۔

حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ اگرچہ بسیط حقیقی ہے، لیکن واسع ہے، اس وسعت کے ساتھ نہیں جو لمبائی اور چوڑائی رکھتی ہے، کیونکہ یہ امکان کی نشانیاں اور حدود کی علامتیں ہیں۔ حق تعالیٰ کی وسعت اللہ سبحانہ کی طرح بے مثل و بے مثال ہے اور جو سیر اس وسعت میں واقع ہوتی ہے، وہ بھی بے مثل و بے مثال ہے اور صاحب سیر بھی مثلی و مثالی کے باوجود بے مثلی و بے مثالی کی قوت سے ان بے مثالی منازل کو طے کر لیتا ہے اور مثل سے بے مثل کی جانب آ جاتا ہے۔ بیچارے بے سرو سامان اس معاملے کی حقیقت کو کیسے پائیں؟ اور عالم مثل کے گرفتار بے مثل کے بارے میں کیا بتائیں؟ وہ اپنی نارسائی کو اعتراف

خیال کرتے ہیں اور اپنی نادانی پر فخر کرتے ہیں:

بے خردی چند ز خود بے خبر عیب پسندند بزعم ہنر
یعنی: اپنے آپ سے بے خبر چند بے عقل، اپنے زعم میں ہنر کو عیب خیال کرتے ہیں۔

وہ اتنا نہیں سمجھتے کہ انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کی نہایت، بلکہ خاتم المرسل علیہ علیہم الصلوٰات والتہیات کی نہایت بھی حق سبحانہ ہی ہے اور ان (اعتراض کرنے والوں) کی نہایت ان بزرگواروں علیہم الصلوٰات والتہیات کی نہایت کے ساتھ متحد نہیں ہے، بلکہ دونوں نہایتیں ایک دوسرے کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں رکھتیں۔ لہذا ممکن ہے کہ ایک جماعت کو ایسی نہایت میسر آگئی ہو جو ان کی نہایت سے بالاتر ہو اور ان بزرگواروں علیہم الصلوٰات والتہیات کی نہایت سے نیچے ہو۔ پس ثابت ہوا کہ سب کی نہایت حق سبحانہ ہے اور گروہوں کے درمیان فرق ان کے درجات کے فرق کے مطابق ثابت ہے۔ یا ہم یہ کہتے ہیں کہ سب اپنی نہایت کو حق جل سلطانہ کا وصول کہتے ہیں، لیکن بہت سے لوگ ایسے ہیں جو حق تعالیٰ و تقدس کے ظلال و ظہورات کو بھی ان ظلال و ظہورات کے درجات کے فرق کے باوجود حق تعالیٰ و تقدس ہی جانتے ہیں۔ اس طرح تمام ارباب نہایت کی نہایتیں نفس الامر میں حق تعالیٰ و تقدس کا وصول نہ ہونیں، بلکہ ہر ایک کے گمان کے مطابق اس کی نہایت حق سبحانہ ہے۔ پس اگر ایک کی ابتدا حق تعالیٰ و تقدس کے ظلال و ظہورات ہیں جو دوسرے گروہ کی نہایت ہے تو پھر وہ حقانیت و نہایت کے گمان سے وصول بحق تعالیٰ ہو جو ان ظلال و ظہورات سے بالاتر ہے۔ پھر یہ چیز کیسے بعید ہوئی اور یہ بات کس طرح انکار اور اشتباہ کا محل ہے:

قاصرے گر کند ایں طائفہ راطن و قصور
ہاش اللہ کہ بر آرم بزباں ایں گلہ را
ہمہ شیران جہاں بستہ ایں سلسلہ اند
رو بہ از حیلہ چساں بکسلد ایں سلسلہ را^(۲)
یعنی: اگر کوئی کوتاہ نظر اس گروہ (نقشبندیہ) کو ناکامی کا طعن دے تو اللہ کی پناہ کہ میں اس شکایت کو زبان پر لاؤں۔
♦ جہان کے سارے شیر اسی سلسلے سے وابستہ ہیں، لومڑی مگر سے اس زنجیر کو کیسے کاٹ سکتی ہے۔

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَإِسْرَافَنَا فِي أَمْرِنَا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ. (سورۃ آل عمران، ۱۴۷)
یعنی: اے ہمارے پروردگار! ہمارے گناہ اور زیادتیاں جو ہم اپنے کاموں میں کرتے ہیں، معاف فرما اور ہم کو ثابت قدم رکھ اور کافروں پر فتح عنایت فرما۔

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اتَّبَعَ الْهُدٰی. (سورۃ طہ، ۴۷)
یعنی: اور جو شخص ہدایت کی بات مانے، اس کو سلامتی نصیب ہو۔

مکتوب نمبر (۴۴)

محمد صادق ولد حاجی محمد مومن کو تحریر فرمایا۔ ان کے سوال کے جواب میں جو انہوں نے وحدت الوجود کے بارے میں کیا تھا اور اس کو شرعی علوم کے ساتھ مطابقت دینے (کے بیان میں)۔ نیز انہوں نے پوچھا تھا کہ ”اِذَا أَحَبَّ اللّٰهُ مُبْحَنَّهُ عَبْدًا... الخ“ کے کیا معنی ہیں۔ اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کا بیان)۔

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰی. (سورۃ النمل، ۵۹)

یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اُس کے اُن بندوں پر سلام ہو جن کو اُس نے منتخب فرمایا۔

آپ نے پوچھا تھا کہ صوفیہ وحدت الوجود کے قائل ہیں اور علماء اس کو کفر اور بے دینی سمجھتے ہیں اور دونوں گروہ فرقہ ناجیہ میں سے ہیں۔ آپ کے نزدیک اس معاملہ کی حقیقت کیا ہے؟

اے محبت کے نشان والے! اس فقیر نے اپنے مکتوبات و رسائل میں تفصیل کے ساتھ اس بحث کی تحقیق تحریر کی ہے اور دونوں فریقوں کے جھگڑے کو لفظی قرار دیا ہے۔ باوجود اس کے جب آپ نے پوچھا ہے تو سوال کے جواب کے بغیر چارہ نہیں ہے۔ ضرورت کے تحت چند کلمے لکھے گئے ہیں۔

جاننا چاہیے کہ بلند مرتبہ صوفیہ میں سے جو کوئی وحدت الوجود کا قائل ہے اور چیزوں کو عین حق تعالیٰ سمجھتا ہے اور ہمہ اوست کا حکم لگاتا ہے، اس کی مراد یہ نہیں ہے کہ چیزیں حق جل و علا کے ساتھ متحد ہیں اور تنزیہ تنزل کر کے تشبیہ بن گئی ہے اور واجب ممکن ہو گیا ہے اور بے مثل، مثل میں آ گیا ہے، کیونکہ یہ سب کفر والحاد اور گمراہی و بے دینی ہے۔ وہاں نہ اتحاد ہے نہ عینیت (اور) نہ تنزل ہے نہ تشبیہ۔ سو اللہ سبحانہ اب بھی ویسا ہی ہے جیسا کہ پہلے تھا۔ سو وہ ایسا پاک ہے جو کائنات و موجودات کے نئے تغیرات سے اپنی ذات و صفات اور اسماء میں متغیر نہیں ہوتا۔

حق سبحانہ و تعالیٰ اپنی اسی صرافت اطلاق پر ہے۔ اس نے وجوب کی بلندی سے امکان کی پستی کی جانب مائل نہیں فرمایا۔ بلکہ ہمہ اوست کے معنی یہ ہیں کہ چیزیں نہیں ہیں اور حق تعالیٰ و تقدس موجود ہے۔ منصور (رحمۃ اللہ علیہ) نے جو اَنَا الْحَقُّ کہا، اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ میں حق ہوں اور حق کے ساتھ متحد ہوں، کیونکہ یہ کفر ہے اور ان کے قتل کا موجب ہے۔ بلکہ ان کے قول کے معنی یہ ہیں کہ میں نہیں ہوں اور حق سبحانہ موجود ہے۔

مختصر یہ کہ صوفیہ چیزوں کو حق تعالیٰ و تقدس کے ظہورات سمجھتے ہیں اور تنزل کے شائبہ کے بغیر اور تغیر و تبدل کے گمان کے بغیر اللہ سبحانہ کے اسماء و صفات کے آئینے خیال کرتے ہیں۔ اس صورت میں کہ جیسے ایک شخص کا سایہ دراز ہو جائے تو نہیں کہا جا سکتا کہ سایہ اس شخص کے ساتھ متحد ہے اور عینیت کی نسبت رکھتا ہے یا وہ شخص تنزل کر کے سائے کی صورت میں ظاہر ہوا ہے، بلکہ وہ شخص خالص اپنی اصل پر ہے اور تنزل و تغیر کے شائبہ کے بغیر سایہ اس سے وجود میں آیا ہے۔ اگرچہ بعض اوقات ایک جماعت کی نظر سے، اس محبت کے کمال کی وجہ سے جو اسے اس شخص کے ساتھ ہو جاتی ہے، سائے کا وجود پوشیدہ ہو جاتا ہے اور ان لوگوں کو اس شخص کے علاوہ کوئی چیز مشہود نہیں ہوتی۔ لہذا شاید (یہ لوگ) کہیں کہ سایہ شخص کا عین ہے، یعنی سایہ معدوم ہے اور صرف وہی شخص موجود ہے اور بس۔ اس تحقیق سے لازم ہوا کہ صوفیہ کے نزدیک چیزیں حق تعالیٰ کے ظہورات ہیں، حق جل و علا کا عین نہیں ہیں۔ لہذا چیزیں حق تعالیٰ سے ہیں نہ کہ حق جل و علا کے شائبہ ہیں۔

پس ان (صوفیہ) کے اس کلام ہمہ اوست کے معنی ہمہ ازوست ہیں جو علمائے کرام نے اختیار کیے ہیں اور درحقیقت علمائے کرام اور صوفیہ عظام کَثَرُھُمُ اللّٰهُ سُبْحَانَهُ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَمَةِ (اللہ سبحانہ قیامت تک ان کی کثرت فرمائے) کے درمیان کوئی جھگڑا ثابت نہیں ہوتا اور ہر دو قول کا انجام ایک ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ صوفیہ چیزوں کو حق تعالیٰ کے ظہورات

کہتے ہیں اور علماء حلول اور اتحاد کے وہم سے بچنے کے لیے اس لفظ سے بھی اجتناب کرتے ہیں۔

سوال: صوفیہ چیزوں کو ظہورات کے باوجود معدوم خارجی سمجھتے ہیں اور خارج میں حق سبحانہ کے سوا کسی کو موجود نہیں دیکھتے اور علماء چیزوں کو موجوداتِ خارجیہ کہتے ہیں۔ لہذا فریقین کے درمیان معنوی جھگڑا ثابت ہو گیا۔

جواب: اگرچہ صوفیہ عالم کو معدوم خارجی سمجھتے ہیں، لیکن وہ خارج میں اس کا وجود وہی ثابت کرتے ہیں اور اس کو نمود و ظہور خارجی کہتے ہیں اور وہ خارجی وہی کثرت کا انکار نہیں کرتے۔ اس کے ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ وجود وہی جس نے خارج میں نمود پیدا کیا ہے، اس قسم کے وہی وجودوں میں سے نہیں ہے جو وہم کے زوال سے زائل ہو جائے اور ثبات اور استحکام نہ رکھتا ہو، بلکہ یہ وہی وجود اور خیالی نمود بھی چونکہ حق سبحانہ کی تخلیق اور حق تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی نقش نگاری سے ہے، لہذا زوال سے محفوظ اور خلل سے مامون ہے اور اس دنیا اور اس جہان کا معاملہ اس سے وابستہ ہے۔ سو فطائی جو عالم کو اوہام و خیالات سمجھتا ہے، چیزوں کے زوال کو وہم و خیال کا زوال خیال کرتا ہے اور کہتا ہے کہ چیزوں کا وجود ہمارے اعتقاد کے تابع ہے، بذاتِ خود وہ وجود کا کوئی ثبوت نہیں رکھتیں۔ اگر ہم آسمان کے بارے میں زمین کا اعتقاد کریں تو وہ زمین ہے اور زمین ہمارے اعتقاد میں آسمان ہے۔ اگر ہم میٹھی چیز کو کڑوا سمجھیں تو وہ کڑوی ہے اور کڑوی ہمارے اعتقاد میں میٹھی ہے۔ الغرض یہ بے عقل صانع مختار جل سلطانہ کی ایجاد کا انکار کرتے ہیں اور چیزوں کو حق تعالیٰ کے ساتھ مستند نہیں سمجھتے۔ صَلُّوْا فَاَصْلُوْا۔^(۱)

یعنی: وہ خود گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کر دیا۔

پس صوفیہ چیزوں کے لیے خارج میں ایسا وجود وہی ثابت کرتے ہیں جو ثبات اور استحکام رکھتا ہے اور وہم کے زوال کے ساتھ زائل نہیں ہوتا اور اس دنیا اور اس جہان کا معاملہ جو دائمی وابدی ہے، اس وجود سے وابستہ رکھتے ہیں اور علماء چیزوں کو خارج میں موجود سمجھتے ہیں اور خارجی ابدی احکام کو چیزوں پر مترتب کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ چیزوں کے وجود کو حق جل و علا کے وجود کے مقابلے میں ضعیف و نحیف تصور کرتے ہیں اور وجود ممکن کو واجب تعالیٰ و تقدس کے وجود کی نسبت سے نابود سمجھتے ہیں۔ اس طرح فریقین کے نزدیک چیزوں کا وجود خارج میں ثابت ہو گیا، کیونکہ اس دنیا اور اس جہان کے احکام اس کے ساتھ وابستہ ہیں اور وہم و خیال کے زوال سے وہ زائل نہیں ہوتا۔ پس جھگڑا ختم ہو گیا اور اختلاف دور ہو گیا۔ مختصر یہ کہ صوفیہ اس وجود کو وہی کہتے ہیں، اس وجہ سے کہ عروج کے وقت میں چیزوں کا وجود ان کی نظر سے پوشیدہ ہو جاتا ہے اور حق جل و علا شانہ کے وجود کے علاوہ کچھ ان کی نظر میں نہیں رہتا اور علماء اس وجود پر لفظ وہم کا اطلاق کرنے سے اجتناب کرتے ہیں اور وجود وہی نہیں کہتے، تاکہ کوئی کوتاہ نظر اس کے زائل ہونے کا حکم نہ لگائے اور ابدی ثواب و عذاب سے انکار نہ کر دے۔

سوال: صوفیہ جو چیزوں کے لیے وجود وہی ثابت کرتے ہیں، اس سے ان کا مقصود یہ ہے کہ یہ وجود ثبات و استحکام کے باوجود نفسِ امری نہیں ہے اور سوائے وہم کے کوئی وجود نہیں رکھتا اور نمود کے علاوہ اس کو کچھ نصیب نہیں ہے۔ اور علماء چیزوں کو خارج میں نفسِ امری وجود کے ساتھ موجود سمجھتے ہیں، لہذا جھگڑا باقی رہا۔

جواب: وجود وہی اور نمودِ خیالی جب وہم و خیال کے زوال سے زائل نہ ہوا تو نفسِ امری ہو گیا۔ کیونکہ اگر ہم سب وہم کرنے والوں کے وہم کا زوال ہونا بھی فرض کر لیں تو بھی یہ وجود ثابت رہے گا اور ان کے زوال سے ہرگز زائل نہیں ہوتا۔

واقع اور نفس الامر کے معنی یہی ہیں۔ البتہ اتنا ہے کہ یہ نفس امری جو وجود ممکن میں ثابت کی جاتی ہے، وہ اس نفس الامر کے مقابلے میں لاشے کا حکم رکھتی ہے جو واجب تعالیٰ کے وجود میں ثابت ہے اور نزدیک ہے کہ اسے وہی چیزوں اور خیالی چیزوں میں شمار کیا جائے، جیسا کہ گلی طور پر شک کرنے والے لوگ آپس میں بہت زیادہ فرق رکھتے ہیں۔ جس طرح کہ ممکن کا وجود واجب تعالیٰ کے وجود کے مقابلے میں لاشے کا حکم رکھتا ہے، اور نزدیک ہے کہ اس کو عدما ت میں شمار کیا جائے۔ پس حقیقت میں کوئی جھگڑا نہ رہا۔

سوال: جب سب چیزوں کا وجود نفس امری ہو گیا تو لازم ہوا کہ نفس امری میں موجودات متعدد ہوں اور نفس امری میں ایک موجود نہ ہو اور یہ وحدت وجود کے منافی ہے جو صوفیہ وجودیہ کے ہاں طے شدہ امر ہے۔

جواب: دونوں (چیزیں) نفس امری ہیں۔ وحدت وجود بھی نفس امری ہے اور تعدد وجود بھی نفس امری ہے، لیکن چونکہ جہت اور اعتبار مختلف ہے، لہذا دو متضاد چیزوں کے جمع ہونے کا وہم بھی دور ہو گیا۔ یہ بحث ایک مثال سے واضح ہوتی ہے۔ مثلاً زید کی جو صورت آئینے میں دکھائی دیتی ہے، نفس امری آئینے میں کوئی صورت موجود نہیں ہے، کیونکہ وہ صورت نہ آئینے کے حجم میں موجود ہے اور نہ اس آئینے کی سطح میں، بلکہ اس صورت کا وجود آئینے میں وہم کے اعتبار سے ہے اور نمود خیالی سے زیادہ آئینے میں اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے اور یہ وجود وہی اور نمود خیالی جو صورت کو آئینے میں حاصل ہوا ہے، بھی نفس امری ہے۔ لہذا اگر کوئی شخص کہے کہ میں نے زید کی صورت آئینے میں دیکھی ہے تو عقل اور عرف کے لحاظ سے اس کو اس بات میں سچا سمجھتے ہیں اور حق پر خیال کرتے ہیں اور چونکہ قسموں کی بنیاد عرف پر ہے، لہذا اگر کوئی شخص قسم کھائے اور کہے کہ اللہ کی قسم! میں نے زید کو آئینے میں دیکھا ہے تو اس کو قسم توڑنے والا نہیں سمجھنا چاہیے۔ پس اس مثال میں زید کی صورت کا آئینے میں عدم حصول بھی نفس امری ہے اور خیال وہم کے اعتبار سے آئینے میں اس صورت کے حصول کا وہم بھی نفس امری ہے، لیکن پہلا نفس امری مطلقاً نفس امری ہے اور دوسرا نفس امری وہم و خیال کے ذریعہ سے ہے۔ عجیب معاملہ ہے کہ وہم و خیال کا اعتبار جو نفس امری کے منافی ہے، یہاں وہی اعتبار نفس امری کے حاصل کرنے والا بن گیا ہے۔ لہذا اگر وہ نہ ہوتا تو نفس امری بھی حاصل نہ ہوتا۔

دوسری مثال نقطہ جو آلہ ہے جس نے وہم و خیال کے اعتبار سے دائرے کی صورت میں خارج میں ایک ثبوت پیدا کر لیا ہے۔ یہاں بھی خارج میں دائرے کا عدم حصول بھی نفس امری ہے اور اس دائرے کا خارج میں وہم و خیال کے اعتبار سے حصول بھی نفس امری ہے، لیکن دائرے کا عدم حصول مطلقاً نفس امری ہے اور اس دائرے کا حصول وہم و خیال کے لحاظ سے نفس امری ہے۔ پس پہلا مطلق ہے اور دوسرا مقید ہے۔ لہذا جو مسئلہ ہمارے زیر بحث ہے، اس میں وحدت وجود مطلقاً نفس امری ہے اور تعدد وجود وہم و خیال کے اعتبار سے نفس امری بنا ہے۔ اس طرح اطلاق و تقید کے ملاحظہ سے ان دو نفس امری تناقض نہیں رہتا اور دو متضاد چیزوں کا جمع ہونا ثابت نہیں ہوتا۔

سوال: جب تمام وہم کرنے والوں کے وہم کا زوال فرض کر لیا جائے تو پھر وجود وہی اور نمود خیالی کیسے ثابت ہوگی؟

جواب: یہ وجود وہی محض وہم کی ایجاد سے حاصل نہیں ہوا ہے کہ وہم کے زوال سے زائل ہو جائے، بلکہ حق جل و علا کی تخلیق سے وہم کے مرتبہ میں حاصل ہوا ہے اور اس نے استحکام پیدا کر لیا ہے، لہذا وہم کے زوال سے خلل پذیر نہیں ہوتا۔ اسے

وجود وہی اس اعتبار سے کہتے ہیں کہ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ نے اس کو مرتبہ حس اور وہم میں تخلیق فرمایا ہے اور چونکہ یہ حق تعالیٰ کی تخلیق ہے، لہذا جس مرتبہ میں بھی ہو، زوال اور خلل سے محفوظ ہے اور چونکہ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ نے اسے تخلیق فرمایا ہے تو لازماً وہ نفس امری ہو گیا۔ جس مرتبہ میں بھی تخلیق کیا گیا ہو، خواہ وہ مرتبہ نفس امری نہ ہو اور محض اعتباری ہو، لیکن اس مرتبہ میں اس کی پیدائش نفس امری ہے۔

میں نے جو یہ کہا ہے کہ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ نے اس کو حس اور وہم کے مرتبہ میں پیدا فرمایا ہے، یعنی چیزوں کو ایجاد کے مرتبہ میں پیدا فرمایا ہے کہ اس مرتبہ کے لیے کوئی حصول و ثبوت نہیں ہے مگر حس اور وہم میں اس طرح کہ جیسے ایک شعبہ باز غیر واقع چیزوں کو واقع کر کے دکھاتا ہے اور ایک چیز کی دس چیزیں بنا کے پیش کرتا ہے۔ جبکہ (ان) دس چیزوں کا سوائے وہم و خیال کے کوئی حصول نہیں ہے اور وہ نفس امری میں ایک چیز کے سوا موجود نہیں ہیں اور اس نے جو ان دس چیزوں کو دکھایا ہے، اگر حق جل سلطانہ کی قدرتِ کاملہ سے ثابت و استحکام پیدا کر لیں اور خلل اور جلد زائل ہونے سے محفوظ رہیں تو وہ نفس امری بن جاتی ہیں۔ پس وہ دس چیزیں نفس امری میں بھی ہیں اور نہیں بھی ہیں، لیکن دو اعتبار سے۔ اگر حس و وہم کے مرتبہ سے قطع نظر کر لی جائے تو نہیں ہیں اور حس و وہم کے ملاحظہ سے موجود ہیں۔

قصہ مشہور ہے کہ ہندوستان کے شہروں میں سے کسی شہر میں شعبہ بازوں نے ایک بادشاہ کے سامنے شعبہ بازی شروع کی۔ اس اثناء میں انہوں نے جادو اور شعبہ سے باغ اور آم کے درخت دکھائے اور ان کے غیر واقع وجود کی نمائش پیش کر دی اور اسی مجلس میں دکھایا کہ وہ درخت بڑے ہو گئے اور ان پر پھل لگ گیا اور اہل مجلس نے ان پھلوں سے کھایا۔ اس وقت اس بادشاہ نے حکم دیا کہ شعبہ بازوں کو قتل کر دیا جائے، کیونکہ اس نے سن رکھا تھا کہ شعبہ کے ظاہر ہونے کے بعد اگر شعبہ باز کو قتل کر دیا جائے تو وہ شعبہ قدرت خداوندی جل سلطانہ سے اپنی حالت پر قائم رہتا ہے۔ اتفاق سے جب ان شعبہ بازوں کو قتل کر دیا گیا تو وہ درخت قدرت خداوندی جل سلطانہ سے اپنی حالت پر قائم رہے۔ میں نے سنا ہے کہ وہ درخت اس وقت تک اپنی حالت پر موجود ہیں اور لوگ ان کے پھل کھا رہے ہیں۔ وَمَا ذَلِكْ عَلَى اللَّهِ بَعِزٌ. (سورۃ ابراہیم، ۲۰) یعنی: اور یہ کام اللہ کو مشکل نہیں۔

پس متنازع فیہ صورت میں حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ نے جس کے سوا خارج اور نفس امری میں کوئی موجود نہیں ہے، اپنی قدرتِ کاملہ سے اپنے اسمائی و صفاتی کمالات کو ممکنات کی صورتوں کے پردے میں حس و وہم کے مرتبہ میں ظاہر فرمایا اور وجود وہی اور ثبوتِ خیالی سے ان کمالات کو چیزوں کے آئینوں میں جلوہ گر بنایا۔ یعنی چیزوں کو حس و وہم کے مرتبہ میں ان کے کمالات کے مطابق ایجاد فرمایا اور انہوں نے نمود وہی اور ثبوتِ خیالی پیدا کر لیا۔ پس چیزوں کا وجود نمودِ خیالی کے اعتبار سے ہے، لیکن چونکہ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ نے اس نمود کو استحکام و ثبات کرامت فرمایا ہے اور چیزوں کی تخلیق میں استحکام کی رعایت رکھی ہے اور ابدی معاملہ کو ان سے وابستہ کیا ہے، لہذا ناچار چیزوں کا وجود وہی اور ثبوتِ خیالی بھی نفس الامری بن گیا ہے اور وہ خلل سے محفوظ ہو گیا ہے۔ اس طرح کہا جاسکتا ہے کہ چیزیں خارج میں نفس امری کے اعتبار سے بھی موجود ہیں اور نہیں بھی موجود، لیکن دو اعتبار سے جیسے کہ مکرر بیان ہو چکا ہے۔

اس فقیر کے والد بزرگوار قدس سرہ، جو محققین علماء میں سے تھے، فرمایا کرتے تھے کہ قاضی جلال الدین آگری (رحمۃ اللہ علیہ) جو (آگرہ کے) بتحر علماء میں سے تھے، نے مجھ سے پوچھا کہ نفس امر میں وحدت ہے یا کثرت؟ اگر وحدت ہے تو شریعت، جس کی بنیاد مختلف اور متفرق احکام پر ہے، باطل ہو جاتی ہے، اور اگر نفس امر میں کثرت ہے تو ان صوفیہ کا قول باطل ہو جاتا ہے جو وحدت الوجود کے قائل ہیں۔ ہمارے حضرت عالی (والد بزرگوار قدس سرہ) نے ان کے جواب میں فرمایا کہ دونوں نفس امری ہیں اور اس کو بیان فرمایا۔ (اس) فقیر کو یاد نہیں رہا ہے کہ انہوں نے اس کے بیان میں کیا فرمایا تھا۔ جو چیز اس وقت (اس) فقیر کے دل میں ڈالی گئی ہے، اس نے وہ تحریر کر دی ہے۔

وَالْأَمْرُ إِلَى اللَّهِ سُبْحَانَهُ. (یعنی: اور معاملے کی حقیقت کو اللہ سبحانہ ہی جانتا ہے۔)

پس جو صوفیہ وحدت الوجود کے قائل ہیں، وہ حق پر ہیں اور علماء جو کثرت وجود کے قائل ہیں وہ بھی حق پر ہیں۔ صوفیہ کے احوال کے مناسب وحدت ہے اور علماء کے احوال کے مناسب کثرت ہے۔ کیونکہ شرائع کی بنیاد کثرت پر ہے اور احکام کا فرق بھی کثرت سے وابستہ ہے اور انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کی دعوت اور آخرت کا ثواب وعذاب سب کثرت سے تعلق رکھتا ہے۔ چونکہ حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ فَاحْبَبْتُ أَنْ أُعْرِفَ^(۲) (پس میں نے چاہا کہ پہچان جاؤں) کے حکم سے کثرت کو چاہتا ہے اور ظہور کو پسند فرماتا ہے، لہذا اس مرتبہ کو باقی رکھنا بھی ضروری ہے۔ کیونکہ اس مرتبہ کی ترتیب سارے جہانوں کے پروردگار کی پسندیدہ اور محبوب ہے۔ ذی شان بادشاہ کے لیے خادم اور نوکر ہونے چاہئیں اور اس کی عظمت و کبریائی کے لیے خواری محتاجی اور انکساری کی ضرورت ہے۔ وحدت الوجود کا معاملہ اگرچہ حقیقت کی طرح ہے اور کثرت کا معاملہ اس کی نسبت مجاز کی مانند ہے، لہذا اس عالم کو عالم حقیقت کہتے ہیں اور اس عالم کو عالم مجاز۔ لیکن چونکہ ظہورات حق تعالیٰ کے محبوب بن گئے ہیں اور اس نے چیزوں کو ابدی بقاعطا فرمائی ہے اور قدرت کو حکمت کے لباس میں لے آیا ہے اور اسباب کو اپنے فعل کا نقاب بنایا ہے، لہذا وہ حقیقت متروک کی مانند ہو گئی ہے اور یہ مجاز متعارف ہو گیا ہے۔ نقطہ جو آلہ اگرچہ حقیقت کی طرح ہے اور دائرہ جو اس نقطہ سے پیدا ہے، وہ مجاز کی مانند ہے، لیکن حقیقت وہاں متروک ہے اور جو چیز متعارف ہے وہ مجاز ہے۔

نیز آپ نے پوچھا تھا کہ اس قول کے معنی کیا ہیں: إِذَا أَحَبَّ اللَّهُ عَبْدًا لَا يَصُرُّهُ ذَنْبٌ^(۳)۔

یعنی: جب اللہ تعالیٰ بندے کو دوست رکھتا ہے تو گناہ اس سے نقصان نہیں پہنچاتا۔

جاننا چاہیے کہ جب حضرت حق سبحانہ بندے کو دوست رکھتا ہے تو گناہ اس سے صادر نہیں ہوتا، کیونکہ حق جل وعلا کے اولیاء گناہوں کے ارتکاب سے محفوظ ہیں۔ اگرچہ جائز ہے کہ ان سے گناہ صادر ہو جائے، برخلاف انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کے جو گناہوں سے معصوم ہیں۔ ان سے گناہوں کے صادر ہونے کا جواز مسلوب ہے۔ جب اولیاء سے گناہ صادر نہیں ہوتا تو یقین ہے کہ گناہ کا نقصان بھی نہیں ہوگا۔ پھر گناہ کے صادر نہ ہونے کی صورت میں: لَا يَصُرُّهُ ذَنْبٌ (گناہ کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا) درست ہے، جیسا کہ ارباب علم پر مخفی نہیں ہے۔ نیز یہ بھی ہو سکتا ہے کہ گناہ سے مراد پہلے کا گناہ ہو جو ولایت کا درجہ ملنے سے پہلے سرزد ہوا ہو۔ فَإِنَّ الْإِسْلَامَ يُجِبُّ مَا كَانَ قَبْلَهُ^(۴)۔

یعنی: بیشک اسلام پہلے کی باتوں کو مٹا دیتا ہے۔

وَحَقِيقَةُ الْأَمْرِ عِنْدَ اللَّهِ سُبْحَانَهُ. یعنی: اور معاملے کی حقیقت کو اللہ سبحانہ ہی جانتا ہے۔
رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا. (سورۃ بقرہ، ۲۸۶)

یعنی: اے ہمارے پروردگار! اگر ہم سے بھول یا چوک ہوگئی ہو تو ہم سے مواخذہ نہ کرنا۔

وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَعَلَى سَائِرِ مَنْ اتَّبَعَ الْهُدَى وَالتَّزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفَى عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ الصَّلَوَاتُ
وَالتَّسْلِيمَاتُ الْعُلَى. یعنی: آپ پر اور ان سب پر جو ہدایت کی بات مانیں اور (حضرت محمد) مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ
وسلم) کی متابعت کو لازم پکڑیں، سلام ہو اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی آل
(اطہار) پر عمدہ درود و سلام ہو۔

مکتوب نمبر (۴۵)

حقائق آگاہ معارف دستگاہ خواجہ حسام الدین احمد کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ تمام عالم واجب جل سلطانہ کے اسماء و
صفات کا آئینہ ہے، برخلاف ذات کے کہ ممکن اس دولت سے بے نصیب ہے اور اسے اپنی ذات کے ساتھ قیام عطا
نہیں فرمایا گیا اور وہ مکمل طور پر عرض ہے۔ اس نے جو ہریت کی یو تک نہیں پائی اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کا
بیان)۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ وَسَلَامٌ عَلَى عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَى. (سورۃ النمل، ۵۹)

یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اُس کے اُن بندوں پر سلام ہو جن کو اُس نے منتخب فرمایا۔
میرے مخدوم مکرم!

ع از ہرچہ میرود سخن دوست خوشتر است

یعنی: دوست کی بات جس طرف سے بھی ہو، وہ بھلی ہے۔

کچھ عجیب معارف لکھے جاتے ہیں، غور سے سماعت فرمائیں اور خاص الخاص کے مراقبہ کا طریقہ بتایا جاتا ہے، پوری
توجہ کریں۔

جاننا چاہیے کہ عالم مکمل طور پر واجب تعالیٰ و تقدس کے اسماء و صفات کے آئینے اور مظاہر ہیں۔ اگر ممکن میں حیات ہے تو
وہ واجب تعالیٰ و تقدس کی حیات کا آئینہ ہے اور اگر علم ہے تو وہ اللہ سبحانہ کے علم کا آئینہ ہے اور اگر قدرت ہے تو وہ بھی حق تعالیٰ
کی قدرت کا آئینہ ہے۔ علیٰ ہذا القیاس۔ اور حق تعالیٰ کی ذات کے لیے عالم میں کوئی مظہر نہیں ہے اور نہ ہی کوئی آئینہ ہے، بلکہ
حق تعالیٰ کی ذات کو عالم کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں ہے اور کسی چیز میں کوئی اشتراک نہیں، خواہ یہ مناسبت اسم میں ہو یا یہ
مشارکت صورت میں ہو۔ إِنَّ اللَّهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ. (سورۃ عنکبوت، ۶)

یعنی: بیشک اللہ تعالیٰ تمام جہانوں سے بے پروا ہے۔

بخلاف اسماء و صفات کے جو عالم کے ساتھ اسی مناسبت رکھتے ہیں اور صوری شراکت ان کے درمیان ثابت ہے۔ جس
طرح واجب تعالیٰ میں علم ہے، ممکن میں بھی اس علم کی صورت ثابت ہے۔ چنانچہ وہاں قدرت ہے، یہاں بھی اسی طرح اس

قدرت کی صورت (موجود) ہے۔ بخلاف ذات کے کہ ممکن اس دولت سے بے نصیب ہے اور اسے اپنی ذات کے ساتھ قیام عطا نہیں فرمایا گیا۔ بلکہ ممکن چونکہ حق تعالیٰ کے اسماء و صفات کی صورتوں پر مخلوق ہے، لہذا وہ مکمل طور پر عرض ہے اور اس نے جو ہریت کی بُتک نہیں پائی اور اس کا قیام واجب تعالیٰ و تقدس کی ذات کے ساتھ ہے اور ارباب فلاسفہ نے جو ممکن کو جوہر اور عرض میں تقسیم کیا ہے، یہ ظاہر بنی (کی وجہ) سے ہے اور بعض ممکن کا جو دوسرے بعض ممکن کے ساتھ قیام ثابت ہے، وہ عرض کے عرض کے ساتھ قائم ہونے کی قسم سے ہے، نہ کہ عرض کے جوہر کے ساتھ قائم ہونے کی قسم سے۔ بلکہ درحقیقت وہ دونوں عرض واجب تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم ہیں، ان کے درمیان کوئی جوہریت ثابت نہیں ہے، کیونکہ تمام ممکنات کا قیوم حق تعالیٰ و تقدس ہے۔

پس ممکن کی حقیقت میں (کوئی) ذات نہیں ہے کہ اس کی صفات اس ذات کے ساتھ قائم ہوں، بلکہ ذات واجب تعالیٰ کے لیے ہے، کیونکہ حق تعالیٰ کی صفات اور اسی طرح تمام ممکنات اس کے ساتھ قائم ہیں اور جو شخص بھی لفظ انا (میں) سے اپنی ذات کی طرف اشارہ کرتا ہے، وہ اشارہ درحقیقت اسی ایک ذات کی جانب لوٹتا ہے جس کے ساتھ سب قائم ہیں، خواہ اشارہ کرنے والا سمجھے یا نہ سمجھے۔ اگرچہ وہ ذات تعالیٰ و تقدس کسی اشارہ کے ساتھ مشابہ الیہ نہیں ہے اور کسی چیز کے ساتھ متحد نہیں ہے۔ کوتاہ نظر لوگ ان معارف کو توحید و جود کی معارف کے ساتھ خلط ملط نہ کر لیں اور ان کو ایک دوسرے کا دست و گریبان نہ سمجھ لیں۔ ارباب توحید و جود کی ایک ذات تعالیٰ و تقدس کے سوا کچھ موجود نہیں سمجھتے اور حق تعالیٰ کے اسماء و صفات کو بھی اعتبارات علمی خیال کرتے ہیں اور ممکنات کے حقائق کے بارے میں کہتے ہیں کہ ان تک وجود کی بُتک بھی نہیں پہنچی۔ ان کا قول ہے کہ: **اَلَا عَمِيَانُ مَا شَمَمْتُ رَائِحَةَ الْوُجُوْدِ**۔ یعنی: اعیان (موجودات خارجی) نے وجود کی بُتک نہیں سونگھی۔

یہ فقیر حق تعالیٰ کے اسماء و صفات کو بھی وجودِ زائد سے موجود سمجھتا ہے، جیسا کہ علمائے حق نے فرمایا ہے اور ممکنات کے لیے بھی حق تعالیٰ کے اسماء و صفات کے آئینے میں وجود ثابت کرتا ہے۔ مختصر یہ کہ ممکنات کو ان اعراض کے علاوہ جو اپنے ساتھ قیام نہیں رکھتے، کچھ نہیں سمجھتا اور جوہریت جو اپنے ساتھ قیام رکھتی ہے، (اس کو) ممکنات میں ثابت نہیں کرتا اور سب کے حق تعالیٰ کی ذات سے قیام پر یقین رکھتا ہے۔

سوال: اس تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ ذات ممکن، عین ذات واجب تعالیٰ ہے اور ممکن واجب جل شانہ کے ساتھ متحد ہے اور یہ محال ہے، کیونکہ اس سے حقائق کا تبدیل ہونا لازم آتا ہے۔

جواب: ہم کہتے ہیں کہ ذات ممکن یعنی اس کی ماہیت و حقیقت وہی اعراض متعددہ مخصوصہ ہیں جو واجب تعالیٰ کے اسماء و صفات کے آئینے ہیں۔ اور ان اعراض کی واجب تعالیٰ کی ذات کے ساتھ کوئی عینیت نہیں ہے اور کسی طرح کا اتحاد نہیں ہے جس سے حقائق کا تبدیل ہونا لازم آئے۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے کہ ان اعراض کا قیام حق تعالیٰ کی ذات کے ساتھ ہے اور تمام چیزوں کو قائم رکھنے والا اللہ سبحانہ ہے۔

سوال: چونکہ ہر ایک کا اشارہ جو وہ لفظ انا کے ساتھ اپنی ذات کی طرف کرتا ہے، ذات واجب تعالیٰ کی جانب لوٹتا ہے۔ لہذا لازم آتا ہے کہ ذات ممکن، یعنی اس کی ماہیت و حقیقت واجب تعالیٰ کی ذات کا عین ہو، کیونکہ ہر کسی کا لفظ انا سے اشارہ اپنی

ماہیت و حقیقت کی طرف ہوتا ہے۔ اور یہ حقیقت کی تبدیلی کو لازم کرتا ہے اور (یہ) بات بالکل توحید و جود والوں جیسی ہے۔
جواب: ہاں! ہر کسی کا لفظ انا سے اشارہ اگرچہ اپنی حقیقت کی طرف ہوتا ہے، لیکن اس کی حقیقت چونکہ چند اعراض کا مجموعہ ہے جو اس اشارہ کی قابلیت نہیں رکھتی، کیونکہ اعراض استقلال و اصلیت کے لحاظ سے حسی اشارہ کے قابل نہیں ہیں اور جب اس کی حقیقت نے اس اشارہ کو قبول نہ کیا تو مجبوراً وہ اشارہ اس حقیقت کے قائم کرنے والے کی طرف لوٹ گیا۔ پس ممکن کی ماہیت انہی اعراض کا مجموعہ ہے۔ اگرچہ لفظ کا انا کا اشارہ اس کی حقیقت کی قابلیت کے نہ ہونے کی وجہ سے اس کے قائم کرنے والے کی جانب لوٹ چکا ہے جو واجب تعالیٰ و تقدس کی ذات ہے۔ پس حقیقت کی تبدیلی نہ ہوئی اور ممکن واجب تعالیٰ و تقدس نہ بنا اور (یہ) بات توحید و جود والوں کی بات کے خلاف ہو گئی۔ عجیب معاملہ ہے کہ ممکن کا انا واجب تعالیٰ کی طرف لوٹتا ہے اور ممکن اپنے حال پر ممکن رہتا ہے اور سبحانی اور انا الحق کا لفظ زبان پر نہیں لاتا، بلکہ (ایسا) نہیں کر سکتا، کیونکہ وہ صاحب تمیز ہے۔
سوال: واجب تعالیٰ کی ذات کے ساتھ ممکن کا قیام حوادث کے قیام کو واجب تعالیٰ کی ذات کے ساتھ لازم کرتا ہے اور (یہ) ناممکن ہے۔

جواب: حوادث کا قیام اس صورت میں ناممکن ہے جب واجب تعالیٰ کی ذات میں حوادث کا حلول سمجھا جائے، جو کہ محال ہے۔ لیکن اس جگہ کے قیام کی صورت حلول نہیں ہے، بلکہ ثبوت و تقرر کے معنی میں ہے۔ یعنی ممکن کا ثبوت و تقرر واجب تعالیٰ کی ذات کے ساتھ ہے۔

سوال: جب ممکن مکمل طور پر عرض ہے تو اس کے لیے محل کا ہونا ضروری ہے، جس کے ساتھ وہ قائم ہو اور وہ محل کونسا ہے؟ واجب تعالیٰ کی ذات تو ہے نہیں۔ اور اسی طرح ناممکن بھی اس کا محل نہیں ہو سکتا۔

جواب: عرض وہ ہے جس کا قیام اپنی ذات کے ساتھ نہ ہو، بلکہ وہ غیر کے ساتھ قائم ہو۔ اور چونکہ اہل فلاسفہ نے عرض کے قیام کے معنی حلول کے علاوہ کچھ نہیں سمجھے ہیں، لہذا مجبوراً عرض کے لیے محل ثابت کیا ہے اور محل کے بغیر اس کے ثبوت کو محال سمجھا ہے۔ چونکہ قیام کے دوسرے معنی بھی ظاہر ہو گئے ہیں، جیسا کہ (اوپر) بیان ہو چکا ہے، لہذا محل کی کوئی ضرورت نہیں رہتی۔ ہمارے احساس و مشاہدے میں ہے کہ چیزوں کا قیام واجب تعالیٰ کی ذات کے ساتھ ہے اور کوئی حلول محل درمیان میں نہیں ہے۔ فلاسفہ اس کا یقین کریں یا نہ کریں۔ ان کا شک کرنا ہماری بداہت سے معارض نہیں ہو سکتا اور ہمارا یقین ان کے شک سے زائل نہیں ہوتا۔

ہم اس بحث کو ایک مثال سے واضح کرتے ہیں کہ اربابِ جادو اور صاحبانِ سحر عجیب جسموں اور انوکھے اعراض کی قسم سے چیزیں دکھاتے ہیں۔ اس صورت میں سب لوگ جانتے ہیں کہ اعراض کی مانند ان جسموں کا اپنی ذات سے کوئی قیام نہیں ہے، بلکہ ان دونوں کا قیام جادوگر کی ذات کے ساتھ ہے اور کوئی محل ان کے لیے ثابت نہیں ہے اور نیز وہ جانتے ہیں کہ اس قیام میں حالیت اور محلیت کا شائبہ نہیں ہے، بلکہ ان کا ثبوت و تقرر حلول کے وہم کے بغیر جادوگر کی ذات کے ساتھ ہے۔ جو معاملہ ہمارے زیر بحث ہے، اس میں بھی یہی صورت ہے، کیونکہ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ نے چیزوں کو جس اور وہم کے مرتبہ میں تخلیق فرمایا ہے اور ان کی تخلیق میں پائیداری و استحکام کی رعایت رکھی ہے اور ابدی معاملے اور ہمیشہ کے ثواب و عذاب کو ان

سے وابستہ بنایا ہے۔ پس ان چیزوں کا قیام اپنی ذات سے نہیں ہے، بلکہ وہ حق سبحانہ کی ذات کے ساتھ حلول کے شائبہ کے بغیر اور حال و محل کے گمان کے بغیر قائم ہیں۔

دوسری مثال (یہ ہے) کہ پہاڑ کی شکل یا آسمان کی صورت جو آئینے میں ظاہر ہوتی ہے، کوئی بیوقوف ہوگا جو ان صورتوں کو اجسام سمجھتے ہوئے جواہر خیال کرے اور ان تماثیل کو جواہر سمجھتے ہوئے اپنی ذات سے قائم سمجھے۔ بالفرض اگر کوئی شخص ان صورتوں کو اعراض سمجھے اور قائم بغیر تصور کرے اور عرض ہونے کی بنا پر ان کے لیے جگہوں کا طالب بنے اور جگہوں کے بغیر ان کے ثبوت کو محال سمجھے تو یہ شخص بھی بے وقوف ہے جو لوگوں کی تقلید میں اپنی بداہت کا انکار کر رہا ہے۔ کیونکہ جو شخص ادنیٰ سی تمیز رکھتا ہے، وہ بھی بداہت سے سمجھ جاتا ہے کہ ان صورتوں کے لیے اصلاً جگہیں ثابت نہیں ہیں، بلکہ یہ جگہوں کی محتاج ہی نہیں ہیں۔ اسی طرح ارباب کشف و شہود کے نزدیک تمام ممکنات ان صورتوں کی مانند ہیں اور تمثیلوں سے زیادہ کچھ نہیں ہیں۔

مختصر یہ کہ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ نے ان صورتوں اور تمثیلوں کو اپنی کامل تخلیق سے اس طرح کی پائیداری اور استحکام عنایت فرمایا ہے کہ وہ خلل سے مامون ہیں اور زوال سے محفوظ ہیں اور آخرت کا ابدی معاملہ ان سے وابستہ ہے، جیسا کہ بارہا (اوپر) بیان ہوا ہے۔

متکلمین میں سے نظام نے، جو معتزلی علماء میں سے ہے، تیر اندازی کے بغیر تیر مارنے کے حکم (اپنے اٹکل پچو) سے عالم کو اعراض کا مجموعہ سمجھا ہے اور جو ہر سے خالی خیال کیا ہے۔ ہاں! اِنَّ الْكَذُوبَ قَدْ يَصْدُقُ۔ یعنی: جھوٹا بھی کبھی سچی بات کر ڈالتا ہے۔

چونکہ اس نے کوتاہ نظری سے ان اعراض کا قیام واجب الوجود جل سلطانہ کی ذات کے ساتھ نہیں سمجھا، لہذا وہ فلاسفہ کی طعن و تشنیع کا مورد بن گیا ہے، کیونکہ عرض کو غیر کے ساتھ قیام کے بغیر چارہ نہیں اور وہ جو ہر کے وجود کا قائل نہیں ہے تا کہ قیام کو اس کے ساتھ متبذّر بنائے۔ صوفیہ میں سے صاحب فتوحات مکیہ نے عالم کو عین واحد میں اعراض کا مجموعہ سمجھا ہے اور عین واحد سے مراد ذات احدیت جل سلطانہ لی ہے، لیکن دوزمانوں میں ان اعراض کے باقی نہ رہنے کا حکم لگایا ہے اور کہا ہے کہ عالم ہر آن میں معدوم ہوتا ہے اور اس کی مثل (پھر) وجود میں آ جاتا ہے۔

اس فقیر کے نزدیک یہ معاملہ شہودی ہے، وجودی نہیں، جیسا کہ اس نے حواشی شرح رباعیات میں اس بحث کی تحقیق کی ہے۔ سا لک احوال کے درمیان میں اس سے پہلے کہ اس کی نظر ماسویٰ سے مطلقاً اٹھ جاتی ہے، ایک آن میں اس طرح دیکھتا ہے کہ عالم معدوم ہو گیا ہے اور دوسری آن میں دیکھتا ہے کہ عالم موجود ہے۔ تیسری آن میں پھر معدوم پاتا ہے اور چوتھی آن میں موجود خیال کرتا ہے، یہاں تک کہ وہ فنائے مطلق سے مشرف ہو جاتا ہے اور ہمیشہ ماسوا کو معدوم پاتا ہے۔ اس وقت اس کے شہود میں عالم دائمی طور پر معدوم ہوتا ہے۔ اسی طرح بقا کے حاصل ہونے کے درمیان اور عالم کی طرف رجوع ہونے کے دوران کبھی عالم اس کی نظر میں آتا ہے اور کبھی پوشیدہ ہو جاتا ہے اور اس وجہ سے بھی تجدید امثال کی حالت کا وہم ہوتا ہے۔ اور جب عارف کی بقا اور عالم کی جانب رجوع کا معاملہ انجام کو پہنچتا ہے اور وہ تکمیل و ارشاد کے مقام میں سند کا درجہ پاتا ہے تو عالم دوبارہ اس کی نظر میں آ جائے گا اور وہ عالم کو دائمی طور پر موجود پائے گا۔

پس یہ معاملہ سالک کے شہود کی جانب راجع ہو گیا، نہ کہ عالم کے وجود کی طرف۔ کیونکہ اس کا وجود ہمیشہ ایک ہی وضع پر ہے اور اگر تذبذب ہے تو وہ شہود میں ہے۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ اَلْمُلْهُمُ لِلصَّوَابِ۔ یعنی: اور اللہ سبحانہ صیح الہام فرمانے والا ہے۔ نیز دوزمانوں میں اعراض کے باقی نہ رہنے کا جو حکم بعض متکلمین نے کہا ہے، اس میں اعتراض ہے اور یہ ثبوت تک نہیں پہنچتا اور اس کے اعراض کے باقی نہ رہنے پر جو دلیلیں پیش کی گئی ہیں، وہ نامکمل ہیں۔ یہ پوشیدہ معارف گویا وہاں کے دوستوں کے لیے ایک سبق ہیں۔ مہربانی فرما کر اس کی نقل ہر اُس آدمی کو عنایت فرمادیں جو اس کے شوق کا اظہار کرے۔ چونکہ فقیر پر ضعف غالب تھا، لہذا ہر دوست کے لیے علیحدہ مکتوب نہیں لکھا گیا اور انہیں معارف پر اکتفا کیا گیا ہے۔ وَالسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَعَلٰی مَنْ لَّدَیْکُمْ۔ یعنی: آپ پر اور جو آپ کے پاس ہو اُس پر سلام ہو۔

مکتوب نمبر (۴۶)

مولانا حمید بنگالی کو تحریر فرمایا۔ کلمہ طیبہ کے فضائل میں، جو طریقت و حقیقت اور شریعت پر مشتمل ہے اور اس بیان میں کہ کمالاتِ ولایت کی کمالاتِ نبوت کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں۔ اس بیان میں کہ (صاحب) ولایت کو شریعت کے بغیر چارہ نہیں اور ظاہر ہمیشہ شریعت کا مکلف ہے اور باطن اس معاملہ کا گرفتار ہے اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کا بیان)۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ (سورۃ النمل، ۵۹)

یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اُس کے اُن بندوں پر سلام ہو جن کو اُس نے منتخب فرمایا۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ یہ کلمہ طیبہ طریقت و حقیقت اور شریعت پر مشتمل ہے۔ جب تک سالک مقام نفی میں ہے، وہ مقام طریقت میں ہے اور جب نفی سے پوری طرح فارغ ہو جاتا ہے اور تمام ماسوا اس کی نظر سے نیست و نابود ہو جاتا ہے تو وہ طریقت کی تکمیل کر لیتا ہے اور مقام فنا میں پہنچ جاتا ہے۔ جب نفی کے بعد مقام اثبات میں آتا ہے اور سلوک سے جذبہ کی جانب مائل ہوتا ہے تو وہ مرتبہ حقیقت سے متحقق اور بقا سے موصوف ہو جاتا ہے اور اس نفی و اثبات سے اور اس طریقت و حقیقت سے اور اس فنا و بقا سے اور اس جذبہ و سلوک سے ولایت کا نام صادق آتا ہے اور نفس امارگی (برائی پر ابھارنے) سے اطمینان کی جانب مائل ہو جاتا ہے اور پاک و صاف بن جاتا ہے۔ پس ولایت کے کمالات اس کلمہ طیبہ کے پہلے جزو سے وابستہ ہوئے، جو نفی و اثبات ہے۔

باقی رہا اس کلمہ مقدسہ کا دوسرا جزو، جو (حضرت) خاتم الرسل علیہ علی آلہ وعلیہم الصلوٰت والتسلیمات کی رسالت کو ثابت کرنے والا ہے۔ یہ آخری جزو شریعت کو ثابت کرنے والا اور مکمل کرنے والا ہے۔ کیونکہ ابتدا اور درمیان میں شریعت سے جو کچھ حاصل ہوا تھا، وہ شریعت کی صورت تھی اور اس کا اسم اور رسم تھی، لیکن شریعت کی حقیقت اس مقام میں حاصل ہوتی ہے، جو مرتبہ ولایت کے حاصل ہونے کے بعد حاصل ہوتی ہے۔ کمالاتِ نبوت، جو کامل پیروکاروں کو انبیاء علیہم الصلوٰت والتحیات کی تبعیت (پیروی) اور وراثت سے حاصل ہوتے ہیں، وہ بھی اسی مقام میں ہیں۔ طریقت و حقیقت، جو ولایت کے حاصل ہونے کا سبب ہیں، گویا یہ شریعت کی حقیقت کے حاصل کرنے اور نبوت کے کمال کو حاصل کرنے کے لیے شرائط ہیں۔

ولایت کو وضو کی طرح سمجھنا چاہیے اور شریعت کو نماز کی مانند۔ طریقت میں گویا حقیقی نجاستوں کا ازالہ ہوتا ہے اور حقیقت میں حکمی نجاستوں کا ازالہ ہوتا ہے، تاکہ کامل طہارت کے بعد شرعی احکام کی بجا آوری کے لائق ہو سکے اور نماز جو قرب کے مراتب کی انتہا ہے اور دین کا ستون ہے اور مومن کی معراج ہے، کی ادائیگی کی قابلیت پیدا کر سکے۔ اس مقدس کلمہ کے آخری جزو کو میں نے ایک بحرِ بیکراں پایا جو پہلے جزو کے مقابلے میں ایک قطرے کی طرح دکھائی دیتا ہے۔ ہاں! کمالاتِ ولایت کی کمالاتِ نبوت کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں ہے۔ ذرّے کی سورج کے مقابلے میں کیا حیثیت ہو سکتی ہے۔

سبحان اللہ! ایک جماعت نے کج بینی کی وجہ سے ولایت کو نبوت سے افضل سمجھ لیا ہے اور شریعت جو کہ مغز ہے، کو چھلکا خیال کیا ہے۔ کیا کریں! ان کی نظر شریعت کی صورت پر بند ہے اور مغز سے چھلکے کے سوا ان کے کچھ ہاتھ نہیں آیا اور انہوں نے نبوت کو خلقت کی طرف متوجہ ہونے کی وجہ سے کم درجہ گمان کیا ہے اور اس توجہ کو عوام کی توجہ کی مانند ناقص سمجھتے ہوئے ولایت، جو کہ حق جل و علا کی جانب توجہ رکھتی ہے، کو اس پر ترجیح دی ہے اور ولایت کو نبوت سے افضل کہا ہے۔ وہ نہیں جانتے کہ کمالاتِ نبوت میں بھی عروج کے وقت میں رخِ حق سبحانہ کی طرف ہوتا ہے، جیسا کہ ولایت کے مرتبہ میں ہے، بلکہ ولایت کے مرتبہ میں ان عروجی کمالات کی صورت ہوتی ہے جو مقامِ نبوت میں حاصل ہوتے ہیں۔ چنانچہ اس سے تھوڑا سا بیان کیا جائے گا۔ نبوت میں نزول کے وقت میں ولایت کی مانند رخِ خلق کی طرف ہوتا ہے۔ اس قدر فرق ہے کہ ولایت میں (ساک) ظاہر میں خلق کی جانب متوجہ ہے اور باطن میں حق سبحانہ کی طرف۔ اور نبوت کے نزول میں ظاہر و باطن میں توجہ خلق کی طرف ہوتی ہے اور مکمل طور پر ان کو حق جل شانہ کی جانب دعوت دیتا ہے اور یہ نزول ولایت کے نزول سے زیادہ مکمل اور زیادہ کامل ہے۔ جس طرح کہ (فقیر) نے کتب اور رسائل میں اس کی تحقیق کی ہے۔ مخلوق کی جانب ان کی یہ توجہ عوام کی توجہ کی مانند نہیں ہے، جیسا کہ گمان کیا گیا ہے، بلکہ عوام کی توجہ مخلوق کی طرف ان کی اس گرفتاری کی وجہ سے ہے جو وہ ماسوا سے رکھتے ہیں اور خاص الخاص کی توجہ مخلوق کی طرف ماسوا کی گرفتاری کی بنا پر نہیں ہے۔ کیونکہ ان بزرگواروں نے پہلے قدم میں ہی ماسوا کی گرفتاری کو وداع کر دیا ہے اور اس کی بجائے مخلوق کے خالق جل سلطانہ کی گرفتاری اختیار کر چکے ہیں، بلکہ ان بزرگواروں کی مخلوق کی جانب توجہ ہدایت و ارشاد کے لیے ہے، تاکہ مخلوق کے خالق جل سلطانہ کی طرف ان کی رہنمائی فرمائیں اور ان کے مولیٰ تعالیٰ و تقدس کی رضامندی کی طرف دلالت کریں۔ اور اس میں شک نہیں ہے کہ مخلوق کی جانب اس قسم کی توجہ، جس کا مقصد مخلوق کو ماسوا کی غلامی سے رہائی دلانا ہو، وہ اس توجہ بحق جل و علا سے زیادہ افضل ہے جو اپنی ذات کے لیے ہو۔

مثلاً ایک شخص ذکر الہی جل سلطانہ میں مشغول ہے۔ اس اثنا میں ایک ایسا نابینا نظر آیا جس کے سامنے کنواں ہے کہ اگر وہ دوسرا قدم اٹھاتا ہے تو کنویں میں گر جاتا ہے۔ اس صورت میں اس شخص کے لیے ذکر کرنا بہتر ہے یا نابینا کو کنویں سے بچانا؟ اس میں شک نہیں ہے کہ نابینا کو بچانا اس کے ذکر کرنے سے بہتر ہے۔ کیونکہ حق تعالیٰ اس سے اور اس کے ذکر سے غنی ہے اور نابینا ایک محتاج آدمی ہے جس کے نقصان کو دور کرنا ضروری ہے۔ خاص کر کہ جب اس کے بچانے پر مامور ہو۔ اس وقت اس کا بچانا بھی ذکر ہے، کیونکہ یہ حکم کی بجا آوری ہے۔ اس کے ذکر میں ایک حق کی ادائیگی ہے جو مولانا جل شانہ کا حق ہے اور بچانے میں جو حکم کے ساتھ واقع ہو، دو حق کی ادائیگی ہے، ایک بندے کا حق اور (دوسرا) مولیٰ تعالیٰ کا حق۔ بلکہ نزدیک ہے کہ

اس وقت ذکر کرنا گناہ میں داخل ہو جائے، کیونکہ ہر وقت ذکر کرنا مستحسن نہیں ہے۔ بعض اوقات میں ذکر نہ کرنا مستحسن ہے۔ ممنوعہ ایام میں اور مکروہ اوقات میں روزہ نہ رکھنا اور نماز نہ پڑھنا، روزہ رکھنے اور نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔

جاننا چاہیے کہ ذکر سے مراد غفلت کو دور کرنا ہے، جس طرح بھی میسر ہو۔ یہ نہیں ہے کہ ذکر کلمہ نفی و اثبات کے تکرار میں بند ہے، یا اسم ذات تعالیٰ کے تکرار میں جیسا کہ گمان کیا جاتا ہے۔ پس احکام کی بجا آوری اور شریعت کی منع کردہ چیزوں سے رک جانے میں جو کچھ کیا جائے، وہ سب ذکر میں داخل ہے۔ خرید و فروخت بھی شرعی حدود کی رعایت کے ساتھ ذکر ہے اور اسی طرح نکاح و طلاق بھی اس رعایت کے ساتھ ذکر ہے۔ کیونکہ ان امور کو مذکورہ رعایت کے ساتھ انجام دینے کے وقت ان کا حکم دینے والا اور ان سے روکنے والا مولیٰ جل سلطانہ ان کاموں کے کرنے والے کی آنکھوں کے سامنے ہوتا ہے، لہذا غفلت کی گنجائش نہیں ہوتی۔ لیکن جو ذکر مذکور (اللہ تعالیٰ) کے اسم و صفت کے ساتھ واقع ہو، وہ زود اثر ہے اور مذکور (اللہ تعالیٰ) کی محبت بخشنے والا ہے اور مذکور (اللہ تعالیٰ) تک جلدی پہنچانے والا ہے، بخلاف اس ذکر کے جو احکام کی بجا آوری اور منع کردہ چیزوں سے رک جانے میں واقع ہو کہ ان صفات سے کم نصیب ہے۔ اگرچہ ان صفات سے بھی بعض ایسے افراد میں جن کا ذکر احکام کی بجا آوری اور شریعت کی منع کردہ چیزوں سے رک جانے کی صورت میں ہے، ندرت کے طور پر پایا جاتا ہے۔

حضرت خواجہ (بہاء الدین) نقشبند قدس سرہ فرماتے تھے کہ حضرت مولانا زین الدین تائبادی قدس سرہ علم کے راستے سے اللہ جل سلطانہ تک پہنچے ہیں۔

ایسے ہی جو ذکر اسم و صفت کے ساتھ واقع ہو، وہ بھی اس ذکر کا ایک وسیلہ ہے جو شرعی حدود کی رعایت سے حاصل ہوتا ہے، کیونکہ تمام امور میں شرعی احکام کی رعایت کرنا شرع شریف برپا کرنے والے کی کامل محبت کے بغیر میسر نہیں ہوتا اور یہ کامل محبت حق تعالیٰ کے اسم و صفت کے ذکر سے وابستہ ہے۔ پس اول وہ ذکر درکار ہے، تاکہ (سالم) اس ذکر کی دولت سے مشرف ہو جائے۔ عنایت کا معاملہ اور ہے۔ وہاں نہ کوئی شرط ہے اور نہ ہی کوئی وسیلہ ہے۔ اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَاءُ۔ (سورۃ شوریٰ، ۱۳) یعنی: اللہ جس کو چاہتا ہے اپنی بارگاہ کا برگزیدہ کر لیتا ہے۔

ہم اصل بات کی طرف آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان تین معاملات طریقت، حقیقت اور شریعت کے علاوہ ایک اور معاملہ اور دوسرا کاروبار ہے۔ کہا جاسکتا ہے کہ یہ (تینوں چیزوں کا) معاملہ اس (دوسرے) معاملے کے مقابلے میں کوئی شمار اور کوئی اعتبار نہیں رکھتا۔ جو کچھ اس صورت کے مرتبہ حقیقت میں حاصل ہوا تھا اور اثبات سے تعلق رکھتا تھا، وہ اس معاملے کی صورت تھی اور یہ معاملہ اس صورت کی حقیقت ہے، جیسے کہ شریعت کی وہ صورت جو عوام کے مرتبہ کی ابتدا میں حاصل ہوئی تھی۔ طریقت و حقیقت کے حاصل ہونے کے بعد شریعت کی اس صورت کی حقیقت میسر ہوتی ہے۔ خیال کرنا چاہیے کہ وہ معاملہ جس کی صورت حقیقت ہو اور جس کا مقدمہ ولایت ہو، وہ گفتگو میں کیسے آسکتا ہے؟ اور بیان میں کیسے ساسکتا ہے؟ اور بالفرض اگر بیان کیا جائے تو کون سمجھے اور کیا سمجھے؟ یہ معاملہ اولوالعزم انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام والتحیات والبرکات کی وراثت ہے جو بہت ہی کم لوگوں کو نصیب ہے۔ جب اس معاملہ میں اصول کم ہیں تو لازمی طور پر فروع بھی بہت ہی کم ہوں گے۔

سوال: ان معارف سے لازم آتا ہے کہ بعض مراتب میں عارف شریعت سے باہر قدم رکھتا ہے اور شریعت کے ماورا

سے عروج کرتا ہے۔

جواب: شریعت ظاہری اعمال ہیں اور وہ معاملہ اس دنیا میں باطن سے متعلق ہے۔ ظاہر ہمیشہ شریعت کا مکلف ہے اور باطن اس معاملہ کا گرفتار ہے۔ چونکہ یہ دنیا دارِ عمل ہے، لہذا باطن کو ظاہری اعمال سے بڑی مدد حاصل ہے اور باطنی تر قیاں شریعت کی بجا آوری سے وابستہ ہیں جو ظاہر سے تعلق رکھتی ہیں۔ پس اس دنیا میں ہر وقت ظاہر و باطن کو شریعت کے بغیر چارہ نہیں اور ظاہر کا کام شریعت پر عمل کرنا ہے اور باطن کا نصیب شریعت کے نتائج و ثمرات ہیں۔ پس شریعت تمام کمالات کی ماں ٹھہری اور سب مقامات کی اصل بنی۔ شریعت کے نتائج و ثمرات اسی دنیاوی زندگی پر موقوف نہیں، بلکہ عالم آخرت کے کمالات اور ابدی نعمتیں بھی شریعت کے ثمرات و نتائج میں سے ہیں۔ پس شریعت ایسا پاکیزہ درخت ہے جس کے پھلوں اور میووں سے اس دنیا اور اس جہان میں بیٹھا لوگ مستفید ہیں اور بہت ہی زیادہ لوگوں کو اس سے فوائد حاصل ہیں۔

سوال: اس بیان سے لازم ہوا کہ کمالاتِ نبوت میں بھی باطن حق سبحانہ کی جانب اور ظاہر خلق کی طرف ہوتا ہے اور تم نے اپنے مکتوبات و رسائل میں لکھا ہے اور اوپر بھی گزرا ہے کہ مقامِ نبوت میں جو محلِ دعوت ہے پوری طرح رخِ خلق کی طرف ہوتا ہے، (اس میں) موافقت کی کیا صورت ہے؟

جواب: وہ معاملہ عروج سے تعلق رکھتا ہے اور دعوت کا مقام نزول سے وابستہ ہے۔ پس عروج کے وقت میں باطن حق سبحانہ کی جانب اور ظاہر خلق کی طرف ہوتا ہے، تاکہ روشن شریعت کے مطابق ان کے حقوق ادا کرے اور نزول کے وقت پوری طرح خلق کی جانب متوجہ ہوتا ہے اور اپنی کامل ہمت سے خلق کو حق جل و علا کی جانب رہنمائی فرماتا ہے۔ پس اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اس مقام کی تحقیق یہ ہے کہ خلق کی جانب توجہ، عین حق سبحانہ کی طرف توجہ ہے۔ **فَاَيْنِمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ**۔ (سورۃ بقرہ، ۱۱۵) یعنی: پس جدھر تم رخ کرو اُدھر اللہ کی ذات ہے۔

اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ ممکن عین واجب سبحانہ ہے، یا واجب تعالیٰ کا آئینہ ہے۔ ممکن حقیر کی کیا طاقت ہے کہ وہ واجب تعالیٰ و تقدس کا عین ہو، یا حق تعالیٰ کی آئینہ داری کے قابل ہو سکے۔ بلکہ کہا جاسکتا ہے کہ واجب تعالیٰ و تقدس ممکن کا آئینہ ہے اور چیزوں کا واجب تعالیٰ کے آئینے میں اس طرح وہم ہوتا ہے جس طرح کہ چیزوں کی صورتیں ظاہری آئینہ میں (دکھائی دیتی ہیں)۔ لیکن جیسا کہ ان صورتوں کو ظاہری آئینے میں کوئی حلول اور سریان (حاصل) نہیں ہے، اسی طرح ان چیزوں کو واجب تعالیٰ کے آئینے میں حلول اور کوئی سریان (حاصل) نہیں ہے۔ حلول کس طرح متصور ہو، جبکہ آئینے کے مرتبہ میں صورتوں کا کوئی وجود ہی نہیں ہے اور صورتوں کا وجود وہم و خیال کے مرتبہ میں ہے۔ پس جہاں آئینہ ہے، (وہاں) صورت نہیں ہے اور جہاں صورت ہے (وہاں) آئینے کے لیے ہزاروں عار ہیں۔ کیونکہ صورتوں کے لیے خیالی نمائش کے سوا کوئی ثبوت نہیں ہے اور وہی تحقق کے علاوہ کوئی وجود نہیں۔ اگر وہ مکان رکھتے ہیں تو بھی وہم کے مرتبہ میں رکھتے ہیں اور اگر زمان رکھتے ہیں تو بھی خیال کے مرتبہ میں رکھتے ہیں، لیکن چیزوں کی بغیر وجود کے یہ نمائش حق جل سلطانہ کی کاریگری سے ہے، لہذا خلل سے مامون اور سرعتِ زوال سے محفوظ ہے اور ابدی معاملہ انہی سے وابستہ ہے اور ہمیشہ کا عذاب و ثواب ان سے متعلق ہے۔

سمجھ لیں کہ ظاہری آئینے میں اولاً صورتیں ملحوظ ہوتی ہیں اور دوسری توجہ آئینے کے شہود کے لیے درکار ہے۔ اور واجب

تعالیٰ کے آئینے میں بھی اولاً وہی آئینہ ملحوظ ہے اور دوسری توجہ چیزوں کے شہود کے لیے درکار ہے۔ اسی طرح ظاہری آئینے میں صورتیں بھی آئینے کے احکام و آثار ہیں۔ مثلاً اگر آئینہ لمبا ہے تو صورتیں بھی لمبی ظاہر ہوتی ہیں اور آئینوں کی لمبائی کا آئینہ بنتی ہیں اور اسی طرح اگر آئینہ چھوٹا ہے تو وہ چھوٹائی آئینوں کی صورتوں میں ظاہر ہوتی ہے اور بخلاف واجب تعالیٰ کی ذات کے آئینے کے کہ چیزیں اس کے احکام و آثار کے آئینے نہیں ہو سکتیں، کیونکہ اس بلند مرتبہ میں کوئی حکم و اثر نہیں ہے، بلکہ وہاں سب نسبتیں مسلوب ہیں۔ چیزیں کس کا آئینہ بنیں اور کس چیز کو ظاہر دکھائیں۔ ہاں! تنزل کے مراتب میں جو اسماء و صفات کے ثبوت کا مقام ہے، اگر چیزیں واجب تعالیٰ کے احکام کی صورتوں کے آئینے بنیں تو (اس کی) گنجائش ہے۔ کیونکہ سمع و بصر اور علم و قدرت مثلاً جو چیزوں کے آئینوں میں ظاہر ہیں، یہ مرتبہ وجوب کے سمع و بصر اور علم و قدرت کی صورتیں ہیں، جو ان چیزوں کے آئینے ہیں۔ یہ آئینے کے احکام ہیں جو ظاہری چیزوں کے آئینے میں ظاہر ہوئے ہیں۔

ہم نے جو یہ کہا ہے کہ واجب تعالیٰ کے آئینہ میں اولاً وہی آئینہ ملحوظ ہے اور دوسری توجہ چیزوں کے ان شہود کے لیے درکار ہوتی ہے جو اس آئینے میں صورتوں کی مانند ہے۔ یہ رجوع کے حال کی ابتدا ہے جس میں وہ صورتیں نظر آگئی ہیں جو پہلے نظر سے پوری طور زائل ہو گئی تھیں۔ جب رجوع کا معاملہ آخر کو پہنچتا ہے اور چیزوں میں دور و دراز تک سیر واقع ہو جاتی ہے اور دائرہ امکان کے مرکز میں استقرار میسر ہو جاتا ہے تو لازمی طور پر شہود غیب میں تبدیل ہو جائے گا اور ایمان شہودی ایمان غیبی ہو جائے گا، یہاں تک کہ دعوت کا معاملہ مکمل ہو جاتا ہے اور کوچ کی صدا لگا دیتے ہیں تو اس وقت غیب نہیں رہے گا اور شہود کے سوا کچھ نہیں ہوگا، لیکن یہ شہود اس شہود سے زیادہ مکمل اور زیادہ کامل ہوگا جو رجوع سے پہلے حاصل ہوا تھا۔ کیونکہ جو شہود آخرت سے تعلق رکھتا ہے وہ اس شہود سے زیادہ اکمل ہے جو دنیا سے متعلق ہے:

هٰنِيئًا لَّارْبَابِ النَّعِيمِ نَعِيمُهَا وَلِلْعَاشِقِ الْمُسْكِينِ مَا يَنْجُرُوعُ

یعنی: نعمت والوں کو ان کی نعمتیں مبارک ہوں اور عاشق مسکین کو رنج و درد کے گھونٹ۔

جاننا چاہیے کہ سابقہ تحقیق سے واضح ہو گیا ہے کہ چیز کی جو صورت آئینے میں دکھائی دیتی ہے، (اس کا) تخیل کے سوا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ آئینہ اس صورت کے حاصل ہونے کے باوجود اپنی صرافتِ تجرید پر (قائم) ہے۔ اس صورت کے بارے میں کہا جاسکتا ہے کہ آئینہ اس کے قریب ہے اور نیز کہا جاسکتا ہے کہ آئینہ اس صورت کو محیط ہے اور اس صورت کے ساتھ ہے۔ یہ قرب و احاطہ اور معیت اس طرح کا نہیں ہے جو جسم کے جسم کے ساتھ قرب و احاطہ کی قسم کا ہے یا جو ہر کا عرض کے ساتھ ہے۔ بلکہ اس جگہ ایسا قرب و احاطہ ہے جس کی تصویر سے عقل عاجز ہے اور جس کی کیفیت کے ادراک سے وہ قاصر ہے۔ پس اس صورت میں قرب و معیت اور احاطہ ثابت ہے اور (اس کی) کیفیت بالکل معلوم نہیں۔ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْأَعْلٰی. (سورۃ نحل، ۶) یعنی: اور اللہ کو صفتِ اعلیٰ زیب دیتی ہے۔

نیز ایسے ہی وہ قرب ہے جو حضرت حق سبحانہ کو عالم کے ساتھ ہے اور اسی طرح حق تعالیٰ کا احاطہ و معیت معلوم الانیّت اور مجہول الکفیّیّت ہے۔ ہم ایمان لاتے ہیں کہ حق تعالیٰ قریب ہے اور محیط ہے اور عالم کے ساتھ ہے، لیکن ہم حق تعالیٰ کے قرب و احاطہ اور معیت کی کیفیت کو نہیں سمجھتے کہ وہ کیا ہے؟ کیونکہ یہ صفات چیزوں کی صفات سے جدا ہیں اور امکان و حدوث

کی علامات سے علیحدہ ہیں۔ اگرچہ عالم مجاز میں ان کی ایک ایسی نظیر و مثال پیش کی گئی ہے جو حقیقت کا پل ہے اور آئینہ و صورت سے ایک اشارہ فرمایا گیا ہے، تاکہ گہری نظر والے لوگ حق تعالیٰ کی عنایت سے مجاز سے حقیقت کا سراغ لگائیں اور صورت سے معنی کی جانب مائل ہوں۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اتَّبَعَ الْهُدٰی۔ (سورۃ طہ، ۴۷)

یعنی: اور جو شخص ہدایت کی بات مانے، اسے سلامتی نصیب ہو۔

مکتوب نمبر (۴۷)

خواجہ محمد قاسم بدخشی کو تحریف فرمایا، نصیحت اور تنبیہ (کے بیان) میں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ بَعْدَ الْحَمْدِ وَالصَّلٰوةِ وَتَبْلِغِ الدَّعْوَاتِ۔

یعنی: شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تعریف کرنے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجنے اور سلام و دعا پیش کرنے کے بعد۔

(فقیر) عرض کرتا ہے، لِلّٰهِ سُبْحَانَهُ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ۔ (اللہ سبحانہ کی حمد اور احسان ہے) کہ میرے اس بھائی کے الفاظ اور کلام سے طلب کی حرارت مفہوم ہو رہی ہے اور جمعیت کی خوشبو آرہی ہے۔ شاید یہ دولت صحبت کے قرب کا اثر ہے۔ بیکار مصروفیتوں نے آپ کو نہیں چھوڑا کہ ہفتہ بھر صحبت میں رہتے۔ آپ کی صحبت کے کل دن معلوم نہیں، (شاید) کہ دس روز رہے ہوں۔ اللہ جل سلطانہ سے شرم کرنی چاہیے کہ ہزار دنوں سے ایک روز بھی آپ اللہ عزوجل کے لیے منتخب نہیں کرتے اور اپنے مختلف تعلقات سے اس قدر بھی فارغ نہیں ہوتے۔ آپ پر حجت قائم ہوگئی اور آپ نے اپنے وجدان سے سمجھ لیا ہے کہ اس صحبت کی ایک ساعت ریاضت کے کئی چلوں سے بہتر ہے۔

اس کے باوجود آپ اس صحبت سے گریز کرتے ہیں اور حیلوں سے خود کو دور رکھتے ہیں۔ آپ کی استعداد کا جو ہر نفیس ہے، لیکن کیا فائدہ کہ یہ قوت سے فعل میں نہیں آیا۔ آپ کی استعداد بلند واقع ہوئی ہے، لیکن آپ کی ہمت پست ہے۔ آپ بچوں کی طرح نفیس جواہرات کی بجائے گھٹیا ٹھیکریوں کے ساتھ آرام پا چکے ہیں:

بوقتِ صبح شود نہجو روز معلومت کہ باکہ باختر عشق در شب دیجور

یعنی: تجھے صبح کو روز روشن کی طرح معلوم ہو جائے گا کہ اندھیری رات میں تو کس سے عشق بازی کرتا رہا ہے۔

اب بھی کچھ نہیں گیا۔ اصل (مقصد) کی فکر کرنی چاہیے اور اس کام کے لیے عمدہ چیز ارباب جمعیت کی صحبت ہے اور اگر یہ دولت میسر نہ ہو تو اپنے اوقات کو ذکر الہی جل شانہ جو صاحب دولت (مرشد کامل مکمل) سے اخذ کیا ہے، میں مشغول رکھنا چاہیے اور جو چیز ذکر کے منافی ہے، اس سے بچنا چاہیے۔ اور شریعت کے حلال و حرام کے بارے میں خوب احتیاط فرمانی چاہیے۔ اور غفلت کا مظاہرہ نہ کریں اور پانچ وقت کی باجماعت نماز کی پابندی کریں اور (اس کی ادائیگی میں) تعدیل ارکان کی پوری کوشش کا لحاظ رکھیں اور خیال رکھیں کہ نماز مستحب اوقات میں ادا ہو۔ رَبَّنَا آتِنَا لَنَا نُورًا وَاعْفِرْ لَنَا جِ انَّكَ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ۔ (سورۃ تحریم، ۸)

یعنی: اے ہمارے پروردگار! ہمارا نور ہمارے لیے پورا کر اور ہمیں معاف فرما، بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے۔

مکتوب نمبر (۴۸)

خواجہ محمد طالب بدخشی کو تحریر فرمایا۔ تعزیت اور مقام رضا کی ترغیب دینے (کے بیان) میں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ. الْحَمْدُ لِلَّهِ وَسَلَامٌ عَلَى عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَى. (سورۃ النمل، ۵۹)

یعنی: شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔ سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اُس کے اُن بندوں پر سلام ہو جن کو اُس نے منتخب فرمایا۔

خواجہ محمد طالب! آپ ہمیشہ مطلوب کے طالب رہیں۔ آپ نے آنکھوں کی ٹھنڈک محمد صدیق کی وفات کے بارے میں لکھا تھا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُونَ. (سورۃ بقرہ، ۱۵۶)

یعنی: ہم اللہ ہی کا مال ہیں اور اُسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔

پیارے بھائی! حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ مومنوں کے نزدیک سب چیزوں سے زیادہ عزیز اور زیادہ محبوب ہے۔ خواہ مال ہوں اور خواہ جانیں ہوں۔ اور زندہ کرنا اور مارنا حق تعالیٰ کا کام ہے جس میں کسی دوسرے کی کوئی مداخلت نہیں۔ پس لازمی طور پر حق تعالیٰ کا فعل بھی عزیز تر اور محبوب تر ہوگا۔ ضرورت اس کی ہے کہ محبت محبوبوں کے فعل سے لذت حاصل کریں اور عیش کریں۔ (فقیر) صبر کی تلقین کیسے کرے کہ اس میں ناپسندیدگی کا اشارہ ہے اور مقام رضا اگرچہ رغبت و سرور کی خبر دیتا ہے، لیکن لذت حاصل کرنے کا مرتبہ ایک اور چیز ہے:

عشق آں شعلہ است کہ چوں بر فروخت
ہر چہ جز معشوق باقی جملہ سوخت
تنی لا در قتل غیر حق براند
در نگر زان پس کہ بعد لا چہ ماند
ماند الا اللہ باقی جملہ رفت
شاد باش اے عشق شرک سوز زفت^(۱)

یعنی: عشق وہ شعلہ ہے کہ جب وہ روشن ہو گیا تو جو کچھ معشوق کے علاوہ تھا وہ سب جل گیا۔

♦ لا کی تلوار ماسوا اللہ کے قتل میں چلا (اور) پھر اس کے بعد دیکھ کہ ”لا“ کے بعد کیا رہ گیا ہے۔

♦ الا اللہ رہ گیا، باقی سب فنا ہو گیا، اے عشق! شرکت کو جلانے والے زبردست تو خوش رہے۔

وَالسَّلَامُ عَلَى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدَى. (سورۃ طہ، ۴۷)

یعنی: اور جو شخص ہدایت کی بات مانے، اسے سلامتی نصیب ہو۔

مکتوب نمبر (۴۹)

خواجہ گدا کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ ماسوا کو بھلا دینا اس راستے کا پہلا قدم ہے۔ کوشش کریں کہ اس ایک قدم میں بھی کوتاہی نہ ہو۔

نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي عَلَى نَبِيِّهِ وَنُسَلِّمُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ الْكَرَامِ.

یعنی: ہم اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتے ہیں اور اس کے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم)

کی آلِ کرام پر درود و سلام بھیجتے ہیں۔

میرے بھائی خواجہ گدا کو جو نصیحت کی جاتی ہے، وہ یہ ہے کہ عقائد کلامیہ کی تصحیح کے بعد اور فقہی احکام کی بجا آوری کے بعد آپ ذکر الہی جل سلطانہ کو اس طریقہ کے مطابق جو یاد کیا ہے، ہمیشہ جاری رکھیں۔ چاہیے کہ ذکر اس قدر غلبہ پالے کہ مذکور (اللہ تعالیٰ) کے غیر کو باطن میں نہ رہنے دے اور مذکور (اللہ تعالیٰ) کے سوا کا علمی وجہ تعلق زائل کر دے۔ اس وقت قلب کو ماسوا کی ایک فراموشی حاصل ہو جاتی ہے اور وہ دید و دانش سے اس طرح فارغ ہو جاتا ہے کہ اگر تکلف و تعمّل سے بھی اسے یاد دلائیں تو وہ یاد نہیں کرتا اور (ان کو) نہیں پہچانتا اور وہ ہمیشہ مطلوب میں فنا اور مستغرق رہتا ہے۔

جب معاملہ یہاں تک پہنچ جاتا ہے تو اس وقت اس نے اس راستے کا ایک قدم طے کر لیا ہوتا ہے۔ آپ کوشش کریں کہ ایک قدم میں کوتاہی نہ کریں اور غیر کی دید و دانش میں گرفتار نہ رہیں:

گوئے توفیق و سعادت در میاں اقلندہ اند کس بمیداں در نمی آید سواراں را چہ شد
یعنی: توفیق و سعادت کی گیند درمیان میں ڈال دی گئی ہے۔ کوئی شخص میدان میں نہیں اترتا، آخر سواروں کو کیا ہوا۔
ظاہری طور پر آپ کے تعلقات کم نظر آتے ہیں، لیکن آپ شوق سے خود کو ارباب تعلق کے ساتھ جمع رکھتے ہیں۔ طے شدہ بات ہے کہ: اَمَّا الرَّاضِیُّ بِالضَّرِّ لَا یَسْتَحِقُّ النَّظَرَ۔
یعنی: جو شخص اپنے نقصان پر راضی ہو وہ نظرِ کرم کا مستحق نہیں ہوتا۔
والسلام۔

مکتوب نمبر (۵۰)

مرزا شمس الدین کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ شریعت کی ایک صورت ہے اور ایک حقیقت ہے۔ نیز اس بیان میں کہ ابتدا سے انتہا تک شریعت کے بغیر چارہ نہیں ہے اور قلب کی تمکین، نفس کا اطمینان اور قالب کے اجزاء کے اعتدال کے بیان میں، جو کہ مرتبہ نبوت میں ہے، اور جو کچھ اس کے مناسب ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ (سورۃ النمل، ۵۹)

یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اُس کے اُن بندوں پر سلام ہو جن کو اُس نے منتخب فرمایا۔

شریعت کی ایک صورت ہے اور ایک حقیقت ہے۔ شریعت کی صورت سے مراد اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہے، اُس پر ایمان لانے کے بعد شرعی احکام کی بجا آوری ہے، باوجود نفسِ امارہ کی مخالفت اور اس کی سرکشی و بغاوت اور انکار کے، جو اس کی فطرت میں رکھی گئی ہے۔ اس مقام میں اگر ایمان ہے تو صرف ایمان کی صورت ہے اور اگر نماز ہے تو صرف نماز کی صورت ہے اور اگر روزہ ہے تو صرف روزے کی صورت ہے۔ اسی طرح دوسرے سب شرعی احکام ہیں۔ کیونکہ نفس جو انسان کے وجود کا عمدہ حصہ ہے، اور اُن کے قول سے وہ ہر آدمی کا مشاڈ الیہ بھی ہے، وہ اپنے کفر و انکار پر (قائم) ہے، لہذا ایمان کی حقیقت اور اعمالِ صالحہ کی حقیقت کس طرح متصور ہو سکے۔ اور رحمتِ الہی جل سلطانہ ہے جس نے صرف صورت کو قبول فرما کر جنت میں داخل ہونے کی بشارت دی ہے جو حق تعالیٰ کی رضا کا مقام ہے۔ نیز حق تعالیٰ کا احسان ہی ہے جس نے نفسِ ایمان میں قلب کی تصدیق پر کفایت فرمائی ہے اور اس نے نفس کے اقرار کی

تکلیف نہیں دی۔

ہاں! جنت کی بھی ایک صورت ہے اور ایک حقیقت ہے۔ اصحابِ صورت، جنت کی صورت سے لطف اندوز ہوں گے اور اربابِ حقیقت جنت کی حقیقت سے۔ اصحابِ صورت اور اربابِ حقیقت جنت کے ایک ہی جیسے میوے کھائیں گے۔ صاحبِ صورت اس سے ایک طرح کی لذت پائے گا اور صاحبِ حقیقت دوسری طرح کی لذت پائے گا۔ ازواجِ مطہرات اور اُمہات المؤمنین (رضی اللہ تعالیٰ عنہن) آنسر و علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ایک جنت میں ہوں گی اور ایک ہی طرح کا پھل تناول فرمائیں گی، لیکن ہر ایک کی لذت و راحت الگ ہوگی۔ اور اگر الگ نہ ہو تو بھی ہمارے نبی (کریم) علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد سب بنی آدم پر اُمہات المؤمنین (رضی اللہ تعالیٰ عنہن) کی فضیلت لازم آتی ہے۔ نیز یہ بھی لازم آتا ہے کہ جو شخص کسی سے افضل ہو اس کی زوجہ بھی اس دوسرے شخص سے افضل ہو۔ کیونکہ زوجہ اپنے خاوند کے ساتھ مخلوط رہتی ہے۔ شریعت کی یہ صورت بشرطِ استقامتِ فلاح کا موجب ہے اور آخرت کی نجات کو لازم اور جنت کے دخول کو صحیح کرنے والی ہے، جیسا کہ (اوپر) گزرا ہے اور جب (ساکل نے) شریعت کی صورت درست کر لی تو اس کو ولایتِ عامہ حاصل ہوگئی۔ اللہ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔ (سورۃ بقرہ، ۲۵۷) یعنی: جو لوگ ایمان لائے ہیں، ان کا دوست اللہ ہے۔

اور اُس وقت اللہ سبحانہ کی عنایت سے ساکل اس کام کے لیے آمادہ ہو گیا ہے کہ طریقت میں قدم رکھے اور ولایت کی جانب رخ کرے اور نفس کو امارگی سے آہستہ آہستہ اطمینان کی طرف لے آئے۔ لیکن جاننا چاہیے کہ اس ولایت تک پہنچنے کے لیے منازل کا طے کرنا بھی اعمالِ شریعت کے ساتھ وابستہ ہے۔ کیونکہ ذکرِ الہی جل شانہ جو اس راستے کا عمدہ (عمل) ہے، وہ شرعی مامورات میں سے ہے اور شریعت کی منع کردہ چیزوں سے بچنا بھی اس راستے کی ضرورتوں میں سے ہے اور فرائض کی ادائیگی مقربات (اللہ کے قریب کرنے والی چیزوں) میں سے ہے اور راہِ بین پیر اور رہنما مرشد جو وسیلہ بن سکے، بھی شرعی مامور ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَابْتَغُوا إِلَیْهِ الْوَسِيلَةَ۔ (سورۃ مائدہ، ۳۵)

یعنی: اور اس کا قرب تلاش کرنے کا ذریعہ تلاش کرتے رہو۔

غرض یہ کہ شریعت سے چارہ نہیں، خواہ شریعت کی صورت ہو اور خواہ شریعت کی حقیقت ہو۔ کیونکہ ولایت و نبوت کے تمام کمالات کی اصل شرعی احکام ہیں۔ ولایت کے کمالات شریعت کی صورت کے نتائج ہیں اور نبوت کے کمالات شریعت کی حقیقت کے ثمرات ہیں۔ جیسا کہ ان شاء اللہ تعالیٰ آگے ان کا بیان آئے گا۔

ولایت کا مقدمہ طریقت ہے، جہاں مطلوب کے ماسوا کی نفی مطلوب ہے اور غیر و غیریت کو دور کرنا مقصود ہے۔ جب فضلِ الہی جل شانہ سے ماسوا مکمل طور پر نظر سے دور ہو گیا اور دید میں اغیار کا کوئی نام و نشان نہ رہا تو فنا حاصل ہوگئی اور مقامِ طریقت تکمیل کو پہنچ گیا اور سیر الی اللہ مکمل ہوگئی۔ اس کے بعد مقامِ اثبات کا آغاز ہوتا ہے جس سے مراد سیر فی اللہ ہے اور یہی مقامِ بقا ہے جو حقیقت کا مقام کہلاتا ہے اور جو ولایت کا مقصدِ اعلیٰ ہے۔ اس طریقت و حقیقت پر، جو کہ فنا و بقا ہے، ولایت کا نام صادق آتا ہے اور (اس میں نفس) امارہ (نفس) مطمئنہ بن جاتا ہے اور اپنے مولیٰ جل سلطانہ سے راضی ہو جاتا ہے اور مولیٰ (تعالیٰ) اس سے راضی ہو جاتا ہے اور (ساکل) اپنی فطرت میں جو کراہت رکھتا تھا، وہ زائل ہو جاتی ہے۔ (مشائخ)

کہتے ہیں کہ اگرچہ نفسِ اطمینان میں پہنچ جاتا ہے، لیکن اپنی سرکشی سے باز نہیں آتا:

ہر چند کہ نفسِ مطمئنہ گردد ہر گز ز صفاتِ خود نگرود
یعنی: اگرچہ نفسِ مطمئنہ بن جاتا ہے، لیکن اپنی صفات سے باز نہیں آتا۔

جس جہادِ اکبر کا ذکر آنسور علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے اس حدیث میں فرمایا ہے: رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْأَصْغَرِ إِلَى الْجِهَادِ الْأَكْبَرِ۔^(۱) یعنی: ہم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف آئے ہیں۔

اس سے مراد نفس کے ساتھ جہاد کرنا لیا گیا ہے لیکن جو کچھ فقیر کے کشف میں آیا ہے اور اس نے اپنے وجدان سے پایا ہے، وہ اس متعارف حکم کے خلاف ہے۔ (فقیر) اطمینان کے حاصل ہونے کے بعد نفس میں کسی قسم کی سرکشی و بغاوت نہیں پاتا اور اسے فرمانبرداری کے مقام میں متمکن دیکھتا ہے، بلکہ اس کو اس قلبِ مطمئنہ کی مانند پاتا ہے جس نے ماسوا کو بھلا دیا ہے اور جو غیر و غیریت کی دید و دانش سے گزر چکا ہے اور جو جاہ و ریاست کی محبت اور لذت و دکھ سے آزاد ہو چکا ہے۔ مخالفت کہاں ہے؟ اور سرکشی کس کی؟ اطمینان کے حاصل ہونے سے پہلے اگرچہ بال برابر بھی فرق کرے تو (مشائخ) جس بغاوت و سرکشی کی بات کرتے ہیں، اس کی گنجائش ہے۔ لیکن اطمینان حاصل ہونے کے بعد مخالفت و سرکشی کی مجال نہیں ہے۔ اس بارے میں اس حقیر نے اگرچہ گہری نظر سے مطالعہ کیا ہے اور اس معما کے حل کے لیے بہت ہی زیادہ غور و فکر کیا ہے کہ (فقیر کا کشف) صوفیہ کی طے شدہ بات کے خلاف ہے۔ لیکن اللہ سبحانہ کی عنایت سے اس نے نفسِ مطمئنہ میں بال برابر بھی مخالفت و سرکشی نہیں پائی اور فنا و نیستی کے سوا کوئی اور چیز اس میں نہیں دیکھی۔ جب نفس نے خود کو اپنے مولیٰ جلِ سلطانہ پر فدا کر دیا ہو تو پھر مخالفت کی گنجائش کہاں رہتی ہے اور جب نفس حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ سے راضی ہو گیا اور حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ اس سے راضی ہو گیا تو بغاوت کی کیا صورت رہ جاتی ہے جو رضا کے منافی ہے۔ حق جلِ شانہ کی پسندیدہ چیز ناپسندیدہ کبھی نہیں بن سکتی۔ جہادِ اکبر سے مراد یہی چیز ہے۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ اَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْحَالِ۔ یعنی: اور اللہ سبحانہ حقیقتِ حال کو خوب جانتا ہے۔

ہو سکتا ہے کہ جہادِ بدنِ عنصری کے ساتھ جو مختلف طبیعتوں سے مرکب ہے اور اس کی ہر طبیعت ایک چیز کو چاہتی ہے اور دوسری چیز سے گریز کرتی ہے۔ اگر قوتِ شہوانی ہے تو وہ بدنِ عنصری سے پیدا ہے اور (قوت) غضبی ہے تو وہ بھی اسی سے ظاہر ہے۔ تم نہیں دیکھتے کہ تمام حیوانات جو نفسِ ناطقہ نہیں رکھتے، ان میں یہ بری صفات موجود ہیں اور وہ شہوت و غضب اور شر و حرص سے موصوف ہیں۔ یہ جہاد ہمیشہ جاری ہے۔ نفس کا اطمینان اس جہاد کو تسکین نہیں بخشتا اور قلب کی تمکین اس جنگ کو ختم نہیں فرماتی۔ اس جہاد کے باقی رہنے میں بہت زیادہ فائدے ہیں جن میں بدنِ عنصری کی صفائی اور پاکیزگی بھی شامل ہے، یہاں تک کہ اس جہان (دنیا) کے کمالات اور آخرت کا معاملہ بھی درحقیقت اسی سے متعلق ہوا۔ کیونکہ اس دنیا کے کمالات بدنِ عنصری کے تابع ہیں اور قلبِ متبوع ہے۔ وہاں کام برعکس ہے قلبِ تابع ہے اور بدنِ عنصری متبوع ہے۔ جب یہ جہان (دنیا) خراب ہو جاتا ہے اور وہ جہان (آخرت) روشن ہوتا ہے تو یہ جہاد ختم ہو جاتا ہے۔ جب اللہ سبحانہ کے فضل سے نفسِ اطمینان کے مقام میں آ گیا اور حکمِ الہی جلِ شانہ کا فرمانبرداری بن گیا تو حقیقی اسلام میسر ہو گیا اور ایمان کی حقیقت نے صورت پکڑی۔ اس کے بعد جو کچھ عمل میں آئے گا، وہ شریعت کی حقیقت ہی ہوگا۔ اگر نماز ادا ہوئی تو وہ نماز کی حقیقت ہوگی۔ اگر روزہ

ہے تو وہ روزہ کی حقیقت ہے اور اگر حج ہے تو وہ حج کی حقیقت ہے۔ تمام شرعی احکام کی بجا آوری اسی طرح ہوگی۔ پس طریقت و حقیقت شریعت کی صورت اور شریعت کی حقیقت کے درمیان واقع ہوں۔ جب تک (سالمک) ولایت خاصہ سے مشرف نہیں ہوتا، (اس وقت تک) مجازی اسلام سے حقیقی اسلام تک نہیں پہنچتا اور جب وہ محض فضل الہی جل سلطانہ سے شریعت کی حقیقت سے آراستہ ہو گیا اور اسے حقیقی اسلام میسر ہو گیا تو وہ اس چیز کے لیے آمادہ ہو گیا کہ انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کی نبوت کے کمالات سے تبعیت اور وراثت کے طور پر کامل حصہ پائے اور نصیب وافر حاصل کرے۔ چنانچہ شریعت کی صورت کمالات ولایت کے لیے شجرہ طیبہ کی مانند ہے جو گویا اس کے ثمرات ہیں۔ شریعت کی حقیقت بھی گویا کمالات نبوت کے لیے شجرہ مبارکہ ہے جو اس کے ثمرات ہیں اور کمالات ولایت صورت کے ثمرات کی مانند ہیں اور کمالات نبوت اس صورت کی حقیقت کے ثمرات ہیں۔ پس لازمی طور پر کمالات ولایت، کمالات نبوت کے لیے صورتوں کی طرح ہیں جو ان (کمالات نبوت کی) صورتوں کے حقائق ہیں۔

جاننا چاہیے کہ صورت شریعت اور حقیقت شریعت کے درمیان فرق نفس کے راستے سے آیا تھا کہ درجہ صورت میں نفس اتنا سرکش تھا اور اپنے انکار پر تھا اور حقیقت کے درجہ میں نفس مطمئنہ بن گیا ہے اور مسلمان ہو گیا ہے۔ ایسے ہی کمالات ولایت، جو صورتوں کی مانند ہیں اور کمالات نبوت، جو حقائق کی طرح ہیں، کے درمیان فرق بدن غضری کے راستے سے ہے۔ مقام ولایت میں بدن غضری کے اجزاء بغاوت و سرکشی سے باز نہیں آتے۔ مثلاً اس کا جزو ناری اطمینان نفس کے باوجود خود کو اچھا اور بڑا سمجھنے سے باز نہیں آیا اور جزو خاکی اپنی پستی اور فرومانگی پر شرمندہ نہیں ہوا۔ باقی سب اجزاء کا معاملہ اسی طرح ہے۔ کمالات نبوت کے مقام میں بدن غضری کے اجزاء بھی اعتدال پر آگئے ہیں اور افراط و تفریط سے رک گئے ہیں۔ ہو سکتا کہ آنسور علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ اسی وجہ سے فرمایا ہو: اَسْلَمَ شَيْطَانِي^(۲)۔ یعنی: میرا شیطان مسلمان ہو گیا ہے۔ چنانچہ جس طرح شیطان آفاق میں ہے، اسی طرح نفس میں بھی ہے اور وہ ناری جزو ہے جو خود کو اچھا سمجھنے کا مدعی ہے اور اپنی بڑائی و برتری کا طالب ہے جو بدترین گھٹیا اوصاف ہیں اور اس کے اسلام لانے سے مراد ان گھٹیا ترین بری صفات کا دور ہو جانا ہے۔ پس کمالات نبوت میں قلب کا اطمینان بھی ہے اور نفس کا اطمینان بھی اور بدن غضری کے اجزاء کا اعتدال بھی اور ولایت میں صرف قلب کا اطمینان ہے اور کچھ نہ کچھ نفس کا اطمینان بھی ہے۔ میں نے جو کہا ہے کہ کچھ نہ کچھ نفس کا اطمینان ہے، (یہ) اس لیے کہا ہے کہ نفس کو کامل اور بے تکلف اطمینان بدن غضری کے اجزاء کے اعتدال کے بعد حاصل ہوتا ہے، لہذا ارباب ولایت نے بدن غضری کے اجزاء کے عدم اعتدال کی وجہ سے نفس مطمئنہ کا بشری صفات کی جانب رجوع کرنا جائز قرار دیا ہے، جیسا کہ (اوپر) گزرا ہے۔ اور جو اطمینان بدن غضری کے اجزاء کے اعتدال کے بعد نفس کو حاصل ہوتا ہے، وہ بری صفات کی طرف رجوع کرنے سے پاک اور مبرا ہے۔ اس طرح نفس کے بری صفات کی جانب رجوع کرنے اور رجوع نہ کرنے کا اختلاف مقامات و افکار کے اختلاف پر مبنی ہے۔ ہر ایک نے اپنے مقام سے خبر دی ہے اور اپنی یافت (پہنچ) کے موافق بات کی ہے۔

سوال: جب بدن غضری کے اجزاء بھی حد اعتدال میں آجائیں اور بغاوت و سرکشی سے رک جائیں تو پھر ان کے ساتھ

جہاد کی کیا صورت ہے؟ اور نفس مطمئنہ کی مانندان کے ساتھ بھی جہاد ختم ہو جاتا ہے؟

جواب: نفس مطمئنہ اور ان اجزاء کے درمیان فرق ہے۔ کیونکہ (نفس) مطمئنہ فانی اور نابود ہے اور عالمِ امر سے ملا ہوا ہے جو فنا اور سکر کے کمال سے موصوف ہے اور یہ اجزاء شرعی احکام کی بجا آوری کی وجہ سے جن کی بنیاد صحو پر ہے، فنا اور سکر سے مناسبت نہیں رکھتے اور فنا ہونے والے میں اس کی مخالفت کی گنجائش نہیں ہے اور جو صحو رکھتا ہے وہ بعض مصلحتوں اور منافع کی وجہ سے اگر بعض امور میں مخالفت کی صورت (اختیار) کرے تو گنجائش ہے۔ امید ہے کہ اللہ جلّ سلطانہ کے فضل سے یہ مخالفت مستحب کے ترک کرنے سے زیادہ اوپر نہیں جائے گی اور مکروہ تنزیہی کے ارتکاب سے زیادہ نیچے نہیں آئے گی۔ اس طرح اجزاء کے اعتدال کے باوجود بدنِ عنصری کے مرتبہ میں جہاد متصور ہوگا اور (نفس) مطمئنہ میں جہاد جائز نہیں ہوگا۔

اس بحث کی تحقیق مکتوبات کے دفترِ اوّل کے اس مکتوب (نمبر ۲۶۰) میں تفصیل کے ساتھ درج ہو چکی ہے جو اپنے بڑے فرزند مرحوم (خواجہ محمد صادق قدس سرہ) کے نام طریقہ کے بیان میں لکھا گیا ہے۔ اگر کوئی چیز پوشیدہ رہ گئی ہو تو وہاں رجوع کریں۔

اگر محض اللہ جلّ سلطانہ کے فضل سے کمالاتِ نبوت، جو کہ حقیقتِ شریعت کے نتائج و ثمرات ہیں، بھی تکمیل کو پہنچ جائیں اور وہاں کی ترقیاں اعمال سے وابستہ نہ رہیں تو اس مقام میں معاملہ محض حضرت رحمٰن جلّ سلطانہ کے فضل و احسان پر موقوف رہتا ہے۔ وہاں اعتقاد کا کوئی اثر نہیں ہے اور علم و عمل کا حکم نہیں۔ بس فضل ہی فضل اور کرم ہی کرم ہے۔ یہ مقام سابقہ تمام مقامات کی نسبت بہت عالی ہے اور کامل و وسعت رکھتا ہے اور ایسی نورانیت رکھتا ہے جس کا پہلے (مقامات) میں کوئی اثر نہیں تھا۔ یہ مقام اصلی طور پر اولو العزم انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مخصوص ہے اور ان کی تبعیت (پیروی) کی وجہ سے جس کو چاہیں اس سے نوازدیں اور ان کی وراثت کے طور پر جس کو چاہیں اس سے مشرف فرمادیں:

ع با کریمیاں کارہا دشوار نیست

یعنی: کریم لوگوں کے لیے کام مشکل نہیں ہیں۔

اس جگہ کوئی آدمی غلطی نہ کرے اور یہ نہ کہے کہ اس مقام میں صورتِ شریعت اور حقیقتِ شریعت سے استغنا حاصل ہو جاتا ہے اور شرعی احکام کے بجالانے کی حاجت نہیں رہتی۔ کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ شریعت اس کام کی اصل اور معاملے کی بنیاد ہے۔ درخت جس قدر اوپر چلا جائے اور سر بلند ہو جائے اور دیوارِ جتنی اونچی نکل جائے اور اس پر عالی شان محلات تعمیر کیے جائیں، وہ اصل اور بنیاد سے بے نیاز نہیں ہوتے اور ان کی ذاتی حاجت ختم نہیں ہوتی۔ مثلاً ایک بلند گھر جس قدر بلندی حاصل کر لے اور پستی سے زیادہ دور ہو جائے، نیچے والے گھر کے بغیر اس کو چارہ نہیں اور نیچے والے گھر سے اس کی حاجت ہر گز زائل نہیں ہوتی۔ بالفرض اگر نیچے والے گھر میں کوئی خرابی پیدا ہو جائے تو وہ خلل اوپر والے گھر میں بھی اثر کرے گا اور نیچے والے کا زوال اوپر والے کے زوال کا ذریعہ بن جائے گا۔ پس شریعت ہر وقت اور ہر حال میں درکار ہے اور اس کے احکام بجالانے کا ہر کوئی محتاج ہے۔

جب اللہ جلّ شانہ کی عنایت سے معاملہ اس مقام سے بالاتر ہو جائے اور کام لطف و مہربانی سے (بڑھ کر) محبت میں آ

جائے تو پھر ایک اور بہت بلند مقام سامنے آئے گا، جو اصلی طور پر حضرت خاتم الرسل عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے ساتھ مخصوص ہے۔ تبعیت (پیروی) اور وراثت کے طور پر دیکھئے کس کو اس دولت سے مشرف فرماتے ہیں۔ وہ عالی محل جو انتہائی بلندی کی بنا پر تنگ نظر آتا ہے (یہ فقیر) حضرت صدیق (رضی اللہ عنہ) کو اس مقام میں وراثت کے طور پر ناف تک داخل دیکھتا ہے اور حضرت فاروق (رضی اللہ عنہ) بھی اس دولت سے سرفراز ہیں۔ امہات المؤمنینؓ میں سے حضرت خدیجہ (رضی اللہ عنہا) اور حضرت (عائشہ) صدیقہ (رضی اللہ عنہا) کو بھی آنسور علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ علاقہ ازدواج کی وجہ سے اس مقام میں دیکھتا ہے۔ وَالْأَمْرُ عِنْدَ اللَّهِ سُبْحَانَهُ۔
یعنی: اور معاملہ اللہ سبحانہ ہی کے دستِ قدرت میں ہے۔

رَبَّنَا آتِنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً وَهِيَ لَنَا مِنْ أَمْرِنَا رَشَدًا۔ (سورۃ کہف، ۱۰)

یعنی: اے ہمارے پروردگار! ہم پر اپنے ہاں سے رحمت نازل فرما اور ہمارے کام میں درستی (کے سامان) مہیا کر۔
میرے پیارے بھائی معارف آگاہ شیخ عبدالحی جنہوں نے سالہا سال (فقیر کی) صحبت میں گزارے ہیں۔ چونکہ (اب) اپنے وطن کی طرف روانہ ہونے والے ہیں اور یہ مقام بھی ان کی جناب سے تعلق رکھتا تھا۔ لہذا ضرورت کے تحت چند سطریں لکھی گئی ہیں اور موصوف کے احوال کی اطلاع دی گئی ہے۔ اہل اللہ جہاں ہوں، ان کا وجود غنیمت ہے اور وہاں کے رہنے والوں کے لیے بشارت ہے۔ فَطُوبٰی لِمَنْ عَرَفَهُمْ۔ یعنی: پس مبارک ہو اُسے جو ان کو پہچان لے۔
اور اسی جگہ میرے پیارے بھائی شیخ نور محمد بھی اقامت رکھتے ہیں۔ اور فقر اور نامرادی میں (وقت) گزار رہے ہیں۔ ایسے مقام پر رشک آ رہا ہے، جہاں اس طرح کے دواہل اللہ اکٹھے ہیں اور دو مبارک ستاروں کا جمع ہونا ثابت ہے۔ والسلام۔

مکتوب نمبر (۵۱)

خواجہ محمد صدیق کو تحریر فرمایا۔ حضرت حق سبحانہ کا بعض کالین کے ساتھ بالمشافہ کلام کرنے کے بیان میں۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ وَسَلَامٌ عَلَى عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَى۔ (سورۃ النمل، ۵۹)

یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اُس کے اُن بندوں پر سلام ہو جن کو اُس نے منتخب فرمایا۔

میرے بھائی صدیق کو جاننا چاہیے کہ حق سبحانہ کبھی بندے کے ساتھ بالمشافہ کلام فرماتا ہے اور یہ انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات میں سے بعض حضرات کے لیے ثابت ہے اور کبھی یہ نعمت عظمیٰ ان کے کامل پیروکاروں میں سے بعض کو تبعیت (پیروی) اور وراثت کے طور پر میسر ہوتی ہے اور کلام کی یہ قسم ان میں سے کسی کو جب کثرت سے نصیب ہو تو اسے مُخَدَّث کہتے ہیں۔ جس طرح امیر المؤمنین (حضرت) عمر رضی اللہ عنہ تھے۔

یہ کلام، الہام اور القائے روحانی سے الگ ہے اور اس کلام سے بھی الگ ہے جو فرشتے کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس کلام کے ساتھ وہ انسان کامل مخاطب ہوتا ہے جو عالم امر وخلق، روح و نفس اور عقل و خیال کا جامع ہو۔

وَاللَّهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ ط وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ۔ (سورۃ بقرہ، ۱۰۵)

یعنی: اور اللہ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ خاص کر لیتا ہے اور اللہ بڑے فضل کا مالک ہے۔

بالمشافہ کلام کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ کلام کرنے والا سننے والے کو نظر آتا ہے۔ اس لیے کہ ہو سکتا ہے کہ سننے والے کی آنکھیں کمزور ہوں (اور) وہ اس کے انوار کی درخشندگی (چمک دمک) برداشت نہ کر سکیں، جیسا کہ آنسور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے روایت (باری تعالیٰ) کے سوال کے جواب میں فرمایا: نُورُ اَنّٰی اَرَاہُ۔^(۱) یعنی: وہ نور ہے، میں اسے کیسے دیکھ سکتا ہوں۔

اس لیے کہ بالمشافہ گفتگو میں شہودی پردے اٹھ جاتے ہیں، نہ کہ وجودی۔ پس سمجھ لو۔ بیشک یہ ایک ایسی معرفت شریفہ ہے جس کے بارے میں (مشائخ میں سے) کسی نے بھی بات نہیں کی۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اَتَّبَعَ الْهُدٰی۔ (سورۃ طہ، ۴۷) یعنی: اور جو شخص ہدایت کی بات مانے، اسے سلامتی نصیب ہو۔

مکتوب نمبر (۵۲)

خواجہ مہدی علی کشمیری کو تحریر فرمایا۔ اس بلند مرتبہ گروہ (صوفیہ) کے ساتھ محبت کی ترغیب (کے بیان) میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ (سورۃ النمل، ۵۹)

یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اُس کے اُن بندوں پر سلام ہو جن کو اُس نے منتخب فرمایا۔

آپ نے جو مکتوب شریف کمال محبت و اخلاص سے تحریر کیا تھا، وہ تحائف کے ساتھ پہنچا۔ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ آپ کو اس گروہ کی محبت پر استقامت کرامت فرمائے اور ان کے ساتھ حشر کرے۔ وَہُمْ قَوْمٌ لَا یَشْقٰی جَلِیْسُہُمْ وَلَا یَحْرَمُ اَنْیْسُہُمْ وَلَا یُخِیْبُ مَسِیْسُہُمْ وَہُمْ جَلَسَاءُ اللّٰہِ وَہُمْ اِذَا رَاُوْا ذِکْرَ اللّٰہِ وَہُمْ عَرَفُہُمْ وَجَدَ اللّٰہُ نَظْرُہُمْ دَوَاءً وَکَلَامُہُمْ شِفَاءً وَصُحْبَتُہُمْ ضِیَاءٌ وَبَہَاءٌ ہُمْ مِّنْ رَّأٰی ظَاہِرُہُمْ خَابٌ وَخَسَرَ وَمَنْ رَّأٰی بَاطِنُہُمْ نَجٰی وَافْلَحَ۔^(۱)

یعنی: وہ ایسے لوگ ہیں جن کا ہم نشین بد بخت نہیں ہوتا۔ ان کا انیس محروم نہیں ہوتا اور ان سے میل جول رکھنے والا بے مراد نہیں رہتا اور وہی اللہ کے ہم نشین ہیں۔ جب وہ نظر آئیں تو اللہ یاد آ جاتا ہے۔ جس نے ان کو پہچانا اس نے اللہ کو پالیا اور ان کی نگاہ دوا ہے اور ان کا کلام شفا ہے اور ان کی صحبت نور و روشنی ہے۔ جس نے ان کے ظاہر کو دیکھا وہ نقصان اور خسارے میں رہا اور جس نے ان کے باطن کو دیکھا اس نے نجات و فلاح پائی۔

خوب کہا، جس نے بھی کہا: ”الہی! یہ کیا (ماجرا) ہے جو تو نے اپنے دوستوں کے حق میں کیا ہے کہ جس نے ان کو پہچانا، اس نے تجھے پالیا اور جب تک اس نے تجھے نہ پایا، ان کو نہ پہچانا۔“

یعنی ان کی شناخت اور تیرا پانا ایک دوسرے سے الگ نہیں ہیں۔ تقدّم ذاتی ایک اعتبار سے پہچان کے لیے ہے اور دوسرے اعتبار سے پالینے کے لیے ہے۔ کہنے والے کا مقصد یہ ہے کہ تقدّم حق تعالیٰ کی طرف سے ہے، کیونکہ وہی مبداء ہے اور ابتدا اسی سے زیادہ بہتر اور زیادہ مناسب ہے۔

وَالسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَعَلٰی مَنْ لَّدَیْکُمْ۔ یعنی: آپ پر اور جو آپ کے پاس ہیں، اُن پر سلام ہو۔

مکتوب نمبر (۵۳)

گرد و نواح کے مشائخ میں سے ایک کو تحریر فرمایا۔ ان کے اس استفسار کے جواب میں کہ اگر عبادت کرتا ہوں تو نفس کو استغنا حاصل ہو جاتا ہے اور اگر کوئی خطا اور خلاف شرع چیز مجھ سے صادر ہو جائے تو شرمندگی اور عاجزی پیدا ہو جاتی ہے۔

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى. (سورۃ النمل، ۵۹)

یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اُس کے اُن بندوں پر سلام ہو جن کو اُس نے منتخب فرمایا۔

آپ نے پوچھا تھا کہ اگر خود کو ریاضت میں مصروف کرتا ہوں تو نفس میں استغنا پیدا ہو جاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ میرے جیسا کوئی صالح نہیں ہے اور اگر کوئی خلافِ شرع واقع ہو جاتا ہے تو میں خود کو محتاج و عاجز خیال کرتا ہوں۔ اس کا علاج کیا ہے؟ اے توفیق کے نشان والے! محتاجی و عاجزی جس کی بنیاد ندامت ہے اور جو (سوال کے) دوسرے حصے میں پیدا ہوتی ہے، بہت بڑی نعمت ہے۔ اگر خلافِ شرع کام کرنے کے بعد بھی ندامت جو توبہ کی شاخ ہے، پیدا نہ ہو اور گناہ کرنے سے لذت و لطف حاصل ہو تو اللہ سبحانہ کی پناہ طلب کرنی چاہیے، کیونکہ گناہ سے لذت حاصل کرنا، گناہ پر اصرار ہے۔ اگر صغیرہ گناہ پر اصرار ہے تو یہ کبیرہ تک پہنچا دیتا ہے اور کبیرہ کا اصرار کفر کی دہلیز ہے۔ آپ اس نعمتِ عظمیٰ کا شکر ادا کریں، تاکہ ندامت میں اضافہ پیدا ہو اور وہ خلافِ شرع کے ارتکاب سے روک لے۔ اللہ سبحانہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے: لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ. (سورۃ ابراہیم، ۷) یعنی: اگر شکر کرو گے تو میں تمہیں زیادہ دوں گا۔

(سوال کے) پہلے حصے کا نتیجہ نیک اعمال کے بجالانے کے بعد تکبر کا حاصل ہونا ہے اور یہ تکبر زہرِ قاتل ہے اور ایک مہلک بیماری ہے جو نیک اعمال کو برباد کر دیتی ہے، جیسے آگ ایندھن کو جلا کر ختم کر دیتی ہے۔ تکبر کا منشا یہ ہے کہ نیک اعمال، عمل کرنے والے کی نظر میں خوبصورت ہو جاتے ہیں اور اچھے دکھائی دیتے ہیں۔ پس اس کا علاج اس کی ضد سے ہونا چاہیے۔ چاہیے کہ آپ اپنی نیکیوں کو تہمت زدہ سمجھیں اور نیکیوں کی مخفی برائیاں نظر میں رکھیں، تاکہ خود کو اور اپنے اعمال کو ناقص سمجھیں، بلکہ لعنت اور رد کے لائق جانیں۔ نبی کریم علیہ و آلہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: رُبُّ قَارِئِ الْقُرْآنِ وَالْقُرْآنُ يَلْعَنُهُ. ^(۱) یعنی: بہت سے قرآن پڑھنے والے ایسے ہیں کہ قرآن ان پر لعنت کرتا ہے۔

نیز: وَكَمْ مِنْ صَائِمٍ لَيْسَ لَهُ مِنْ صِيَامِهِ إِلَّا الظَّمَاُ وَالْجُوعُ. ^(۲)

یعنی: بہت سے روزہ دار ایسے ہیں جن کو پیاس و بھوک کے سوا اس سے کچھ نہیں ملتا۔

خیال نہ کریں کہ آپ کی نیکیوں میں کوئی برائی نہیں اور اگر تھوڑی سی توجہ کریں تو اللہ سبحانہ کی عنایت سے سب بدنما نظر آئیں اور اچھائی کی کوئی بُو نہ پائیں گے۔ تکبر کہاں؟ اور استغنا کس کو؟ بلکہ اعمال کی دیدِ قصور سے چاہیے کہ نیکی کرنے سے نادم اور شرمندہ ہوں، نہ کہ متکبر اور بے پروا ہوں۔ جب اعمال میں دیدِ قصور پیدا ہوتی ہے تو اعمال کی قیمت کو بڑھا دیتی اور قبولیت کے لائق بنا دیتی ہے۔ آپ کوشش کریں کہ یہ دیدِ قصور پیدا ہو جائے اور تکبر کی دُہائی نہ دے۔

وَبَدُّوْهُ خَوْطُ الْقَتَادِ. یعنی: اور اس کے بغیر بے فائدہ رنج اٹھاتا ہے۔

إِلَّا أَنْ يَشَاءَ رَبِّيْ شَيْئًا. (سورۃ انعام، ۸۰) یعنی: ہاں اگر میرا پروردگار چاہے تو مشکل نہیں۔

ایک جماعت کو جب اعمال کی یہ دیدِ قصور بدرجہ کمال میسر ہو جاتی ہے تو یہ (لوگ) اس طرح گمان کرتے ہیں کہ دائیں ہاتھ کا (نیکیاں) لکھنے والا فرشتہ معطل اور بیکار بیٹھا ہے اور کوئی ایسی نیکی نہیں ہے جس کو وہ تحریر کرے اور بائیں ہاتھ کا (برائیاں) لکھنے والا فرشتہ ہمیشہ کام میں (مصروف) ہے، کیونکہ سب برا اور گناہ ہے۔ جب عارف کا معاملہ اس حد تک پہنچتا

ہے تو اس کے ساتھ وہ ہوتا جو ہوتا ہے:

ع قلم اینجا رسید سر بشکست
یعنی: قلم یہاں پہنچا تو اس کا سر ٹوٹ گیا۔

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اتَّبَعَ الْهُدٰی. (سورۃ طہ، آیت ۴۷)

یعنی: اور جو شخص ہدایت کی بات مانے، اسے سلامتی نصیب ہو۔

مکتوب نمبر (۵۴)

سید شاہ محمد کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ آنسور علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کے مراتب و درجات ہیں اور وہ سات درجے ہیں اور ہر درجے کی دوسرے پر فضیلت کے بیان میں اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کا بیان)۔

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی. (سورۃ النمل، ۵۹)

یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اُس کے اُن بندوں پر سلام ہو جن کو اُس نے منتخب فرمایا۔

آنسور علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت جو دینی اور دنیاوی سعادتوں کا سرمایہ ہے، کے کئی درجات و مراتب ہیں: (متابعت کا) پہلا درجہ: عام مسلمانوں کے لیے ہے جو تصدیقِ قلب کے بعد اور اطمینانِ نفس جو کہ درجہ ولایت سے متعلق ہے، سے پہلے شرعی احکام کی بجا آوری اور روشن سنت کی اتباع ہے۔ علمائے ظاہر، عابد اور زاہد (حضرات) جن کا معاملہ اطمینانِ نفس سے ہمکنار نہیں ہوا، سب متابعت کے اس درجہ میں شریک ہیں اور اتباع کی صورت کے حاصل کرنے میں برابر ہیں۔ چونکہ نفس نے اس مقام میں اپنے کفر و انکار سے ابھی رہائی نہیں پائی ہوتی، لہذا یہ درجہ متابعت کی صورت سے مخصوص ہوتا ہے۔ متابعت کی یہ صورت متابعت کی حقیقت کی مانند آخرت کی فلاح و نجات کا موجب ہے اور آگ کے عذاب سے بچانے والی ہے اور جنت میں داخل ہونے کی بشارت دینے والی ہے۔ حق سبحانہ نے (اپنے) کمال کرم سے نفس کے انکار کا اعتبار نہ کرتے ہوئے قلبی تصدیق پر کفایت فرمائی ہے اور نجات کو اس تصدیق سے وابستہ کر دیا ہے:

میتوانی کہ دہی اشک مرا حسن قبول اے کہ در ساختہ قطرہ بارانی را

یعنی: تو میرے آنسو کو بھی حسن قبولیت بخش سکتا ہے، اے وہ ہستی کہ جس نے بارش کے قطرے کو موتی بنا ڈالا ہے۔
متابعت کا دوسرا درجہ: آنسور علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کے ان اقوال و اعمال کی اتباع ہے جو باطن سے تعلق رکھتی ہے۔ (مثلاً) اخلاق کا سنوارنا، بری صفات کو دور کرنا، باطنی بیماریوں اور معنوی عوارض کو ختم کرنا ہے جو مقام طریقت سے متعلق ہیں۔ اتباع کا یہ درجہ اربابِ سلوک کے ساتھ مخصوص ہے جو شیخِ مقتدا سے صوفیہ کا طریقہ اخذ کر کے سیرالی اللہ کی وادی اور بیابانوں کو طے کرتے ہیں۔

متابعت کا تیسرا درجہ: آنسور علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کے ان احوال و اذواق اور مواجید کی اتباع ہے جو مقام ولایت خاصہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ درجہ ان اربابِ ولایت کے ساتھ مخصوص ہے جو مجذوب سا لک یا سا لک مجذوب ہوں۔ جب مرتبہ ولایت تکمیل کو پہنچ گیا تو نفس مطمئنہ بن گیا اور بغاوت و سرکشی سے باز آ گیا اور انکار سے اقرار میں اور کفر سے اسلام

میں آگیا۔ اس کے بعد (سالک) متابعت میں جو کوشش بھی کرے گا، وہ متابعت کی حقیقت ہوگی۔ اگر وہ نماز پڑھتا ہے تو متابعت کی حقیقت بجالاتا ہے اور اگر روزہ ہے تو وہ یہی حکم رکھتا ہے اور اگر زکوٰۃ ہے تو اسی طرح سے ہے۔ اسی انداز سے تمام شرعی احکام کی بجا آوری میں اتباع کی حقیقت موجود ہے۔

سوال: نماز اور روزہ کی حقیقت کس معنی میں ہے؟ نماز اور روزہ مخصوص افعال ہیں۔ اگر یہ افعال جیسا کہ فرمایا گیا ہے، ادا ہو جائیں تو حقیقت ادا ہوگئی۔ ظاہری صورت کیا ہوگی؟ اور اس (صورت) کے علاوہ حقیقت کیا ہوگی؟

جواب: مبتدی چونکہ نفس امارہ رکھتا ہے جو ذاتی طور پر آسمانی احکام کا منکر ہے اور اس سے شرعی احکام کی بجا آوری صورت کے اعتبار سے ہے اور منتہی کا نفس چونکہ مطمئنہ بن گیا ہے اور اس نے رضا و رغبت سے شرعی احکام قبول کر لیے ہیں، (لہذا) اس سے احکام کی بجا آوری حقیقت کے اعتبار سے ہے۔ مثلاً منافق اور مسلمان دونوں نماز ادا کرتے ہیں۔ منافق چونکہ باطن میں انکار کرتا ہے اور نماز کی صورت بجالاتا ہے اور مسلمان باطن کی فرمانبرداری کی وجہ سے نماز کی حقیقت سے آراستہ ہے۔ پس صورت و حقیقت باطن کے انکار و اقرار کی حقیقت کے اعتبار سے ہے۔ یہ درجہ یعنی اطمینانِ نفس اور اعمال صالحہ کی حقیقت کا درجہ ولایت خاصہ کے کمالات کے حاصل ہونے کے بعد جو کہ درجہ سوم سے متعلق ہیں، حاصل ہو جاتا ہے۔

متابعت کا چوتھا درجہ: یہ ہے کہ پہلے درجے میں اس متابعت کی صورت تھی اور یہاں اتباع کی حقیقت ہے۔ اتباع کا یہ چوتھا درجہ علمائے راسخین شکر اللہ تعالیٰ سَعِيَهُمْ (اللہ ان کی کوشش کو مشکور فرمائے) کے ساتھ مخصوص ہے جو اطمینانِ نفس کے بعد متابعت کی دولت سے متحقق ہیں۔ اولیاء اللہ قدس اللہ تعالیٰ اسرار ہم کو اگرچہ تمکینِ قلب کے بعد اطمینانِ نفس کی ایک قسم حاصل ہوتی ہے، لیکن نفس کو کمال اطمینانِ کمالاتِ نبوت کی تحصیل میں حاصل ہوتا ہے۔ علمائے راسخین کو ان کمالات سے وراثت کے طور پر حصہ نصیب ہے۔ پس علمائے راسخین نفس کے کمال اطمینان کی وجہ سے شریعت کی حقیقت جو کہ اتباع کی حقیقت ہے، سے متحقق ہوتے ہیں۔ دوسرے چونکہ یہ کمال نہیں رکھتے، لہذا کبھی وہ شریعت کی صورت سے متصف ہوتے ہیں اور کبھی شریعت کی حقیقت سے متحقق ہوتے ہیں۔

میں علمائے راسخین کی ایک نشانی بیان کرتا ہوں تاکہ ہر ظاہر دان (سطحی نظر رکھنے والا) رسوخ کا دعویٰ نہ کرے اور اپنے (نفس) امارہ کو (نفس) مطمئنہ نہ گمان کرے۔ راسخ عالم وہ آدمی ہے جس کو کتاب و سنت کی متشابہات کی تاویل سے حصہ نصیب ہے اور وہ قرآن مجید کی سورتوں کے آغاز کے حروف مقطعات کے اسرار سے بہرہ ور ہے۔ متشابہات کی تاویل مخفی اسرار میں سے ہے۔ تم خیال نہ کرو کہ (یہ) تاویلِ ید (ہاتھ) کی قدرت سے اور وجہ (چہرہ) کی تاویل ذات سے کرنے کی مانند ہے، کیونکہ (یہ) تاویل علم ظاہر سے کی گئی ہے اور اسرار سے کوئی تعلق نہیں رکھتی۔ ان اسرار کے صاحبان انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات ہیں۔ یہ رموز انہی کے معاملات کی جانب اشارے ہیں اور یا پھر وہ لوگ ہیں جن کو ان بزرگواروں کی تبعیت (پیروی) اور وراثت کے طور پر اس دولتِ عظمیٰ سے سرفراز فرمائیں۔

اس درجے کی متابعت کا حاصل کرنا جو کہ اطمینانِ نفس کے حاصل کرنے اور صاحبِ شریعت علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام کی مطابعت کی حقیقت کو وصول کرنے سے وابستہ ہے، کبھی ایسے ہے کہ (یہ) فنا و بقا کے واسطے کے بغیر اور سلوک و جذبہ کے

وسیلہ کے بغیر میسر ہو جاتی ہے اور ہو سکتا ہے کہ احوال و مواصلات اور تجلیات و ظہورات میں سے کوئی چیز درمیان میں نہ ہو اور یہ دولت حاصل ہو جائے، لیکن ولایت کے راستے سے اس دولت تک پہنچنا کسی دوسرے راستے کی نسبت زیادہ قریب ہے۔ اس فقیر کے خیال میں یہ دوسرا راستہ نبی کریم علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام والحق یہ کہ روشن سنت کو لازم پکڑنا اور بدعت کے نام و نشان سے اجتناب کرنا ہے۔ جب تک (سالک) بدعتِ حسنہ سے بدعتِ سنیہ کی طرح پرہیز نہ کرے (اس وقت تک) اس دولت کی خوشبو اس کی مشامِ جان تک نہیں پہنچ سکتی۔ یہ بات آج مشکل ہے، کیونکہ جہان بدعت کے دریا میں غرق ہے اور بدعت کے اندھیروں میں آرام پا چکا ہے۔ کس کی مجال ہے کہ بدعت کے دور کرنے میں دم مارے اور سنت کے احیاء میں لب کھولے۔ اس وقت کے اکثر علماء بدعت کے رواج دینے والے ہیں اور سنت کو مٹانے والے ہیں۔ وہ پھیلی ہوئی بدعتوں کو مخلوق کا تعامل سمجھ کر ان کے جواز بلکہ ان کے استحسان کا فتویٰ دیتے ہیں اور لوگوں کی بدعت کی طرف رہنمائی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر گمراہی شہرت پالے اور باطل مشہور ہو جائے تو تعامل بن جاتا ہے۔ کیا وہ نہیں جانتے کہ تعامل استحسان کی دلیل نہیں ہے۔ جو تعامل معتبر ہے، وہ وہی ہے جو صدرِ اوّل سے آیا ہے یا تمام لوگوں کے اجماع سے حاصل ہوا ہے۔ جیسا کہ فتاویٰ غیاثیہ میں لکھا ہے کہ شیخ الاسلام شہید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ”ہم بلخ کے مشائخ کے استحسان پر فتویٰ نہیں دیتے، بلکہ ہم اپنے متقدمین اصحاب رحمہم اللہ سبحانہ کے قول پر فتویٰ دیتے ہیں، کیونکہ ایک شہر کا تعامل جواز پر دلالت نہیں کرتا، بلکہ جواز پر وہ تعامل دلالت کرتا ہے جو صدرِ اوّل سے لگا تار چلا آ رہا ہے، تاکہ یہ نبی کریم علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی تقریر پر دلیل ہو اور لوگوں کے لیے نشانِ راہ ہو تو یہ درحقیقت نبی کریم علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی شریعت ہوگا اور لوگوں کا فعل حجت نہیں ہو سکتا مگر جب تمام شہروں کے لوگوں کی کثیر تعداد اس پر عمل کرے اور یہ اجماع ہو جائے اور اجماع حجت ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اگر لوگ شراب کی خرید و فروخت اور سود کے رواج پر تعامل کر لیں تو ان کے حلال ہونے کا فتویٰ نہیں دیا جائے گا۔“

اس میں شک نہیں کہ تمام مخلوق کے تعامل کا علم اور سب دیہاتوں اور شہروں کے عمل کا علم حاصل کرنا انسان کے بس سے باہر ہے۔ باقی رہا صدرِ اوّل کا تعامل جو درحقیقت آنسور علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی تقریر ہے اور آپ علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت کی طرف راجع ہے، لہذا اس تعامل میں بدعت کہاں ہے؟ اور یہ بدعتِ حسنہ کب ہے؟

تمام کمالات حاصل کرنے کے لیے صحابہ کرامؓ کو خیر البشر علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت ہی کافی تھی اور علمائے سلف میں سے جو بھی رسوخ کی دولت سے مشرف ہوا ہے، وہ بغیر اس کے ہوا ہے کہ صوفیہ کا طریقہ اختیار کرے اور سلوک و جذبہ سے مسافت کو طے کرے اور اسے (یہ دولت) نبی کریم علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی روشن سنت کی متابعت کو لازم پکڑنے اور ناپسندیدہ بدعت سے بچنے کی وجہ سے نصیب ہوئی ہے۔ اَللّٰهُمَّ ثَبِّتْنَا عَلٰی مُتَابَعَةِ السُّنَّةِ وَجَنِّبْنَا عَنْ اِرْتِكَابِ الْبِدْعَةِ بِحُرْمَةِ صَاحِبِ السُّنَّةِ عَلَيْهِ وَعَلٰی آلِهِ الصَّلٰوَةُ وَالسَّلَامُ۔

یعنی: اے اللہ! تو ہمیں صاحبِ سنت (حضرت محمد مصطفیٰ) صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے سنت کی متابعت پر ثابت قدم رکھ اور بدعت کے ارتکاب سے بچا۔

متابعت کا پانچواں درجہ: آنسور علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کے ان کمالات کا اتباع ہے جن کے حاصل کرنے میں علم و

عمل کو کوئی دخل نہیں ہے، بلکہ ان کا حاصل ہونا محض حق جل سلاطین کے فضل و احسان سے متعلق ہے اور یہ درجہ بہت ہی بلند ہے۔ پہلے درجات کو اس سے کوئی نسبت نہیں ہے۔ یہ کمالات اصل میں اولوالعزم انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے ساتھ مخصوص ہیں اور نیز ان لوگوں کے ساتھ جن کو تبعیت (پیروی) اور وراثت کے طور پر اس دولت سے مشرف فرماتے ہیں۔

متابعت کا چھٹا درجہ: آنسور علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کے ان کمالات کا اتباع ہے جو آنسور علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کے مقام محبوبیت سے مخصوص ہیں۔ جیسا کہ (متابعت کے) پانچویں درجے میں کمالات کا فیض محض فضل و احسان (الہی) پر تھا، اس چھٹے درجے میں ان کمالات کا فیض محض محبت سے وابستہ ہے جو فضل و احسان سے بالاتر ہے۔ متابعت کا یہ درجہ بہت ہی کم لوگوں کو نصیب ہے۔ پہلے درجہ کے سوا متابعت کے یہ پانچ درجے سب کے سب مقاماتِ عروج سے تعلق رکھتے ہیں اور ان کا حاصل ہونا صعود (عروج) سے وابستہ ہے۔

متابعت کا ساتواں درجہ: یہ وہ درجہ ہے جو نزول اور نیچے آنے سے تعلق رکھتا ہے۔ متابعت کا یہ ساتواں درجہ پہلے تمام درجات کا جامع ہے۔ کیونکہ اس مقام میں نزول تصدیقِ قلب بھی ہے اور تمکینِ قلب بھی اور اطمینانِ نفس بھی ہے۔ نیز بدنِ عنصری کے اجزاء کا اعتدال بھی ہے جو بغاوت و سرکشی سے رک گئے ہیں۔ پہلے درجات گویا اس (درجہ) متابعت کے اجزائے اور یہ درجہ ان اجزاء کے لیے کل کی مانند ہے۔ اس مقام میں تابعِ متبوع کے ساتھ اس طرح کی مشابہت پیدا کر لیتا ہے کہ گویا تبعیت (پیروی) کا نام درمیان سے اٹھ جاتا ہے اور تابع و متبوع کا امتیاز ختم ہو جاتا ہے۔ ایسے گمان ہوتا ہے کہ تابعِ متبوع کی مانند جو کچھ حاصل کرتا ہے، اصل سے حاصل کرتا ہے اور گویا دونوں ایک چشمہ سے پانی پیتے ہیں اور دونوں ایک دوسرے کے ہم آغوش اور ہمکنار ہیں اور دونوں ایک بستر میں ہیں اور دونوں شیر و شکر کی صورت میں ہیں، تابع کہاں؟ اور متبوع کہاں؟ اور تبعیت (پیروی) کس کی؟ نسبت کے اتحاد میں نسبت کے اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں۔

عجیب معاملہ ہے کہ (فقیر) اس مقام میں جس قدر گہری نظر سے مطالعہ کرتا ہے، تبعیت (پیروی) کی کوئی نسبت ملحوظ اور منظور نہیں ہوتی اور تابعت اور متبوعیت کا امتیاز ہرگز مشہود نہیں ہوتا۔ بس اس قدر ہے کہ خود کو اپنے نبی کریم علیہ وعلیٰ جمیع الانبیاء من الصلوٰۃ افضلہا ومن التسلیمات اکملہا کا طفیلی اور وارث سمجھتا ہے۔ یقین ہے کہ تابع اور ہے اور طفیلی و وارث اور، اگرچہ سب تبعیت (پیروی) کی قطار میں ہیں۔ لیکن ظاہری طور پر تابع میں متبوع کے حاکم ہونے کی ضرورت ہے اور طفیلی و وارث میں کسی آڑ کی ضرورت نہیں ہے۔ تابع پس خوردہ کھانے والا ہے اور طفیلی ضمنی طور پر ہم نشین ہے۔ غرض جو دولت بھی آئی ہے وہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے واسطے سے آئی ہے۔ امتوں کی سعادت مندی ہے کہ وہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے طفیل اس دولت سے بہرہ ور ہوتے ہیں اور ان کے پس خوردہ کو تناول کرتے ہیں:

در قافلہ کہ اوست دائم نرسم ایں بس کہ رسد از دور بانگ جرسم

یعنی: جس قافلے میں محبوب ہے میں جانتا ہوں کہ اس میں نہیں پہنچ سکتا۔ میرے لیے یہی کافی ہے کہ دور سے اس قافلے کی گھنٹی کی آواز آتی رہے۔

تابعِ کامل وہ شخص ہے جو متابعت کے ان سات درجات سے آراستہ ہو جائے اور جو متابعت کے بعض درجات رکھتا ہے

اور بعض نہیں رکھتا، وہ درجات کے فرق کے لحاظ سے مجمل طور پر تابع ہے۔ علمائے ظاہر پہلے درجہ پر ہی خوش ہیں۔ کاش کہ وہ اس درجہ کو ہی سرانجام دے لیں۔ انہوں نے متابعت کو شریعت کی صورت پر منحصر رکھا ہے اور اس کے علاوہ کوئی اور امر خیال نہیں کیا اور طریقہ صوفیہ کو جو کہ متابعت کے درجات حاصل کرنے کا وسیلہ ہے، بیکار تصور کیا ہے اور ان میں سے اکثر نے ہدایہ اور بزودی کے علاوہ کسی اور کو اپنا پیشوا اور امام نہیں سمجھا:

چو آں کرے کہ در سگے نہاں است زمین و آسمان او ہماں است

یعنی: جیسے وہ کیڑا جو پتھر میں پوشیدہ ہے، اس کا زمین و آسمان وہی (پتھر) ہے۔

حَقَّقْنَا اللَّهُ سُبْحَانَهُ وَإِيَّاكُمْ بِحَقِيقَةِ الْمُتَابَعَةِ الْمُصْطَفَوِيَّةِ عَلَى صَاحِبِهَا الصَّلَاةِ وَالسَّلَامِ وَالْبَرَكَةِ وَالتَّجِئَةِ وَعَلَى جَمِيعِ إِخْوَانِهِ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ الْكِرَامِ وَالْمَلَائِكَةِ الْعِظَامِ وَعَلَى جَمِيعِ أَتْبَاعِهِمْ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامِ. یعنی: اللہ سبحانہ ہم کو اور آپ کو (حضرت محمد) مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پسندیدہ متابعت کی حقیقت سے آگاہ فرمائے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)، آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بھائی سب انبیاء کرام اور ملائکہ عظام اور سب پیروکاروں پر قیامت تک درود و سلام اور برکت اور رحمت نازل ہو۔

مکتوب نمبر (۵۵)

عالی درجات مخدوم زادگان خواجہ محمد سعید اور خواجہ محمد معصوم سلمہما اللہ تعالیٰ کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ قرآن مجید تمام شرعی احکام کا جامع ہے اور امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے مناقب اور بلند شان صوفیہ کی مدح میں اور اس بیان میں اس کام کی اصل شریعت ہے اور اس بیان میں کہ الہامی احکام ہر وقت ثابت ہیں اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کا بیان)۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ. الْحَمْدُ لِلَّهِ وَسَلَامٌ عَلَى عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَى. (سورۃ النمل، ۵۹) یعنی: شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔ سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اُس کے اُن بندوں پر سلام ہو جن کو اُس نے منتخب فرمایا۔

قرآن مجید تمام شرعی احکام کا جامع ہے، بلکہ سب پہلی شریعتوں کا جامع ہے۔ مختصر یہ کہ اس شریعت کے بعض احکام اس قسم کے ہیں جو نص کی عبارت، نص کی اشارت، نص کی دلالت اور نص کے تقاضا سے مفہوم ہوتے ہیں۔ اہل لغت میں سے عوام اور خواص ان کے سمجھنے میں برابر ہیں۔ دوسری قسم کے احکام اس طرح کے ہیں جو اجتہاد اور استنباط کے ذریعے سمجھے جاتے ہیں۔ یہ سمجھانمہ مجتہدین کے ساتھ مخصوص ہے، جن میں جمہور کے بقول (سب سے اول) آنسور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)، پھر آنسور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے صحابہ کرامؓ اور آنسور علیہم الصلوٰات والتسلیمات کی امت کے تمام مجتہدین شامل ہیں، لیکن آنسور علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں جو کہ وحی کا دور تھا، اجتہادی احکام کے صواب و خطا میں (لوگ) متردد نہ تھے، بلکہ وحی قطعی کے ذریعے حق باطل سے اور صواب خطا سے ممتاز ہو جاتا تھا اور حق باطل کے ساتھ مخلوط نہیں رہتا تھا، کیونکہ نبی کے لیے خطا پر برقرار اور ثابت رہنا جائز نہیں ہے۔ بخلاف ان احکام کے جو زمانہ وحی کے ختم ہونے کے بعد مجتہدین

کے استنباط کے طریقہ سے حاصل ہوئے ہیں کہ ان کے صواب و خطا کے بارے میں متردد ہیں۔ لہذا اجتہادی احکام، جو زمانہ وحی میں مقرر ہوئے ہیں، وہ موجب یقین ہیں، کیونکہ وہ عمل و اعتقاد کے لیے مفید ہیں۔ زمانہ وحی کے بعد (کے اجتہادی احکام) ناچار موجب ظن ہیں، وہ عمل کے لیے مفید ہیں لیکن اعتقاد کا موجب نہیں ہیں۔

تیسری قسم کے قرآنی احکام وہ ہیں جن کے سمجھنے سے انسانی طاقت عاجز ہے جب تک احکام کے نازل کرنے والے جل سلطانہ کی طرف سے کوئی اطلاع حاصل نہ ہو، ان احکام کی سمجھ متصور نہیں۔ اس اطلاع کا حاصل ہونا نبی علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مخصوص ہے۔ نبی کے علاوہ کسی کو اس کی اطلاع نہیں دی جاتی۔ اگرچہ یہ احکام کتاب ہی سے ماخوذ ہیں، لیکن چونکہ ان احکام کا مظہر نبی علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام ہیں، لہذا ان کو سنت کی طرف منسوب کیا گیا ہے، کیونکہ ان کا مظہر سنت ہے۔ اسی طرح اجتہادی احکام کو قیاس کی جانب منسوب کرتے ہیں، کیونکہ ان کا مظہر قیاس ہے۔ پس سنت اور قیاس دونوں احکام کے مظہر ہیں۔ اگرچہ ان دونوں مظہر کے درمیان بہت زیادہ فرق ہے۔ ایک کی تصدیق رائے سے ہوتی ہے جس میں خطا کی گنجائش ہے اور دوسرے کی تائید حق جل و علا کی اطلاع سے ہوتی ہے جس میں خطا کی گنجائش نہیں ہے۔ آخری قسم اصل کے ساتھ کمال مشابہت رکھتی ہے۔ گویا احکام کو ثابت کرنے والی ہے۔ اگرچہ درحقیقت تمام احکام کو ثابت کرنے والی وہی کتاب عزیز (کلام الہی) ہے۔

بس جاننا چاہیے کہ اجتہادی احکام میں غیر نبی کو نبی علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ اختلاف کی مجال ہے، بشرطیکہ وہ غیر نبی شخص مرتبہ اجتہادی تک پہنچ جائے اور جو احکام عبارت و اشارت اور دلالت کی نص سے ثابت ہو چکے ہیں اور اسی طرح وہ احکام جن کا مظہر سنت ہے (ان میں) کسی کو مخالفت کی مجال نہیں ہے، بلکہ تمام امت پر ان احکام کی اتباع لازم ہے۔ پس امت کے تمام مجتہدین کے لیے اجتہادی احکام میں نبی علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی رائے کی متابعت لازم نہیں ہے، بلکہ اس مقام میں اپنی رائے پر عمل کرنا ہی صواب ہے۔

اس جگہ ایک نکتہ ہے۔ جاننا چاہیے کہ وہ پیغمبر جو اولوالعزم انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شریعتوں کی متابعت کرتے ہیں، ان پر صرف انہی احکام کی اتباع واجب ہے جو ان (اولوالعزم انبیاء) کی کتابوں اور صحیفوں کی عبارات و اشارات اور دلالت سے ثابت ہو چکے ہیں، نہ کہ وہ احکام جو ان کے اجتہاد اور سنن سے ظاہر ہوئے ہیں۔ کیونکہ اجتہادی احکام میں جب امت کے مجتہد کے لیے متابعت لازم نہیں، جیسا کہ (اوپر) گزر چکا ہے تو پھر متابعت کرنے والے پیغمبر کے لیے متابعت کس طرح لازم ہوگی؟ اور وہ احکام جن کا مظہر سنت ہے۔ جیسا کہ اولوالعزم پیغمبر کو یہ احکام اطلاع (الہی) سے حاصل ہیں، (اسی طرح) غیر اولوالعزم پیغمبر کے لیے بھی یہ احکام حق تعالیٰ کی اطلاع سے ثابت ہیں۔ پھر متابعت کیا ہوئی؟ بلکہ متابعت کی گنجائش ہی نہیں ہے۔ کیونکہ ہر وقت اور ہر گروہ کے اندازہ سے احکام الگ ہیں۔ کبھی ان کا حلال ہونا مناسب ہے اور کبھی حرام ہونا۔ کبھی پیغمبر اولوالعزم کو کسی چیز کے حلال ہونے کی اطلاع دی جاتی ہے اور پیغمبر غیر اولوالعزم کو اس کے حرام ہونے کی اطلاع دی جاتی ہے اور یہ حلال و حرام دونوں آسمانی کتابوں سے ماخوذ ہیں، جس طرح کہ دو مجتہد ایک ماخذ سے دو مختلف حکم اخذ کرتے ہیں، ایک اس جگہ سے حلال ہونا سمجھتا ہے اور دوسرا حرام ہونا۔

سوال: یہ اختلاف اس اجتہاد میں گنجائش رکھتا ہے جس کا انحصار رائے پر ہے (اور) جس میں صواب کا احتمال بھی ہے اور خطا کا احتمال بھی۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی اطلاع میں اس کی گنجائش نہیں ہے، کیونکہ وہاں درست و غلط میں تردد جائز نہیں، بلکہ یقیناً حق جل و علا کے نزدیک ایک ہی حکم ہے۔ اگر حلال ہے تو اس میں حرام کی گنجائش نہیں، اور اگر حرام ہے تو اس میں حلال کی مجال نہیں ہے۔

جواب: جائز ہے کہ (اللہ کے نزدیک) ایک قوم کے لیے حلال ہو اور دوسری قوم کے لیے حرام ہو۔ پس اللہ جل و علا کا حکم ایک واقعہ میں قوم کے متعدد ہونے کے لحاظ سے متعدد ہو سکتا ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں۔ ہاں! حضرت خاتم الرسل علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی امت میں یہ چیز درست نہیں آتی، کیونکہ تمام نوع انسانی اس شریعت میں ایک ہی حکم کے محکوم ہیں، اس میں اللہ جل سلطانہ کے نزدیک ایک واقعہ میں دو حکم نہیں ہیں۔

سوال: جب اولوالعزم پیغمبر نے ایک چیز کے حلال ہونے کا حکم کیا ہو اور اس کی متابعت کرنے والا پیغمبر اس چیز کے حرام ہونے کا حکم کرے تو لازم آتا ہے کہ دوسرا حکم پہلے حکم کا نسخ ہو اور یہ جائز نہیں ہے، کیونکہ نسخ کرنا اولوالعزم پیغمبر کے ساتھ مخصوص ہے، اس کے علاوہ کوئی اور نسخ نہیں ہو سکتا۔

جواب: نسخ اس وقت لازم آتا ہے جب دوسرا حکم تمام بنی نوع انسان کے لیے عام ہو، تاکہ پہلے حکم کو جو ایک گروہ کے بارے میں واقع ہوا ہے، رفع کر دے۔ دوسرا حکم عام نہیں ہے، بلکہ اس نے ایک گروہ کے بارے میں حرمت کا حکم کیا ہے (اور یہ) پہلے حکم کے خلاف نہیں ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ ایک واقعہ میں ایک مجتہد حلال کا حکم کرتا ہے اور دوسرا مجتہد اسی واقعہ میں حرام کا حکم کرتا ہے اور (اس میں) کوئی نسخ نہیں ہوتا۔ اگرچہ اس اور اس کے درمیان بیحد فرق ہے، کیونکہ یہاں رائے ہے اور وہاں اطلاع (الہی)۔ رائے میں حکم کے متعدد ہونے کی گنجائش موجود ہے اور اطلاع (الہی) میں گنجائش نہیں۔ لیکن قوم کا تعدد اس کا علاج کرتا ہے، جیسا کہ (اوپر) گزرا ہے۔

اس طرح پہلی شریعتوں میں جو احکام اولوالعزم پیغمبروں کو کتب اور صحائف میں لغت کے لحاظ سے معلوم ہوتے تھے، متابعت کرنے والے پیغمبر کو بھی ان میں مخالفت کی مجال نہ تھی اور وہ احکام تمام بنی نوع انسان کے لیے وارد ہوئے ہیں۔ ہر متابعت کرنے والا پیغمبر جس قوم کو بھی دعوت دیتا تھا، ان احکام کے خلاف تبلیغ نہیں کرتا تھا۔ اگر (وہ چیز) حلال تھی تو سب کے لیے حلال تھی اور اگر حرام تھی تو سب کے لیے حرام تھی، حتیٰ کہ دوسرا اولوالعزم پیغمبر آتا اور اس حکم کو رفع فرماتا۔ اس وقت نسخ متصور ہوتا۔

پس نسخ انہی احکام کے لحاظ سے ہے جو لغت کے مطابق آسمانی صحائف سے ماخوذ ہیں اور جو احکام اجتہاد اور اطلاع (الہی) سے ثابت ہو چکے ہیں اور سنت و اجتہاد سے منسوب ہیں، ان میں نسخ متصور نہیں ہے، کیونکہ یہ احکام بعض کے لیے ہیں اور بعض دوسروں کے لیے نہیں ہیں۔ پس ایک پیغمبر کا اجتہاد اور اسی طرح اس کی سنت دوسرے پیغمبر کے اجتہاد اور سنت کو رفع نہیں کر سکتا، کیونکہ وہ ایک قوم کے لیے ہے اور یہ دوسری قوم کے لیے ہے۔ اور اگر یہ اختلاف تمام بنی نوع انسان کی نسبت سے ہو یا محض ایک گروہ کے لیے ہو تو اس میں یقیناً نسخ ہے۔ جیسا کہ اس شریعت میں ہے جو کہ حکم تمام بنی نوع انسان کے لیے

ہے اور دوسرا حکم پہلے حکم کا نسخ ہے۔

پس ہمارے نبی کریم علیہ وآلہ وعلیٰ جمیع الانبیاء والمرسلین الصلوٰۃ والتَّحِیَّات کی پچھلی سنت آپ علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام کی پہلی سنت کی نسخ ہوگی۔ حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام جو نزول کے بعد اس شریعت کی متابعت کریں گے اور آنسو وعلیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت کی اتباع بھی کریں گے، کیونکہ اس شریعت کا نسخ جائز نہیں ہے۔ قریب ہے کہ علمائے ظاہر حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے اجتہادات سے ان کے ماخذ کے کمال دقیق و پوشیدہ ہونے کی وجہ سے انکار کر دیں اور (ان کو) کتاب و سنت کے مخالف سمجھیں۔

روح اللہ (حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی مثال (حضرت) امام اعظم کو فی رحمۃ اللہ علیہ کی طرح ہے کہ انہوں نے ورع و تقویٰ کی برکت سے اور سنت کی متابعت کی دولت سے اجتہاد اور انبساط میں ایسا بلند درجہ پایا ہے کہ دوسرے اس کے فہم سے عاجز و قاصر ہیں اور ان کے اجتہادات کو دقت معانی کی وجہ سے کتاب و سنت کے مخالف سمجھتے ہیں اور ان کو اور ان کے ساتھیوں کو اصحابِ رائے خیال کرتے ہیں۔ یہ سب کچھ ان کے علم کی حقیقت و درایت تک نہ پہنچنے اور ان کے فہم و فراست سے آگاہ نہ ہونے کی بنا پر ہے۔ (حضرت) امام شافعی (رحمۃ اللہ علیہ) جنہوں نے ایک کرشمہ سے حضرت امام اعظم علیہ الرضوان کی فقہیت کی باریکی سے آگاہی حاصل کر لی اور فرمایا: اَلْفُقَهَاءُ كُلُّهُمْ عِيَالُ اَبِي حَنِيفَةَ۔ یعنی: تمام فقہا حضرت ابوحنیفہ (رحمۃ اللہ علیہ) کے عیال ہیں۔

ان تنگ نظروں کی جرأت پرافسوس ہے جو اپنے قصور کی نسبت دوسرے کی طرف کر دیتے ہیں:

قاصرے گر کند این قافلہ را طعنِ قصور
ہاشم شیران جہاں بستہ این سلسلہ اند
حاش اللہ کہ بر آرم بزباں این گلہ را
رو بہ از حیلہ چساں بگسلد این سلسلہ را^(۱)

یعنی: اگر کوئی کوتاہ نظر اس گروہ (نقشبندیہ) کو ناکامی کا طعن دے تو اللہ کی پناہ کہ میں اس شکایت کو زبان پر لاؤں۔
♦ جہان کے سارے شیر اس سلسلے سے وابستہ ہیں، لومڑی مکر سے اس زنجیر کو کیسے کاٹ سکتی ہے۔

اسی مناسبت کی وجہ سے جو کہ حضرت روح اللہ (عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام) سے (امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ) رکھتے ہیں، ہو سکتا ہے کہ (حضرت) خواجہ محمد پارسا (رحمۃ اللہ علیہ) نے فضول ستہ میں جو کچھ لکھا ہے کہ ”حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نزول کے بعد امام ابوحنیفہ (رحمۃ اللہ علیہ) کے مذہب پر عمل کریں گے“ (وہ اسی لیے ہو) یعنی حضرت روح اللہ (عیسیٰ) علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا اجتہاد امام اعظم (رحمۃ اللہ علیہ) کے اجتہاد کے مطابق ہوگا، نہ یہ کہ آپ (حضرت عیسیٰ) علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام ان کے مذہب کی تقلید کریں گے، کیونکہ آپ (حضرت عیسیٰ) علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان اس سے زیادہ بلند ہے کہ امت کے علماء کی تقلید کریں۔ تکلف اور تعصب کے شبہ کے بغیر کہا جاتا ہے کہ اس مذہبِ حنفی کی نورانیت کشفی نظر میں دریائے عظیم کی مانند دکھائی دیتی ہے اور تمام مذاہبِ حوزوں اور نہروں کی طرح نظر آتے ہیں اور بظاہر بھی جب ملاحظہ کیا جاتا ہے تو اہل اسلام کا ”سواد اعظم“ (حضرت) ابوحنیفہ علیہم الرضوان کے پیروکاروں کا ہے اور یہ مذہب پیروکاروں کی اکثریت کے باوجود اصول و فرع میں دوسرے تمام مذاہب سے ممتاز ہے اور استنباط میں الگ طریقہ رکھتا

ہے اور یہ چیز اس کی حقیقت (حق پر ہونے) کی خبر دینے والی ہے۔

عجیب معاملہ ہے کہ امام ابوحنیفہ (رحمۃ اللہ علیہ) سنت کی پیروی میں سب سے آگے ہیں اور وہ احادیثِ مرسل کو احادیثِ مسند کی مانند متابعت کے لائق سمجھتے ہیں اور (ان کو) اپنی رائے پر مقدم رکھتے ہیں اور اسی طرح صحابی کے قول کو خیر البشر علیہ وعلیہم الصلوٰات والتسلیمات کی صحبت کے شرف کی وجہ سے اپنی رائے پر مقدم رکھتے ہیں اور دوسرے (فقہاء) اس طرح نہیں ہیں۔ اس کے باوجود (امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ) کے مخالفین ان کو صاحبِ رائے سمجھتے ہیں اور ایسے الفاظ جو کہ بے ادبی پر مبنی ہیں، ان کی طرف منسوب کرتے ہیں، باوجود اس کے کہ یہ سب لوگ ان کے کمالِ علم اور ورع و تقویٰ کی کثرت کا اعتراف کرتے ہیں۔ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ ان کو توفیق دے کہ دین کے سردار اور اہل اسلام کے رئیس کو آزار نہ پہنچائیں اور اسلام کے بہت بڑے گروہ کو اذیت نہ دیں۔ یُرِيدُونَ أَنْ يُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَهِهِمْ۔ (سورۃ توبہ، ۳۲)

یعنی: یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ سے (پھونک مار کر) بجھا دیں۔

وہ لوگ جو دین کے ان اکابرین کو اصحابِ رائے سمجھتے ہیں، اگر وہ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ یہ حضرات اپنی رائے پر حکم کرتے تھے اور کتاب و سنت کی متابعت نہیں کرتے تھے تو پھر ان کے فاسد خیال کے مطابق اہل اسلام کا ”سوادِ اعظم“ بڑا گروہ (گمراہ اور بدعتی ہے، بلکہ اہل اسلام کے گروہ سے بھی باہر ہے۔ اس قسم کا اعتقاد ایسا جاہل ہی کر سکتا ہے جو اپنی بے وقوفی کی وجہ سے بے خبر ہے یا ایسا زندقہ جس کا مقصد آدھے دین کو باطل کرنا ہے۔ چند ناقصوں نے چند حدیثوں کو یاد کر لیا ہے اور انہوں نے شریعت کے احکام کو ان میں منحصر کر لیا ہے اور اپنی معلومات کے علاوہ دوسری چیزوں کی نفی کرتے ہیں اور جو کچھ ان کے ہاں ثابت نہیں ہوا (اس کا) انکار کرتے ہیں۔ شعر:

چو آں کرے کہ در سگے نہاں است زمین و آسمان او ہماں است

یعنی: جیسے وہ کیڑا جو پتھر میں پوشیدہ ہے، اس کا زمین و آسمان وہی (پتھر) ہے۔

بانیِ فقہ (حضرت ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ) کے ساتھ ان لوگوں کے بیہودہ تعصبات اور فاسد نظریات پر افسوس! ہزاروں افسوس! جن کے لیے (فقہاء نے) فقہ کے تین حصے مسلّم رکھے ہیں اور باقی چوتھے حصے میں وہ سب ان کے ساتھ شریک ہیں۔ فقہ میں صاحبِ خانہ وہی ہیں اور دوسرے ان کے عیال ہیں۔ باوجود اس مذہب (حنفی) کے التزام کے مجھے امام شافعی (رحمۃ اللہ علیہ) سے گویا ذاتی محبت ہے اور میں (ان کو) بزرگ سمجھتا ہوں، لہذا بعض نفلی اعمال میں ان کے مذہب کی تقلید کرتا ہوں۔ لیکن کیا کروں کہ دوسروں کو باوجود علم کی زیادتی اور تقویٰ کے کمال کے (حضرت) امام ابوحنیفہ (رحمۃ اللہ علیہ) کے مقابلے میں بچوں کی طرح پاتا ہوں۔ وَالْأَمْرُ عِنْدَ اللَّهِ مُبْتَحَنَةٌ۔ یعنی: اور معاملے کی حقیقت کو اللہ سبحانہ ہی خوب جانتا ہے۔

ہم اصل بات کی طرف آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اوپر گزرا ہے کہ اجتہادی احکام کا اختلاف خواہ پیغمبر ہی سے صادر ہو، وہ نسخ کو لازم نہیں کرتا، برخلاف اس اختلاف کے جو کتاب و سنت کے احکام میں ہو جو نسخ کا موجب ہے، جیسا کہ اس کی تحقیق بھی (اوپر) گزر چکی ہے۔ لہذا ثابت ہوا کہ شرعی احکام کے ثابت کرنے میں کتاب و سنت ہی معتبر ہے اور مجتہدین کا قیاس اور امت کا اجماع بھی احکام کے مثبت ہیں۔ ان چار شرعی دلائل کے علاوہ کوئی اور دلیل شرعی احکام کو ثابت کرنے والی نہیں ہو

سکتی۔ الہامِ حلال اور حرام کو ثابت نہیں کرتا اور اربابِ باطن کا کشف فرض اور سنت کو ثابت نہیں کرتا۔ ولایتِ خاصہ کے صاحبان اور عام مومن مجتہدین کی تقلید کرنے میں برابر ہیں۔ کشف اور الہامات ان کو برتری نہیں بخشتے اور تقلید کے حلقہ سے باہر نہیں نکالتے۔

ذوالنونؒ، بسطامیؒ، جنید اور شبلیؒ اور زید و بکر اور عمر و خالد جو عام مومنوں میں سے ہیں، اجتہادی احکام میں مجتہدین کی تقلید کرنے میں برابر ہیں۔ ہاں! ان بزرگوں کی برتری دوسرے امور میں ہے۔ کشف اور مشاہدات کے صاحبان یہی لوگ ہیں اور تجلیات و ظہورات کے مالک بھی یہی لوگ ہیں جنہوں نے محبوبِ حقیقی جلِ سلطانہ کی محبت کے غلبہ کی وجہ سے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے غیر سے قطع تعلقی کر لی ہے اور وہ غیر اور غیرت کی دید و دانش سے آزاد ہو گئے ہیں۔ اگر ان کا کوئی حاصل ہے تو وہی (حق تعالیٰ) ہے اور اگر وہ واصل ہیں تو اسی (حق تعالیٰ) سے واصل ہیں۔ عالم میں بے عالم ہیں اور خود کے ساتھ بے خود ہیں۔ اگر زندہ رہتے ہیں تو اسی کے لیے زندہ رہتے ہیں اور اگر مرتے ہیں تو اسی کے لیے مرتے ہیں۔

ان (صوفیہ) کے مبتدی (سالک) محبت کے غلبہ کی وجہ سے عالم کے ذرات میں سے ہر ذرے کے آئینے میں مطلوب کا مشاہدہ کرتے ہیں اور ہر ذرے کو اس کے تمام اسمائی و صفاتی کمالات کا جامع پاتے ہیں۔ فقیران کے منہبوں کی کیا علامت بیان کرے جو بے نشان ہیں۔ ان کا پہلا قدم ماسوا اللہ کو بھلا دینا ہے۔ ان کے دوسرے قدم سے (فقیر) کیا ظاہر کرے جو آفاق و انفس سے باہر ہے۔ الہام انہی کے لیے ہے اور کلام کے لائق بھی وہی ہیں۔ ان اکابرین کے اکابر علوم و اسرار کو بغیر کسی واسطہ کے اصل سے اخذ کرتے ہیں اور جس طرح کہ مجتہد اپنی رائے و اجتہاد کے تابع ہے اس طرح وہ بھی معارف و موجد میں اپنے الہام و فراست کے تابع ہوتے ہیں۔

حضرت خواجہ محمد پارسا قدس سرہ نے تحریر فرمایا ہے کہ علوم لدنی کا فیض پہنچانے میں حضرت خضر علی نبینا و علی جمیع الانبیاء و المرسلین الصلوٰۃ والسلام کی روحانیت درمیان میں واسطہ ہوتی ہے۔ بظاہر یہ بات مبتدی اور متوسط کے متعلق مناسب ہوگی اور منتہی کا معاملہ اور ہے جیسا کہ کشف صریح اس کی گواہی دیتا ہے۔ نیز اس خاصیت کی تائید وہ کلام بھی کرتا ہے جو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس اللہ تعالیٰ سرہ سے منقول ہے کہ ایک روز آپ منبر پر علوم و معارف بیان کر رہے تھے۔ اس اثناء میں حضرت خضر (علیہ السلام) کا وہاں گزر ہوا۔ شیخ (رحمۃ اللہ علیہ) نے فرمایا: ”اے اسرائیلی! آ، کلام محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) سن۔“ شیخ (رحمۃ اللہ علیہ) کی اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خضر (علیہ السلام) محمدیوں میں سے نہیں ہیں، بلکہ پہلی امتوں میں سے ہیں۔ جب اس طرح ہے تو پھر آپ محمدیوں کا واسطہ کیسے ہو سکتے ہیں؟

پس ثابت ہوا کہ علوم و معارف شرعی احکام کے علاوہ اور چیز ہیں جس کے ساتھ اہل اللہ مخصوص ہیں۔ اگرچہ وہ معارف انہی احکام کے ثمرات و نتائج ہیں۔ درخت لگانے سے مقصد اس کے پھل حاصل کرنا ہوتا ہے اور جس وقت تک درخت قائم ہو پھلوں کی امید ہوتی ہے۔ اور جب درخت کی جڑ میں خلل آ گیا تو پھل ختم ہو گئے۔ وہ شخص بیوقوف ہے جو درخت کو کاٹ ڈالے اور پھلوں کی امید رکھے۔ جس قدر درخت کی خوب پرورش کریں، اتنے ہی زیادہ پھل لاتا ہے اور پھل اگرچہ مقصود ہے، لیکن (یہ) درخت کی فرع (ثانوی حیثیت) ہے۔ شریعت کو لازم پکڑنے والے اور شریعت میں سستی کرنے والے کو اسی طرح

سمجھنا چاہیے۔ جو شخص شریعت کو لازم پکڑتا ہے، وہ صاحبِ معرفت ہے۔ جتنا التزام زیادہ ہوگا، اتنی ہی معرفت زیادہ ہوگی اور جو شخص سستی کرنے والا ہے، وہ معرفت سے بے نصیب ہے۔ اگر بالفرض اپنے فاسد گمان کی وجہ سے وہ کچھ رکھتا ہے، خواہ کچھ بھی نہیں رکھتا تو یہ استدرج کی قسم سے ہے، جس میں جوگی اور برہمن بھی اس کے ساتھ شریک ہیں۔ کُلُّ حَقِیقَةٍ رَدُّنْهُ الشَّرِیْعَةُ فَهُوَ زَنْدَقَةٌ وَالْحَادُّ۔ یعنی: ہر وہ حقیقت جس کو شریعت نے رد کر دیا ہو، وہ بے دینی اور الحاد ہے۔

لہذا ممکن ہے کہ خواص اہل اللہ حق تعالیٰ کی ذات و صفات اور افعال کے معارف میں سے بعض ایسے اسرار و دقائق سمجھ لیں کہ جن سے ظاہری شریعت خاموش ہو اور حرکات و سکنات میں وہ حق تعالیٰ کی اجازت اور عدم اجازت سے آگاہ ہو جائیں اور (اس کی) رضامندی اور ناپسندیدگی کو سمجھ جائیں۔ اکثر ایسے ہوتا ہے کہ بعض اوقات وہ بعض نقلی عبادات کی ادائیگی کو ناپسندیدہ جانتے ہیں اور ان کے ترک کرنے کی اجازت پالیتے ہیں۔ کبھی وہ نیند کو بیداری سے بہتر سمجھتے ہیں۔

شرعی احکام کے لیے اوقات مقرر ہیں اور الہامی احکام ہر وقت ثابت ہیں اور جب ان بزرگواروں کی حرکات و سکنات اجازت پر وابستہ ہیں تو یقیناً دوسروں کے نوافل بھی ان کے لیے فرض ہوں گے۔ مثلاً ایک فعل شریعت کے حکم سے ایک شخص کے لیے نفل ہے اور وہی فعل دوسرے آدمی کے لیے الہام کے حکم سے فرض ہے۔ پس دوسرے کبھی نوافل ادا کرتے ہیں اور کبھی مباح امور کا ارتکاب کرتے ہیں اور یہ بزرگوار چونکہ کام کو مولیٰ جل سلطانہ کے امر اور اجازت سے کرتے ہیں، لہذا سب کچھ فرائض ہی سے ادا ہوتا ہے۔ دوسروں کا مستحب اور مباح ان کا فرض ہے۔ اس چیز سے ان بزرگواروں کی شان کی بلندی کو معلوم کرنا چاہیے۔

علمائے ظاہر دین کے امور میں غیبی اخبار کو انبیاء علیہم الصلوٰت والتسلیمات کی احادیث کے ساتھ مخصوص سمجھتے ہیں اور دوسروں کو ان اخبار میں شریک نہیں کرتے۔ یہ بات وراثت کے منافی ہے اور بہت سے صحیح علوم و معارف کی نفی ہے جو دین متین سے تعلق رکھتے ہیں۔ ہاں! شرعی احکام چار دلائل پر وابستہ ہیں جن میں الہام کی گنجائش نہیں ہے، لیکن شرعی احکام کے علاوہ بہت سے دینی امور ایسے ہیں جن میں پانچویں اصل الہام ہے، بلکہ کہا جاسکتا ہے کہ کتاب و سنت کے بعد تیسری اصل الہام ہے۔ یہ اصل دنیا کے آخر تک قائم ہے۔ پس دوسروں کی ان بزرگواروں سے کیا نسبت ہے؟ اکثر ایسے ہوتا ہے کہ دوسرے لوگ بعض اوقات میں عبادت کرتے ہیں اور وہ عبادت ناپسندیدہ ہوتی ہے اور یہ بزرگوار بعض حالات میں عبادت ترک کرتے ہیں اور یہ ترک کرنا پسندیدہ ہوتا ہے۔ پس حق جل و علا کے نزدیک ان کا ترک کرنا دوسروں کے فعل سے بہتر ہے اور عوام اس کے برخلاف حکم کرتے ہیں۔ وہ اُس کو عابد سمجھتے ہیں اور اس (ترک کرنے والے) کو مکار جانتے ہیں۔

سوال: جب دین کتاب و سنت سے کامل ہو گیا تو کمال کے بعد الہام کی کیا حاجت ہے اور کونسی کمی رہ گئی ہے جو الہام سے پوری ہوتی ہے؟

جواب: الہام دین کے مخفی کمالات کو ظاہر کرنے والا ہے، نہ کہ دین میں اضافی کمالات کو ثابت کرنے والا۔ جیسے کہ اجتہاد احکام کا مظہر ہے، ایسے ہی الہام ان دقائق و اسرار کا مظہر ہے، جن کے سمجھنے سے اکثر لوگ قاصر ہیں۔ اگرچہ اجتہاد اور الہام میں واضح فرق ہے کہ وہ رائے سے مستند ہے اور یہ خالق جل سلطانہ سے مستند ہے۔ اس طرح الہام میں ایک قسم کی

اصلیت پیدا ہوگئی جو اجتہاد میں نہیں ہے۔ الہام نبی کی اطلاع کے مشابہ ہے جو سنت کا ماخذ ہے، جس طرح کہ اوپر گزر چکا ہے۔ اگرچہ الہام ظنی ہے اور وہ اعلان قطعی ہے۔

رَبَّنَا آتِنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً وَهَيِّءْ لَنَا مِنْ أَمْرِنَا رَشَدًا. (سورۃ کہف، ۱۰)

یعنی: اے ہمارے پروردگار! ہم پر اپنے ہاں سے رحمت نازل فرما اور ہمارے کام میں درستی (کے سامان) مہیا کر۔

وَسَلَامٌ عَلَى مَنْ اتَّبَعَ الْهُدَى. (سورۃ طہ، ۴۷)

یعنی: اور جو ہدایت کی بات مانے، اسے سلامتی نصیب ہو۔

مکتوب نمبر (۵۶)

مولانا عبدالقادر انبالی کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ عارف کا معاملہ اس جگہ پہنچ جاتا ہے کہ دوسروں کے گناہ اس کے حق

میں نیکیوں کا حکم پیدا کر لیتے ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ. قَالَ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى أُولَئِكَ يَبْدِلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ. (سورۃ

فرقان، ۷۰) یعنی: شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔ ایسے لوگوں کے گناہوں کو اللہ نیکیوں میں بدل دے گا۔

اللہ سبحانہ کی عنایت اور اس کے حبیب (حضرت محمد مصطفیٰ) علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کے صدقے درویش کا معاملہ اس جگہ پہنچ جاتا ہے کہ دوسروں کے گناہ اس کی نیکیاں بن جاتے ہیں اور ان کی برائیاں اس کی خوبیاں بن جاتی ہیں۔ مثلاً ریا اور شہرت جو گناہوں اور بری صفات میں سے ہیں، اس کے حق میں خوبی پیدا کر لیتے ہیں اور حمد و شکر کا حکم حاصل کر لیتے ہیں۔ کیونکہ اس درویش نے عظمت و کبریائی کی تمام قسموں کو خود سے نفی کر کے اللہ جل سلطانہ کی ذات پاک کی جانب منسوب کر دیا ہے اور حسن و جمال اور خیر و کمال کی سب اقسام کو خود سے دور کر کے حق تعالیٰ کے ساتھ مخصوص بنا ڈالا ہے۔ وہ خود کو شرف و نقص کے علاوہ کچھ نہیں پاتا اور خود میں خوار و محتاجی اور انکساری کے سوا کچھ نہیں دیکھتا۔ اگر بالفرض عظمت و کبریائی میں سے کوئی چیز اس کی جانب متوجہ ہو تو وہ اس کو ایسا زینہ سمجھے گا جس کے ذریعے اوپر جائے گا اور وہ بارگاہ جو عظمت و کبریائی کے لائق ہے، اس میں پہنچے گا۔

اسی طرح حسن و جمال اور خیر و کمال کا معاملہ ہے کہ ان کے زینہ ہونے سے زیادہ، اس کو ان سے کچھ نصیب نہیں ہے۔ امانتیں امانت والوں کی طرف واپس ہوتی ہیں۔

پس ریا اور شہرت کی صورت میں اس کا مقصود شہرت و افتخار اور رفعت و عظمت نہیں ہے، بلکہ حق سبحانہ کی اس نعمت کا اظہار ہے اور حق تعالیٰ کے اس احسان کا اعلان ہے جو اس کے حق میں واقع ہوا ہے۔ پس ایسا ریا و شہرت عین حق تعالیٰ و تقدس کی حمد و شکر ہے جو پستی سے تعریف و ستائش کی طرف آ گیا ہے اور اسی طرح باقی صفات کو سمجھنا چاہیے۔

فَأُولَئِكَ يَبْدِلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ ط وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا. (سورۃ فرقان، ۷۰)

یعنی: تو ایسے لوگوں کے گناہوں کو اللہ نیکیوں میں بدل دے گا اور اللہ تو بخشنے والا مہربان ہے۔

وَالسَّلَامُ.

مکتوب نمبر (۵۷)

ملا غازی نائب کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ حق جل و علا کا ذکر خیر البشر علیہ و علی آلہ من الصلوٰت افضلہا
وَمِنَ التَّسْلِيْمَاتِ اَكْمَلُهَا پر درود بھیجنے سے بہتر ہے، لیکن ایسا ذکر جو قبولیت کی لیاقت و شان رکھتا ہو یا ایسا ذکر جو
طالب نے شیخ مقتدا سے اخذ کیا ہو اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کا بیان)۔

کچھ عرصہ خیر البشر (حضرت محمد مصطفیٰ) علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ والسلام پر درود بھیجنے میں مشغول رہا۔ میں انواع و اقسام
کے درود و سلام بھیجتا رہا اور اس پر دنیاوی نتائج و ثمرات لگاتا رہا اور ولایتِ خاصہ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والحق
کے فیوض سے فیض یاب ہوتا رہا۔ جب اس عمل میں ایک مدت گزر گئی تو اتفاق سے اس التزام میں ایک سستی پیدا ہو گئی اور اس
مشغولیت کی توفیق زائل ہو گئی اور صرف (نماز میں) مقررہ درود پر اکتفا ہو گیا اور اس وقت اچھا لگتا تھا کہ درود کی بجائے تسبیح و
تقدیس اور تہلیل میں مشغول رہوں۔ میں نے کہا، اس کام میں کوئی حکمت ہوگی، دیکھئے کیا ظاہر کرتے ہیں۔ آخر کار اللہ سبحانہ کی
عنایت سے معلوم ہوا کہ اس وقت ذکر کرنا درود بھیجنے سے بہتر ہے، درود بھیجنے والے کے لیے بھی اور جس پر درود بھیجا جاتا ہے،
اُن کے لیے بھی۔ دو وجہ سے۔

ایک وجہ تو یہ ہے کہ حدیث قدسی میں آیا ہے: مَنْ شَغَلَهُ ذِكْرِي عَنْ مَسْئَلَتِي اَعْطَيْتُهُ اَفْضَلَ مَا اَعْطَى
السَّائِلِينَ۔^(۱)

یعنی: جس کو میرے ذکر نے مجھ سے سوال کرنے سے روک رکھا، میں اس کو سوال کرنے والوں سے زیادہ دوں گا۔
دوسری وجہ یہ ہے کہ چونکہ ذکر حضرت نبی کریم علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ والسلام سے ماخوذ ہے، لہذا اس کا ثواب جس طرح
ذکر کرنے والے کو ملتا ہے، اُسی طرح یہ ثواب آنسور علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کو پہنچتا ہے۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے
فرمایا ہے: مَنْ سَنَّ سُنَّةَ حَسَنَةً فَلَهُ اَجْرُهَا مِنْ عَمَلٍ بِهَا۔^(۲)

یعنی: جس شخص نے کسی نیک سنت کو جاری کیا، اس کو اس کا اپنا اجر بھی ملے گا اور اُس شخص کا بھی جو اس پر عمل کرے گا۔
اسی طرح ہر نیک عمل جو امتوں سے وجود میں آتا ہے، اس عمل کا اجر جس طرح کہ عمل کرنے والے کو ملتا ہے، پیغمبر علیہ
الصلوٰۃ والسلام جو اس عمل کے جاری کرنے والے ہیں، کو بھی اسی قدر اجر پہنچتا ہے، بغیر اس کے کہ عمل کرنے والے کے اجر
سے کوئی چیز کم کریں۔ اور کوئی ضرورت نہیں ہے کہ عمل کرنے والا پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نیت سے عمل کرے، کیونکہ وہ حق
جل سلطانہ کی عطا ہے، عمل کرنے والے کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے۔ ہاں! اگر عمل کرنے والے سے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام
کی نیت بھی وجود میں آجائے تو یہ چیز عمل کرنے والے کے اجر کی زیادتی کا باعث ہوگی اور یہ زیادتی (اجر) پیغمبر علیہ الصلوٰۃ
والسلام کی جانب بھی عائد ہوگی۔ ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ ط وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ۔ (سورۃ حدید، ۲۱)
یعنی: یہ اللہ کا فضل ہے، جسے چاہے عطا فرمائے، اور اللہ بڑے فضل کا مالک ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ذکر سے اصلی مقصود حق سبحانہ و تعالیٰ کی یاد ہے اور اجر کی طلب اس کی طفیلی ہے اور درود
میں اصلی مقصود حاجت کی طلب ہے۔ شَتَانِ مَا بَيْنَهُمَا۔ یعنی: ان دونوں میں بہت فرق ہے۔

پس وہ فیوضِ جو ذکر کے راستے سے پیغمبر (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کو پہنچتے ہیں، ان برکات سے کئی گنا زیادہ ہوں گے جو درود کے راستے سے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پہنچتے ہیں۔

جاننا چاہیے کہ ہر ذکر یہ رتبہ نہیں رکھتا۔ جو ذکر قبولیت کے لائق ہے، وہ اس فضیلت کے ساتھ مخصوص ہے۔ جو ذکر اس طرح نہیں ہے اس پر درود کو فضیلت ہے اور درود سے برکات کے زیادہ وصول ہونے کی توقع ہے۔ لیکن جو ذکر طالبِ صادق شیخِ کامل مکمل سے اخذ کرے اور طریقہ کی شرائط سے اس پر مداومت کرے، وہ درود پڑھنے سے افضل ہے، کیونکہ یہ ذکر اس ذکر کا وسیلہ ہے، جب یہ ذکر نہیں کرے گا، اس ذکر تک نہیں پہنچے گا۔ یہی وجہ ہے کہ طریقت کے مشائخِ قدس اللہ تعالیٰ اسرارِ ہم نے مبتدی کے لیے ذکر کرنے کے سوا کچھ جائز قرار نہیں دیا اور اس کے حق میں فرضوں اور سنتوں کو ہی کافی سمجھا ہے اور نقلی امور سے (اسے) منع کیا ہے۔

اس بیان سے واضح ہوا کہ امت میں سے کوئی آدمی خواہ کمالات میں اعلیٰ درجہ تک پہنچ جائے وہ اپنے پیغمبر (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے ساتھ برابری پیدا نہیں کر سکتا، کیونکہ یہ سب کمالات جو اسے حاصل ہوئے ہیں۔ اس پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شریعت کی متابعت کے ذریعے نصیب ہوئے ہیں۔ لہذا یہ سارے کمالات اس پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے بھی ثابت ہیں، دوسرے تمام پیروکاروں کے ساتھ اور اس پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اپنے مخصوص کمالات کے ساتھ۔ نیز اسی طرح کوئی کامل شخص کسی بھی پیغمبر (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے مرتبہ تک نہیں پہنچ سکتا، خواہ اس پیغمبر (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی کسی ایک آدمی نے بھی متابعت نہ کی ہو اور اس کی دعوت کو قبول نہ کیا ہو۔ کیونکہ ہر پیغمبر (علیہ الصلوٰۃ والسلام) اصالت کے طور پر صاحبِ دعوت ہے اور شریعت کی تبلیغ کے لیے مامور ہے۔ امتوں کا انکار (اس کی) دعوت و تبلیغ میں ناکامی پیدا نہیں کرتا اور خوب ظاہر ہے کہ کوئی کمال بھی دعوت و تبلیغ کے مرتبہ تک نہیں پہنچتا۔ فَإِنَّ أَحَبَّ عِبَادِ اللَّهِ إِلَى اللَّهِ مَنْ حَبَّبَ اللَّهُ إِلَى عِبَادِهِ وَحَبَّبَ عِبَادَ اللَّهِ إِلَى اللَّهِ وَهُوَ الدَّاعِي وَالْمُبْلَغُ. (۳)

یعنی: سو بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے اللہ کے ہاں محبوب ترین بندہ وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کو بندوں کا دوست بنائے اور بندوں کو اللہ تعالیٰ کا دوست بنائے اور یہ شخص داعی اور مبلغ ہے۔

آپ نے سنا ہوگا کہ حدیث میں آیا ہے کہ کل قیامت کے دن علماء کی سیاہی کو اللہ کے راستے میں شہید ہونے والوں کے خون کے ساتھ تولا جائے گا اور اُن کی سیاہی والا پلڑا اُن (شہیدوں) کے خون پر بھاری ہو جائے گا۔ امت کے دوسرے لوگوں کو یہ دولت میسر نہیں ہوئی ہے۔ وہ جو کچھ رکھتے ہیں وہ طفیلی اور ضمنی ہے۔ اصل اصل ہے اور فرع اصل سے ماخوذ ہے۔ اس جگہ سے اس امت کے داعیوں اور مبلغوں کی فضیلت سمجھنی چاہیے۔ اگرچہ دعوت و تبلیغ میں کئی درجات ہیں اور داعیوں اور مبلغوں کے درجات مختلف ہیں۔ علماء ظاہری تبلیغ کے ساتھ مخصوص ہیں اور صوفیہ باطن (کی تبلیغ) کا اہتمام کرتے ہیں اور جو عالم صوفی بھی ہو وہ بہت اکسیر ہے اور وہ ظاہر و باطن کی دعوت و تبلیغ کے لائق ہے اور نبی کریم علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کا نائب اور وارث ہے۔

ایک جماعت نے اس امت کے محدثین کو، جو کہ نبی کریم علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی احادیث کی تبلیغ کرتے ہیں،

اس امت کے افضل لوگ سمجھا ہے۔ اگر انہوں نے مطلقاً افضل سمجھا ہے تو تردد و شک کی جگہ ہے اور اگر علمائے ظاہر کے مقابلے میں کہا ہے تو اس کی گنجائش ہے۔ مطلقاً فضیلت تو اس جامع مبلغ کے لیے ہے جو ظاہری تبلیغ بھی کرتا ہے اور باطنی تبلیغ بھی کرتا ہے۔ ظاہری دعوت بھی دیتا ہے اور باطنی بھی۔ کیونکہ مطلقاً افضل قرار دینے میں قصور ہے جو فضل کے اطلاق کرنے کے منافی ہے۔ فَافْهَمْ فَلَا تَكُنْ مِنَ الْقَاصِرِينَ۔ یعنی: اس نکتے کو سمجھ لو اور کوتاہ نظروں میں سے مت بنو۔

ہاں! ظاہر اگرچہ عمدہ ہے اور نجات کا مدار اسی پر ہے اور یہ بڑی برکت والا اور نفع عام والا ہے، لیکن اس کا کمال باطن سے وابستہ ہے۔ ظاہر بغیر باطن کے نامکمل ہے اور باطن بغیر ظاہر کے بے فائدہ ہے اور جو شخص باطن کو ظاہر کے ساتھ جمع کرے وہ بہت اکسیر ہے۔ رَبَّنَا اَتِمِّمْ لَنَا نُورَنَا وَاغْفِرْ لَنَا جَنَابَكَ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ۔ (سورۃ تحریم، ۸)

یعنی: اے ہمارے پروردگار! ہمارا نور ہمارے لیے پورا کر اور ہمیں معاف فرما۔ بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے۔

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اتَّبَعَ الْهُدٰی۔ (سورۃ طہ، آیت ۴۷)

یعنی: اور جو شخص ہدایت کی بات مانے، اسے سلامتی نصیب ہو۔

مکتوب نمبر (۵۸)

خواجہ محمد تقی کو تحریر فرمایا۔ ان کے اس استفسار کے بارے میں جو عالم مثال (کے بارے) میں تھا اور اس جماعت کے ردّ

میں جو تنازع کی قائل ہے اور اس دوسرے گروہ (کے ردّ میں) جو روح کے منتقل ہونے کا قائل ہے اور کمون و بروز

(پوشیدہ ہونے اور ظاہر ہونے) کا بیان اور جو کچھ اس کے مناسب ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ
وَعَلٰی آلِهِ الطَّاهِرِیْنَ۔

یعنی: شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔ سب تعریفوں کے لائق سارے جہانوں کا

رب ہے اور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود و سلام ہو اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی آل اطہار پر۔

مکتوب شریف، جو آپ نے حسن خلق اور بلندی فطرت سے ارسال فرمایا تھا، (فقیر) اس کے مطالعہ سے مشرف ہوا۔

اللہ تعالیٰ آپ کو سلامت رکھے۔

آپ نے لکھا تھا کہ شیخ محی الدین ابن العربی قدس سرہ فتوحات مکیہ میں ایک حدیث نقل کرتے ہیں کہ آنسور علیہ

الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے: إِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ مِائَةَ أَلْفٍ آدَمَ۔ یعنی: بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے ایک لاکھ آدم پیدا فرمائے۔

نیز وہ ایک حکایت لکھتے ہیں کہ عالم مثال کے بعض مشاہدات سے کعبہ معظمہ کے طواف کے وقت اس طرح ظاہر ہوا کہ

میرے ساتھ ایک جماعت طواف کر رہی ہے، جن کو میں نہیں پہچانتا اور طواف کے دوران انہوں نے دوعربی شعر پڑھے جن

میں سے ایک یہ ہے:

لَقَدْ طُفْنَا كَمَا طُفْتُمْ سَنِينَا بِهَذَا الْبَيْتِ طُرًّا أَجْمَعِينَا

یعنی: اس گھر کا طواف ہم نے بھی سالوں کیا ہے، جس طرح کہ تم سالوں سے کر رہے ہو۔

جب میں نے یہ شعر سنا تو میرے دل میں خیال آیا کہ یہ عالم مثال کے ابدال ہیں۔ اس وسوسے کے ساتھ ہی ان میں سے ایک نے میری طرف نگاہ کی اور فرمایا کہ ”میں تمہارے اجداد میں سے ہوں!“ میں نے پوچھا کہ تجھے فوت ہوئے کتنے سال گزر رہے ہیں؟ اس نے فرمایا کہ میری وفات کو چالیس ہزار سال سے زیادہ ہو گئے ہیں۔ میں نے اس پر تعجب کرتے ہوئے کہا کہ حضرت ابوالبشر آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیدائش کے آغاز سے لے کر اس وقت تک تو سات ہزار سال پورے نہیں ہوئے۔ اس نے فرمایا: ”تو کس آدم کی بات کر رہا ہے؟ یہ وہ آدم ہے جو ان سات ہزار سالوں کے پہلے دور میں پیدا ہوا ہے۔“ شیخ (محی الدین ابن العربی) فرماتے ہیں کہ اس وقت وہ حدیث نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام جو پہلے لکھی گئی ہے، خیال میں گزری، جو اس بات کی تائید کرنے والی ہے۔

میرے مخدوم مکرم! اللہ سبحانہ کی عنایت سے اس مسئلے میں جو چیز اس فقیر پر ظاہر ہوئی ہے، وہ یہ ہے کہ وہ سب آدم جو حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے وجود سے پہلے ہوئے ہیں، ان کا وجود عالم مثال میں ہوا ہے نہ کہ عالم شہادت میں۔ عالم شہادت میں تو یہی (حضرت) آدم صَلَوَاتُ اللہِ تَعَالٰی وَسَلَامُہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَبِیْنَا وَعَلِیْہِمْ اَجْمَعِیْنِ موجود ہوئے ہیں اور انہوں نے زمین میں خلافت پائی ہے اور فرشتوں نے ان کو سجدہ کیا ہے۔

مختصر یہ کہ (حضرت) آدم (علیہ السلام) چونکہ جامعیت کی صفت پر تخلیق ہوئے ہیں اور اپنی حقیقت میں بہت سے لطائف اور اوصاف رکھتے ہیں۔ ان کے وجود سے کئی صدیاں پہلے اوقات میں سے ہر وقت میں ان کی صفات میں سے کوئی صفت ان کے لطائف میں سے کسی لطیفہ کے ساتھ اللہ جل سلطانہ کی ایجاد سے عالم مثال میں موجود ہوئی ہے اور آدم کی صورت میں ظاہر ہوئی ہے اور ان کے نام سے موسوم ہوئی ہے اور جس آدم کا انتظار کیا جا رہا تھا، اس کا کاروبار اس سے واقع ہوا ہے، حتیٰ کہ توالد و تناسل، جو اس عالم مثال کے مناسب تھا، وہ بھی ظاہر ہوا اور اس نے اس عالم کے مناسب صوری و معنوی کمالات بھی حاصل کیے اور عذاب و ثواب کے لائق بنا، بلکہ اس کے حق میں قیامت قائم ہوئی۔ بہشت والا بہشت میں اور دوزخ والا دوزخ میں گیا۔ اس کے بعد اوقات میں سے ایک وقت میں اللہ سبحانہ کی مرضی سے دوسری صفات و لطائف میں سے کسی لطیفہ کے ساتھ حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی کوئی اور صفت اسی عالم (مثال) میں ظاہر ہوئی اور جو کاروبار اس کے پہلے ظہور سے وجود میں آیا تھا وہ دوسرے ظہور میں بھی وجود میں آ گیا اور جب یہ دور بھی ختم ہو گیا تو حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی ان صفات و لطائف میں سے تیسرا ظہور حاصل ہوا اور جب اس ظہور نے اپنا دور پورا کر لیا تو چوتھا ظہور ثبوت کو پہنچا، جہاں تک اللہ تعالیٰ نے چاہا (یہ سلسلہ چلتا رہا)۔ پھر جب اس کے ظہور کے مثالی ادوار جو اس کی صفات و لطائف سے تعلق رکھتے تھے، پورے ہو گئے تو آخر کار وہ نسخہ جامعہ اللہ جل سلطانہ کی ایجاد سے عالم مثال میں آ گیا اور اللہ جل سلطانہ کے فضل سے معزز و مکرم ہو گیا۔ اگر ایک لاکھ آدم بھی ہوں تو وہ اسی آدم (علیہ السلام) کے اجزاء ہیں اور اسی کے ہاتھ اور پاؤں ہیں اور اسی کے وجود کے مبادی اور مقدمات ہیں۔

شیخ بزرگوار (محی الدین ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ) کے جد، جن کی وفات کو چالیس ہزار سے زیادہ سال گزر گئے ہیں، بھی شیخ کے جد کے لطائف میں سے کوئی لطیفہ تھے جو عالم شہادت میں وجود رکھتے تھے اور بیت اللہ کا جو طواف کر رہے تھے، وہ عالم

مثال میں کر رہے تھے، کیونکہ کعبہ معظمہ کی بھی (عالم) مثال میں ایک صورت و تشبیہ ہے جو اس عالم والوں کے لیے قبلہ ہے۔ اس فقیر نے اس بارے میں دور دور تک نظر دوڑائی اور بہت زیادہ غور کیا۔ عالم شہادت میں دوسرا آدم دکھائی نہیں دیا اور اس چیز کو عالم مثال کے شعبدوں کے سوا کچھ نہیں پایا۔ اور یہ جو اس بدن مثالی نے کہا کہ میں تیرا جد ہوں اور میری وفات کو چالیس ہزار سے زیادہ سال ہو گئے ہیں۔ اوّل یہ اس چیز کی دلیل ہے کہ پہلے کے آدم ان آدم (علیہ السلام) کی صفات و لطائف کے ظہورات میں سے ہوئے ہیں، نہ یہ کہ وہ علیحدہ پیدائش رکھتے تھے اور اس آدم (علیہ السلام) سے جدا ہوئے ہیں اور اس آدم (علیہ السلام) کے برخلاف (اور جدا) تھے، کیونکہ مخالف (اور جدا) کی اس آدم (علیہ السلام) کے ساتھ کیا نسبت ہے؟ اور وہ جد کیسے ہو سکتے تھے اور اس آدم (علیہ السلام) کی خلقت کو سات ہزار سال نہیں ہوئے ہیں، (لہذا) چالیس ہزار (سال) کی گنجائش کیسے ہو سکتی ہے؟

جس جماعت کے لوگوں کے دل میں بیماری ہے، وہ ان حکایتوں سے تنازعہ مراد لیتے ہیں اور قریب ہے کہ وہ قدم عالم کے قائل ہو جائیں اور قیامت کبریٰ سے انکار کر بیٹھیں۔ بعض بے دین لوگ جو اپنے طور پر جھوٹ سے شیخی کی مسند پر بیٹھ گئے ہیں، وہ تنازعہ کے جواز کا حکم دیتے ہیں اور گمان کرتے ہیں کہ نفس جب تک کمال کی حد کو نہ پہنچے، (اس وقت تک) اسے بدنوں کی تبدیلی سے چارہ نہیں ہے اور کہتے ہیں کہ جب وہ حد کمال کو پہنچ گیا تو بدنوں کی تبدیلی، بلکہ بدنوں کے ساتھ تعلق ہی سے فارغ ہو گیا اور اس کی پیدائش سے جو کمال مقصود ہے، وہ میسر آ گیا۔ یہ بات صریح کفر ہے اور اس چیز کا انکار ہے جو تواتر کے ساتھ دین سے ثابت ہو چکی ہے۔ جب آخر کار سب نفوس کمال کی حد کو پہنچ جائیں تو پھر دوزخ کس کے لیے ہوگی؟ اور عذاب کس کو ہوگا؟ یہ دوزخ کا انکار ہے اور آخرت کے عذاب کا انکار ہے اور نیز اجسام کے حشر کا انکار ہے۔ کیونکہ ان کے گمان کے مطابق نفس کو اس جسم کی، جو اس کے کمالات کا آلہ ہے، کوئی ضرورت نہیں، تاکہ جسم کے ساتھ اس کا حشر کیا جائے۔ اس جماعت کے لوگوں کا اعتقاد فلاسفہ کے اعتقاد کے مطابق ہے جو اجسام کے حشر کا انکار کرتے ہیں اور عذاب و ثواب کو روحانی سمجھتے ہیں۔ بلکہ ان کا اعتقاد فلاسفہ کے اعتقاد سے بھی بدتر ہے، کیونکہ وہ تنازعہ کا رد کرتے ہیں اور روحانی عذاب کو ثابت کرتے اور یہ تنازعہ کو بھی ثابت کرتے ہیں اور آخرت کے عذاب کا بھی انکار کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک عذاب، دنیا کا عذاب ہے جو نفوس کی تہذیب کے لیے ثابت کرتے ہیں۔

سوال: حضرت امیر (علی) کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے اور بعض دوسرے اولیاء اللہ سے بھی منقول ہے کہ ان کے وجود عنصری سے بہت عرصہ پہلے ان سے بعض عجیب و غریب اعمال عالم شہادت میں واقع ہوئے ہیں۔ ان کا درست ہونا تنازعہ کے جواز کے بغیر کیسے ممکن ہے؟

جواب: یہ اعمال و افعال ان بزرگواروں کے ارواح سے صادر ہوئے ہیں، جنہوں نے اللہ سبحانہ کی رضا سے خود (اپنے) جسموں سے مجسم ہو کر عجیب افعال سرانجام دیے ہیں۔ کوئی دوسرا جسم نہیں ہے جس کے ساتھ وہ تعلق پیدا کریں۔ تنازعہ یہ ہے کہ روح نے اس جسم سے پہلے (کسی) دوسرے جسم، جو اس روح کے مخالف اور اس سے جدا ہو، کے ساتھ تعلق پیدا کر لیا ہو اور جب وہ خود ہی (اپنے) جسم سے مجسم ہو جائے تو پھر تنازعہ کہاں ہوگا؟

جن، جو مختلف شکلیں اختیار کر لیتے ہیں اور (دوسرے) جسموں کے ساتھ مجسم ہو جاتے ہیں اور اس حالت میں ایسے عجیب اعمال جو ان شکلوں اور جسموں کے مناسب ہیں، سرانجام دیتے ہیں۔ (یہ) کوئی تنازعہ نہیں ہے اور نہ کوئی حلوں ہے۔ جب جنوں کو اللہ سبحانہ کی قدرت سے یہ طاقت (حاصل) ہے کہ وہ مختلف شکلوں کے ساتھ مجسم ہو کر عجیب اعمال سرانجام دیتے ہیں تو پھر اگر کالمیلین کے ارواح کو یہ طاقت عطا فرمادی جائے تو تعجب کی کیا بات ہے؟ اور دوسرے بدن کی کیا ضرورت ہے؟ اسی قسم کی وہ باتیں ہیں جو بعض اولیاء اللہ سے نقل کرتے ہیں کہ وہ ایک لحظہ میں مختلف جگہوں میں حاضر ہو جاتے ہیں اور مختلف اعمال سرانجام دیتے ہیں۔ یہاں بھی ان کے لطائف مختلف جسموں میں مجسم ہوتے ہیں اور جدا جدا شکلوں میں ظاہر ہوتے ہیں۔ نیز اسی طرح وہ بزرگ^(۱) جس کا وطن ہندوستان ہے اور وہ اس ملک سے کبھی باہر نہیں گیا۔ مکہ معظمہ سے کچھ حضرات آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم نے اس بزرگ کو حرم کعبہ میں دیکھا ہے۔ ہمارے اور اس بزرگ کے درمیان ایسے اور اس طرح ہوا ہے۔ نیز کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ہم نے اس کو روم میں دیکھا ہے اور کچھ دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ ہم نے اس کو بغداد میں دیکھا ہے۔ یہ سب اس بزرگ کے لطائف ہیں جو مختلف شکلوں میں ظاہر ہوئے ہیں۔ کبھی ایسے ہے کہ اس عزیز کو یہ شکلیں اختیار کرنے کی خبر بھی نہیں ہوتی۔ لہذا وہ ان لوگوں کے جواب میں کہتا ہے کہ یہ سب کچھ مجھ پر تہمت ہے، میں تو گھر سے باہر نہیں نکلا ہوں اور میں نے حرم کعبہ کو نہیں دیکھا ہے اور روم و بغداد کو نہیں پہچانتا اور میں نہیں جانتا کہ تم کون لوگ ہو؟ ایسے ہی ضرورت مند لوگ خوف و ہلاکت میں زندہ اور مردہ بزرگوں سے امدادیں طلب کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ ان بزرگوں کی صورتیں حاضر ہوئیں اور انہوں نے ان سے یہ بلائیں دور کر دی ہیں۔ کبھی ایسے ہوتا ہے کہ ان بزرگوں کو ان بلاؤں کے دور کرنے کی خبر ہوتی ہے اور کبھی نہیں ہوتی:

ع از ما و شما بہانہ بر ساختہ اند

یعنی: یہ ہم اور تم کو بہانہ بنایا گیا ہے۔

یہ بھی ان بزرگوں کے لطائف کا شکلوں میں ظاہر ہونا ہے اور یہ شکلیں کبھی عالم شہادت میں ظاہر ہوتی ہیں اور کبھی عالم مثال میں۔ جس طرح کہ ایک رات میں ہزار آدمی خواب میں آنسو ر علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی مختلف مبارک صورتوں میں زیارت کرتے ہیں اور فائدے حاصل کرتے ہیں، یہ سب نبی کریم علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی صفات و لطائف کی مثالی صورتوں کا شکلوں میں ظاہر ہونا ہے۔ ایسے ہی مرید پیروں کی مثالی صورتوں سے فائدے حاصل کرتے ہیں اور مشکلات کو حل فرماتے ہیں۔

پوشیدہ ہونا اور ظاہر ہونا جو بعض مشائخ نے بیان کیا ہے، (یہ) تنازعہ سے کوئی تعلق نہیں رکھتا، کیونکہ تنازعہ میں نفس کا زندگی کے ثبوت کے لیے اور حس و حرکت حاصل کرنے کے لیے دوسرے بدن سے تعلق ہوتا ہے اور بروز (ظاہر ہونے) میں نفس کا اس غرض کو حاصل کرنے کے لیے دوسرے بدن سے کوئی تعلق نہیں ہوتا، بلکہ اس تعلق سے مقصود اس بدن کے لیے کمالات حاصل کرنا ہوتا ہے اور اس کے لیے درجات وصول کرنا ہوتا ہے۔ جس طرح کہ ایک جن ایک انسان سے تعلق پیدا کر لے اور اس کی شخصیت میں ظاہر ہو جائے تو یہ تعلق اس شخص کی زندگی کے لیے نہیں ہے، کیونکہ وہ شخص اس تعلق سے پہلے ہی زندہ

اور حس و حرکت کرنے والا ہے اور جو چیز اس تعلق سے اس میں پیدا ہوئی ہے، وہ اس جن کی صفات اور حرکات و سکنات کا ظہور ہے۔ درست احوال والے مشائخ کمون و بروز (پوشیدہ ہونے اور ظاہر ہونے) کے بارے میں لب کشائی بھی نہیں کرتے اور ناقصوں کو بلا اور فتنے میں نہیں ڈالتے۔

اس فقیر کے نزدیک کمون و بروز (پوشیدہ ہونے اور ظاہر ہونے) کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اگر ایک کامل کسی ناقص کی تربیت کرنا چاہے تو وہ بغیر اس کے کہ اس میں بروز (ظہور) کرے اللہ جلّ سلطانہ کی قدرت سے اپنی صفات کاملہ اس ناقص مرید میں منعکس کر دیتا ہے اور توجہ و التفات سے اس انعکاس کو ثابت اور برقرار رکھتا ہے، تاکہ ناقص مرید نقص سے کمال میں آجائے اور بری صفات سے پسندیدہ صفات کی طرف مائل ہو جائے اور کوئی کمون و بروز (پوشیدہ ہونا اور ظاہر ہونا) درمیان میں نہ ہو۔ ذلک فضلُ اللہِ یؤتیہ مَنْ یَشَاءُ ط وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ۔ (سورۃ حدید، ۲۱)

یعنی: یہ اللہ کا فضل ہے، جسے چاہے عطا فرمائے، اور اللہ بڑے فضل کا مالک ہے۔

بعض دوسرے لوگ روح کے منتقل ہونے کے قائل ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ کمال کے بعد روح ایسی قدرت حاصل کر لیتی ہے کہ اگر وہ چاہے تو اپنے بدن کو چھوڑ کر دوسرے بدن میں داخل ہو سکتی ہے۔

نقل کرتے ہیں کہ ایک بزرگ جو یہ کمال اور یہ قدرت رکھتا تھا، اس کے پڑوس میں ایک جوان فوت ہو گیا۔ اس بزرگ نے اپنے بدن کو، جو کہ بوڑھا ہو چکا تھا، چھوڑا اور اس جوان کے بدن میں داخل ہو گیا، یہاں تک کہ پہلا بدن مردہ بن گیا اور دوسرا بدن زندہ ہو گیا۔ یہ قول تنازع کو لازم کرتا ہے، کیونکہ دوسرے بدن سے تعلق اس بدن کی زندگی کے لیے ہے۔ فرق (صرف) اتنا ہے کہ تنازع کے قائل لوگ نفس کے نقص کا حکم کرتے ہیں اور تنازع کو نفس کی تکمیل کے لیے ثابت کرتے ہیں اور جو لوگ روح کے منتقل ہونے کے قائل ہیں، وہ روح کو کامل خیال کرتے ہیں اور روح کے کمال کے بعد منتقل ہونے کو ثابت کرتے ہیں۔

اس فقیر کے نزدیک روح کے منتقل ہونے کا قول، تنازع کے قول سے بھی زیادہ ساقط ہے، کیونکہ اس میں تنازع کا نفوس کی تکمیل کے لیے اعتبار کیا گیا ہے، اگرچہ یہ اعتبار بھی باطل ہے۔ اور روح کے منتقل ہونے کو کمال کے حصول کے بعد خیال کرتے ہیں، اگرچہ یہ کوئی کمال نہیں ہے۔ جب بدنوں کی تبدیلی کو کمالات کا حاصل ہونا قرار دیا گیا ہو تو پھر کمال کے حاصل ہونے کے بعد دوسرے بدن میں منتقل ہونا کس لیے ہے۔ اہل کمال تماشائی نہیں ہیں۔ ان کی ہمت کمال حاصل ہونے کے بعد بدنوں سے الگ ہونا ہے، نہ کہ بدنوں کے ساتھ تعلق پیدا کرنا ہے۔ کیونکہ جو کچھ تعلق سے مقصود تھا وہ تو حاصل ہو چکا ہے۔

نیز اسی طرح روح کے منتقل ہونے میں پہلے بدن کی موت ہے اور دوسرے بدن کی زندگی ہے۔ پس پہلے کو بزرخ کے احکام حاصل ہونے سے چارہ نہیں ہے اور قبر کے عذاب و ثواب سے فرار نہیں اور دوسرے بدن کے لیے جب دوسری زندگی کو ثابت کرتے ہیں تو پھر اس کے لیے حشر اسی دنیا میں ثابت ہو گیا۔ میں خیال کرتا ہوں کہ معلوم نہیں کہ روح کے منتقل ہونے کے معتقد لوگ عذاب و ثواب کے بھی قائل ہوں اور حشر و نشر کے معتقد ہوں۔ افسوس، ہزار افسوس! اس قسم کے جھوٹوں نے خود کو مسندِ شنی پر بٹھالیا ہے اور اہل اسلام کے پیشوا بن گئے ہیں۔ صَلُّوْا فَاصْلُوْا۔^(۲)

یعنی: وہ خود گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کر دیا۔

رَبَّنَا لَا تُرِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ. (سورۃ آل عمران، ۸) بِحُرْمَةِ سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمُ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيمَاتُ.

یعنی: اے ہمارے پروردگار! جب تو نے ہمیں ہدایت بخشی ہے تو اس کے بعد ہمارے دلوں میں کچی نہ پیدا کرنا اور ہمیں اپنے ہاں سے نعمت عطا فرما، تو تو بڑا عطا فرمانے والا ہے، سید المرسلین (حضرت محمد مصطفیٰ) صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل۔
تذئیل: بعض ایسے علوم و معارف کے بیان میں جو عالم مثال سے تعلق رکھتے ہیں۔

جاننا چاہیے کہ عالم مثال سب عالموں سے زیادہ کشادہ ہے، جو کچھ تمام عالموں میں ہے اس کی صورت عالم مثال میں (موجود) ہے، معقولات اور معانی سب وہاں صورت رکھتے ہیں۔ کہا گیا ہے کہ حق جل و علا سلطانہ کی کوئی مثل نہیں ہے، لیکن مثال ہے: وَلِلَّهِ الْمَثَلُ الْأَعْلَى. (سورۃ نحل، ۶۰) یعنی: اور اللہ تعالیٰ کی مثال سب سے اعلیٰ ہے۔

اس فقیر نے اپنے مکتوبات میں لکھا ہے کہ تنزیہ صرف کے مرتبہ میں جس طرح کہ مثل نہیں ہے، مثال بھی نہیں ہے:
فَلَا تَضَرُّبُوا لِلَّهِ الْأَمْثَالَ. (سورۃ نحل، ۷۴) یعنی: پس اللہ کے لیے کوئی مثال بیان نہ کرو۔

عالم صغیر میں عالم مثال کا نمونہ خیال ہے، کیونکہ سب چیزوں کی صورت خیال میں متصور ہے۔ سالک کے احوال و مقامات کی کیفیات کی تصویر بنا کر خیال ہی پیش کرتا ہے اور (اس کو) ارباب علم میں سے بنادیتا ہے اور اگر خیال نہ ہو، یا وہ کوتاہی کرے تو جہل لازم آتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ مرتبہ ظلال کے اوپر جہل و حیرت ہے، کیونکہ خیال کی دوڑ ظلال کے مراتب تک ہی ہے۔ جس جگہ ظل نہیں ہے، خیال کی وہاں گنجائش نہیں ہے۔ جب صورت تنزیہی (عالم) مثال میں نہیں آسکتی، جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے تو پھر خیال جو کہ (عالم) مثال کا ایک پردہ ہے، اس میں صورت تنزیہی کس طرح متصور ہو سکتی ہے۔ فَلَا جَرَمَ لَا يَكُونُ تَمَّةً إِلَّا الْجَهْلُ وَالْحَيْرَةُ. یعنی: لہذا یقیناً وہاں جہل و حیرت کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔

اور جہاں علم نہ ہو وہاں گفتگو بھی نہیں ہوتی۔ (یہ حدیث) اس کی علامت ہے: مَنْ عَرَفَ اللَّهَ كُلَّ لِسَانُهُ. (۳)
یعنی: جس نے اللہ کو پہچانا اُس کی زبان گنگ ہوگئی۔

اور جہاں علم ہوتا ہے وہاں گفتگو ہوتی ہے۔ (یہ حدیث) اس کا بیان ہے: مَنْ عَرَفَ اللَّهَ طَالَ لِسَانُهُ.
یعنی: جس نے اللہ کو پہچانا اُس کی زبان دراز ہوگئی۔

زبان کی درازی ظلال میں ہوتی ہے اور زبان کا گنگ ہونا مراتب ظلال کے اوپر ہوتا ہے، (خواہ) وہ (ظل) فعل ہو، یا اسم کی صفت ہو اور یا مسمیٰ ہو۔

پس جو خیال کا بنایا ہوا ہے، چونکہ وہ ظل ہے، لہذا معلوم ہے اور ایجاد کے سبب سے موجود ہے۔ اس سے زیادہ کچھ بھی نہیں، کیونکہ وہ مطلوب کے آثار اور علامات میں سے ہے، لہذا علم الیقین کے لیے مفید ہے۔ عین (الیقین) اور حق (الیقین) ظلال اور خیال سے ماوراء ہیں۔ خیال کی تراش سے اس وقت خلاصی میسر ہوتی ہے جب سیر نفسی کو بھی سیر آفاقی کی مانند (اپنے) پیچھے ڈال دے اور آفاق و انفس سے باہر گردش کرے۔ یہ چیز اکثر اولیاء کو موت کے بعد میسر آتی ہے، جب تک زندگی

ہے، خیال ان کو دامن گیر رہتا ہے۔ اکابر اولیاء میں سے بہت کم حضرات کو یہ دولت اس دنیا میں میسر ہو جاتی ہے اور وہ دنیاوی زندگی کے باوجود خیال کے غلبہ کے تصرف سے باہر آ جاتے ہیں اور مطلوب کو اس کے خیال کی ترش و خراش کے بغیر آغوش میں لے لیتے ہیں۔ اس وقت تجلی ذاتی برقی ان بزرگواروں کے حق میں دائمی بن جاتی ہے اور وصلِ عریانی عکس ڈالتا ہے:

هَنِيئًا لَا رِبَابَ النَّعِيمِ نَعِيمُهَا وَلِلْعَاشِقِ الْمُسْكِينِ مَا يَنْجُوْهُ

یعنی: نعمت والوں کو ان کی نعمتیں مبارک ہوں اور عاشقِ مسکین کو رنج و درد کے گھونٹ۔

سوال: ایک جماعت (کے لوگ) واقعات اور خوابوں میں (عالم) مثال و خیال میں دیکھتے ہیں کہ ہم بادشاہ بن گئے ہیں اور وہ اپنے نوکروں اور چاکروں کا معائنہ کرتے ہیں اور یہ بھی دیکھتے ہیں کہ ہم قطب بن گئے ہیں اور عالم ہماری طرف متوجہ ہے اور بیداری کی حالت میں اور افاقہ ہونے کی صورت میں جو کہ عالم شہادت ہے، ان کمالات میں سے کچھ بھی ظاہر نہیں ہوتا۔ یہ دیکھنا کوئی صداقت رکھتا ہے یا زرا جھوٹ ہے؟

جواب: یہ دیکھنا ایک طرح کی سچائی رکھتا ہے اور اس کی وضاحت یہ ہے کہ بادشاہت اور قطبیت کی حقیقت اس جماعت (کے لوگوں) میں موجود ہے، لیکن یہ حقیقت ان میں ضعیف ہے۔ (یہ) اس لائق نہیں ہے کہ عالم شہادت میں ظہور کرے۔ اس کے بعد یہ دو حالتوں سے خالی نہیں ہے۔ اگر اللہ سبحانہ کی عنایت سے اس حقیقت نے قوت پیدا کر لی اور اس کے لائق بن گئی کہ عالم شہادت میں ظہور پیدا کر لے تو پھر اللہ سبحانہ کی قدرت سے وہ عالم شہادت میں بادشاہ بن جاتے ہیں اور قطبِ وقت بھی ہو جاتے ہیں اور اگر اس حقیقت نے اس قدر قوت پیدا نہ کی کہ وہ عالم شہادت میں ظاہر ہو جائے تو پھر وہی مثالی ظہور جو کمزور ظہورات میں سے ہے، کافی ہو جاتا ہے اور قوت کے مطابق ظہور کرتا ہے۔

وہ واقعات اسی قسم کے ہیں جو اس راستے کے طالبین دیکھتے ہیں اور خود کو بلند مقامات میں پاتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ وہ اربابِ ولایت کے مراتب سے سرفراز ہو گئے ہیں۔ اگر (عالم) شہادت میں یہ حقیقت ظاہر ہو جائے تو ایک عظیم دولت ہے اور اگر ظہورِ مثالی پر ہی کفایت کر لی جائے تو لا حاصل ہے اور مصیبت کا مقام ہے۔ ہر جولاہا اور حجامِ خواب میں خود کو بادشاہ دیکھتا ہے اور اسے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا اور سوائے نقصان کے کچھ اسے نصیب نہیں ہوتا۔ پس واقعات پر اعتبار نہیں کرنا چاہیے اور (عالم) شہادت میں جو کچھ میسر ہو، وہ اس کا اپنا ہے:

چو غلامِ آفتابم ہمہ از آفتاب گویم نہ شمع نہ شب پرستم کہ حدیثِ خواب گویم

یعنی: چونکہ میں سورج کا غلام ہوں، (لہذا) سب کچھ سورج سے کہتا ہوں، میں نہ رات ہوں، نہ رات کا پجاری کہ خواب کی بات کروں۔

یہی وجہ ہے کہ اکابر نقشبندیہ واقعات کا کوئی اعتبار نہیں کرتے اور طالبین کے واقعات کی تعبیر کی طرف متوجہ نہیں ہوتے، کیونکہ (یہ) کم نفع ہے، معتبر وہی ہے جو افاقہ کی صورت اور بیداری میں میسر آئے۔ لہذا انہوں نے شہود کے دوام کا اعتبار کیا ہے حضور کے تسلسل کو دولت سمجھا ہے۔ وہ حضور جس کے پیچھے غیبت ہو، ان بزرگواروں کے نزدیک اعتبار کے مقام سے ساقط ہے۔ یہی وجہ ہے کہ غیر حق کو بھول جانا ان کے لیے دائمی ہو گیا ہے اور غیر کے خطرے ان کے قلب سے ہمیشہ کے لیے ختم ہو

چکے ہیں۔ ہاں! جس شخص کی انتہاء ابتدا میں درج ہوتی ہے، اس سے یہ کمالات کس طرح بعید ہو سکتے ہیں۔ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا دُنُوبَنَا وَاسْرِافَنَا فِيْ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِيْنَ۔ (سورۃ آل عمران، ۱۷۷)

یعنی: اے ہمارے پروردگار! ہمارے گناہ اور زیادتیاں جو ہم اپنے کاموں میں کرتے رہے ہیں، معاف فرما اور ہم کو ثابت قدم رکھ اور کافروں پر فتح عنایت فرما۔

مکتوب نمبر (۵۹)

پیر زادہ خواجہ محمد عبداللہ سلمہ اللہ تعالیٰ کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ معقول و موہوم اور مکشوف و مشہود سب ماسوا میں داخل ہے اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کا بیان)۔

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰی۔ (سورۃ النمل، ۵۹)

یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اُس کے اُن بندوں پر سلام ہو جن کو اُس نے منتخب فرمایا۔

مکتوب شریف، جو آنکھوں کی ٹھنڈک (خواجہ محمد عبداللہ قدس سرہ) نے ارسال کیا تھا، موصول ہوا۔ لکھا تھا کہ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ کے کرم سے وہ شعبہ برطرف ہو گئے اور اس موضوع سے کچھ بھی نہیں رہا۔ ہمت اس میں مصروف ہے کہ اثبات میں سے کوئی چیز بھی ہاتھ نہ آئے۔ معقول و موہوم سب لا کے نیچے داخل ہیں۔ اور ایسے ہی اور اسی طرح کی اور باتیں بھی لکھی تھیں۔ لیکن یہ چیز ابھی تکلف سے ہے۔ امید ہے کہ بے تکلف بھی نصیب ہوگی۔

اے شرافت کے آثار والے! معقول و موہوم، بلکہ مشہود و مکشوف خواہ آفاقی ہوں اور خواہ انفسی سب ماسوا کے دائرہ میں داخل ہیں اور سب کھیل کود ہے اور شعبہ بازی کی گرفتاری سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔ اس گرفتاری کا زوال اگر تکلف سے ہے تو وہ طریقت میں داخل ہے اور سب علم الیقین میں سے ہے۔ بہر حال اگر یہ دولت بے تکلف میسر ہو جائے اور نفی کے تکلف سے ماسوا کی دوری تک پہنچ جائے تو (سالم) طریقت کی تنگ گزرگاہ سے رہا ہو جاتا ہے اور علم کے کوچے سے باہر آ جاتا ہے اور فنا سے مشرف ہو جاتا ہے۔ یہ بات کہنا تو آسان ہے، لیکن اس تک پہنچنا انتہائی مشکل ہے، مگر جس کے لیے اللہ سبحانہ آسان فرمائے۔

جو کاروبار حقیقت سے تعلق رکھتا ہے، وہ آگے ہے اور نفی سے گزر جانے، بلکہ مقام اثبات کی نفی کرنے میں ہے اور علم (الیقین) کے باہر عین (الیقین) ہے۔

جاننا چاہیے کہ حقیقت کے مقابلے میں طریقت کا کوئی اعتبار نہیں ہے اور نفی کا اثبات کے مقابلے میں کوئی اعتبار نہیں، کیونکہ نفی کا متعلق ممکنات ہیں اور اثبات کا متعلق واجب تعالیٰ ہے اور اثبات کے مقابلے میں نفی ایسے نظر آتی ہے جیسے بحر بیکراں کے مقابلے میں قطرہ۔ اور اس نفی و اثبات کے حاصل ہونے سے ولایتِ خاصہ تک پہنچا جاتا ہے۔ ولایتِ خاصہ حاصل ہونے کے بعد یا تو عروج ہے اور یا نزول۔ اگر چہ اس عروج کے لیے بھی نزول لازم ہے۔

رَبَّنَا اَتْمِمْ لَنَا نُورَنَا وَاغْفِرْ لَنَا جِائِكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ۔ (سورۃ تحریم، ۸)

یعنی: اے ہمارے پروردگار! ہمارا نور ہمارے لیے پورا کر اور ہمیں معاف فرما، بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے۔

وَالسَّلَامُ عَلَیْكُمْ وَ عَلٰی سَائِرِ مَنْ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَ التَّزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْهِ الصَّلٰوَةُ وَالسَّلَامُ۔

یعنی: آپ اور ان تمام لوگوں کو جو ہدایت کی بات مانیں اور (حضرت محمد) مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کو لازم پکڑیں، سلامتی نصیب ہو۔

مکتوب نمبر (۶۰)

محمد تقی کو تحریر فرمایا۔ ان کے مکتوب کے جواب میں اور اس بیان میں کہ دین کی فضولیات (غیر ضروری چیزوں) سے منہ موڑ کر ضروریات دین میں مشغول ہونا چاہیے اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کا بیان)۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی. (سورۃ النمل، ۵۹)

یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اُس کے اُن بندوں پر سلام ہو جن کو اُس نے منتخب فرمایا۔

(فقیر آپ کے) مکتوب شریف کے مطالعہ سے مشرف ہوا۔ جو دلائل آپ کے رہنما بنے ہیں اور جو کچھ آپ نے حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کی حقیقت کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ صدر اول جو خیر القرون ہے، وہ اہل حل و عقد کے اجماع سے ثابت ہے اور خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی افضلیت کے ضمن میں جو کہ ان کی خلافت کی ترتیب سے ثابت ہے اور خیر البشر علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے صحابہ (کرامؓ) کے جھگڑوں اور اختلافات کے بارے میں خاموشی اختیار کرنے کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے، ان سب چیزوں نے بہت زیادہ خوش کیا۔ امامت کی بحث میں یہ اعتقاد کافی ہے اور (یہ) اہل سنت و جماعت شکر اللہ تعالیٰ سَعِیْہُمْ (اللہ تعالیٰ ان کی کوشش کو مشکور فرمائے) کے مطابق ہے۔

اے شفقت کے نشان والے میرے مخدوم! امامت کی بحث دین کے فروعات میں سے ہے، نہ کہ اصول شریعت سے۔ ضروریات دین اور ہیں جو اعتقاد و عمل سے تعلق رکھتی ہیں، جن کا لیل علم کلام اور علم فقہ ہے۔ ضروریات کو چھوڑ کر فضولیات میں مشغول ہونا اپنی عمر کو بے معنی باتوں میں صرف کرنا ہے۔ اور حدیث میں آیا ہے: عَلَامَةُ اِعْوَاضِہِ تَعَالٰی عَنِ الْعَبْدِ اِسْتِغَالَہُ بِمَا لَا یَعْنِیْہُ. (۱)

یعنی: اللہ تعالیٰ کے بندے سے منہ پھیر لینے کی علامت یہ ہے کہ بندہ بے معنی باتوں میں مشغول ہو جائے۔

اگر امامت کی بحث دین کی ضروریات اور اصول شریعت میں سے ہوتی، جیسا کہ شیعہ نے گمان کیا ہے تو پھر حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ اپنی کتاب مجید (قرآن) میں خلافت کی ترتیب کا تعین فرمادیتا اور خلیفہ کی تشخیص کر دیتا اور حضرت نبی (کریم) علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والتسلیمات بھی کسی ایک کی خلافت کا حکم فرمادیتے اور وضاحت و صراحت کے ساتھ کسی ایک کو خلیفہ بنا دیتے۔ چونکہ کتاب و سنت کے اندر اس کام کا اہتمام ظاہر نہیں ہوتا، لہذا معلوم ہوا کہ امامت کی بحث دین کے غیر ضروری امور میں سے ہے، نہ کہ اصول دین میں سے۔ لہذا وہ فضول آدمی ہوگا جو بے معنی باتوں میں مشغول ہوگا۔ اس قدر ضروریات دین درپیش ہیں کہ فضول باتوں کی نوبت ہی نہیں آتی۔

اول اس اعتقاد کی تصحیح سے چارہ نہیں ہے جو واجب جل سلطانہ کی ذات و صفات اور افعال سے تعلق رکھتا ہے۔ نیز اعتقاد کرنا چاہیے کہ جو کچھ نبی (کریم) علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام حق جل و علا کے ہاں سے لائے ہیں اور ضرورت اور دین کے تو اتر سے معلوم ہوا ہے۔ مثلاً حشر و نشر، آخرت کا دائمی عذاب و ثواب اور تمام سنی ہوئی باتیں سب برحق ہیں اور ان میں عدم

وجود کا احتمال نہیں ہے اور اگر یہ اعتقاد نہ ہوگا تو نجات نہیں ہوگی۔

دوم یہ کہ فقہی احکام کے بجالانے کے سوا بھی چارہ نہیں ہے اور فرائض و واجبات کی ادائیگی، بلکہ سنتوں اور مستحبات کی ادائیگی کے بغیر بھی گزارہ نہیں ہے۔ شریعت کے حلال و حرام کی خوب رعایت کرنی چاہیے اور شرعی حدود میں احتیاط کرنی چاہیے، تاکہ آخرت کے عذاب سے فلاح اور خلاصی متصور ہو سکے اور جب (سالم) اعتقاد و عمل درست کر لے تو طریقہ صوفیہ کی باری آتی ہے اور وہ ولایت کے کمالات کا امیدوار بنتا ہے۔ امامت کی بحث ضروریات دین کے مقابلے میں ایسے ہے، جیسے راستے میں پڑا ہوا کوڑا کرکٹ۔

مختصر یہ کہ چونکہ مخالفین نے اس بارے میں مبالغہ کیا ہے اور خیر البشر علیہ علیہم الصلوٰات والتسلیمات کے صحابہ (کرامؓ) پر طعنہ زنی کی ہے، لہذا ضرورت کے تحت ان کے رد میں لمبے چوڑے مقدمات لکھے جاتے ہیں، کیونکہ دین متین سے فساد کو دور کرنے کا التزام کرنا بھی ضروریات دین میں سے ہے۔ والسلام۔

مکتوب نمبر (۶۱)

مرحوم مولانا احمد برکی کی تعزیت میں تحریر فرمایا۔ نیز دوستوں کو نصیحت کرنے اور مولانا حسن کو ان کے حلقہ کا سردار بنانے کے بارے میں اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کے بیان میں)۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ. بَعْدَ الْحَمْدِ وَالصَّلٰوةِ وَتَبْلِغِ الدَّعَوَاتِ.
یعنی: شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تعریف کرنے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجنے اور سلام و دعا پیش کرنے کے بعد۔

(فقیر) التماس کرتا ہے اور مغفرت پناہ مولانا احمد (برکی) رحمۃ اللہ علیہ کی تعزیت کرتا ہے۔ مولانا کا وجود شریف اس وقت میں مسلمانوں کے لیے حق جل و علا کی نشانیوں میں سے ایک نشانی اور حق تعالیٰ کی رحمتوں میں سے ایک رحمت تھا۔
اللّٰهُمَّ لَا تَحْرِمْنَا اَجْرَهُ وَلَا تَفْتِنَا بَعْدَهُ.

یعنی: اے اللہ! تو ہمیں اس کے اجر سے محروم نہ رکھ اور اس کے بعد ہمیں فتنے میں مبتلا نہ فرما۔

یاروں اور دوستوں سے فوت ہو جانے والوں کے لیے امداد و اعانت کی توقع اور سوال ہے اور (مولانا) مرحوم کے فرزندوں اور متعلقین کی خدمت گزاری اور دلجوئی محبین اور مخلصین پر لازم ہے۔ کوشش کریں کہ (مولانا) مرحوم کے فرزند پڑھ جائیں اور شرعی علوم سے آراستہ ہو جائیں۔ (مولانا) مرحوم کے احسان کے بدلے میں ان کے فرزندوں پر احسان کریں۔
هَلْ جَزَاءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ. (سورۃ رحمن، ۶۰) یعنی: نیکی کا بدلہ نیکی کے سوا کچھ نہیں ہے۔

نیز (مولانا) مرحوم کے طور طریقوں اور افعال کی پاسداری کریں اور ان کے احوال اور اوقات کا لحاظ رکھیں اور طریقہ ذکر اور حلقہ مشغولی میں کوئی قصور واقع نہیں ہونا چاہیے اور دوست جمع ہو کر بیٹھیں اور ایک دوسرے میں فانی رہیں، تاکہ صحبت کا اثر ظاہر ہو۔

اس فقیر نے اس سے پہلے اتفاقہ طور پر لکھا تھا کہ اگر مولانا کوئی سفر اختیار کریں تو چاہیے کہ شیخ حسن کو اپنی جگہ پر مقرر

کریں۔ قضا کو بھی سفر مراد تھا۔ اب بھی جب دوبارہ ملاحظہ کرتا ہوں تو شیخ حسن کو اس کام پر متعین پاتا ہوں۔ یہ چیز بعض دوستوں پر گراں نہ گزرے، کیونکہ یہ ہمارے اور ان کے اختیار سے نہیں ہے۔ اطاعت کرنا لازم ہے۔ شیخ حسن کا طریقہ مولانا (مرحوم) کے طریقہ سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے اور مولانا (مرحوم) نے آخر میں جو نسبت اس فقیر سے حاصل کی تھی، شیخ حسن کو بھی اس نسبت میں شرکت حاصل ہے اور دوسرے دوست اس بارے میں کم نصیب ہیں۔ خواہ وہ کشف و شہود پیدا کر لیں اور توحید و اتحاد سے آراستہ ہو جائیں، لیکن یہ دولت دوسری ہے اور یہ کاروبار اور ہے اور ان کشف کو یہاں ایک جہ سے بھی نہیں خریدتے اور اس توحید و اتحاد سے استغفار کرتے ہیں۔

الغرض چاہیے کہ دوست شیخ حسن کی تقدیم (نیابت) میں توقف نہ کریں اور ان کو حلقہ کا سردار سمجھ کر اپنے کام میں مشغول رہیں۔ میرے بھائی خواجہ اولیس دوستوں کو یہ بات ذہن نشین کر کے حلقہ مشغولی کی طرف ان کی رہنمائی کریں اور شیخ حسن کو بھی ترغیب فرمائیں۔ شیخ حسن کو بھی چاہیے کہ اپنے پیر بھائیوں کے دل کی محافظت کریں اور حقوق برادری بجالائیں اور فقہ کی کتابوں کے مطالعہ کو نہ چھوڑیں اور شرعی احکام کی اشاعت فرمائیں اور روشن سنت کی متابعت کی ترغیب دیں اور بدعت سے ڈرائیں اور التجا و زاری کے طریقہ کو ہاتھ سے نہ جانے دیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ دوستوں پر سرداری اور تقدیم کی وجہ سے نفس امارہ ان کو ہلاکت میں ڈال دے اور خراب اور ابتر کر دے۔ وہ ہر وقت خود کو قاصر اور ناقص سمجھیں اور کمال کے طالب رہیں۔ نفس اور شیطان دو مضبوط دشمن گھات میں بیٹھے ہیں، ایسا نہ ہو کہ کہیں راستہ سے ہٹا دیں اور ناکام اور نقصان اٹھانے والا بنادیں:

ہمہ اندر ز من بتو ایں است کہ تو طفلی و خانہ رنگین است

یعنی: میری طرف سے تجھے سب نصیحت یہی ہے کہ تو ایک بچہ ہے اور گھر بڑا رنگین ہے۔

ہندوستان آپ سے دور ہے اور سال میں ایک قافلہ آتا ہے اور خبر لاتا ہے اور لے جاتا ہے۔ احوال لکھتے رہیں۔ اگر پہنچ نہیں سکتے تو (احوال) لکھنے سے غافل نہ رہیں۔

میاں شیخ یوسف ہم سے نزدیک ہیں اور ایک مدت تک یہاں تھے اور انہوں نے بڑے فوائد حاصل کیے اور فنا کی حقیقت سے آگاہ ہو گئے اور دوبارہ آنے کا وعدہ کر کے گھر گئے ہیں۔ وہ سرگرم اور اخلاص کے سچے آدمی ہیں۔
وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ الْمُؤَفَّقُ. یعنی: اور اللہ سبحانہ ہی توفیق دینے والا ہے۔

چونکہ آپ دور ہو گئے ہیں، لہذا نصیحت میں مبالغہ کیا جا رہا ہے۔ ہوشیار رہیں اور سرداری کو اپنی جان کی بلا سمجھیں۔ ڈرتے اور کانپتے رہیں۔ ایسا نہ ہو کہ اس سرداری میں لذت پیدا ہو جائے اور دائمی ہلاکت تک پہنچا دے۔ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَإِسْرَافَنَا فِيْٓ أَمْرِنَا وَثَبِّثْ أَقْدَامَنَا وَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ. (سورۃ آل عمران، ۱۴۷) سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ. وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ. وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ. (سورۃ صافات، ۱۸۰-۱۸۲) یعنی: اے ہمارے پروردگار! ہمارے گناہ اور زیادتیاں جو ہم اپنے کاموں میں کرتے رہے ہیں، معاف فرما اور ہم کو ثابت قدم رکھ اور کافروں پر فتح عنایت فرما۔ یہ جو کچھ بیان کرتے ہیں تمہارا پروردگار جو صاحب عزت ہے، اس سے پاک ہے اور پیغمبروں پر سلام اور سب طرح کی تعریف سارے جہانوں کے پروردگار کو سزاوار ہے۔

مکتوب نمبر (۶۲)

خان خانان کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ انسان مدنی الطبع پیدا کیا گیا ہے اور وہ اپنے تمدن اور زندگی گزارنے میں بنی نوع انسان کا محتاج ہے اور انسان کی خوبی بھی اسی احتیاج میں ہے اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کا بیان)۔

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَىٰ. (سورۃ النمل، ۵۹)

یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اُس کے اُن بندوں پر سلام ہو جن کو اُس نے منتخب فرمایا۔

(فقیر) حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ سے آپ کی ظاہری و باطنی ترقیوں کے لیے سوال کرتا ہے، کیونکہ آپ کی خیر اور بہتری میں مسلمانوں کے جم غفیر کی جمعیت اور آسودگی شامل ہے اور آپ کے لیے دعا، گویا ان سب کے لیے دعا ہے۔ سَلِّمْکُمْ اللّٰهُ سُبْحَانَهُ عَمَّا لَا يَلِيقُ بِجَنَابِكُمْ بِحُرْمَةِ سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمْ وَعَلَىٰ آلِ كُلِّ مِنَ الصَّلَوَاتِ أَفْضَلُهَا وَمِنَ التَّسْلِيمَاتِ أَكْمَلُهَا. یعنی: اللہ سبحانہ و تعالیٰ سید المرسلین (حضرت محمد مصطفیٰ) صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل آپ کو ان تمام چیزوں سے محفوظ رکھے جو آپ کی جناب کے لائق نہیں ہیں۔

(فقیر) آپ کی سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے اکابر قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے ساتھ محبت و ارادت اور اخلاص کی نسبت کے کامل اور اتم ہونے کے بارے میں جانتا ہے، اسی بنا پر زحمت دے رہا ہے۔

میرے مخدوم مکرم! اس سلسلہ عالیہ کے لوگ اس ملک میں اجنبیوں کی مانند ہو گئے ہیں اور اس ملک کے رہنے والوں کو بدعت کے پھیلنے کی وجہ سے ان اکابر کے طریقہ سے، جو کہ سنت کو لازم پکڑنے والے ہیں، کم ہی مناسبت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس سلسلہ کے بعض لوگوں نے (اپنے) قصور نظر کی بنا پر اس طریقہ عالیہ میں بھی بدعتیں اختیار کر لی ہیں اور بدعت کے ارتکاب کی دلچسپی سے لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف مائل کر لیا ہے اور اس عمل کو اپنے گمان سے اس طریقہ عالیہ کی تکمیل خیال کر رکھا ہے۔ اللہ نہ کرے، بلکہ ان لوگوں نے اس طریقہ عالیہ کو خراب اور ضائع کرنے کی کوشش کی ہے اور وہ اس طریقہ عالیہ کے اکابر کے معاملہ کی حقیقت تک نہیں پہنچے ہیں۔ هَذَا هُمْ اللّٰهُ سُبْحَانَهُ سَوَاءَ الصِّرَاطِ.

یعنی: اللہ سبحانہ ان کو سیدھے راستے کی ہدایت بخشنے۔

چونکہ اس سلسلہ عالیہ کے لوگ اس ملک میں بہت تھوڑے ہیں، لہذا اس سلسلہ کے مریدوں اور محبوبوں پر ان اکابر کے خلفاء اور اس طریقہ کے طالبین کی امداد اور اعانت کرنا لازم ہے، کیونکہ آدمی مدنی الطبع بنایا گیا ہے اور وہ تمدن اور زندگی گزارنے میں اپنے بنی نوع کا محتاج ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ. (سورۃ انفال، ۶۴)

یعنی: اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ آپ کو اور مومنوں کو جو آپ کے پیرو ہیں، کافی ہے۔

جب خیر البشر علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کے اہم امور کی کفایت میں مومنوں کو داخل کیا گیا ہے تو پھر دوسروں کے لیے کیا مضائقہ ہے؟ اس وقت کے اکثر دولتمند درویشی سے مراد ضرورت نہ ہونا لیتے ہیں۔ ایسا ہرگز نہیں۔ ضرورت انسان کی ذاتی (خاصیت) ہے، بلکہ تمام ممکنات کی ذاتی (خاصیت) ہے، بلکہ انسان کی خوبی یہی ضرورت ہے، اور اس کی عاجزی اور بندگی

اسی راستے سے پیدا ہے۔ کیونکہ بالفرض اگر انسان سے ضرورت ختم ہو جائے اور وہ استغنا پیدا کر لے تو گناہ و سرکشی اور بغاوت و نافرمانی کے سوا اسے کچھ نصیب نہیں ہوگا۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا ہے: **كَلَّا إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنَّا**۔ (سورۃ علق، ۶-۷) یعنی: بیشک انسان سرکش ہو جاتا ہے، جبکہ خود کو غنی دیکھتا ہے۔

مختصر یہ کہ جو فقرا ماسوا کی گرفتاری سے آزاد ہو چکے ہیں، وہ جو ضرورت اسباب سے متعلق رکھتے ہیں، اسے مسبب الاسباب کے حوالے کر دیتے ہیں اور پھیلی ہوئی دولت کو حق تعالیٰ کے خوانِ نعمت میں سے سمجھتے ہیں اور عطا کرنے والا اور نہ دینے والا حقیقت میں اللہ سبحانہ کو ہی تصور فرماتے ہیں۔ چونکہ اسباب کو حکمتوں اور مصلحتوں کے تحت درمیان میں لایا گیا ہے اور اچھائی اور برائی کو اسباب کے ساتھ منسوب کیا گیا ہے، لہذا یہ بزرگوار بھی شکر اور شکایت کو اسباب کی طرف لوٹا دیتے ہیں اور نیک و بد کو بظاہر انہی اسباب سے سمجھتے ہیں۔ کیونکہ اگر وہ اسباب کو دخل نہ دیں تو اس کا رخا نہ عظیم کو باطل بنا دیں گے۔

رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلًا. (سورۃ آل عمران، ۱۹۱)

یعنی: اے ہمارے پروردگار! تو نے اس (مخلوق) کو بے فائدہ پیدا نہیں کیا۔

سیادت پناہ حقائق و معارف آگاہ میرے پیارے بھائی میر محمد نعمان کا وجود شریف اس علاقے میں غنیمت ہے اور ان کی دعا و توجہ کبریتِ احمر (اکسیرِ اعظم) ہے۔ میں خیال کرتا ہوں کہ ان کی توجہات کی برکتیں اور فیوضات آپ کی دولت کے استحکام کا ذریعہ ہیں اور میں حضور و غیبت میں ان کو آپ کا مددگار اور معاون پاتا ہوں۔ ایک سال سے زیادہ ہوا ہے کہ انہوں نے غائبانہ طور پر آپ کی خوبیاں فقیر کو لکھی تھیں اور آپ کو جو محبت و اخلاص فقیر کے ساتھ حاصل ہے، اس کو بھی وہاں درج کیا تھا اور ظاہر کیا تھا کہ یہاں کی صوبیداری آپ نے کسی اور کے سپرد کی ہے۔ توجہ اور دستگیری کا وقت ہے۔

فقیر کو اس مکتوب کے مطالعہ کے دوران اس بارے میں ایک توجہ حاصل ہوئی اور اس نے آپ کو رفیع القدر پایا۔ بظاہر اسی وقت ایک شخص جانے والا تھا، لہذا اس کے جواب میں (فقیر نے) یہ عبارت لکھی کہ ”خان خانان نظر میں رفیع القدر دکھائی دیتے ہیں۔“ وَالْأَمْرُ عِنْدَ اللَّهِ سُبْحَانَهُ. یعنی: اور معاملہ اللہ سبحانہ کے اختیار میں ہے۔ والسلام۔

مکتوب نمبر (۶۳)

نور محمد انبالی کو تحریر فرمایا۔ ان کے اس استفسار کے جواب میں جو انہوں نے پوچھا تھا کہ اگر پیر کے حیات ہونے کے باوجود کوئی طالب دوسرے شیخ کے پاس چلا جائے اور حق جل و علا کی طلب کرے تو (یہ) جائز ہے یا نہیں؟

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ. بَعْدَ الْحَمْدِ وَالصَّلَاةِ وَتَبْلِغِ الدَّعَوَاتِ.

یعنی: شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تعریف کرنے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجنے اور سلام و دعا پیش کرنے کے بعد۔

(فقیر) التماس کرتا ہے کہ جو مکتوب آپ نے ارسال کیا تھا، وہ پہنچا۔ آپ نے پوچھا تھا کہ پیر کے حیات ہونے کے باوجود اگر کوئی طالب دوسرے شیخ کے پاس چلا جائے اور حق جل و علا کی طلب کرے تو (یہ) جائز ہے یا نہیں؟

جاننا چاہیے کہ مقصود حق سبحانہ ہے اور پیر حق تعالیٰ کی جناب پاک تک پہنچنے کا ایک وسیلہ ہے۔ اگر کوئی طالب اپنی

ہدایت کو دوسرے شیخ کے پاس دیکھے اور اپنے دل کو اس کی صحبت میں حق سبحانہ کے ساتھ جمع پائے تو جائز ہے کہ پیر کی حیات میں پیر کی اجازت کے بغیر یہ طالب اس شیخ کے پاس چلا جائے اور اس سے ہدایت طلب کرے۔ لیکن چاہیے کہ پہلے پیر کا انکار نہ کرے اور اسے نیکی کے سوا یاد نہ کرے۔ خاص کر کے اس زمانے کی پیری و مریدی جو رسم و عادت سے زیادہ کچھ نہیں رہی۔ اس وقت کے اکثر پیر اپنی ہی خبر نہیں رکھتے اور ایمان کو کفر سے جدا نہیں کر سکتے، لہذا وہ اللہ جل شانہ سے کیا خبر دیں گے؟ اور مرید کو کونسا راستہ دکھائیں گے؟

آگہ از خویشتن چو نیست جنین چہ خبر دارد از چنان و چنین
یعنی: ماں کے رحم میں (موجود) بچہ جب خود سے واقف نہیں ہے تو پھر وہ کسی اور کے بارے میں کیا جانے۔
اس مرید پر افسوس ہے جو اس طرح کے پیر پر اعتقاد کر کے بیٹھ رہے اور دوسرے کی طرف رجوع نہ کرے اور اللہ جل شانہ کا راستہ معلوم نہ کرے۔ یہ شیطانی وسوسے ہیں جو ناقص پیر کی حیات کے سبب آکر طالب کو حق سبحانہ سے دور رکھتے ہیں۔ جس جگہ ہدایت اور دل کی جمعیت پائی جائے، وہاں بلا توقف رجوع کرنا چاہیے اور شیطانی وسوسوں سے پناہ طلب کرنی چاہیے۔
مکتوب نمبر (۶۴)

محمد مومن ولد خواجہ علی خان مرحوم کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ احوال کی تبدیلی اور کمینی دنیا کی امیدوں کے حاصل نہ ہونے پر مایوس نہ ہوں اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کا بیان)۔
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ. سَلِّمُکُمْ اللّٰهُ سُبْحَانَهُ عَمَّا لَا یَلِیْقُ بِحَالِکُمْ.
یعنی: اللہ سبحانہ آپ کو ان باتوں سے محفوظ فرمائے جو آپ کے حال کے لائق نہیں۔
الَّذِیْنَ یَسْجُنُ الْمُؤْمِنِ. (یعنی) دنیا مومن کے لیے قید خانہ ہے اور قید خانے کے حال کے مناسب درد و الم اور دکھ اور مصیبت ہے۔ آپ احوال کی تبدیلی سے مایوس نہ ہوں اور امیدوں کے حاصل نہ ہونے پر پریشان نہ ہوں۔
فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا. إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا. (سورۃ انشراح، ۵-۶)
یعنی: سو بیشک مشکل کے ساتھ آسانی بھی ہے (اور) بیشک مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔
ایک تنگی کے ساتھ دو آسانیاں ملی ہوئی ہیں۔ شاید دنیا کی آسانی اور آخرت کی آسانی چاہی گئی ہے:
ع با کریمیاں کارہا دشوار نیست
یعنی: کریم لوگوں کے لیے کام مشکل نہیں ہیں۔

اس علاقے کے باقی احوال سیادت مآب توفیق آثار میرے بھائی میر سید عبدالباقی بالمشافہ بیان کریں گے۔ موصوف آپ کی مہربانیوں اور حقوق کا لحاظ رکھتے ہوئے آپ کی ملاقات گرامی کے لیے متوجہ ہوئے ہیں۔ والسلام۔
مکتوب نمبر (۶۵)

مولانا محمد ہاشم خادم کو تحریر فرمایا۔ بے فائدہ کاموں سے بچنے (کے بیان) میں۔
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ. بَعْدَ الْحَمْدِ وَالصَّلٰوةِ وَتَبْلِیغِ الدَّعَوَاتِ.

یعنی: شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تعریف کرنے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجنے اور سلام و دعا پیش کرنے کے بعد۔

(فقیر) التماس کرتا ہے کہ اس عرصے میں آپ نے اپنے باطنی احوال کی کوئی قابل اعتبار خبر نہیں لکھی تاکہ خوشی کا موجب بنتی۔ دنیا کے امور بے فائدہ کام ہیں۔ دنیا اور جو کچھ اس میں ہے وہ اس لائق نہیں کہ آدمی آخرت کے احوال کی یاد کو چھوڑ کر لغویات میں مشغول ہو جائے۔ اگرچہ آپ کی نیت خیر کی ہوگی، لیکن آپ نے سنا ہوگا:

حَسَنَاتُ الْآبِرَارِ سَيِّئَاتُ الْمُفْرَبِينَ^(۱)۔ یعنی: نیک لوگوں کی نیکیاں مقربین کے لیے گناہ ہیں۔

بہر حال آپ اپنے باطنی احوال کی جانب متوجہ رہیں اور دنیاوی کام (بقدر حاجت) ضروری سمجھیں۔
الصُّرُورَةُ تَقْدَرُ بِقَدَرِهَا۔ یعنی: ضرورت بقدر ضرورت ہی ہونی چاہیے۔

اللہ سبحانہ کی حمد اور احسان ہے کہ یہاں کے فقراء اگرچہ رزق معین نہیں رکھتے، لیکن سعی اور کوشش کے بغیر فراغت و وسعت کے ساتھ زندگی گزار رہے ہیں۔ کفایت سے زیادہ (رزق) پہنچ رہا ہے۔ ہر نیا دن اور نئی روزی ہمیں نصیب ہے۔

اس علاقے کے باقی احوال لائق حمد ہیں۔ ان چند ماہ میں وبا پھیل گئی تھی، جس آدمی کی موت کا وقت آ گیا تھا، وہ مر گیا اور اب (وبا) ختم ہو گئی ہے۔ ہر طرح کی نعمتوں پر اللہ سبحانہ کی حمد اور احسان ہے۔ والسلام۔

مکتوب نمبر (۶۶)

خان خانان کو تحریر فرمایا۔ توبہ و انابت اور ورع و تقویٰ کے بیان میں اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کا بیان)۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ. الْحَمْدُ لِلَّهِ وَسَلَامٌ عَلَى عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَى. (سورۃ النمل، ۵۹)

یعنی: شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔ سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اُس کے اُن بندوں پر سلام ہو جن کو اُس نے منتخب فرمایا۔

چونکہ عمر عزیز گناہوں، لغزشوں، کوتاہیوں اور غلطیوں میں گزاری ہے، لہذا اچھا لگتا ہے کہ (فقیر) توبہ و انابت کے بارے میں بات کرے اور ورع و تقویٰ کے متعلق بیان کرے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَتُوبُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَا الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ. (سورۃ نور، ۳۱) یعنی: اور اے مومنو! سب اللہ کے آگے توبہ کرو، تاکہ تم فلاح پاؤ۔

نیز اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا تَوْبُوا إِلَى اللَّهِ تَوْبَةً نَّصُوحًا ط عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَنْ يُكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ. (سورۃ تحریم، ۸)

یعنی: اے مومنو! اللہ کے آگے صاف دل سے توبہ کرو۔ امید ہے کہ وہ تمہارے گناہ تم سے دور کر دے گا اور تم کو بہشت کے باغوں میں، جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، داخل کرے گا۔

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَذَرُوا ظَاهِرَ الْإِثْمِ وَبَاطِنَهُ. (سورۃ انعام، ۱۲۰)

یعنی: اور ظاہری اور پوشیدہ (ہر طرح کا) گناہ ترک کر دو۔

پس ہر شخص کے لیے گناہوں سے توبہ کرنا واجب اور فرض عین ہے۔ کوئی انسان اس سے مستغنی نہیں ہو سکتا۔ جب انبیاء

علیہم الصلوٰۃ والسلام توبہ سے مستغنی نہیں ہیں تو پھر دوسرے کیسے ہو سکتے ہیں؟ ان کے خاتم اور ان کے سردار (حضرت محمد مصطفیٰ) علیہم الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے: اِنَّهُ لَيَغَانُ عَلٰی قَلْبِيْ وَ اِنِّيْ لَا سَتَغْفِرُ اللّٰهُ فِیْ یَوْمٍ وَ اللَّیْلَةِ سَبْعِیْنَ مَرَّةً^(۱)۔ یعنی: میرے دل پر کچھ غبار سا آجاتا ہے اور میں روزانہ ستر مرتبہ استغفار کرتا ہوں۔

سواگر گناہ اس طرح کے ہیں جن کا تعلق اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے حقوق کے ساتھ ہے اور وہ بندوں کے ساتھ ظلم اور ان کے حقوق سے متعلق نہیں ہیں، جیسے زنا کرنا، شراب پینا، گانے اور راگ کا سنا، غیر محرم کی طرف دیکھنا، بغیر وضو کے قرآن مجید کو ہاتھ لگانا اور بدعت پر اعتقاد رکھنا وغیرہ۔ پس ان کی توبہ ندامت و استغفار اور حسرت و افسوس کے ساتھ بارگاہِ الہی عز و جل میں عذر و خواہی کرنے سے ہے اور اگر فرائض میں سے کوئی فرض ترک ہوا ہے تو توبہ کے ساتھ اس کا ادا کرنا بھی ضروری ہے۔ اگر گناہ کا تعلق لوگوں کے ساتھ مظالم سے ہے تو ان کے ساتھ مظالم کا رد کریں اور ان سے معافی طلب کریں اور ان پر احسان کریں اور ان کے لیے دعا کریں اور اگر صاحب مال و آبرو فوت ہو چکا ہو تو اس کے لیے استغفار کریں اور اس پر احسان کریں اور مال اس کی اولاد اور وارثوں کو لوٹا دیں اور اگر اس کے وارث کو نہ جانتے ہوں تو اس کے مال اور (ایذا کے) گناہ کے برابر صاحب مال کی نیت سے یا جسے ناحق تکلیف دی ہے اس کی نیت سے فقیروں اور مسکینوں پر صدقہ کریں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ہے کہ میں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو، جو کہ صادق تھے، فرماتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مَا مِنْ عَبْدٍ اَذْنَبَ ذَنْبًا فَقَامَ فَتَوَضَّأَ وَ صَلَّى وَ اسْتَغْفَرَ مِنْ ذَنْبِهِ اِلَّا كَانَ حَقًّا عَلٰی اللّٰهِ اَنْ یَّغْفِرَ لَهُ^(۲)۔ یعنی: جب کسی بندہ سے گناہ ہو جائے پھر وہ وضو کرے اور نماز پڑھے اور اللہ سے اپنے گناہ کی معافی مانگے تو وہ اللہ تعالیٰ کو ضرور بخشے والا پائے گا۔

نیز اللہ جل و علا فرماتا ہے: وَمَنْ یَعْمَلْ سُوءًا اَوْ یُظْلِمْ نَفْسَهُ ثُمَّ یَسْتَغْفِرِ اللّٰهُ یَجِدِ اللّٰهُ غَفُورًا رَّحِیْمًا۔ (سورۃ نساء، ۱۱۰) یعنی: اور جو شخص کوئی برا کام کر بیٹھے یا اپنے حق میں ظلم کرے، پھر اللہ سے بخشش مانگے تو اللہ کو بخشنے والا اور مہربان پائے گا۔

نبی کریم علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک دوسری حدیث میں فرمایا ہے: مَنْ اَذْنَبَ ذَنْبًا ثُمَّ نَدِمَ عَلَیْهِ فَهُوَ کَفَّارَتُهُ^(۳)۔ یعنی: جس نے گناہ کیا پھر اُس پر شرمندہ ہوا، یہ ندامت اس کے گناہ کا کفارہ ہے۔

نیز حدیث میں آیا ہے: اِنَّ الرَّجُلَ اِذَا قَالَ اَسْتَغْفِرُکَ وَ اَتُوْبُ اِلَیْکَ ثُمَّ عَادَ ثُمَّ قَالَهَا ثُمَّ عَادَ ثَلَاثًا مَرَّاتٍ کُتِبَ فِیْ الرَّابِعَةِ مِنَ الْکِبَاۓِرِ^(۴)۔ یعنی: جب آدمی کہتا ہے کہ (اے اللہ!) میں تجھ سے بخشش طلب کرتا ہوں اور تیرے حضور توبہ کرتا ہوں۔ پھر اُس نے گناہ کیا۔ پھر ایسے ہی کہا۔ پھر تیسری بار گناہ کیا اور معذرت چاہی۔ پھر چوتھی بار ایسے ہی کیا تو کبیرہ گناہ لکھا جاتا ہے۔

نیز حدیث نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) میں آیا ہے کہ آپ علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: هَلَاکَ الْمُسُوْفُوْنَ یَقُوْلُوْنَ سَوْفَ نَتُوْبُ^(۵)۔ یعنی: وہ لوگ ہلاک ہو گئے جو کہتے ہیں کہ ہم عنقریب توبہ کریں گے۔

لقمان حکیمؑ نے اپنے بیٹے کو وصیت کی کہ اے بیٹا! توبہ کے لیے کل تک کی تاخیر مت کرو، کیونکہ موت اچانک آ جاتی

ہے۔ مجاہدؒ نے کہا ہے کہ جس نے صبح اور شام کے وقت توبہ نہ کی تو وہ ظالموں میں سے ہے۔ نیز (حضرت) عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ سبحانہ نے فرمایا ہے کہ حرام کا لیا ہوا ایک پیسہ واپس کرنا سو پیسے صدقہ کرنے سے بہتر ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ ایک رقی چاندی کا واپس کر دینا اللہ کے نزدیک چھ سو مقبول حج کرنے سے افضل ہے۔ رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا ۖ وَإِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ۔ (سورۃ اعراف، ۲۳) یعنی: اے ہمارے پروردگار! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر تو ہمیں نہیں بخشے گا اور ہم پر رحم نہیں کرے گا تو ہم تباہ ہو جائیں گے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: إِنَّ اللَّهَ يَقُولُ عَبْدِي أَدِمَّا افْتَرَضْتُ عَلَيْكَ تَكُنَّ مِنَ أَعْبَادِ النَّاسِ وَأَنْتَ عَمَّا نَهَيْتُكَ عَنْهُ تَكُنَّ مِنْ أَوْرَعِ النَّاسِ وَأَقْنَعُ بِمَا رَزَقْتُكَ تَكُنَّ مِنَ اغْنَى النَّاسِ۔^(۱) یعنی: بلاشبہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے جو کچھ میں نے تجھ پر فرض کیا ہے وہ ادا کر، پس تو سب لوگوں سے زیادہ عابد بن جائے گا اور جن چیزوں سے میں نے تجھے منع کیا ہے، ان سے رک جا، پس تو سب سے زیادہ متقی ہو جائے گا اور جو کچھ میں نے تجھے رزق دیا اُس پر عنایت کر تو تو سب سے زیادہ غنی ہو جائے گا۔

نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (حضرت) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا: كُنْ وَرِعًا تَكُنْ أَعْبَدَ النَّاسِ۔^(۲) یعنی: پرہیزگار بنو، تم سب لوگوں سے زیادہ عابد بن جاؤ گے۔

(حضرت) حسن بصری رحمہ اللہ سبحانہ نے فرمایا کہ ایک مثقال تقویٰ ہزار مثقال نماز اور روزہ سے بہتر ہے۔
(حضرت) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ کل (قیامت کو) پرہیزگار اور زاہد لوگ اللہ تعالیٰ کے ہم نشین ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف وحی فرمائی کہ میرا تقرب حاصل کرنے کے لیے ورع (پرہیزگاری) سے زیادہ کوئی چیز ضروری نہیں ہے۔

بعض علمائے ربانی نے فرمایا ہے کہ جب تک دس چیزوں کو اپنے اوپر فرض نہ کر لیا جائے اس وقت تک ورع مکمل نہیں ہوتا: پہلی زبان کو غیبت سے محفوظ رکھنا، دوسری بدگمانی سے اجتناب کرنا، تیسری مسخرہ پن سے پرہیز کرنا، چوتھی حرام سے آنکھ کی حفاظت کرنا، پانچویں زبان کی سچائی، چھٹی ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا احسان پہچاننا تاکہ مغرور نہ ہو، ساتویں اپنا مال راہِ حق میں خرچ کرنا اور باطل میں خرچ نہ کرنا، آٹھویں اپنے نفس کے لیے بلندی اور بڑائی طلب نہ کرنا، نویں نماز کی محافظت کرنا، دسویں سنت اور جماعت پر استقامت اختیار کرنا۔ رَبَّنَا آتِنَا لَنَا نُورًا وَاعْفِرْ لَنَا جِائِكَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ۔ (سورۃ تحریم، ۸) یعنی: اے ہمارے پروردگار! ہمارا نور ہمارے لیے پورا کر اور ہمیں معاف فرما، بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے۔

اے میرے مخدوم مکرم! شفقت و کرم کے نشان والے! اگر سب گناہوں سے توبہ نصیب ہو جائے اور تمام حرام اور شبہ والی چیزوں سے ورع اور تقویٰ حاصل ہو جائے تو یہ ایک عظیم نعمت ہے اور ایک اعلیٰ دولت ہے، ورنہ بعض گناہوں سے توبہ اور بعض حرام چیزوں سے بچنا بھی غنیمت ہے۔ شاید ان بعض کی برکات و انوار بعض دوسروں میں بھی اثر کر جائیں اور تمام گناہوں سے توبہ اور بچنے کی توفیق بھی میسر آجائے۔ وَمَا لَا يُذْرَكَ كُلُّهُ لَا يُتْرَكَ كُلُّهُ۔

یعنی: جو چیز پوری حاصل نہ ہو سکے، اسے بالکل ترک نہیں کیا جاسکتا۔

اللَّهُمَّ وَفَّقْنَا لِمَرْضَاتِكَ وَثَبَّتْنَا عَلَى دِينِكَ وَعَلَى طَاعَتِكَ بِصَدَقَةِ سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ وَقَائِدِ الْغُرِّ الْمُحَجَّلِينَ عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمْ وَعَلَى آلِ كُلِّ مِنَ الصَّلَوَاتِ أَفْضَلُهَا وَمِنَ التَّسْلِيمَاتِ أَكْمَلُهَا.

یعنی: اے اللہ! ہمیں سید المرسلین اور قائد الغر المحجلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر اور سب رسولوں پر اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تمام آل (اطہار) پر تمام تر اور کامل تر درود و سلام ہو، کے صدقے اپنی رضامندی کی توفیق عطا فرما اور اپنے دین اور اطاعت پر ثابت قدمی نصیب فرمایا۔

مکتوب نمبر (۶۷)

خان جہاں کو تحریر فرمایا۔ اہل سنت و جماعت رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے عقائد کے بیان میں۔ نیز اسلام کے پانچ ارکان اور کلمہ حق کہنے کی ترغیب دینے یعنی کلمہ اسلام کو بادشاہ وقت کے کانوں تک پہنچانے کا بیان اور جو کچھ اس کے مناسب ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ. الْحَمْدُ لِلَّهِ وَسَلَامٌ عَلَى عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَى. (سورۃ النمل، ۵۹)
یعنی: شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔ سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اُس کے اُن بندوں پر سلام ہو جن کو اُس نے منتخب فرمایا۔

آپ نے جو مکتوب شریف کرم اور مہربانی فرماتے ہوئے نامراد فقراء کے نام ارسال فرمایا تھا، وہ پہنچا۔ اللہ سبحانہ کی حمد ہے کہ اس شبے واشتبہ سے پُر زمانے میں بھی سعادت مند و ملت مند لوگ اپنے حسن فطرت کی بدولت بے مناسبتوں کے باوجود عاجز فقراء کے ساتھ نیاز مندی رکھتے ہیں اور انہیں اس گروہ پر ایک یقین حاصل ہے۔ کیسی نعمت ہے کہ گونا گوں تعلقات اس دولت کے حاصل کرنے میں رکاوٹ نہیں بنے ہیں اور پراگندہ توجہات نے ان کی محبت سے باز نہیں رکھا۔ اس عظیم نعمت کا شکر ادا کرنا چاہیے اور اُمیدوار رہنا چاہیے، کیونکہ نبی کریم علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی حدیث (مبارک) ہے:

الْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ. ^(۱) یعنی: آدمی اس کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت کرتا ہے۔

اے سعادت اور نجابت کے نشان والے! آدمی کو فرقہ ناجیہ اہل سنت و جماعت رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جو سواد اعظم اور جم غفیر ہیں، کے عقائد کے مطابق اپنے عقائد کو درست کرنے کے سوا چارہ نہیں، تاکہ آخرت کی فلاح اور نجات نصیب ہو سکے۔ اعتقاد کی گندگی، جو اہل سنت و جماعت کے معتقدات کے مخالف ہے، وہ زہر قاتل ہے جو ابدی موت اور دائمی عذاب تک پہنچا دیتی ہے۔ عمل میں سستی و کاہلی مغفرت کی امید رکھتی ہے لیکن اعتقادی غفلت مغفرت کی گنجائش نہیں رکھتی۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ. (سورۃ نساء، ۴۸)

یعنی: اللہ اس گناہ کو نہیں بخشتے گا کہ کسی کو اس کا شریک بنایا جائے اور اس کے سوا اور گناہ جس کو چاہے معاف کر دے۔
(فقیر) اہل سنت و جماعت کے معتقدات ^(۲) کو مختصر طور پر بیان کرتا ہے، ان کے مطابق عقائد کو درست فرمالینا چاہیے اور حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ سے اس دولت پر استقامت کے لیے عاجزی و زاری سے التجا کرنی چاہیے۔

جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اپنی قدیم ذات کے ساتھ موجود ہے اور باقی تمام چیزیں اللہ سبحانہ کی ایجاد سے موجود ہوئی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی تخلیق سے عدم سے وجود میں آئی ہیں۔ سو اللہ تعالیٰ قدیم و ازلی ہے اور چیزیں سب حادث اور نئی پیدا کی ہوئی ہیں اور جو ذات قدیم و ازلی ہے، وہ ابدی ہے اور جو چیز حادث اور بعد کی پیدا کی ہوئی ہے، وہ فانی اور نیست ہونے والی ہے یعنی زوال کا شرف پانے والی ہے۔

اللہ سبحانہ واحد ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں، نہ وجود کے وجوب میں اور نہ ہی عبادت کے مستحق ہونے میں۔ اللہ تعالیٰ کے سوا وجود کا وجوب کسی کے لائق نہیں اور حق سبحانہ کے سوا عبادت کا کوئی مستحق نہیں۔

اللہ تعالیٰ کی صفات کاملہ ہیں۔ ان میں سے حیات و علم، قدرت و ارادت، سمع و بصر اور کلام و تکوین ہیں جو قدم اور ازلیت کے ساتھ موصوف ہیں اور حق جل سلطانہ کی ذات سے قائم ہیں۔ حوادث کے تعلقات صفات کے قدم میں خلل نہیں ڈالتے اور متعلق کا حدوث ان کی ازلیت کا مانع نہیں بنتا۔ فلاسفہ بیوقوفی سے اور معتزلہ اندھے پن سے متعلق کے حدوث سے متعلق کے حدوث کو مانتے ہیں اور صفات کاملہ کی نفی کرتے ہیں اور حق تعالیٰ کو جزئیات کا عالم نہیں سمجھتے، جس سے تغیر لازم آتا ہے جو حدوث کی علامت ہے اور نہیں سمجھتے کہ صفات ازلی ہیں اور صفات کے متعلقات حادثہ سے جو تعلقات ہیں، وہ حادث ہیں۔

نفائص کی صفات حق تعالیٰ کی جناب پاک سے مسلوب ہیں اور حق تعالیٰ جو اہر و اجسام اور اعراض کی صفات و لوازمات سے منزہ ہے۔ زمان و مکان اور جہت کو حضرت حق تعالیٰ (کی ذات اقدس) میں گنجائش نہیں ہے، یہ سب اس کی مخلوق ہیں۔ وہ شخص بے خبر ہے جو حق سبحانہ کو عرش کے اوپر سمجھتا ہے اور اوپر کی جہت کو ثابت کرتا ہے۔ عرش اور اس کے علاوہ جو کچھ ہے، سب حادث ہیں اور حق تعالیٰ کی مخلوق ہیں۔ مخلوق اور حادث کی کیا مجال کہ وہ خالق قدیم کا مکان بنے اور اس کے قرار کی جگہ ہو سکے۔ اتنا ہے کہ عرش حق تعالیٰ کی مخلوقات میں اشرف ہے اور اس میں نورانیت و صفاسب ممکنات سے زیادہ ہے، لہذا یقیناً وہ ایسے آئینے کا حکم رکھتا ہے جس میں خالق جلا و علا کی عظمت اور کبریائی ظاہر و عیاں ہے۔ اس ظہور کی مناسبت سے اس کو عرش اللہ کہتے ہیں، ورنہ عرش وغیرہ سب (چیزیں) حق تعالیٰ کے ہاں برابر ہیں کہ سب حق تعالیٰ کی مخلوق ہیں، لیکن عرش کو نمائندگی (آئینہ داری) کی قابلیت (حاصل) ہے اور دوسروں کو نہیں ہے۔ آئینہ جو آدمی کی صورت دکھاتا ہے، نہیں کہا جاسکتا کہ وہ آدمی (اس) آئینے میں ہے، بلکہ اس آدمی کی نسبت اور دوسری تمام چیزوں کی نسبت آئینے کے سامنے برابر ہے۔ فرق صرف قبول کرنے کی قابلیت کا ہے۔ آئینہ آدمی کی صورت کو قبول کرتا ہے اور دوسرے یہ قابلیت نہیں رکھتے۔

حق تعالیٰ جسم اور جسمانی نہیں ہے۔ جوہر اور عرض نہیں ہے۔ محدود اور متناہی نہیں ہے۔ طویل اور عریض نہیں ہے۔ دراز اور کوتاہ نہیں ہے۔ فراخ اور تنگ نہیں ہے، بلکہ واسع ہے، لیکن اس وسعت میں نہیں جو ہماری فہم میں آجائے۔ وہ محیط ہے، لیکن اس احاطہ میں نہیں جو ہمارے ادراک میں آسکے۔ وہ قریب ہے، لیکن اس قرب میں نہیں جو ہمارے عقل میں آتا ہے اور وہ ہمارے ساتھ ہے، لیکن متعارف و معروف معیت میں نہیں ہے۔ ہم ایمان لاتے ہیں کہ وہ واسع ہے اور محیط ہے اور قریب ہے اور ہمارے ساتھ ہے، لیکن ہم ان صفات کی کیفیت کو نہیں جانتے کہ کیسی ہیں اور جو کچھ ہم جانتے ہیں وہ یہی جانتے ہیں کہ مذہب مجسمہ (جسم کے قائل ہونے کے مذہب) میں قدم رکھنا ہے۔

حق تعالیٰ کسی چیز کے ساتھ متحد نہیں ہوتا اور کوئی چیز اس کے ساتھ متحد نہیں ہوتی اور کوئی چیز حق تعالیٰ میں حلول نہیں کرتی اور حق تعالیٰ کسی چیز میں حلول نہیں کرتا اور بعض و تجزی (حصہ حصہ ہونا اور جز جز ہونا) حق تعالیٰ کی جناب پاک میں محال ہے اور ترکیب و تحلیل (جڑنا اور ٹکڑے ٹکڑے ہونا) اس کی ذاتِ جل شانہ میں غیر ممکن ہے۔

حق سبحانہ کا مثل اور برابر کوئی نہیں ہے اور (اس کی) بیوی اور فرزند بھی نہیں ہیں۔ حق تعالیٰ کی ذات اور صفات بے مثل اور بے مثال ہیں، بے شبہ اور بے نمونہ ہیں۔ ہم اتنا ہی جانتے ہیں کہ حق تعالیٰ ہے اور وہ ان اسماء و صفاتِ کاملہ کے ساتھ موصوف ہے جن سے اس نے خود اپنی تعریف کی ہے۔ لیکن ان میں سے جو چیز ہماری سمجھ اور ادراک میں آتی ہے اور ہمارے عقل اور تصور میں آتی ہے، حق تعالیٰ اس سے منزہ اور بالاتر ہے، جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔ لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ (سورۃ الانعام، ۱۰۳) یعنی: وہ ایسا ہے کہ نگاہیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں۔

دور بینانِ بارگاہِ اُلت بئش ازیں پے نبرده اند کہ ہست

یعنی: بارگاہِ اُلت کے دور بین اس سے زیادہ کچھ نہیں سمجھ سکے کہ وہ ہے۔

جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماءِ توفیقی ہیں۔ یعنی صاحبِ شرع سے سننے پر موقوف ہیں۔ شرع شریف میں جس اسم کا اطلاق حضرت حق سبحانہ پر ہوا ہے، اسی کا اطلاق کرنا چاہیے اور جو نہیں آیا اس کا اطلاق نہیں کرنا چاہیے، خواہ اس اسم میں کمال کے معنی پائے جاتے ہوں۔ مثلاً جواد کا اطلاق کرنا چاہیے، کیونکہ یہ شریعت میں آیا ہے اور نخی نہیں کہنا چاہیے، کیونکہ وہ نہیں آیا۔ قرآن اللہ جل سلطانہ کا کلام ہے جو حرف اور آواز کے لباس میں ظاہر کر کے ہمارے پیغمبر علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل کیا گیا ہے اور بندوں کو اس کے ذریعے امر و نہی کا حکم فرمایا ہے۔ جس طرح ہم اپنے کلامِ نفسی کو حلق اور زبان کی وساطت سے حرف اور آواز کے لباس میں لا کر ظاہر کرتے ہیں اور اپنے مخفی مقاصد کو میدانِ ظہور میں لاتے ہیں۔ اسی طرح حضرت حق سبحانہ نے اپنے کلامِ نفسی کو حلق اور زبان کی وساطت کے بغیر اپنی قدرتِ کاملہ سے حرف اور آواز کا لباس عطا فرما کر اپنے بندوں پر بھیجا ہے اور اپنے پوشیدہ اوامر اور نواہی کو حرف اور آواز کی صورت میں لا کر منصفہ ظہور پر جلوہ گر فرمایا ہے۔ سو کلام کی دونوں اقسام نفسی اور لفظی حق جل و علا کا کلام ہیں اور دونوں اقسام پر کلام کا اطلاق کرنا حقیقت کے طور پر ہے، جیسا کہ ہمارے دونوں طرح کے کلام نفسی اور لفظی حقیقت کے طور پر ہمارے ہی کلام ہیں۔ (یہ) نہیں ہے کہ پہلی قسم حقیقت ہے اور دوسری مجاز ہے۔ کیونکہ مجاز کی نفی جائز ہے اور کلامِ لفظی کی نفی کرنا اور کلامِ اللہ نہ کہنا کفر ہے۔ اسی طرح دوسری کتابیں اور صحیفے جو پہلے انبیاء علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل فرمائے گئے ہیں، سب حق سبحانہ کا کلام ہیں اور جو کچھ قرآن اور ان کتابوں اور صحیفوں میں درج ہے، وہ اللہ جل سلطانہ کے احکام ہیں، جن کے ساتھ (حق تعالیٰ نے) ہر زمانے کے مطابق بندوں کو مکلف فرمایا ہے۔

مومنوں کا بہشت میں حضرت حق سبحانہ کا بے جہت، بے مقابلہ، بے کیف اور بے احاطہ دیدار کرنا برحق ہے۔ ہم آخرت کے اس دیدار (الہی) پر ایمان رکھتے ہیں اور اس کی کیفیت میں مشغول نہیں ہوتے، کیونکہ حق تعالیٰ کا دیدار بے مثل ہے اور اس جہان میں اربابِ مثل پر اس کی حقیقت ظاہر نہیں ہوتی اور اس پر ایمان لانے کے سوا ان کا (کوئی) نصیب نہیں

ہے۔ فلاسفہ، معتزلیوں اور باقی بدعتی فرقوں پر افسوس ہے جو اپنی بد نصیبی اور اندھے پن کی وجہ سے آخرت کے دیدار (الہی) کا انکار کرتے ہیں اور غائب کا قیاس حاضر پر کرتے ہیں اور اس پر ایمان لانے کی دولت سے بھی مشرف نہیں ہوتے۔

حق تعالیٰ جس طرح بندوں کا خالق ہے، اسی طرح ان کے افعال کا بھی خالق ہے۔ وہ فعل خیر ہو یا شر، سب حق تعالیٰ کی تقدیر سے ہے۔ لیکن وہ خیر سے راضی ہے اور شر سے راضی نہیں ہے۔ اگرچہ دونوں ہی حق سبحانہ کی ارادت اور مشیت سے ہیں، لیکن جاننا چاہیے کہ صرف شر بے ادبی کی وجہ سے حق تعالیٰ کی طرف منسوب نہیں کرنا چاہیے اور (اسے) خَالِقُ الشَّرِّ نہ کہنا چاہیے، بلکہ خَالِقُ الْخَيْرِ وَالشَّرِّ کہنا چاہیے۔ جیسا کہ (علماء نے) کہا ہے کہ حضرت سبحانہ کو خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ کہنا چاہیے اور حق تعالیٰ کی جناب پاک کو ادب کا لحاظ رکھتے ہوئے خَالِقُ الْقَادُورَاتِ وَالْخَنَازِيرِ (گندگیوں اور خنزیریوں کو پیدا کرنے والا) نہیں کہنا چاہیے۔ معتزلہ جو دو خداؤں کو مانتے ہیں، وہ اس کی وجہ سے افعال کا خالق بندے کو سمجھتے ہیں اور فعل کی اچھائی اور برائی کو بندے کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ شرع اور عقل ان کی تکذیب فرماتے ہیں۔ ہاں! علمائے حق نے بندے کی قدرت کو اس کے فعل میں دخل دیا ہے اور بندے میں کسب (اختیار) کو ثابت کیا ہے۔ کیونکہ رعشے کی حرکت اور اختیاری حرکت میں واضح فرق ہے۔ بندے کی قدرت اور کسب کا رعشے کی حرکت میں کوئی دخل نہیں ہے اور اختیاری حرکت میں دخل ہے۔ اتنا ہی فرق مواخذہ کا موجب بنتا ہے اور ثواب اور عذاب کو ثابت کرتا ہے۔ اکثر لوگ بندے کی قدرت اور اختیار میں تردد رکھتے ہیں اور بندے کو بے بس اور عاجز سمجھتے ہیں۔ انہوں نے علماء کی مراد کو نہیں سمجھا۔ بندے کی قدرت اور اختیار کا ثبوت اس معنی کے اعتبار سے نہیں ہے کہ بندہ جو کچھ چاہے وہ کر لے اور جو نہ چاہے وہ نہ کرے۔ یہ بات خود ہی بندگی سے دور ہے۔ بلکہ اس معنی کے اعتبار سے ہے کہ جس چیز کا مکلف ہوا ہے، اس سے وہ عہدہ برآ ہو سکتا ہے۔ مثلاً وہ پانچ وقت کی نماز ادا کر سکتا ہے اور چالیس میں سے ایک (روپیہ) زکوٰۃ دے سکتا ہے اور بارہ مہینے میں سے ایک ماہ روزے رکھ سکتا ہے اور اپنی عمر میں توشہ اور سواری رکھتے ہوئے ایک بار حج ادا کر سکتا ہے۔ نیز اسی طرح باقی شرعی احکام ہیں جن میں حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ نے بندے کے ضعف اور کمزوری کے پیش نظر کمال مہربانی سے سہولت اور آسانی کی رعایت فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ. (سورۃ بقرہ، ۱۸۵)

یعنی: اللہ تعالیٰ تمہارے حق میں آسانی چاہتا ہے اور سختی نہیں چاہتا۔

نیز اللہ جل سلطانہ نے فرمایا ہے: يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُخَفِّفَ عَنْكُمْ وَخَلَقَ الْإِنْسَانَ ضَعِيفًا. (سورۃ نساء، ۲۸)

یعنی: اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم پر سے سخت تکلیفوں کا بوجھ ہلکا کر دے اور انسان (طبعاً) کمزور پیدا ہوا ہے، شہوات سے صبر نہیں کر سکتا اور سخت تکلیفوں کو برداشت نہیں کر سکتا۔

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات مخلوق کی طرف حق جل شانہ کے بھیجے ہوئے ہیں، تاکہ ان کو حق تعالیٰ کی جانب بلائیں اور گمراہی سے (نکال کر سیدھے) راستے پر لے آئیں۔ جو شخص ان کی دعوت کو قبول کرے، وہ اس کو بہشت کی بشارت دیں اور جو آدمی انکار کرے اُس کو دوزخ کے عذاب سے ڈرائیں۔ انہوں نے جو پیغام حق جل و علا سے پہنچایا ہے اور آگاہ فرمایا ہے، وہ سب برحق اور سچ ہے، اس میں اختلاف کا شبہ نہیں ہے اور حضرت محمد رسول اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی وَسَلَّم عَلَیْہِ

وَعَلَىٰ آلِهِ وَعَلَيْهِمْ أَجْمَعِينَ خاتم انبیاء ہیں اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دین پہلے دینوں کا نسخہ ہے اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی کتاب (قرآن مجید) پہلی تمام کتابوں سے بہترین ہے اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شریعت منسوخ نہیں ہوگی، بلکہ قیامت قائم ہونے تک باقی رہے گی اور (حضرت) عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام جب نزول کریں گے تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شریعت پر عمل کریں گے اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے امتی کی حیثیت سے رہیں گے۔

نبی کریم علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والتسلیمات نے آخرت کے حالات سے جو خبر دی ہے، سب برحق ہے۔ قبر کا عذاب، اس کی تنگی اور اس میں منکر و نکیر کا سوال (کرنے)، دنیا کا فنا ہونا، آسمانوں کا پھٹنا اور ستاروں کا گر پڑنا، زمین اور پہاڑوں کا اٹھا لیا جانا اور ان کا ریزہ ریزہ ہو جانا، (قبروں سے جی) اٹھنا اور زندہ ہونا، روح کا جسم میں واپس ڈالنا، قیامت کا زلزلہ، قیامت کا خوف، اعمال کا حساب و کتاب، کیے گئے اعمال پر اعضاء کی گواہی، نیکیوں اور برائیوں کے اعمال ناموں کا دائیں اور بائیں ہاتھ میں اڑ کر آنا، میزان کا رکھے جانا، تاکہ اس کے ذریعے نیکیوں اور برائیوں کا وزن کریں اور نیکی اور برائی کی کمی و زیادتی معلوم کریں۔ اگر نیکیوں کا پلڑا بھاری ہوا تو یہ نجات کی علامت ہے اور اگر ہلکا ظاہر ہوا تو یہ نقصان کی علامت ہے۔ اس میزان کا بھاری ہونا اور ہلکا ہونا دنیا کے ترازو کے الٹ ہے۔ وہاں جو پلڑا اوپر جائے وہ بھاری ہے اور جو نیچے رہے وہ ہلکا ہے۔

قیامت کے روز اول انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کا اور پھر صلحاء کا قیامت کے دن کے مالک جل سلطانہ کے اذن سے گنہگار مومنوں کے لیے شفاعت کرنا ثابت ہے۔ نبی کریم علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے: شَفَاعَتِي لِأَهْلِ الْكِبَايَرِ مِنْ أُمَّتِي^(۳)۔ یعنی: میری شفاعت میری امت میں سے کبیرہ گناہ کرنے والوں کے لیے ہوگی۔

پل صراط جو دوزخ کی پشت پر رکھیں گے اور مومن اس کو عبور کر کے بہشت میں جائیں گے اور کافر لرزتے ہوئے پاؤں سے دوزخ میں گر پڑیں گے، (یہ) سب برحق اور ثابت ہے۔

بہشت جو مومنوں کی راحت و آسودگی کے لیے تیار کی گئی ہے اور دوزخ کافروں کے عذاب کے لیے بنی ہے۔ دونوں مخلوق ہیں اور ابد الابد تک باقی رہیں گی اور فنا نہیں ہوں گی۔ حساب و کتاب کے بعد جب مومن بہشت میں جائیں گے تو ہمیشہ بہشت میں رہیں گے اور بہشت سے باہر نہیں نکالے جائیں گے اور اسی طرح کافر جب دوزخ میں جائیں گے تو ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے اور ابد الابد تک انہیں عذاب دیا جائے گا اور ان کے عذاب میں کوئی کمی جائز نہیں قرار پائی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ۔ (سورۃ بقرہ، ۱۲۲)

یعنی: ان سے نہ تو عذاب ہی ہلکا کیا جائے گا اور نہ انہیں کچھ مہلت ملے گی۔

جس شخص کے دل میں ذرہ بھرا ایمان ہوگا، اسے گناہوں کی زیادتی کے سبب اگر دوزخ میں ڈالیں گے تو گناہ کے مطابق اسے عذاب دیا جائے گا اور آخر کار اسے دوزخ سے نکال لیں گے اور نیز اس کا چہرہ سیاہ نہیں کریں گے جس طرح کہ کافروں کا سیاہ کریں گے اور نیز اسے طوق و زنجیر نہیں ڈالیں گے جیسا کہ کافروں کے ساتھ کریں گے، اس کے ایمان کی حرمت کی وجہ سے۔

فرشتے جو اللہ جل و علا کے مکرم بندے ہیں، اللہ جل شانہ کے حکم کی نافرمانی ان کے لیے جائز نہیں ہے۔ جس چیز پر

مامور ہیں، اس فعل کو بجالاتے ہیں۔ وہ میاں بیوی ہونے سے پاک ہیں۔ بچے پیدا کرنا اور نسل بڑھانا ان کے لیے مفقود ہے۔ ان میں سے بعض کو حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ نے رسالت کے لیے منتخب کیا ہے اور وحی پہنچانے سے مشرف فرمایا ہے۔ انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کو کتابیں اور صحیفے پہنچانے والے وہ ہیں جو خطا اور خلل سے محفوظ ہیں اور دشمن کے فریب و مکر سے معصوم ہیں۔ انہوں نے حضرت حق سبحانہ سے جو کچھ پہنچایا ہے، وہ سب سچ اور درست ہے اور احتمال و اشتباہ کا شبہ نہیں رکھتا۔ یہ بزرگوار حق سبحانہ کی عظمت و جلال سے ڈرتے ہیں اور (اس کے) حکموں کو بجالانے کے سوا کوئی کام نہیں رکھتے۔

ایمان اس چیز کی قلب سے تصدیق کرنا اور زبان سے اقرار کرنا ہے جو دین سے توازن اور ضرورت کے ساتھ مختصر اور مفصل طور پر ہم تک پہنچا ہے۔ اعضاء کے اعمال نفسِ ایمان سے خارج ہیں، لیکن وہ ایمان میں کمال کا اضافہ کرتے ہیں اور (اس میں) حسن پیدا کرتے ہیں۔

امام اعظم کو فی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایمان زیادتی اور نقصان قبول نہیں کرتا، کیونکہ تصدیق قلبی نفسِ ایمان اور قلب کے یقین سے عبارت ہے جس میں کمی و بیشی کے فرق کی گنجائش نہیں ہے اور جو چیز فرق کو قبول کرے وہ گمان اور وہم کے دائرہ میں داخل ہے۔ ایمان میں کمال اور نقص طاعات اور نیکیوں کے اعتبار سے ہے۔ جتنی طاعت زیادہ ہوگی اتنا ہی ایمان میں کمال کی زیادتی ہوگی۔ سو عام مومنوں کا ایمان انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کے ایمان کی مانند نہیں ہوتا، کیونکہ وہ ایمان طاعات کے ساتھ قریب ہونے کی وجہ سے کمال کی اس اعلیٰ بلندی پر پہنچا ہوا ہے کہ عام مومنوں کا ایمان اس کی گرد تک بھی نہیں پہنچ سکتا۔ اگرچہ یہ دونوں ایمان، نفسِ ایمان میں شرکت رکھتے ہیں، لیکن اس ایمان نے طاعات کے ساتھ قریب ہونے کی وجہ سے ایک اور حقیقت پیدا کر لی ہے۔ دوسروں کا ایمان گویا اس ایمان کا فرد نہیں ہے اور ان کے درمیان مماثلت اور مشارکت مفقود ہے۔ عام انسان اگرچہ نفسِ انسانیت میں انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کے ساتھ شریک ہیں، لیکن انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کو دوسرے کمالات نے اعلیٰ درجات پر پہنچا دیا ہے اور ایک اور حقیقت ثابت کی ہے، گویا وہ حقیقت مشترکہ سے اعلیٰ و برتر ہیں، بلکہ انسان یہی ہیں اور عام لوگ بن مانس کا حکم رکھتے ہیں۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اَنَا مُؤْمِنٌ حَقًّا۔ یعنی: میں یقیناً مومن ہوں اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اَنَا مُؤْمِنٌ اِنْشَاءً اللّٰہُ تَعَالٰی۔ یعنی: میں انشاء اللہ تعالیٰ مومن ہوں۔ ہر ایک کے لیے ایک وجہ ہے۔ ایمانِ حال کے اعتبار سے کہا جاسکتا ہے کہ اَنَا مُؤْمِنٌ حَقًّا۔ اور انجام اور خاتمہ کے اعتبار سے کہا جاسکتا ہے کہ اَنَا مُؤْمِنٌ اِنْشَاءً اللّٰہُ تَعَالٰی، لیکن جس وجہ سے بھی کہیں استثناء (اِنْشَاءً اللّٰہُ) سے اجتناب کرنا بہتر ہے۔

مومن گناہ کرنے سے، خواہ وہ کبیرہ ہوں، ایمان سے خارج نہیں ہوتا اور کفر کے دائرہ میں داخل نہیں ہوتا۔ منقول ہے کہ ایک روز امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ علماء کی ایک جماعت کے ہمراہ بیٹھے تھے۔ ایک شخص نے آکر پوچھا کہ آپ لوگ اس فاسق مومن کے بارے میں کیا کہتے ہیں جو اپنے باپ کو ناحق مار ڈالے اور اس کے سر کو تن سے جدا کر دے اور اس کے سر کے پیالہ میں شراب ڈالے اور پئے اور شراب پینے کے بعد اپنی ماں کے ساتھ زنا کرے۔ آیا وہ مومن ہے یا کافر؟ علماء میں سے ہر ایک نے اس بارے میں غلطیاں کیں اور معاملہ سے دور چلے گئے۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اس اثنا میں فرمایا کہ وہ مومن ہے اور ان کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کرنے کی وجہ سے وہ ایمان سے خارج نہیں ہوا ہے۔ امام (اعظم رحمۃ اللہ علیہ) کی یہ بات علماء پر گراں گزری اور انہوں نے طعن و تشنیع میں زبان درازی کی۔ آخر کار چونکہ امام (اعظم رحمۃ اللہ علیہ) کی بات برحق تھی، لہذا سب نے (اسے) قبول کیا اور اعتراف فرمایا۔

اگر گنہگار مومن نے حالتِ نزع سے پہلے توبہ کی تو فیق پالی تو نجات کی بڑی امید ہے، کیونکہ توبہ کی قبولیت کا وعدہ ہے اور اگر وہ توبہ اور انابت سے مشرف نہ ہوا تو پھر اس کا معاملہ اللہ جل سلطانہ کے سپرد ہے۔ اگر چاہے تو معاف کرے اور بہشت میں بھیج دے اور اگر چاہے تو گناہ کے مطابق آگ (دوزخ) میں یا بغیر آگ (دوزخ) کے عذاب دے اور آخر کار اس کے لیے نجات ہے اور اس کا انجام بہشت میں ہے۔ کیونکہ آخرت میں اللہ جل سلطانہ کی رحمت سے مایوس ہونا کافروں کے لیے مخصوص ہے اور جو شخص ذرہ بھر ایمان رکھتا ہے، وہ رحمت کا امیدوار ہے۔ اگر وہ گناہ کی بدولت شروع میں رحمت تک نہ پہنچ سکا تو بھی آخر میں اللہ سبحانہ کی عنایت سے یہ اسے میسر ہوگی۔ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ. (سورۃ آل عمران، ۸)

یعنی: اے ہمارے پروردگار! جب تو نے ہمیں ہدایت بخشی ہے تو اس کے بعد ہمارے دلوں میں کبھی نہ پیدا فرما اور ہمیں اپنے ہاں سے نعمت عطا فرما، تو تو بہت بڑا عطا فرمانے والا ہے۔

خلافت و امامت کی بحث اہل سنت و جماعت شکر اللہ تعالیٰ سَعِيَهُمْ (اللہ تعالیٰ ان کی کوشش کو مشکور فرمائے) کے ہاں اگرچہ اصولِ دین میں سے نہیں ہے اور اعتقاد سے تعلق نہیں رکھتی۔ لیکن چونکہ شیعہ نے اس بارے میں غلو کیا ہے اور افراط و تفریط کیا ہے، لہذا علمائے اہل حق رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ضرورت کے تحت اس بحث کو علم کلام کے ساتھ وابستہ کیا ہے اور حقیقتِ حال کو بیان فرمایا ہے۔

حضرت خاتم الرسل علیہ وسلم الصلوٰات والتسلیمات کے بعد امام برحق اور خلیفہ مطلق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، ان کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، ان کے بعد حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، ان کے بعد حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اور ان کی افضلیت ان کی خلافت کی ترتیب سے ہے۔

حضراتِ شیخین (حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ) کی افضلیت صحابہ (کرامؓ) اور تابعین کے اجماع سے ثابت ہو چکی ہے۔ جیسا کہ اس کو اکابر ائمہ نے نقل کیا ہے، جن میں سے ایک امام شافعی (رحمۃ اللہ علیہ) ہیں۔ شیخ ابوالحسن اشعری (رحمۃ اللہ علیہ)، جو اہل سنت کے سردار ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ شیخینؓ کی افضلیت باقی امت پر قطعی ہے۔ باقی صحابہ (کرامؓ) پر شیخینؓ کی افضلیت کا انکار جاہل اور متعصب کے سوا کوئی نہیں کرتا۔ حضرت امیر (علی) کرم اللہ تعالیٰ وجہہ فرماتے ہیں کہ جو شخص مجھے ابوبکر اور عمر (رضی اللہ عنہما) پر فضیلت دے، وہ تہمت لگانے والا ہے، میں اس کو اس طرح کوڑے لگاؤں گا جس طرح تہمت لگانے والے کو لگاتے ہیں۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ کتاب غنیۃ الطالبین، جو ان کی تصنیفات میں سے ہے، میں فرماتے ہیں اور ایک حدیث نقل کرتے ہیں کہ آنسور علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ میں معراج پر گیا تو میں نے اپنے پروردگار سے درخواست کی کہ ”میرے بعد (میرے) خلیفہ علیؓ

ہوں۔“ کہا گیا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! جو کچھ اللہ چاہتا ہے وہ ہوتا ہے۔ آپ کے بعد خلیفہ ابو بکرؓ ہیں۔“
 نیز حضرت شیخ (عبد القادر جیلانی قدس سرہ) نے فرمایا ہے کہ حضرت امیر (علی رضی اللہ عنہ) نے فرمایا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اس وقت تک دنیا سے رخصت نہیں ہوئے جب تک کہ میرے ساتھ عہد نہیں کر لیا کہ میری وفات کے بعد خلیفہ ابو بکر ہوں گے، اس کے بعد عمر، اس کے عثمان، اس کے بعد آپ خلیفہ ہوں گے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے افضل ہیں اور علمائے اہل سنت علم اور اجتہاد میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر فضیلت دیتے ہیں اور حضرت شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہ کتاب غنیۃ (الطالین) میں حضرت عائشہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کو فوقیت دیتے ہیں، لیکن جو کچھ اس فقیر کا اعتقاد ہے، وہ یہ ہے کہ حضرت عائشہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) علم و اجتہاد میں پیش قدم ہیں اور حضرت فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) زہد و تقویٰ اور دنیا سے منقطع ہونے میں پیش رو ہیں، لہذا حضرت فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کو بتول کہتے تھے جو کہ دنیا سے منقطع ہونے میں مبالغہ کا صیغہ ہے اور حضرت عائشہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) صحابہ (کرام) رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے فتاویٰ کا مرجع تھیں۔ نبی کریم علیہ وسلم الصلوٰات والتسلیمات کے صحابہ (کرامؓ) کی کوئی ایسی علمی مشکل نہ تھی، جس کا حل حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں نہ ہو۔

جو لڑائیاں اور جھگڑے صحابہ کرام علیہم الرضوان کے درمیان واقع ہوئے ہیں، مثلاً جنگِ جمل اور جنگِ صفین۔ ان کو نیک معافی پر محمول کرنا چاہیے اور ہوا و تعصب سے دور رکھنا چاہیے، کیونکہ ان بزرگواروں کے نفوس (حضرت) خیر البشر علیہ علیہم الصلوٰات والتسلیمات کی صحبت میں ہوا و تعصب سے صاف ہو چکے تھے اور حرص و کینہ سے پاک ہو گئے تھے۔ اگر وہ صلح کرتے ہیں تو حق کے لیے کرتے ہیں اور جھگڑا اور اختلاف ہے تو حق کے لیے ہے۔ ہر گروہ نے اپنے اجتہاد کی رو سے عمل کیا ہے اور مخالف کو ہوا و تعصب کے شبہ کے بغیر خود سے دور رکھا ہے۔ جو شخص اپنے اجتہاد میں راستی پر ہے، وہ دو درجے اور ایک قول کے مطابق دس درجے ثواب رکھتا ہے اور جو خطا پر ہے، اسے ثواب کا ایک درجہ نصیب ہے۔ سو خطا پر ہونے والا راستی پر ہونے والے کی طرح ملامت سے دور ہے، بلکہ وہ ثواب کے درجات میں سے ایک درجہ (ثواب) کی امید رکھتا ہے۔ علماء نے فرمایا ہے کہ ان جنگوں میں حق حضرت امیر (علی) کرم اللہ وجہہ کی طرف ہے اور مخالفین کا اجتہاد راستی سے دور تھا۔ اس کے باوجود وہ طعن کے لائق نہیں ہیں اور ملامت کی گنجائش نہیں رکھتے۔ چہ جائیکہ کفر یا فسق کو ان کی طرف منسوب کیا جائے۔ حضرت امیر (علی) کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے فرمایا ہے: ”ہمارے بھائیوں نے ہم سے بغاوت کی، وہ نہ کافر ہیں، نہ فاسق۔ کیونکہ ان کے پاس تاویل ہے جو کفر اور فسق سے منع کرتی ہے۔“

ہمارے حضرت نبی کریم علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے: إِيَّاكُمْ وَمَا شَجَرَ بَيْنَ أَصْحَابِي۔

یعنی: جو اختلاف میرے صحابہ کے درمیان ہوا ہے، تم اس سے بچو۔

سو نبی کریم علیہ علیہم الصلوٰات والتسلیمات کے تمام صحابہ (کرامؓ) کو بزرگ سمجھنا چاہیے اور سب کو اچھائی سے یاد کرنا چاہیے اور ان بزرگواروں میں سے کسی کے ساتھ بدگمانی نہیں کرنی چاہیے اور ان کے جھگڑوں کو دوسروں کی صلح سے بہتر جاننا

چاہیے۔ فلاح اور نجات کا راستہ یہی ہے، کیونکہ صحابہ (کرامؓ) کی دوستی نبی کریم علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کی دوستی کی وجہ سے ہے اور ان سے بغض کرنا نبی کریم علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے ساتھ بغض کرنے تک پہنچا دیتا ہے۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں: مَا آمَنَ بِرَسُولِ اللَّهِ مَنْ لَمْ يُؤَقِّرْ أَصْحَابَهُ. یعنی: اس شخص کا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان نہیں ہے جس نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے صحابہ (کرامؓ) کی عزت نہیں کی۔

قیامت کی نشانیاں، جن کی مخرج صادق علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والتسلیمات نے خبر دی ہے، وہ سب برحق ہیں، خلاف کا احتمال نہیں رکھتیں۔ مثلاً عادت کے خلاف سورج کا مغرب کی جانب سے طلوع ہونا اور حضرت مہدی علیہ الرضوان کا ظاہر ہونا اور حضرت روح اللہ (عیسیٰ) علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا (آسمان سے) نازل ہونا اور دجال کا نکلنا اور یا جوج و ماجوج کا ظاہر ہونا اور دابة الارض (زمین کے جانوروں) کا نکلنا اور ایک دھواں جو آسمان سے پیدا ہوگا، تمام لوگوں کو گھیر لے گا اور دردناک عذاب دے گا۔ لوگ پریشان ہو کر کہیں گے: اے ہمارے پروردگار! اس عذاب کو ہم سے دور کر کہ ہم ایمان لاتے ہیں۔ آخری نشانی آگ ہے جو عدن سے اٹھے گی۔ ایک جماعت نادانی سے گمان کرتی ہے کہ ہندوستان کے لوگوں میں سے جس شخص نے مہدویت کا دعویٰ کیا تھا، مہدی موعود^(۴) وہی تھا۔ سوان کے گمان کے مطابق مہدی گزر گیا ہے اور فوت ہو گیا ہے اور وہ بتاتے ہیں کہ اس کی قبر فرہ میں ہے۔ صحیح حدیثیں جو شہرت کی حد بلکہ معنی کے لحاظ سے تواثر کی حد تک پہنچ چکی ہیں، وہ اس گروہ (مہدویہ) کی تکذیب کرتی ہیں۔ کیونکہ آنسور علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے احادیث میں مہدی (رضی اللہ عنہ) کی جو علامات (بیان) فرمائی ہیں، وہ ان لوگوں کے معتقد شخص کے حق میں مفقود ہیں۔ احادیث نبوی علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام میں آیا ہے کہ مہدی موعود (رضی اللہ عنہ) ظاہر ہوں گے اور ان کے سر پر بادل کا ٹکڑا ہوگا اور اس بادل میں فرشتہ ہوگا جو آواز لگائے گا کہ یہ شخص مہدی ہے اور اس کی متابعت کرو۔^(۵)

نیز نبی کریم علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ تمام (روئے) زمین کے مالک چار شخص ہوئے ہیں۔ دو شخص مومنوں میں سے اور دو آدمی کافروں میں سے ہیں۔ ذو القرنین اور سلیمان مومنوں سے ہیں اور نمرود اور بخت نصر کافروں سے۔ اور اس زمین کا مالک پانچواں شخص میرے اہل بیت سے ہوگا، یعنی مہدی (موعود علیہ الرضوان)۔^(۶)

نیز نبی کریم علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: دنیا ختم نہیں ہوگی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ میرے اہل بیت سے ایک مرد کو مبعوث فرمائے گا جس کا نام میرے نام کے مطابق ہوگا۔ اس کے باپ کا نام میرے باپ کے نام کے موافق ہوگا۔ پھر وہ زمین کو عدل و انصاف سے اس طرح پُر کرے گا جس طرح کہ وہ ظلم و ستم سے پُر ہوئی تھی۔^(۷)

حدیث میں آیا ہے کہ اصحاب کہف حضرت مہدی (رضی اللہ عنہ) کے مددگار ہوں گے۔^(۸) اور حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام ان کے زمانے میں (آسمان سے) نزول کریں گے اور وہ دجال کے ساتھ لڑائی میں حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی موافقت کریں گے۔^(۹) اور ان کی سلطنت کے ظہور کے زمانے میں رمضان کے مہینے کی چودھویں تاریخ کو سورج گرہن ہوگا۔ اس ماہ کے دور اول میں زمانے کی عادت کے برخلاف اور نجومیوں کے حساب کے برخلاف چاند گرہن ہوگا۔ انصاف کی نظر سے دیکھنا چاہیے کہ یہ علامتیں اس مردہ شخص^(۱۰) میں موجود تھیں یا نہیں۔ اور بھی بہت سی علامات

ہیں جو مبر صادق علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے (بیان) فرمائی ہیں۔ شیخ ابن حجرؒ نے مہدی منتظر کی علامات میں ایک رسالہ لکھا ہے جس میں دو سو تک علامات (موجود) ہیں۔

انتہائی جہالت ہے کہ مہدی موعود (رضی اللہ عنہ) کا معاملہ واضح ہونے کے باوجود کچھ لوگ گمراہ ہو گئے ہیں۔

هَذَا هُمْ اللَّهُ سُبْحَانَهُ سَوَاءَ الصِّرَاطِ. یعنی: اللہ سبحانہ ان کو سیدھے راستے کی ہدایت بخشنے۔

نبی کریم علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے: یقیناً بنی اسرائیل کے اکثر فرقے ہو گئے تھے جو ایک کے سوا سب آگ میں ہیں اور عنقریب میری امت تہتر فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی جو سب آگ میں جائیں گے، مگر (ان میں سے) ایک فرقہ ناجیہ ہوگا۔ پوچھا گیا کہ یہ فرقہ ناجیہ کون لوگ ہوں گے؟ آپ علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ یہ لوگ وہ ہیں جو اس طریقہ پر ہوں گے جس پر میں ہوں اور جس پر میرے صحابہؓ ہیں۔^(۱۱) اور یہ ایک فرقہ ناجیہ اہل سنت و جماعت ہیں جو آنسو علیہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت اور آنسو و علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے صحابہ (کرامؓ) کی متابعت کو لازم پکڑتے ہیں۔ اَللّٰهُمَّ ثَبِّتْنَا عَلَىٰ مُعْتَقِدَاتِ اَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ وَآمِنْنَا فِي زُمْرَتِهِمْ وَاحْشُرْنَا مَعَهُمْ۔

یعنی: اے اللہ! تو ہمیں اہل سنت و جماعت کے اعتقادات پر ثابت قدم رکھ اور انہیں کے گروہ میں موت دے اور انہیں کے ساتھ ہمارا حشر فرما۔

رَبَّنَا لَا تَزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً جَ إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ۔ (سورۃ آل عمران، ۸) یعنی: اے ہمارے پروردگار! جب تو نے ہمیں ہدایت بخشی ہے تو اس کے بعد ہمارے دلوں میں کجی نہ پیدا فرما اور ہمیں اپنے ہاں سے نعمت عطا فرما، تو تو بہت بڑا عطا فرمانے والا ہے۔

اعتقاد کی تصحیح کے بعد شرعی احکام کی بجا آوری اور منع کردہ چیزوں سے رکنا جو عمل سے تعلق رکھتا ہے، بھی نہایت ضروری ہے۔ پانچ وقت کی نماز بغیر سستی کے ارکان کی تعدیل کے ساتھ اور باجماعت ادا کرنا چاہیے، کیونکہ اسلام اور کفر کے درمیان فرق کرنے والی چیز یہی نماز ہے اور جب نماز کی ادائیگی مسنون طریقے سے میسر ہوگی تو اسلام کی مضبوط رسی ہاتھ آگئی۔ کیونکہ اسلام کے پانچ اصولوں میں سے نماز دوسری اصل ہے اور پہلی اصل اللہ جل شانہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان ہے اور دوسری اصل نماز ہے اور تیسری اصل زکوٰۃ ہے اور چوتھی اصل ماہ رمضان کے روزے ہیں اور پانچویں اصل حج بیت اللہ ہے۔ پہلی اصل کا تعلق ایمان سے ہے اور (دوسرے) چار اصول اعمال سے تعلق رکھتے ہیں۔ عبادتوں میں جامع ترین اور ان میں افضل ترین نماز ہے۔ قیامت کے روز سب سے پہلے نماز کا حساب کتاب ہوگا۔ اگر نماز درست نکلی تو اللہ سبحانہ کی عنایت سے دوسرے حساب کتاب بھی آسانی سے ہو جائیں گے۔ جہاں تک ممکن ہو شرعی ممنوعات سے اجتناب کرنا چاہیے اور مولیٰ جل شانہ کی ناپسندیدہ چیزوں کو زہر ہائے قاتل سمجھنا چاہیے۔ اپنی کوتاہیوں کے مواد کو نظر میں رکھنا چاہیے اور ان کے مرتکب ہونے پر نادم اور شرمندہ رہنا چاہیے اور ندامت و حسرت ہونی چاہیے۔ بندگی کا طریقہ یہی ہے۔

وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ الْمُؤَفِّقُ. یعنی: اور اللہ سبحانہ ہی توفیق دینے والا ہے۔

جو شخص بے تحاشہ اپنے مولا جل شانہ کی ناپسندیدہ باتوں کا ارتکاب کرے اور اسے اپنے اس عمل پر شرمندگی و خجالت اور

ندامت نہ ہو، وہ متکبر اور سرکش ہے۔ قریب ہے کہ اصرار اور سرکشی کا یہ عمل اس کا سر حلقہ اسلام سے باہر نکال دے اور اسے دشمنوں کے دائرہ میں داخل کر دے۔ رَبَّنَا آتِنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً وَهَيِّئْ لَنَا مِنْ أَمْرِنَا رَشَدًا. (سورۃ کہف، ۱۰)

یعنی: اے ہمارے پروردگار! ہم پر اپنے ہاں سے رحمت نازل فرما اور ہمارے کام میں درستی (کے سامان) مہیا کر۔

جس دولت سے حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ نے آپ کو ممتاز فرمایا ہے اور لوگ اس دولت سے غافل ہیں، بلکہ ممکن ہے کہ آپ بھی اس کا احساس نہ کریں۔ وہ یہ ہے کہ وقت کا بادشاہ جو سات پشتوں سے مسلمان چلا آ رہا ہے اور اہل سنت میں سے ہے اور خفی مذہب رکھتا ہے۔ اگرچہ چند سال ہوئے ہیں کہ یہ زمانہ جو قرب قیامت اور عہد نبوت (صلی اللہ علیہ وسلم) سے دوری کا زمانہ ہے، اس میں بعض طالب علموں نے لالچ کی بدقسمتی سے جو کہ باطن کی خباثت کا نتیجہ ہے، شاہی امرا کے ساتھ قرب حاصل کر لی ہے اور ان کے خوشامدی بن گئے ہیں اور انہوں نے دین متین میں شکوک و شبہات پیدا کیے ہیں اور سادہ لوح لوگوں کو گمراہ کر رہے ہیں۔

ایسا عظیم الشان بادشاہ جب آپ کی بات کو اچھی طرح سماعت فرماتا ہے اور قبول کرتا ہے تو کتنی بڑی دولت ہے کہ آپ صراحت یا اشارہ سے کلمہ حق یعنی کلمہ اسلام کو، جو اہل سنت و جماعت شکر اللہ تعالیٰ سَعِيَهُمْ (اللہ تعالیٰ ان کی کوشش کو مشکور فرمائے) کے اعتقادات کے مطابق ہے، ان کے گوش گزار کریں اور جس قدر گنجائش سمجھیں، اہل حق کی بات کو پیش کریں، بلکہ ہمیشہ امیدوار اور منتظر رہیں کہ کوئی موقع پیدا ہو تو مذہب و ملت کی بات درمیان میں آجائے، تاکہ اسلام کی حقیقت کا اظہار کیا جائے اور کفر و کافری کے باطل ہونے اور برائی کا بیان کیا جائے۔ کفر کا باطل ہونا بالکل ظاہر ہے، کوئی عقل مند اس کو پسند نہیں کرتا۔ لہذا اس کے باطل ہونے کو بے تحاشہ ظاہر کرنا چاہیے اور ان کے باطل خداؤں کی بلا توقف نفی کرنی چاہیے۔ معبود برحق جل سلطانہ بلا تردّد اور بلا شبہ آسمانوں کا پیدا کرنے والا ہے۔ آپ نے کبھی سنا ہے کہ ان کے باطل خداؤں نے ایک مچھر کو بھی پیدا کیا ہو؟ خواہ وہ سب اکٹھے ہو جائیں اور مچھر ان کو ڈنگ مارے اور ایذا پہنچائے تو وہ اپنی حفاظت نہیں کر سکتے، یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ دوسروں کی حفاظت کریں۔ کافر شاید اس معاملے کی خرابی کو ملاحظہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ معبود حق جل و علا کے ہاں ہمارے سفارشی ہوں گے اور ہمیں اللہ جل شانہ کے قریب کر دیں گے۔

(یہ) بیوقوف (لوگ) ہیں، انہوں نے کہاں سے سمجھ لیا ہے کہ ان جمادات کو شفاعت کی مجال ہوگی اور حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ شریکوں کی شفاعت کو جو درحقیقت اس کے دشمن ہیں اپنے دشمن بندوں کے حق میں قبول کرے گا۔ یہ اس طرح ہے جیسے باغی بادشاہ کے خلاف سرکشی کریں اور کچھ بیوقوف لوگ باغیوں کی امداد کریں، اس فاسد گمان سے سختی کے وقت یہ باغی بادشاہ کے ہاں ہماری سفارش کریں گے اور ہم ان کے ذریعے بادشاہ کا تقرب حاصل کر لیں گے۔ واہ! کیسے بیوقوف ہیں جو باغیوں کی خدمت کرتے ہیں اور باغیوں کی سفارش سے بادشاہ سے معافی چاہتے ہیں اور تقرب ڈھونڈتے ہیں۔ وہ بادشاہ برحق کی خدمت کیوں نہیں کرتے اور باغیوں کو شکست کیوں نہیں دیتے، تاکہ وہ اہل قرب اور اہل حق میں سے ہو جائیں اور امن و امان میں رہیں۔ بے عقل ایک پتھر کو لیتے ہیں اور اسے اپنے ہاتھ سے تراشتے ہیں اور سالوں ان کی پرستش کرتے ہیں اور اس سے توقعات کی امید رکھتے ہیں۔

الغرض کافروں کے دین کا باطل ہونا ظاہر ہے اور مسلمانوں میں سے جو شخص راہِ حق اور صراطِ مستقیم سے دور جا پڑا ہے، وہ خواہش کا بندہ اور بدعتی ہے اور یہ سیدھا راستہ آنسو و علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کا راستہ ہے اور آپ علیہ علیہم الصلوٰات والتسلیمات کے خلفائے راشدین کا راستہ ہے۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ کتاب غنیۃ (الطالبین) میں فرماتے ہیں کہ بدعتیوں کے گروہ جن کی اصل (یہ) نوگروہ ہیں: خوارج، شیعہ، معتزلہ، مرجئیہ، مشبہہ، جہمیہ،^(۱۲) ضرایہ، نجاریہ اور کلابیہ آنسو و علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں نہ تھے اور حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجماع کے زمانے میں بھی نہ تھے۔ ان گروہوں کا اختلاف اور ان کی فرقہ بندی صحابہ (کرام) اور تابعین کی وفات اور فقہائے سبعہ^(۱۳) رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجماع کے وفات کے بعد وجود میں آئی ہے اور آنسو و علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے: جو شخص میرے بعد زندہ رہے گا، وہ بہت زیادہ اختلاف دیکھے گا۔ سوتم میری سنت اور میرے خلفائے راشدین کی سنت کو لازم پکڑو اور اسے اپنے دانتوں سے مضبوط پکڑو اور خود کو نئے امور سے دور رکھو، کیونکہ ہر بدعت گمراہی ہے اور جو کچھ میرے بعد دین میں نیا پیدا ہوگا، وہ مردود ہے۔^(۱۴)

اس طرح جو مذہب نبی کریم علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ علیہ علیہم الصلوٰات والتسلیمات کے زمانے کے بعد پیدا ہوا وہ اعتبار کی حد سے باہر ہے اور اعتبار کے لائق نہیں ہے۔ اس نعمتِ عظمیٰ کا شکر بجالانا چاہیے کہ اس نے اپنے کرم و فضل کے کمال سے ہمیں فرقہ ناجیہ میں داخل کیا ہے جو اہل سنت و جماعت ہیں اور اس نے ہمیں اہل ہوا و بدعت والے فرقہ سے نہیں بنایا اور ان کے فاسد اعتقادات میں مبتلا نہیں کیا اور اس جماعت سے نہیں بنایا جو بندے کو مولیٰ جل شانہ کی خاص صفات میں شریک بناتے ہیں اور بندے کے افعال کا خالق بندے کو کہتے ہیں اور وہ آخرت میں دیدار (الہی) کے منکر ہیں جو دنیا اور آخرت کی دولت کا سرمایہ ہے اور وہ واجب تعالیٰ سے صفاتِ کاملہ کے وجود کی نفی کرتے ہیں۔ اور نیز اس نے ہمیں ان دو گروہوں میں سے نہیں بنایا جو خیر البشر علیہ علیہم الصلوٰات والتسلیمات کے صحابہ کرامؓ سے الگ تھے ہیں اور اکابر دین کے ساتھ بے ادبی کرتے ہیں اور ان کو ایک دوسرے کا دشمن تصور کرتے ہیں اور ان پر مخفی بغض و کینہ کا الزام لگاتے ہیں۔ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ ان بزرگواروں کے حق میں فرماتا ہے: رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ۔ (سورۃ فتح، ۲۹) یعنی: وہ آپس میں رحم دل ہیں۔

اور یہ دو گروہ حق جل و علا کے کلام کو جھٹلاتے ہیں اور ان بزرگواروں کے درمیان عداوت اور بغض و کینہ ثابت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں توفیق بخشنے اور وہ صراطِ مستقیم کو دیکھ لیں۔

نیز (یہ بھی حق سبحانہ کا احسان ہے کہ) اس نے ہمیں اس جماعت میں سے بھی نہیں بنایا جو حق سبحانہ کے لیے جہت اور مکان ثابت کرتے ہیں اور اسے جسم و جسمانی سمجھتے ہیں اور وہ حدوث اور امکان کی علامتیں واجبِ قدیم جل سلطٰنہ میں ثابت کرتے ہیں۔

اب ہم اصلی بات کی طرف آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آپ کو معلوم ہے کہ بادشاہِ روح کی طرح ہے اور باقی انسان جسم کی مانند ہیں۔ اگر روح درست ہے تو تمام بدن بھی درست ہے اور اگر روح خراب ہے تو بدن بھی خراب ہے۔ سو بادشاہ کی اصلاح کے لیے کوشش کرنا تمام بنی آدم کی اصلاح کے لیے کوشش کرنا ہے اور اصلاحِ کلمہ اسلام کا اظہار کرنے میں ہے، جس

طرح بھی وقت کی گنجائش ہو۔ کلمہ اسلام کے علاوہ اہل سنت و جماعت کے اعتقادات بھی کبھی کبھی گوش گزار کرنے چاہئیں اور مخالف مذہب کا رد بھی کرنا چاہیے۔ اگر یہ دولت میسر ہوگی تو انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کی وراثتِ عظمیٰ ہاتھ لگ گئی۔ آپ کو یہ دولت مفت مل گئی ہے، اس کی قدر کو پہچانیں۔

(فقیر) زیادہ مبالغہ کیا کرے، اگرچہ اس جگہ مبالغہ اور اصرار کرنا مستحسن ہے۔

وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ الْمُؤَفَّقُ. یعنی: اور اللہ سبحانہ ہی توفیق دینے والا ہے۔

مکتوب نمبر (۶۸)

خواجہ شرف الدین حسین کو تحریر فرمایا۔ نورانی ستون اور مدار ستارے کے بیان میں، جو مشرق کی طرف سے طلوع

ہوئے تھے اور قیامت کی علامتیں اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کا بیان)۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ. الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰنَا لِهٰذَا فَدَوَّمَا کُنَّا لِنَهْتَدِیْ لَوْلَا اَنْ هَدٰنَا اللّٰهُ ج لَقَدْ جَاۤءَتْ رُسُلٌ رَّبِّنَا بِالْحَقِّ (سورۃ اعراف، ۴۳) عَلَیْہِمُ الصَّلٰوٰتُ وَالتَّسْلِیْمٰتُ وَالْبَرَکٰتُ.

یعنی: شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جس نے ہم کو یہاں کا راستہ دکھایا اور اگر اللہ ہم کو راستہ نہ دکھاتا تو ہم راستہ نہ پاسکتے۔ بیشک ہمارے پروردگار کے رسول علیہم الصلوٰة والتسلیمات والبرکات حق بات لے کر آئے ہیں۔

میرے پیارے فرزند نے جو مکتوب شریف مولانا ابوالحسن کے ذریعے بھیجا تھا، وہ انہوں نے پہنچا دیا ہے۔ اس نے خوش وقت بنایا۔ آپ نے اس نورانی ستون کے بارے میں جو مشرق کی طرف سے ظاہر ہوا ہے، مکرر دریافت کیا ہے۔ جاننا چاہیے کہ حدیث میں آیا ہے کہ جب عباسی بادشاہ، جو کہ حضرت مہدی موعود علیہ الرضوان کے ظہور کے مقدمات میں سے ہے، خراسان میں پہنچے گا تو مشرق کی جانب دو دانتوں والی ایک شاخ طلوع ہوگی۔ اس کے حاشیہ میں لکھا ہے: یعنی منور ستون جو دو سر رکھتا ہوگا۔ پہلی مرتبہ یہ حضرت نوح علی نبینا وعلیہ الصلوٰة والسلام کی قوم کی ہلاکت کے وقت طلوع ہوا تھا اور حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوٰة والسلام کے زمانے میں اس وقت طلوع ہوا تھا جب ان کو آگ میں ڈالا گیا اور فرعون اور اس کی قوم کی ہلاکت کے زمانے میں ظاہر ہوا تھا اور حضرت یحییٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰة والسلام کے قتل کے زمانے میں طلوع ہوا تھا۔ سو جب اس کو دیکھو تو حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ سے فتنوں کے شر سے پناہ مانگو۔^(۱)

یہ سفیدی جو مشرق کی جانب سے ظاہر ہوئی تھی، اوّل منور ستون کی صورت میں تھی۔ اس کے بعد اس میں کچی پیدا ہوئی اور اس نے سینک کے مشابہ شاخ کی صورت اختیار کر لی تھی۔ دوسرا اس اعتبار سے فرمائے ہوں گے کہ اس شاخ کی دونوں اطراف باریک ہو گئی تھیں جو دانتوں سے مشابہت رکھتی تھیں۔ سو ہر دو اطراف کو دوسر سمجھا گیا۔ جس طرح کہ نیزہ جس کے دونوں سرے باریک ہوتے ہیں اور اس کو دوسر والا سمجھا جاتا ہے۔

میرے بھائی شیخ محمد طاہر بدخشی جو پنپور سے آئے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ ستون بھی اوپر کی جانب دو دانتوں کی مانند دو سر رکھتا تھا جس کے درمیان تھوڑا سا فاصلہ تھا۔ انہوں نے صحرا میں اس منظر کی تشخیص کی تھی اور کچھ اور لوگوں نے بھی اسی طرح

خبر دی ہے۔

یہ طلوع اس طلوع کے علاوہ ہے جو حضرت مہدی (رضی اللہ عنہ) کے ظہور کے وقت رونما ہوگا، کیونکہ ان (حضرت مہدی رضی اللہ عنہ) کی تشریف آوری صدی کے آغاز میں ہوگی اور اس وقت صدی سے اٹھائیس سال گزر چکے ہیں۔

نیز حدیث میں حضرت مہدی علیہ الرضوان کی علامات میں آیا ہے کہ مشرق کی جانب ایک ستارہ طلوع ہوگا، جس کی دم نورانی ہوگی۔^(۲) یہ ستارہ وہی ہے یا اس کی مانند ہے۔ اور اس ستارے کی دم ہو سکتی ہے، کیونکہ اس کے لیے کہتے ہیں کہ فلاسفہ نے کہا ہے کہ ثوابت ستاروں کی گردش مغرب سے مشرق کی طرف ہے۔ سو اس ستارے کا رخ اپنی گردش کے لحاظ سے مشرق کی جانب ہے اور اس کی پیٹھ مغرب کی جانب ہے۔ اس طرح اس سفیدی کی لمبائی اس کی پیٹھ کے پیچھے ہے جو دم کی مانند ہے اور وہ ہر روز مشرق سے طلوع ہو کر مغرب کی طرف بلند ہوتا ہے۔ اس کی گردش غیر طبعی ہے جو فلک اعظم کی گردش سے وابستہ ہے۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ اَعْلَمُ بِحَقِیْقَةِ الْحَالِ یعنی: اور اللہ سبحانہ ہی حقیقت حال کو خوب جانتا ہے۔

الغرض حضرت مہدی (رضی اللہ عنہ) کے ظہور کا وقت قریب ہے۔ دیکھئے صدی کے آغاز تک جو ان کے ظہور کا وقت ہے، کیا کیا مقدمات اور مبادی ظاہر ہوتے ہیں۔ حضرت مہدی علیہ الرضوان کے ظہور کے یہ مقدمات اور مبادی ہمارے نبی کریم علیہ علی آلہ الصلوٰات والتسلیمات کے ارہاصات (خوارق عادات) کی مانند ہیں جو آپ علیہ علی آلہ الصلوٰات والتسلیمات کی نبوت کے ظہور سے پہلے ظاہر ہوئے تھے۔ جس طرح کہ (علماء نے) کہا ہے کہ جب (حضرت) عبد اللہ (رضی اللہ عنہ) کے نطفہ نے، جو کہ حضرت محمد رسول اللہ علیہ علی آلہ الصلوٰة والسلام کی صورت (مبارک) کا مادہ تھا، (حضرت) آمنہ (رضی اللہ عنہا) کے رحم میں قرار پکڑا تو تمام روئے زمین کے بت سرنگوں ہو گئے اور سب شیطان اپنے کام سے باز آ گئے۔ فرشتوں نے ابلیس علیہ العینہ کا تخت الٹ دیا اور اس کو دریا میں ڈال دیا اور اس کو چالیس روز تک عذاب دیا۔ آنسور علیہ علی آلہ الصلوٰة والسلام کی ولادت کی رات کسریٰ کا محل لرز نے لگا اور اس کے چودہ کنکرے گر پڑے اور فارس کا بہت بڑا آتشکدہ جس میں ہزار سال سے آگ جل رہی تھی اور کبھی نہ بجھی تھی، وہ بجھ گئی۔^(۳)

چونکہ حضرت مہدی (علیہ الرضوان) بہت بزرگ شخصیت ہوں گے اور ان سے اسلام اور مسلمانوں کو عظیم تقویت حاصل ہو جائے گی اور ظاہر و باطن میں ان کی ولایت کا عظیم تصرف ہوگا اور بہت زیادہ خوارق و کرامات کے مالک ہوں گے اور ان کے زمانے میں عجیب نشانیاں ظاہر ہوں گی۔ روا ہے کہ ان کے وجود سے پہلے نبی کریم علیہ الصلوٰة والسلام کے ارہاصات (خوارق عادات) کی مانند خوارق عادت کی چیزیں ظاہر ہوں اور ان کے ظہور کے مبادی ہوں، جس طرح کہ احادیث (مبارک) سے معلوم ہوتا ہے۔

جاننا چاہیے کہ حدیث (شریف) میں آیا ہے کہ (حضرت) مہدی (علیہ الرضوان) اس وقت تک ظاہر نہیں ہوں گے جب تک کفر کا غلبہ پیدا نہ ہو جائے اور لوگ بر ملا کفر و کافری نہ کرنے لگیں۔ سو اس وقت میں کفر اور کافری کا غلبہ متوقع ہے اور اسلام اور مسلمانوں کی زبوں حالی کی امید ہے۔ یہ وہ وقت ہے جس میں آنسور علیہ علی آلہ الصلوٰة والسلام نے اہل اسلام کے غرباء کو خوشخبری فرمائی ہے اور بشارت دی ہے اور آپ علیہ علی آلہ الصلوٰة والسلام نے فرمایا ہے: اَلْعِبَادَةُ فِي الْهَرَجِ

کھجورۃِ الیٰی^(۴) یعنی: فتنہ کے وقت میں عبادت کرنا ایسے ہے جیسے میری طرف ہجرت کرنا ہے۔

آپ کو معلوم ہے کہ فتنہ و فساد کے غلبے کے دوران اگر سپاہی تھوڑی سی بھی جرأت دکھاتے ہیں تو وہ بہت زیادہ اعتبار پیدا کر لیتے ہیں اور فتنے کے آرام کے وقت اگر ہزار پریشانیاں دکھائیں تو وہ بے اعتبار ہوتی ہیں۔ سو کام کرنے کا وقت اور قبول ہونے کا وقت یہی فتنوں کا وقت ہے۔

پس آپ خود کو پوری طرح حق جل و علا کی رضا مند یوں میں مصروف رکھیں اور روشن سنت علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والختیہ کی متابعت کے علاوہ کوئی چیز اختیار نہ کریں۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ مقبولوں کے ساتھ آپ کا حشر ہو۔ اصحابِ کھف تنہا ایک ہجرت سے جو کہ انہوں نے فتنہ کے غلبے کے وقت میں کی تھی، بلند درجات تک جا پہنچے، آپ تو خود محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں اور خیر الامم میں داخل ہیں، اپنے وقت کو کھیل کود میں ضائع نہ کریں اور بچوں کی طرح مٹھی اور اخروٹ کے فریب میں نہ آئیں:

دادیم ترا ز گنج مقصود نشاں گر ما نرسیدیم تو شاید بری

یعنی: ہم نے تجھے گنج مقصود کا پتا بتا دیا ہے، اگر ہم نہیں پہنچ سکے تو شاید تو پہنچ جائے۔

نورانی ستون جو اس دُمدار ستارے سے پہلے طلوع ہوا تھا، اس میں کوئی سیاہی اور کدورت معلوم نہیں ہوتی تھی اور خیر و برکت کے علاوہ کچھ نظر نہیں آتا تھا، لیکن (یہ) دُمدار ستارہ کدورت کا شائبہ رکھتا ہے۔ لَا بَلَّ النَّافِعُ وَالضَّارُّ هُوَ اللَّهُ.

یعنی: نہیں بلکہ نفع دینے والا اور نقصان پہنچانے والا صرف اللہ سبحانہ ہے۔

کسی ستارے میں کسی شخص کی موت اور کسی کی زندگی ودیعت نہیں فرمائی گئی، جو کچھ قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ ستاروں سے متعلق تین اغراض ہیں۔ (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا ہے: وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُونَ. (سورۃ نحل، ۱۶) (یعنی خشکی اور تری میں) ستاروں کے ذریعے لوگ راستہ معلوم کرتے ہیں۔ نیز (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا: وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحٍ وَجَعَلْنَاهَا رُجُومًا لِلشَّيَاطِينِ. (سورۃ ملک، ۵) یعنی دوسری غرض یہ ہے کہ ستاروں کے ذریعے (اللہ تعالیٰ نے) آسمان دنیا کو آرائش و زینت بخشی ہے اور تیسری غرض شیطانوں کو سگسار کرنے سے متعلق ہے، تاکہ وہ باتوں کی چوری نہ کر سکیں۔ ان تین اغراض کے علاوہ لوگ جو کچھ کہتے ہیں وہ پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتا اور وہم اور خیالات میں داخل ہے۔ إِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا. (سورۃ یونس، ۳۶)

یعنی: کچھ شک نہیں کہ ظن حق کے مقابلے میں کچھ بھی کارآمد نہیں ہو سکتا۔

بلکہ ہم کہتے ہیں کہ: إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ. (سورۃ حجرات، ۱۲) یعنی: بلاشبہ بعض گمان گناہ ہیں۔

پیارے فرزند! (فقیر) دوبارہ لکھتا ہے کہ توبہ و انابت کا وقت ہے اور دنیا سے تعلق چھوڑ کر اللہ سے لو لگانے اور خلق سے الگ ہو جانے کا وقت ہے، کیونکہ فتنوں کے وارد ہونے کا زمانہ ہے اور قریب ہے کہ فتنے بہار کے بادل کی طرح برسے لگیں اور جہان کو گھیر لیں۔ مخبر صادق علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے: إِنَّ بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ فِتْنَةٌ كَقَطْعِ اللَّيْلِ الْمُظْلِمِ يُصْبِحُ الرَّجُلُ فِيهَا مُؤْمِنًا وَيُمْسِي كَافِرًا وَيُصْبِحُ كَافِرًا أَلْقَاعِدُ فِيهَا خَيْرٌ مِنَ الْقَائِمِ

وَالْمَاشِي فِيهَا خَيْرٌ مِنَ السَّاعِي فَكَسَرُوا فِيهَا قَسِيَكُمْ وَقَطَعُوا فِيهَا أَوْ تَارَكُمُ وَاضْرِبُوا سُبُوفَكُمْ بِالْحِجَارَةِ فَإِنْ دَخَلَ عَلَى أَحَدٍ مِنْكُمْ فَلْيَكُنْ كَخَيْرِ ابْنِي آدَمَ وَفِي رِوَايَةٍ قَالُوا فَمَا تَأْمُرُنَا قَالَ كُونُوا أَخْلَاسَ بَيُوتِكُمْ وَفِي رِوَايَةٍ وَالزَّمُوا فِيهَا أَجَوَافَ بَيُوتِكُمْ. (۵)

یعنی: بلاشبہ قیامت کے آنے سے پہلے تاریک رات کی مانند فتنے ظاہر ہوں گے۔ اس میں آدمی صبح کو مومن ہوگا تو شام کو کافر ہوگا اور شام کو مومن ہوگا تو صبح کو کافر ہوگا۔ اس میں بیٹھا رہنے والا کھڑا ہونے والے سے بہتر ہوگا اور چلنے والا دوڑنے والے سے بہتر ہوگا۔ اس وقت تم (اپنے ہتھیاروں کو تیز کرنے والے) پتھروں کو توڑ ڈالو اور اس میں اپنی کمانوں کو کاٹ ڈالو اور اس میں اپنی تلواروں کو کند کر دو اور اگر تم پر کوئی حملہ کرے تو تم (حضرت) آدم (علیہ السلام) کے دو بیٹوں میں سے بہتر بیٹے کی طرح ہو جانا۔ ایک دوسری روایت میں آیا ہے (کہ یہ سن کر) صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ (یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) ایسے وقت میں ہم کیا کریں؟ تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ تم گھروں میں بیٹھے رہنا۔ ایک اور روایت کے الفاظ ہیں کہ ”تم (ایسے وقت میں) گھر کی کوٹھڑی میں چلے جانا۔“

آپ کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ ان دنوں میں دارالحرب کے کافروں نے نگر کوٹ کے اطراف میں مسلمانوں پر اور اسلامی شہروں پر کیسے ظلم کیے ہیں اور کیسی اہانتیں کی ہیں۔ خَذَلَهُمُ اللَّهُ سُبْحَانَهُ. یعنی: اللہ سبحانہ ان کو ذلیل کرے۔ اس قسم کے بدبودار پھول آخری زمانے میں بہت زیادہ کھلیں گے۔ ثَبَّتْنَا اللَّهُ سُبْحَانَهُ وَإِيَّاكُمْ وَجَمِيعَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى مُتَابَعَةِ سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمُ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيمَاتُ وَعَلَى آلِ كُلِّ وَاعَلَى الْمَلَائِكَةِ الْمُقَرَّبِينَ. یعنی: اللہ سبحانہ ہمیں اور آپ کو اور تمام مومنوں کو سید المرسلین (حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی متابعت پر ثابت قدم رکھے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اور تمام انبیاء (علیہ الصلوٰۃ والسلام) پر اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تمام آل (اطہارؓ) پر اور مقررین فرشتوں پر درود و سلام ہو۔

مکتوب نمبر (۶۹)

محمد مراد بدخشی کو تحریر فرمایا۔ نماز کے ارکان کی تعدیل، سکونِ قلب اور صفوں کی درستی کے بیان میں، اور اس بیان میں کہ جب کافروں کے ساتھ جہاد کے لیے گئے ہیں تو نیت کو صحیح کریں تاکہ اس پر نتیجہ مترتب ہو اور نماز تہجد کا حکم فرمانا اور لقمے میں احتیاط کرنا اور جو کچھ اس سے تعلق رکھتا ہے (اس کا بیان)۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ. الْحَمْدُ لِلَّهِ وَسَلَامٌ عَلَى عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَى. (سورۃ النمل، ۵۹)

یعنی: شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔ سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اُس کے اُن بندوں پر سلام ہو جن کو اُس نے منتخب فرمایا۔

آپ نے جو مکتوب شریف ارسال کیا تھا، وہ پہنچا۔ چونکہ یہ دوستوں کی ثابت قدمی اور استقامت پر مشتمل تھا، لہذا اس نے بہت زیادہ راحت پہنچائی۔ زَادَكُمْ اللَّهُ سُبْحَانَهُ ثَبَاتًا وَاسْتِقَامَةً.

یعنی: اللہ سبحانہ آپ کی ثابت قدمی اور استقامت میں اضافہ فرمائے۔

لکھا گیا تھا: ”(یہ خادم آپ کی جانب سے) دوستوں کی ایک جماعت کے ساتھ جو طریقہ میں داخل ہو چکے ہیں، جس کام پر مامور ہے، اس پر ہمیشہ عمل کرتے ہیں اور پانچ وقت کی نماز جماعت کے ساتھ پچاس ساٹھ آدمی ادا کرتے ہیں۔“
 حَمْدًا لِلَّهِ سُبْحَانَهُ عَلَىٰ ذَٰلِكَ (یعنی: اس پر اللہ سبحانہ کی حمد ہے) کیسی نعمت ہے کہ باطن ذکر الہی جل شانہ سے معمور ہو اور ظاہر شرعی احکام سے آراستہ ہو جائے۔ چونکہ اکثر لوگ اس زمانے میں نماز کے ادا کرنے میں غفلت کرتے ہیں اور سکون قلب اور ارکان کی تعدیل کی پابندی نہیں کرتے، لہذا (فقیر) ضرورت کے تحت دوستوں کو اس بارے میں تاکید اور مبالغے سے لکھ رہا ہے، غور سے سماعت فرمائیں۔

مخبر صادق علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ چوروں میں بڑا چور وہ آدمی ہے جو نماز میں چوری کرے! (صحابہ کرامؓ نے) عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! اپنی نماز سے وہ کس طرح چوری کرتا ہے؟ آپ علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ وہ نماز کے رکوع کو پوری طرح ادا نہیں کرتا اور نہ ہی نماز کے سجود کو مکمل طور پر ادا کرتا ہے۔^(۱)
 نیز نبی کریم علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اللہ جل شانہ اس بندے کی طرف نگاہ نہیں فرماتا جو اپنے رکوع و سجود میں اپنی پیٹھ کو سیدھا نہیں رکھتا۔^(۲)

نیز آنسور علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک شخص کو دیکھا کہ نماز ادا کر رہا ہے اور رکوع و سجود کو پوری طرح ادا نہیں کر رہا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا: اَمَّا تَخَافُ لَوْ مِتَّ عَلَىٰ ذَٰلِكَ لَمِتَّ عَلَىٰ غَيْرِ دَيْنٍ مُحَمَّدٍ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)۔ یعنی: کیا تو اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتا۔ اگر تو اس حال میں مر گیا تو تیری موت (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دین پر نہیں ہوگی۔^(۳)

نیز آنسور علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ تم میں سے کسی کی نماز کامل نہیں ہوتی جب تک وہ رکوع کے بعد پوری طرح سیدھا کھڑا نہ ہو اور اپنی پیٹھ کو سیدھا نہ کرے اور اس کا ہر عضو اپنی جگہ پر قرار نہ پکڑے۔^(۴)
 اسی طرح نبی علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جب تک وہ دو سجدوں کے درمیان نہ بیٹھے اور اپنی پیٹھ کو درست نہ کرے اور سیدھا نہ کرے، اس کی نماز مکمل نہیں ہو سکتی۔

حضرت رسالت مآب علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام ایک نماز پڑھنے والے کے پاس سے گزر رہے تھے تو دیکھا کہ وہ احکام و ارکان اور قومہ و جلسہ کو (اچھی طرح) ادا نہیں کر رہا۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ اگر تو اسی پر مرا تو (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دین پر نہیں مرا ہوگا۔

(حضرت) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ایک شخص ساٹھ برس تک نماز پڑھتا رہتا ہے اور اس کی ایک نماز بھی قبول نہیں ہوتی۔ یہ وہ شخص ہے جو رکوع اور سجود کو پوری طرح ادا نہیں کرتا۔

(علماء نے) کہا ہے کہ (حضرت) زید بن وہبؒ نے ایک آدمی کو دیکھا کہ نماز ادا کر رہا ہے اور رکوع و سجود پوری طرح ادا نہیں کر رہا۔ آپ نے اس آدمی کو بلایا اور کہا: کب سے اس طرح کی نماز پڑھ رہے ہو؟ اس نے کہا: چالیس سال سے۔ آپ نے فرمایا: ان چالیس سالوں میں تو نے (ایک) نماز بھی نہیں پڑھی۔ اگر تجھے (اس حالت) میں موت آگئی تو تُو (حضرت)

محمد رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی سنت پر نہیں مرے گا۔

منقول ہے کہ جب مومن آدمی اچھی اور پوری طرح نماز پڑھتا ہے اور اس نماز کے رکوع و سجود کو خوش طبعی کے ساتھ ادا کرتا ہے تو وہ نماز نورانی ہوتی ہے۔ فرشتے اس نماز کو آسمان پر لے جاتے ہیں اور نماز نماز ادا کرنے والے کے لیے دعائے خیر کرتی ہے اور کہتی ہے کہ حَفِظَكَ اللّٰهُ کَمَا حَفِظْتَنِي^(۵) (یعنی: اللہ عزوجل تیری حفاظت کرے جس طرح کہ تو نے میری حفاظت کی۔) اور اگر وہ اچھی طرح نماز ادا نہیں کرتا تو وہ نماز ظلمت والی ہوتی ہے اور فرشتوں کو اس سے کراہت آتی ہے اور وہ نماز کو آسمان پر نہیں لے جاتے اور نماز نماز پڑھنے والے کے لیے بد دعا کرتی ہیں اور کہتی ہے کہ صَيَّعَكَ اللّٰهُ تَعَالٰی کَمَا صَيَّعْتَنِي^(۶) (یعنی: اللہ عزوجل تجھے ضائع کرے جس طرح کہ تو نے مجھے ضائع کیا۔)

پس نماز اچھی طرح ادا کرنی چاہیے اور ارکان کی تعدیل پوری طرح بحال لانی چاہیے اور رکوع و سجود اور قومہ و جلسہ کو اچھی طرح ادا کرنا چاہیے اور دوسروں کو بھی اچھی طرح نماز ادا کرنے کی ہدایت کرنی چاہیے اور سکون قلب اور ارکان کی تعدیل میں رہنمائی کرنی چاہیے، کیونکہ اکثر لوگ اس دولت سے محروم ہیں اور یہ عمل چھوڑ دیا گیا ہے۔ اس عمل کو زندہ کرنا اسلام کی اہم ترین ضروریات میں سے ہے۔

آنسر و علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ جو شخص میری کسی سنت کو اس کے مردہ ہونے کے بعد زندہ کرے تو اس کو سو شہیدوں کا ثواب ملتا ہے۔^(۷)

نیز جاننا چاہیے کہ باجماعت نماز میں صفوں کو سیدھا کرنا چاہیے، تاکہ نمازیوں میں کوئی آدمی آگے اور پیچھے کھڑا نہ ہو۔ کوشش کرنی چاہیے کہ سب ایک دوسرے کے برابر ہوں۔ آنسر و علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام پہلے صفوں کو سیدھا فرمایا کرتے تھے، اس کے بعد (تکبیر) تحریمہ کہتے تھے^(۸) اور نبی کریم علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ صفوں کو سیدھا کرنا نماز کی اقامت میں سے ہے۔^(۹) رَبَّنَا آتِنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً وَهَيِّءْ لَنَا مِنْ أَمْرِنَا رَشَدًا۔ (سورۃ کہف، ۱۰)

یعنی: اے ہمارے پروردگار! ہم پر اپنے ہاں سے رحمت نازل فرما اور ہمارے کام میں درستی (کے سامان) مہیا کر۔ اے سعادت کے نشان والے! عمل نیت سے درست ہوتا ہے۔ چونکہ آپ دارالحرب کے کافروں کے ساتھ جہاد کے لیے گئے ہیں، لہذا اول نیت کو درست کر لیں، تاکہ اس پر نتیجہ مترتب ہو۔ اس جنگ اور لڑائی کا مقصد کلمہ اسلام کو سر بلند کرنا اور دین کے دشمنوں کی اہانت و بربادی کرنا ہونا چاہیے، کیونکہ ہم اس پر مامور ہیں اور جہاد کے حکم سے بھی یہی مقصود ہے۔ دوسرے کاموں میں بھی اپنی نیت کو باطل نہ بنائیں۔ غازیوں کی خوراک بیت المال سے مقرر ہے جو جہاد کے منافی نہیں ہے اور (یہ) غازیوں کے اجر میں کوئی نقصان نہیں کرتی۔ خراب نیتیں عمل کو باطل کرتی ہیں۔ نیت کی تصحیح کر لیں اور بیت المال سے کھانا کھائیں اور جہاد کریں اور غازیوں اور شہیدوں کے اجر کے امیدوار رہیں۔ آپ کے حال پر رشک آتا ہے آپ باطن میں حق جل و علا کے ساتھ مشغول ہیں اور ظاہر میں بڑی جماعت کے ساتھ نماز ادا کرتے ہیں اور اس کے ساتھ دارالحرب میں کافروں سے جہاد کرنے کی دولت سے بھی مشرف ہو گئے ہیں۔ جو کوئی سلامت رہتا ہے، وہ غازی اور مجاہد ہے اور جو شخص مر گیا وہ شہید پاک ہے، لیکن یہ سب نیت درست کرنے کے بعد متصور ہے۔ اگر نیت کی حقیقت ثابت نہ ہو تو تکلف سے خود کو اس

نیت پر لانا چاہیے اور حضرت حق سبحانہ سے التجا و زاری کرنی چاہیے، تاکہ نیت کی حقیقت میسر ہو جائے۔

رَبَّنَا آتِنَا نُورًا وَاعْفِرْ لَنَا جَنَّاتٍ اِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ. (سورۃ تخریم، ۸)

یعنی: اے ہمارے پروردگار! ہمارا نور ہمارے لیے پورا کر اور ہمیں معاف فرما، بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے۔

دوسری نصیحت جو دوستوں کو کی جاتی ہے، وہ نماز تہجد کا لازم پکڑنا ہے، کیونکہ (یہ) طریقہ کی ضروریات میں سے ہے۔ حاضر ہونے پر بھی آپ کو کہا گیا تھا کہ اگر یہ چیز دشوار نظر آئے اور خلافِ عادت جاگنا میسر نہ ہو تو اپنے متعلقین میں سے کچھ لوگوں کو اس کام کے لیے مقرر کر دیں، جو اس وقت میں آپ کو رضا مندی سے اور نارضا مندی سے جگادیں اور آپ کو خواب غفلت میں نہ پڑا رہنے دیں۔ جب وہ چند روز یوں کریں گے تو اُمید ہے کہ تکلف کے بغیر آپ کو اس دولت پر دوام میسر آ جائے گا۔

ایک اور نصیحت لقمے میں احتیاط کرنے کی ہے۔ کیا ضرورت ہے کہ جو کچھ جس جگہ سے ملے، کھا لیا جائے اور شرعی حلال و حرام کا لحاظ نہ کیا جائے۔ یہ انسان اپنے طور پر مختار نہیں ہے کہ جو چاہے وہ کرے۔ بلکہ وہ ایک مولیٰ جلِ سلطانہ رکھتا ہے جس نے اس کے لیے امر و نہی کی تکلیف مقرر فرمائی ہے اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات جو جہان والوں کے لیے رحمتیں ہیں، کے ذریعے اپنی رضا مندی اور نارضا مندی کو بیان کیا ہے۔ وہ آدمی بد قسمت ہے جو اپنے مولا (جل و علا) کی مرضی کے خلاف کا تقاضا کرے اور مولا کی اجازت کے بغیر مولا کے ملک اور ملکیت میں تصرف کرے۔

شرم آتی چاہیے۔ مجازی مالک کی رضا مندی کا لحاظ کرتے ہیں اور نہیں چاہتے کہ اس بارے میں لحظہ بھر کی غفلت ہو جائے اور مولا نے حقیقی (جل شانہ) تاکید اور مبالغہ کے ساتھ ناپسندیدہ کاموں سے منع فرماتا ہے اور سخت سرزنش کرتا ہے۔ اس کی طرف کوئی توجہ نہیں کرتے ہو۔ یہ اسلام ہے یا کفر؟ فکر کریں۔ ابھی کچھ نہیں گیا اور گزشتہ کا تدارک ممکن ہے، کیونکہ کوتاہی کرنے والوں کے لیے بشارت ہے کہ: **التَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَا ذَنْبَ لَهُ**۔^(۱۰)

یعنی: گناہوں سے توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسے اس نے کوئی گناہ نہیں کیا۔

اس کے باوجود اگر کوئی شخص گناہ پر اصرار کرے اور اس پر خوش ہو تو وہ منافق ہے۔ صرف ظاہری اسلام اس کی سزا کو دور نہیں کرے گا اور اس کے عذاب کو نہیں روکے گا۔ (فقیر) اس سے زیادہ کیا تاکید اور مبالغہ کرے۔

الْعَاقِلُ تَكْفِيهِ إِلَّا شَارَةً۔^(۱۱) یعنی: عقلمند کے لیے اشارہ ہی کافی ہے۔

دوسرا یہ کہ خوف والی جگہوں اور دشمنوں کے غلبے کے مقامات پر امن و آرام کے لیے سورۃ لایلاف کا پڑھنا مجرب ہے۔ کم از کم ہر روز اور ہر رات گیارہ بار پڑھیں۔ حدیث مصطفوی علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام میں آیا ہے: **مَنْ نَزَلَ مَنْزِلًا ثُمَّ قَالَ اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ لَا يَضُرُّهُ شَيْءٌ حَتّٰى ارْتَحَلَ مِنْ مَنْزِلِهِ ذٰلِكَ**۔^(۱۲)

یعنی: جو شخص کسی جگہ اترے اور اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ (یعنی: میں اللہ تعالیٰ کے پورے کلمات کے ساتھ پناہ مانگتا ہوں ہر اُس چیز کے شر سے جس کو اُس نے پیدا کیا) پڑھے تو وہاں سے کوچ کرنے تک اسے کوئی چیز نقصان نہیں پہنچائے گی۔

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اَتَّبَعَ الْهُدٰی. (سورۃ طہ، آیت ۴۷)

یعنی: اور جو شخص ہدایت کی بات مانے، اسے سلامتی نصیب ہو۔

مکتوب نمبر (۷۰)

مولانا عبدالواحد لاہوری کو تحریر فرمایا۔ کعبہ معظمہ کے اسرار اور حقائق کے بیان میں کہ جس طرح انسان میں عرش کا نمونہ

ہے، اسی طرح کعبہ معظمہ کا نمونہ بھی ہے اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کا بیان)۔

انسان میں جس طرح اس کا قلب رحمن جل سلطانہ کے عرش کا نمونہ ہے اور اس کے قلب کا ظہور عرش کے ظہور کا نمونہ ہے، اسی طرح بیت اللہ کا بھی ایک نشان انسان میں ہے جو درمیان میں ہے اور دائیں اور بائیں سے بیگانہ ہے، حسنِ سبقت کے لحاظ سے بے مثال ہے۔ اس دولتِ عظمٰی کے اصل مالک انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات ہیں اور ان بزرگواروں کی تبعیت (پیروی) اور وراثت کے طور پر امتیوں میں سے جس کسی کو چاہیں، اسے بھی اس سے مشرف کرتے ہیں۔ انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کے صحابہ (کرامؓ) میں انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کی صحبت کی برکت سے یہ دولت بہت زیادہ تھی اور صحابہ (کرامؓ) کے زمانہ کے بعد اس میں کمی پیدا ہو گئی۔

طویل زمانے گزرنے کے بعد اگر کسی شخص کو اس دولت سے وراثت و تبعیت کے طور پر مشرف کر دیں تو غنیمت ہے اور کبریتِ احمر ہے۔ یہ شخص صحابہ کرام علیہم الرضوان کے گروہ میں داخل ہے اور سابقین میں سے ہے۔ اس بلند نسبت کا مالک مرکزِ مطلوب کی دولت سے ممتاز ہے۔ اگرچہ نفسِ مرکز میں بھی (مختلف) مراتب ہیں، لیکن (یہ) سبقت کی دولت سے مشرف ہے۔ (فقیر) اس سے زیادہ اس معما سے کیا ظاہر کرے اور اس رمز و اشارہ کی کیا شرح کرے۔ جب اللہ سبحانہ کے فضل سے یہ بلند نسبت ظاہر ہوتی ہے تو پہلی سبب نسبتیں زوال پذیر ہو جاتی ہیں اور ان کے نام و نشان سے کچھ باقی نہیں رہتا۔ خواہ نسبتِ قلبی ہو یا نسبتِ غیر قلبی ہو۔ اس مقام کا نشان ہے کہ اِذَا جَاءَ نَهْرُ اللّٰهِ بَطَلَ نَهْرُ عِیْسٰی۔

یعنی: جب اللہ کی نہر آگئی تو عیسیٰ کی نہر باطل ہو گئی۔

اس دولت کے صاحبان اس سیدھے راستے پر ہیں جو مطلوب کے وصال کے بالمقابل گزرتا ہے اور جو شخص اس سیدھے راستے سے دائیں اور بائیں موجود ہے، اس کا وصولِ ظلال میں سے ایک ظل تک ہے۔ اگرچہ ظلال میں بھی مختلف مراتب ہیں، لیکن وہ سب ظلیت کے داغ سے داغدار ہیں:

فراقِ دوست اگر اندک است اندک نیست درون دیدہ اگر نیمِ موسست بسیار است

یعنی: دوست کی جدائی اگر تھوڑی ہے تو بھی بہت ہے، کیونکہ آنکھ میں اگر آدھا بال ہے تو وہ بھی بہت زیادہ ہے۔

جو شخص سیدھے راستے سے رائی کے دانے کے برابر بھی دور ہو جائے وہ جس قدر بھی چلتا ہے، اتنا ہی زیادہ دور ہوتا جاتا

ہے اور وہ اپنے مطلوب کے وصول سے بہت دور جا پڑتا ہے:

ترسم نرسی بکعبہ اے اعرابی کین رہ کہ تو میروی بترکستان ست^(۱)

یعنی: اے اعرابی! میں ڈر رہا ہوں کہ تو کعبہ نہیں پہنچ پائے گا، (کیونکہ) جس راستے پر تو چل رہا ہے (وہ) ترکستان کو

جاتا ہے۔

ثَبَّتْنَا اللَّهُ سُبْحَانَهُ عَلَى الصِّرَاطِ الْمُسْتَقِيمِ. یعنی: اللہ سبحانہ ہمیں سیدھے راستے پر ثابت قدم رکھے۔

وَالسَّلَامُ عَلَى مَنْ اتَّبَعَ الْهُدَى. (سورۃ طہ، آیت ۴۷)

یعنی: اور جو شخص ہدایت کی بات مانے، اسے سلامتی نصیب ہو۔

مکتوب نمبر (۷۱)

حضرت مخدوم زادہ جامع علوم عقلی و نقلی خواجہ محمد سعید سلمہ اللہ تعالیٰ کو تحریر فرمایا۔ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ (کے اسرار میں)۔

کلمہ طیبہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ کا پہلا جزء حق تعالیٰ و تقدس کے مرتبہ و وجوب کے ثبوت پر مشتمل ہے۔ مرتبہ و وجوب کا ظہور مثالی صورت میں نقطہ کی صورت میں اس مرتبہ کے اس ظہور کی نسبت جو کہ طویل و عریض صورت میں ظاہر ہوتا ہے، بہت زیادہ قریب ہے۔ اگرچہ اس مرتبہ میں نہ نقطہ کی گنجائش ہے اور نہ ہی دائرہ کی۔ نہ وہاں طول کی مجال ہے اور نہ ہی عرض و گہرائی کی۔ لہذا کشفی صورت میں کلمہ ثبت نقطہ کے رنگ میں نظر آتا ہے اور کلمہ (کا دوسرا جزء) مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ جو خلق کی دعوت کی خبر دیتا ہے اور جو اجسام اور جواہر کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اور طول و بسط کا وہاں قدم مضبوط ہے۔ لہذا مجبوراً اس مقام کی مثالی صورت کشفی نظر میں طویل و عریض دکھائی دیتی ہے۔ اس مقام میں سالک اپنے بقیہ سکر کی وجہ سے جو کہ اس میں رہ گیا ہے، کلمے کے دوسرے جزء (مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ) کو دریا ئے محیط کی طرح پاتا ہے اور کلمے کے پہلے جزء (لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ) کو اس دریا کے مقابلے میں نقطہ کی طرح خیال کرتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اس فقیر نے بھی باقی ماندہ سکر کے تحت حکم کیا ہے اور لکھا ہے کہ کلمے کا دوسرا جزء ایک دریا ہے جس کے مقابلے میں کلمے کا پہلا جزء ایک نقطے کی مانند ہے۔ اس مقام میں صاحب فتوحات مکیہ نے بھی لکھا ہے کہ جمع محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) حق جل سلطانہ کی بے انتہا جمع سے زیادہ جامع ہے۔ پھر جب اللہ سبحانہ کی عنایت سے مرتبہ و وجوب تعالیٰ و تقدس کی وسعت بے مثلی پروژا الٰہی ہے اور اس مقدس مرتبہ کی بے کیفی کا احاطہ ظاہر ہوتا ہے تو اس قدر طول و عرض کے باوجود تمام عالم دریائے بیکراں کے مقابلے میں ایک ناقابل تقسیم جزء کا حکم پیدا کر لیتا ہے اور (سالک) جس چیز کو پہلے ایک نقطہ پاتا تھا، اس وقت اسے ایک دریائے بیکراں پاتا ہے اور دریا ئے محیط کو ایک ناقابل تقسیم جزء سے بھی زیادہ چھوٹا دیکھتا ہے۔

اس وجہ سے کوئی یہ خیال نہ کرے کہ ولایت نبوت سے افضل ہے، کیونکہ ولایت پہلے کلمہ کے مناسب ہے اور نبوت دوسرے کلمہ کے مناسب ہے۔ کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ نبوت دونوں مقدس کلمات کا حاصل ہے۔ نبوت کا عروج پہلے کلمہ سے تعلق رکھتا ہے اور اس کا نزول دوسرے کلمہ سے۔ پس (ان) دونوں کلمات کا مجموعہ مقام نبوت کا حاصل ہے، نہ یہ کہ صرف دوسرا کلمہ مقام نبوت کا حاصل ہے، جس طرح کہ کچھ لوگوں نے گمان کیا ہے اور انہوں نے پہلے کلمہ کو ولایت کے ساتھ مخصوص رکھا ہے۔ اس طرح نہیں ہے، بلکہ دونوں کلمات عروج اور نزول کے اعتبار سے بھی مقام ولایت کا حاصل ہیں اور عروج و نزول کے لحاظ سے مقام نبوت کا بھی حاصل ہیں۔

مختصر یہ کہ مقام ولایت مقام نبوت کا ظل ہے اور ولایت کے کمالات نبوت کے کمالات کے ظلال ہیں۔ مقام سکر میں جو کچھ بھی کہیں، لوگ معذور ہیں اور یہ فقیر بھی سکر کی باتوں میں ان کے ساتھ شریک ہے، لہذا اس نے اپنے بعض مکتوبات میں پہلے کلمہ کو مقام ولایت کے مناسب لکھا ہے اور دوسرے کلمہ کو مقام نبوت کے مناسب۔ سکر ایک عظیم نعمت ہے، اس شرط سے کہ اس کے بعد صحو میں لے آئیں اور طریقت کے کفر سے (نکال کر) اسلام کی حقیقت میں لے آئیں۔

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا (سورة بقرہ، ۲۸۶) بِصَدَقَةِ حَبِيبِكَ مُحَمَّدٍ عَلَيْهِ وَ عَلَى آلِهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ وَيَرْحَمُ اللَّهُ عَبْدًا قَالَ آمِينَ.

یعنی: اے ہمارے پروردگار! اگر ہم سے بھول چوک ہوگئی یا ہم سے خطا ہوگئی ہے تو اپنے حبیب (حضرت) محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے ہم سے مواخذہ نہ فرما۔ اور اللہ تعالیٰ اس بندے پر رحم فرمائے جو (ہماری اس دعا پر) آمین کہے۔

مکتوب نمبر (۷۲)

مخدوم زادہ (حضرت) خواجہ محمد معصوم کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ بیت اللہ مقدس کا معاملہ تجلیات و ظہورات اور ظہور عرشی سے بالاتر ہے، نیز حقیقت کعبہ کے ملنے اور وصول ہونے اور (اپنی ظاہری صورت سے) کعبہ معظمہ کی صورت کی زیارت کے شوق کے بیان میں۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ وَسَلَامٌ عَلَى عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَى. (سورة النمل، ۵۹)

یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اُس کے اُن بندوں پر سلام ہو جن کو اُس نے منتخب فرمایا۔ ظہور عرشی اگرچہ سب ظہورات سے بالاتر ہے، لیکن جو معاملہ بیت اللہ مقدس سے متعلق ہے وہ ظہورات و تجلیات سے بالاتر ہے۔ اس جگہ ظہور و تجلی کا نام لینا باعثِ شرم ہے۔ تجلیات و ظہورات دائرے کے محیط کا حکم رکھتے ہیں اور یہ معاملہ اس دائرے کے مرکز کا حکم رکھتا ہے اور (اس میں کوئی) شک نہیں ہے کہ دائرے کا محیط اپنی وسعت کے باوجود (دائرے کے) مرکز کا ظل ہے، کیونکہ اسی نقطے نے اپنے ظل کے مرکز کو فراخ بنا دیا ہے اور سو نقطوں کی صورت میں ظاہر ہو کر دائرے کا محیط بن گیا ہے۔ زیر بحث معاملے کو اس نقطے سے تعبیر کرنا زیادہ قریب چیزوں سے تعبیر کرنے کی قسم سے ہے، ورنہ اس جگہ نقطہ بھی دائرے کی طرح مفقود ہے۔ نہ ظاہر کی وہاں مجال ہے اور نہ ہی مظہر کی اور اس مقام میں نہ اصل کی گنجائش ہے اور نہ ہی ظل۔ کیونکہ اصل بھی ظل کی مانند اس دولت سرا سے دور راستے میں رہ گیا ہے۔ شعر:

چہ گویم با تو از مرغی نشانہ کہ با عنقا بود ہم آشیانہ

ز عنقا هست نامے پیش مردم ز مرغ من بود آں نام ہم گم

یعنی: میں تجھے اس پرندے کا پتا کیا بتاؤں، کیونکہ وہ عنقا کا ہم گھونسلہ ہے۔

✦ عنقا کا نام تو لوگ جانتے ہیں، میرے اس پرندے کا نام بھی نامعلوم ہے۔

بنی اسرائیل کے انبیاء علیٰ مینا و علیہم الصلوٰات والتحیات کا کعبہ جو صخرہ بیت المقدس ہے، اس کے کمالات و ظہورات بھی آخر کار اس کعبہ معظمہ کے کمالات سے متعلق ہوتے ہیں اور اس سے مل جاتے ہیں، کیونکہ اطراف کو مرکز کے ساتھ ملنے کے سوا

چارہ نہیں ہے۔ راستے جب تک اس مرکز تک نہ پہنچیں جو صراطِ مستقیم ہے، اس وقت تک مقصد تک رسائی حاصل نہیں کر سکتے۔ کیسا ہی پیارا شوق ہے جو کعبہ معظمہ کے دیدار کا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے: **إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبْرَكًا وَهُدًى لِلْعَالَمِينَ**۔ **فِيهِ آيَاتٌ مَّا بَيَّنَّتْ مَقَامَ إِبْرَاهِيمَ** ح وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا ط وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حُجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا ط وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ۔ (سورۃ آل عمران، ۹۷-۹۸)

یعنی: پہلا گھر جو لوگوں (کے عبادت کرنے) کے لیے مقرر کیا گیا، وہی ہے جو مکے میں ہے، بابرکت اور جہان کے لیے موجب ہدایت۔ اس میں کھلی ہوئی نشانیاں ہیں جن میں سے ایک (حضرت) ابراہیم (علیہ السلام) کے کھڑے ہونے کی جگہ ہے، جو شخص اس (مبارک) گھر میں داخل ہوا اس نے امن پالیا اور لوگوں پر اللہ کا حق (یعنی فرض) ہے کہ جو اس گھر تک جانے کا مقدور رکھے، وہ اس کا حج کرے اور جو اس حکم کی تعمیل نہ کرے گا تو اللہ بھی سارے جہانوں سے بے نیاز ہے۔

اگرچہ اللہ سبحانہ کے فضل سے حقیقت کعبہ سے ملنا میسر ہو چکا ہے اور اس (کے) ملنے کے بعد وصول کی بیشمار تر قیاں نصیب ہوئی ہیں، لیکن (فقیر کے) جسم کو کعبہ کی ظاہری صورت کی ملاقات کا شوق (دامن گیر) ہے۔ حج فرض ہو چکا ہے اور راستے کا امن بھی سلامتی کے غلبہ کی وجہ سے ثابت ہو گیا ہے اور فرض کے ادا کرنے کا شوق بھی کمال درجے کا ہے، لیکن دیر پر دیر ہو رہی ہے۔ استخارہ سفر کی موافقت نہیں کر رہا اور (فقیر) جتنا بھی اچھے طریقہ سے متوجہ ہوتا ہے، جانے کا راستہ نہیں کھلتا اور کعبہ تک رسائی نظر نہیں آرہی۔ کیا کیا جائے، فرض کی ادائیگی میں تاخیر کرنے کے لیے سارے عذر سودمند نہیں ہیں۔ بہر حال اللہ سبحانہ کی توفیق سے فرض حج کی ادائیگی کے ارادے سے گھر سے نکلنا چاہیے اور سر اور آنکھوں سے ان منازل کو طے کرنا چاہیے۔ اگر وہاں پہنچنا میسر ہو گیا تو یہ نعمت عظمیٰ ہے اور اگر راستے میں رہ گئے تو بھی بڑی امیدواری ہے۔

رَبَّنَا آتِنَا نُورًا وَافْغِرْ لَنَا جِائِكَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ۔ (سورۃ تحریم، ۸)

یعنی: اے ہمارے پروردگار! ہمارا نور ہمارے لیے پورا کر اور ہمیں معاف فرما، بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے۔

وَصَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ سَيِّدَنَا مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَصَحْبِهِ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ۔

یعنی: اور ہمارے سردار (حضرت) محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی آل (اطہار) اور صحابہ (کرام) پر درود و سلام

اور برکات نازل ہوں۔

مکتوب نمبر (۷۳)

حضرت مخدوم زادہ مجدد الدین خواجہ محمد معصوم سلمہ اللہ تعالیٰ کو تحریر فرمایا۔ انسانِ کامل کے ظاہر و باطن کے بیان میں اور جو

کچھ اس کے مناسب ہے۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ وَسَلَامٌ عَلَى عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَى۔ (سورۃ النمل، ۵۹)

یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اُس کے اُن بندوں پر سلام ہو جن کو اُس نے منتخب فرمایا۔

انسانِ عالمِ خلق اور عالمِ امر کے مجموعہ سے عبارت ہے۔ عالمِ خلق کو انسان کی صورت و ظاہر تصور کرتے ہیں اور عالمِ امر

کو انسان کی حقیقت و باطن سمجھتے ہیں اور اعیانِ ثابتہ کو جو ممکنات کے حقائق کہتے ہیں، وہ اس اعتبار سے ہے کہ ممکنات ان

اعیان کے ظلال ہیں اور وہ اعیان ان کے اصول ہیں، کیونکہ ممکنات کی حقیقت و ماہیت وہی اعیان کے ظلال ہیں، کیونکہ ممکنات ان ظلال کے ذریعے ممکنات بنے ہیں اور انہوں نے اپنا وجود ظلی پیدا کیا ہے۔ بخلاف ان اعیان کے جو وہاں تعینات و جوبیہ ثابت کرتے ہیں اور ان کو امکان کے مراتب سے بالاتر سمجھتے ہیں۔ کیونکہ تعین وحدت اور تعین واحدیت جو اعیان ثابتہ کا مرتبہ ہے، کو تعین و جوبی کہتے ہیں اور تین دوسرے تعینات جو تعین روحی، تعین مثالی اور تعین جی ہیں، کو انہوں نے تعین امکانی سمجھا ہے۔ اس طرح تعین و جوبی کو جو تعین امکانی کہتے ہیں تو (یہ) مجاز کے طور پر ہوگا، کیونکہ حقیقت امکانی عالم امکان سے ہوگی، نہ کہ مرتبہ وجوب سے۔ (کیونکہ) شے کی اصل گویا شے کی حقیقت ہے۔

پس انہوں (صوفیہ) نے جو یہ کہا ہے کہ صوفی کائن اور بائن ہے، یعنی ظاہر میں خلق کے ساتھ ہے اور باطن میں ان سے الگ ہے کہ وہ حق سبحانہ کے ساتھ ہے۔ انہوں نے ظاہر سے مراد اس کا عالم خلق لیا ہے اور باطن سے اس کا عالم امر لیا ہے اور اس مقام کو جو کہ دو توجہات کا جامع ہے، بہت عالی کہتے ہیں اور (اس کو) تکمیل و ارشاد کا مرتبہ سمجھتے ہیں۔

اس فقیر کو اس مقام میں خاص معرفت حاصل ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک شخص جو خاص الخاص میں سے ہے، جس کے نزدیک عالم خلق اور عالم امر دونوں صورت و ظاہر کا مجموعہ ہوں اور اس کی حقیقت و باطن وہی اسم ہے جو اس کے تعین کا مبداء ہے، دوسرے اسماء و شیونات کے ساتھ، جو اس اسم کے اصل کی مانند ہیں۔ حتیٰ کہ وہ حضرت ذات تک پہنچ جائیں جو شیون و اعتبارات سے مجرد ہے۔ اس کامل معرفت رکھنے والے عارف کو جب تمام مراتب امکانیہ کو طے کرنے کے بعد اس اسم تک جو اس کا قیوم ہے، رسائی میسر ہو چکی ہے اور اس کی ”انا“ مراتب امکانیہ سے جدا ہو کر اس اسم کے مطابق ہو گئی ہے اور اس ”انا“ نے عروج کے طور پر اس اسم کے مراتب فوق جو اصل کی مانند ہیں، کے ساتھ بالترتیب موافقت پیدا کر لی ہے اور اسی دستور سے احدیت مجردہ تک پہنچ گئی ہے۔ پس اس کی ”انا“ کے یہ موافق ہونے کے تمام مراتب اس کی حقیقت بن گئے ہیں اور اس کا عالم امر اس کے عالم خلق کی طرح اس حقیقت کی صورت بن گیا ہے اور یہ صورت اس حقیقت کے لیے اس لباس کی مانند ہے جس طرح کہ لباس پہننے والا شخص کپڑے کے لیے ہے۔ دوسروں نے ”انا“ کا اطلاق چونکہ عالم خلق اور عالم امر پر موقوف رکھا ہے، لہذا یقیناً ان کی صورت و حقیقت یہی عالم خلق اور عالم امر ہیں اور جو اسماء ان کے تعینات کے مبادی ہیں وہ ان کے قیوم سے زیادہ نہیں ہیں۔

سوال: عارف جس قدر کمال معرفت پیدا کر لے، وہ جملہ ممکنات میں سے ہے اور وہ امکان سے (نکل کر) وجوب سے موصوف نہیں ہو سکتا۔ لہذا وہ اسم جو اس کا قیوم ہے اور مرتبہ وجوب میں سے ہے، وہ کیونکر اس کی حقیقت ہو سکتا ہے اور اس کا جزء ہو سکتا ہے؟

جواب: ہم کہتے ہیں کہ یہ حقیقت شہود کے اعتبار سے ہے، نہ کہ وجود کے اعتبار سے، تاکہ تبدیلی آنا لازم آئے۔ جیسا کہ بقا باللہ کہتے ہیں۔ یہ شہود محض تخیل نہیں ہے، بلکہ اس پر ثمرات اور نتائج بھی حاصل ہوتے ہیں:

فریادِ حافظ این ہمہ آخر بہر زہ نیست ہم قصہ غریب و حدیث عجیب ہست^(۱)

یعنی: حافظ کی یہ سب فریاد یہودہ نہیں ہے، بلکہ عجیب قصہ اور ایک نرالی بات ہے۔

لہذا ثابت ہوا کہ جو چیز دوسروں کی صورت اور حقیقت کا مجموعہ ہے، وہ اس عارف کی محض صورت ہے۔ کیونکہ صورت کو اس حقیقت کے ساتھ وہ نسبت ہے جو کپڑے کو اس کے پہننے والے کے ساتھ حاصل ہے۔ سو دوسرے لوگ اس کی حقیقت کو کیسے پائیں اور کیا سمجھیں؟ اور وہ اسے اپنی صورتوں اور حقیقتوں کی طرح سمجھنے کے علاوہ کیا خیال کر سکتے ہیں؟ اس عارف کی معرفت حق سبحانہ کی معرفت کو لازم کرتی ہے۔ (یہ حدیث شریف) انہی کا پتا دیتی ہے: إِذَا رُءِیَ وَادُّکُمُ اللّٰهُ سُبْحَانَهُ^(۲) یعنی: جب وہ نظر آئیں تو اللہ سبحانہ یاد آ جاتا ہے۔

الہی! یہ کیا معاملہ ہے جو تو نے اپنے دوستوں کے ساتھ کیا ہے کہ جس شخص نے ان کو پہچانا، اس نے تجھے پایا اور جب اس نے تجھے نہ پایا تو ان کو بھی نہ پہچان سکا۔

فقیر نے جو بات اپنی بعض کتابوں اور رسائل میں لکھی ہے کہ کامل معرفت رکھنے والا عارف رجوع کے بعد اپنی پوری استعداد کے ساتھ عالم کی دعوت کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے، یہ نہیں ہوتا کہ اس کا ظاہر خلق کے ساتھ ہو اور اس کا باطن حق جل سلطانی کے ساتھ۔ اس پوری استعداد سے مراد اس کا عالم خلق اور عالم امر ہے، جیسا کہ صوفیہ کے ہاں متعارف ہے۔ یعنی وہ عالم خلق اور عالم امر دونوں کے ساتھ دعوت کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔

وہ حقیقت و باطن جس کے بارے میں فقیر نے اوپر لکھا ہے اور اس سے اسمِ قیوم اور اس کا مافوق مراد لیا ہے۔ حق جل و علا کے ساتھ اس کی توجہ کوئی معنی نہیں رکھتی، کیونکہ وہ تو عالم و جوب میں سے ہے۔ جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔ سو بہر حال رجوع کے وقت عارف کامل کی توجہ پوری طرح خلق کی جانب ہوتی ہے۔ اور یہ کہ وہ ایک رخ خلق کی طرف رکھتا ہے اور دوسرا رخ حق جل و علا کی جانب رکھتا ہے، وہ سیر کے درمیان میں ہے۔ لیکن یہ شخص اس سالک سے بلند تر ہے جس کا رخ پوری طرح حق جل و علا کی طرف ہے۔ کیونکہ یہ شخص بندوں کے حقوق کو ادا کرنے میں ناقص ہے اور وہ دونوں حقوق کی ادائیگی، حق جل و علا کا حق اور مخلوق کا حق مقدور بھر بجالاتا ہے اور مخلوق کو خالق جل سلطانی کی جانب بلاتا ہے۔ پس اس کی نسبت زیادہ کامل ہے۔

جاننا چاہیے کہ حق جل سلطانی کی طرف توجہ کرنا دوری طلب کرتا ہے اور اس عارف کے حق میں دوری دوسروں کا نصیب بن گیا ہے جو توجہ کے محتاج ہیں۔ کیا تو نے کسی ایسے شخص کو دیکھا ہے جو اپنی طرف متوجہ ہو۔ پھر وہ اس کی طرف کیسے متوجہ ہو سکتا ہے جو خود سے بھی زیادہ نزدیک تر ہے، کیونکہ توجہ کی اس کے ساتھ کوئی صورت نہیں بنتی۔ اور یہ عدم توجہ اس عارف کے کمالات کی خصوصیات میں سے ہے۔ ممکن ہے کہ دور بین لوگ اس کو نقص خیال کریں اور توجہ کو عدم توجہ سے زیادہ کمال تصور کریں۔ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ ان کو انصاف (کی توفیق) بخشے تاکہ وہ اپنے جہل مرکب کا حکم نہ کریں اور ہنر کو عیب نہ سمجھیں۔

مکتوب نمبر (۷۴)

خواجہ ہاشم کو تحریر فرمایا۔ آیت کریمہ: فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ (سورۃ فاطر، ۳۲) اور آیت کریمہ: اِنَّا عَرَضْنَا الْاٰمَانَةَ (سورۃ احزاب، ۷۲) کی تاویل میں اور انسان کامل کی خلافت کے بیان میں کہ جس کا معاملہ یہاں تک پہنچ جاتا ہے کہ اسے تمام اشیاء کا قیوم بنادیتے ہیں اور یہ اپنے نفس کے لیے ظالم ہے اور مقصد کو ندیم اور خلیل سے تعبیر کیا گیا ہے اور سابق الخیرات کو محبت اور محبوب کے ساتھ جن کے حلقہ کے سردار (حضرت) محمد رسول اللہ علیہ وعلی آلہ

الصَّلَاةَ وَالسَّلَامَ ہیں۔

اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے: ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا جَ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِنَفْسِهِ ج وَمِنْهُمْ مُقْتَصِدٌ ج وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ بِإِذْنِ اللَّهِ. (سورة فاطر، ۳۲)

یعنی: پھر ہم نے ان لوگوں کو کتاب کا وارث ٹھہرایا جن کو اپنے بندوں میں سے برگزیدہ کیا تو کچھ ان میں سے اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں اور کچھ میانہ رو ہیں اور کچھ اللہ کے حکم سے نیکیوں میں آگے نکل جانے والے ہیں۔

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا. (سورة احزاب، ۷۲)

یعنی: ہم نے (بار) امانت آسمانوں اور زمین پر پیش کیا تو انہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اس کو اٹھالیا۔ بیشک وہ ظالم اور جاہل تھا۔

ان دونوں آیات کی مراد اللہ سبحانہ ہی جانتا ہے اور ہم وہی کچھ بیان کریں گے جو ہم پر ظاہر ہوا۔

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا. (سورة بقرہ، ۲۸۶)

یعنی: اے ہمارے پروردگار! اگر ہم سے بھول یا چوک ہوگئی ہو تو ہم سے مواخذہ نہ کرنا۔

جاننا چاہیے کہ (مروی ہے): إِنَّ اللَّهَ خَلَقَ آدَمَ عَلَى صُورَتِهِ. ^(۱) (یعنی: بیشک اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر تخلیق فرمایا۔) حق تعالیٰ صورت (شکل) سے پاک اور بلند تر ہے، لہذا آدم کی تخلیق حق سبحانہ کی صورت پر ہونے کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ اگر مرتبہ تنزیہ کے لیے عالم میں کسی صورت کی مثال فرض کی جاتی ہے تو یقیناً یہی صورت جامع ہوگی، کیونکہ انسان اس صورت جامع پر موجود ہوا ہے۔ کسی اور صورت میں یہ قابلیت نہیں کہ وہ اس مقدس مرتبہ کی تمثیل بن سکتی ہو اور اس کا آئینہ بن سکے۔ یہی وجہ ہے کہ انسان حق تعالیٰ کی خلافت کے لائق ہو گیا ہے۔ کیونکہ جب تک خلیفہ شے کی صورت پر تخلیق نہ ہو اس وقت تک وہ شے کی خلافت کے شایان شان نہیں ہو سکتا، کیونکہ شے کا خلیفہ اس شے کا جانشین اور قائم مقام ہوتا ہے اور جب انسان رحمن تعالیٰ کا خلیفہ بنا تو پھر یقیناً بار امانت کو اٹھانے کے لیے متعین بھی ہوا۔ لَا يَحْمِلُ عَطَايَا الْمَلِكِ إِلَّا مَطَايَاهُ. ^(۲) (یعنی: بادشاہ کی عطاؤں کو اس کی سواریاں ہی اٹھا سکتی ہیں۔)

آسمان وزمین اور پہاڑیہ جامعیت کہاں سے حاصل کریں، تاکہ وہ حق تعالیٰ کی صورت پر مخلوق بن جائیں اور حق تعالیٰ کی خلافت کے شایان شان ہو جائیں اور حق سبحانہ کی امانت کا بوجھ اٹھا سکیں۔

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اگر بالفرض اس بار امانت کو آسمان وزمین اور پہاڑ کے حوالے کریں تو وہ پارہ پارہ ہو جائیں اور ان سے کوئی اثر باقی نہ رہے۔ وہ امانت اس فقیر کے خیال میں بطور نیابت سب چیزوں کی قومیت ہے جو انسان کامل کے افراد کے ساتھ مخصوص ہے۔ یعنی انسان کامل کا معاملہ یہاں تک پہنچ جاتا ہے کہ اس کو بحکم خلافت سب چیزوں کا قیوم بنا ڈالتے ہیں اور سب مخلوق کو وجود و بقا اور تمام ظاہری و باطنی کمالات کا افاضہ اسی کے ذریعے پہنچاتے ہیں۔ اگر فرشتہ ہے تو اسی کے ساتھ متوسل ہے اور اگر انسان و جن ہے تو وہ بھی اسی کے ساتھ چمٹنے والا ہے۔ درحقیقت تمام چیزوں کی توجہ اسی کی جانب ہے اور

سب اسی کے منتظر ہیں، خواہ وہ اس بات کو سمجھیں یا نہ سمجھیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا۔ (سورۃ احزاب، ۷۲)

یعنی: بیشک وہ ظالم اور جاہل تھا۔

وہ اپنی جان پر اتنا زیادہ ظلم کرتا ہے کہ اپنے وجود اور اپنے وجود کے توابع میں سے کوئی نشان اور حکم باقی نہیں چھوڑتا اور جب تک وہ اپنے اوپر اتنا ظلم نہ کرے، امانت کا بوجھ اٹھانے کے قابل نہیں ہوتا۔ جَهُوْلًا۔ یعنی: اتنا زیادہ نادان ہے کہ اسے اپنے مطلوب کا کوئی علم اور ادراک نہیں ہے، بلکہ وہ مطلوب کے ادراک سے عاجز ہے اور مقصود کے علم سے جاہل ہے۔ اور یہ عجز و جہل اس مقام میں کمالِ معرفت ہے، کیونکہ اس مقام میں سب سے زیادہ جاہل، سب سے زیادہ عارف ہے اور بیشک جوان میں سب سے زیادہ عارف ہے، وہی بار امانت کو اٹھانے کے لائق ہے۔ یہ دونوں صفات گویا بار امانت اٹھانے کا سبب ہیں۔

یہ عارف جو اشیاء کی قیومیت کے منصب سے مشرف ہوا ہے، اس وزیر کا حکم رکھتا ہے، جس کی طرف تمام مخلوقات کے اہم امور موڑ دیے گئے ہیں۔ اگرچہ انعامات بادشاہ کی جانب سے ہیں، لیکن ان کا پہنچنا وزیر کے توسط سے وابستہ ہے۔ اس دولت کے سردار ابوالبشر حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں اور یہ بلند منصب اصلاً اولوالعزم انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتحيات کے ساتھ مخصوص ہے اور ان بزرگواروں کی تبعیت (پیروی) اور وراثت کے طور پر جسے چاہیں اس دولت سے مشرف فرماتے ہیں:

ع با کریمیاں کارہا دشوار نیست
یعنی: کریم لوگوں کے لیے کام مشکل نہیں ہیں۔

کتاب کے وارثین جو حق تعالیٰ کے بندوں میں سے برگزیدہ لوگ ہیں، میں سے پہلا گروہ یہی اپنی جان پر ظلم کرنے والے حضرات ہیں، جو وزارت و قیومیت کے منصب سے مشرف ہیں۔ اور ان برگزیدہ حضرات میں سے دوسرا گروہ جن کی تعبیر مقصد (میانہ رو) فرمائی گئی ہے، وہ لوگ ہیں جو دولتِ خلعت سے مشرف ہوئے ہیں اور صاحب سر اور اہل مشورہ ہیں۔ اگرچہ بادشاہت کا معاملہ اور کاروبار وزیر سے وابستہ ہے۔ لیکن خلیل ہم نشین ہے اور انس والفت کا صاحب ہے۔ خلیل اپنی مسرت کے لیے ہے اور وزیر دوسروں کے اہم امور کے لیے ہے۔ شَتَّانَ مَا يَبْنِيْهُمَا۔ یعنی: ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ اس بلند مقام کے سردار حضرت ابراہیم خلیل الرحمن علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں اور ان کے بعد جس شخص کو چاہیں اس بلند مقام سے مشرف فرمائیں۔

مقامِ خلعت سے بالاتر مقامِ محبت ہے اور تیسرے گروہ کے لوگ جو سابق بالخیرات (نیکوں میں آگے نکل جانے والے) ہیں، وہ اس اعلیٰ مقام سے مشرف ہوئے ہیں۔ یار اور ہم نشین اور ہے اور محبت اور محبوب اور ہے۔ اسرار اور معاملات جو محبت اور محبوب کے درمیان ہوتے ہیں۔ یار اور ہم نشین کا وہاں کیا دخل ہے؟ اگرچہ انس والفت کے کمال کے وقت میں محبت کے پوشیدہ رازوں کو خلیل القدر خلیل کے ساتھ درمیان میں لایا جاسکتا ہے اور اس کو محبت اور محبوب کے اسرار کا محرم بنایا جاسکتا ہے۔ محبین کے سردار حضرت کلیم اللہ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں اور محبوبوں کے گروہ کے سردار حضرت خاتم الرسل علیہ وعلی

علیہم الصلوٰات والتسلیمات والتحیات ہیں اور ان صاحبِ دولتوں کی تبعیت (پیروی) اور وراثت کے طور پر جس کو چاہیں ان دو مقامات سے مشرف فرماتے ہیں۔ جو مقامات مقامِ محبت سے بالاتر ہیں، وہ اس فقیر کے مکتوبات میں سے کسی مکتوب میں بیان ہو چکے ہیں اور ان مقامات کے صدر نشین بھی حضرت محمد رسول اللہ علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام ہیں اور یہ سب سابقین کے مقام میں داخل ہیں جو کتاب کے وارثین میں سے تیسرے گروہ کو نصیب ہے۔ رَبَّنَا اَتِنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً وَهَيِّءْ لَنَا مِنْ أَمْرِنَا رَشَدًا. (سورۃ کہف، ۱۰)

یعنی: اے ہمارے پروردگار! ہم پر اپنے ہاں سے رحمت نازل فرما اور ہمارے کام میں درستی (کے سامان) مہیا کر۔

وَالسَّلَامُ عَلَيَّ مَنْ اتَّبَعَ الْهُدَى. (سورۃ طہ، آیت ۴۷)

یعنی: اور جو شخص ہدایت کی بات مانے، اسے سلامتی نصیب ہو۔

مکتوب نمبر (۷۵)

مرزا مظفر خان کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ تکلیفیں اور مصیبتیں دوستوں کے لیے کفارہ ہیں اور عاجزی اور زاری سے

معافی اور عافیت طلب کرنی چاہیے اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کا بیان)۔

سَلِّمَكُمُ اللَّهُ سُبْحَانَهُ عَمَّا لَا يَلِيقُ بِجَنَابِكُمْ.

یعنی: اللہ سبحانہ آپ کو ان چیزوں سے سلامت رکھے جو آپ کی جناب کے لائق نہیں ہیں۔

دنیا کی تکلیفوں اور مصیبتوں کا وارد ہونا دوستوں کے لیے ان کی لغزشوں کا کفارہ ہے۔ عاجزی و زاری اور التجا و انکساری کے ساتھ حق تعالیٰ کی جناب پاک سے معافی اور سلامتی طلب کرنی چاہیے، حتیٰ کہ قبولیت کا اثر سمجھ آ جائے اور فتنوں کا ختم ہو جانا معلوم ہو جائے۔ اگرچہ دوست اور خیر خواہ اسی کام میں (مشغول) رہتے ہیں، لیکن صاحبِ معاملہ اس کام کے زیادہ لائق ہے۔ (کیونکہ) دوائی کھانا اور پرہیز کرنا مریض آدمی کا کام ہے، دوسرے لوگ مرض کے ختم کرنے میں محض اس کے مددگار ہیں۔

معاملے کی حقیقت یہ ہے کہ جو چیز محبوب حقیقی سے پہنچے، اس کو کشادہ پیشانی اور کھلے دل کے ساتھ احسان کے طور پر قبول کر لینا چاہیے، بلکہ اس سے لذت حاصل کرنی چاہیے۔ وہ رسوائی اور بے عزتی جو محبوب کی چاہت ہو، محبت کے نزدیک اس عزت اور ننگ و ناموس سے زیادہ بہتر ہے جو اس کے اپنے نفس کی چاہت ہے۔ اگر محبت کو یہ چیز حاصل نہیں ہوئی تو وہ محبت میں ناقص، بلکہ جھوٹا ہے:

گر طمع خواہد ز من سلطان دیں خاک بر فرق قناعت بعد ازیں

یعنی: سلطان دین مجھ سے طمع چاہتا ہے تو پھر اس کے بعد قناعت کے سر پر خاک ہو۔

جناب شریعت مآب جب (آپ کی) خدمت سے واپس لوٹے ہیں تو انہوں نے اس سفر کے حالات اور مسافروں کے احوال کی مشکلات بیان کی ہیں۔ آپ کی سلامتی و عافیت کے لیے دعا کی گئی ہے۔ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَسِينَا اَوْ اَخْطَاْنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَيَّ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ج رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ ج وَاعْفُ عَنَّا وَاعْفُ لَنَا وَارْحَمْنَا وَفَقَّهَ اَنْتَ مَوْلَانَا فَانْصُرْنَا عَلَيَّ الْكُفْرِيْنَ. (سورۃ بقرہ، ۲۸۶)

یعنی: اے ہمارے پروردگار! اگر ہم سے بھول یا چوک ہو گئی ہو تو ہم سے مواخذہ نہ کرنا۔ اے پروردگار! ہم پر ایسا بوجھ نہ ڈالنا جیسا تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا تھا۔ اے پروردگار! جتنا بوجھ اٹھانے کی ہم میں طاقت نہیں اتنا ہمارے سر پر نہ رکھنا اور (اے پروردگار!) ہمارے گناہوں سے درگزر کر اور ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما اور تو ہی ہمارا مالک ہے اور ہم کو کافروں پر غالب فرما۔

سُبْحَنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ. وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ. وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ. (سورۃ صافات، ۱۸۰-۱۸۲) یعنی: یہ جو کچھ بیان کرتے ہیں تمہارا پروردگار جو صاحب عزت ہے اس سے پاک ہے اور پیغمبروں پر سلام ہو۔ اور سب طرح کی تعریف سارے جہانوں کے پروردگار کو سزاوار ہے۔

مکتوب نمبر (۷۶)

مولانا فخر حسین کو تحریر فرمایا۔ عرش کی حقیقت کے بیان میں جو عالم خلق اور (عالم) امر کے درمیان ایک برزخ (پل) ہے اور یہ دونوں کا رنگ رکھتا ہے اور یہ زمین و آسمان کی قسم سے نہیں ہے۔ نیز کرسی اور اس کی وسعت کا بیان۔
الْحَمْدُ لِلَّهِ وَسَلَامٌ عَلَى عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَى. (سورۃ النمل، ۵۹)
یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اُس کے اُن بندوں پر سلام ہو جن کو اُس نے منتخب فرمایا۔
عرش مجید حق سبحانہ کی عجیب و غریب تخلیق کی ہوئی چیزوں میں سے ہے اور یہ عالم خلق اور عالم امر کے درمیان عالم کبیر میں ایک برزخ (پل) ہے اور اس سے بھی ایک رنگ رکھتا ہے اور اُس سے بھی ایک رنگ رکھتا ہے۔ عالم خلق جو چھ روز میں تخلیق ہوا ہے، اور زمین، پہاڑ اور آسمان جن کا ذکر آیت کریمہ: خَلَقَ الْأَرْضَ فِي يَوْمَيْنِ... الخ (یعنی: اس نے زمین کو دو دن میں پیدا فرمایا۔ سورۃ حم السجدہ، ۹) میں آیا ہے۔

عرش کی تخلیق ان سب کی تخلیق سے پہلے ہوئی ہے۔ جیسا کہ حق تعالیٰ و تقدس نے فرمایا ہے: وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ. (سورۃ ہود، ۷)

یعنی: اور وہی تو ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں بنایا اور (اس وقت) اس کا عرش پانی پر تھا۔
بلکہ پانی کی پیدائش پہلے ہونا بھی اسی آیت کریمہ سے مفہوم ہوتا ہے۔ پس عرش مجید جس طرح کہ زمین کی قسم سے نہیں ہے، اسی طرح آسمانوں کی قسم سے بھی نہیں ہے، کیونکہ وہ عالم امر سے بھی بہت زیادہ حصہ رکھتا ہے اور یہ نہیں رکھتے۔ مختصر یہ کہ چونکہ اس کو زمین کے مقابلے میں آسمانوں سے زیادہ مناسبت ہے، لہذا آسمانوں میں شمار ہوا ہے، ورنہ درحقیقت نہ وہ زمین کی قسم سے ہے اور نہ ہی آسمان کی قسم سے ہے۔ لہذا یقیناً زمین و آسمان کے آثار و احکام جدا ہوں گے۔

باقی رہا معاملہ کرسی کا جو اس آیت کریمہ سے مفہوم ہوتا ہے: وَوَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ (یعنی: اس کی کرسی زمین و آسمان پر محیط ہے۔ سورۃ بقرہ، ۲۵۵) کہ کرسی بھی آسمانوں سے جدا ہے اور ان سب سے زیادہ وسیع ہے۔ اس میں شک نہیں کہ کرسی عالم امر سے نہیں ہے۔ کیونکہ اسے عرش کے نیچے بتاتے ہیں اور عالم امر کا معاملہ عرش کے اوپر ہے۔ نیز چونکہ کرسی عالم خلق سے ہے اور اس کی تخلیق آسمانوں سے الگ ہے تو پھر اس کی تخلیق ان چھ دنوں کے علاوہ ہونی چاہیے اور اس چیز

میں کوئی مشکل لازم نہیں آتی، کیونکہ حق تعالیٰ نے سارے عالمِ خلق کو ان چھ دنوں میں ہی پیدا نہیں فرمایا۔ لہذا پانی جو عالمِ خلق میں سے ہے، وہ ان چھ دنوں کے علاوہ پیدا ہوا ہے اور وہ ان چھ دنوں پر سبقت رکھتا ہے، جیسا کہ (اوپر) بیان ہوا۔ چونکہ کرسی کا معاملہ ہم پر اچھی طرح مکشوف نہیں ہوا ہے، لہذا اس کی تحقیق کو ہم کسی اور وقت پر چھوڑتے ہیں، کیونکہ ہم حق تعالیٰ جل و علا کے کرم سے امیدیں رکھتے ہیں۔ رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا. (سورۃ طہ، ۱۱۴)

یعنی: اے پروردگار! میرے علم میں اضافہ فرما۔

اس تحقیق سے دو مضبوط اعتراض دور ہو گئے۔ ایک یہ کہ جب زمین اور آسمان نہ تھے تو چھ روز کا تعین اور تشخیص کہاں سے ہوئی اور اتوار پیر سے الگ کیسے ہوا؟ اور منگل بدھ سے کس طرح ممتاز ہوا؟ اور جمعرات نے جمعہ سے امتیاز کیسے پایا؟ جب زمین اور آسمانوں کی تخلیق سے پہلے عرش کی تخلیق معلوم ہوگئی تو زمانے کا حصول متصور ہو گیا اور دنوں کا ثبوت واضح ہو گیا اور اعتراض دور ہو گیا۔ کیا ضرورت ہے کہ دنوں کا امتیاز سورج کے طلوع و غروب کے ساتھ مخصوص ہو۔ کیونکہ بہشت میں بھی یہ طلوع و غروب نہیں ہے اور دنوں کا امتیاز ثابت ہے، جیسا کہ احادیث میں آیا ہے۔

دوسرا اعتراض جو دور ہوا اور وہ اس فقیر کے علوم کے ساتھ مخصوص ہے، وہ یہ ہے کہ حدیثِ قدسی میں آیا ہے کہ حق جل سلطان نے فرمایا ہے: لَا يَسْغِي أَرْضِي وَلَا سَمَائِي وَلَكِنْ يَسْغِي قَلْبُ عَبْدِي الْمُؤْمِنِ. ^(۱)

یعنی: میں اپنی زمین اور آسمان میں نہیں سما سکتا، لیکن اپنے مومن بندے کے دل میں سما سکتا ہوں۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ”کامل ظہور“ مومن آدمی کے قلب کے ساتھ مخصوص ہے اور اس کے علاوہ کسی کو یہ دولت میسر نہیں ہوئی اور تم (حضرت مجددِ قدس سرہ) نے اپنے مکتوب میں اس کے خلاف لکھا ہے کہ کامل ظہور عرش مجید کے لیے ہے اور ظہورِ قلبی ظہورِ عرش کا سے ایک چمک ہے۔ پہلی تحقیق سے یہ معلوم ہوا کہ عرش مجید کے آثار و احکام زمین اور آسمانوں کے آثار و احکام سے الگ ہیں۔ زمین و آسمانوں میں (حق سبحانہ کی) گنجائش نہیں ہے، لیکن عرش میں ہے۔ ہاں! زمین اور آسمانوں میں جو کچھ ہے، وہ اس وسعت کی قابلیت نہیں رکھتے، سوائے مومن آدمی کے دل کے جس میں اس دولت کی استعداد ہے۔ پس وسعتِ قلبی کا احاطہ کرنا زمین اور آسمانوں کے اعتبار سے ہوا، نہ کہ ان سب مخلوقات کی نسبت سے جن میں عرش مجید بھی شامل ہے، تا کہ حدیثِ قدسی کے خلاف متصور ہو۔ اس طرح یہ دوسرا اعتراض بھی دور ہو گیا۔

جاننا چاہیے کہ عرش مجید جو کہ ”کامل ظہور“ کا مقام ہے، جب زمین اور آسمانوں اور جو کچھ ان میں ہے، ان سب کو ہم عرش کے مقابلے میں لاتے ہیں تو یہ کسی توقف کے بغیر نیست و نابود ہو جاتے ہیں اور ان میں سے کوئی اثر باقی نہیں رہتا، مگر انسان کا قلب جو کہ حق سبحانہ کے رنگ میں رنگا ہوا ہے، وہ باقی رہتا ہے اور وہ نابود نہیں ہوتا۔ ایسے ہی وہ ظہورِ جو اوپر کی طرف عرش کے علاوہ تعلق رکھتا ہے، جو محض عالمِ امر سے تعلق رکھتا ہے۔ عرش کو اس مرتبہ کے ساتھ وہی نسبت ہے جو کہ زمین اور آسمانوں کو عرش کے ساتھ حاصل تھی اور اسی طرح ہر بلند کو اپنے ماتحت کے ساتھ نسبت حاصل ہے، یہاں تک کہ عالمِ امر ختم ہو جائے۔ اس دائرہ کے مکمل ہونے کے بعد معاملہ حیرت و جہل کا ہے۔ اگر کچھ معرفت ہے تو وہ بھی نامعلوم کیفیت کی ہے جو عقل و سمجھ کے لائق نہیں ہے۔

اب ہم انسانی کمالات اور انسانی قلب کے بارے میں تھوڑا سا بیان کرتے ہیں:
ع عیب مے جملہ بگفتی ہنرش نیز بگوئی
یعنی: تو نے شراب کے سب عیب کہہ ڈالے ہیں، اب اس کا ہنر بھی بتادے۔

اگرچہ عرش مجید زیادہ وسیع اور مظہر کامل ہے، لیکن وہ اپنی اس دولت کے حصول کا علم نہیں رکھتا اور اسے اس کمال کا شعور حاصل نہیں ہے، بخلاف قلب انسانی کے جو صاحب شعور ہے اور اپنے علم و معرفت سے معمور ہے۔ قلب کو دوسری فضیلت یہ حاصل ہے، جسے ہم بیان کرتے ہیں، غور سے سنو! انسان کا مجموعہ جس کو عالم صغیر کہتے ہیں، اگرچہ عالم خلق اور عالم امر سے مرکب ہے، لیکن اس کو حقیقی ہیئت وحدانی حاصل ہے، کیونکہ اس پر آثار و احکام مرتب ہوتے ہیں اور عالم کبیر کو یہ ہیئت حاصل نہیں ہے۔ اگر ہے تو وہ اعتباری ہے۔ اس طرح جو فیوض انسان کو اس ہیئت وحدانی کے راستے سے اور اس کے توسط سے انسان کے قلب کو پہنچتے ہیں۔ عالم کبیر اور عرش مجید جو کہ اس عالم (کبیر) کے لیے قلب کی طرح ہے، کو ان فیوض و برکات سے بہت کم حصہ حاصل ہے۔ اسی طرح جز وارضی جو درحقیقت مخلوقات کا خلاصہ ہے اور دوری کے باوجود ظہورات کے زیادہ قریب ہے، اس کے کمالات عالم صغیر (انسان) کے مجموعہ میں سرایت کر گئے ہیں اور عالم کبیر میں درحقیقت چونکہ (ایسا) مجموعہ نہیں ہے، لہذا یہ سرایت وہاں مفقود ہے۔ سو انسان کا قلب عرش مجید کے برخلاف یہ کمالات بھی رکھتا ہے۔

جاننا چاہیے کہ یہ فضائل اور کمالات جو کہ انسان کے قلب میں ثابت کیے جاتے ہیں، جب (فقیر) ان کو اچھی طرح ملاحظہ کرتا ہے تو یہ جزوی فضیلت میں داخل ہیں اور میں کئی فضیلت ظہور عرشی کے لیے پاتا ہوں۔ عرش کی مثال اور قلب کی مثال کو اس طرح پاتا ہوں کہ گویا ایک وسیع آگ ہے جس نے جنگل اور صحرا کو منور بنا ڈالا ہے اور اس آگ سے ایک مشعل روشن کی گئی ہے جس نے بعض امور کے لاحق ہونے سے ایک اور نورانیت پیدا کر لی ہے، جو اس آگ میں نہیں ہے۔ اور شک نہیں ہے کہ یہ اضافہ جزوی فضیلت کے سوا ثابت نہیں ہوتا۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ اَعْلَمُ بِحَقَائِقِ الْأُمُورِ کُلِّهَا۔

یعنی: اور سب امور کے حقائق کو اللہ سبحانہ ہی خوب جانتا ہے۔

رَبَّنَا آتِنَا نُورًا وَاعْفِرْ لَنَا جِ انْكَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ۔ (سورۃ تحریم، ۸)

یعنی: اے ہمارے پروردگار! ہمارا نور ہمارے لیے پورا کر اور ہمیں معاف فرما، بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے۔

وَصَلَّى اللّٰهُ عَلَى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِينَ وَسَلَّم وَبَارَكَ وَعَلَى جَمِيعِ الْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِينَ وَالْمَلَائِكَةِ الْمُقَرَّبِينَ أَجْمَعِينَ۔ یعنی: اور ہمارے سردار (حضرت) محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود و سلام ہو اور تمام انبیاء اور مرسلین (علیہم الصلوٰۃ والسلام) پر اور سب مقرب فرشتوں پر۔

مکتوب نمبر (۷۷)

مولانا حسن برکی کو تحریر فرمایا۔ ان کے عریضہ کے جواب میں جس میں انہوں نے صوفیہ کے طرز کلام پر اعتراضات کیے تھے اور مکتوب کے آخر میں لکھا تھا کہ گویا شرعی احکام میں سے ہر حکم ایک چھوٹا دروازہ ہے جو مقصود کے شہر تک پہنچانے والا ہے۔ نیز ان کے دوسرے سوالات جو انہوں نے کیے تھے۔

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰی. (سورۃ النمل، ۵۹)

یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اُس کے اُن بندوں پر سلام ہو جن کو اُس نے منتخب فرمایا۔
میرے بھائی شیخ حسن احسن اللہ تعالیٰ حالہ (اللہ تعالیٰ اس کے حال کو بہت بھلا بنائے) کا مکتوب شریف پہنچا۔
چونکہ اس سے شریعت پر عمل کرنے اور استقامت کی ایک خوشبو آ رہی تھی، لہذا اس نے خوشحال بنایا۔

آپ نے لکھا تھا کہ جو سلوک مشہور ہے اور جس پر سالکین کا اعتقاد ہے اور جو ہمیں معلوم ہے، وہ یہ ہے کہ مبتدی کو ذکر کرنا چاہیے جب تک کہ اس کا دل ذکر بن جائے۔ پھر یہاں تک ذکر کرے کہ وہ ذکر کرنے سے رک جائے اور الہامات و تجلیات کا مقام بن جائے اور سالک مقام فنا تک پہنچ جائے جو ولایت کا پہلا قدم ہے۔ صوفیہ کہتے ہیں کہ فنا یہ ہے کہ سالک کی دید و دانش میں جو چیز غیر سے موسوم ہوتی ہے وہ دور ہو جائے اور واجب تعالیٰ و تقدس کے علاوہ کوئی چیز سالک کی دید و دانش میں نہ رہے۔ جس کو شہود اور مشاہدہ وغیرہ بھی کہتے ہیں۔ مقصود یہ ہے کہ وہ اپنے گمان سے حق تعالیٰ کو دیکھتا ہے اور غیر نام کی کسی چیز کو نہیں دیکھتا اور دو دیکھنے والے کو طریقت کا مشرک کہتے ہیں۔

نیز آپ نے لکھا ہے کہ فقیر کو یہ معارف اور اس طرح کے دوسرے معارف بیقرار کرتے ہیں۔ کیونکہ اگر ان کا مقصود یہ ہے کہ حق جل سلطانہ کو دنیا میں آنکھ اور بصیرت (چشم باطن) سے دیکھا جاسکتا ہے۔ اگر وہ اس شہود اور رویت کا شعور رکھتے ہیں تو اس طرح وہ بھی طریقت کے مشرک ہیں اور اگر اس چیز کا شعور نہیں رکھتے تو پھر وہ کس چیز کی خبر دیتے ہیں اور کون آدمی خبر دیتا ہے؟

آپ نے یہ بھی لکھا ہے کہ آپ جو کچھ دیکھتے ہیں اور جس طریقے سے بھی دیکھتے ہیں، خواہ تجلی صوری ہو اور خواہ معنوی اور خواہ نوری ہو اور یا اس کے علاوہ ہو، وہ دیکھی جانے والی چیز کو ذات حق جل و علا ہی سمجھتے ہیں۔ جس حیثیت سے بھی ہو، خواہ غیر سے موسوم ہو، وہ اسے اس کا ظہور ہی سمجھتے ہیں۔ اس فقیر کے نزدیک یہ بے فائدہ اور بیکار ہے اور (اس) نص (قرآنی) کے خلاف ہے کہ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ. (سورۃ شوریٰ، ۱۱) یعنی: اس جیسی کوئی چیز نہیں ہے۔

نیز یہ (آیت) کریمہ اس معنی کی شاہد ہے کہ: لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ. (سورۃ انعام، ۱۰۳)
یعنی: (وہ ایسا ہے کہ) نگاہیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں۔

پس یہ لوگ (صوفیہ) کیا دیکھتے ہیں اور کیا سمجھتے ہیں کہ کہتے ہیں کہ ہم حق جل و علا کے سوا کچھ نہیں دیکھتے اور نہ کسی کو جانتے ہیں؟ اور انہوں نے اس کا نام شہود و مشاہدہ رکھا ہے اور یہ سارے فکر و اندیشے جو وہ اپنے اور اپنے اہل و عیال کی تدبیر میں کرتے ہیں، یہ غیر ہیں یا نہیں؟

جاننا چاہیے اور آپ آگاہ رہیں کہ یہ سب طوالت پسندیاں اور نامناسب اعتراضات ہیں جو آپ نے مشائخ طریقت قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم پر کیے ہیں۔ اس کی وجہ ان بزرگواروں کی مراد کو نہ سمجھنا ہے۔ توحید شہودی جس کے معنی ہیں ’ایک ہی کو دیکھنا‘، اور اس کا تعلق ماسویٰ کو بھلا دینے سے ہے جو ان بزرگواروں کی طریقت کی ضروریات میں سے ہے، جب تک یہ نصیب نہ ہو، اغیار کی گرفتاری سے نجات نہیں ملتی اور آپ اس دولت اور اس دولت کے مالک حضرات کا مذاق اڑا رہے ہیں۔

شہود اور رویت، جو اکابر مشائخ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کی تحریروں میں مذکور ہے، وہ حق تعالیٰ و تقدس کے بے مثلی حضور کی جانب رمز و اشارہ ہے جو کہ مرتبہ تنزیہ کے مناسب ہے اور ادراک کے اس احاطے سے باہر ہے جو عالم مثل سے ہے۔ مشائخ نے اس دولت حضور کو دنیا میں باطن کے ساتھ مخصوص رکھا ہے۔ ظاہر کو ہر وقت دو بینی (دو دیکھنا) سے چارہ نہیں ہے۔ لہذا صوفیہ نے کہا ہے کہ عالم کبیر میں جس طرح مشرک اور موحد موجود ہیں اُسی طرح عالم صغیر میں بھی مشرک اور موحد اکٹھے ہیں۔ کامل (صوفی) کا باطن ہر وقت موحد ہے اور اس کا ظاہر مشرک ہے۔ اس طرح کامل (صوفی) کا باطن حق جل و علا کے ساتھ ہوتا ہے اور اس کا ظاہر اہل و عیال کی تدبیر میں مشغول ہوتا ہے اور (اس میں) کوئی مشکل لازم نہیں آتی۔ اعتراض نامسمجھی کی وجہ سے ہے۔

خبردار! اس طرح کی باتیں نہ کریں اور حق جل سلطانہ کی غیرت سے ڈریں۔ اس زمانے کے مدعی بظاہر آپ کو بغاوت پر اُکسارہے ہیں۔ بزرگوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ اگر آپ مدعیوں کی نئی چیزوں اور من گھڑت باتوں پر اعتراض کریں تو اس کی گنجائش ہے، لیکن جو چیز صوفیہ کے ہاں مقرر (ثابت) ہے اور اس راہ (طریقت) کے لیے ضروری ہے، اس پر اعتراض کرنا نامناسب ہے۔ آپ نے فقیر کے رسائل و مکتوبات میں دیکھا ہے کہ (وہاں) توحید شہودی کے بارے میں کس قدر لکھا گیا ہے اور (فقیر نے) اس کو راہ (طریقت) کی ضروریات میں سے قرار دیا ہے۔

آپ کو چاہیے تھا کہ اس معنی کے بارے میں پوچھتے اور حسن ادب کے ساتھ سوال کرتے۔ یہ وہ پھول ہے جو میرے مولانا احمد مرحوم رحمۃ اللہ علیہ کی جدائی کے بعد کھلا ہے۔ مولانا (مرحوم) کی زندگی میں آپ سے اس طرح کی باتیں ہرگز ظاہر نہیں ہوئیں۔ اچھا ہوا کہ آپ نے لکھا اور تنبیہ پائی۔ اس کے بعد بھی جو کچھ ظاہر ہو، لکھتے رہیں اور درستی و غلطی کا لحاظ نہ رکھیں۔ اگر صحیح ہوا تو مسرت کا باعث ہوگا اور اگر غلط ہوا تو تنبیہ کا سبب ہوگا۔ بہر حال لکھنے میں سستی نہ کریں۔ ایک سال کے بعد آپ کا مکتوب قافلے کے ہمراہ آتا ہے اور سال میں ایک بار ضروری نصیحتوں کا لکھنا لازم ہے۔ جب تک آپ نہ لکھیں اور چیزیں نہ پوچھیں (اس وقت تک) گفتگو کا راستہ نہیں کھلتا۔

آپ نے پوچھا تھا کہ قلب ظاہر کی قسم سے ہے یا باطن کی قسم سے ہے؟
(فقیر نے) عارف کے ظاہر و باطن کو ایک مکتوب میں تفصیل سے لکھا ہے۔ ملا عبدالحی کو کہوں گا کہ اس کی نقل (آپ) کو بھیج دیں۔ آپ وہاں ملاحظہ کر لیں۔

نیز آپ نے پوچھا تھا کہ جو طریقہ تجلیات و کشفیات کے بغیر ہے، اس طریقہ کے متوسط اور منتہی کی پہچان کا کیا طریقہ ہے؟
جاننا چاہیے کہ یہ سالک جو اپنے احوال کا علم نہیں رکھتا اور وہ ایک راستہ جاننے اور سمجھنے والے کامل مکمل شیخ کی خدمت میں ہے تو اس شیخ کا اس (سالک) کے حال کو جاننا ہی اس کے لیے کافی ہے اور وہ اس کے بتانے سے اپنے توسط اور انتہا کو جان لے گا۔ نیز اگر اس شیخ نے اس (سالک) کو خلقت کے ارشاد کی ایک طرح کی اجازت دی ہے تو اس (سالک) کے مریدوں کے احوال اس کے کمالات کے آئینے بن جائیں گے، جن میں وہ اپنے نقص و کمال کا مطالعہ کر لے گا۔ نیز انتہا کی پہچان کے لیے دوسری نشانی یہ ہے کہ سالک کا حق سبحانہ و تعالیٰ کے سوا کوئی مقصود و مطلوب نہیں رہتا اور اس کا سینہ تمام ماسوا

مرادوں سے خالی اور صاف ہو جاتا ہے۔ انتہا کے بہت سے مراتب ہیں جو ایک دوسرے کے اوپر ہیں اور انتہا میں پہلا قدم یہی ہے جس کا ذکر ہوا ہے۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ الْمُؤَفَّقُ۔ یعنی: اور اللہ سبحانہ ہی توفیق دینے والا ہے۔

آپ نے یہ بھی لکھا تھا کہ جو معارف اس بے سروسامان کو تسلی دیتے ہیں، وہ شرعی معارف ہیں۔ گویا شرعی احکام میں سے ہر حکم ایک چھوٹا سا دروازہ ہے جو مقصود کے شہر تک پہنچانے والا ہے اور اس بے نشان بادشاہ (حق تعالیٰ) کا نشان ہے اور یہی شعر نصب العین ہے:

ما بسفر می رویم عزم تماشا کراست ما بر اومی رویم کز ہمہ عالم دراست

یعنی: ہم سفر پر جا رہے ہیں، تماشا کا ارادہ کس کا ہے۔ ہم اس کی جانب جا رہے ہیں جو تمام عالم سے ورا ہے۔

آپ کی یہ معرفت بڑی اصلی ہے اور بہت ہی اعلیٰ ہے اور امیدواری بخشنے والی ہے۔ اس معرفت کے مطالعہ نے بہت لطف اندوز کیا اور (آپ کے) مکتوب کی پہلی ناخوشگوار کو زائل کر دیا۔ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ (آپ کو) اسی راستے سے مقصود تک پہنچائے۔

آپ نے سوال کیا تھا کہ بعض مرد اور عورتیں آتے ہیں اور طریقہ کے لیے التماس کرتے ہیں اور کھانا اور پینا جو سود سے حاصل ہوتا ہے، اس سے وہ پرہیز نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ ہم (اس کے لیے) ایک حیلہ آراستہ کر لیتے ہیں۔ (ان کو) طریقہ سکھانے کی اجازت ہے یا نہیں؟ آپ ان کو طریقہ کی تعلیم دیں اور حرام سے بچنے کی ترغیب فرمائیں۔ شاید طریقہ کی برکت سے وہ اس شبہ سے نکل آئیں۔

دوسرا یہ کہ آپ نے ان دو سفید جھنڈوں کے بارے میں پوچھا تھا جو مشرق کی طرف سے ایک دوسرے کے پیچھے (آسمان پر) ظاہر ہوئے تھے۔ فقیر نے دوسرے دوستوں کے دریافت کرنے کے بعد اس بارے میں ایک مکتوب (دفتر ۲: ۶۸) لکھا ہے۔ ملا عبدالحیٰ سے کہوں گا کہ ان شاء اللہ تعالیٰ اس کی نقل بھی آپ کو بھیج دیں۔

نیز آپ نے پوچھا تھا کہ کلام اللہ کا ختم کرنا اور نماز نفل پڑھنا اور تسبیح و تہلیل کرنا اور اس کا ثواب والدین یا استاد یا بھائیوں کو بخشنا بہتر ہے یا کسی کو نہ بخشنا بہتر ہے؟

جاننا چاہیے کہ بخشنا بہتر ہے، کیونکہ (اس سے) دوسرے کے لیے بھی نفع ہے اور اپنے لیے بھی نفع ہے اور نہ بخشنے میں نفع صرف اپنے ساتھ مخصوص ہے اور یہ بھی ہے کہ شاید دوسروں کے طفیل اس عمل کو قبول فرمالیں۔ والسلام۔

مکتوب نمبر (۷۸)

داراب خان کو تحریر فرمایا۔ اس بلند شان گروہ (صوفیہ) کی محبت و اخلاص کے بیان میں کہ یہ محبت و اخلاص فنا فی اللہ اور

بقا باللہ کا زینہ ہے اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کا بیان)۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰی۔ (سورۃ النمل، ۵۹)

یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اُس کے اُن بندوں پر سلام ہو جن کو اُس نے منتخب فرمایا۔

جو خوشگوار دولت آپ کے خاندان میں محسوس کی جا رہی ہے، وہ یہ ہے کہ دولت مندی کے اسباب اور بے نیازی کے سامان

حاصل ہونے کے باوجود آپ کی فقرا کے ساتھ نیاز مندی اور اس بلند شان گروہ (صوفیہ) کی خدمت گزاری ہے جو اس بلند مرتبہ گروہ سے آپ کی محبت و اخلاص کی خبر دینے والی ہے اور اس فرقہ ناجیہ کے ساتھ آپ کی دوستی اور خصوصی تعلق کو ظاہر کرنے والی ہے۔ اس گروہ (صوفیہ) کے محبین کے لیے (اس حدیث کی) بشارت کافی ہے کہ: **الْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ**۔^(۱)

یعنی: آدمی اس کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت کرتا ہے۔

اور اس گروہ کے ہم نشینوں کے لیے یہ خوشخبری وانی ہے کہ: **قَوْمٌ لَا يَشْقَىٰ جَلِيسُهُمْ**۔^(۲)

یعنی: (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ) یہ ایسے لوگ ہیں جن کا ہم نشین بد قسمت نہیں ہوتا۔

اللہ سبحانہ کی عنایت سے جب یہ محبت غلبہ پیدا کر لے اور اس طرح غالب ہو جائے کہ اس محبت کے سوا دل میں کچھ نہ چھوڑے اور دوسری گرفتاریاں کلی طور پر دل سے نکل جائیں اور محبت کے لوازمات جو کہ محبوب کی اطاعت، اس کی مراد پر قائم رہنا اور اس کے اخلاق و اوصاف سے آراستہ ہونا ہے، ظاہر ہو جائے تو اس وقت محبوب کو فنا حاصل ہو جاتی ہے۔ فنا فی الشیخ (شیخ کی محبت میں فنا ہونا) اس راستے کا پہلا زینہ ہے اور یہ فنا فی الشیخ ہی پھر فنا فی اللہ کا وسیلہ بن جاتی ہے جس پر بقا باللہ مترتب ہوتی ہے جو ولایت کا حاصل ہے۔

الغرض اگر شروع ہی میں کسی کے توسط کے بغیر محبوب حقیقی کی محبت و توجہ میسر ہو جائے تو یہ ایک عظیم دولت ہے جو فنا و بقا کا حاصل ہے، ورنہ (شیخ) کامل مکمل کے وسیلہ کے سوا چارہ نہیں۔ پہلے اپنی مراد کو اس کی مرادات پہ نثار کر دینا چاہیے اور اس میں فانی ہو جانا چاہیے، تاکہ یہ فنا، فنا فی اللہ کا وسیلہ بن جائے اور ماسوا کی گرفتاریوں سے مکمل طور پر نجات دلا دے اور ولایت کے درجات تک پہنچا دے:

بر شکر غلطید اے صفرائیاں از برائے کوری سودائیاں

یعنی: اے صفراء (چڑچڑاپن) کے مریضو! تم شکر پر لوٹ پوٹ ہو جاؤ، سودا (مالچو لیا) کے مریضوں کے اندھاپن کے لیے۔

اس طرح کی باتیں پڑھنے والوں، طالبین اور شائقین کے شوق کو بڑھانے کے لیے پیش کی جاتی ہیں۔

وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ الْمُؤَفَّقِ۔ یعنی: اور اللہ سبحانہ ہی توفیق دینے والا ہے۔

باقی مقصد یہ ہے کہ فقراء کا مکتوب لانے والا محمد قاسم بزرگ زادہ ہے اور یہ فقراء کی خدمت میں رہا ہے۔ اپنے بڑے بھائی کی آغوش تربیت میں بڑے ناز و نعمت سے بڑا ہوا ہے اور اس نے زمانے کی سختیاں کم دیکھی ہیں، لہذا آپ کی ملازمت کا شوق رکھتا ہے۔ اگر آپ اپنی سرکار کے ملازموں میں شامل کر کے اس کے حال پر التفات کا لحاظ رکھیں تو کرم سے بعید نہیں ہو گا۔ (فقیر) اس سے زیادہ کیا تکلیف دے۔ والسلام۔

مکتوب نمبر (۷۹)

شیخ یوسف برکی کو تحریر فرمایا۔ ان کے رسالہ کے جواب میں جو کفر سے روگردانی پر مشتمل تھا اور اسلام کی جانب رخ کرنے کی خبر دیتا تھا اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کا بیان)۔

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَىٰ۔ (سورۃ النمل، ۵۹)

یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اُس کے اُن بندوں پر سلام ہو جن کو اُس نے منتخب فرمایا۔ آپ نے جو رسالہ لکھ کر مولانا عبدالحی کے سپرد کیا تھا کہ وہ (مجھے) دکھائیں، انہوں نے اتنا عرصہ نہ دکھایا، یہاں تک کہ مولانا بابور وادہ ہو رہے تھے تو انہوں نے یہ رسالہ لا کر پیش کیا۔ جب مطالعہ کیا گیا تو خوشی کا باعث بنا کہ یہ کفر سے روگردانی پر مشتمل تھا اور اسلام کی جانب رخ کرنے کی خبر دیتا تھا۔

جس طرح اسلام مجازی، کفر مجازی سے بہتر ہے، اسی طرح اسلام طریقت بھی کفر طریقت سے بہتر ہے۔ کفر طریقت میں سب سکر ہے اور اسلام طریقت میں سب صحو ہے۔ جس طرح صحو مجازی، سکر مجازی سے بہتر ہے، اسی طرح صحو طریقت بھی سکر طریقت سے بہتر ہے۔ کفر طریقت کا حاصل تشبیہ ہے اور اسلام طریقت کا نتیجہ تنزیہ ہے۔ جتنا فرق تشبیہ اور تنزیہ کے درمیان ہے، اتنا ہی فرق طریقت کے کفر اور اسلام کے درمیان فرق ہے۔ جس گروہ (صوفیہ) نے تشبیہ اور تنزیہ کو اکٹھا کرنا اختیار کیا ہے اور اس کو کمال سمجھا ہے، یہ تنزیہ بھی سب تشبیہ ہے جو ان کی نظر میں تنزیہ ظاہر ہوا ہے، ورنہ تشبیہ کی کیا طاقت ہے کہ وہ تنزیہ حقیقی کے ساتھ جمع ہو سکے اور اس کے انوار کی شعاعوں میں فنا اور نابود نہ ہو جائے:

بلے ہر جا شود مہر آشکارا سہا را جز نہاں بودن چہ یارا

یعنی: ہاں! جس جگہ سورج طلوع ہو جائے، وہاں دھندلے ستارے کو چھپ جانے کے سوا چارہ نہیں۔ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی اولاد امجاد کے صدقے حقیقی اسلام کی حقیقت سے مشرف فرمائے۔

مولانا بابو چونکہ جانے کے لیے بالکل تیار کھڑے تھے، لہذا چند مختصر کلمات لکھے گئے۔ وَالسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَعَلٰی مَنْ لَّدَیْکُمْ۔ یعنی: اور آپ پر اور جو آپ کے پاس ہیں اُن پر سلام ہو۔

مکتوب نمبر (۸۰)

شیخ حامد تہاری کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں جو انہوں نے پوچھا تھا کہ تمہیدات عین القصۃ (ہدائی) میں لکھا ہے کہ تم جس کو اللہ سمجھتے ہو، وہ ہمارے نزدیک (حضرت) محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں اور تم جن کو (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سمجھتے ہو، وہ ہمارے نزدیک اللہ جل سلطانہ ہے۔

الْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ (سورۃ النمل، ۵۹)

یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اُس کے اُن بندوں پر سلام ہو جن کو اُس نے منتخب فرمایا۔ آپ نے جو مکتوب شریف محبت و اخلاص کے کمال اور دوستی و خصوصیت کی کثرت سے لکھ کر ارسال کیا تھا، وہ پہنچا اور اس نے بڑی خوشی پہنچائی۔ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ آپ کو اس دولت کی استقامت نصیب فرمائے، کیونکہ ہر گروہ کا محب اس گروہ کے ساتھ ہوگا۔ حدیث نبوی علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام ہے: الْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ۔^(۱) یعنی: آدمی اس کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت کرتا ہے۔

آپ نے تمہیدات عین القصۃ (ہدائی) کی عبارت کے معنی پوچھے تھے کہ وہ کہتے ہیں کہ ”تم جس کو اللہ جل و علا سمجھتے

ہو، وہ ہمارے نزدیک (حضرت) محمد علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام ہیں اور تم جن کو (حضرت) محمد علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام سمجھتے ہو، وہ ہمارے نزدیک اللہ جل سلطانہ ہے۔“

میرے مخدوم! اس قسم کی عبارات جو توحید و اتحاد (وحدت الوجود) کی خبر دیتی ہیں، یہ شکر کے غلبات جو کہ مرتبہ جمع ہے اور جس کو کفر طریقت سے تعبیر کرتے ہیں، میں مشائخ قدس اللہ اسرارہم سے صادر ہوتی ہیں۔ اور (اس وقت) امتیاز اور دوئی ان کی نظر سے اٹھ جاتی ہے اور وہ ممکن کو عین واجب تعالیٰ پاتے ہیں، بلکہ ممکن کو پاتے ہی نہیں اور واجب تعالیٰ کے سوا ان کا کوئی مشہو نہیں رہتا۔ اس طرح اس عبارت کے معنی یہ ہوں گے کہ تمہاری نظر میں اللہ جل و علا اور (حضرت) محمد علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کے درمیان جو امتیاز و دوئی حاصل ہے، ہمارے نزدیک یہ امتیاز اور فرق ثابت نہیں ہے، بلکہ وہ ایک ہی ہے جو ایک ہونے سے بھی منزہ ہے اور دوسرے کا عین بھی ہے۔ جبکہ تمام ممکنات سے مغائرت کی نسبت اٹھ جاتی ہے تو پھر (حضرت) محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم، جو حق تعالیٰ کے کمالات کے مظہر اتم ہیں، ان کے امتیاز کی نسبت کس طرح ثابت رہتی ہے اور یہ دید مرتبہ جمع کے ساتھ مخصوص ہے۔ جب سا لک اس مقام سے بلند ہو جاتا ہے اور وہ سکر کی زیادتی سے آنکھ کھولتا ہے تو وہ (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کو حق تعالیٰ کا بندہ اور رسول سمجھتا ہے، جس طرح کہ شروع میں سمجھتا تھا۔ آپ نے سنا ہوگا کہ اَلْهَيْأَةُ هِيَ الرُّجُوعُ إِلَى الْبَدَايَةِ۔ یعنی: نہایت توبدایت کی طرف رجوع کرنا ہے۔

جان لیں کہ مبتدی اور منتہی کے درمیان اشتراک صرف ظاہر میں ہے جو منتہی کو پوشیدہ رکھنے کا ذریعہ ہے، ورنہ:

ع چہ نسبت خاک را با عالم پاک

یعنی: خاک کو عالم پاک کے ساتھ کیا نسبت ہے۔

جب متوسط کو منتہی کے ساتھ کوئی نسبت (حاصل) نہیں تو جو مبتدی معاملے سے دور ہے، اس کو اس کے ساتھ کیا نسبت ہوگی۔ رَبَّنَا اَتِمِّمْ لَنَا نُورَنَا وَاغْفِرْ لَنَا اِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ۔ (سورۃ تحریم، ۸)

یعنی: اے ہمارے پروردگار! ہمارا نور ہمارے لیے پورا کر اور ہمیں معاف فرما، بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے۔

وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَعَلَىٰ مَنْ لَّدَيْكُمْ۔ یعنی: اور آپ پر اور جو آپ کے پاس ہیں، اُن پر سلام ہو۔

مکتوب نمبر (۸۱)

محمد مراد قوری بیک کو تحریر فرمایا۔ پند و نصیحت اور کمینی دنیا کی فضول چیزوں سے بچنے اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس

کے بیان میں)۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰی۔ (سورۃ النمل، ۵۹)

یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اُس کے اُن بندوں پر سلام ہو جن کو اُس نے منتخب فرمایا۔

میں ڈرتا ہوں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ نیک انجام دوست کمینی دنیا کی فضول چیزوں پر، جو کہ بظاہر تازگی و لذت رکھتی ہیں، بچوں کی مانند فریفتہ ہو جائیں اور لعنتی دشمن (شیطان) کی رہنمائی سے مباح سے شبہ والی چیزوں میں اور شبہ والی چیزوں سے حرام چیزوں میں پڑ جائیں گے اور اپنے مولیٰ جل سلطانہ سے نادم و شرمندہ ہو جائیں۔ توبہ و انابت میں مضبوط قدم رکھنا

چاہیے اور شرعی ممنوعات کو زہرِ قاتل خیال کرنا چاہیے:

ہمہ اندر ز من بتو این است کہ تو طفلی و خانہ رنگیں است
یعنی: میری طرف سے تجھے سب نصیحت یہی ہے کہ تو ایک بچہ ہے اور گھر بڑا رنگین ہے۔

حضرت حق سبحانہ نے اپنے کرم سے اپنے بندوں پر مباح (چیزوں) کا دائرہ وسیع کیا ہے۔ وہ شخص بڑا بدقسمت ہے جو سینے کی تنگی کی وجہ سے اس سب وسعت کو تنگ خیال کرتے ہوئے اس وسیع دائرہ سے باہر قدم رکھے اور شرعی حدود سے تجاوز کرے اور شبہ والی اور حرام چیزوں میں پڑ جائے۔ شرعی حدود کا پابند رہنا چاہیے اور ان حدود سے سرِ مو تجاوِز نہیں کرنا چاہیے۔ رسم و عادت کے لحاظ سے نماز پڑھنے والے اور روزہ رکھنے والے بہت ہیں، لیکن ایسے پرہیزگار جو شرعی حدود کی حفاظت کریں، بہت ہی کم ہیں۔ جو چیز حق کو باطل سے جدا کرتی ہے، وہ یہی پرہیزگاری ہے، کیونکہ روزہ اور نماز بظاہر تو دونوں ہی ادا کرتے ہیں۔ نبی کریم علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے: مَلَکٌ دِیْنُکُمُ الْوَرَعُ^(۱)۔

یعنی: تمہارے دین کی اصل پرہیزگاری ہے۔

نیز نبی کریم علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: لَا تَعْدِلُ بِالرَّعَةِ شَيْئًا^(۲)۔

یعنی: پرہیزگاری کے برابر کوئی شے نہیں ہے۔

دوست اگرچہ پر تکلف کھانے کھاتے ہیں اور آراستہ لباس پہنتے ہیں، لیکن (حقیقی) لذت اٹھانا اور نفع پانا تو فقراء کے لباس میں ہے:

ع آنکہ آں داد بشاہاں بگدایان این داد

یعنی: جس نے بادشاہوں کو وہ (تکلفات) دیے، اس نے فقیروں کو یہ (لذتیں) عطا فرمائیں۔

”وہ“ سے ”یہ“ تک بہت فرق ہے، کیونکہ ”وہ“ مولیٰ جلِ سلطانہ کی رضا سے دور ہے اور ”یہ“ حق تعالیٰ کی رضا کے قریب ہے۔ اور نیز ”وہ“ کا حساب کتاب بھاری ہے اور ”یہ“ کا حساب کتاب ہلکا ہے۔

رَبَّنَا آتِنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً وَهِيَ لَنَا مِنْ أَمْرِنَا رَشَدًا۔ (سورۃ کہف، ۱۰)

یعنی: اے ہمارے پروردگار! ہم پر اپنے ہاں سے رحمت نازل فرما اور ہمارے کام میں درستی (کے سامان) مہیا کر۔ میرے برخوردار سلطان مراد نے توبہ اور انابت کی توفیق پالی ہے اور طریقہ کو اخذ کر لیا ہے۔ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ سے ثابت قدری اور استقامت کی درخواست ہے۔ وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَ عَلَى سَائِرِ الْإِخْوَانِ۔

یعنی: اور آپ پر اور سب بھائیوں پر سلام ہو۔

مکتوب نمبر (۸۲)

خواجہ شرف الدین حسین کو تحریر فرمایا۔ مینی دنیا سے پرہیز کرنے اور روشن شریعت پر (عمل کی) ترغیب دینے اور جو کچھ

اس کے مناسب ہے اس کے بیان میں۔

اللَّهُمَّ صَغِرِ الدُّنْيَا بِأَعْيُنِنَا وَكَبِّرِ الْآخِرَةَ فِي قُلُوبِنَا بِحُرْمَةِ حَبِيبِكَ عَلَيْهِ وَ عَلَى آلِهِ الصَّلَاةُ

وَالسَّلَامُ. یعنی: اے ہمارے اللہ! اپنے حبیب (حضرت محمد مصطفیٰ) علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کے صدقے دنیا کو ہماری آنکھوں میں چھوٹا بنا دے اور آخرت کو بڑا بنا دے۔

خوش اخلاق پیارے فرزند! خبردار! دنیا کی فضول چیزوں کی طرف رغبت نہ کرو اور فانی شان و شوکت پر فریفتہ نہ ہو جاؤ اور کوشش کرو کہ تمام حرکات و سکنات میں روشن شریعت کے مطابق عمل کیا جائے اور ملت بیضا کے موافق زندگی بسر کی جائے۔ سب سے پہلے اعتقاد کو اہل سنت و جماعت کے علماء شکر اللہ تعالیٰ سَعِيْهُمْ (اللہ تعالیٰ ان کی کوشش کو مشکور فرمائے) کی آراء کے مطابق درست کرنا ضروری ہے۔ اس کے بعد فقہی احکام کے موافق عمل کرنے کا معاملہ ہے۔ نیز فرائض کی ادائیگی میں کامل اہتمام کرنا چاہیے اور حلال و حرام میں خوب احتیاط فرمانی چاہیے۔ نفلی عبادتیں فرض عبادتوں کے مقابلے میں راستے میں پڑی ہوئی (رُوی) چیزوں کی طرح ہیں اور اعتبار سے ساقط ہیں۔ اس زمانے کے اکثر لوگ نوافل کو رواج دینے میں اور فرضوں کو خراب کرنے میں لگے ہیں۔ وہ نفلی عبادتوں کے بجالانے کا اہتمام کرتے ہیں اور فرضوں کو خوار اور بے اعتبار شمار کرتے ہیں۔ روپیہ سب وقت پر اور بے وقت مستحق اور غیر مستحق کو دیتے ہیں، لیکن زکوٰۃ کی ایک پائی ادا کرنا ان کے لیے مشکل ہے۔ نہیں سمجھتے کہ ایک پائی زکوٰۃ میں ادا کرنا لاکھوں کانفلی صدقہ دینے سے بہتر ہے۔ زکوٰۃ کی ادائیگی میں محض مولیٰ جل سلطانہ کے حکم کی بجا آوری ہے اور نفلی صدقہ میں اکثر ایسا ہے کہ اس کی منشا خواہش نفسانی ہوتی ہے۔ لہذا فرض کی ادائیگی میں ریا کی گنجائش نہیں ہے اور نفل میں ریا کا وسیع میدان ہے۔ یہی وجہ ہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کا اظہار کرنا زیادہ بہتر ہے، تاکہ (خود سے) تہمت کو دور کرے اور نفلی صدقہ دینے میں چھپانا زیادہ بہتر ہے، کیونکہ یہ قبولیت کے لائق ہے۔

الغرض شرعی احکام کی پابندی کے سوا چارہ نہیں ہے، تاکہ دنیا کے نقصان سے نجات متصور ہو سکے اور اگر دنیا کا ترک کرنا حقیقی طور پر میسر نہیں ہوتا تو ترک حکمی میں کوتاہی نہ کریں اور یہ اقوال و افعال میں شریعت کو لازم پکڑنا ہے۔

وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ الْمُؤَفَّقُ. یعنی: اور اللہ سبحانہ ہی توفیق دینے والا ہے۔

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اَتْبَعَ الْهُدٰی. (سورۃ طہ، آیت ۴۷)

یعنی: اور جو شخص ہدایت کی بات مانے، اسے سلامتی نصیب ہو۔

مکتوب نمبر (۸۳)

میر ماہ محمود کو تحریر فرمایا۔ اس بلند شان گروہ (صوفیہ) کی محبت میں جو تمام سعادتوں کا سرمایہ ہے اور جو کچھ اس کے

مناسب ہے (اس کا بیان)۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ السَّلَامُ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰی. (سورۃ النمل، ۵۹)

یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اُس کے اُن بندوں پر سلام ہو جن کو اُس نے منتخب فرمایا۔

اس علاقے کے فقراء کے حالات اور کیفیات حمد (الہی) کے لائق ہیں۔ آپ کی سلامتی و عافیت اور شریعت مصطفویٰ علی

صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والبرکتہ والختیہ پر ثابت قدمی اور استقامت کے لیے اللہ سبحانہ سے درخواست ہے۔

میرے پیارے اور برادر ارشد نے جو طریقہ اس فقیر سے اخذ کیا تھا اگرچہ صحبت شریف جو کہ ان بزرگواروں کے ہاں

عظیم اصل ہے، کم پانے کی وجہ سے قابلِ قدر برکات و ثمرات اس پر حاصل نہیں ہوئے ہوں گے، لیکن اگر تھوڑا سا جی تعلق جو طریقہ کے سیکھنے کے لوازمات میں سے ہے، باقی رہ گیا ہو تو یہ بھی ایک عظیم دولت ہے۔ کیونکہ آیا ہے کہ: الْمَوءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ۔^(۱) یعنی: آدمی اس کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت کرتا ہے۔

پہلی برکت جو پہلی ہی صحبت میں اس بلند طریقہ کے مبتدی رشید کو حاصل ہو جاتی ہے، وہ مطلوب حقیقی جلِ سلطانہ کے ساتھ قلب کی دائمی توجہ ہے اور تھوڑی سی مدت میں توجہ کا یہ دوام ماسویٰ کے نسیان تک پہنچا دیتا ہے۔ بالفرض اگر طالب کی عمر ہزار سال وفا کرے تو بھی اس کے دل میں حق سبحانہ کے غیر کا گزر نہیں ہوتا، اس نسیان کی بدولت جو اسے ماسوا سے حاصل ہو چکا ہے، اگر تکلف اور تعمّل سے بھی اسے ماسوا یاد دلائیں تو وہ اس کو یاد نہیں کرتا اور جب یہ نسبت حاصل ہو جائے تو اس وقت (سا لک نے) اس راستے میں پہلا قدم رکھ لیا ہوتا ہے۔ بعد ازاں دوسرا قدم اور تیسرا اور چوتھا قدم بھی جہاں تک کہ اللہ تعالیٰ چاہے۔ (فقیر) کیا لکھے؟ الْقَلِيلُ يَدُلُّ عَلَى الْكَثِيرِ وَالْقَطْرَةُ تَبْنِيءُ عَلَى الْبَحْرِ الْعَدِيدِ۔
یعنی: تھوڑی چیز کثرت پر دلالت کرتی ہے اور قطرہ بحرِ محیط کی خبر دیتا ہے۔

اس سے مقصدِ محمدین کو شوق دلانا ہے۔ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ نفع بخش بنائے۔
میاں عبدالعظیم نے آپ کی محبت و اخلاص بھری باتوں کو ربانی طور پر بیان کر کے اس گفتگو پر آمادہ کیا۔ وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَعَلَى سَائِرِ مَنْ اتَّبَعَ الْهُدَى وَالتَّزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفَى عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ الصَّلَوَةُ وَالسَّلَامُ۔
یعنی: اور آپ کو اور ان سب کو جو ہدایت کی بات مانیں، اور (حضرت محمد) مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کو لازم پکڑیں، سلامتی نصیب ہو۔

مکتوب نمبر (۸۴)

شیخ حمید بنگالی کو تحریر فرمایا۔ بعض نصیحتوں کے بارے میں۔
بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ. الْحَمْدُ لِلَّهِ وَسَلَامٌ عَلَى عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَى. (سورۃ النمل، ۵۹)
یعنی: شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔ سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اُس کے اُن بندوں پر سلام ہو جن کو اُس نے منتخب فرمایا۔
میرے پیارے برادر ارشد میاں شیخ حمید نے عجیب گوشہ نشینی اختیار کی ہے کہ وہاں سلام اور پیغام کی گنجائش بھی بہت کم ہے۔ ان سات آٹھ سالوں میں آپ کی طرف سے ایک خط پہنچا ہے، وہ بھی نامکمل اور ناتمام۔ اس طرف سے جو مکتوب جاتے ہیں، معلوم نہیں ہے کہ وہ آپ کو پہنچتے ہیں یا نہیں پہنچتے۔

میرے پیارے بھائی شیخ عبدالحی چونکہ اپنے وطن کی طرف جانے والے تھے، (لہذا فقیر نے) ان سے کہا کہ ایک بار وہ خود آپ کے پاس جائیں اور آپ کے حالات سے آگاہ ہوں۔ شیخ عبدالحی پانچ برس کے قریب خدمت میں رہے ہیں اور حاضری کی اکثر خدمات ان سے متعلق رہیں۔ وہ فقیر کے علوم و معارف سے سیراب ہیں اور جذبہ و سلوک کے احوال سے آگاہ ہیں۔
(فقیر نے) موصوف سے کہا ہے کہ وہ چند روز آپ کے گھر قیام کریں اور جو علوم و معارف وقت اور حال کے مناسب

ہوں، وہ بیان کریں۔ گزشتہ احوال اور جو کچھ احوال و مواجید سے شامل حال ہے، وہ سب کچھ موصوف کے سامنے ظاہر کریں اور وہ جس چیز کی نصیحت کریں، آپ اس کو قبول کریں۔

باقی حالات موصوف بالمشافہ آپ سے بیان کریں گے۔ اِنْشَاءَ اللّٰہِ تَعَالٰی. وَالسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَعَلٰی سَائِرِ مَنْ اَتَّبَعَ الْهُدٰی. یعنی: آپ پر اور اُن سب پر جو ہدایت کی بات مانیں، سلام ہو۔

مکتوب نمبر (۸۵)

شیخ نور محمد کو تحریر فرمایا۔ شیخ عبدالحی کے بعض کمالات میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی. (سورۃ النمل، ۵۹)

یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اُس کے اُن بندوں پر سلام ہو جن کو اُس نے منتخب فرمایا۔ اس علاقے کے فقراء کے حالات اور افعال حمد (الہی) کے لائق ہیں۔ وَالْمَسْئُوْلُ مِنَ اللّٰہِ سُبْحَانَهُ اَسْتِقَامَتُكُمْ۔ یعنی: اللہ سبحانہ سے آپ کی استقامت کے لیے درخواست ہے۔

میرے بھائی میاں شیخ عبدالحی آپ کے ہم شہری ہیں اور آپ کے پڑوس میں آئے ہیں۔ وہ عجیب علوم و معارف کا نسخہ ہیں اور اس راہ (طریقت) کی ضروری چیزیں ان کے پاس امانت ہیں۔ دور پڑے ہوئے دوستوں کے لیے ان کی ملاقات غنیمت ہے، کیونکہ وہ تازہ تازہ آئے ہیں اور نئی خبریں لائے ہیں۔ فنا و بقا کا ان کے پاس نشان ہے اور جذبہ و سلوک کا ان کے پاس بیان ہے۔ بلکہ وہ فنا و بقا سے بالاتر متعارف ہیں اور مقررہ جذبہ و سلوک سے آگے کی بھی خبر رکھتے ہیں، بلکہ کہا جاسکتا ہے کہ ان کا وہاں گزر ہے۔ مکتوبات کے بہت سے عجیب معارف ان کے گوش گزار ہو چکے ہیں۔ اور مقدور بھرانہوں نے ان کو پوچھ کر بھی آگاہی حاصل کی ہوئی ہے۔ وَاللّٰہُ سُبْحَانَهُ الْمُؤَفَّقِ. یعنی: اور اللہ سبحانہ ہی توفیق دینے والا ہے۔ آپ اپنے احوال تفصیل کے ساتھ موصوف کو سنائیں گے۔ (فقیر اس سے) زیادہ کیا لکھے۔ والسلام۔

مکتوب نمبر (۸۶)

شیخ طاہر بدخشی کو تحریر فرمایا، ان کے خط کے جواب میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی. (سورۃ النمل، ۵۹)

یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اُس کے اُن بندوں پر سلام ہو جن کو اُس نے منتخب فرمایا۔ میرے پیارے بھائی کا مکتوب شریف پہنچا۔ جو احوال و معارف لکھے گئے تھے، ان سے پوری طرح آگاہی ہوئی (اور) انہوں نے خوش وقت بنایا۔ کیسی اعلیٰ دولت ہے کہ محبین اور مخلصین سب سے ہاتھ کھینچ کر حق تعالیٰ کی جناب پاک کی جانب متوجہ ہو جائیں اور ماسوائے کو پس پشت ڈال کر کھلی طور پر حق سبحانہ کی طرف رخ کر لیں۔

باقی اس علاقے کی کیفیات کو پیارے بھائی شیخ عبدالحی تفصیل کے ساتھ بیان کریں گے اور ربانی اور تحریری علوم و معارف موصوف کے پاس بہت زیادہ ہیں۔ اس وجہ سے (فقیر نے) ان کے بارے میں کوئی چیز نہیں لکھی۔ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی آل امجاد کے طفیل تمام کاموں کے انجام بخیر ہوں۔ والسلام۔

مکتوب نمبر (۸۷)

فتح خان افغان کو تحریر فرمایا۔ نصیحتوں کے بیان میں۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ وَسَلَامٌ عَلَى عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَى. (سورۃ النمل، ۵۹)

یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اُس کے اُن بندوں پر سلام ہو جن کو اُس نے منتخب فرمایا۔

آپ کا مکتوب شریف، جو فقراء کی محبت و اخلاص کے کمال کی خبر دینے والا تھا، وہ پہنچا۔ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ (آپ کو) ان کی محبت پر استقامت بخشے۔

ایک نصیحت جو سعادتمند دوستوں کو کی جاتی ہے، وہ روشن سنت علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والحقیت کا اتباع کرنا ہے اور ناپسندیدہ بدعت سے پرہیز کرنا ہے۔ جو شخص سنتوں میں کسی ایسی سنت کو زندہ کرے جس پر عمل کرنا ترک کر دیا گیا ہو تو اس شخص کو سوشہیدوں کا ثواب ملتا ہے۔^(۱) پھر کیسا ہوگا وہ شخص جو فرضوں میں سے کسی فرض کو یا واجبات میں کسی واجب کو زندہ کرے۔ پھر نماز میں ارکان کی تعدیل (اطمینان کے ساتھ ادائیگی) ہے جو اکثر علمائے حنفیہ کے نزدیک واجب ہے اور امام ابو یوسف (رحمۃ اللہ علیہ) اور امام شافعی (رحمۃ اللہ علیہ) کے ہاں فرض ہے اور بعض علمائے حنفیہ کے نزدیک سنت ہے۔ اور اکثر لوگوں نے اس عمل کو ترک کر دیا ہے۔ اس ایک عمل کے زندہ کرنے کا اجر اللہ کے راستے کے سوشہیدوں کے ثواب سے زیادہ ہوگا۔ باقی سب شرعی احکام حلال و حرام اور مکروہ وغیرہ کو بھی یونہی قیاس کیا جائے۔

علماء نے فرمایا ہے کہ نیم دانگ (تین رتی) جو کسی شخص سے شرعی ضابطے کے بغیر ظلم کے ساتھ حاصل کیا گیا ہو، اس کو اس شخص کو واپس کر دینا اس سے بہتر ہے کہ آدمی دو سو درم صدقہ کرے۔ نیز علماء نے فرمایا ہے کہ اگر کسی شخص کے نیک عمل پیغمبر کے عمل کی مانند ہوں اور اس شخص پر کسی آدمی کا نیم دانگ (تین رتی) حق باقی رہ گیا ہو تو اس کو بہشت میں نہیں لے جائیں گے، جب تک کہ وہ نیم دانگ ادا نہ کر دے گا۔

الغرض ظاہر کو شرعی احکام سے آراستہ کر کے باطن کی طرف متوجہ ہونا چاہیے، تاکہ غفلت میں آلودہ نہ رہے اور باطن کی امداد کے بغیر شرعی احکام سے آراستہ ہونا دشوار ہے۔ علماء تو فتویٰ دیتے ہیں اور کام کو اہل اللہ کرتے ہیں۔ باطن کا اہتمام کرنا، ظاہر کے اہتمام کے لیے لازمی ہے اور جو شخص باطن میں مشغول ہوتا ہے اور ظاہر سے عاجز رہتا ہے، وہ ملحد ہے۔ اور اس کے باطنی حالات استدراج ہیں۔ باطن کے حال کے درست ہونے کی علامت ظاہر کو شرعی احکام سے آراستہ کرنے کا اہتمام ہے۔ استقامت کا طریقہ یہی ہے۔ وَاللَّهُ سُبْحَانَهُ الْمُؤَفَّقِي. یعنی: اور اللہ سبحانہ ہی توفیق دینے والا ہے۔

مکتوب نمبر (۸۸)

ملابیلج الدین کو تحریر فرمایا۔ قضا پر راضی رہنے اور مولیٰ (تعالیٰ) کے فعل سے لذت پانے کے بیان میں۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ وَسَلَامٌ عَلَى عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَى. (سورۃ النمل، ۵۹)

یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اُس کے اُن بندوں پر سلام ہو جن کو اُس نے منتخب فرمایا۔

مقبول بندہ وہ ہے جو اپنے مولیٰ (تعالیٰ) کے فعل سے راضی ہو اور جو شخص اپنی رضا کے تابع ہے، وہ اپنا بندہ ہے۔ اگر

مولیٰ بندہ کے حلق پر چا تو چلا دے تو چاہیے کہ بندہ اس وقت بھی خوشحال اور ہنستا ہوا رہے اور وہ مولیٰ کے اس فعل میں اپنی رضا پائے، بلکہ اس فعل سے لذت حاصل کرے اور اگر نعوذ باللہ سبحانہ اسے اس فعل سے کراہت حاصل ہو اور اس کا سینہ تنگ ہو جائے تو وہ بندگی کے دائرہ سے دور ہے اور مولیٰ (تعالیٰ) کے قرب سے محروم و مردود ہے۔

جب طاعون حق تعالیٰ کی مراد ہے تو چاہیے کہ (آپ) اس کو اپنی مراد سمجھ کر خوش و خرم رہیں اور طاعون کے غلبہ سے آپ ناراض اور تنگ دل نہ ہوں، بلکہ جب (یہ) محبوب کا فعل ہے تو اس سے لذت حاصل کریں۔ ہر شخص کی موت کا وقت مقرر ہے جس میں کمی و بیشی کا احتمال نہیں ہے۔ پھر پریشانی کیا ہے؟ بس اتنا ہے کہ آپ مصیبتوں سے عافیت طلب کریں اور ناراضگی (الہی) سے پناہ مانگیں، کیونکہ حق تعالیٰ کی رضا بندے کے دعا اور سوال کرنے میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: قَالَ رَبُّكُمْ اذْعُونِيْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ. (سورۃ مومن، ۶۰) یعنی: تمہارے پروردگار نے فرمایا ہے کہ تم مجھ سے دعا کرو، میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔

مولانا عبدالرشید نے آکر اس جگہ کے احوال بیان کیے ہیں۔ عَافَاكُمْ اللّٰهُ سُبْحَانَهُ عَنِ الْبَلِيَّاتِ الظَّاهِرَةِ وَالْبَاطِنَةِ. یعنی: اللہ سبحانہ آپ کو ظاہری و باطنی بلاؤں سے محفوظ رکھے۔

مکتوب نمبر (۸۹)

سیادت پناہ میر محبت اللہ کو نصیحت (کے بیان) میں تحریر فرمایا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ. ثَبَّتَنَا اللّٰهُ سُبْحَانَهُ وَاَيَّاكُمْ عَلٰى جَادَةِ اَبَائِكُمْ الْكَرَامِ بِصَدَقَةِ حَبِيْبِهِ سَيِّدِ الْاَنَامِ عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمُ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ. یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے۔ اللہ سبحانہ اپنے حبیب سید الانام (حضرت محمد مصطفیٰ) علیہ وسلم علیہم الصلوٰۃ والسلام کے صدقے ہمیں اور آپ کو آپ کے آبائے کرام کے راستے پر ثابت قدم رکھے۔ اس علاقے کے فقراء کے احوال اور کیفیات حمد (الہی) کے لائق ہیں۔ ہمیشہ اللہ سبحانہ کی حمد اور احسان ہے اور اس کے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ہمیشہ ہمیشہ درود و سلام ہو اور اللہ سبحانہ سے آپ کی سلامتی و عافیت اور ثابت قدمی و استقامت کے لیے درخواست ہے۔

میرے مخدوم مکرم! (اور) شفقت کے نشان والے! کام کا وقت گزر جا رہا ہے اور جو لحظہ بھی گزر رہا ہے، وہ عمر سے لمحہ بھر کم ہی کر رہا ہے اور موت کے مقررہ وقت کو قریب کر رہا ہے۔ اگر آج آدمی خبردار نہ ہو تو کل حسرت اور ندامت کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔ اہتمام کرنا چاہیے کہ زندگی کے یہ چند روز روشن شریعت کے مطابق بسر کیے جائیں، تاکہ نجات متصور ہو سکے۔ یہ وقت، وقتِ عمل ہے۔ عیش کا وقت آگے ہے جو اس عمل کا پھل ہے۔ کام کے وقت عیش کرنا اپنی سبز بھتی کو کھالینا ہے اور اس کے پھل سے محروم رہنا ہے۔

(فقیر) اس سے زیادہ کیا تکلیف دے۔ (آپ کو) ظاہری اور معنوی دولت حاصل رہے۔

مکتوب نمبر (۹۰)

مرزا عرب خان کو سفارش کے متعلق تحریر فرمایا۔

اللہ سبحانہ آپ کو آفاقی و انفسی دشمنوں پر فتح و نصرت عطا فرمائے اور ظاہری و معنوی بلاؤں سے نجات بخشے۔
رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ: **الْخَلْقُ عِيَالُ اللَّهِ وَ أَحَبُّ الْخَلْقِ إِلَى اللَّهِ مَنْ أَحْسَنَ إِلَى عِيَالِهِ**۔^(۱) یعنی: مخلوق اللہ تعالیٰ کی عیال ہے اور اللہ تعالیٰ کو مخلوق میں سب سے زیادہ پیارا وہ ہے جو اس کی عیال کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔

حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ اپنی مخلوق کی روزی کا ذمہ دار بنا ہے۔ پس مخلوق حق تعالیٰ کی عیال کی طرح ہے۔ جو شخص کسی کے عیال کے ساتھ غمخواری کرے اور اس کے بوجھ کو اٹھائے تو یقیناً یہ شخص اس صاحبِ عیال کا محبوب ہوگا، کیونکہ اس نے اس کے بوجھ کو ہلکا کیا ہے اور اس کی مشقت کو اپنے ذمے کر لیا ہے۔

اس بنا پر (فقیر) زحمت دینے کی جرأت کر رہا ہے کہ حافظ حامد نیک مرد اور قرآن مجید کی تلاوت کرنے والا ہے۔ عیال کی کثرت اسے پریشان رکھتی ہے، کیونکہ وہ ان کے حقوق سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا۔ (فقیر) آپ سے موصوف کی امداد اور اعانت کی درخواست کرتا ہے۔ کریم لوگوں کو بخشش کے لیے بہانہ ہی کافی ہے۔ والسلام۔

مکتوب نمبر (۹۱)

مخدوم زادہ حضرت خواجہ محمد سعید کو قَابِ قَوْسَیْنِ اَوْ اَذْنٰی (سورۃ نجم، ۹) کے اسرار میں تحریر فرمایا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی. (سورۃ النمل، ۵۹)

یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اُس کے اُن بندوں پر سلام ہو جن کو اُس نے منتخب فرمایا۔
قَابِ قَوْسَیْنِ اَوْ اَذْنٰی. (یعنی: دو کمان کے فاصلے پر یا اس سے بھی کم۔ سورۃ نجم، ۹) کے مقام سے ایک عظیم راز سنیں کہ جب انسان کامل سیر الی اللہ کی تکمیل کے بعد سیر فی اللہ سے متحقق ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے اخلاق سے آراستہ ہو جاتا ہے اور مجمل طور پر اس سیر کو بھی مکمل کر لیتا ہے اور اسماء و صفات کے عکسوں کے ظہور کے دائرہ کو، جو کہ سیر فی اللہ کے ساتھ وابستہ ہے، بھی پورا کر لیتا ہے، تو وہ اس (مقام) کے لائق بن جاتا ہے کہ معشوق اصالت کے طور پر ظلیت کے شبہ کے بغیر اور حالت و محلیت کے وہم کے بغیر اس میں ظہور فرمائے اور چونکہ معشوق کی ذاتی صفات حق تعالیٰ کی ذات سے جدا نہیں ہیں، لہذا ناچار عاشق کے عین میں ذات کا ظہور صفات کے ساتھ ہوگا۔ دو قوسیں حاصل ہو جائیں گی جو کہ قوسِ صفات اور قوسِ ذات ہیں۔ یہ مقام قَابِ قَوْسَیْنِ کے مقامات سے بلند ہے جو ظلی آمیزش کے بغیر ظہورِ اصلی سے متعلق ہے۔

اگر اللہ سبحانہ کی عنایت سے عاشق صادق کو معشوق کی ذات کے ساتھ کمال کی گرفتاری پیدا ہو جائے، اس حد تک کہ وہ اسم اور صفت سے کچھ بھی نہ چاہے تو اس وقت اللہ جل سلطانہ کے فضل سے اسم اور صفت گہی طور پر اس کی نظر سے اٹھ جاتے ہیں اور ذات کے سوا کوئی چیز اس کے سامنے ملحوظ و مشہود نہیں رہتی۔ اگرچہ صفات موجود ہوتی ہیں، لیکن وہ اس کو مشہود نہیں ہوتیں۔ اس حال میں اَوْ اَذْنٰی (یعنی: یا اس سے بھی کم) کا راز ظہور میں آتا ہے اور قَوْسَیْنِ کا کوئی اثر (باقی) نہیں رہتا۔

اس بلند مقام سے جب نزول واقع ہوگا تو قدمِ اوّل عالمِ خلق میں آپڑے گا، بلکہ عنصر خاک میں آ بیٹھے گا، کیونکہ یہ عنصر پاک دوری اور مجبوری کے باوجود تمام موجودات سے زیادہ عالمِ قدس کے قریب ہے۔ عجیب معاملہ ہے۔ اگر ہم عروج اور صعود

کا اعتبار کرتے ہیں تو عالم امر کو موجودات سے زیادہ قریب سمجھتے ہیں، بلکہ عالم امر کے (لطیفہ) انہی کو سب سے زیادہ قریب پاتے ہیں اور جب نزول و ہبوط کی جانب نظر کرتے ہیں تو قرب کی دولت عالم خلق کے نصیب میں پاتے ہیں، بلکہ عنصر خاک کے نصیب میں سمجھتے ہیں۔ ہاں! جب ہم عروج کی طرف سے دائرہ کے نقطہ اول کو ملاحظہ کرتے ہیں تو عروج کی جانب میں اس نقطے سے زیادہ قریب اس دائرہ کا نقطہ ثانیہ ہے اور جب ہبوط کی جانب میں ملاحظہ کیا جاتا ہے تو اس نقطہ اول سے زیادہ قریب اس دائرے کا آخری نقطہ ہے۔ اتنا فرق ضرور ہے کہ وہ نقطہ ثانی عروج میں نقطہ اول سے روگردان ہے اور یہ آخری نقطہ اسی نقطہ اول کے روبرو ہے اور (اس کی طرف) متوجہ ہے۔ مخالف سمت اور موافق سمت کے درمیان بہت زیادہ فرق ہے، کیونکہ نقطہ ثانی، نقطہ اولیٰ کے ظہورات کی جانب میلان رکھتا ہے اور آخری نقطہ ظہورات کی طرف پشت کر کے ذاتِ ظاہر کا خواہاں ہے۔ اس طرح یہ دونوں برابر کیسے ہو سکتے ہیں؟

رَبَّنَا آتِنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً وَهَيِّءْ لَنَا مِنْ أَمْرِنَا رَشَدًا. (سورۃ کہف، ۱۰)

یعنی: اے ہمارے پروردگار! ہم پر اپنے ہاں سے رحمت نازل فرما اور ہمارے کام میں درستی (کے سامان) مہیا کر۔

وَالسَّلَامُ عَلَيَّ مِنْ أَتْبَعِ الْهُدَى. (سورۃ طہ، ۴۷)

یعنی: اور جو شخص ہدایت کی بات مانے، اس کو سلامتی نصیب ہو۔

مکتوب نمبر (۹۲)

میر محمد نعمان کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ ولایت سے مراد قرب الہی ہے اور خوارق و کرامات اس کی شرط نہیں ہیں اور

بادشاہوں کو سجدہ تعظیسی کرنا کیسا ہے؟ اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کا بیان)۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ وَسَلَامٌ عَلَى عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَى. (سورۃ النمل، ۵۹)

یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اُس کے اُن بندوں پر سلام ہو جن کو اُس نے منتخب فرمایا۔

سیادت مآب میرے پیارے بھائی میر محمد نعمان خوش وقت رہیں اور جان لیں کہ خوارق و کرامات کا ظہور ولایت کی شرط نہیں ہے اور جیسے کہ علماء خوارق و کرامات کے حاصل کرنے کے لیے مکلف نہیں ہیں، ایسے ہی اولیاء بھی خوارق کے ظاہر کرنے کے مکلف نہیں ہیں۔ کیونکہ ولایت سے مراد قرب الہی جل سلطانہ ہے جو ماسوکی کے نسیان (بھلانے) کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو عطا فرماتا ہے۔ ایک شخص کو یہ قرب عطا فرماتے ہیں اور اسے غائبانہ حالات کی کوئی اطلاع نہیں دیتے اور ایک دوسرا شخص ایسا ہے جسے قرب بھی دیتے ہیں اور غائبانہ احوال کی اطلاع بھی بخشتے ہیں اور تیسرے شخص کو قرب نہیں دیتے اور غائبانہ حالات پر اطلاع بخشتے ہیں۔ یہ تیسرا آدمی اہل استدراج میں سے ہے اور نفس کی صفائی نے اس کو غائبانہ احوال کے کشف میں مبتلا کیا ہے اور گمراہی میں ڈالا ہے۔ (یہ آیت) کریمہ ان کے حال کی خبر دیتی ہے: يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ عَلَىٰ شَيْءٍ طَٰلَا إِنَّهُمْ هُمُ الْكَٰذِبُونَ. اسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ فَأَنسَاهُمْ ذِكْرَ اللَّهِ طَٰلَا لَكَ حِزْبُ الشَّيْطَانِ طَٰلَا إِنَّ حِزْبَ الشَّيْطَانِ هُمُ الْخٰسِرُونَ. (سورۃ مجادلہ، ۱۸-۱۹) یعنی: اور خیال کریں گے کہ ایسا کرنے سے کام لے نکلے ہیں۔ دیکھو! یہ جھوٹے اور برسرِ غلط ہیں۔ شیطان نے ان کو قابو میں کر لیا ہے اور اللہ کی یاد ان کو بھلا دی ہے۔ یہ جماعت شیطان کا گروہ ہے۔

اور سن رکھو کہ شیطان کا گروہ نقصان اٹھانے والا ہے۔

پہلا شخص اور دوسرا شخص جو قرب کی دولت سے مشرف ہیں، وہ اولیاء اللہ میں سے ہیں۔ غائبانہ احوال کا کشف نہ ان کی ولایت کے شان کو بڑھاتا ہے اور نہ ہی عدم کشف ان کی ولایت کی شان کا نقصان کرتا ہے۔ لیکن قرب کے درجات کے لحاظ سے ان میں فرق ہے۔

اکثر اوقات ایسا ہوتا ہے کہ غیبی صورتوں کا کشف نہ رکھنے والا شخص، ان صورتوں کا کشف رکھنے والے شخص سے افضل ہوتا ہے اور قرب کی جو برتری اسے حاصل ہوتی ہے، اس کی وجہ سے وہ پیش قدم ہوتا ہے۔ صاحب عوارف جو کہ شیخ اشبوخ ہیں اور (صوفیہ کے) تمام گروہوں میں مقبول ہیں، انہوں نے اپنی کتاب عوارف میں اس معنی کی وضاحت فرمائی ہے، لہذا اگر کوئی شخص میری اس بات پر اعتبار نہیں کرتا تو وہ اس کتاب کی طرف رجوع کرے۔ وہاں کرامات و خوارق کے بیان کے بعد مذکور ہے کہ: ”یہ سب کرامات و خوارق حق جل سلطانیہ کی بخشش ہیں۔ کبھی ایسے ہوتا ہے کہ کچھ لوگوں کو ان کا کشف رکھنے والا بنا دیتے ہیں اور یہ دولت (ان کو) عطا کر دیتے ہیں اور کبھی یوں ہوتا ہے کہ اس گروہ کا ایک شخص مرتبے میں ان لوگوں سے بلند ہوتا ہے اور اس کو ان کرامات و خوارق میں سے کوئی چیز عطا نہیں کرتے، کیونکہ یہ سب کرامتیں یقین کی تقویت کے لیے عطا فرماتے ہیں اور جس شخص کو صرف یقین دیا گیا ہے، اس کو ان کرامات کی حاجت نہیں ہوتی اور یہ سب کرامات ذکر ذات سے کم درجہ میں ہیں اور قلب کے اس ذکر سے آراستہ ہونے سے کم درجے کی ہیں، جو اوپر بیان ہو چکا ہے۔“ انتہی۔

اس گروہ (صوفیہ) کے امام خواجہ عبداللہ انصاری (رحمۃ اللہ علیہ)، جن کا لقب شیخ الاسلام ہے، انہوں نے (اپنی) کتاب منازل السائرین میں فرمایا ہے کہ ”فراست کی دو اقسام ہیں۔ ایک اہل معرفت کی فراست اور (دوسری) اہل رجوع اور اہل ریاضت کی فراست ہے۔ اہل معرفت کی فراست طالبین کی استعداد اور ان اولیائے حق سبحانہ کو پہچاننے سے متعلق ہے، جو حضرت جمع کے ساتھ واصل ہو چکے ہیں۔ اور اہل ریاضت اور ارباب رجوع کی فراست ان غائبانہ صورتوں اور احوال کے کشف کے ساتھ مخصوص ہے جو مخلوقات سے تعلق رکھتے ہیں۔ چونکہ اکثر لوگ حق جل و علا کی جناب پاک سے قطع تعلق ہیں اور دنیا میں مشغول ہیں، ان کے دل صورتوں کے کشف اور مخلوقات کے غائبانہ احوال کی خبریں دینے کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ لہذا یہ چیز ان کے نزدیک عظیم ہے اور وہ گمان کرتے ہیں کہ یہی لوگ اہل اللہ ہیں اور حق سبحانہ کے خواص ہیں اور وہ اہل حقیقت کے کشف سے روگردانی کرتے ہیں اور اہل حقیقت حضرت حق سبحانہ کی طرف سے جن چیزوں کی خبر دیتے ہیں، ان پر الزام لگاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر یہ لوگ اہل حق میں سے ہوتے، جیسا کہ یہ خیال کرتے ہیں تو یقیناً یہ لوگ ہمارے غیبی احوال اور باقی مخلوقات کے غیبی حالات کی خبر دیتے اور جب ان کو ہمارے احوال کے کشف کی قدرت نہیں ہے تو پھر انہیں ان امور کے کشف کی قدرت کیسے ہوگی جو مخلوقات کے احوال سے اعلیٰ ہیں اور یہ لوگ اہل معرفت کی اس فراست کو جھٹلاتے ہیں جو واجب جل سلطانیہ کی ذات و صفات اور افعال سے تعلق رکھتی ہے اور اپنے اس فاسد قیاس کی بدولت یہ لوگ ان بزرگوں کے صحیح علوم و معارف سے محروم رہ گئے اور یہ نہ سمجھ سکے کہ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ نے ان بزرگوں کو خلق کے ملاحظہ سے محفوظ فرمایا ہے اور ان کو اپنی جناب پاک جل و علا کے ساتھ مخصوص فرمایا ہے اور مشغول بنا لیا ہے اور ان کی حمایت و غیرت کی

وجہ سے ان کو ماسویٰ کی طرف سے ہٹالیا ہے۔ اگر یہ بزرگوار خلق کے احوال کے درپے ہوتے تو جناب پاک (کی بارگاہ) کی حضوری کی صلاحیت ان میں نہ رہتی۔“ ان (خواجہ عبداللہ انصاریؒ) کا کلام ختم ہوا۔

انہوں (خواجہ عبداللہ انصاریؒ) نے اس طرح کی اور مثالیں بھی بیان فرمائی ہیں۔ اور میں نے اپنے حضرت خواجہ (باقی باللہ) قدس سرہ سے سنا ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ شیخ محی الدین ابن العربی (رحمۃ اللہ علیہ) نے لکھا ہے کہ بعض اولیائے کرام کہ جن سے کرامات و خوارق زیادہ ظاہر ہوئے ہیں، وہ اپنے آخری وقت میں ان کرامات کے ظاہر ہونے سے شرمندہ ہوئے ہیں اور وہ تمنا کرتے تھے کہ کاش یہ سب خوارق ہم سے ظاہر نہ ہوتے اور اگر فضیلت خوارق کے کثرت سے ظاہر ہونے کے اعتبار سے ہوتی تو پھر اس ظہور پر شرمندگی کوئی معنی نہ رکھتی۔

سوال: جب خوارق کا ظہور ولایت میں شرط نہیں ہے تو پھر ولی، غیر ولی سے کیسے ممتاز ہوگا؟ اور اہل حق اور اہل باطل سے کس طرح جدا ہوگا؟

جواب: گو وہ ممتاز نہ ہو سکے اور اہل حق اور اہل باطل ملا رہے تو کیا حرج ہے، (کیونکہ) حق اور باطل کا ملا رہنا اس دنیاوی جہان کے لوازمات میں سے ہے۔ ولی کی ولایت کا علم ہونا ضروری نہیں ہے۔ بہت سے اولیاء ایسے ہیں جو اپنی ولایت کی اطلاع نہیں رکھتے تو پھر دوسروں کے لیے ان کی ولایت کا علم رکھنا کیسے لازمی ہوا؟ البتہ نبی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے لیے خوارق ضروری ہیں، تا کہ نبی، غیر نبی سے ممتاز ہو جائے، کیونکہ نبی کے لیے اپنی نبوت کا علم رکھنا واجب ہے اور ولی چونکہ اپنے نبی کی شریعت کی طرف دعوت دیتا ہے، لہذا نبی کا معجزہ ہی اس کے لیے کافی ہے۔ اگر ولی اپنے نبی کی شریعت کے علاوہ کسی اور طرف دعوت دیتا تو پھر خوارق کے بغیر چارہ نہ ہوتا۔ چونکہ اس کی دعوت نبی کی شریعت کے ساتھ مخصوص ہے، لہذا خوارق کی کوئی ضرورت نہیں۔ علماء صرف شریعت کے ظاہر کی طرف دعوت دیتے ہیں اور اولیاء شریعت کے ظاہر کی جانب بھی دعوت دیتے ہیں اور شریعت کے باطن کی طرف بھی دعوت فرماتے ہیں۔ پہلے وہ مریدوں اور طالبوں کی توبہ و انابت کی جانب رہنمائی کرتے ہیں اور شرعی احکام کی بجا آوری کے لیے ترغیب فرماتے ہیں اور پھر وہ ان کو حق جل سلطٰن کے ذکر کا راستہ دکھاتے ہیں اور تاکید فرماتے ہیں کہ (سالم) اپنے اوقات کو ذکر الہی جل سلطٰن میں مستغرق رکھے، اس حد تک کہ ذکر کا راستہ دکھاتے مذکور (اللہ) کے سوا کسی چیز کو دل میں نہ چھوڑے، یہاں تک کہ مذکور (اللہ) کے سب ماسوا کا نسیان اس طرح حاصل ہو جائے کہ اگر وہ تکلف کے ساتھ بھی چیزوں کو یاد کرے تو وہ اس کی یاد میں نہ آئیں۔ یقین ہے کہ ولی کو اس دعوت کے لیے جو کہ شریعت کے ظاہر اور شریعت کے باطن سے متعلق ہے، خوارق کی کیا ضرورت ہوے؟ پیری اور مریدی سے مراد یہی دعوت ہے جو خوارق سے کوئی کام نہیں رکھتی اور کرامت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس کے باوجود ہم یہ کہتے ہیں کہ مرید رشید اور مستعد طالب ہر گھڑی سلوک کے راستے میں پیر کے خوارق و کرامات کو محسوس کرتا رہتا ہے اور غیبی معاملے میں ہر وقت اس سے مدد چاہتا ہے اور (مدد) پاتا ہے۔ دوسرے لوگوں کے لیے (اس کی) خوارق کا ظاہر ہونا ضروری نہیں ہے، لیکن مریدوں کے لیے (اس کی) کرامات ہی کرامات اور خوارق ہی خوارق (ظاہر) ہوتی ہیں۔ مرید پیر کی خوارق کو کس طرح محسوس نہ کرے کہ پیر نے مرید کے مردہ دل کو زندہ کر دیا ہے اور اس کو مشاہدہ اور مکاشفہ تک پہنچا دیا ہے۔ عوام کے نزدیک جسموں کا زندہ کرنا

عظیم الشان (چیز) ہے اور خواص کے ہاں قلب اور روح کو زندہ کرنا رفیع الشان دلیل ہے۔

خواجہ محمد پارسا قدس سرہ رسالہ قدسیہ میں فرماتے ہیں کہ جسم کا زندہ کرنا چونکہ اکثر لوگوں کے ہاں زیادہ اعتبار رکھتا تھا، لہذا اہل اللہ اس کے زندہ کرنے سے منہ موڑ کر روح کے زندہ کرنے میں مشغول ہو گئے ہیں اور طالب کے مردہ دل کو زندہ کرنے کی طرف متوجہ ہوئے ہیں۔ اور سچ یہ ہے کہ جسم کا زندہ کرنا روح کے زندہ کرنے کے مقابلے میں ایسے ہے جیسے راستے میں پڑی ہوئی بیکار چیز ہے اور اس پر نگاہ ڈالنا بھی بے فائدہ ہے۔ کیونکہ یہ (جسم کا) زندہ کرنا چند روزہ زندگی کا ذریعہ ہے اور وہ (روح کا) زندہ کرنا دائمی زندگی کا وسیلہ ہے۔

بلکہ ہم کہتے ہیں کہ اہل اللہ کا وجود کرامتوں میں سے ایک کرامت ہے اور ان کا لوگوں کو حق جل سلطانہ کی طرف دعوت دینا حق جل سلطانہ کی رحمتوں میں سے ایک رحمت ہے۔ اور (ان کا) مردہ دلوں کو زندہ کرنا حق جل و علا کی عظیم نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ وہ زمین والوں کے لیے امان ہیں اور زمانے کے لیے غنیمت ہیں۔ ان کی شان میں آیا ہے: بِهْمْ يَمْطَرُونَ وَيَبْهَمُ بُرْزُقُونَ^(۱) یعنی: ان کے صدقے بارش ہوتی ہے اور ان کے وسیلے سے ان کو رزق دیا جاتا ہے۔

ان کا کلام دوا ہے، ان کی نظر شفا ہے: هُمْ جُلَسَاءُ اللَّهِ وَهُمْ قَوْمٌ لَا يَشْفَى جَلِيْسُهُمْ وَلَا يَحْيَبُ اُنْيَسُهُمْ^(۲) یعنی: یہ اللہ تعالیٰ کے ہم نشین ہیں اور یہ ایسے لوگ ہیں جن کا ہم نشین بد قسمت نہیں ہوتا اور ان سے محبت کرنے والا محروم نہیں ہوتا۔

جونشانی اس گروہ کے اہل حق کو ان لوگوں سے جدا کرتی ہے وہ یہ ہے کہ اگر یہ شخص ایسا ہے جو شریعت پر استقامت رکھتا ہے اور اس کی مجلس میں دل کو حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ کی طرف ایک میلان اور ایک توجہ پیدا ہوتی ہے اور ماسویٰ سے ایک سرد مہری مفہوم ہوتی ہے تو وہ شخص اہل حق میں سے ہے اور درجات کے فرق کے ساتھ اس کا شمار اولیاء میں ہے اور یہ (امتیاز کی) علامت بھی مناسبت رکھنے والے صاحبان کے اعتبار سے ہے، ورنہ مناسبت نہ رکھنے والا شخص تو بالکل ہی محروم ہے:

ہر کہ او روئے بہ بہبود نداشت دیدن روئے نبی سود نداشت

یعنی: جس شخص کو بھلائی کا خیال نہ تھا، اس کے لیے نبی (علیہ السلام) کا چہرہ انور دیکھنا بھی فائدہ مند نہ تھا۔

آپ نے اپنے مکتوب شریف کے آخر میں سلطان وقت (جہانگیر) کی خدا طلبی کی خواہش کے بارے میں لکھا تھا اور اس کے عدل اور شرعی احکام کے التزام کی طرف ایک اشارہ کیا تھا۔ اس کے مطالعہ سے بہت زیادہ خوشی حاصل ہوئی اور ایک ذوق پیدا ہوا۔ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ نے جس طرح بادشاہ وقت کے عدل و عدالت کے نور سے جہاں کو منور کیا ہے، اسی طرح شریعت اور ملت محمدیہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو بھی ان کے حسن اہتمام سے نصرت و عزت بخشے۔

اے محبت کے آثار والے! اَلشَّرُّعُ تَحْتَ السَّيْفِ (شریعت تلوار کے نیچے ہے) کی رو سے روشن شریعت کا رواج بادشاہان عظام کے حسن اہتمام سے وابستہ ہے۔ کچھ عرصہ ہوا ہے کہ اس چیز میں کمزوری آ گئی ہے، لہذا مجبوراً اسلام بھی کمزور ہو گیا ہے۔ ہندوستان کے کافر بے دھڑک مساجد گرا رہے ہیں اور وہاں اپنے مندر تعمیر کر رہے ہیں۔ تھانیر میں حوض کرکھیت کے اندر ایک مسجد اور ایک بزرگ کا مقبرہ تھا۔ انہوں نے اس کو گرا کر اس کی جگہ ایک بہت بڑا گوردوارہ بنا دیا ہے اور نیز کافر

اعلانیہ طور پر کفر کی رسومات ادا کر رہے ہیں اور مسلمان اسلام کے اکثر احکام کے جاری کرنے میں عاجز ہیں۔ ایکادشی کے روز جو ہندو کھانا پینا ترک کرتے ہیں، وہ اہتمام کرتے ہیں اس دن اسلام کے شہروں میں بھی کوئی مسلمان بازار میں روٹی نہ پکائے اور نہ فروخت کرے، لہذا مسلمان کھانا نہیں پکاتے اور نہ ہی بیچتے ہیں۔ اور وہ (کافر) رمضان میں اعلانیہ روٹی اور سالن پکاتے ہیں اور فروخت کرتے ہیں اور کوئی آدمی اسلام کی زبوں حالی اور خرابی کی وجہ سے انہیں منع نہیں کر سکتا۔ افسوس! صد ہزار افسوس! بادشاہ وقت ہم میں سے ہیں اور ہم فقیر (مسلمان) اس زبوں حالی اور خرابی میں مبتلا ہیں۔ ان صاحب دولت (بادشاہوں) کے اعزاز و اکرام سے ہی اسلام کی رونق تھی اور علماء و صوفیہ معزز اور محترم تھے اور ان کی تائید ہی سے وہ شریعت کی ترویج کے لیے کوشش کرتے تھے۔

میں نے سنا ہے کہ ایک روز صاحب سعادت امیر تیمور گورگان رحمۃ اللہ علیہ بخارا کے کوچہ سے گزر رہا تھا۔ اتفاق سے حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ کی خانقاہ کے درویش گلی میں خواجہ کی خانقاہ کی گودڑیوں کو جھاڑ رہے تھے اور ان سے گرد و غبار صاف کر رہے تھے۔ امیر تیمور نے اپنے حسن اسلام و مسلمانی کی وجہ سے اس گلی میں توقف فرمایا، تاکہ خانقاہ کے گرد و غبار کو اپنے لیے غبر و صندل بنا کر درویشوں کی برکات و فیوض سے مشرف ہو جائے۔ شاید اسی تواضع و عاجزی کی بدولت جس سے اہل اللہ کے ساتھ پیش آیا تھا، وہ حسن خاتمہ سے مشرف ہو گیا۔

منقول ہے کہ حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ امیر (تیمور) کی وفات کے بعد فرماتے تھے کہ تیمور مر گیا اور ایمان (سلامت) لے گیا۔ آپ جانتے ہیں کہ جمعہ کے روز خطبہ میں بادشاہوں کا نام ایک سیڑھی نیچے آ کر پڑھتے ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ یہ اس تواضع کی وجہ سے ہے جو ان بادشاہان عظام نے آنسور علیہ وعلیہم الصلوٰات والتسلیمات اور خلفائے راشدینؓ کے ساتھ ظاہر کی ہے اور (علماء نے) جائز نہیں رکھا کہ ان کے نام اکابر دین شکر اللہ تعالیٰ سَعِیْہُمْ (اللہ تعالیٰ ان کی کوشش کو مشکور فرمائے) کے ناموں کے ساتھ ایک درجہ میں مذکور ہوں۔

تذکیل (اضافہ): اے بھائی! سجدہ جس سے مراد پیشانی کو زمین پر رکھنا ہے، اس میں نہایت خواری و انکساری شامل ہے اور یہ کمال تواضع اور عاجزی پر مشتمل ہے، لہذا اس طرح کی تواضع کو واجب الوجود جل سلطانہ کی عبادت کے لیے مخصوص رکھا گیا ہے اور اس کے ماسویٰ کے لیے اس کو جائز نہیں کیا گیا۔

منقول ہے کہ ایک روز حضرت نبی کریم علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام ایک راستے پر تشریف لے جا رہے تھے۔ ایک اعرابی نے حاضر وقت ہو کر معجزہ طلب کیا، تاکہ ایمان لے آئے۔ آنسور علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اس درخت کو کہو کہ تجھے نبی (کریم صلی اللہ علیہ وسلم) طلب کر رہے ہیں۔ وہ درخت اپنی جگہ سے ہلا اور آنحضرت علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ اس اعرابی نے جب یہ حال دیکھا تو اُس نے اسلام قبول کر لیا اور اس کے بعد عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! اگر آپ فرمائیں تو میں آپ کو سجدہ کروں؟ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: اللہ جل شانہ کے سوا کسی کو سجدہ کرنا جائز نہیں ہے۔ اگر میں حق جل سلطانہ کے سوا کسی کو سجدہ کرنا جائز کرتا تو کہتا کہ عورت اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔

اگرچہ بعض فقہاء نے بادشاہوں کے لیے سجدہ تعظیمی جائز قرار دیا ہے، لیکن بادشاہانِ عظام کے حال کے لائق بھی یہی ہے کہ وہ اس معاملے میں حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ کی تواضع کریں اور اس طرح کی خواری و انکساری حق تعالیٰ کے سوا کسی کے لیے تجویز نہ کریں۔ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ نے ایک جہان کو ان کا تابع بنایا ہے اور ان کا محتاج بنایا ہے۔ وہ اس نعمت کا شکر بجا لاتے ہوئے اس طرح کی تواضع کو جو کمال عجز و انکسار کی خبر دینے والی ہے، حق تعالیٰ کی جناب پاک کے لیے مسلم رکھیں اور اس معاملے میں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں۔ اگرچہ بعض (فقہاء) اس چیز کو جائز کرتے ہیں، لیکن ان کے حسن تواضع کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اس چیز کو جائز نہ کریں۔ هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ. (سورۃ رحمن، ۶۰) یعنی: نیکی کا بدلہ نیکی کے سوا کچھ نہیں ہے۔

چونکہ بادشاہ وقت اپنی دور دراز ریاستوں سے واپسی فرما کر دار الخلافہ (آگرہ) میں آیا ہے۔ احتمال ہے کہ یہ فقیر بھی حق سبحانہ کی رضا سے جلد ہی خود کو آگرہ میں پہنچائے گا۔ وَالْبَاقِي عِنْدَ التَّلَاقِي. یعنی: باقی ملاقات کے وقت۔
وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اتَّبَعَ الْهُدٰی (سورۃ طہ، ۴۷) وَالْتَزَمَ مُتَابِعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْهِ وَعَلٰی آلِهِ الصَّلَوٰثُ وَالتَّسْلِيْمٰثُ الْعَلٰی.

یعنی: اور جو شخص ہدایت کی بات مانے اور (حضرت محمد) مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت کو لازم پکڑے، اس کو سلامتی نصیب ہو۔

مکتوب نمبر (۹۳)

خواجہ محمد ہاشم بدخشی کشمی کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ عالم خلق اور عالم امر کے لطائف میں سے ہر لطیفہ ظاہر بھی رکھتا ہے اور باطن بھی رکھتا ہے۔ اور یہ باطن عارف کے اسم قیوم کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ اور اس بیان میں کہ عارف نزول کے وقت کئی طور پر ظاہر اور باطن کے ساتھ دعوت و عبادت میں متوجہ رہتا ہے۔
کامل معرفت رکھنے والے عارف کے عالم خلق اور عالم امر دونوں اگرچہ ظاہر و صورت میں داخل ہیں، اس اسم قیوم کی نسبت سے جو اس کی وجہ خاص ہے، کیونکہ درحقیقت وہ اس عارف کا باطن و حقیقت ہے، جیسے کہ اس کی تحقیق ایک مکتوب میں تحریر ہو چکی ہے، لیکن جب ہم اس ظاہر و صورت کو اس تیز نظر سے ملاحظہ کرتے ہیں جو محض اللہ جل سلطانہ کے فضل سے بخشش ہوئی ہے تو یہاں بھی ظاہر و باطن پیدا ہو جاتے ہیں اور صورت و حقیقت ظاہر ہو جاتے ہیں۔ یہ نہیں ہے کہ میں عالم خلق کو پوری طرح ظاہر پاتا ہوں اور عالم امر کو باطن، جس طرح کہ بعض لوگوں نے گمان کیا ہے۔ بلکہ عالم خلق اور عالم امر کے لطائف میں سے ہر لطیفہ میں ایک صورت (ظاہر) بھی ہے اور ایک حقیقت (باطن) بھی ہے۔ غرض خاک بھی ظاہر رکھتا ہے اور باطن بھی۔ اسی طرح اخفا کا بھی ظاہر ہے اور باطن بھی۔ اور یہ باطن جو عالم خلق اور عالم امر سے تعلق رکھتا ہے، روز بروز نیک اعمال کے ذریعے، بلکہ محض اللہ جل سلطانہ کی بخشش سے آہستہ آہستہ اس باطن سے جو کہ اسم قیوم سے وابستہ ہے، مل جاتا ہے، یہاں تک کہ اس باطن سے کوئی اثر باقی نہیں رہتا اور ظاہر صرف کے سوا جو کچھ ہے وہ پوشیدہ ہو جاتا ہے۔ اور اس باطن کا اسم قیوم کے ساتھ ملنا اس طرح سے نہیں ہے کہ یہ باطن اس اسم میں حلول کر لیتا ہے اور یا اس اسم کے ساتھ اتحاد پیدا کر لیتا ہے، کیونکہ یہ

الحاد ہے۔ سُبْحَانَ مَنْ لَا يَتَغَيَّرُ بَدَاتِهِ وَلَا بِصِفَاتِهِ وَلَا فِي أَعْمَالِهِ بِحُدُوثِ الْأَكْوَانِ.

یعنی: پاک ہے وہ اللہ جو اپنی ذات و صفات اور اپنے اسماء میں موجودات کے حوادث سے متغیر نہیں ہوتا۔

بلکہ اس باطن کو اس اسم کے ساتھ ایک نامعلوم کیفیت کی نسبت پیدا ہو جاتی ہے جو حلول و اتحاد کا وہم پیدا کرتی ہے۔ درحقیقت نہ حلول ہے اور نہ اتحاد، کیونکہ اس حقیقت امکان کا حقیقت و جوہ تعالٰی و تَقَدَّسَتْ کے ساتھ بدلنا لازم آتا ہے جو عقلی طور پر محال ہے اور شریعت میں بے دینی ہے۔ نیز وہ ظاہر صرف جو باقی رہ جاتا ہے، اگرچہ وہ عالم شہادت سے ہے جو کہ مشہود اور دیکھنے میں آنے والا ہے، لیکن باطن کے رنگ میں رنگا ہوا ہے۔ اگرچہ باطن شہود اور ادراک کے احاطہ سے باہر نکل گیا ہے اور غیب سے مل گیا ہے اور اس نے بے مثلی کا رنگ پیدا کر لیا ہے، کیونکہ مثل جب تک بے مثل کا رنگ پیدا نہ کرے اور مثل کے ادراک کے احاطہ سے باہر نہ جائے اور (عالم) شہادت سے غیب کی طرف اپنا سامان نہ لے جائے، اس وقت تک وہ بے مثل حقیقی سے کچھ نصیب نہیں پاتا اور غیب الغیب (اللہ تعالیٰ) سے آگاہ نہیں ہو سکتا۔

جاننا چاہیے کہ اس باقی ماندہ ظاہر کی توجہ پوری طرح خلق کی جانب ہے اور شرعی طاعات اور عبادتیں اس سے وابستہ ہیں اور دعوت اور تکمیل کا معاملہ بھی اسی سے متعلق ہے اور اس صاحب تکمیل عارف کا باطن خواہ وہ امکان کے مراتب سے تعلق رکھتا ہے اور خواہ مقامات و جوہ سے متعلق ہے، وہ بھی ظاہر کی طرف متوجہ ہے اور جس چیز کی جانب ظاہر متوجہ ہے، باطن کی توجہ بھی تکمیل و تربیت اور عبادت کو مکمل کرنے کی خاطر اسی طرف متوجہ ہے، کیونکہ یہ دنیا عمل کی جگہ ہے اور یہ مقام دعوت کا مقام ہے، شہود اور مشاہدے کی حقیقت آخرت میں ہے اور کشف اور معائنہ کا معاملہ آگے ہے۔ اس مقام میں معبود جل سلطانہ کی عبادت معبود تعالیٰ کے استغراق سے بہتر ہے اور اس جگہ مطلوب کا انتظار، جو کہ محبت کا نتیجہ ہے، مطلوب میں فنا ہونے سے بہتر ہے۔ صاحبانِ سکر اس پر یقین کریں یا نہ کریں۔ ظاہر و باطن کی یہ توجہ جو صاحب تکمیل عارف کو خلق کی جانب پیدا ہو گئی ہے، موت کا وقت پہنچنے تک (حاصل) ہے، جو دعوت کے مقام کی انتہا ہے اور جب وقت مقررہ آ گیا تو وہ موت کے پل پر آ کر محبوب کے وصال کے کوچے میں قدم رکھ لے گا اور غیروں کی مزاحمت کے بغیر وصال اور میل میلاپ کی دولت سے مشرف ہو جائے گا:

هَنِيئًا لِأَرْبَابِ النِّعَمِ نَعِيمُهَا وَلِلْعَاشِقِ الْمُسْكِينِ مَا يَتَجَرَّعُ

یعنی: نعمت والوں کو ان کی نعمتیں مبارک ہوں اور عاشقِ مسکین کو رنج و درد کے گھونٹ۔

رَبَّنَا آتِنَا نُورًا وَاعْفِرْ لَنَا جَنَّاتٍ كَلَّ شَيْءٌ قَدِيرٌ. (سورۃ تحریم، ۸)

یعنی: اے ہمارے پروردگار! ہمارا نور ہمارے لیے پورا کر اور ہمیں معاف فرما، بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے۔

وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ وَالتَّحِيَّةُ وَالْبَرَكَاتُ عَلَى خَيْرِ خَلْقِ اللَّهِ وَعَلَى إِخْوَانِهِ الْكِرَامِ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ

الْعُظَمَاءِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامِ.

یعنی: اور اللہ سبحانہ کی خلقت میں سب سے بہترین (حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر درود و سلام ہو اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے برادرانِ کرام (انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام) پر اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی آل (اطہار) پر اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے صحابہ عظام پر، قیامت کے دن تک۔

مکتوب نمبر (۹۴)

مولانا عبدالقادر انبالوی کو تحریر فرمایا۔ فنا اور بقا کی حقیقت اور عارف کی صورت اور حقیقت سے عدم کے جدا ہونے اور ہمسائیگی کی نسبت بہم پہنچانے کے بیان میں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ. الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ. وَالصَّلٰوَةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ.
یعنی: شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ سب تعریفوں کے لائق سارے جہانوں کا رب ہے اور سید المرسلین (حضرت محمد مصطفیٰ) صَلَّی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود و سلام ہو۔

اس فقیر کے علم کی رُو سے جیسا کہ اس نے بعض مکتوبات^(۱) میں لکھا ہے، ممکنات کے حقائق سے مراد وہ عداوت ہیں جو ہر شر اور نقص کا منشاء ہیں، ان اسماء و صفات الہی جل شانہ کی علمی صورتوں کے عکسوں کے ساتھ جنہوں نے ان عداوت میں ظہور پایا ہے۔ مختصر یہ کہ وہ عداوت ہیولی (جسم) ہیں اور وہ عکس صورت کی مانند ہیں جو ہیولی (جسم) میں حلول ہو گئے ہیں اور عداوت کی تشخیص اور امتیاز ان ظاہر ہونے والے عکسوں سے ہوتا ہے اور ان عکسوں کا قیام ان ممتاز عکسوں کے ساتھ ہے۔ یہ قیام عرض اور جوہر کے قیام کی مانند نہیں ہے، بلکہ اس صورت کے قیام کی طرح ہے جسے ہیولی (جسم) کہا گیا ہے اور ہیولی (جسم) کی تشخیص صورت کے ساتھ کی گئی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ و سبحانہ کی توفیق سے سالک حق جل شانہ کی جناب پاک کی جانب ذکر و مراقبہ کے ساتھ متوجہ ہوتا ہے اور لحظہ بہ لحظہ ماسوی سے منہ موڑ لیتا ہے تو واجب جل سلطانہ کے اسماء و صفات کی علمی صورتوں کے وہ عکس ہر آن میں قوت اور غلبہ پیدا کر لیتے ہیں اور اپنے ساتھی پر، جو کہ عداوت ہیں، غلبہ اور تسلط پالیتے ہیں۔ اَلَا اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمْ الْغٰلِبُوْنَ. (اشارہ بہ آیت ۵۶، سورۃ مائدہ) یعنی: سن رکھو! بیشک اللہ کا گروہ ہی غلبہ پانے والا ہے۔

(پھر) معاملہ یہاں تک پہنچ جاتا ہے کہ عداوت، جو عکسوں کے لیے اصل اور ہیولی (جسم) کی طرح ہو گئے تھے، وہ پوشیدہ ہونے لگتے ہیں، بلکہ سب سالک کی نظر سے مخفی ہو جاتے ہیں اور اپنے ماسوی میں سے اصول اور اصولِ اصول کے عکس بھی اس کی نظر میں نہیں رہتے، بلکہ عکس، جو کہ اپنی اصل کے آئینے ہیں، وہ بھی نظر سے پوشیدہ ہو جاتے ہیں، کیونکہ آئینوں کو پوشیدگی کے سوا چارہ نہیں ہے۔ یہ مقام، مقام فنا ہے اور نہایت بلند ہے۔

اگر اس سالک فانی کو بقا عطا کریں اور عالم میں واپس لوٹا دیں تو وہ اپنے عدم کو باریک کھال کی مانند جو کہ بدن کی محافظ ہے، پائے گا اور ہو سکتا ہے کہ نہایت بے مناسبتی کی وجہ سے جو کہ اس نے عدم کے ساتھ پیدا کر لی ہے، وہ اس کو بالوں کے گرتے سے تعبیر کر لے اور خود کو (اس سے) جدا پائے۔ لیکن درحقیقت اس مقام میں عدم اس سے جدا نہیں ہوا ہے اور وہ اس کی ”اَنَا“ کے گمان میں داخل ہے۔ الغرض اس مقام میں عدم اس کا مغلوب اور پوشیدہ جزو ہے اور وہ جو اصلیت رکھتا تھا، اس کے ساتھ نیچے آ گیا ہے اور ان عکسوں کے تابع، بلکہ ان کے ساتھ قائم ہو گیا ہے، جو اس کے ساتھ قیام رکھتے تھے۔

یہ فقیر کئی سال اس مقام میں رہا ہے اور وہ اپنے عدم کو بالوں کے گرتے کی طرح خود سے جدا پاتا تھا اور بہر حال جب حق جل سلطانہ کے پیغامات کی عنایات اس کے شامل حال ہو گئیں تو اس نے دیکھا کہ وہ مغلوب جزو اس ترکیب سے کشادگی پا کر جدا ہو گیا ہے اور وہ تشخیص جو ان عکسوں کے حاصل ہونے سے پیدا کی تھی، وہ گم کر بیٹھا ہے اور عدم مطلق کے ساتھ گویا اس

طرح مل گیا ہے، جیسے کہ ایک صورت کو قالب پر درست کرتے ہیں اور اس کے قیام کو اس قالب سے قائم کرتے ہیں۔ جب صورت درست ہو جاتی ہے اور ثبات و رسوخ پیدا کر لیتی ہے تو اس قالب کو توڑ دیتے ہیں اور اس کے قیام کو قالب سے دور کر کے خود اس سے قائم کرتے ہیں۔

زیر بحث معاملہ میں بھی اس فقیر نے معلوم کیا کہ ان عکسوں نے جو اس کے ساتھ قیام رکھتے تھے، انہوں نے اپنے ساتھ، بلکہ اپنے اصول کے ساتھ قیام پیدا کر لیا ہے۔ اس وقت لفظ ”اَنَا“ کا اطلاق سوائے عکسوں پر اور ان عکسوں کے اصول کے اور کسی پر نہ رہا اور عدم کا کوئی جزو اس کے ساتھ مَس نہیں کرتا تھا۔ نیز (فقیر نے) محسوس کیا کہ فنا کی حقیقت اسی مقام میں صورت پذیر ہوئی۔ پہلی فنا گویا اس فنا کی صورت تھی اور اس مقام سے جب مقام بقائیں لایا گیا اور عالم میں واپس لوٹایا گیا تو اس عدم کو جو کہ جزئیت کی نسبت رکھتا تھا اور اس کو اصالۃ اور غلبہ حاصل تھا، اس کو واپس لوٹا کر اس کا ہمسایہ اور ساتھی بنا دیا گیا اور اس کی حقیقت و صورت کو جدا کر کے لفظ ”اَنَا“ کے اطلاق سے باہر کر دیا گیا اور حکمتوں اور مصالح کے تحت اس کو دوبارہ بالوں کے گرتے کی طرح پہنا دیا گیا اور اس حالت میں اگرچہ عدم کو دوبارہ (واپس) لے آئے، لیکن ان عکسوں کے قیام کو اس کے ساتھ وابستہ نہ بنایا، بلکہ عدم کو ان عکسوں کے ساتھ قیام بخشا گیا۔ جس طرح کہ بقائے سابق میں گزرا ہے، جب اس بقائیں یہ نسبت ہو تو پھر جہاں بقا کی حقیقت ہے وہاں یہ نسبت کامل طور پر ہوگی۔

مختصر یہ کہ کپڑا پہننے کے بعد کپڑے کے پہننے والے پر تاثیر ہوتی ہے۔ کیونکہ اگر کپڑا گرم ہے تو پہننے والا گرمی سے متاثر ہوتا ہے اور اگر سرد ہے تو سردی سے متاثر ہوتا ہے۔ اسی طرح (فقیر نے) کپڑے کی مانند اس عدم کی خود میں تاثیر پائی اور اس کے اثر کو تمام بدن میں جاری پایا۔ لیکن (فقیر) سمجھتا ہے کہ یہ تاثیر اور سرایت بیرونی ہے نہ کہ اندرونی، عرضی ہے نہ کہ ذاتی، نہ خارجی ہم نشین کی جانب سے آئی ہے اور نہ ہی داخلی ہم جنس کی طرف سے۔ اگر شر اور نقص ہے جو اس عدم سے پیدا ہوا ہے تو وہ بھی عرضی ہے اور خارجی ہے، نہ کہ ذاتی اور اصلی۔ اس مقام کا صاحب اگرچہ بشریت میں دوسرے لوگوں کے ساتھ شرکت رکھتا ہے اور بشریت کی صفات صادر ہونے میں دوسروں کے ساتھ شریک ہے، لیکن اس سے اور اس کے ہم جنسوں سے بشریت کی صفات کا ظہور عارضی ہے جو ہمسایہ کی جانب سے آیا ہے اور دوسروں میں یہ ذاتی اور اصلی ہے۔ شَتَّانَ مَا بَيْنَهُمَا۔ یعنی: ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔

عام لوگ ظاہری شرکت کو ملاحظہ کر کے، خاص بلکہ خاص الخالص (حضرات) کو اپنے جیسا تصور کر کے انکار اور اعتراض کے مقام میں آ جاتے ہیں اور محروم ہو جاتے ہیں، (یہ آیت) کریمہ ان کے حال کی خبر دیتی ہے: فَقَالُوا أَبَشَرٌ يَهْدُونَنَا فَكَفَرُوا۔ (سورۃ تغابن، ۶) یعنی: تو یہ کہتے ہیں کہ کیا آدمی ہمارے ہادی بنتے ہیں؟ تو انہوں نے ان کو نہ مانا۔

نیز (یہ آیت) کریمہ بھی: وَقَالُوا مَالِ هَذَا الرَّسُولِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِي فِي الْأَسْوَاقِ۔ (سورۃ فرقان، ۷) یعنی: اور کہتے ہیں کہ یہ کیسا پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے کہ کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔

اللہ سبحانہ کی عنایت سے (یہ فقیر) خود میں بشریت کی صفات میں سے جو کچھ دیکھتا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ ان صفات کا حامل وہی ہمسایہ عدم ہے جو کہ اس کے تمام بدن کے اندر دوڑ گیا ہے اور سرایت کر گیا ہے اور (یہ فقیر) اپنے آپ کو پوری طرح

اور مکمل طور پر ان صفات سے پاک اور مبرا پاتا ہے اور ان میں سے ذرہ بھر بھی اپنے اندر محسوس نہیں کرتا۔ لِلّٰہِ سُبْحَانَهُ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ عَلٰی ذٰلِکَ۔ یعنی: اس پر اللہ سبحانہ کی حمد اور احسان ہے۔

یہ صفات جو ہمسائیگی کے سبب سے ظاہر ہوتی ہیں۔ اس طرح ہیں کہ جیسے ایک شخص نے سرخ لباس پہن رکھا ہے اور لباس کی سرخی کی وجہ سے وہ سرخ نظر آتا ہے۔ بیوقوف لوگ چونکہ فرق نہیں کر سکتے، لہذا وہ ہمسایہ کی سرخی کو اس شخص کی سرخی سمجھ کر اس پر خلاف واقع حکم لگاتے ہیں:

ہر کس افسانہ بخواند افسانہ است وانکہ دیدش نقد خود مردانہ است
آب نیل ست و بقیطی خون نمود قوم موسیٰ را نہ خون بود آب بود^(۲)

یعنی: جو اس کو افسانہ کہے وہ خود افسانہ ہے، اور جس نے اصل کو دیکھا وہ مردانہ ہے۔

♦ نیل کا پانی تھا اور قبطی (قوم فرعون) کو خون نظر آیا۔ (حضرت) موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے لیے خون نہیں، بلکہ وہ پانی تھا۔

رَبَّنَا لَا تُرِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ۔ (سورۃ آل عمران، ۸) یعنی: اے ہمارے پروردگار! جب تو نے ہمیں ہدایت بخشی ہے تو اس کے بعد ہمارے دلوں میں کجی نہ پیدا کرنا اور ہمیں اپنے ہاں سے نعمت عطا فرما، تو تو بڑا عطا فرمانے والا ہے۔

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اَتَّبَعَ الْهُدٰی۔ (سورۃ طہ، آیت ۴۷)

یعنی: اور جو شخص ہدایت کی بات مانے، اسے سلامتی نصیب ہو۔

مکتوب نمبر (۹۵)

مقصود علی تبریزی کو تحریر فرمایا، کفر حقیقی اور اسلام حقیقی کے (بارے میں) ان کے سوال (کے جواب) میں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ (سورۃ النمل، ۵۹)

یعنی: شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔ سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اُس کے اُن بندوں پر سلام ہو جن کو اُس نے منتخب فرمایا۔

میرے مخدوم! وقت اور جگہ اگرچہ کہنے اور لکھنے کا تقاضا نہیں کرتے، لیکن سوال کا جواب دینے کے سوا چارہ نہیں، لہذا ضرورت کے تحت چند کلمات لکھے گئے ہیں۔

ان سب سوالات کے حل میں مختصر کلام یہ ہے کہ جیسے شریعت میں کفر اور اسلام ہے، ایسے ہی طریقت میں بھی کفر اور اسلام ثابت ہے اور جس طرح شریعت میں کفر شرارت اور نقص ہے اور اسلام کمال ہے، اسی طرح طریقت میں بھی کفر طریقت نقص ہے اور اسلام طریقت کمال ہے۔ کفر طریقت سے مراد وہ مقام جمع ہے جو پوشیدگی کا مقام ہے اور اس مقام میں حق اور باطل کی تمیز مفقود ہے۔ کیونکہ اس مقام میں سا لک کا مشہود اچھے اور برے آئینوں میں محبوب کی وحدت کا جمال ہوتا ہے۔ لہذا وہ خیر و شر اور کمال و نقص کو اس وحدت کے مظاہر و ظلال کے علاوہ کچھ نہیں پاتا۔ اس طرح انکار کی نگاہ جو تمیز سے پیدا

ہوتی ہے، وہ اس کے حق میں معدوم ہے۔ لہذا مجبوراً سب کے ساتھ صلح کے مقام میں ہے اور سب کو سیدھے راستے پر پاتا ہے اور اس (آیت) کریمہ کو گنگنا تا رہتا ہے: وَمَا مِنْ ذَا بَةِ إِلَّا هُوَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا ط إِنَّ رَبِّي عَلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ۔ (سورۃ ہود، ۵۶) یعنی: زمین پر جو چلنے پھرنے والا ہے، وہ اس کو چوٹی سے پکڑے ہوئے ہے، بیشک میرا پروردگار سیدھے راستے پر ہے۔

کبھی وہ مظہر کو عین سمجھتے ہوئے خلق کو عین حق خیال کرتا ہے اور پروردہ کو رب (پروردگار) سمجھتا ہے۔ یہ سب ایسے پھول ہیں جو مرتبہ جمع سے کھلتے ہیں۔ منصور (رحمۃ اللہ علیہ) اسی مقام میں کہتے ہیں:

كَفَرْتُ بِدِينِ اللَّهِ وَالْكَفَرُ وَاجِبٌ لَدَيَّ وَ عِنْدَ الْمُسْلِمِينَ قَبِيحٌ

یعنی: میں نے اللہ تعالیٰ کے دین کا انکار کیا اور یہ انکار میرے نزدیک واجب ہے اور مسلمانوں کے نزدیک معیوب ہے۔ یہ کفر طریقت کفر شریعت کے ساتھ کامل مناسبت رکھتا ہے۔ اگرچہ شریعت کا کافر مردود ہے اور عذاب کا مستحق ہے اور طریقت کا کافر مقبول ہے اور درجات کا مستحق ہے۔ کیونکہ یہ کفر اور پوشیدگی محبوب حقیقی کی محبت کے غلبہ سے پیدا ہوئی ہے اور اس نے محبوب کے سوا سب کچھ بھلا دیا ہے، لہذا وہ مقبول ہے اور کفر چونکہ جہالت اور سرکشی کے غلبہ سے پیدا ہوا ہے، اس لیے یقیناً مردود ہے۔ اسلام طریقت سے مراد مقام فرق بعد الجمع ہے جو تمیز کا مقام ہے اور اس جگہ حق باطل سے اور خیر شر سے ممتاز ہے۔ اس اسلام طریقت کو اسلام شریعت کے ساتھ کامل مناسبت ہے، بلکہ جب اسلام شریعت کمال کو پہنچتا ہے تو اس اسلام کے ساتھ اتحاد کی نسبت پیدا کر لیتا ہے۔ بلکہ ہر دو اسلام اسلام شریعت ہیں۔ ان کے درمیان فرق شریعت کے ظاہر اور شریعت کے باطن، اور شریعت کی صورت اور شریعت کی حقیقت کا ہے۔ کفر طریقت کا مرتبہ شریعت کے ظاہر کے اسلام سے بلند تر ہے، اگرچہ (یہ) شریعت کی حقیقت کے اسلام کی بہ نسبت کمتر ہے:

آسمان نسبت بعرش آمد فرود ورنہ بس عالیست پیش خاک تود

یعنی: آسمان اگرچہ عرش سے نیچے ہے، لیکن وہ زمین سے بلند ہے۔

مشائخ قدس اللہ تعالیٰ اسرار ہم میں سے، جنہوں نے بھی شطیحات میں گفتگو کی ہے اور ظاہر شریعت کے مخالف باتیں کی ہیں، وہ سب کفر طریقت کے مقام میں ہوئے ہیں جو سکر اور بے تمیزی کا مقام ہے۔ جو بزرگ اسلام حقیقت کی دولت سے مشرف ہوئے ہیں، وہ اس طرح کی باتوں سے پاک اور مبرا ہیں اور وہ ظاہر اور باطن میں انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کی اقتدا میں رہتے ہیں اور ان کے پیروکار ہیں۔ اس طرح جو شخص شطیحات میں گفتگو کرتا ہے اور سب کے ساتھ صلح کے مقام میں ہے اور سب کو سیدھے راستے پر خیال کرتا ہے اور حق سبحانہ اور مخلوق کے درمیان فرق ثابت نہیں کرتا اور دوئی کے وجود کا قائل نہیں ہے۔ اگر یہ شخص مقام جمع پہنچ گیا ہے اور کفر طریقت کے ساتھ تحقیق ہو گیا ہے اور اس نے ماسویٰ کو فراموش فرما دیا ہے تو وہ مقبول ہے اور اس کی باتیں سکر کے تحت جاری ہیں اور ظاہر سے ہٹی ہوئی ہیں۔ لیکن اگر وہ شخص اس حال کے حاصل ہونے کے بغیر اور کمال کے درجہ اولیٰ تک پہنچنے کے بغیر اس طرح کی گفتگو کرتا ہے اور سب کو حق پر اور سیدھے راستے پر سمجھتا ہے اور باطل حق میں تمیز نہیں کرتا تو وہ بے دینوں اور دین سے برگشتہ لوگوں میں سے ہے، جس کا مقصد شریعت کو باطل کرنا ہے اور اس

کا مطلوب انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کی دعوت کو ختم کرنا ہے جو سب جہانوں کے لیے رحمت ہیں۔
سواس طرح کے مخالف کلمات حق پر ہونے والے سے بھی صادر ہوتے ہیں اور باطل پر ہونے والے سے بھی۔ حق پر ہونے والے کے لیے (یہ) آبِ حیات ہیں اور باطل پر ہونے والے کے لیے زہرِ قاتل ہیں۔ (دریائے) نیل کے پانی کی مانند، جو بنی اسرائیل کے لیے پسندیدہ پانی تھا اور قبطی کے لیے ناگوار خون۔

یہ مقام قدموں کے پھسلنے کی جگہ ہے۔ اہل اسلام میں سے بہت سے لوگ اربابِ سکر کی باتوں کی تقلید کرنے کی وجہ سے سیدھے راستے سے منحرف ہو کر گمراہی اور خسارے کے کوچوں میں گر پڑے ہیں اور انہوں نے اپنے دین کو برباد کر دیا ہے۔ وہ نہیں سمجھ سکے کہ ان باتوں کو قبول کرنا ان شرائط سے مشروط ہے جو اربابِ سکر میں موجود ہیں اور ان (لوگوں) میں مفقود ہیں۔ ان شرائط میں سے سب سے بڑی شرط حق سبحانہ کے ماسوئی کو فراموش کرنا ہے جو کہ اس قبولیت کی دلیلیں ہے۔ حق پر ہونے والے اور باطل پر ہونے والے کے درمیان فرق کی دلیل شریعت پر استقامت اور شریعت پر عدم استقامت ہے۔ جو شخص حق پر ہے، وہ سکرو بے تمیزی کے باوجود بال برابر بھی شریعت کے خلاف عمل نہیں کرے گا۔ منصور (رحمۃ اللہ علیہ) انا الحق کہنے کے باوجود جیل میں بھاری زنجیروں کے ساتھ ہر رات میں پانچ سو رکعات نماز نفل ادا کرتا تھا اور جو کھانا اسے ظالموں کے ہاتھ سے پہنچتا تھا، اگرچہ حلال ذریعہ سے ہوتا تھا، وہ نہیں کھاتا تھا۔ اور جو شخص باطل پر ہے شرعی احکام کی بجا آوری اس کے لیے کوہِ قاف کی طرح بھاری ہے۔ (یہ آیت) کریمہ ایسے لوگوں کے حال کا نشان ہے: کَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِينَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ۔ (سورۃ شوریٰ، ۱۳) یعنی: جس چیز کی طرف تم مشرکوں کو بلاتے ہو وہ ان کو دشوار گزرتی ہے۔

رَبَّنَا آتِنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً وَهَيِّءْ لَنَا مِنْ أَمْرِنَا رَشَدًا۔ (سورۃ کہف، ۱۰)

یعنی: اے ہمارے پروردگار! ہم پر اپنے ہاں سے رحمت نازل فرما اور ہمارے کام میں درستی (کے سامان) مہیا کر۔

وَالسَّلَامُ عَلَيَّ مَنِ اتَّبَعَ الْهُدَى۔ (سورۃ طہ، ۷۷)

یعنی: اور جو شخص ہدایت کی بات مانے، اس کو سلامتی نصیب ہو۔

مکتوب نمبر (۹۶)

خواجہ ابوالحسن بہا بدخشی کشمی کو تحریر فرمایا۔ اس حل میں کہ نبی (کریم) صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَامُ نے مرض وصال میں کاغذ طلب فرمایا تاکہ ایک چیز لکھیں اور حضرت فاروق (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے صحابہ (کرام) کی ایک جماعت کے ساتھ کئی وجوہات کی بنا پر منع کیا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ (سورۃ النمل، ۵۹)

یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اُس کے اُن بندوں پر سلام ہو جن کو اُس نے منتخب فرمایا۔

سوال: حضرت رسالت خاتمیت علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ نے مرض وصال میں کاغذ طلب کیا اور فرمایا: اِیْتُونِیْ بِقُرْطَاسٍ اَکْتُبُ لَکُمْ کِتَابًا لَّنْ تَصِلُوْا بَعْدِیْ۔ (یعنی: میرے پاس کاغذ لاؤ، تاکہ میں تمہارے لیے ایک تحریر لکھوا دوں کہ میرے بعد گمراہ نہ ہو)۔^(۱) اور حضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ایک

جماعت کے ساتھ کاغذ لانے سے منع کر دیا اور حضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: حَسْبُنَا اللَّهُ كِتَابُ اللَّهِ. (یعنی: ہمارے لیے کتاب اللہ کافی ہے)، نیز کہا: أَهْجَرَ اسْتَفْهَمُوهُ. (یعنی: آپ بیماری کی بیہوشی میں ایسا فرما رہے ہیں۔ تحقیق کر لو) اور حضرت رسالت علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام والختیہ جو کچھ فرمایا کرتے تھے، وحی کی رو سے فرماتے تھے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ. إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ. (یعنی: اور آپ خواہش نفس سے منہ سے بات نہیں نکالتے ہیں مگر وحی سے جو آپ کی طرف آتی ہے۔ سورۃ نجم، ۳-۴) اور وحی کا منع اور رد کفر ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَمَنْ لَّمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ. (یعنی: اور جو اللہ کے نازل فرمائے ہوئے احکام کے مطابق حکم نہ دے تو ایسے ہی لوگ کافر ہیں۔ سورۃ مائدہ، آیت ۴۴) اور اسی طرح ہجر و ہدیان (کی کیفیت) نبی (کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے لیے تجویز کرنے سے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے شرعی احکام سے بھی اعتقاد اٹھ جاتا ہے اور یہ کفر، الحاد اور بے دینی ہے۔ اس قوی شبہ کا حل کیا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ آپ کو سعادتمند بنائے اور آپ کو سیدھے راستے کی طرف ہدایت بخشے۔ آپ جان لیں کہ یہ شبہ اور اس طرح کے دوسرے شبہات جو ایک گروہ کے لوگ حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر اور باقی سب صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر وارد کرتے ہیں اور ان شکوک سے ان کا رد چاہتے ہیں۔ اگر یہ لوگ انصاف سے کام لیں اور (حضرت) خیر البشر علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت کا شرف قبول کریں اور سمجھ لیں کہ ان کے نفوس (حضرت) خیر البشر علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت میں ہوا و ہوس سے پاک ہو گئے تھے اور ان کے سینے عداوت و کینہ سے صاف ہو گئے تھے اور سمجھ لیں کہ یہی وہ اکابر دین اور کبرائے اسلام ہیں جنہوں نے کلمہ اسلام کو بلند کرنے اور حضرت سید الانام (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی مدد میں اپنی طاقتوں کو خرچ کیا ہے اور کلمہ اسلام کی سر بلندی میں دین متین کی تائید کے لیے دن رات میں خفیہ اور اعلانیہ طور پر اپنے مالوں کو خرچ فرمایا ہے اور انہوں نے اپنے خویش و قبیلوں کو، اولاد و ازواج کو، وطنوں اور گھروں کو، چشموں اور زراعتوں کو اور اپنے درختوں اور نہروں کو رسول اللہ علیہ علیہم الصلوٰۃ والسلام کی محبت میں چھوڑ دیا تھا اور انہوں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے وجود مبارک کو اپنے نفوس پر ترجیح دی اور اپنی جانوں، اولاد اور مالوں کی محبت سے زیادہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی (ذات اقدس کی) محبت اختیار کی اور انہی لوگوں نے وحی اور فرشتہ (جبرائیل علیہ السلام) کا مشاہدہ کیا اور یہی لوگ معجزات و خوارق کو دیکھنے والے ہیں، یہاں تک ان کا غیب شہادت بن گیا ہے اور ان کا علم عین ہو گیا ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کی تعریف میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے: رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ (سورۃ توبہ، ۱۰۰) ذَلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ. (سورۃ فتح، ۲۹)

یعنی: اللہ ان سے خوش ہے اور وہ اللہ سے خوش ہیں۔ ان کے یہی اوصاف تورات میں (مرقوم) ہیں اور یہی اوصاف انجیل میں ہیں۔

جب سب صحابہ کرامؓ ان کرامتوں میں شریک ہیں تو پھر (فقیر) اکابر صحابہؓ جو کہ خلفائے راشدینؓ ہیں، ان کی بزرگیوں سے (فقیر) کیا ظاہر کرے؟ یہی فاروقؓ ہیں جن کی شان میں حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

وسلم) سے فرمایا: يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللَّهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ. (سورۃ الانفال، ۶۴)
یعنی: اے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! آپ کو اللہ تعالیٰ اور آپ کے تابعدار مومن کافی ہیں۔

(حضرت) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کا سبب حضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اسلام ہے۔

نظرِ انصاف حاصل ہونے کے بعد اور (حضرت) خیر البشر علیہ علی آلہ الصلوٰات والتحیات کی صحبت کا شرف قبول کرنے کے بعد اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کی بزرگیوں اور درجات کی بلندی کو جاننے کے بعد اعتراض کرنے والی یہ جماعت اور شبہ پیدا کرنے والے یہ لوگ امید ہے کہ ان شبہات کو مغالطوں اور ملمع کیے ہوئے باطل قیاسوں کی طرح بے اعتبار خیال کریں گے۔ خواہ وہ غلط مادہ کو ان شبہات میں تشخیص نہ کریں اور باطل قیاس کے محل کا تعین نہ کریں، کم از کم شاید اتنا تو ضرور جان لیں گے کہ ان شکوک کا نتیجہ اور ان شبہات کا حاصل بے فائدہ ہے، بلکہ یہ شبہات بجاہت و ضرورتِ اسلامیہ سے متضاد ہیں اور کتاب و سنت کے لحاظ سے مردود اور رد کیے ہوئے ہیں۔ اس کے باوجود اس سوال کے جواب اور اس شبہ کے غلط مواد کے تعین کے لیے اللہ سبحانہ کی مدد سے چند مقدمات لکھے جاتے ہیں، ان کو غور سے سنیں۔ ان اشکال کا مکمل حل چند مقدمات پر مبنی ہے۔ اگرچہ ہر مقدمہ ایک الگ جواب ہے:

مقدمہ اول: یہ ہے کہ آنحضرت علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کے تمام ارشادات و گفتار وحی کے ذریعے نہیں ہوتے تھے اور (آیت) کریمہ: وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ (یعنی: اور آپ خواہش نفس سے منہ سے بات نہیں نکالتے تھے۔ سورۃ نجم، ۳) نطقِ قرآنی کے ساتھ مخصوص ہے، جیسا کہ مفسرین نے کہا ہے اور نیز اگر آنحضرت علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کے تمام ارشادات وحی کے موافق ہوتے تو پھر آپ علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کے بعض فرمودات پر حق جل شانہ کی طرف سے اعتراض وارد نہ ہوتا اور ان سے معافی کی گنجائش نہ ہوتی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہے: عَفَا اللَّهُ عَنْكَ لِمَ أَذْنَتْ لَهُمْ. (سورۃ توبہ، ۴۳)
یعنی: اللہ تعالیٰ آپ کو معاف کرے، آپ نے ان کو اجازت کیوں دی۔

مقدمہ دوم: یہ ہے کہ اجتہادی احکام میں اور عقلی امور میں (آیت) کریمہ: فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِيَ الْأَبْصَارِ (اے بصیرت کی آنکھ رکھنے والو! عبرت پکڑو۔ سورۃ حشر، ۲) اور (آیت) کریمہ: وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ (یعنی: اور اپنے کاموں میں ان سے مشورت لیا کریں۔ سورۃ آل عمران، ۱۵۹) کے مطابق صحابہ کرام کو آنسور علیہم الصلوٰات والتسلیمات سے گفتگو کرنے کی گنجائش حاصل تھی اور رد و بدل کی مجال بھی رکھتے تھے، کیونکہ قیاس کا اعتبار اور مشورے کا معاملہ رد و بدل کے حاصل ہونے کے بغیر ممکن نہیں ہوتا اور بدر کے قیدیوں کے قتل اور فدیہ میں جو اختلاف رونما ہوا تھا اور حضرت فاروق (رضی اللہ عنہ) نے ان کے قتل کا مشورہ دیا تھا تو وحی (حضرت) فاروق (رضی اللہ عنہ) کی رائے کے مطابق آئی اور فدیہ لینے پر وعید نازل ہوئی۔ آنسور علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: لَوْ نَزَلَ الْعَذَابُ لِمَا نَجَىٰ غَيْرُ عُمَرَ وَسَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ (یعنی: اگر عذاب نازل ہوتا تو عمر اور سعد بن معاذ رضی اللہ عنہما کے سوا کوئی نہ بچتا)، (۲) کیونکہ (حضرت) سعد (رضی اللہ عنہ) نے بھی

ان قیدیوں کے قتل کرنے کا اشارہ کیا تھا۔

مقدمہ سوم: یہ ہے کہ سہو و نسیان نبی (کریم) علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام پر جائز ہے، بلکہ واقع ہے۔ حدیث ذوالیدینؒ میں آیا ہے کہ آنسور علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے چار رکعت والی نماز فرض میں دو رکعت پر سلام پھیر دیا۔ ذوالیدین صحابیؒ نے عرض کیا: أَقْصَرْتَ الصَّلَاةَ أَمْ نَسِيتَ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟^(۳)

یعنی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا نماز کو قصر کر دیا گیا یا آپ بھول گئے؟

ذوالیدینؒ کی بات کی صداقت کے ثبوت کے بعد آنسور علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کھڑے ہوئے اور دو رکعت ادا کر کے ان میں شامل فرمائیں اور سجدہ سہو ادا فرمایا۔ جب صحت و فراغت کی حالت میں سہو و نسیان بشریت کے تقاضا سے جائز ہے تو پھر مرض وصال میں درد کے غلبہ کے وقت بشریت کے تقاضا سے آنسور علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام سے قصد کے بغیر اور بلا اختیار کلام کا صدر ہونا کیونکر جائز نہ ہوگا اور شرعی احکام سے اعتماد کیوں اٹھ جائے گا۔ جبکہ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ وحی قطعی سے آنسور علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کو آپ کے سہو و نسیان پر مطلع فرما دیتا تھا اور صواب کو خطا سے جدا فرماتا تھا، کیونکہ نبی (علیہ السلام) کا خطا پر برقرار رہنا جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ اس کے شرعی احکام سے اعتماد کے اٹھنے کو لازم کرتا ہے۔ اس طرح ثابت ہوا کہ اعتماد کے اٹھنے کا سبب محض سہو و نسیان نہیں ہے، بلکہ سہو و نسیان پر برقرار رہنا شرعی احکام کے اعتماد کے اٹھنے کا موجب ہے اور (علماء کے ہاں) مقرر ہے کہ یہ جائز نہیں ہے۔

مقدمہ چہارم: یہ ہے کہ حضرت فاروق (رضی اللہ عنہ)، بلکہ خلفائے ثلاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو کتاب و سنت میں جنت کی بشارت دی گئی ہے اور جن احادیث میں ان کے بارے میں جنت کی بشارت ہے، وہ ثقہ راویوں کی کثرت کی وجہ سے کہا جاسکتا ہے کہ حدیث شریعت، بلکہ تو اتر معنی کی حد کو پہنچ چکی ہیں۔ ان کا انکار کرنا یا تو جہالت کی وجہ سے ہے یا عناد کی وجہ سے۔ ان صحیح اور حسن احادیث کے راوی اہل سنت ہیں جنہوں نے اپنے اساتذہ جو صحابہ (کرامؓ) اور تابعین ہیں، سے یہ اخذ کی ہیں اور اگر (ان کے مقابلے میں) تمام مخالف فرقوں کے راویوں کو اکٹھا کریں تو معلوم نہیں کہ ان کے عشر عشر کو بھی پہنچ سکیں، جس طرح کہ مصنف پیر و کار اور تحقیق کرنے والے شخص پر یہ چیز مخفی نہیں ہے۔ اہل سنت کی کتب احادیث ان اکابر کے لیے بہشت کی بشارت سے لبریز ہیں اور اگر بعض مخالف فرقوں کی کتب احادیث میں اس بشارت کو روایت نہیں کیا گیا تو کوئی غم نہیں ہے کہ بشارت کی روایت نہ ہونا بشارت کے نہ ہونے پر دلالت نہیں کرتا، کیونکہ ان اکابر کے لیے بہشت کی بشارت کا قرآن مجید کی کثیر آیات میں ہونا ہی کافی ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ أُولَئِكَ الْمُقَدَّمُونَ مِنَ الْمُهْجَرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ. (سورۃ توبہ، ۱۰۰)

یعنی: جن لوگوں نے سبقت کی (یعنی سب سے پہلے ایمان لائے) مہاجرین میں سے بھی اور انصار میں سے بھی اور جنہوں نے نیکو کاری کے ساتھ ان کی پیروی کی۔ اللہ ان سب سے خوش ہے اور وہ سب اللہ سے خوش ہیں اور اس نے ان کے لیے باغات تیار کیے ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں (اور) ہمیشہ ان میں رہیں گے۔ یہ بڑی کامیابی ہے۔

نیز اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے: لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَتْلَ طُولِكَ اعْظُمَ دَرَجَةً مَنِ الَّذِينَ أَنْفَقُوا مِنْ بَعْدِ وَقْتِ طُولِكَ وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ. (سورۃ حدید، ۱۰)

یعنی: جس شخص نے تم میں سے فتح (مکہ) سے پہلے خرچ کیا اور لڑائی کی، وہ (اور جنہوں نے یہ کام پیچھے کیے وہ) برابر نہیں۔ ان لوگوں کا درجہ ان لوگوں سے کہیں بڑھ کر ہے جنہوں نے بعد میں خرچ (اموال) اور (کفار سے) جہاد و قتال کیا اور اللہ نے سب سے بہت اچھا وعدہ کیا ہے۔

جبکہ تمام صحابہ (کرامؓ)، جنہوں نے فتح (مکہ مکرمہ) سے پہلے اور فتح کے بعد مال خرچ کیا اور جہاد کیا، ان کو بہشت کی بشارت دی گئی ہے تو پھر اکابر صحابہ (کرامؓ) جو مال خرچ کرنے اور جہاد کرنے اور ہجرت کرنے میں سب سے سابق ہیں، ان کے بارے میں کیا کہا جائے گا اور کیا کہا جاسکتا ہے اور ان کے درجات کی بلندی کو کیسے درک کیا جاسکتا ہے کہ وہ کیا ہیں؟ اہل تفسیر نے کہا ہے کہ آیت: لَا يَسْتَوِي (سورۃ حدید، ۱۰) حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں نازل ہوئی ہے جو مال کے خرچ کرنے اور جہاد کرنے میں سب سابقین سے زیادہ آگے بڑھنے والے ہیں۔ اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا ہے: لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ. (سورۃ فتح، ۱۸)

یعنی: جب مومن آپ سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے تو اللہ ان سے خوش ہو گیا۔

امام محی السنۃ (بغویؒ) نے معالم تنزیل میں (حضرت) جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے کہ نبی (کریم) صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ان میں سے کوئی ایک شخص دوزخ میں نہیں جائے گا جنہوں نے درخت کے نیچے (حدیبیہ میں) بیعت کی ہے اور جس کو بیعت رضوان کہتے ہیں، کیونکہ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ ان لوگوں سے خوش ہو گیا ہے اور اس میں شک نہیں ہے کہ جس شخص کو کتاب و سنت میں جنت کی بشارت دی گئی ہو، اس کی تکفیر کرنا کفر ہے اور بدترین برائی ہے۔

مقدمہ پنجم: یہ ہے کہ کاغذ کے لانے میں حضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا توقف کرنا رد و انکار کی بنا پر نہ تھا۔ عِبَادًا بِاللَّهِ سُبْحَانَهُ ذَلِكْ. یعنی: اس بات سے اللہ کی پناہ! اس طرح کی بے ادبی ایسے نبی (کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے وزراء اور ہم نشینوں سے کیونکر سرزد ہو سکتی ہے جو ”خلق عظیم“ کے اوصاف رکھتے تھے، بلکہ کسی ادنیٰ صحابی سے جو کہ ایک بار یا دو بار خیر البشر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے صحبت کے شرف سے مشرف ہو چکا ہے، سے بھی اس چیز کی توقع نہیں کی جاسکتی، بلکہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی امت کے عام آدمیوں، جو اسلام کی دولت سے سعادتمند بن چکے ہیں، سے بھی اس طرح کے رد و انکار کا گمان نہیں کیا جاسکتا۔ پھر وہ شخص جو اکابر وزراء اور ہم نشینوں میں سے ہو اور مہاجرین و انصار کے بڑے عظیم لوگوں میں سے ہو، اس سے اس چیز کا خیال کیسے کیا جاسکتا ہے؟ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ انصاف کی توفیق دے کہ لوگ اکابر دین کے ساتھ اس قسم کی بدگمانی پیدا نہ کریں اور نہ سمجھتے ہوئے ہر بات اور کلام پر گرفت نہ کریں۔

حضرت فاروق (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کا مقصد سمجھنا اور دریافت کرنا تھا۔ چنانچہ آپ نے کہا کہ اِسْتَفْهِمُوهُ (یعنی: آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے معلوم کر لو)، یعنی اگر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کوشش اور اہتمام سے کاغذ طلب فرمائیں تو لایا جائے اور اگر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس بارے میں کوشش نہ فرمائیں تو پھر اس نازک وقت میں آپ

(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو یہ تکلیف نہیں دینی چاہیے، کیونکہ اگر آپ نے وحی اور امر سے کاغذ طلب فرمایا ہے تو پھر کاغذ کی طلب تاکید اور مبالغے سے کریں گے اور جس چیز پر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مامور ہیں اس کو لکھیں گے، کیونکہ وحی کی تبلیغ نبی پر لازم ہے اور اگر یہ طلب (کاغذ) امر اور وحی سے نہیں ہے، بلکہ چاہتے ہیں کہ اجتہاد و فکر سے کچھ لکھیں تو وقت اس کی مدد نہیں کرتا۔ کیونکہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے وصال کے بعد بھی پایہ اجتہاد باقی ہے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی امت کے استنباط کرنے والے کتاب (قرآن مجید) سے جو دین کا اصل اصول ہے، اجتہادی احکام اخذ کر لیں گے اور جب آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی موجودگی میں جبکہ وحی کے نزول کا وقت تھا، استنباط کرنے والوں کے لیے گنجائش موجود تھی تو پھر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے وصال کے بعد جو کہ وحی کے منقطع ہونے کا زمانہ ہے، بطریق اولیٰ اہل علم کا استنباط و اجتہاد مقبول ہوگا اور چونکہ آنسور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس بارے میں (دوبارہ) کوشش اور اہتمام نہ فرمایا، بلکہ اس امر سے اعراض فرمایا تو معلوم ہوا کہ (یہ کام) وحی کی رو سے نہیں تھا اور جو توقف صرف دریافت کرنے کی غرض سے ہو (اس میں) کوئی برائی نہیں ہے۔

ملائکہ کرام نے بھی حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی خلافت کی وجہ دریافت کرنے اور جاننے کے لیے (بارگاہ الہی) میں عرض کیا: اَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ. (سورۃ بقرہ، ۳۰) یعنی: تو اس میں ایسے شخص کو نائب بنانا چاہتا ہے جو خرابیاں کرے اور کشت و خون کرتا پھرے۔ ہم تیری تعریف کے ساتھ تسبیح کرتے رہتے ہیں اور تیری پاکیزگی بیان کرتے ہیں۔

نیز حضرت زکریا علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت یحییٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادت کی بشارت کے وقت عرض کیا: اِنِّیْ یُکُوْنُ لِیْ غُلَمٌ وَكَانَتْ اِمْرَاَتِیْ عَاقِرًا وَاقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِیًّا. (سورۃ مریم، ۸)

یعنی: میرے ہاں کس طرح لڑکا ہوگا جس حال میں میری بیوی بانجھ ہے اور میں بڑھاپے کی انتہا کو پہنچ گیا ہوں۔
نیز حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا: اِنِّیْ یُکُوْنُ لِیْ غُلَمٌ وَلَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشْرٌ وَلَمْ اَکُ بِغِیًّا. (سورۃ مریم، ۲۰) یعنی: میرے ہاں لڑکا کیونکر ہوگا، مجھے کسی بشر نے چھوا تک نہیں اور میں بدکار بھی نہیں ہوں۔

اگر حضرت فاروق (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے جاننے اور دریافت کرنے کے لیے کاغذ کے لانے میں توقف کیا ہو تو کیا مضائقہ ہے اور شور و شر کیسا ہے؟

مقدمہ ششم: یہ ہے کہ آنسور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت کے شرف کی وجہ سے آنسور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ (کرامؓ) کے ساتھ اچھا گمان رکھنے کی ضرورت ہے اور یہ جاننا ضروری ہے کہ بہترین زمانہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا زمانہ تھا اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت کے صحابہ (کرامؓ) انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی صحبت کے بعد تمام بنی آدم سے بہتر ہیں، تاکہ یقین ہو جائے کہ آنسور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے بعد بہترین زمانے میں جس جماعت کے لوگ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تسلیات کے بعد تمام بنی آدم سے بہتر ہوں، وہ امر باطل پر ہرگز جمع نہیں ہوں گے اور وہ فاسقوں اور کافروں کو خیر البشر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا جانشین نہیں بنائیں گے۔ اور ہم نے جو یہ کہا ہے کہ صحابہ

کرامِ تمام بنی آدم میں سب سے بہتر ہیں، اس لیے کہا ہے کہ یہ امتِ نصِ قرآنی سے خیر الامم ہے اور اس امت کے بہترین لوگ وہی ہیں، کیونکہ کوئی ولی کسی صحابی کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا۔

لہذا ذرہ بھر انصاف کرنا چاہیے اور سمجھنا چاہیے کہ اگر حضرت فاروق (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کا کاغذ لانے سے منع کرنا کفر تھا تو حضرت صدیق (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) جو نصِ قرآنی سے اس خیر الامم کے سب سے زیادہ متقی شخص تھے، وہ ان کی خلافت کی تصریح و تعین نہ کرتے اور مہاجرین و انصار، جن کی حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے قرآن مجید میں تعریف فرمائی ہے اور ان سے راضی ہوا ہے اور ان سے جنت کا وعدہ کیا ہے، یہ لوگ ان سے بیعت نہ کرتے اور ان کو نبی (کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا جانشین نہ بناتے۔ جب آنسور علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے صحابہ کرامؓ کے ساتھ حسن ظن جو محبت کا پیش خیمہ ہے، حاصل ہو گیا تو اس قسم کے شبہات کی مزاحمت سے بھی نجات میسر ہو گئی اور ان شکوک کے باطل ہونے کی فراست بھی پیدا ہو گئی اور اگر عیاذاً باللہ سُبْحَانَهُ (اللہ سبحانہ کی پناہ!) آپ علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے صحابہ (کرامؓ) سے حسن ظن پیدا نہ ہوا اور بدگمانی پیدا ہو تو یہ بدگمانی مجبوراً اس صحبت کے حامل (صحابیؓ) اور صحابہ (کرامؓ) کے صاحب (نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تک بھی جا پہنچے گی، بلکہ ان صاحب (نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے مولا (کریم جل شانہ) تک بھی جائے گی۔ اس معاملے کی برائی کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ وہ شخص رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر ایمان نہیں لایا جس نے صحابہ (کرامؓ) کی توقیر و عزت نہیں کی۔ آپ علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ کرام علیہم الرضوان کی شان میں فرمایا ہے: مَنْ أَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّي أَحَبَّهُمْ وَمَنْ أَبْغَضَهُمْ فَبِإِبْغَاضِي أَبْغَضَهُمْ۔^(۴) یعنی: جس نے ان سے محبت کی اس نے میرے ساتھ محبت کرنے کی وجہ سے ان سے محبت کی اور جس نے ان سے بغض رکھا اُس نے میرے ساتھ بغض رکھنے کی وجہ سے ان سے بغض رکھا۔

پس صحابہ (کرامؓ) کی محبت نبی کریم علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت کے لیے لازم ٹھہری اور صحابہ (کرامؓ) کے ساتھ بغض رکھنا آپ علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ بغض رکھنے کو لازم کرتا ہے۔

جب یہ مقدمات معلوم ہو گئے تو پھر بلا تکلف اس شبہ اور اس جیسے دوسرے شبہات کا جواب بھی حاصل ہو گیا، بلکہ متعدد جوابات حاصل ہو گئے۔ کیونکہ ان مقدمات میں سے ہر ایک مقدمے کے بارے میں کہا جاسکتا ہے کہ وہ معتبر جوابوں میں سے ایک جواب ہے، جیسا کہ (اوپر) گزر چکا ہے۔ یہ سب مقدمات اللہ سبحانہ کی مدد سے اس شبہ کے مادے کو ختم کرتے ہیں اور اس شک کو دور کرنے کے لیے دلیل سے گزر کر فراست میں لے آتے ہیں، جیسا کہ دانا صاحبِ انصاف پر یہ چیز پوشیدہ نہیں ہے۔

فراست کا لفظ بطور احتیاط زبان پر لایا گیا ہے، ورنہ اس طرح کے اعتراضات کا باطل ہونا بالکل واضح ہے اور جو مقدمات ان شبہات کے باطل ہونے کے ثبوت میں لائے گئے ہیں، وہ اس بداہت پر تنبیہات کی قسم سے ہیں۔ بلکہ اس طرح کے شبہات اور شکوک اس فقیر کے نزدیک اس قسم کے ہیں جس طرح کہ متعدد فنون کا ماہر ایک شخص کچھ بیوقوف لوگوں کے پاس آتا ہے اور وہ ایک پتھر کو جس سے وہ آگاہ ہیں (اپنے) دلائل و مقدمات سے سونے کی تہہ چڑھا ہوا ثابت کرتا ہے کہ یہ سونا ہے۔ وہ بیچارے کیونکہ ان وہمی مقدمات کو دور کرنے سے عاجز ہیں اور ان دلائل کے غلط مواد کا تعین کرنے سے قاصر ہیں۔

لہذا مجبوراً شبہ میں پڑ جاتے ہیں، بلکہ وہ اس پتھر کے سونا ہونے پر یقین کر لیتے ہیں اور اپنی حس کو فراموش کر بیٹھتے ہیں اور (اس حس پر) تہمت لگاتے ہیں۔ لہذا ایسی دانائی ہونی چاہیے جو حس کی (حقیقی) ضرورت پر اعتماد کرے اور وہی مقدمات کو مورد الزام ٹھہرائے۔

جو معاملہ (اس وقت) ہمارے درمیان زیر بحث ہے، اس میں بھی خلفائے ثلاثہ کی بزرگی اور درجات کی بلندی، بلکہ خیر البشر علیہ علیہم الصلوٰات والتسلیمات کے تمام صحابہ کرامؓ کی بزرگی کتاب و سنت کی رُو سے محسوس اور مشاہدہ ہوتی ہے، جو عیب جو اور طعنہ زنی کرنے والے ان بزرگواروں پر سونے کی تہہ چڑھائے ہوئے (اپنے) دلائل کے ساتھ طعن و تشنیع کرتے ہیں، ان کی ان پر کی جانے والی طعنہ زنی اس پتھر کے کھوٹ جیسی ہے جس کو وہ سونا ثابت کرتے ہیں اور لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں۔ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ. (سورۃ آل عمران، ۸) یعنی: اے ہمارے پروردگار! جب تو نے ہمیں ہدایت بخشی ہے تو اس کے بعد ہمارے دلوں میں کجی نہ پیدا کرنا اور ہمیں اپنے ہاں سے نعمت عطا فرما، تو تو بڑا عطا فرمانے والا ہے۔

اے کاش! میں جانتا کہ ان کو کس چیز نے ان دین کے بزرگواروں اور اسلام کے اکابر کو گالیاں دینے پر ابھارا ہے؟ جبکہ فاسقوں اور کافروں میں سے بھی کسی پر طعنہ زنی کرنا اور گالی دینا روشن شریعت میں عبادت و کرامت اور فضیلت و نجات کا وسیلہ نہیں سمجھا گیا۔ پھر دین کے ہادیوں کو گالی دینا اور اسلام کے حامیوں پر طعنہ زنی کرنا عبادت کیسے ہوا؟ شریعت میں وارد نہیں ہوا کہ رسول اللہ علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کے ابو جہل اور ابولہب جیسے دشمنوں کو بھی گالی دی جائے اور طعنہ زنی کی جائے۔ پھر اس عمل کو عبادت و کرامت کیسے سمجھا جائے، بلکہ ان سے اور ان کے احوال سے روگردانی کرنا اور خاموش رہنا سب سے بہتر اور سب سے مناسب ہے اور وقت کے ضائع کرنے سے اور الایعنی میں مشغول رہنے سے بچنے میں زیادہ بہتری ہے۔ تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ. (سورۃ بقرہ، ۱۳۱) یعنی: یہ جماعت گزر چکی۔ ان کو وہ (ملے گا) جو انہوں نے کیا اور تم کو وہ جو تم نے کیا اور جو عمل وہ کرتے تھے ان کی پرش تم سے نہیں ہوگی۔

حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ قرآن مجید میں نبی کریم علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ (کرامؓ) کے وصف میں فرماتا ہے: رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ. (سورۃ فتح، ۲۹) یعنی: وہ آپس میں رحم دل ہیں۔

پس ان بزرگواروں کے بارے میں ایک دوسرے کے ساتھ عداوت و کینہ رکھنے کا گمان کرنا قرآنی نص کے خلاف ہے اور نیز ان بزرگواروں میں عداوت و کینہ کو ثابت کرنا دونوں فریق کے درمیان طعن پیدا کرتا ہے اور دونوں فریق کے درمیان امان کو دور کرتا ہے، جس سے صحابہ (کرامؓ) کے دونوں گروہوں کا مطعون ہونا لازم آتا ہے۔

عَيَاذًا بِاللّٰهِ سُبْحَانَهُ مِنْ ذٰلِكَ. یعنی: اس سے اللہ سبحانہ کی پناہ!

اس طرح انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کے بعد جو بنی آدم میں سب سے بہترین حضرات تھے، وہ بدترین لوگ قرار پائیں گے اور بہترین زمانہ بدترین زمانہ قرار پائے گا۔ نیز اس زمانے کے سب حضرات عداوت و کینہ سے موصوف ہو جائیں

گے۔ کوئی مسلمان اس کام کی جرأت نہیں کر سکتا اور اس چیز کو جائز قرار نہیں دیتا۔ حضرت امیر (علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی بزرگی کس قسم کی ہوگی جب خلفائے ثلاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم آپ کے دشمن ہوں اور حضرت امیر (علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو بھی درپردہ ان حضرات کے ساتھ عداوت ہو۔ یہ چیز خود دونوں فریق پر الزام ہے۔ کیونکہ جب تک (یہ دونوں فریق) آپس میں شیر و شکر نہ ہوں، ایک دوسرے کی محبت میں فانی نہیں ہو سکتے۔

خلافت کا معاملہ ان بزرگواروں کے ہاں مرغوب اور مطلوب نہیں رہا ہے کہ وہ عداوت و کینہ کا سبب ہوتا۔ حضرت صدیق (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے اَقْبَلُونِي (یعنی: میری بیعت کو فتح کر دو) معروف و مشہور ہے اور حضرت فاروق (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) فرماتے تھے: ”اگر کوئی خریدار پیدا ہو جائے تو اس خلافت کو ایک دینار میں بیچ دوں گا۔“ اور حضرت امیر (علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے (حضرت) معاویہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے ساتھ جو جنگ و جدل فرمائی ہے، وہ خلافت کے معاملے کے میلان و رغبت کی وجہ سے نہیں تھی، بلکہ آپ باغیوں کے ساتھ لڑائی کرنا فرض سمجھتے تھے اور ان کے ازالہ کے لیے کرتے تھے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے: فَاقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّى تَفِيءَ اِلَى اَمْرِ اللّٰهِ. (سورۃ حجرات، ۹) یعنی: سو لڑو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف رجوع کریں۔

مختصر یہ کہ چونکہ حضرت امیر (علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے ساتھ لڑائی کرنے والے ایسے باغی ہیں جو تاویل کرنے والے، صاحب رائے اور اجتہاد (کرنے والے) ہیں۔ اگرچہ وہ اس اجتہاد میں خطا پر ہیں، لیکن پھر بھی طعن و ملامت کرنے، فاسق کہلانے اور کافر قرار دیے جانے سے دور ہیں۔ حضرت امیر (علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ان کی شان میں فرماتے ہیں: اِخْوَانَنَا بَعَوْا عَلَيْنَا لَيْسُوا فٰسِقًا وَلَا كُفْرًا لِّمَا لَهُمْ مِنَ التَّوَابِلِ.

یعنی: ہمارے جن بھائیوں نے ہم پر بغاوت کی، وہ فاسق نہیں اور نہ ہی کافر ہیں، کیونکہ ان کے پاس تاویل ہے۔ (حضرت) امام شافعی (رحمۃ اللہ علیہ) کہتے ہیں اور یہ چیز (حضرت) عمر بن عبدالعزیز (رحمۃ اللہ علیہ) سے منقول ہے: يَبْلُكَ دِمَاءُ طَهَّرَ اللّٰهُ اَيْدِيَنَا فَلْنَطَهِّرْ عَنْهَا اَلْسِنَتَنَا. یعنی: یہ وہ خون ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے ہمارے ہاتھوں کو پاک رکھا ہے۔ پس ہمیں ان سے اپنی زبانوں کو بھی پاک رکھنا چاہیے۔

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلَا خَوَانَنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًا لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ. (سورۃ حشر، ۱۰) یعنی: اے ہمارے پروردگار! ہمارے اور ہمارے بھائیوں کے جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں، گناہ معاف فرما اور مومنوں کی طرف سے ہمارے دل میں کینہ (وحسد) نہ پیدا ہونے دے۔ اے ہمارے پروردگار! تو بڑا شفقت کرنے والا مہربان ہے۔

وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَى سَيِّدِ الْاَنَامِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ الْكَرَامِ اِلَى يَوْمِ الْقِيَامِ. یعنی: سید الانام (حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی آل (اطہار) پر اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے صحابہ کرام پر روز قیامت تک درود و سلام ہو۔

مکتوب نمبر (۹۷)

خواجہ ہاشم شمی کی طرف تحریر فرمایا۔ ان کے سوال کے جواب میں، جس میں انہوں نے (دفتر دوم کے) مکتوب ششم کا حل طلب کیا تھا۔

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰی. (سورۃ النمل، ۵۹)

یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اُس کے اُن بندوں پر سلام ہو جن کو اُس نے منتخب فرمایا۔

آپ نے پوچھا تھا کہ اس عبارت کے معنی کیا ہیں جو (دوسرے دفتر کے) مکتوب ششم میں آئی ہے کہ میں خیال کرتا ہوں کہ میری تخلیق سے مقصود یہ ہے کہ ولایت محمدی علیہ الصلوٰات والتسلیمات ولایت ابراہیمی علیہ الصلوٰات والتسلیمات کے رنگ سے رنگین ہو جائے۔ اس ولایت کی ملاحظ (دربائی) کا حسن اس ولایت کی صباحت (زیبائی) کے حسن سے مل جائے اور اس رنگینی اور ملاپ سے محبوبیت محمدیہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا مقام بلند درجہ پر پہنچ جائے۔

جاننا چاہیے کہ دلائل (رہنمائی) اور مشاطگی (آرائش دینے) کے منصب میں کوئی ممانعت اور رکاوٹ نہیں ہے۔ دلالہ (رہنما عورت) جو اپنی دلا لت کے حسن سے دو صاحب جمال و کمال محبوبوں کو ایک دوسرے سے ملا دیتی ہے اور ایک کے حسن کو دوسرے کے قریب کر دیتی ہے، یہ اس کی خدمت گاری کا کمال ہے اور اس کی شرف و سعادت کی انتہا ہے۔ اس چیز سے ان دو صاحب جمال (محبوبوں) کی شان میں کوئی نقص اور قصور لازم نہیں آتا اور اسی طرح اگر مشاطگی (آرائش) کر کے ان دونوں صاحب کمال کے حسن و جمال میں اضافہ کر دے اور ایک اور تازگی اور زینت پیدا کر دے تو یہ اس کی شرافت و سعادت ہے اور اس سے ان میں کوئی نقص و قصور لازم نہیں آتا:

ازاں طرف نپذیرد کمال تو نقصاں و زیں طرف شرف روزگار من باشد

یعنی: اس طرف سے تیرے کمال میں نقصان نہیں ہوگا اور اس طرف سے مجھے سعادت حاصل ہو جائے گی۔

الغرض جو نفع اور فائدہ اٹھانا دو متمندوں کو غلاموں اور خادموں کی جانب سے میسر ہوتا ہے، اس میں کوئی ممانعت اور رکاوٹ نہیں ہے، کیونکہ وہ قصور اور نقصان کو لازم نہیں کرتا، بلکہ دو متمندوں کا کمال غلاموں اور خادموں کی خدمت میں ہے۔ وہ دو متمند بد نصیب ہے جو خادموں سے نفع اور فائدہ حاصل نہ کرے۔ ہم رتبہ لوگوں سے نفع اور فائدہ اٹھانے میں نقصان ہے اور ہمسروں سے امداد اور استفادہ کرنا قصور ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے: يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللَّهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ. (سورۃ انفال، ۶۴)

یعنی: اے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ کو اللہ تعالیٰ اور آپ کے تابعدار مومن کافی ہیں۔

(حضرت) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ اس آیت کریمہ کا شان نزول حضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اسلام ہے۔ ظاہر ہے کہ چھوٹوں اور کم درجہ لوگوں کی خدمات بزرگوں اور بلند درجہ لوگوں کے مرتبہ کو برتری بخشی ہیں اور اگر کوئی آدمی ظاہری بات کو بھی نہ سمجھ سکے تو اس میں عبارت کا کیا قصور ہے۔ بادشاہ اور امراء اپنی شان و شوکت اور سلطنت میں خادموں اور نوکروں کے محتاج ہیں اور وہ اپنے کمالات کو ان سے وابستہ سمجھتے ہیں اور اس چیز سے ان کے مراتب میں کوئی

نقصان اور قصور نہیں آتا۔ جیسا کہ ہر ادنیٰ و اعلیٰ کو معلوم ہے۔ اس شبہ کی وجہ اس فائدہ اور نفع کے درمیان فرق نہ کرنا ہے جو چھوٹوں کی طرف سے حاصل ہوتا ہے اور وہ فائدہ اور نفع جو بلند درجہ والوں کی جانب سے حاصل ہوتا ہے اور واضح ہو گیا کہ پہلا کمال بخش ہے اور دوسرا نقصان کو بڑھانے والا ہے۔ پہلا جائز ہے اور دوسرا ممنوع ہے۔

وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ الْمُلْهُمُ لِلصَّوَابِ. یعنی: اور اللہ سبحانہ ہی درست بات کا الہام فرمانے والا ہے۔

رَبَّنَا آتِنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً وَهَيِّءْ لَنَا مِنْ أَمْرِنَا رَشَدًا. (سورۃ کہف، ۱۰)

یعنی: اے ہمارے پروردگار! ہم پر اپنے ہاں سے رحمت نازل فرما اور ہمارے کام میں درستی (کے سامان) مہیا کر۔
وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اتَّبَعَ الْهُدٰی. (سورۃ طہ، آیت ۷۷) یعنی: اور جو شخص ہدایت کی بات مانے، اسے سلامتی نصیب ہو۔

مکتوب نمبر (۹۸)

حضراتِ مخدوم زادگان جامع اسرار و علوم خواجہ محمد سعید اور خواجہ محمد معصوم مدظلہما کو تحریر فرمایا۔ اس قرب و معیت کے راز میں جو عالمِ حق عز و جل سبحانہ کے ساتھ ہے اور شرارتِ عدم اور شرارتِ ابلیس علیہ العینہ کے درمیان فرق کے بیان میں۔

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی. (سورۃ النمل، ۵۹)

یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اُس کے اُن بندوں پر سلام ہو جن کو اُس نے منتخب فرمایا۔

آپ نے سوال کیا تھا کہ علماء نے کہا ہے کہ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ نہ عالم میں داخل ہے اور نہ عالم سے خارج ہے۔ نہ عالم کے ساتھ متصل ہے اور نہ عالم سے منفصل (جدا) ہے۔ اس بحث کی تحقیق کیا ہے؟

جواب: دخول و خروج اور اتصال و انفصال کی اس نسبت کا حاصل ہونا دو موجود کے دیکھنے پر متصور ہے کہ ایک موجود دوسرے موجود کے اعتبار سے اس نسبت سے خالی نہیں ہے اور زیر بحث معاملے میں دو موجود کا اُن (ثابت) نہیں ہیں، تاکہ اس نسبت کا حاصل ہونا متصور ہو۔ کیونکہ حق تعالیٰ موجود ہے اور عالم جو حق سبحانہ کا مساوی ہے، وہ موہوم و متخیل (وہمی اور خیالی) ہے۔ اگرچہ عالم نے حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ کی کاریگری (تخلیق) سے ایسی مضبوطی اور استحکام پیدا کر لیا ہے جو وہم و خیال کے ختم ہو جانے سے بھی زائل نہیں ہوتا۔ اور ابدی راحت اور عذاب کا معاملہ بھی اس سے وابستہ ہے، لیکن اس کا ثبوت حس اور وہم کے مرتبہ میں ہے اور حس اور وہم سے باہر اس کی قدم گاہ نہیں ہے۔ حق سبحانہ کی قدرت کا کمال ہے جس نے موہوم و متخیل (خیالی وہم) کو ثابت و برقرار کا درجہ دے کر (اس پر) موجود کا حکم عطا فرمایا ہے اور موجود کے احکام اس پر جاری کیے ہیں۔ لیکن موجود، موجود ہے اور موہوم، موہوم ہے۔ اگرچہ ظاہر بین موہوم کے ثابت و برقرار (ہونے) پر نظر کرتے ہوئے، اسے موجود ہی تصور کرتے ہیں اور دو موجود (موجود) سمجھتے ہیں۔ (فقیر نے) اس چیز کی تحقیق اپنی کتابوں اور رسالوں میں تفصیل سے لکھی ہے۔ اگر ضرورت پڑے تو وہاں رجوع کر لیں۔ پس موجود کی موہوم کے ساتھ اس سبب سے کوئی نسبت ثابت نہیں ہوتی۔ کہا جاسکتا ہے کہ موجود نہ موہوم میں داخل ہے، نہ موہوم سے خارج ہے اور نہ موہوم کے ساتھ اتصال رکھتا ہے اور نہ موہوم سے منفصل (جدا) ہے۔ اس لیے کہ جہاں موجود ہے وہاں موہوم کا کوئی نام و نشان نہیں ہے، تاکہ اس کے ساتھ نسبت کا

تصور کیا جائے۔

اس بحث کو ایک مثال سے واضح کرتا ہوں۔ نقطہ جوآلہ (بہت گول نقطہ) جو گردش کی تیزی سے دائرہ کی صورت میں متوہم ہوتا ہے، یہاں کی موجود وہی نقطہ ہے اور دائرہ کی صورت کا سوائے وہم کے کوئی ثبوت نہیں ہے۔ جس جگہ نقطہ موجود ہے وہاں دائرہ موہومہ کا نام و نشان نہیں ہے۔ اس صورت میں نہیں کہا جاسکتا کہ نقطہ دائرہ میں داخل ہے اور یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ وہ دائرہ سے خارج ہے اور اسی طرح ان کے درمیان اتصال اور انفصال بھی متصور نہیں ہے، کیونکہ اس مرتبہ میں کوئی ایسا دائرہ نہیں ہے جس سے نسبت متصور ہو سکے۔ ثَبَّتِ الْجَدَارَ أَوَّلًا ثُمَّ انْقَشُ۔
یعنی: پہلے دیوار ثابت ہوتی ہے تو پھر اس پر نقش بنتا ہے۔

سوال: حضرت حق سبحانہ نے عالم کے ساتھ اپنے قرب اور احاطہ کی نسبت ثابت فرمائی ہے، جبکہ موجود کی موہوم کے ساتھ قرب کی کیا نسبت اور کونسا احاطہ ہے؟ جہاں موجود ہے وہاں موہوم کا کوئی نام و نشان نہیں ہے، تاکہ احاطہ کرنے والے اور احاطہ میں آنے والے کا تصور کیا جائے۔

جواب: یہ قرب اور احاطہ اس طرح کا نہیں ہے، جس طرح کا قرب ایک جسم کو دوسرے جسم کے ساتھ ہے اور جس طرح کا احاطہ ایک جسم دوسرے جسم کا کرتا ہے، بلکہ یہ قرب اور احاطہ اس نسبت کی مانند ہے جو نامعلوم کیفیت اور معلوم الانیت ہے۔ ہم حق سبحانہ کے لیے قرب و احاطہ ثابت کرتے ہیں اور اس پر ایمان لاتے ہیں، لیکن اس کی کیفیت کو نہیں سمجھتے کہ وہ کیسی ہے، بخلاف ان چار قسم کی نسبتوں (دخول و خروج اور اتصال و انفصال) کے جن کی پہلے نفی کی جا چکی ہے۔ جیسا کہ وہ نامعلوم کیفیت کی ہیں اور غیر معلوم الانیت ہیں۔ کیونکہ شریعت میں ان نسبتوں کا کوئی ثبوت وارد نہیں ہوا ہے، تاکہ ہم ان کو ثابت کریں اور ان کی کیفیت کو مجہول جانیں۔ اگرچہ بے کیفی اتصال کے معنی کو بے کیفی قرب و احاطہ کے معنی کی صورت میں حضرت حق جل سلطانہ کی بارگاہ میں تجویز کیا جاسکتا ہے، لیکن لفظ اتصال کا اطلاق نہیں آیا ہے اور قرب و احاطہ آیا ہے۔ متصل نہ کہنا چاہیے اور قریب و محیط کہنا چاہیے۔ اور انفصال و خروج اور دخول کا اطلاق بھی اتصال کے اطلاق کی مانند ہے جو نہیں آیا ہے۔

مذکورہ مثال میں بھی اگر نقطہ جوآلہ کی نسبت کو دائرہ موہومہ کے ساتھ احاطہ اور قرب و معیت (کی صورت) میں ثابت کریں تو بھی وہ نامعلوم کیفیت ہی ہوگی، کیونکہ نسبت کے لیے ہر دو منتسب کا ہونا ضروری ہے، لیکن وہاں نقطہ جوآلہ کے سوا کچھ موجود نہیں ہے۔ نیز اسی طرح اتصال و انفصال اور دخول و دخول بے کیفی مذکورہ مثال میں متصور ہے۔ اگرچہ دونوں جانب کی نسبتیں ثابت نہیں ہیں، کیونکہ طرفین کا وجود معلوم کیفیت کی نسبت کے لیے ضروری ہے جو متعارف و عادی ہے، لیکن جو نامعلوم کیفیت ہے، وہ عقل کے احاطہ سے باہر ہے۔ وہاں طرفین کے وجود کے لازم ہونے کا حکم کرنا وہی احکام سے ہوگا جو اعتبار کے مقام سے ساقط ہے، کیونکہ (یہ) غائب کا حاضر پر قیاس کرنا ہے۔

تنبیہ: (اس فقیر نے) عالم کو جو موہوم و مخیل (وہی اور خیالی) کہا ہے۔ یہ اس معنی سے ہے کہ عالم کی تخلیق وہم و خیال کے مرتبہ میں واقع ہوئی ہے اور اس کی کارگیری حس اور دکھاوے کے درجہ میں حاصل ہوئی ہے، جس طرح ایک قادر (شخص) اپنے کمال سے دائرہ موہومہ کو، جس کا وہم و خیال کے اختراع کے علاوہ کوئی ثبوت نہیں ہے، وہم و خیال کے مرتبہ میں تخلیق

فرمائے اور اپنی کامل کاریگری سے اس کو اس مرتبہ میں مضبوطی و استحکام بخشے، اس طریقے سے کہ اگر وہم و خیال کلی طور پر اٹھ جائے تو بھی اس کے ثبوت میں کوئی خلل نہ آئے اور اس کی بقا میں قصور پیدا نہ کرے۔ یہ مصنوعی دائرہ موہومہ اگرچہ خارج میں ثبوت نہیں رکھتا اور خارج میں صرف وہی نقطہ موجود ہے، لیکن یہ وجود خارجی کے ساتھ ایک انتساب رکھتا ہے اور موجود خارجی کے ساتھ اس کو ایک ارتباط حاصل ہے، کیونکہ اگر نقطہ نہ ہوتا تو دائرہ کہاں سے پیدا ہوتا:

خوشتر آں باشد کہ سرّ دلبراں گفتہ آید در حدیث دیگران

یعنی: زیادہ اچھا یہ ہے کہ محبوبوں کا راز دوسروں کی بات میں بیان کیا جائے۔

اس دائرے کو اگر ہم اس نقطے کا روپوش کہیں تو (اس کی) گنجائش ہے اور اگر اس نقطے کے شہود کا آئینہ کہیں تو بھی گنجائش ہے اور اگر اس نقطے کی دلیل و ہادی کہیں تو بھی گنجائش ہو سکتی ہے۔ روپوش کہنا عوام کی نظر سے ہے اور شہود کا آئینہ اور ظہور سمجھنا مقام ولایت کے مناسب ہے اور ایمان شہودی کے لائق ہے۔ دلیل اور ہادی کہنا کمالات نبوت کے مرتبہ کے مناسب ہے اور ایمان بالغیب کے لائق ہے جو ایمان شہودی سے زیادہ مکمل اور زیادہ کامل ہے۔ کیونکہ شہود میں ظل کی گرفتاری کے سوا چارہ نہیں ہے اور غیب میں اس گرفتاری سے آزاد ہے۔ غیب میں اگرچہ درحقیقت کچھ حاصل نہیں کرتا، لیکن اصل ہے اور اصل کا گرفتار ہے اور شہود میں اگرچہ حاصل کرتا ہے، لیکن اصل نہیں ہے، کیونکہ غیر کا گرفتار ہے جو اس اصل کا ظل ہے۔

الغرض یہ کہ حصول نقص ہے اور وصول کمال ہے۔ یہ بات ہر نا عاقبت اندیش کی سمجھ کے لائق نہیں ہے، بلکہ ہو سکتا ہے کہ وہ حصول کو وصول سے بہتر سمجھے۔ سوفسطائی بیوقوفی سے عالم کو موہوم و متخیل (وہمی و خیالی) اس لحاظ سے کہتے ہیں کہ وہم کی ایجاد اور خیال کی کاریگری کے سوا اس کا کوئی ثبوت و تحقیق نہیں ہے، کیونکہ اگر وہم و خیال تبدیل ہو جائے تو وہ ثبوت و تحقیق بھی بدل جائے گی۔ مثلاً اگر آدمی کسی چیز کو وہم سے شیرینی تصور کرے تو وہ شیرینی ہے اور اگر اسی چیز کو دوسرے وقت میں وہم کڑوی قرار دے تو وہ چیز کڑوی ہے۔ یہ بدنصیب (لوگ) اللہ جل سلطانہ کی خلقت و کاریگری سے غافل ہیں، بلکہ منکر ہیں۔ اور اس انتساب و استناد سے جو وہ موجود خارجی وجود کے ساتھ رکھتا ہے، بے خبر ہیں۔ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اس بیوقوفی سے خارجی احکام کو جو کہ عالم سے متعلق ہیں، رفع کر دیں اور (اس طرح) آخرت کے عذاب و ثواب کو دفع کریں جن کی مضر صادق (حضرت محمد مصطفیٰ) علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے خبر دی ہے اور جن کے خلاف ہونے کا امکان نہیں ہے۔

أُولَئِكَ حِزْبُ الشَّيْطَانِ طَٰلَا إِنَّ حِزْبَ الشَّيْطَانِ هُمُ الْخٰسِرُونَ. (سورۃ مجادلہ، ۱۹)

یعنی: یہ شیطان کا گروہ ہے اور سن لو، شیطان کا گروہ نقصان اٹھانے والا ہے۔

سوال: جب عالم کا ثابت ہونا اور برقرار ہونا ثابت ہو گیا، خواہ وہ وہم و خیال کے مرتبہ میں ہو اور آپ نے اس ضمن میں ابدی عذاب و ثواب کا معاملہ بھی ثابت کیا ہے تو پھر آپ اس پر وجود کا اطلاق تجویز کیوں نہیں کرتے اور اس کو موجود کیوں نہیں سمجھتے، جبکہ ثبوت اور وجود ایک دوسرے کے ہم معنی ہیں، جیسا کہ متکلمین کے ہاں مقرر ہے۔

جواب: اس گروہ (صوفیہ) کے نزدیک وجود تمام چیزوں سے اشرف (سب سے زیادہ صاحب مرتبہ)، اکرم (قابل احترام)، اعز (معزز) ہے اور وہ اس کو ہر خیر کا مبدأ اور ہر کمال کا منشاء سمجھتے ہیں اور وہ اس طرح کے نفیس جو ہر حق جل و علا کا

ماسوی، جو سراسر نقص و شرارت ہے تجویز نہیں کر سکتے اور اشرف کو خیس تر کے سپرد نہیں کر سکتے۔ اس معاملے میں ان کی دلیل و ہادی کشف و فراست ہے اور ان کا مکشوف و محسوس یہ ہے کہ وجود صرف حضرت حق سبحانہ کے لیے مخصوص ہے اور موجود حق تعالیٰ ہے اور اس کے غیر کو موجود کہتے ہیں، یہ اس اعتبار سے ہے کہ اس غیر کو ایک نسبت و تعلق خواہ وہ ایک نامعلوم کیفیت کا ہو، اس وجود کے ساتھ ثابت ہے اور اس ظل کی مانند جو کہ اپنے اصل سے قائم ہے، اس طرح وہ غیر بھی اس وجود کے ساتھ قائم ہے۔ اور جو ثبوت اس نے مرتبہ وہم میں پیدا کیا ہے، وہ اس وجود کے ظلال میں سے ایک ظل ہے۔ چونکہ وہ وجود خارجی ہے اور حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ خارج میں موجود ہے، لہذا اگر ہم وہم کے درجے کو حق جل سلطانہ کی کاریگری و استحکام کے بعد اس خارج کے ظلال میں سے ایک ظل کہیں تو اس کی گنجائش ہے اور اس ثبوت وہمی کو ان دو ظلیت کے اعتبار سے اگر وہ وجود خارجی بھی سمجھیں تو جائز ہے، بلکہ عالم کو بھی اگر اس ظلیت کے اعتبار سے موجود خارجی تصور کریں تو بھی جائز ہے۔

الغرض یہ کہ ممکن جو کچھ بھی رکھتا ہے، وہ حضرت وجود تعالیٰ و تقدس کے مرتبہ سے مستفاد ہے۔ وہ اپنے باپ کے گھر سے کوئی چیز نہیں لایا ہے۔ اس کو ظلیت کے ملاحظہ کے بغیر موجود خارجی کہنا دشوار امر ہے اور (اس طرح کہنا اس کو) حق تعالیٰ کے خاص اوصاف میں شریک بنانا ہے۔ تَعَالٰی اللّٰهُ عَنْ ذٰلِكَ غُلُوًّا کَبِیْرًا۔

یعنی: اللہ تعالیٰ اس قسم کی باتوں سے بہت بلند و بالاتر ہے۔

اس فقیر نے اپنے بعض مکاتیب اور رسائل میں جو عالم کو موجود خارجی کہا ہے، اس کو بھی اس بیان کی جانب راجع کرنا چاہیے اور ظلیت کے اعتبار پر محمول کرنا چاہیے۔ نیز وجود کو، جو متکلمین نے ثبوت و تحقیق کے ہم معنی کہا ہے، یہ لغوی معنی کے لحاظ سے ہوگا، ورنہ وجود کہاں اور ثبوت کہاں؟ کیونکہ وجود کو اباب کشف و شہود اور اہل نظر و استدلال کی ایک کثیر تعداد نے واجب الوجود تعالیٰ کی عین حقیقت کہا ہے اور ثبوت معقولاتِ ثانویہ میں سے ہے۔ شَتَّانَ مَا بَيْنَهُمَا۔ یعنی: ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔

فائدہ: جس طرح وجود ہر خیر اور کمال کا مبداء ہے اور ہر حسن اور جمال کا منشاء ہے، اسی طرح عدم جو اس کا مقابل ہے، یقیناً وہ ہر شر اور نقص کا مبداء ہے اور ہر قباح و فساد کا منشاء ہے۔ اگر وبال ہے تو اسی (عدم) سے پیدا ہے اور اگر گمراہی ہے تو وہ بھی اسی سے پیدا ہے۔ اس کے باوجود کئی ہنر بھی اس کے سپرد ہوئے ہیں اور خوبیاں بھی اس میں پوشیدہ ہیں۔ وجود کے مقابل میں خود کو نابود مطلق بنانا اور نابود محض کرنا اس (عدم) کی خوبیوں میں سے ہے اور خود کو وجود کا محافظ بنانا اور شرور اور نقائص کو اپنے ذمے لینا اس کے اچھے ہنروں میں سے ہے اور نیز وجود کا آئینہ بنانا اور اس کے کمالات کا اظہار کرنا اور اسی طرح ان کمالات کو علم کے خانے سے باہر نکال کر ایک دوسرے سے ممتاز بنانا اور اجمال سے تفصیل میں لانا، اس کی پسندیدہ صفات میں سے ہے۔

الغرض یہ کہ وجود کی خدمت گزاریاں اس (عدم) سے قائم ہیں اور وجود کا حسن و جمال اور کمال اس (عدم) کی برائی اور شر و نقص سے ظاہر ہے۔ وجود کا استغناء اس (عدم) کی محتاجی کی بدولت ہے اور وجود کی عزت اس (عدم) کی ذلت کی وجہ سے ہے اور وجود کی عظمت و کبریائی اس (عدم) کی کمینگی اور حقارت کے سبب سے ہے اور وجود کی شرافت اس (عدم) کی پستی سے پیدا ہے اور وجود کی خواجگی اس (عدم) کی بندگی سے ظاہر ہے:

منم کاستاد را استاد کردم غلام خوارجہ را آزاد کردم

یعنی: میں ہوں جس نے استاد کو استاد بنایا ہے اور میں ایسا غلام ہوں جس نے خواجہ کو آزاد کیا ہے۔

ابلیس لعنتی، جو ہر فساد اور گمراہی کا منشاء ہے، وہ عدم سے زیادہ شریر ہے اور جو ہر عدم میں ثابت ہیں، وہ بد قسمت ان ہنروں سے بے نصیب ہے۔ اَنَا خَيْرٌ مِنْهُ (یعنی: میں اس سے افضل ہوں۔ سورۃ اعراف، ۱۲) کا قول، جو اس سے صادر ہوا ہے، اس نے خیر (بھلائی) کا مادہ اس سے ختم کر دیا ہے اور اس نے محض شرارت پر اس کی دلالت کی ہے۔ عدم چونکہ اپنی نیستی و نابودی کے ساتھ وجود کے سامنے آیا، لہذا وہ وجود کے حسن و جمال کا آئینہ بن گیا اور (ابلیس) لعین نے چونکہ اپنی ہستی اور برتری کے ساتھ مقابلہ کیا تو مجبوراً مردود اور راندہ درگاہ ہو گیا۔ حسن تقابل کو عدم سے سیکھنا چاہیے جو ہستی کا تقابل نیستی کے ساتھ کرتا ہے اور کمال کے مقابلہ میں (اپنے) نقص کو پیش کرتا ہے اور عزت و جلال کے مقابلہ میں آتا ہے تو اس کے سامنے اپنی ذلت و انکساری ظاہر کرتا ہے۔ (ابلیس) لعین راندہ درگاہ نے گویا عدم کی شرارتوں کو اس تکبر و غرور کی وجہ سے جو رکھتا تھا، اپنی طرف کھینچ لیا اور خیال میں آتا ہے کہ اس نے عدم میں بھلائی کے علاوہ کچھ نہیں چھوڑا۔ ہاں! جب تک خیر نہ ہو، اُس وقت تک وہ خیر کا آئینہ اور مظہر نہیں بن سکتا۔ مشہور مثل ہے: لَا يَحْمِلُ الْعَطَايَا الْمَلِكُ إِلَّا مَطَايَاً^(۱)۔

یعنی: بادشاہ کی عطاؤں کو اس کی سواریاں ہی اٹھا سکتی ہیں۔

معلوم ہوا کہ ابلیس بھی اس بلند کارخانہ کے لیے ضروری تھا جو خاکروبی کرتا ہو اسب کے کوڑے کرکٹ کو اپنے سر پر اٹھا لیتا اور دوسروں کو پاک اور صاف کر دیتا۔ لیکن چونکہ وہ بد قسمت تکبر اور بڑائی سے پیش آیا اور اپنی برتری کو نگاہ میں لایا۔ لہذا اس نے اپنا عمل ضائع کر دیا اور اجر سے محروم ہو گیا۔ درحقیقت (یہ آیت کریمہ) اس کے حال کا نشان ہے:

خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةَ. (سورۃ حج، ۱۱) یعنی: اس نے دنیا میں بھی نقصان اٹھایا اور آخرت میں بھی۔

بخلاف عدم کے جو باوجود ذاتی شرارت و نقص اور ذاتی نیستی کے جوہر رکھتا تھا، خود کو نا اُمیدی سے نکال کر حضرت وجود کی آئینہ داری سے مشرف ہو گیا:

نَ غَفَتَ كَ مَنْ نِمْ شَكَرْ خُورْدَ شَاخَ كَ بَلَنْدَ شَدَ تَبَرْ خُورْدَ

یعنی: گئے نے کہا کہ میں نہیں ہوں تو اُس نے شکر کھائی۔ ایک شاخ جب اونچی ہوئی تو اُس کو کھٹاڑا لگا۔

سوال: ابلیس لعین میں شرارت کی کثرت کہاں سے پیدا ہوئی؟ (کیونکہ) عدم کے علاوہ وجود ہی ہے کہ جس کی طرف شرارت نے راستہ نہیں پایا۔

جواب: عدم جس طرح وجود کا آئینہ اور اس کے خیر و کمال کا مظہر ہے، اسی طرح وجود بھی عدم کا آئینہ اور اس کے شر و نقص کا مظہر ہے۔ ابلیس لعین نے عدم کی جانب میں شرارت کو عدم سے لیا ہے، کیونکہ وہ عدم شرارت کا مقام ہے اور وجود کی جانب میں بھی اس نے شرارت متوہمہ کو اخذ کر لیا ہے جو کہ عدم کا آئینہ اور مظہر ہونے کی بدولت وجود کے آئینے میں ظاہر ہوئی تھی۔ اس طرح وہ دونوں طرف کی شرارت (یعنی) ذاتی و عرضی اور اصلی و ظلی کا حامل بن گیا۔ پس لازمی طور پر اس کے شرارت نما وجود کو مایوس لیا نے نیستی اور نابودی سے محروم کر دیا جو کہ عدم کی نیک صفات تھیں۔ اس کے ساتھ وجود کی جانب میں جو شرارت عدم کے آئینہ بننے سے متوہم ہوئی تھی، وہ بھی اس کے نصیب میں آگئی اور مجبوراً اس نے اسے دائمی نقصان میں ڈال دیا۔ رَبَّنَا لَا تُزِغْ

قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ. (سورة آل عمران، ۸)

یعنی: اے ہمارے پروردگار! جب تو نے ہمیں ہدایت بخشی ہے تو اس کے بعد ہمارے دلوں میں کجی نہ پیدا کرنا اور ہمیں اپنے ہاں سے نعمت عطا فرما، تو تو بڑا عطا فرمانے والا ہے۔

وَالسَّلَامُ عَلَى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدَى (سورة طہ، ۴۷) وَعَلَى مَنِ التَّزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفَى عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيمَاتُ أَتَمَّهَا وَآكَمَلَهَا. یعنی: اور جو شخص ہدایت کی بات مانے اور (حضرت محمد) مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی متابعت کو لازم پکڑے، اُس کو سلامتی نصیب ہو اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آل (اطہار) پر تمام تر اور کامل تر درود و سلام ہو۔

مکتوب نمبر (۹۹)

میر محمد نعمان کو تحریر فرمایا۔ جو سوالات انہوں نے کیے تھے، ان کے جواب میں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ. الْحَمْدُ لِلَّهِ وَسَلَامٌ عَلَى عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَى. (سورة النمل، ۵۹)

یعنی: شروع اللہ سبحانہ کے نام سے جو بڑا مہربان (اور) نہایت رحم کرنے والا ہے۔ سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے ان بندوں پر سلام ہو جن کو اس نے منتخب فرمایا۔

آپ نے پوچھا تھا کہ کبھی ایسے ہوتا ہے کہ سالک عروج کے وقت خود کو انبیاء علیہم الصلوات والتحيات کے صحابہ (کرام) کے مقامات میں پاتا ہے جو بالا جماع اس سے افضل ہیں، بلکہ اکثر اوقات خود کو مقام انبیاء علیہم الصلوات والتحيات کے مقامات میں پاتا ہے۔ اس معاملہ کی حقیقت کیا ہے؟ بعض لوگ اس چیز سے اس سالک کی ان مقامات کے اہل حضرات کے ساتھ برابری کا وہم کرتے ہیں اور ان مقامات میں اس کو ان مقامات کے حامل حضرات کے ساتھ شریک خیال کرتے ہیں اور اس وہم و خیال سے اس کا رد و طعن کرتے ہیں اور اس کے بارے میں ملامت و شکایت کی زبان دراز کرتے ہیں۔ اس معما کے چہرے سے پردہ اٹھانا چاہیے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ کبھی ادنیٰ لوگوں کا بلند مقامات کے حامل حضرات تک یوں پہنچ جانا فقیروں اور محتاجوں کی طرح ہوتا ہے، جنہیں دولت مندوں کے دروازوں اور اربابِ نعمت کے خاص محلات تک پہنچنا نصیب ہو جاتا ہے، تاکہ وہاں سے کوئی حاجت طلب کریں اور ان کی دولتوں اور نعمتوں سے بھیک مانگیں۔ وہ شخص بیکار ہے جو اس رسائی کو برابری اور شرکت سمجھے۔ اکثر اوقات یوں ہوتا ہے کہ یہ رسائی ایک تماشے کی مانند ہوتی ہے، تاکہ آدمی واسطوں اور وسیلوں کے ذریعے امراء اور بادشاہوں کے خاص مقامات کی سیر کر سکے اور اعتبار کی نظر سے تماشہ دیکھے اور اس میں بلندی کی رغبت پیدا ہو۔ اس طرح کی رسائی سے برابری کے وہم کی گنجائش کہاں ہے؟ اور اس سیر اور تماشے سے شرکت کا خیال کس طرح متصور ہو؟

مخدوم حضرات کے خاص مقامات تک خادموں کے پہنچنے کو، تاکہ وہ خدمت گزاری کے حقوق بجالائیں، سب ادنیٰ و اعلیٰ لوگ جانتے ہیں۔ وہ شخص بیوقوف ہے جو اس پہنچنے سے برابری اور شرکت کا وہم کرے۔ ہر صفائی کرنے والا، کھیاں اڑانے والا اور تلوار اٹھانے والا بادشاہانِ عظام کا ہم نشین ہے اور ان کے خاص الخاص مقامات میں حاضر ہوتا ہے۔ بڑی دیوانگی چاہیے

کہ کوئی اس چیز سے شرکت اور برابری کا وہم کرے:

ع بلائے درد منداں از در و دیوار می آید

یعنی: درد مندوں کی مصیبت در و دیوار سے آتی ہے۔

لوگ ایک غریب کی ملامت کے لیے بہانہ چاہتے ہیں اور اس کو طعن و تشنیع کرنے کے لیے جگہ ڈھونڈتے ہیں۔ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ ان کو انصاف (کی توفیق) دے۔ چاہیے تھا کہ وہ ایک ضعیف کے حق میں شر کو رفع اور ملامت کو دور کرنے کے لیے کوئی صورت طلب کرتے اور ایک مسلمان کی عزت بچانے کے لیے کوشش کرتے۔ ان کا یہ معاملہ کہ طعن کر رہے ہیں، دو حالتوں سے خالی نہیں ہے۔ اگر وہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ اس حال کا صاحب ان بلند مقامات والے حضرات کے ساتھ شرکت اور برابری کا معتقد ہے تو پھر جائز ہے کہ وہ اس کو کافر اور زندیق خیال کریں اور اسے اہل اسلام کے گروہ سے نکال دیں، کیونکہ نبوت میں شرکت اور انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کے ساتھ برابری کفر ہے۔

اسی طرح شیخین (حضرت ابو بکر اور حضرت عمر) علیہم الرضوان کی افضلیت ہے جو صحابہ (کرام) اور تابعین کے اجماع سے ثابت ہو چکی ہے۔ جیسے کہ اس کے بارے میں اکابر ائمہ سے نقل کیا گیا ہے۔ جن میں سے ایک امام شافعی علیہم الرضوان ہیں، بلکہ سب صحابہ کرام کو (یہ) فضیلت باقی تمام امت پر حاصل ہے، کیونکہ کوئی فضیلت خیر البشر علیہ وعلیہم الصلوٰات والتسلیمات کی صحبت کے برابر نہیں ہو سکتی۔ وہ تھوڑا سا عمل جو صحابہ (کرام) علیہم الرضوان سے ضعفِ اسلام اور مسلمانوں کی قلت کے وقت دین متین کی تائید اور سید المرسلین علیہ وعلیہم الصلوٰات والتسلیمات کی نصرت میں صادر ہوا ہے، اگر دوسرے عمر بھر ریاضتوں اور مجاہدوں سے طاعتیں کریں تو بھی صحابہ (کرام) کے اس قلیل فعل (کے مرتبہ) تک نہیں پہنچ سکتے۔ لہذا آنسور علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ اگر تم میں سے کوئی شخص اُحد پہار کے برابر بھی سونا خرچ کر دے تو وہ صحابہ (کرام) کے ایک مدّ جو خرچ کرنے (کے درجہ) کو نہیں پہنچ سکتا، بلکہ نصف مدّت تک بھی نہیں پہنچ سکتا۔

حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی افضلیت اسی راستے سے آئی ہے کہ آپ ایمان لانے میں اور جان لگانے میں اور بہت زیادہ اموال خرچ کرنے میں اور خدماتِ لائقہ میں سب سابقین سے آگے بڑھے ہوئے ہیں۔ لہذا آپ کے شان میں (یہ آیت) کریمہ نازل ہوئی ہے: لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَتْلَ ط أُولَئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِنَ الَّذِينَ أَنْفَقُوا مِنْ بَعْدُ وَقَتْلُوا ط وَكُلًّا وَاعِدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ. (سورۃ حدید، ۱۰)

یعنی: جس شخص نے تم میں سے فتح (مکہ) سے پہلے خرچ کیا اور لڑائی کی، وہ (اور جنہوں نے یہ کام پیچھے کیے وہ) برابر نہیں۔ ان لوگوں کا درجہ ان لوگوں سے کہیں بڑھ کر ہے جنہوں نے بعد میں خرچ (اموال) اور (کفار سے) جہاد و قتال کیا اور اللہ نے سب سے اچھے ثواب کا وعدہ کیا ہے۔

ایک جماعت کے لوگ دوسروں کے فضائل و مناقب کی کثرت پر نظر کرتے ہوئے آپ (حضرت ابو بکر) کی افضلیت میں توقف کرتے ہیں۔ وہ نہیں سمجھتے کہ اگر افضلیت کا سبب فضائل و مناقب کی کثرت ہوتی تو پھر اکثر ایسا ہے کہ امت کے بعض عوام جو یہ فضائل رکھتے ہیں، وہ اپنے نبی سے افضل ہوں جو یہ فضائل نہیں رکھتے۔ پس افضلیت کا سبب ان فضائل و

مناقب کے علاوہ کچھ اور ہے اور وہ اس فقیر کے گمان سے دین کی تائید میں سب سے آگے ہونا اور سب جہانوں کے رب کے دین کے احکام کی نصرت میں مالوں اور جانوں کو خرچ کرنا ہے۔ اور چونکہ نبی سب سے پہلے اور سب سے آگے ہے، لہذا وہ سب سے افضل ہے۔ اسی طرح جو اس معاملے (تائیدِ دین) میں سب سے پہلے ہے، وہ سب مسبقین سے افضل ہے۔ سابق گویا دین کے معاملے میں متاخرین کا استاد اور معلم ہے۔ متاخرین سابقین کے انوار سے فائدہ حاصل کرتے ہیں اور ان کی برکات سے فیض حاصل فرماتے ہیں اور اس امت میں ہمارے نبی (کریم) علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد اس دولت عظمیٰ کے مالک (حضرت) صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جو سابقین میں بہت زیادہ مالوں کے خرچ کرنے میں، (کفار کے ساتھ) سخت لڑائی اور جنگ کرنے میں، آبرو و جاہ کے خرچ میں، دین کی تائید کے لیے فساد و خرابی کو دور کرنے میں اور سید المرسلین علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی نصرت میں سب سے پہلے اور آگے بڑھے ہوئے ہیں۔ لہذا دوسروں پر ان کی افضلیت مسلم ہے۔ چونکہ حضرت نبی (کریم) علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے اسلام کی عزت و غلبہ کے لیے (حق سبحانہ سے) حضرت فاروق (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی مدد طلب فرمائی ہے اور حضرت حق سبحانہ تعالیٰ نے بھی عالم اسباب میں اپنے حبیب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نصرت کے لیے ان (حضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے کفایت فرمائی ہے اور کہا ہے کہ **يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللَّهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ**۔ (سورۃ انفال، ۶۴)

یعنی: اے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ کو اللہ تعالیٰ اور آپ کے تابعدار مومن کافی ہیں۔

(حضرت) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ اس آیت کا شانِ نزول حضرت فاروق (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کا اسلام ہے۔ پس حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد ان کی افضلیت مقرر ہے، لہذا ان دو اکابر کی افضلیت پر صحابہ (کرامؓ) اور تابعین کا اجماع منعقد ہو گیا، جیسا کہ (اوپر) گزر چکا ہے۔ حضرت امیر (علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے بھی فرمایا ہے کہ ابوبکرؓ اور عمرؓ اس امت میں سے افضل ہیں۔ جو شخص مجھے ان پر افضل قرار دے، وہ تہمت لگانے والا ہے۔ میں اس کو ایسے کوڑے ماروں گا جس طرح کہ مفتری کو مارتے ہیں۔ (فقیر نے) اس بحث کی تحقیق اپنی کتابوں اور رسائل میں تفصیل کے ساتھ کی ہے اور یہ مقام اس سے زیادہ کی گنجائش نہیں رکھتا۔

وہ شخص بیوقوف ہے جو خود کو خیر البشر علیہ علیہم الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ (کرامؓ) کے برابر بنائے اور اخبار و آثار سے جاہل و بے خبر وہ شخص ہوگا جو خود کو سابقین میں سے تصور کرے گا۔ لیکن جاننا چاہیے کہ سبقت کی یہ دولت جو افضلیت کا باعث ہے، پہلی قرن کے ساتھ مخصوص ہے جو خیر البشر علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت کے شرف سے مشرف ہے اور دوسرے زمانوں میں یہ چیز مفقود ہے۔ کیونکہ بعض زمانوں کے متاخرین دوسرے زمانوں کے سابقین سے افضل ہیں، بلکہ ایک زمانے میں روا ہے کہ متاخر اس زمانے کے سابق سے افضل ہو۔ حضرت حق سبحانہ طعنہ زنی کرنے والوں کو بصیرت عطا فرمائے کہ وہ مسلمان پر طعنہ زنی کرنے کی برائی اور مومن کو محض وہم و خیال کی بنا پر مردود کہنے اور مسلمان کی تکفیر کی قباحت اور تعصب اور تشدد سے اسے گمراہ قرار دینے کی خرابی سے آگاہ ہو جائیں۔ یہ لوگ اس کا کیا علاج کریں گے، کیونکہ وہ شخص کافر اور گمراہ قرار دینے کے قابل نہ ہوا تو پھر وہ کفر اور گمراہی کہنے والوں کی طرف لوٹ آئے گی اور کفر کی تہمت، تہمت زدہ سے

لوٹ کر کافر کہنے والے کی جانب آجائے گی، جیسا کہ حدیث نبوی علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام میں آیا ہے۔^(۱) رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا دُنُوبَنَا وَاسْرِفْنَا فِيْ أَمْرِنَا وَتَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ. (سورۃ آل عمران، ۱۷۷)

یعنی: اے ہمارے پروردگار! ہمارے گناہ اور زیادتیاں جو ہم اپنے کاموں میں کرتے رہے ہیں، معاف فرما اور ہم کو ثابت قدم رکھ اور کافروں پر فتح عنایت فرما۔

اب ہم اصل بات کی طرف آتے ہیں اور دوسری شق کو بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر اس صاحبِ حال کے بارے میں طعنہ زنی کرنے والے یہ اعتقاد نہیں رکھتے اور اس کا معاملہ کفر تک نہیں پہنچاتے تو بھی وہ دو حالتوں سے باہر نہیں ہیں۔ اگر وہ اس کے واقعہ (کشف) کو جھوٹ اور بہتان پر محمول کرتے ہیں تو یہ خود ایک مسلمان کے بارے میں بدگمانی ہے جو شریعت میں منع ہے اور اگر یہ (لوگ) اس کو جھوٹا نہیں سمجھتے اور شرکت اور برابری کا معتقد خیال نہیں کرتے تو پھر طعن اور ملامت کی وجہ کیا ہے اور اس کو بُرا بھلا کہنا اور ملامت کرنا کس لیے ہے؟ سچے واقعہ (کشف) کو اچھے معنوں پر محمول کرنا چاہیے، نہ یہ کہ سچے واقعہ (کشف) کے مالک کو بُرا اور بھلا فرمایا جائے۔

اگر (یہ) لوگ کہیں کہ اس قسم کا شور اُبھارنے والے حال کے اظہار کی کیا وجہ ہے؟ تو ہم کہیں گے کہ اس قسم کے احوال کا اظہار مشائخ طریقت سے بہت ہوا ہے اور ان کی دائمی عادت بن گیا ہے۔ لَيْسَ أَوَّلَ قَارُورَةٍ كُسِرَتْ فِي الْإِسْلَامِ. (یعنی: یہ پہلا شیشہ نہیں جو اسلام میں توڑا گیا ہے۔)

یہ سچی نیت کے بغیر اور سچے ارادہ کے بغیر نہ ہوگا۔ کبھی تو یوں ہے کہ اس طرح کے اظہار کے لکھنے کا مقصد اپنے شیخ طریقت کو اس قسم کے وہمی احوال پیش کرنا ہوتا ہے، تاکہ وہ حال کی درستی اور غلطی کو بیان کرے اور اس کی تعبیر اور تاویل سے اطلاع بخشنے اور کبھی اس طرح لکھنے سے مقصود طالبین اور شاگردوں میں رغبت اور خواہش پیدا کرنا ہوتا ہے اور کبھی یہ ہوتا ہے کہ اس سے اس کا مقصود نہ یہ ہوتا اور نہ وہ ہوتا ہے، بلکہ وہ محض سکر و حال کے غلبے سے ایسی گفتگو کرتا ہے، تاکہ چند سانس لے سکے اور پھر نفس کی اصلاح کرے۔ وہ شخص جھوٹا مدعی ہے جس کا مقصود اس قسم کے احوال کے اظہار سے شہرت اور خلقت میں مقبول بننا ہو۔ یہ احوال اس کے لیے وبال اور استدراج ہیں جن میں اس کی خرابی شامل ہے۔ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ. (سورۃ آل عمران، ۸)

یعنی: اے ہمارے پروردگار! جب تو نے ہمیں ہدایت بخشی ہے تو اس کے بعد ہمارے دلوں میں کجی نہ پیدا کرنا اور ہمیں اپنے ہاں سے نعمت عطا فرما، تو تو بڑا عطا فرمانے والا ہے۔

وَمَا أُبْرِئِيْ نَفْسِيْ جَإِنَّ النَّفْسَ لَا مَارَءًا بِالسَّوْءِ إِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّيْ ط إِنَّ رَبِّيْ غَفُورٌ رَّحِيمٌ. (سورۃ یوسف، ۵۳)

یعنی: اور میں اپنے آپ کو پاک صاف نہیں کہتا، کیونکہ نفس اتنا رہ (انسان) کو برائی ہی سکھاتا ہے، مگر یہ کہ میرا پروردگار رحم کرے۔ بیشک میرا پروردگار بخشنے والا مہربان ہے۔

(سوال:) نیز آپ نے پوچھا تھا کہ کیا سبب ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات اور اولیاء علیہم الرضوان دنیا میں بلاؤں اور مصیبتوں میں رہتے ہیں اور بیشتر مصائب اور مشکلات میں گرفتار رہتے ہیں، جیسا کہ کہا گیا ہے: إِنَّ أَشَدَّ النَّاسِ

بَلَاءَ الْأَنْبِيَاءِ ثُمَّ الْأَوْلِيَاءِ ثُمَّ الْأَمْثَلُ فَالْأَمْثَلُ. ^(۲) یعنی: بیشک لوگوں میں زیادہ سخت بلائیں انبیاء پر آتی ہیں، پھر اولیاء پر، پھر ان لوگوں پر جو اچھے ہوں، پھر درجہ بدرجہ نیک لوگوں پر۔

حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ اپنی کتاب مجید میں فرماتا ہے: وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ. (سورۃ شوریٰ، ۳۰) یعنی: اور جو مصیبت تم پر واقع ہوتی ہے سو تمہارے اپنے فعلوں سے ہے۔

اس آیت کریمہ سے مفہوم ہوتا ہے کہ جو شخص زیادہ گناہ کرتا ہے، اس پر زیادہ مصیبتیں آتی ہیں۔ سو چاہیے کہ انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کے علاوہ اور اولیاء علیہم الرضوان کے سوا دوسرے لوگ سخت بلاؤں اور مصیبتوں میں گرفتار ہوں، نہ یہ کہ پہلے انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات اور پھر اولیاء (علیہم الرضوان)۔

نیز اسی طرح یہ بزرگوار علیہم الصلوٰات والتسلیمات اصالت اور تبعیت کے لحاظ سے حق جل و علا کے محبوب ہیں اور حق تعالیٰ کے خاص مقربین میں سے ہیں۔ محبوبوں اور خواص مقربین کو بلاؤں اور مشکلات کے حوالے کرنا کس لیے ہے؟ اور ان کو دکھ دینا کس وجہ سے درست ہے؟ دشمن ناز و نعم میں اور دوست بلاؤں اور مشکلات میں کیوں رہتے ہیں؟

(جواب:) اللہ تعالیٰ آپ کو سعادت مند بنائے اور سیدھے راستے کی طرف ہدایت بخشے۔ جان لیں کہ دنیا نعمتوں اور لذتوں کی جگہ نہیں ہے۔ آخرت ہے جو نعمتوں اور لذتوں کے لیے تیار ہوئی ہے۔ چونکہ دنیا اور آخرت ایک دوسرے کے ساتھ سوکن اور ضد کی نسبت رکھتی ہیں اور ایک کی رضا دوسری کی ناراضگی کو لازم کرتی ہے، لہذا ایک میں لذت پانا اور دوسری میں دکھ اٹھانا لازم ہوا۔ پس جو شخص دنیا میں زیادہ لذت و نعمت پاتا ہے، وہ آخرت میں زیادہ دکھی اور شرمندہ ہوگا اور اسی طرح جو دنیا میں بلاؤں اور مشکلات میں مبتلا ہوگا وہ آخرت میں نعمتوں اور لذتوں سے بہت زیادہ لطف اندوز اور مسرور ہوگا۔ کاش دنیا کی بقا کو آخرت کی بقا کے ساتھ اتنی نسبت ہوتی جتنی ایک قطرہ کو دریائے محیط کے ساتھ ہے۔ ہاں! متناہی (انتہا کو پہنچنے والے) کی لا متناہی (جس کی کوئی انتہا نہ ہو) کے ساتھ کیا نسبت ہو سکتی ہے۔ پس اس نے لازمی طور پر اپنے کرم کے تقاضا سے دوستوں کو اس دنیا میں چند روز کی مشکل میں گرفتار رکھنا چاہا، تاکہ وہ ابدی نعمتوں سے حصہ اور سرور حاصل کریں اور دشمنوں کو مکر اور استدراج کے موجب قلیل لذتوں سے بہرہ ور بنانا چاہا، تاکہ وہ بہت زیادہ دکھوں میں گرفتار رہیں۔

سوال: کافر فقیر جو دنیا و آخرت میں محروم ہے، اس کا دنیا میں دکھ اٹھانا آخرت میں لذت پانے کا موجب نہ ہوا۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

(جواب:) ہم کہتے ہیں کہ کافر اللہ جل سلطانہ کا دشمن اور دائمی عذاب کا حقدار ہے۔ دنیا میں اس سے عذاب کو دور رکھنا اور اسے اس کے حال پر چھوڑ دینا، اس کے حق میں عین نعمت اور لذت ہے اور سر اسرا احسان ہے، لہذا دنیا کی صورت میں کافر کے حق میں جنت کا اطلاق کیا گیا۔ مختصر یہ کہ بعض کافروں سے دنیا کا عذاب بھی دور کر دیا جاتا ہے اور دوسری لذتیں بھی بخش دی جاتی ہیں۔ اور بعض دوسروں سے عذاب دور کر دیا جاتا ہے، لیکن دوسری لذتوں سے (ان کو) کچھ نہیں دیتے، بلکہ فرصت کی لذت اور عذاب کی دوری پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔ لِکُلِّ ذَلِکَ حِکْمٌ وَ مَصَالِحٌ۔

یعنی: ان سب کے لیے کوئی نہ کوئی حکمت اور مصلحت ہے۔

سوال: حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور طاقت رکھتا ہے کہ دوستوں کو دنیا میں بھی لذتیں بخشے اور آخرت میں نعمتیں بھی کرامت فرمائے اور ان کے حق میں ایک میں لذت اٹھانا دوسری میں دکھ اٹھانے کو لازم نہ کرے؟

جواب: اس کے کئی جواب ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ اگر دنیا میں چند روز کی بلاؤں اور مشکلات سے دوچار نہ ہوتے تو وہ آخرت کی ابدی لذتوں اور نعمتوں کی قدر و قیمت کو نہ پہچانتے اور صحت و عافیت کی دائمی نعمت کو کما حقہ درک نہ کرتے۔ جی ہاں! جب تک آدمی بھوکا نہ رہے، کھانے کی لذت نہیں پاتا اور جب تک مبتلا نہ ہو اُس وقت تک فرصت کی قدر نہیں سمجھتا۔ پس ان کے وقتی طور پر دکھ اٹھانے سے مقصود یہ ہے کہ ان کو دائمی کامل لذتیں حاصل ہوں۔ یہ ایک جمال ہے جو عوام کی آزمائش کرنے کے لیے ان بزرگواروں کے حق میں جلال کی صورت میں ظاہر ہوا ہے۔ **يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا لَا يَهْدِي بِهِ كَثِيرًا**۔ (سورۃ بقرہ، ۲۶) یعنی: اس سے (اللہ) بہتوں کو گمراہ کرتا ہے اور بہتوں کو ہدایت بخشتا ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ بلائیں اور مشکلات اگرچہ عوام کے نزدیک دکھ کے اسباب ہیں، لیکن ان بزرگواروں کے ہاں جو کچھ جمیل مطلق (اللہ) جل شانہ سے پہنچتا ہے، وہ ان کے لیے لذتیں اٹھانے کے اسباب ہیں۔ وہ بلاؤں سے وہی لذت حاصل کرتے ہیں جو نعمتوں سے کی جاتی ہیں، بلکہ وہ بلاؤں سے زیادہ لطف اندوز ہوتے ہیں، کیونکہ (یہ) محبوب کی خالص مراد ہے اور نعمتوں میں یہ خلوص نہیں ہے، کیونکہ نفس بھی نعمتوں کا چاہنے والا ہے اور بلاؤں سے بھاگنے والا ہے۔ پس ان اکابر کے نزد بلا نعمت سے بہتر ہے اور وہ نعمت سے زیادہ بلا سے لذت اٹھاتے ہیں۔ انہیں دنیا میں جو لطف حاصل ہے، وہ (صرف) بلاؤں اور مصیبتوں ہی سے (آتا) ہے۔ اگر دنیا یہ نمک نہ رکھتی تو ان کے ہاں اس کی قیمت ایک جو کے برابر نہ ہوتی اور اگر یہ لذت اس میں نہ ہوتی تو ان کی نظر میں بے فائدہ دکھائی دیتی:

غرض از عشق توام چاشنی درد و غم است ورنہ در زیر فلک اسباب تنعم چم است
یعنی: تیرے عشق سے مجھے درد و غم کی لذت چاہیے، ورنہ آسمان کے نیچے نعمتوں کی کیا کمی ہے۔

سوقِ تعالیٰ کے دوست دنیا میں لطف اندوز ہو رہے ہیں اور آخرت میں بھی بہرہ مند اور مسرور ہوں گے اور ان کا یہ دنیا میں لذت اٹھانا، ان کے آخرت میں لطف اندوز ہونے کے مخالف نہیں ہے۔ وہ دوسری لذت ہے جو آخرت کی لطف اندوزی کے خلاف ہے جو عوام کو حاصل ہے۔ الہی! یہ کیا (معاملہ) ہے جو تُو نے اپنے دوستوں کے ساتھ کیا ہے کہ جو چیز دوسروں کے لیے دکھ کا سبب ہے، وہ ان کے لیے لذت اٹھانے کا ذریعہ ہے اور جو کچھ دوسروں کے لیے زحمت ہے، وہ ان بزرگواروں کے لیے رحمت ہے۔ دوسروں کی نعمت میں بھی ان کی نعمت ہے۔ لوگ خوشی میں خوش ہیں اور غمی میں غمگین ہیں اور یہ بزرگوار خوشی میں بھی خوش ہیں اور غم میں بھی مسرور ہیں، کیونکہ ان کی نگاہ سب افعال کی اچھائی اور برائی سے اٹھ کر ان کے فاعل (حقیقی) کے جمال پر ٹک گئی ہے جو جمیل مطلق ہے اور فاعل کی محبت میں افعال بھی محبوب ہو گئے اور (انہوں نے ان کو) لذتیں بخشی ہیں۔ عالم میں جو کچھ فاعل جمیل جل سلطانہ کی مراد سے صادر ہو، اگرچہ ان کے دکھوں اور نقصانوں کی شکل میں ہو، وہ سب ان کی عین مراد اور محبوب ہے۔ الہی! ان کی لذتوں کا یہ سبب کیسا فضل و کرامت ہے کہ تو نے اس طرح کی مخفی دولت اور خوشگوار نعمت غیروں کی نظروں سے چھپا کر اپنے دوستوں کو عطا فرمائی ہے اور ان کو ہمیشہ اپنی مراد پر قائم رکھ کر بہرہ مند اور لطف اندوز

بنایا ہے اور جو کراہت اور دکھ دوسروں کو نصیب ہے تو نے وہ ان بزرگواروں سے دور کر دیا ہے اور وہ تنگ و رسوائی جو دوسروں کے لیے عیب ہے تو نے اس کو اس بلند گروہ (دوستوں) کا جمال و کمال بنا دیا ہے اور عین نامرادی میں ان کی مراد امانت رکھ دی ہے اور تو نے دنیا (کے دکھوں اور بلاؤں) سے ان کے یوں لذت اٹھانے اور مسرور ہونے کو دوسروں کے برعکس ان کے لیے آخرت کی ترقیوں اور لطف اندوزیوں کا سبب بنا دیا ہے۔ ذَلِکَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ ط وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ. (سورۃ حدید، ۲۱) یعنی: یہ اللہ کا فضل ہے، جسے چاہے عطا فرمائے، اور اللہ بڑے فضل کا مالک ہے۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ دنیا امتحان کی جگہ ہے، جس میں حق باطل کے ساتھ ملا ہوا ہے اور حق پر ہونے والا باطل پر ہونے والے کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ اگر دوستوں کو مشکل اور مصیبت نہ دیں اور دشمنوں کو دیں تو پھر دوست دشمن سے ممتاز ہو جاتا ہے اور اختیار اور آزمائش کی حکمت باطل ہو جاتی ہے اور یہ غیب پر ایمان کے منافی ہے جس میں دنیا و آخرت کی سعادتیں رکھی ہوئی ہیں۔ ان آیات میں اس معنی کی جانب اشارہ ہے:

✦ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ. (سورۃ بقرہ، ۳) یعنی: جو لوگ غیب پر ایمان لاتے ہیں۔

✦ وَلَيَعْلَمَ اللَّهُ مَنْ يَنْصُرُهُ وَرُسُلَهُ بِالْغَيْبِ إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ. (سورۃ حدید، ۲۵)

یعنی: اور اس لیے کہ جو لوگ بن دیکھے اللہ اور اُس کے پیغمبروں کی مدد کرتے ہیں، اللہ ان کو معلوم کر لے۔ بیشک اللہ تعالیٰ زبردست طاقتور ہے۔

پس اس نے دشمنوں کی آنکھ میں خاک ڈال کر دوستوں کو بھی مشکلات اور بلاؤں کی صورت میں مبتلا کیا ہے، تاکہ مصیبت و آزمائش کی حکمت پوری ہو جائے اور دوست عین بلا میں لطف اندوز ہوں اور باطن کے اندھے دشمن بے بہرہ اور نقصان اٹھانے والے رہیں۔ يَضِلُّ بِهِ كَثِيرٌ لَا يَهْدِي بِهِ كَثِيرٌ ا. (سورۃ بقرہ، ۲۶)

یعنی: اس سے (اللہ) بہتوں کو گمراہ کرتا ہے اور بہتوں کو ہدایت بخشتا ہے۔

انبیاء علیہم الصلوٰت والتسلیمات کا معاملہ کافروں کے ساتھ یہی رہا ہے کہ کبھی اس جانب کو غلبہ رہا ہے اور کبھی اس طرف کو۔ جنگ بدر میں اہل اسلام کو فتح ہوئی ہے اور جنگ احد میں اہل کفر نے غلبہ پالیا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے: اِنَّ يَمْسَسُكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهُ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ وَلَيَعْلَمَ اللَّهُ الَّذِينَ اٰمَنُوا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَاءَ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ. وَلَيُمَحِّصَ اللَّهُ الَّذِينَ اٰمَنُوا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِينَ. (سورۃ آل عمران، ۱۶۰-۱۶۱) یعنی: اگر تمہیں زخم (شکست) لگا ہے تو اُن لوگوں کو بھی ایسا ہی زخم لگ چکا ہے اور یہ دن ہیں کہ ہم ان کو لوگوں میں بدلتے رہتے ہیں اور اس سے یہ بھی مقصود تھا کہ اللہ ایمان والوں کو خالص (مومن) بنادے اور کافروں کو نابود کر دے۔ انصافوں کو پسند نہیں کرتا اور یہ بھی مقصود تھا کہ اللہ ایمان والوں کو خالص (مومن) بنادے اور کافروں کو نابود کر دے۔

چوتھا جواب یہ ہے کہ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ اگرچہ سب پر قادر ہے اور طاقت رکھتا ہے کہ وہ دوستوں کو یہاں دنیا میں بھی ناز و نعمت کراست فرمائے اور وہاں بھی۔ لیکن یہ چیز اس کی حکمت و عادت کے خلاف ہے اور حق سبحانہ و تعالیٰ دوست رکھتا ہے کہ وہ اپنی قدرت کو حکمت و عادت کے تحت پوشیدہ رکھے اور اسباب و علل کو اپنی جناب پاک کا پردہ بنائے۔ پس دنیا و

آخرت کے ایک دوسرے کی ضد ہونے کی وجہ سے دوستوں کو دنیا کی مشکلات اور بلاؤں کے سوا چارہ نہیں ہے، تاکہ آخرت کی نعمتیں ان کو پسند اور گوارا ہوں۔ اس معنی کا اشارہ پہلے والے اصل سوال کے جواب میں گزر چکا ہے۔

اب ہم اصل بات کی طرف آتے ہیں اور اصل سوال کے جواب کے اختتام کا بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بلاؤں اور مصیبتوں کے وارد ہونے کا سبب اگرچہ گناہوں اور برائیوں کا کرنا ہے، لیکن یہ بلا اور مصیبت درحقیقت ان برائیوں کا کفارہ ہے اور ان گناہوں کی تارکیوں کو دور کرنے والی ہے۔ پس کرم یہ ہے کہ دوستوں کو زیادہ بلا اور مشکل عطا کریں، تاکہ وہ ان کی برائیوں کا کفارہ کر دے اور ان کے گناہوں کے اندھیروں کو دور فرمائے۔ دوستوں کی برائیوں اور گناہوں کو دشمنوں کی برائیوں اور گناہوں کی مانند تصور نہ کریں۔ آپ نے سنا ہوگا کہ: حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَبِّحَاتُ الْمُقَرَّبِينَ۔^(۳)

یعنی: نیکو کاروں کی نیکیاں مقربین کے لیے گناہ ہیں۔

اگر ان سے گناہ اور نافرمانی صادر ہوتی ہے تو یہ دوسروں کے گناہ اور نافرمانی کی طرح نہیں ہوگی۔ ہو سکتا ہے کہ یہ سہو اور نسیان کی قسم سے ہو اور عزم و ارادے سے دور ہو۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَلَقَدْ عَهِدْنَا اِلَى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا۔ (سورۃ طہ، ۱۱۵)

یعنی: اور ہم نے پہلے آدم سے عہد لیا تھا، مگر وہ (اسے) بھول گئے اور ہم نے ان میں صبر و ثبات نہ دیکھا۔

اس طرح بلاؤں اور مصیبتوں کا کثرت کے ساتھ وارد ہونا برائیوں کے زیادہ کفارہ ہونے پر دلالت کرتا ہے، نہ کہ زیادہ برائیاں کرنے پر۔ دوستوں کو زیادہ بلا عطا فرماتے ہیں، تاکہ ان کے گناہوں کا کفارہ کر کے ان کو پاک و پاکیزہ کر کے (دنیا سے) لے جائیں اور ان کو آخرت کی سختیوں سے محفوظ رکھیں۔

منقول ہے کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی سکراتِ موت کے وقت اور آنسور علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی بے آرامی اور بیقراری کے دوران حضرت (سیدہ) فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کمالِ شفقت و مہربانی، جو آپ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے رکھتی تھیں اور آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے بھی حضرت زہرا (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے بارے میں فرمایا تھا کہ: الْفَاطِمَةُ بِضْعَةٌ مِنِّي^(۴) (یعنی: فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے) کی وجہ سے بڑی بے آرام اور بیقرار تھیں۔ جب آنسور علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے اس وقت حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی مسلسل بیقراری اور بے چینی مشاہدہ فرمائی تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے حضرت زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تسلی کے لیے فرمایا: ”آپ کے باپ کے لیے صرف یہی ایک تکلیف ہے۔ اس کے بعد کوئی تکلیف نہیں آئے گی۔“ کیسی دولت ہے کہ سخت ترین اور دائمی عذاب چند روز کی تکلیف کے عوض دور ہو جائے۔ صرف دوستوں کے ساتھ یہ معاملہ کرتے ہیں اور دوسروں کے ساتھ یہ معاملہ نہیں کرتے اور ان کے گناہوں کا کفارہ کما حقہ یہاں (دنیا میں) نہیں فرماتے، بلکہ ان کی جزاؤں کو آخرت پر ڈال دیتے ہیں۔

پس ناچار دوست دنیاوی بلاؤں کی کثرت سے وارد ہونے کے زیادہ حقدار ہیں اور دوسرے اس دولت کے لائق نہیں ہیں، کیونکہ ان کے گناہ کبیرہ ہیں اور وہ التجا و زاری اور استغفار و عاجزی سے بہت کم حصہ رکھتے ہیں اور گناہوں کے کرنے پر دلیر ہیں اور عزم اور کوشش سے گناہوں کو کر رہے ہیں اور بغاوت سے بھی خالی نہیں اور قریب ہے کہ اللہ جل شانہ کی آیات کا

مذاق اڑائیں اور انکار کریں اور جزا جرم کے مطابق ہے۔ اگر جرم ہلکا ہے (اور) جرم کرنے والا (بارگاہِ الہی میں) التجا اور زاری کرتا ہے تو وہ جرم دنیا کی بلا سے قابلِ کفارہ ہے اور اگر جرم غلیظ و سخت اور بھاری ہے اور اس جرم کے کرنے والا سرکش اور متکبر ہے تو پھر یہ جرم آخرت کی جزا کے لائق ہے جو زیادہ سخت اور ابدی ہے۔ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللَّهُ وَلَكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ. (سورۃ نحل، ۳۳) یعنی: اور اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا، بلکہ وہ خود اپنے آپ پر ظلم کرتے تھے۔

آپ نے لکھا تھا کہ لوگ مذاق اور ہنسی اڑاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ اپنے دوستوں کو تکلیف اور مصیبت میں کیوں مبتلا کرتا ہے اور ان کو ہمیشہ ناز و نعمت میں کیوں رکھتا اور گفتگو سے اس جماعت (صوفیہ) کی نفی کرنا چاہتے ہیں۔

(جواب:) کا فر بھی آنسو و رعلیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں اس قسم کی باتیں کرتے تھے: وَقَالُوا مَالِ هَذَا الرَّسُولِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمَشِي فِي الْأَسْوَاقِ طَلُولًا أَنْزَلَ إِلَيْهِ الْمَلَكُ فَيَكُونُ مَعَهُ نَذِيرًا. أَوْ يُلْقَىٰ إِلَيْهِ كَنْزٌ أَوْ تَكُونُ لَهُ جَنَّةٌ يَأْكُلُ مِنْهَا. (سورۃ فرقان، ۷-۸) یعنی: اور کہتے ہیں یہ کیسا رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہے کہ کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔ کیوں نہیں کیا گیا اس کے پاس کوئی فرشتہ کہ اس کے ساتھ ہدایت کرنے کو رہتا، یا اس کی طرف (آسمان سے) خزانہ اتارا جاتا، یا اس کا کوئی باغ ہوتا کہ اس سے کھایا کرتا۔

اس طرح کی باتوں کا مدار آخرت کے انکار پر ہے اور دائمی عذاب و ثواب کا انکار ہے۔ نیز اس کا مدار دنیا کی فانی لذتوں کے شمار و اعتبار اور توجہ پر ہے۔ جو آدمی آخرت پر ایمان رکھتا ہے اور آخرت کے عذاب و ثواب کو دائمی سمجھتا ہے، دنیا کی چند روزہ بلا اور تکلیف اس کی نظر میں ہیچ نظر آتی ہے، بلکہ وہ اس وقتی تکلیف کو، جو کہ ابدی راحت کا سبب ہے، عین راحت تصور کرتا ہے اور لوگوں کی بات پر نہیں جاتا۔ بلا اور تکلیف کا ورد و محبت کا گواہ عادل ہے۔ باطن کے اندھے اگر (اسے) محبت کے منافی تصور کریں تو کیا کیا جاسکتا ہے؟ جاہلوں اور ان کی باتوں سے منہ موڑ لینے کے سوا کوئی علاج نہیں ہے۔

فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيلًا. (سورۃ معراج، ۵) یعنی: سو صبر کریں، بہت اچھا صبر۔

اصل سوال کا دوسرا جواب یہ ہے کہ بلا محبوب کا کوڑا ہے، جس سے وہ محبت کو اپنے محبوب کے ماسویٰ سے منع کر کے مکمل طور پر محبوب کی جناب پاک کی جانب متوجہ کرتا ہے۔ پس دوستوں کے لائق درد اور بلا ہیں اور یہ بلا اس برائی کے کسب کا کفارہ ہے جو وہ ماسویٰ کی طرف متوجہ رہے۔ دوسرے لوگ اس دولت کے لائق نہیں اور ان کو زور سے محبوب کی جانب کیوں لائیں؟ پس جس کو چاہتے ہیں، اسے زور اور مار سے محبوب کی طرف لے آتے ہیں اور اس کو محبوبیت کے درجے پر فائز فرماتے ہیں اور جس کو نہیں چاہتے اُس کو اُس کے حال پر چھوڑ دیتے ہیں۔ اگر وہ سعادت ابدی رکھتا ہے تو انابت (توبہ) کے راستے پر ہاتھ پاؤں مار کر فضل و عنایت کی مدد سے مقصد تک پہنچ جائے گا، ورنہ وہ جانے اور اس کا کام!

اللَّهُمَّ لَا تَكِلْنِي إِلَىٰ نَفْسِي طَرْفَةَ عَيْنٍ. (۵) یعنی: اے اللہ! مجھے آنکھ جھپکنے کی دیر بھی اپنے نفس کے حوالے نہ کر۔ پس معلوم ہوا کہ مرادوں کو مریدوں سے زیادہ بلا کے لیے نامزد کیا جاتا ہے، لہذا آنسو و رعلیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام، جو مرادوں اور محبوبوں کے سردار ہیں، نے فرمایا ہے: مَا أُودِي نَبِيٌّ مَا أُودِيْتُ. (۶)

یعنی: کسی نبی کو اتنی ایذا نہیں دی گئی جتنی مجھے دی گئی ہے۔

پس بلا نے اس دلالہ (رہنما) کے معنی پیدا کر لیے ہیں جو اپنے حسن دلالت سے دوست کو دوست تک پہنچاتی ہے اور دوست کے غیر کی طرف متوجہ ہونے سے پاک بنا ڈالتی ہے۔ عجیب معاملہ ہے کہ دوست اگر کروڑوں پاتے ہیں تو وہ دے کر بلا کو خرید لیتے ہیں اور دوسرے کروڑوں دیتے ہیں اور اس بلا کو دفع کرنا چاہتے ہیں۔

سوال: کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ بلا کے ورود کے وقت دوستوں سے بھی پریشانی اور کراہت مفہوم ہوتی ہے، اس کی کیا

وجہ ہے؟

جواب: یہ کراہت اور پریشانی ظاہری ہے اور بشری فطرت کے تقاضا سے ہے، جس کے باقی رکھنے میں کئی حکمتیں اور مصلحتیں ہیں، کیونکہ اس کے بغیر نفس کے ساتھ جہاد اور دشمنی متصور نہیں ہے۔ آپ نے سنا ہوگا کہ جو بے قراری اور بے چینی دین و دنیا کے آنسو و رعلیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام سے سکرات موت کے وقت ظاہر ہو رہی تھی اور وہ نفس کے ساتھ جہاد کا باقی ماندہ حصہ تھی، تاکہ خاتم الرسل علیہ وسلم الصلوٰۃ والتحیات کا خاتمہ اللہ کے دشمنوں کے ساتھ جہاد پر ثابت ہو جائے اور مجاہدت کی شدت اس بات پر دلالت کرتی ہے، تاکہ صفات بشری کا مواد الگ ہو جائے اور نفس کو اطاعت کے کمال میں لا کر اطمینان کی حقیقت تک پہنچا دیں اور پاک و پاکیزہ کر دیں۔ اس طرح بلا بازارِ محبت کی دلالہ (رہنما) ہوئی اور جو شخص محبت نہیں رکھتا، اس کو دلالہ سے کیا کام ہے؟ اور دلالہ لگی اس کے کس کام آئے گی؟ اور اس کے نزدیک کیا قدر و قیمت رکھے گی؟

بلا کے ورود کی دوسری وجہ یہ ہے کہ سچے محب اور جھوٹے مدعی کے درمیان فرق ظاہر ہو جائے۔ کیونکہ اگر وہ سچا ہے تو بلا کے ورود سے لطف اندوز اور محفوظ ہوگا اور اگر مدعی ہے تو بلا سے اسے کراہت اور درد نصیب ہے اور اس فرق سے صرف وہی شخص ہدایت پاسکتا ہے جس کے اندر سچائی کا شائبہ ہو، تاکہ وہ کراہت و درد کی حقیقت کو کراہت و درد کی صورت سے الگ کر سکے اور صفات بشری کی حقیقت کو صفات بشری کی صورت سے علیحدہ کر سکے۔ اسی بیان کی طرف اشارہ ہے کہ:

الْوَلِيُّ يُعْرِفُ الْوَلِيَّ. یعنی: ولی کو ولی ہی پہچانتا ہے۔

وَاللَّهُ سُبْحَانَهُ الْهَادِي إِلَى سَبِيلِ الرَّشَادِ. یعنی: اور اللہ سبحانہ ہی سیدھے راستے کی جانب ہدایت بخشنے والا ہے۔

نیز اسی طرح آپ نے پوچھا تھا کہ عدم کو محض لاشے کہا گیا ہے۔ پس اس کا وجود نہیں ہے اور جب وجود نہیں رکھتا تو پھر اس وجود کے ساتھ جو ذہن میں پیدا ہوا ہو، اس کے آثار اور ترقیاں کیسے ہوں گی، اور اگر ہیں تو وہ ذہنی ہوں گی اور اگر ذہنی ہیں تو پھر وہ خیال کے دائرے سے کس طرح باہر نکل سکتی ہیں؟

جاننا چاہیے کہ عدم اگر چہ لاشے ہے، لیکن یہ سب کارخانہ اس سے قائم ہے اور چیزوں کی تفصیل اور کثرت کا منشاء اسی کی آئینہ داری ہے اور اسمائے الہی جل سلطانہ کی علمیہ صورتیں، جنہوں نے عدم کے آئینے میں منعکس ہو کر اس کو ممتاز کیا ہے اور علمی ثبوت بخشنا ہے، لازمی طور پر انہوں نے اس کو لاشے محض سے باہر نکال دیا ہے اور آثار و احکام کا منشاء بنا دیا ہے اور یہ آثار و احکام خانہ علم کے باہر بھی موجود ہیں اور حس و وہم کے مرتبہ میں بھی ثابت ہیں اور جب انہوں نے اللہ جل شانہ کی کاریگری کے استحکام سے اس مرتبہ میں ثبات و قرار پیدا کر لیا ہے اور حس و وہم کے زوال سے بھی دور نہیں ہوتے تو پھر کہا جاسکتا ہے کہ یہ

آثار و احکام خارجی ہیں۔ آپ عدم کی ترقیوں سے تعجب کیوں کرتے ہیں؟ کائنات کی یہ سب شان و شوکت عدم پر مبنی ہے۔ آپ اللہ جل شانہ کی قدرت کے کمال کا مشاہدہ کریں جس نے عدم سے اس سب کا رخانہ کو پھیلادیا ہے اور وجود کے کمالات کو اس کے تضادات سے ظاہر فرمایا ہے۔ اس کی ترقی کا راستہ کامل طور پر واضح ہے کہ اسمائے واجبی جل سلطانہ کی علمیہ صورتیں اس کے حجرہ میں متمکن ہیں اور اس کے ساتھ ہم بستر ہیں اور اس کی آغوش میں ہیں اور صورتوں سے حقیقت کی جانب اور ظلال سے اصل کی طرف کھلی شاہراہ واقع ہے۔ وہ شخص باطن کا اندھا ہے جو اس کا احساس نہ کرے۔

إِنَّ هَذِهِ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا. (سورۃ مزمل، ۱۹)

یعنی: یہ (قرآن) تو نصیحت ہے۔ سو جو چاہے اپنے پروردگار تک (پہنچنے کا) راستہ اختیار کر لے۔

ذہن اور خیال کا لفظ آپ کو غلطی میں نہ ڈال دے اور آثار اور ترقیوں کو آپ کی نظر میں دشوار نہ کر دے، کیونکہ جو معاملہ بھی ہے وہ علم و خیال سے باہر نہیں ہے۔ مختصر یہ کہ خیال سے خیال تک بڑا فرق ہے۔ مرتبہ خیال میں پیدا ہونا اور چیز ہے اور وہم و خیال میں ایجاد ہونا دوسری شے ہے۔ پہلی چیز نفس الامری ہے اور کہا جاسکتا ہے کہ وہ موجود خارجی بھی ہے اور دوسری شے اس دولت سے کم نصیب رکھتی ہے اور اس ثبات و قرار سے کم نفع حاصل کرتی ہے۔ (فقیر نے) عدم کے ہنروں میں سے بعض کو علیحدہ معرفت میں لکھا ہے اور اس کی نقل میر محبت اللہ لے گئے ہیں۔ اگر آپ ذوق رکھتے ہوں تو اس کو ملاحظہ کر لیں۔

نیز آپ نے فنا و بقا کے بارے میں پوچھا تھا۔ اس فقیر نے اس کلمہ کے معنی اپنی کتابوں اور رسائل میں بہت جگہ لکھے ہیں۔ اس کے باوجود اگر اس میں کوئی پوشیدگی ہو تو اس کا علاج حاضر ہونا اور سامنے آ کر گفتگو کرنا ہے۔ تمام حقیقت لکھنے میں نہیں آسکتی اور اگر آ بھی جائے تو اس کا اظہار کرنا مصلحت سے دور نظر آتا ہے کہ کوئی کیا سمجھے گا اور کیا جانے گا۔ فنا و بقا شہودی ہے، وجودی نہیں ہے، کیونکہ بندہ نابود نہیں ہوتا اور حق تعالیٰ کے ساتھ متحد نہیں ہوتا۔ وَالْعَبْدُ عَبْدٌ دَائِمًا وَالرَّبُّ رَبٌّ سَرْمَدًا. یعنی: اور بندہ ہمیشہ بندہ رہتا ہے اور رب ہمیشہ رب ہی ہے۔

وہ لوگ زندیق ہیں جو فنا و بقا کو وجود تصور کرتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ بندہ اپنے تعینات وجودی کو دور کر کے اپنی اصل سے جو کہ تعینات و قیود سے منزہ ہے، کے ساتھ متحد ہو جاتا ہے اور خود سے ناچیز ہو کر اپنے رب کے ساتھ بقا پیدا کر لیتا ہے، اس قطرے کی مانند جو خود سے فنا ہو کر دریا میں مل جاتا ہے اور اپنی قید کو دور کر کے مطلق سے متحد ہو جاتا ہے۔ اَعَاذَنَا اللَّهُ سُبْحَانَهُ عَنْ مُعْتَقَدَاتِهِمُ السُّوَاءِ. یعنی: اللہ سبحانہ ہمیں ان کے برے اعتقادات سے محفوظ فرمائے۔

فنا کی حقیقت سے مراد حق سبحانہ کے ماسویٰ کا نسیان ہے اور حق تعالیٰ کے غیر کے ساتھ گرفتار نہ ہونا اور سینہ کے میدان کو اپنی سب مرادوں اور خواہشات سے پاک کرنا ہے جو مقام بندگی کے مناسب ہے اور مقام بقا کے مناسب آیات انفسی کے شہود کے بعد بندے کا اپنے مولیٰ جل سلطانہ کی مرادوں پر قائم ہو جانا اور حق سبحانہ کی مرادوں کو عین اپنی مرادیں سمجھنا ہے۔

نیز اسی طرح آپ نے پوچھا تھا کہ جو سیر آپ نے نفس سے باہر لکھی ہے، وہ کونسی ہے؟ عالم خلق اور عالم امر کی سیر کے دس مرتبوں اور ہیئت وحدانی کی سیر کو آپ نے (سیر) انفس میں داخل کیا ہے تو پھر انفس سے بالاتر سیر کونسی ہے؟

(جواب:) جاننا چاہیے کہ انفس آفاق کی مانند اسمائے الہی جل سلطانہ کے ظلال ہیں اور جب ظل اللہ جل شانہ کے فضل

سے خود کو فراموش کر کے اپنے اصل کی جانب متوجہ ہوتا ہے اور اپنے اصل کے ساتھ محبت پیدا کرتا ہے تو لازمی طور پر بحکم ”الْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ“ (۷) (یعنی: آدمی اُس کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت کرتا ہے) خود کو بعینہ وہی اصل پائے گا اور اپنی اُن کو بھی اپنی اسی اصل پر ڈالے گا۔ اور اسی طرح چونکہ اس اصل کی ایک دوسری اصل ہے، لہذا اس اصل سے اس اصل تک جائے گا، بلکہ خود کو اس اصل کا عین پائے گا۔ یہی معاملہ چلتا رہے گا۔ یہاں تک کہ کتاب (اللہ کی لکھی ہوئی تحریر) اپنی مدت کو پہنچ جائے۔ یہ سیرِ آفاق و انفس سے بالاتر ہے۔ لیکن جاننا چاہیے کہ کچھ لوگوں نے سیرِ انفسی کو سیرِ فی اللہ کہا ہے۔ یہ سیر جو ابھی بیان ہوئی ہے، اس سیر کے علاوہ ہے، کیونکہ کہا گیا ہے کہ یہ سیر حصولی ہے اور وہ سیر وصولی ہے اور حصول و وصول کے درمیان فرق کو (فقیر نے) کئی مکتوبات میں تفصیل کے ساتھ لکھا ہے، آپ وہاں سے معلوم کر لیں۔

دوسرا یہ کہ آپ نے واجبِ جلِ سلطانہ کی ذات و صفات اور افعال کی اقربت کے بارے میں پوچھا تھا۔ اس کا بیان بھی حاضری کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ اس کا لکھنا بھی خلافِ مصلحت ہے اور اگر (فقیر) لکھے بھی تو مبہم ہے اور معلوم نہیں کہ سمجھ میں آسکے اور اگر حاضری کے دوران بھی سمجھ میں آجائے تو غنیمت ہے۔

اس کے علاوہ آپ نے مرتبہ نبوت کے کمالات کے بارے میں پوچھا تھا کہ فنا و بقا، تجلی اور تعین کا مبداء ہونا سب ولایت ثلاثہ کے کمالات کے مراتب میں ہیں اور کمالات نبوت کے مراتب میں سیر کس طرز پر ہے؟

جاننا چاہیے کہ عروج کے مراتب میں جس وقت تک (مراتب) ایک دوسرے سے جدا ہیں اور ایک اصل سے دوسری اصل کی طرف جاتے رہتے ہیں۔ یہ تمام کمالات دائرہ ولایت میں داخل ہیں اور جب یہ امتیاز ختم ہو جاتا ہے اور یہ تفصیل کم ہو جاتی ہے تو پھر معاملہ محض اجمال سے بساطتِ صرف تک جا پہنچتا ہے اور کمالات نبوت کا آغاز ہو جاتا ہے اور اس مرتبہ میں بھی اگرچہ وسعت ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ وَّاسِعٌ عَلِيمٌ۔ (سورۃ بقرہ، ۱۱۵) یعنی: بیشک اللہ صاحب وسعت اور باخبر ہے۔

لیکن یہ وسعت دوسری ہی وسعت ہے اور اگر تمیز ہے تو دوسری ہی تمیز ہے۔ (فقیر) اس سے زیادہ کیا لکھے اور کیا سمجھایا جائے۔ رَبَّنَا اٰتِنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّءْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا۔ (سورۃ کہف، ۱۰)

یعنی: اے ہمارے پروردگار! ہم پر اپنے ہاں سے رحمت نازل فرما اور ہمارے کام میں درستی (کے سامان) مہیا کر۔

آپ نے نماز کے بعض اسرار کے بارے میں پوچھا تھا۔ اس کا جواب دوسرے وقت پر ڈال دیا گیا ہے، کیونکہ اب وقت بہت تنگ ہے۔ زمانے اور اہل زمانہ سے چوری چوری کوئی چیز لکھی جاتی ہے۔ فقیر پر رحم کریں اور سوال دریافت کرنے پر دلیر نہ ہو جائیں۔ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَاَسْرَافَنَا فِيْ اَمْرِنَا وَتَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانصُرْنَا عَلٰی الْكٰفِرِيْنَ۔ (سورۃ آل عمران، ۱۴۷) یعنی: اے ہمارے پروردگار! ہمارے گناہ اور زیادتیاں جو ہم اپنے کاموں میں کرتے رہے ہیں، معاف فرما اور ہم کو ثابت قدم رکھ اور کافروں پر فتح عنایت فرما۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالْمِنَّةُ اَوَّلًا وَاٰخِرًا وَالصَّلٰوةُ وَالتَّحِيَّةُ عَلٰی رَسُوْلِهِ دَائِمًا وَسَرْمَدًا وَعَلٰی اٰلِهِ الْكَرَامِ وَصَحْبِهِ الْعِظَامِ اِلٰی يَوْمِ الْقِيَامِ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اَتْبَعَ الْهُدٰى وَالتَّزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ۔

مکتوباتِ امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ

(حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی قدس سرہ)

دفتر سوّم

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ.

اما بعد، یہ پاکیزہ کلمات اور بلند حروف، جن کا ہر نقطہ بیقرار دلوں کی پرکار کا مرکز ہے اور محبت ذاتیہ کی آگ پر غیروں کی بد نظری کے لیے خزل ہے اور حقائق کی دہنوں کے رخسار کو حسن بخشنے والا تیل ہے اور دقائق کے دور بینوں کی آنکھوں کی پتلی ہے۔ ان میں سے ہر ایک احدیت کے موجزن دریا کا ایک قیمتی موتی ہے، جسے ایک غوطہ زن کے باطن کے پاک تر لبے ہاتھ نے ساحل پر نکالا ہے اور وہ ہویت کے جنگل کے ہرن کی ناف کی ایک جان بخش تھیلی ہے، جس کو ایک سیاح کے بیان کی پوری محفل میں لے آئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے فقراء کو اس لاثانی موتی سے غنی بنادے اور اُن کی ارواح کے دماغ کو اس خوشبو کی مہک سے معطر کر دے:

ز ہر یک نقطہ اش نافہ تر	شیم وصل جاناں می زند سر
ولے آن کز برودت در زکام است	چہ داند نافہ اش گر در مشام است
سرایم مدح آں سیاح غواص	کنم خورشید را چوں ذرہ رقاص
مہیں فرزند فاروقست چوں آب	کنوں نطق از زباں کند رب
سراپا نسخہ اخلاقِ فاروق	بزہر منقصت تریاقِ فاروق
چراغ نقشند ہفت محفل	نگاہش نقشند غیر از دل

یعنی: ان مکتوبات کا ہر نقطہ نافہ کی طرح مہک رہا ہے، جس سے محبوب کے وصال کی خوشبو آتی ہے۔

- ♦ لیکن جسے سردی سے زکام ہو گیا ہے، وہ کیا جانے خواہ خوشبو اُس کے دماغ میں رکھ دی جائے۔
- ♦ میں اب اس غوطہ زن سیاح کی مدح کرتا ہوں، سورج کو ذرہ کی طرح رقص میں لاتا ہوں۔
- ♦ (حضرت عمر) فاروق (رضی اللہ عنہ) کا بزرگ ترین بیٹا (حضرت مجدد قدس سرہ) باپ جیسا ہے، جس کی زبان سے اب رب کی باتیں نکلتی ہیں۔

- ♦ آپ (حضرت) فاروق (رضی اللہ عنہ) کے اخلاق کا مجسمہ ہیں، یقیناً آپ ہر شر کے زہر کے لیے فاروقی تریاق ہیں۔
- ♦ آپ نقشند یہ کی سات محفلوں کے روشن چراغ ہیں۔ آپ کی نگاہ نقش غیر کو دل سے مٹا دیتی ہے۔

مخلوقات کے غوث، حقائق کے سمندر کے غوطہ زن، وصول الی اللہ کی معراج، قبولیت کے راستہ، رحمت کے خزانہ، حکمت کے گنجینہ، دلوں کے معزز، غیوب کے مشرق، عمل کے دریا، کاملین کی حجت، نیکوں کی آنکھ کی پتلی، علماء کی گلزار، طریقت کے نور، حقیقت کی روشنی، جہان والوں کی زینت، عالموں کی آنکھ، تمنائوں کے سرچشمہ، امیدوں کے حلقہ، واردات کے آئینہ، محبت کے زینہ، رموز و اشارات کے مطلع، خزانوں اور بشارتوں کے منبع، ملاحت کے بحر کے ملاح، صباحت کے گھر کے چراغ، دو سمندروں کے ملانے والے، دو گروہوں کے درمیان صلح کرانے والے، متکلمین کے استشہاد کا مقام، متوحدین کے تمسک کا محل، سلف کی برہان، خلف کے سلطان، ان وفود کے وثیقہ، مہدی موعود کے لشکر کے پیشرو، اصل و فرع کی روشنی، دین و شرع کی

رونق، سید البشر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے وارث، گیارہویں صدی کو منور کرنے والے (حضرت) مجدد الف ثانی امام ربانی (قدس سرہ):

کجا گردد ز وصفش خامہ آگاہ چہ نم دریا بد از دریا پرکاہ
ہماں بہتر کزیں پس گوش ہاشم سرایم نغمہ و خاموش ہاشم
یعنی: قلم ان کے وصف سے کب آگاہ ہو، تنکا سمندر سے کتنی نمی حاصل کر سکتا ہے۔

♦ بہتر یہی ہے کہ بس میں اس کے کان بن کر سنتا رہوں۔ گیت گاؤں اور پھر خاموش ہو جاؤں۔

(حضرت محمد) مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اس نام (مبارک) کے ہم نام، جس کی بشارت (حضرت) عیسیٰ (علیہ السلام) نے دی تھی، یعنی شیخ احمد بن شیخ عبدالاحد فاروقی نسب والے، حنفی مذہب والے اور نقشبندی مشرب والے اللہ سبحانہ ان کی زندگی کے سایہ کو تمام جہان والوں پر قائم رکھے اور ان کی برکات کے سمندروں سے انہیں قیامت کے دن تک سیراب کرے۔ کتنے خوش وقت اور خوش حال ہیں وہ سلیم القلب قارئین جو جب اپنی سیاہ پتلی کو اس سیاہی پر ڈالتے ہیں جو اسرار و حکمت کا عظیم ذخیرہ ہے تو اعلام ربانی کے ساتھ اس سیاہی سے سراسر حضور (خداوندی) کی مدد حاصل کرتے ہیں اور اس سیاہی سے اپنے دل کے نقطہ کو پُر نور بناتے ہیں اور کتنے خوش مقام اور خوش انجام ہیں وہ درست اور سیدھے احوال والے قارئین کہ جب ان کی زبان اس عجیب و غریب سمندر میں تیرتی ہے تو ان کی جان الہام سبحانی کی شکر کی مٹھاس اور سکر کی مستی میں گم ہو جاتی ہے اور ان پاک طینت ہم جنسوں اور نیک اعتقاد سعادتمندوں پر آفرین ہے کہ جب ان نکات و رموز کی دقت کی انتہا اور جمال کی گہرائی، جو کہ عقل سے ماوراء ہیں، ان پر ظاہر نہیں ہوتی تو وہ اس کی عدم یافت اور اپنی فہم کے قصور کو ایک ساتھ رکھ کر صدقا (ہم نے سچ جانا) کے راستے پر گامزن ہو جاتے ہیں اور یہ کہتے ہوئے:

ع کسے را ازیشاں جز ایشاں نداند

یعنی: ان کے سوا ان کو کوئی نہیں جانتا۔

گویا وہ سب کو تسلیم کرتے ہیں اور اس کے ذریعے سعادتِ ابدی کے ثمرات کی نقدی حاصل کرتے ہیں۔ ذَلِکَ لِمَنْ خَشِیَ رَبَّہٗ. (سورہ بینہ، ۸) یعنی: یہ (صلہ) اس کے لیے ہے جو اپنے پروردگار سے ڈرتا ہے۔

ان کج بین پڑھنے والوں پر اور سخن چین سننے والوں پر افسوس ہے کہ ان غیبی الہامات میں سے جو کچھ ان کی سمجھ میں آتا ہے اور ان کی طبیعت کے موافق ہوتا ہے، وہ اس کو کلام کرنے والے کی مہارت اور صاحبِ گفتگو کی خیال آرائی کی طرف موڑتے ہیں۔ اور جو چیز اس بیان سے اُن کی سمجھ میں نہیں آتی، کوتاہ نظری سے اس پر عیب جوئی سے اپنی زبان دراز کرتے ہیں اور اس مقولے کی رو سے طبلِ جنگ بجاتے ہیں: اَلْمَرْءُ لَا یَزَالُ عَدُوًّا لِّمَا جَہَلَ.

یعنی: آدمی اُس کا دشمن ہوتا ہے جس کو وہ نہیں جانتا۔

وہ نہیں سمجھے کہ یہ بلند گروہ (صوفیہ) ان مخفی رازوں کے ظاہر کرنے کے (وقت) خود درمیان میں نہیں ہوتے:

ع ایشاں نیندایں ہمہ الحان ز مطرب است

یعنی: وہ نہیں کہہ رہے، یہ سب نغمے مطرب (گانے والے) کی آواز ہے۔

اللہ سبحانہ ہمارے بھائیوں کو اپنے پوشیدہ عیبوں کے رازوں اور پاک دل والے صفا کیشوں کے غیبی اسرار کو دیکھنے والا بنائے اور ان دانائے راز مخلصوں کے کینہ کی قید اور مکر کی زنجیر سے، جو کہ وہ اپنے دل کے پاؤں اور خیال کی گردن میں ڈالے ہوئے ہیں، ان کو رہائی بخشنے۔

نیز میں نے یہ کہا ہے کہ وہ اسرار کے ظاہر کرنے کے (وقت خود) درمیان میں نہیں ہوتے، اس کی دلیل بھی ان اسرار کے صاحب سے سن لیں:

ع بر حال تو ہم حال تو برہان و دلیل

یعنی: تیرے حال پر بھی تیرا حال ہی برہان اور دلیل ہے۔

جب معدن الفتوحات ”مکتوبات“ کی جلد اول، جس کا نام ”در المعرفت“ ہے، اختتام پذیر ہوگئی تو کلام کے شفاف و شیریں پانی کے بعض پیاسوں نے خدمت اقدس میں عرض پہنچائی کہ اگر اشارہ عالیہ وارد ہو تو اسرار کی وہ نہریں جو اس کے بعد اُس گوہر بارقلم کے چشمے سے جاری ہوئی ہیں، ان کو جمع کر کے دوسری جلد کا دریا ظاہر کیا جائے۔ بندگان حضرت (حضرت مجدد قدس سرہ) نے نہایت انکسار اور ڈر سے جواب میں فرمایا: ”میں اس فکر و حیرت میں ہوں کہ یہ سب علوم جو بیان و تحریر میں آچکے ہیں، آیا یہ مقبول و پسندیدہ ہوئے یا نہیں؟“ پھر آپ اس وقت خاموش ہو گئے (اور) بشارت و اشارت کے منتظر ہو رہے۔ اس کے دوسرے روز فرمایا کہ گذشتہ رات ندادی گئی ہے اور ظاہر کیا گیا ہے کہ ”یہ سب علوم جو لکھے گئے ہیں، بلکہ جو کچھ بھی تیری گفتگو میں آیا ہے، سب مقبول اور پسندیدہ ہے“، اور میری تحریروں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ سب کچھ ہم نے کہا ہے اور ہمارا بیان ہے۔ اور اُسی وقت ان سب علوم کو میری نظر کے سامنے رکھا گیا اور میں ہر ایک پر اجمالاً اور تفصیلاً نظر کر رہا تھا۔ خاص کر کے ان کو بھی جن پر ایک وقت مجھے کوئی تردد تھا، ان سب کو میں نے اس حکم میں داخل پایا۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ عَلَى الْإِحْسَانِ. یعنی: اس احسان پر اللہ تعالیٰ کی حمد ہے۔

پس آپ نے (اپنے) قلم محترم کو ان اسرار قدم کے لکھنے میں جاری کیا اور جب وہ جلد ننانوے مکتوب تک پہنچی، جو اسمائے حسنیٰ کے مطابق ہے تو اُسی پر ختم ہوئی۔ اسی سال میں جس کی تاریخ ”نور الخلائق“ سے ظاہر ہے۔ بعض مکاتیب جو اس کے بعد منصہ گزارش اور صحیفہ نگارش پر آئے، ان کے بارے میں اعلیٰ نسب اور سید حسب، قطب زمانہ، دریگانہ، شعر:

در تفرید را بحرے و کانے تن تجرید را روعے و جانے

دم از آئینہ سازد نور زائل دم او صیقل از آئینہ دل

یعنی: وہ در تفرید کا ایک بحر اور ایک کان ہیں، وہ تن تجرید کی ایک روح اور ایک جان ہیں۔

♦ ان کے دم سے آئینے کی چمک زائل ہو جائے، ان کے دم سے دل کا آئینہ صیقل ہو جائے۔

ایقان اور عرفان کی کان محمد نعمان بن شمس الدین یحییٰ مشہور بہ میر بزرگ بدخشیانی سَلَّمَهُ اللّٰهُ وَابْقَاهُ، جو حضرت عالی (مجدد الف ثانی قدس سرہ) کے کامل خلفاء اور بزرگ حضرات میں سے ہیں اور حضرت عالی کے حکم مبارک سے صوبہ دکن میں

خلق خدا کی رہنمائی اور اس طریقہ عالیہ کی ترویج کرنے والے ہیں، انہوں نے التماس کی کہ ان منتشر موتیوں کو اکٹھا کر کے تیسری جلد کا خزانہ تیار کیا جائے۔ (ان کی التماس) قبولیت سے ہمکنار ہوئی اور جب مکاتیب کی تعداد تیس سے کچھ اوپر ہو گئی تو حضرت سیادت و نقابت پناہ (میر محمد نعمان قدس سرہ) اور اس درگاہ کے خدام کے درمیان ضروری ظاہری جدائی حائل ہو گئی اور حضرت عالی (مجدد الف ثانی قدس سرہ) کے ضمیر بے نظیر نے بھی طویل مدت تک معارف کی تحریر اور مکاشفہ کی تقریر نہ کی۔ یہاں تک کہ اللہ جل شانہ کی تائید و ہدایت سے کئی سال بعد یہ ضعیف، جس کا نام اس جلد کے مکتوب اول کے آخر میں قلم شریف پر آیا ہے، اس سال (۱۰۳۱ھ) میں جو لفظ ”خاک نشین“ (کے اعداد) سے ظاہر ہے، اس آستانہ عالیہ کی خاک نشینی (حاضری) سے سعادت مند بنا تو اُسی وقت حضرت عالی (مجدد الف ثانی قدس سرہ) کی لسان الغیب کے دریا اور انگلیوں کے پوروں میں تقریر کی موجیں اور تحریر کا جوش پیدا ہوا اور اس غریب نواز (حضرت مجدد قدس سرہ) کی انتہائی مہربانی و شفقت سے یہ مقررین ان مسودات کے مواد کو جمع و نقل کر کے بیاض تیار کرنے سے ممتاز ہوا اور اسی سال میں جو کہ لفظ ”ثالث“ سے بھی معین ہے، تیسری جلد کی تکمیل سے سرفراز ہوا، اور جب مکتوبات کی تعداد ۱۱۳ تک پہنچی، جس کی موافقت (لفظ) ”باقی“ کے حروف کے عدد سے ظاہر ہے اور تین اعتبار سے اسی پر مقرر کرنا نہایت شایان شان اور زیبا تھا، لہذا اسی میں اس کا اختتام ہوا۔ اس سال میں کہ ”کاس الراستین“ جس کی تاریخ ہے۔ اس کے بعد ایک مکتوب جو جدید علوم اور عجیب اسرار کی تازگی سے ظاہر ہوا تھا، کے بارے میں (حضرت مجدد قدس سرہ) نے فرمایا کہ اس کو بھی ”مشک کی مہر“ بنایا جائے اور ایسے ہی ہوا کہ اس کو ملانے سے سورہ قرآنی کی تعداد کے مطابق عدد ظاہر ہو گیا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اَوَّلًا وَاٰخِرًا وَاَظْہَرًا وَاَبْطَنًا۔

یعنی: اول و آخر اور ظاہر و باطن میں سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے۔

طالین کو اس پر فائدہ دسترخوان سے جان کی غذا اور ایمان کی قوت نصیب ہو۔

اِلٰی یَوْمِ التَّنَادِ بِحَقِّ الْحَقِّ وَهُوَ یَهْدِیْ اِلٰی سَبِیْلِ الرَّشَادِ۔

یعنی: روز قیامت تک حق سبحانہ کے صدقے اور وہی سیدھے راستے کی طرف ہدایت بخشے والا ہے۔

مکتوب نمبر (۱)

سیادت اور ارشاد پناہ میر محمد نعمان کو تحریر فرمایا۔ ان کے اس سوال کے جواب میں جو انہوں نے واجب جل سلطانہ کی

ذات و صفات اور افعال کی اقربت کے بارے میں تحریر کیا تھا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلٰمٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ (سورہ نمل، ۵۹)

یعنی: شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔ سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اس

کے ان بندوں پر سلام ہو، جن کو اس نے منتخب فرمایا۔

آپ کا مکتوب گرامی موصول ہوا۔ آپ نے بہت زحمت اٹھائی۔ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ آپ کی سعی کو مشکور فرمائے۔

چونکہ آپ نے کئی بار واجب جل سلطانہ کی ذات و صفات اور افعال کی اقربت کے بارے میں دریافت کیا ہے اور اس بیان

کے شیدا ہیں، (لہذا فقیر) ضرورت کے تحت اس قدر ظاہر کرتا ہے۔

جاننا چاہیے کہ ہر چیز اپنی ماہیت سے ایک چیز ہے اور اس چیز کی ماہیت کے ثبوت کے لیے کسی بنانے والے کی بناوٹ درکار نہیں ہے، کیونکہ چیز کا ثبوت اس کے نفس کے لیے ضروری ہے۔ اس وجہ سے فلاسفہ نے کہا ہے کہ نفس ماہیات میں بناوٹ ثابت نہیں ہے اور ماہیات بناوٹی نہیں ہیں۔ بنانے والے کی بناوٹ وجود کی ماہیات کی صفت پیدا کرنے کے لیے درکار ہے۔ رنگنے والے کا فعل کپڑے کو رنگ کے ساتھ متصف کرنے میں ہے، نہ کہ کپڑے کو کپڑا بنائے اور رنگ کو رنگ بنائے، کیونکہ یہ محال ہے اور تحصیل حاصل ہے۔ پس نفس چیز میں جعل (بنانا) نہ ہوا، بلکہ چیز کے وجود کے ساتھ متصف ہونے میں ہوا۔ اس سے ثابت ہوا کہ چیز اپنی ماہیت سے چیز ہے اور یہ معنی نظر کشنی میں چیز کے ظل اور چیز کے عکس میں مفقود ہیں۔ کیونکہ کسی چیز کا عکس ظل اپنی ظلی و عکسی ماہیت سے ظل و عکس نہیں ہے، بلکہ اپنے اصل کی ماہیت سے ظل و عکس بن گیا ہے، کیونکہ ظل ماہیت نہیں رکھتا اور اسی اصل کی ماہیت ہے جس نے ظل میں خود کو ظاہر کیا ہے۔ پس اصل ظل کے لیے نفس اصل سے زیادہ قریب ہو گا، اس لیے کہ ظل اپنے اصل سے ظل ہے، نہ کہ اپنے نفس سے۔ چونکہ عالم واجب جل سلطانہ کے افعال کے ظلال و عکوس ہیں، لہذا لازمی طور پر جو افعال اس کے اصول ہیں، وہ عالم سے عالم کے زیادہ قریب ہوں گے اور ایسے ہی افعال جب واجب جل شانہ کی صفات کے ظلال ہیں تو مجبوراً عالم کی صفات عالم سے اور عالم کے ان اصول سے جو افعال ہیں، زیادہ قریب ہوں گے، کیونکہ وہ اصل الاصول ہیں اور چونکہ صفات بھی حضرت ذات تعالیٰ کے ظلال ہیں اور حضرت ذات جل سلطانہ تمام اصولوں کی اصل ہے۔ لہذا حضرت ذات تعالیٰ عالم سے عالم کی نسبت اور افعال و صفات واجب تعالیٰ کی نسبت زیادہ قریب ہے۔ حق تعالیٰ کی اقربت کا بیان یہ ہے جو تحریر و بیان کی حد میں آسکتا ہے۔ فلاسفہ اگر انصاف پر آئیں تو ممکن ہے کہ اس معنی کو قبول کر لیں اور اگر قبول نہ کریں تو کوئی غم نہیں ہے، کیونکہ وہ بحث سے خارج ہیں۔ چونکہ اس بیان میں مقدمات عقلیہ بھی درج ہیں، لہذا اگر سیادت پناہی میرٹھس الدین علی کو بھی اس مکتوب کے مطالعہ میں شریک کر لیں تو (اس کی) گنجائش ہے۔

آپ نے لکھا تھا کہ مکتوبات کی تیسری جلد کو شروع کر لیں؟ ایسے ہی کریں، کیونکہ اہل اللہ جس کام کو اچھا سمجھتے ہیں، امکان ہے کہ وہ مبارک ہوگا۔ جب آپ یہ کام میر موصوف کے حوالے کریں تو (ان کو) فرمائیں کہ (اس کے) متعدد نسخے تیار کریں اور اس کی ایک نقل سر ہند بھیجیں اور مسودات کو حفاظت سے محفوظ رکھیں، شاید ضرورت پڑ جائے۔

دوسرا یہ کہ فقیر آپ کے جانے اور رہنے میں حیران ہے۔ چونکہ آپ کی ملاقات کے لیے حریص ہے، لہذا آپ کے جانے کے بارے میں لب کشائی نہیں کر سکتا اور رہنے کے بارے میں بھی دلالت نہیں کر سکتا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس سے بہت سے لوگوں کی مصلحتیں فوت ہو جائیں۔ اس قدر ہے کہ اگر آپ جائیں تو خواجہ محمد ہاشم کو بھیجیں کہ وہ چند روز صحبت میں رہے اور بعض علوم و معارف اخذ کر لے، کیونکہ وہ ایک قابل جوان دکھائی دیتا ہے۔ موصوف آپ کا تربیت یافتہ ہے اور آپ کے مذاق سے بھی آگاہ ہے۔ بلکہ اپنے سوالات کو اس کے حوالے فرمائیں تاکہ جواب حاصل کر کے آپ کی خدمت میں پہنچائے۔ والسلام۔

مکتوب نمبر (۲)

جامع الاسرار والعلوم حضرات مخدوم زادگان گرامی خواجہ محمد سعید اور خواجہ محمد معصوم سلمہما اللہ تعالیٰ کو تحریر فرمایا۔ نصح اور خلقت سے قطع تعلقی کرنے اور حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ کی جناب سے متوسل ہونے (کے بیان) میں۔

الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ وَفِي الْيُسْرِ وَالْعُسْرِ وَالْبَعْمَةِ وَالنِّقْمَةِ وَفِي الرَّحْمَةِ وَفِي الْهَيْدَةِ وَالرِّخَاءِ وَفِي الْعَطِيَّةِ وَالْبَلَاءِ وَالصَّلَوةِ وَالسَّلَامِ عَلَى مَنْ مَّا أَوْذَى نَبِيٌّ مِثْلَ ابْنِ دَاوُدَ وَمَا ابْتُلِيَ رَسُولٌ مِثْلَ ابْنِ دَاوُدَ وَلِهَذَا صَارَ رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ وَسَيِّدًا لِلْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ.

یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے، ہر خوشی اور تکلیف میں، آسانی اور مشکل میں، آسائش اور سختی میں، رحمت اور زحمت میں، تنگی اور فراخی میں، عطا اور بلا میں۔ اور درود و سلام ہو اُس ہستی پر جس کی طرح کسی نبی کو ایذا نہیں دی گئی اور نہ ہی اس کی طرح کوئی اور رسول بلا میں مبتلا ہوا، جس کی بدولت وہ سارے جہانوں کے لیے رحمت بن گئے اور اولین اور آخرین کے سردار بن گئے (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)۔

فرزند ان گرامی! مصیبت کا وقت اگر چہ کڑوا اور بے مزہ ہے، لیکن اگر فرصت بخشیں تو غنیمت ہے۔ اس وقت چونکہ آپ کو فرصت عطا کی گئی ہے، لہذا اللہ جل شانہ کی حمد بجالاتے ہوئے اپنے کام میں متوجہ رہیں اور ایک لحظہ اور لمحہ بھی اپنے لیے فراغت جائز نہ کریں اور تین چیزوں میں سے ایک سے کبھی خالی نہ رہیں؛ (۱) قرآن مجید کی تلاوت، (۲) نماز کی ادائیگی طویل قرأت کے ساتھ اور (۳) کلمہ طیبہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کی تکرار۔

چاہیے کہ کلمہ لا کے ساتھ اپنے نفس کی خواہشات کے معبود کی نفی کریں اور اپنے مقاصد اور مرادوں کو دفع کریں۔ اپنی مراد کو طلب کرنا اپنی خدائی کا دعویٰ کرنا ہے۔ چاہیے کہ کسی مراد کو بھی سینہ کے میدان میں گنجائش نہ ہو اور کوئی ہوس بھی قوت خیال میں باقی نہ رہے، تاکہ بندگی کی حقیقت ثابت ہو جائے۔ اپنی مراد کو چاہنا اپنے مولیٰ کی مراد کو دفع کرنا ہے اور اپنے صاحب کے ساتھ مقابلہ کرنا ہے اور یہ چیز اپنے مولیٰ کی نفی کو لازم کرتی ہے اور اپنے مولیٰ ہونا کو ثابت کرتی ہے۔ اس معاملے کی برائی کو خوب سمجھ کر اپنی خدائی کے دعویٰ کی نفی کریں۔ یہاں تک کہ خواہشات اور ہوسوں سے کُلّی طور پر پاک ہو جائیں اور مولیٰ کی مراد کے سوا کوئی مراد نہ رکھیں۔ اللہ سبحانہ کی عنایت سے امید ہے کہ یہ مقصد بلا کے دنوں اور آزمائش کے اوقات میں سہولت سے میسر آ جائے گا اور ان دنوں کے علاوہ یہ خواہشات اور آرزوئیں بہت بڑی رکاوٹ ہیں۔ تنہائی کے گوشوں میں اس کام میں مشغول رہیں کہ فرصت غنیمت ہے۔ فتنوں کے زمانے میں تھوڑے (سے عمل) کو بہت زیادہ قبول فرماتے ہیں اور فتنوں کے زمانے کے علاوہ سخت ریاضتیں اور مجاہدے درکار ہیں۔ خبر (دینا) شرط ہے۔ ملاقات واقع ہوتی ہے یا نہیں؟ نصیحت یہی ہے کہ کوئی مراد اور خواہش نہ رہے۔ اپنی والدہ کو بھی اس چیز سے آگاہ کر دیں اور رہنمائی کریں۔ باقی چونکہ اس دنیا کے احوال گزر جانے والے ہیں، لہذا ان کو کیا بیان کیا جائے۔ چھوٹوں پر شفقت کریں اور پڑھنے کا شوق دلائیں اور جہاں تک ہو سکے اہل حقوق کو ہماری جانب سے راضی کریں اور ایمان کی سلامتی کے لیے دعا سے مددگار اور معاون بنے رہیں۔

مکرر اور تاکید کے ساتھ لکھا جاتا ہے، اس وقت کو بے فائدہ امور میں خرچ نہ کریں اور ذکر الہی جل شانہ کے سوا چاہیے کہ کسی چیز میں مشغول نہ ہوں، خواہ وہ کتابوں کا مطالعہ اور طلبہ کے ساتھ تکرار ہی ہو۔ وقت ذکر کا ہے، نفسانی خواہشات کو، جو کہ جھوٹے معبود ہیں، لا کے نیچے لائیں، تاکہ سب نیست و نابود ہو جائیں اور سینے میں کوئی مراد اور مقصود باقی نہ رہے۔ یہاں تک کہ میری رہائی بھی جو کہ اب تمہارے اہم مقاصد میں سے ہے، یہ بھی تمہاری مراد نہیں رہنی چاہیے اور تقدیر اور حق تعالیٰ کے

فعل اور ارادہ پر راضی رہیں اور کلمہ طیبہ کے اثبات کی جانب سے غیبِ ہویت (حق تعالیٰ کی ذات)، جو کہ معلومات و خیالات سے وراء الراء ہے، کے سوا کچھ باقی نہ رہے۔

حویلی اور سرا، کنواں اور باغ، کتابوں اور دوسری چیزوں کا غم خود آسان ہے، چاہیے کہ کوئی چیز بھی آپ کے وقت میں مزاحم نہ ہو اور حق جل و علا کی مرضیات کے علاوہ کوئی چیز آپ کی مراد اور مرضی نہ رہے۔ اگر ہم مر جاتے تو یہ سب چیزیں چلی جاتیں، اگر ہماری زندگی میں چلی جائیں تو کوئی فکر نہ کریں۔ اولیاء نے ان امور کو اپنے اختیار سے چھوڑا ہے، ہم ان چیزوں کو حق تعالیٰ کے اختیار سے چھوڑ دیں اور شکر بجالائیں اور اُمید ہے کہ مخلصین میں سے ہو جائیں گے۔

جہاں آپ بیٹھے ہیں اسی (جگہ) کو اپنا وطن خیال کریں۔ چند روز کی زندگی جس جگہ بھی گزرے، چاہیے کہ حق جل شانہ کی یاد میں گزرے۔ دنیا کا معاملہ آسان ہے، آخرت کی جانب متوجہ رہیں۔ اپنی والدہ کو تسلی دیں اور (انہیں) آخرت کی ترغیب لائیں۔ زندہ رہا تو ایک دوسرے کی ملاقات اگر حق سبحانہ و تعالیٰ نے چاہا تو میسر ہو جائے گی، ورنہ حق تعالیٰ کی تقدیر پر راضی رہیں اور دعا کریں کہ دارالسلام (جنت) میں اکٹھے ہوں اور دنیا کی ملاقات کی تلافی کو حق تعالیٰ کے کرم سے آخرت کے حوالے کریں۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی کُلِّ حَالٍ۔ یعنی: ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی حمد ہے۔

مکتوب نمبر (۳)

سیادت مآب میر محبت اللہ مانکپوری کو تحریر فرمایا۔ کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے معنی کے بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ سَلَّمَ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ (سورۃ نمل، ۵۹)

یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے ان بندوں پر سلام ہو، جن کو اس نے منتخب فرمایا۔

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔ (یعنی) نہیں ہے کوئی ایسی ہستی جو الوہیت و عبودیت (خدائی اور معبودی) کا حق رکھتی ہو، مگر وہ بے مثل اللہ جل شانہ جو واجب الوجود ہے اور نقص و حدوث کے نشانات سے منزہ اور مبرا ہے، کیونکہ عبادت جس سے مراد کمال ذلت و عاجزی اور انکساری ہے، اس کا مستحق وہی ہے جس کے لیے تمام کمالات ثابت ہیں اور وہ تمام نقائص سے پاک ہے اور تمام چیزیں اپنے وجود اور توالیع وجود کے لحاظ سے اس کی محتاج ہیں اور وہ کسی امر میں کسی چیز کا محتاج نہیں اور نفع دینے والا اور نقصان دینے والا وہی ہے۔ اور کوئی چیز اس کے اذن کے بغیر کسی کو ضرر اور نفع نہیں پہنچا سکتی۔ اس طرح کی کامل صفات والی ہستی حق تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں ہے اور نہ ہی ہونی چاہیے۔ کیونکہ کوئی اور ایسی کامل صفات کے ساتھ کسی زیادتی و کمی کے بغیر ثابت ہو جائے تو وہ غیر نہ ہوگا۔ لَآ اِنَّ الْغَیْبِیْنَ مُتَمَآئِزَانٍ وَلَا تَمَآئِزٌ کُتْمَہ۔

یعنی: کیونکہ دو غیر ایک دوسرے سے الگ الگ ہوتے ہیں اور یہاں کوئی تمیز اور جدائی نہیں۔

اگر ہم غیریت کا اثبات تمیز کے اثبات سے کریں تو اس کا نقص لازم آتا ہے جو الوہیت و عبودیت (خدائی اور معبودی) کے منافی ہے۔ کیونکہ اگر ہم اس کے تمام کمالات کو ثابت نہ کریں، تاکہ ان میں تمیز پیدا کرے تو بھی اس کا نقص لازم آتا ہے اور اسی طرح اگر اس سے تمام نقائص دور نہ کریں تو بھی نقص لازم آتا ہے اور اگر چیزیں اس کی محتاج نہ ہوں تو پھر وہ ان کی عبادت کا مستحق کیسے ہوگا؟ اور اگر وہ چیزوں میں سے کسی چیز میں بھی یا کاموں میں سے کسی کام میں بھی کسی کا محتاج ہوگا تو وہ

ناقص ہوگا اور ایسے ہی اگر وہ نفع دینے والا اور نقصان پہنچانے والا نہ ہو تو چیزیں کس طرح اس کی محتاج ہوں گی اور وہ ان کی عبادت کا مستحق کیسے ہوگا؟ اور اگر کوئی اس کے اذن کے بغیر چیزوں کو ضرر اور نفع پہنچا سکتا ہے تو پھر وہ بیکار ہو جاتا ہے اور عبادت کا مستحق نہیں رہتا۔ سو ان کامل صفات کا جامع صرف ایک اللہ ہی ہے جس کا کوئی شریک نہیں اور اس واحد القہار کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔

سوال: اگرچہ ان صفات کے ساتھ امتیاز، جیسا کہ واضح ہو گیا ہے، نقص کو لازم کرتا ہے جو الوہیت و عبودیت (خدائی اور معبودی) کے منافی ہے، لیکن ہو سکتا ہے کہ وہ غیر دوسری صفات رکھتا ہو، جو امتیاز کا باعث ہوں اور کوئی نقص لازم نہ ہو، خواہ ہم ان صفات کو نہ سمجھیں کہ وہ کیا ہیں؟

جواب: وہ صفات بھی (ان دو صورتوں سے) خالی نہیں ہیں: یا صفات کاملہ سے ہیں، یا صفات ناقصہ سے۔ بہر حال مذکورہ رکاوٹ لازم آتی ہے۔ اگرچہ ہم ان صفات کو خصوصیت سے نہیں سمجھتے کہ وہ کیا ہیں، لیکن اس قدر معلوم ہے کہ وہ کمال و نقصان کے دائرہ سے خارج نہیں ہیں اور بہر صورت نقص دامن گیر ہے، جیسا کہ (اوپر) گزرا ہے۔

نیز دوسری دلیل حق سبحانہ و تعالیٰ کے غیر کے معبودیت کا مستحق نہ ہونے کی یہ ہے کہ جب حق تعالیٰ چیزوں کی تمام ضروریات وجودی اور توالیع وجودی کا کفیل ہے اور چیزوں کا نفع اور نقصان بھی اس سے متعلق ہے تو پھر دوسرا محض بیکار اور بے فائدہ ہے اور چیزوں کو اس کی کوئی حاجت نہیں ہوگی۔ پھر عبادت کا حق اس کے لیے کون سے راستے سے پیدا ہو سکتا ہے؟ اور چیزیں ذلت و عاجزی اور انکساری کے ساتھ اس سے کیوں پیش آئیں گی؟

بدکردار کا فرح سبحانہ کے غیر کی عبادت کرتے ہیں اور اپنے تراشے ہوئے بتوں کو اپنا معبود بناتے ہیں۔ اس فاسد گمان سے کہ یہ حق سبحانہ و تعالیٰ کے ہاں ہماری شفاعت کرنے والے ہوں گے اور ہم ان کے وسیلے سے حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ کا تقرب پائیں گے۔ واہ! ان بیوقوفوں نے کہاں سے سمجھ لیا ہے کہ ان کو شفاعت کا مرتبہ حاصل ہوگا اور حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ ان کو شفاعت کی اجازت (عطا) فرمائے گا۔ صرف وہم سے کسی کو حق جل و علا کی عبادت میں شریک بنانا انتہائی بد نصیبی اور خسارہ ہے۔ عبادت ایسا آسان معاملہ نہیں ہے کہ ہر پتھر اور جماد کے لیے کی جائے اور ہر ایک عاجز، بلکہ خود سے بھی زیادہ عاجز کو عبادت کا مستحق تصور کیا جائے۔ الوہیت (خدائی) کے معنی کے بغیر عبادت کا مستحق ہونا متصور نہیں ہے۔ جو الوہیت (خدائی) کی صلاحیت رکھتا ہے، (وہی) عبادت کا حقدار ہے۔ اور جس کسی کو یہ صلاحیت حاصل نہیں ہے، وہ اس کا مستحق نہیں ہے۔ اور الوہیت (خدائی) کی صلاحیت وجود کے وجوب سے متعلق ہے، جو وجود کا وجوب نہیں رکھتا، وہ الوہیت (خدائی) کے لائق نہیں اور عبادت کا حقدار نہیں ہے۔ کتنے بے عقل لوگ ہیں کہ وجوب وجود میں تو حضرت حق سبحانہ کا کوئی شریک نہیں سمجھتے اور عبادت میں حق تعالیٰ کے ساتھ شریکوں کو ثابت کرتے ہیں۔ انہوں نے نہیں سمجھا کہ وجوب وجود عبادت کا مستحق ہونے کی شرط ہے اور جب وجوب وجود میں کوئی شریک نہیں ہے تو پھر عبادت کا مستحق ہونے میں بھی کوئی شریک نہ ہوگا۔ عبادت کے استحقاق میں شریک بنانا، وجوب وجود میں بھی شریک بنانے کو لازم کرتا ہے۔ پس اس کلمہ طیبہ کے تکرار سے وجوب وجود کے شریک کی بھی نفی کرنی چاہیے اور استحقاق عبادت کے شریک کی بھی، بلکہ اس راستے میں سب سے اہم، ضروری

اور نفع بخش استحقاق عبادت کے شریک کی نفی ہے جو انبیاء علیہم الصلوٰات والتحیات والتسلیمات کی دعوت کے ساتھ مخصوص ہے۔ کیونکہ مخالفین، جو انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کی ملت میں شامل ہونا لازم نہیں سمجھتے، وہ بھی عقلی دلائل سے وجوب وجود کے شریک کی نفی کرتے ہیں اور ایک اللہ جل شانہ کے سوا کسی کو واجب الوجود نہیں سمجھتے، لیکن وہ استحقاق عبادت کے معاملہ سے غافل ہیں اور استحقاق عبادت کے شریک کی نفی سے فارغ ہیں۔ غیر کی عبادت سے دوری اختیار نہیں کرتے اور آتش کدہ کی تعمیر میں سستی نہیں کرتے۔ انبیاء علیہم الصلوٰات والتحیات ہیں جو آتش کدہ کو گراتے ہیں اور غیر کی عبادت کے استحقاق کو ختم فرماتے ہیں۔ ان بزرگوں کی زبان میں مشرک وہ شخص ہے جو حق سبحانہ کے غیر کی عبادت میں گرفتار ہے، خواہ وہ وجوب وجود کے شریک کی نفی کا قائل ہو، کیونکہ ان کا اہتمام حق سبحانہ کے ماسوا کی عبادت کی نفی ہے جو کہ عمل اور معاملہ سے تعلق رکھتی ہے اور وجوب وجود کے شریک کی نفی کو لازم کرتی ہے۔ جب تک کوئی شخص ان بزرگوں کی شریعتوں کے ساتھ، جو ماسوا کی عبادت کے استحقاق کی نفی پر مبنی ہیں، متحقق نہ ہو (اُس وقت تک) وہ شرک سے رہا نہیں ہوتا اور آفاقی و انفسی معبودوں کی عبادت کے شرک کے شبہات سے نجات نہیں پاتا، کیونکہ انبیاء علیہم الصلوٰات والتحیات کی شریعتیں اس مقصد کی ضامن ہیں۔ بلکہ ان کی بعثت کا مقصود اسی دولت کو حاصل کرنا ہے۔ ان بزرگوں کی شریعتوں کے علاوہ اس شرک سے نجات میسر نہیں ہوتی اور ان بزرگوں علیہم الصلوٰات والتحیات کی ملت کو لازم پکڑے بغیر توحید (کا حاصل ہونا) ممکن نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ. (سورۃ نساء، ۴۸) یعنی: بیشک اللہ اس گناہ کو نہیں بخشنے گا کہ کسی کو اس کا شریک بنایا جائے۔

اس آیت کریمہ کی حقیقی مراد کو اللہ سبحانہ ہی جانتا ہے اور ممکن ہے کہ مراد یہ بھی ہو کہ وہ ان لوگوں کو نہیں بخشنے گا جو شریعتوں کو لازم نہیں پکڑیں گے، کیونکہ شریعتوں کو لازم نہ پکڑنا شرک کو لازم کرتا ہے۔ لہذا ملزم کا ذکر کر کے لازم مراد لیا گیا ہے اور اس سے یہ وہم بھی دفع ہو جاتا ہے کہ جس طرح شرک نہیں بخشا جاتا اسی طرح شریعتوں کا انکار بھی نہیں بخشا جائے گا۔ ایسے ہی پھر شرک کی تخصیص کی کیا وجہ ہے؟ ممکن ہے کہ اَنْ يُشْرَكَ بِہ کے معنی اَنْ يُكْفَرَ بِہ کے ہوں۔ لہذا شریعتوں کا انکار اللہ سبحانہ کا انکار ہے، پس وہ بھی نہیں بخشا جائے گا اور شرک و کفر کے درمیان خصوص و عموم کا تعلق ہے۔ یعنی شرک کفر میں سے ایک خاص قسم کا کفر ہے۔ لہذا خاص کا ذکر کر کے عام مراد لیا گیا ہے۔ اس طرح بھی یہ وہم دور ہو جاتا ہے کہ جیسے شرک نہیں بخشا جائے گا، ایسے ہی سب شریعتوں کا انکار بھی نہیں بخشا جائے گا۔ پھر کفر کی تخصیص کی کیا وجہ ہے؟

جاننا چاہیے کہ حق سبحانہ کے غیر کے لیے عبادت کا استحقاق نہ ہونا ظاہر ہے اور کم از کم قیاسی ہے۔ کیونکہ جو شخص عبادت کے معنی کو اچھی طرح سمجھے اور حق سبحانہ کے غیر کے بارے میں بھی خوب غور کرے، تو وہ بلا توقف غیر کے لیے عبادت کا استحقاق نہ ہونے کا حکم کرے گا۔ جو مقدمات اس معنی کے بیان میں لائے جاتے ہیں، وہ تنبیہات کی قسم میں سے ہیں جو بدیہات پر کیے جاتے ہیں۔ ان مقدمات پر نقض و مناقضہ اور معارضہ پیش کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ آدمی میں نور ایمان ہونا چاہیے، تاکہ وہ فراست کے ساتھ ان مقدمات کو سمجھ سکے۔ بہت ساری بدیہی چیزیں ایسی ہیں جو بیوقوفوں اور کم عقلوں پر پوشیدہ رہتی ہیں۔ اسی طرح جو لوگ ظاہر کی بیماری اور باطن کے عارضہ میں گرفتار ہیں، ان پر بھی جلی و خفی بدیہی چیزیں پوشیدہ ہیں۔

سوال: مشائخ طریقت قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کی عبارات میں آیا ہے کہ جو کچھ تیرا مقصود ہے، وہی تیرا معبود ہے۔ اس

عبارت کے معنی کیا ہیں؟ اور جو معنی صداقت رکھتا ہے، وہ کونسا ہے؟

جواب: آدمی کا مقصود وہی ہوتا ہے جس کی جانب وہ متوجہ ہوتا ہے۔ اور یہ شخص جب تک زندہ رہتا ہے، اس مقصد کے حاصل کرنے سے خود کو معاف نہیں کرتا اور اس کے حاصل کرنے میں جس طرح کی خواری و انکساری پیش آتی ہے، وہ اس کو برداشت کرتا ہے اور غفلت نہیں برتتا۔ اور یہ چیز عبادت کا حاصل (پھل) ہے جو خواری و انکساری کے کمال کی خبر دیتی ہے۔ اس طرح کسی چیز کی مقصودیت اس کی معبودیت کو لازم کرنے والی ہوئی۔ پس حق سبحانہ و تعالیٰ کے غیر کی معبودیت کی نفی اس وقت ثابت ہوتی ہے جب حق سبحانہ جل و علا کے سوا کوئی اور مقصود نہ رہے اور سالک کی مراد حق تعالیٰ کے علاوہ کوئی چیز نہ ہو۔ اس دولت کو حاصل کرنے کے لیے کلمہ طیبہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کے معنی سالک کے حال کے مناسب ہیں۔ اس قدر اس کلمہ طیبہ کی تکرار کرنی چاہیے کہ غیر کی مقصودیت کا کوئی نام و نشان نہ رہے اور حق تعالیٰ کے سوا کوئی چیز مراند نہ رہے، تاکہ غیر کی معبودیت کی نفی میں (سالک) سچا ہو اور بیشمار معبودوں کے رفع کرنے میں حق بجانب ہو اور بیشمار معبودوں کی اس طرح نفی کرنے اور مقصودیت کی نفی سے غیر کی معبودیت کی نفی کرنے تک آنے میں ایمان کے کمال کی شرط ہے جو ولایت سے متعلق ہے اور خواہشات کے معبودوں کی نفی کرنے سے وابستہ ہے۔ جب تک نفس مطمئنہ نہ بن جائے، اس وقت تک یہ چیز متوقع نہیں ہے اور نفس کا اطمینان فنا و بقا کے کمال کے بعد متصور ہے۔ روشن شریعت کا ظاہر جو آسانی و سہولت کی خبر دیتا ہے اور بندوں سے جو ضعف پر پیدا کیے گئے ہیں، اس تنگی کو دور کرنے کی خبر سے آگاہ کرتا ہے، اس کا مطلوب یہ ہے کہ اگر (سالک) کسی مقصود کے حاصل کرنے میں نعوذ باللہ شریعت کے حلقہ سے سر باہر نکالے اور اس کے حاصل کرنے میں شرعی حدود سے تجاوز کرے تو پھر وہ مقصود ہی اس کا معبود ہوگا اور وہی اس کا الہ ہوگا۔ اور اگر وہ مقصود ایسا نہ ہو اور اس کی تحصیل و حصول میں شرعی منکرات کا ارتکاب نہ کرے تو پھر وہ مقصود شرعی طور پر ممنوع اور قابل پرہیز نہ ہوگا۔ گویا یہ مقصود اس کے مقاصد میں سے نہیں ہے اور یہ مطلوب اس کے مطالب میں سے نہیں ہے، بلکہ اس کا مقصود درحقیقت حق سبحانہ ہے اور اس کا مطلوب حق تعالیٰ کی شریعت کے اوامر اور نواہی ہیں۔ اور اس نے اس شے مقصود کے ساتھ میلان طبع سے زیادہ دلی (تعلق) پیدا نہیں کیا اور یہ بھی شرعی احکام کی تابعداری میں کیا ہے۔ شریعت کی حقیقت میں جو کہ ایمان کے کمال کی دلالت کرتی ہے، غیر کی مقصودیت کے مادہ کو ختم کرنا مطلوب ہے۔ کیونکہ حق سبحانہ و تعالیٰ کے غیر کی مقصودیت کی تجویز سے اکثر اوقات یوں ہوتا ہے کہ نفسانی ہوا و ہوس کے غلبہ کی امداد و اعانت سے غیر کی مقصودیت حق سبحانہ و تعالیٰ کی مقصودیت سے مخالفت پیدا کر لیتی ہے، بلکہ حق جل و علا کی مرضیات کو حاصل کرنے کی بجائے اس کے حصول کو اختیار کرتی ہے تو ابدی خسارے تک پہنچا دیتی ہے۔ لہذا غیر کی مقصودیت مطلق طور پر ایمان کے اکمال کے لیے ضروری ہے، تاکہ وہ زوال اور رجوع سے محفوظ و مامون رہے۔ ہاں! بعض سعادت مندوں کو ارادہ کی نفی اور رفع اختیار کے بعد صاحب ارادہ و اختیار بناتے ہیں اور اس سے جزئی ارادہ و اختیار دور کر کے اسے کُلّی طور پر صاحب ارادہ و اختیار بنا دیتے ہیں۔ اس مقصد کی تحقیق کسی دوسرے مکتوب میں کی جائے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ رَبَّنَا أَنْتُمْ لَنَا نُورٌ نَا وَاعْفِرْ لَنَا جِ انْكَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ. (سورۃ تحریم، ۸)

یعنی: اے ہمارے پروردگار! ہمارا نور ہمارے لیے پورا کر اور ہمیں معاف فرما، بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے۔

وَالسَّلَامُ عَلَى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدَى (سورۃ طہ، ۴) وَالنَّزَمَ مُتَابِعَةَ الْمُصْطَفَى عَلَيْهِ وَعَلَى جَمِيعِ الْأَنْبِيَاءِ وَالصَّلَوَاتِ وَالتَّحِيَّاتِ وَالتَّسْلِيمَاتِ أَتَمُّهَا وَأَكْمَلُهَا.

یعنی: اور جو شخص ہدایت کی بات مانے اور (حضرت محمد) مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی متابعت کو لازم پکڑے، اُس کو سلامتی نصیب ہو۔

مکتوب نمبر (۴)

سیادت اور ارشاد پناہ میر محمد نعمان کو تحریر فرمایا۔ آیت کریمہ: لَا يَمْسُئُهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ کی تاویل میں۔
اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے: إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ. فِي كِتَابٍ مَّكْنُونٍ. لَا يَمْسُئُهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ. (سورۃ واقعہ، ۷۷-۷۹)

یعنی: بیشک یہ بڑے رتبے کا قرآن ہے جو کتاب محفوظ میں لکھا ہوا ہے۔ اس کو وہی ہاتھ لگاتے ہیں جو پاک ہیں۔
اس (آیت) کریمہ کی مراد (حقیقی) تو اللہ سبحانہ ہی جانتا ہے اور جو رمز اس مقام میں (اس فقیر) کی فہم قاصر میں آتی ہے، وہ یہ ہے کہ قرآن کے پوشیدہ اسرار کو نہیں چھوتے، مگر وہی لوگ جو بشری تعلقات کی آلودگی سے پاک ہو گئے ہوں۔ جب قرآنی اسرار تک رسائی پاکیزہ لوگوں کا نصیب ہو تو پھر دوسروں کو کیا ملے گا؟ دوسری رمزیہ ہے کہ نہ پڑھیں قرآن کو، یعنی اس لائق نہیں کہ وہ قرآن کو پڑھیں، مگر وہ لوگ کہ جن کے نفوس ہوا و ہوس سے پاکیزہ (پاک) ہو گئے ہوں اور وہ جلی و خفی شرک سے اور آفاقی و انفسی معبودوں سے پاک (صاف) ہو گئے ہوں۔

اس کی تشریح یہ ہے کہ سلوک کے مبتدی کے حال کے مناسب ذکر اور مذکور (اللہ) کے ماسوا کی نفی کرنا ہے، یہاں تک کہ ماسوا سے کچھ بھی اس کے علم میں نہ رہے اور حق سبحانہ کے سوا کوئی اور چیز اس کی مراد نہ ہو۔ حتیٰ کہ اگر تکلف سے بھی چیزیں اس کو یاد دلائیں تو اس کو یاد نہ آئیں اور وہ اس کا مقصود نہ ہوں، اور جب اس طرح ہو جائے تو وہ شرک سے پاک ہو گیا اور آفاقی و انفسی معبودوں سے آزاد ہو گیا۔ اس وقت مناسب ہوتا ہے کہ وہ ذکر کی بجائے قرآن کی تلاوت کرے اور تلاوت کی بدولت ترقیاں فرمائے۔ اس مذکورہ حالت کے حاصل کرنے سے پہلے قرآن کی تلاوت کرنا ابرار کے اعمال میں داخل ہے اور اس حالت کے حاصل ہونے کے بعد قرآن کی تلاوت کرنا مقربین کے اعمال میں سے ہے، جیسا کہ اس نسبت کے حاصل کرنے سے پہلے ذکر کرنا مقربین کے اعمال میں شمار تھا۔ ابرار کے اعمال عبادات میں سے ہیں اور مقربین کے اعمال تفکرات میں سے ہیں۔ آپ نے سنا ہوگا: تَفَكُّرٌ سَاعَةً خَيْرٌ مِّنْ عِبَادَةٍ سَنَةً أَوْ سَبْعِينَ سَنَةً^(۱)۔ یعنی: ایک ساعت کا تفکر ایک سال یا ستر سال کی عبادت سے بہتر ہے۔

تفکر سے مراد باطل کو چھوڑ کر حق سبحانہ کی طرف جانا ہے۔ جتنا فرق ابرار اور مقربین کے درمیان ہے، ان کی عبادت اور تفکر میں بھی اتنا ہی فرق ہے۔

جاننا چاہیے کہ مبتدی کا جو ذکر مقربین کے اعمال میں شمار تھا، وہ ہے جو اس نے شیخ کامل مکمل سے اخذ کیا ہو اور اس کا مقصود سلوک طریقت ہو، ورنہ وہ ذکر بھی ابرار کے اعمال میں سے ہے۔ وَاللَّهُ سُبْحَانَهُ الْمُلْهُمُ لِلصَّوَابِ.

یعنی: اللہ سبحانہ ہی صحیح بات کی طرف الہام کرنے والا ہے۔

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اَتَّبَعَ الْهُدٰی (سورۃ طہ، ۴۷) وَالتَّزَمَ مُتَابِعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ الصَّلٰوٰتُ وَالتَّسْلِیْمٰتُ اَتْمٰہَا وَاَكْمَلٰہَا۔

یعنی: اور جو شخص ہدایت کی بات مانے اور (حضرت محمدؐ) مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی متابعت کو لازم پکڑے، اس کو سلامتی نصیب ہو۔

مکتوب نمبر (۵)

یہ بھی سیادت و ارشاد پناہ میر محمد نعمان کو تحریر فرمایا۔ حضرت عالی مدظلہ العالی (حضرت مجدد قدس سرہ) کے بعض خاص

احوال و اذواق کے بیان میں جو بعض مصائب پیش آنے کی وجہ سے ظاہر ہوئے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ (سورۃ نمل، ۵۹)

یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے ان بندوں پر سلام ہو، جن کو اس نے منتخب فرمایا۔

پوشیدہ نہ رہے کہ جب تک میں اللہ سبحانہ کی عنایت سے، اس عنایت سے کہ جس نے حق تعالیٰ کے جلال و غضب کی صورت میں تجلی فرمائی تھی، جیل کے پنجرے میں قید نہیں ہوا تھا، اس وقت تک میں ایمان شہودی کے تنگ کوچہ سے کھلی طور پر رہا نہ ہوا اور خیال و مثال کے کوچوں کے پیچھے سے پوری طرح باہر نہیں آیا اور ایمان بالغیب کی شاہراہ پر کھلی طور پر آزاد ہو کر محو خرام نہیں ہوا اور حضور سے غیب کے ساتھ اور عین سے علم کے ساتھ اور شہود سے استدلال کے ساتھ کامل طور پر نہیں ملا اور کامل ذوق اور صحیح وجدان کے ساتھ دوسروں کے ہنر کو عیب اور ان کے عیب کو ہنر نہیں پایا اور بے آبروئی و بے عزتی کے خوشگوار شربتوں اور خواری و رسوائی کے مزیدار مربوؤں کو نہیں چکھا اور خلقت کے طعن و ملامت کے جمال سے لطف اندوز نہیں ہوا اور لوگوں کی بلا و جفا کے حسن سے بہرہ یاب نہیں ہوا اور کَالْمِیَّتِ بَيْنَ یَدَیْ الْغَسَّالِ (یعنی: جیسے مردہ نہلانے والے کے ہاتھوں میں ہوتا ہے) کی مانند بن کر کھلی طور پر ارادہ و اختیار کو ترک نہیں کیا اور آفاق و انفس کے تعلق کے رشتوں کو پوری طرح اور مکمل طور پر نہیں توڑا اور زاری و التجا، انابت و استغفار اور ذلت و انکساری کی حقیقت کو حاصل نہیں کیا اور حضرت حق سبحانہ کی بے نیازی کے بلند مرتبہ ترازو کا، جو کہ عظمت و کبریائی کے سراپردوں سے لپیٹا ہوا ہے، مشاہدہ نہیں کیا اور خود کو خوار و زار، ذلیل و بے اختیار، بے ہنر و بے اقتدار اور کامل محتاج و فقیر بندہ معلوم نہیں کیا۔ وَمَا اُبْرِئُ نَفْسِیْ جَ اِنَّ النَّفْسَ لَا مَارَۃً بِالسَّوْءِ اِلَّا مَا رَاحِمَ رَبِّیْ ط اِنَّ رَبِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۔ (سورۃ یوسف، ۵۳)

یعنی: اور میں اپنے آپ کو پاک صاف نہیں کہتا، کیونکہ نفس امارہ (انسان کو) برائی ہی سکھاتا رہتا ہے، مگر یہ کہ میرا پروردگار رحم کرے۔ بیشک میرا پروردگار بخشنے والا مہربان ہے۔

اگر محض اللہ جل سلطانہ کے لگاتار فیوض و واردات اور حق سبحانہ کے بے انتہا عطیات و انعامات مسلسل اس محنت کدہ (قید خانہ) میں اس شکستہ دل کے شامل حال نہ ہوتے تو قریب تھا کہ معاملہ مایوسی تک پہنچ جاتا اور اُمید کا رشتہ ٹوٹ جاتا۔ سب تعریفیں اس اللہ تعالیٰ کی ہیں جس نے عین بلا میں مجھے عافیت عطا فرمائی اور جفا کی صورت میں مجھ پر کرم فرمایا اور سختی کی حالت

میں مجھ پر احسان فرمایا اور خوشی اور رنج میں مجھے شکر کی توفیق بخشی اور مجھے انبیاء (علیہم الصلوٰۃ والسلام) کے تابعداروں اور اولیائے کرام کے نقش قدم پر چلنے والوں اور علماء و صلحاء کے محبوں میں سے بنایا۔ صَلَّوْاۤتِ اللّٰهِ سُبْحَانَهُ وَتَسْلِيْمَاتُهُ عَلٰی الْاَنْبِيَاءِ اَوَّلًا وَعَلٰی مُصَدِّقِيْهِمْ ثَانِيًا۔

یعنی: اللہ سبحانہ کی جانب سے درود و سلام ہوا اول انبیاء پر اور اس کے بعد اُن کی تصدیق کرنے والوں پر۔

مکتوب نمبر (۶)

معارف آگاہ شیخ بدیع الدین کو تحریر فرمایا، اس بیان میں کہ محبوب کی جانب سے مصائب اس کے انعام سے اور اس کا جلال اس کے جمال سے زیادہ محبوب ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰی. (سورۃ نمل، ۵۹)

یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے ان بندوں پر سلام ہو، جن کو اس نے منتخب فرمایا۔

آپ نے جو مکتوب شیخ فتح اللہ کے ذریعے ارسال کیا تھا، وہ پہنچا۔ آپ نے خلقت کی جفا و ملامت کے بارے میں لکھا تھا۔ یہ چیز خود اس گروہ (صوفیہ) کا جمال ہے اور ان کے زنگ کا صیقل ہے، (لہذا) قبض و کدورت (تنگی و تیرگی) کا باعث کیوں ہو؟

حال کے آغاز میں جب فقیر اس قلعہ (گوالیار) میں پہنچا تو محسوس ہوتا تھا کہ خلقت کی ملامت کے انوار شہروں اور دیہاتوں سے نورانی بادلوں کی مانند مسلسل پہنچ رہے ہیں اور معاملے کو پستی سے بلندی کی جانب لے جا رہے ہیں۔ آپ کو سالوں سے جمالی تربیت سے منازل طے کر رہے تھے، اب جلالی تربیت سے فاصلہ طے کر رہے ہیں، (لہذا) مقامِ صبر میں، بلکہ مقامِ رجا میں رہیں اور جمال و جلال کو برابر سمجھیں۔

آپ نے لکھا تھا کہ فتنے^(۱) کے ظہور کے وقت سے نہ ذوق رہا ہے اور نہ حال۔ ذوق اور حال دو گنا ہونا چاہیے، کیونکہ محبوب کی جفا اس کی وفا سے زیادہ لذت بخشے والی ہے۔ کیسی عجیب بات ہے کہ آپ نے عوام کے رنگ میں بات کی ہے اور محبت ذاتیہ سے دور چلے گئے ہیں۔ پہلی حالت کے برخلاف جلال کو جمال سے زیادہ خیال کریں اور مصائب کو انعام سے زیادہ تصور کریں۔ کیونکہ جمال و انعام میں محبوب کی مراد اپنی مراد سے ملی ہوئی ہے اور جلال اور مصائب میں محبوب کی خالص مراد ہے اور اپنی مراد کے خلاف ہے۔ اس مقام (قید خانہ) میں وقت و حال پہلے وقت و حال سے مختلف ہے۔ شَتَّانَ مَا بَيْنَهُمَا۔ یعنی: ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔

آپ نے حرمین شریفین کی زیارت کے بارے میں لکھا تھا۔ (اس میں) کیا مانع ہے؟ حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ۔ (سورۃ آل عمران، ۱۷۳) یعنی: ہم کو اللہ کافی ہے اور وہ بہت اچھا کارساز ہے۔

مکتوب نمبر (۷)

سیادت پناہ میر محبت اللہ مانگو ری کو تحریر فرمایا۔ خلقت کی ایذا کو برداشت کرنے کے بیان میں۔
بَعْدَ الْحَمْدِ وَالصَّلٰوةِ وَتَبْلِيْغِ الدَّعْوَاتِ۔

یعنی: اللہ تعالیٰ کی تعریف کرنے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجنے اور سلام و دعا پیش کرنے کے بعد۔ واضح ہو کہ سیادت پناہ میرے بھائی میرے سید محبت اللہ کا مکتوب شریف پہنچا۔ اس نے بہت زیادہ خوشی پہنچائی۔ خلقت کی ایذا کو برداشت کرنے سے چارہ نہیں اور قریبی لوگوں کی جفا پر صبر کرنے کے سوا گزرا نہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب علیہ علی آلہ الصلوٰۃ کو آمر فرماتے ہوئے فرماتا ہے:

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُو الْعَرْشِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَهُمْ. (سورۃ احقاف، ۳۵)
یعنی: سو (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم!) جس طرح اور عالی ہمت پیغمبر صبر کرتے رہے ہیں اُسی طرح آپ بھی صبر کریں اور ان کے لیے (عذاب) جلدی نہ مانگیں۔

اس مقام (قید خانہ) کی سکونت میں لذت یہی ایذا اور جفا ہے اور آپ اس لذت کے مقام سے فرار کر رہے ہیں۔ جی ہاں! شکر کا پلا ہوا نمک کی تاب نہیں رکھتا اور کیا کیا جاسکتا ہے۔ شعر:

ہر کہ عاشق شد اگر چہ نازنین عالم است ناز کی راست آید بارے باید کشید

یعنی: جو شخص عاشق بنا، خواہ وہ جہاں کا نازنین ہو، اُسے نزاکت کب چھتی ہے، اسے بوجھاٹھانا چاہیے۔ لکھا گیا تھا کہ اگر اجازت ہو تو الہ آباد میں سکونت اختیار کر لوں۔ کوئی مقام متعین کر لیں، تاکہ وہاں جا کر لوگوں کی جفا کی کثرت سے کچھ روز آرام پالیں۔ یہ طریقہ رخصت کا ہے اور عزیمت کا طریقہ ایذا پر صبر و تحمل کرنا ہے۔ اس موسم میں فقیر پر ضعف غالب آ جاتا ہے، جیسا کہ آپ کو معلوم ہے، اس بنا پر چند کلمات ہی کو کافی سمجھا ہے۔ والسلام۔

مکتوب نمبر (۸)

حقائق آگاہ مولانا محمد صدیق کو تحریر فرمایا۔ غیب کی اصلیت اور شہود کی ظلیت کے بیان میں۔
اے محبت کے نشانات والے! غیب شہود کے مقابل ہے جو ظلیت کا شائبہ رکھتا ہے اور غیب اس آمیزش سے مبرا ہے۔ پس غیب شہود سے زیادہ اکمل ہے، لیکن جب سید البشر علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام معراج کی رات رویت کی دولت سے مشرف ہوئے ہیں، جو کہ ظلال کے سراپردوں سے وراء الوراق ہے اور ظلیت کی آمیزش اور شائبہ سے زیادہ پاک ہے، تو پھر آنحضرت علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کے حق میں غیب رویت سے اکمل کیوں ہو، کیونکہ غیب پر اکتفا کرنا ظلیت کے رفع کے لیے تھا اور جب ظلیت کا کلی طور پر رفع ہونا عین حضور میں میسر ہو جائے تو پھر غیب کس لیے درکار ہے؟ یہ وہ دولت ہے جو سید الکونین علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مخصوص ہے اور آپ علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کے کامل تابعداروں کو بھی تبعیت (پیروی) اور وراثت کے طور پر اس مقام سے (حصہ) نصیب ہے۔ لیکن چونکہ رویت نہیں ہے تو پھر شہود اور مشاہدہ بھی نہیں ہے۔ اس مقام کی تعبیر غیب کے ساتھ کرنا بہترین تعبیرات میں سے ہے۔ اس مقام کی تفصیل گفتگو میں صحیح (بیان) نہیں ہو سکتی۔ ہر شخص اپنی پہنچ کے اندازہ سے اسے پائے گا اور وہ ذات اس سے وراء الوراق ہے اور بہت ہی کم لوگوں کے سوا کسی کو اس مقام سے حصہ نصیب نہیں ہوتا۔

مکتوب نمبر (۹)

سیادت و ارشادِ پناہ میر محمد نعمان کو تحریر فرمایا۔ آیت کریمہ: مَا اَتَكُمْ الرَّسُولُ فَاْخُذُوْهُ کے بیان میں۔
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے: مَا اَتَكُمْ الرَّسُولُ فَاْخُذُوْهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ
فَاَنْتَهُوْا ج وَاتَّقُوا اللّٰهَ۔ (سورۃ حشر، ۷)

یعنی: سو جو چیز تم کو پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) دیں وہ لے لو اور جس سے منع کریں (اُس سے) باز رہو۔
اوامر کے بجالانے اور نواہی سے رکنے کے بعد تقویٰ کا ذکر کرنے میں اس چیز کی جانب اشارہ ہے کہ ممنوع چیزوں
سے بچنا بہت ضروری ہے، کیونکہ یہ تقویٰ کی حقیقت ہے اور یہی دین کا اصل مقصود ہے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
و بارک نے فرمایا ہے:

- ♦ وَمَلَاكُ دِيْنِكُمْ الْوَرَعُ۔^(۱) یعنی: تمہارے دین کی اصل بنیاد تقویٰ ہے۔
 - ♦ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دوسری جگہ فرمایا ہے: لَا تَعْدِلْ بِالرَّعَةِ شَيْئًا۔^(۲)
- یعنی: پرہیزگاری کے برابر کسی چیز کو نہ سمجھو۔

پرہیزگاری یہی تقویٰ ہے اور اس اہتمام کا سبب اللہ سبحانہ ہی خوب جانتا ہے، حقیقی مقصد یہ ہے کہ تقویٰ وجود کے لحاظ
سے بہت عام ہے اور نفع کے اعتبار سے بہت زیادہ ہے، کیونکہ یہ باز رہنے اور اوامر کے بجالانے میں بھی پایا جاتا ہے۔ لہذا کسی
امر کا بجالانا اس کی ضد سے رک جانا ہے اور یہ چیز ظاہر ہے۔ لیکن انتہا، یعنی منہیات سے رک جانے کا عموم جہت کے علاوہ
زیادہ نفع والا اس لیے ہے کہ اس میں صرف نفس کی مخالفت ہے اور اس میں نفس کی لذت کا کوئی شائبہ نہیں ہے۔ برخلاف اوامر
کے بجالانے کی صورت کے، کہ اس میں بعض اوقات نفس لذت بھی حاصل کرتا ہے اور شک نہیں ہے کہ جس چیز میں نفس کی
مخالفت بہت زیادہ ہوگی، اس کا نفع بھی بہت زیادہ ہوگا اور یہ نجات کا نزدیک ترین راستہ ہے، کیونکہ شرعی تکلیفات کا اصلی
مقصد نفس کو عاجز بنانا اور ویران کرنا ہے، کیونکہ وہ حق سبحانہ کی دشمنی میں کھڑا ہے۔ جیسا کہ حدیث قدسی میں آیا ہے کہ:

عَادَ نَفْسَكَ فَإِنَّهَا اَنْتَصَبَتْ بِمُعَادَاتِيْ۔ یعنی: اپنے نفس کو دشمن سمجھ، کیونکہ وہ میری دشمنی پر قائم ہے۔

اس طرح مشائخ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے طریقوں میں سے جس طریقے میں شرعی احکام کی رعایت بہت زیادہ
ہے، وہ حق سبحانہ تک پہنچنے کے لیے سب سے زیادہ قریب راستہ ہے، کیونکہ اس میں نفس کی بہت زیادہ مخالفت ہے۔ آگاہ
رہیں اور سمجھ لیں کہ ایسا طریقہ نقشبندی ہی ہے۔ اسی وجہ سے ہمارے سردار اور ہمارے قبلہ شیخ اجل شیخ بہاء الدین مشہور بہ نقشبند
(قدس سرہ) نے فرمایا ہے کہ میں نے ایک ایسا طریقہ پایا ہے (وضع کیا ہے) جو نفس کے ساتھ مخالفت رکھنے کی وجہ سے وصول
الی اللہ کے طریقوں میں سب سے زیادہ قریب ترین ہے۔ اور اس طریقہ میں شرعی احکام کی رعایت زیادہ ہے۔ جیسا کہ مشائخ
کے طریقوں میں غور و خوض کرنے والے زیرک مصنف مزاج پر یہ چیز پوشیدہ نہیں ہے۔ اس کے باوجود (اس فقیر نے) اپنے
بعض رسائل میں بڑی شرح و تفصیل کے ساتھ اس چیز کو بیان کیا ہے۔

وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ اَعْلَمُ بِحَقِیْقَةِ الْحَالِ وَهُوَ سُبْحَانَهُ حَسْبِیْ وَنِعْمَ الْوَكِیْلُ۔

یعنی: اور اللہ سبحانہ حقیقت حال کو خوب جانتا ہے اور اللہ سبحانہ ہی میرے لیے کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔
وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّآلِهِ وَصَحْبِهِ وَسَلَّم وَبَارَكَ وَكَرَّمَ.
یعنی: اور اللہ تعالیٰ کا درود و سلام اور برکت و کرم ہو (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر اور آپ کی آل (اطہار) اور صحابہ (کرام) پر۔

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اَتْبَعَ الْهُدٰی. (سورۃ طہ، ۴۷)
یعنی: اور جو شخص ہدایت کی بات مانے، اُس کو سلامتی نصیب ہو۔
مکتوب نمبر (۱۰)

(یہ بھی) سیادت اور ارشاد پناہ میر محمد نعمان کو تحریر فرمایا۔ آیت کریمہ: وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ (کے بیان) میں۔
اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰی. (سورۃ نمل، ۵۹)
یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے ان بندوں پر سلام ہو، جن کو اس نے منتخب فرمایا۔
اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ. (سورۃ بقرہ، ۱۸۶)
یعنی: اور (اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم!) جب آپ سے میرے بندے میرے بارے میں دریافت کریں تو کہہ دیں کہ میں تو تمہارے پاس ہوں۔

حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ کا قرب اگرچہ بے مثل و بے مثال ہے لیکن وہم کی وہاں تک گنجائش ہے۔ حق تعالیٰ کی اقربت ایسی چیز ہے جو وہم کے احاطہ سے خارج اور خیال کے دائرہ سے باہر ہے۔ لہذا قرب دان بہت ہیں اور اقربت دان بہت ہی قلیل ہیں۔ قرب کی انتہا اتحاد کے حاصل ہونے تک ہے۔ اگرچہ اتحاد بھی صرف وہم ہی ہے اور اقربت اتحاد سے آگے قرب کی جانب گزرنے پر ہے۔ اگرچہ عقل اپنے آپ سے زیادہ قریب چیز کو دور ہی تصور کرتی ہے۔ یہ عقل کی کوتاہ نظری کی وجہ سے ہے جس نے دو بینی کی عادت بنالی ہے اور اس نے اپنے آپ سے زیادہ قریب چیز کو نہیں پایا۔ والسلام۔
مکتوب نمبر (۱۱)

سیادت پناہ میر شمس الدین علی خلغالی کو تحریر فرمایا۔ انسان کی جامعیت کے بیان میں، جو عالم امر اور خلق کے دس اجزاء سے مرکب ہے اور انسان کے قلب کی عرش مجید پر برتری کے بیان میں۔
اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰی. (سورۃ نمل، ۵۹)
یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے ان بندوں پر سلام ہو، جن کو اس نے منتخب فرمایا۔
آدمی ایک ایسا نسخہ جامعہ ہے جو دس اجزاء، یعنی اربعہ عناصر، نفس، ناطقہ، قلب و روح، سر و خفی اور انخی سے مرکب ہے اور دوسرے قویٰ اور اعضاء جو انسان میں ہیں، وہ انہی اجزاء سے متعلق ہیں اور یہ اجزاء ایک دوسرے کے متضاد ہیں۔ عناصر اربعہ کا آپس کا تضاد ظاہر ہے اور اسی طرح عالم خلق کا عالم امر کی ضد ہونا عیاں ہے اور عالم امر کے پانچوں لطائف میں سے

ہر لطیفہ ایک خاص امر کے ساتھ مخصوص ہے اور ایک کمال سے منسوب ہے اور نفس ناطقہ خود اپنی خواہش کا طالب ہے اور کوئی ایک بھی سر نیچے نہیں کرتا۔ اللہ جل سلطانہ کی عنایت نے اپنی قدرت کاملہ سے ان سب متضاد چیزوں کی تندی و تیزی کو توڑ کر ان کو جمع فرمادیا ہے اور ان کو مزاج خاص اور ہیئت وحدانی عطا کی ہے۔ مزاج خاص اور ہیئت وحدانی کے بعد اپنی حکمت بالغہ سے اس کو ایک صورت بخشی ہے تاکہ وہ اس کے متفرق اور متضاد اجزاء کی حفاظت کرے۔ اس مجموعہ کو انسان کا نام بخشا اور جامعیت کے اعتبار اور ہیئت وحدانی کے حاصل ہونے سے اس کو خلافت کی استعداد کے شرف سے مشرف فرمایا۔ یہ دولت انسان کے سوا کسی کو میسر نہیں ہوئی۔

عالم کبیر اگرچہ بزرگ ہے، لیکن یہ جامعیت سے خالی ہے اور ہیئت وحدانی سے بے نصیب ہے۔ یہ ماجرا تمام افراد انسانی میں ثابت ہے اور عوام و خواص انسان اس چیز میں شریک ہیں۔

جاننا چاہیے کہ عالم کبیر کے اجزاء میں سے سب سے اشرف عرش مجید ہے اور اس پر مخصوص تجلی دوسرے اجزاء کی تجلیات سے بالاتر ہے۔ کیونکہ یہ تجلی جامع ہے اور وہ ظہور واجب تعالیٰ و تقدس کے اسماء و صفات کا جمع کرنے والا ہے اور نیز وہ تجلی دائمی ہے، پوشیدہ ہونے کی گنجائش نہیں رکھتی۔ انسان کامل کا قلب جو عرش کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے اور اس کو عرش اللہ کہتے ہیں، وہ اس عرشی تجلی سے بہت زیادہ نصیب اور کامل حصہ رکھتا ہے۔

مختصر یہ ہے کہ وہ (عرشی) تجلی کئی ہے اور یہ (قلبی) تجلی اس کے مقابلے میں جزئی ہے۔ لیکن قلب ایک برتری رکھتا ہے جو عرش میں نہیں ہے اور وہ مجلی (جلوہ گر ہونے والے) کا شعور ہے۔ نیز قلب ایک ایسا مظہر ہے جو اپنے ظاہر کے ساتھ گرفتاری رکھتا ہے، برخلاف عرش کے جو اس گرفتاری سے خالی ہے۔ لہذا لازمی طور پر مقصود کے اس شعور و گرفتاری کی وجہ سے قلب کی ترقی ممکن ہے، بلکہ واقع ہے، کیونکہ: **الْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ** ^(۱) (یعنی: آدمی اُس کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت کرتا ہے) کی رو سے قلب اس کے ساتھ ہے جس کی وہ گرفتاری رکھتا ہے اور جس کی محبت میں فریفتہ ہے۔ اگر وہ اسماء و صفات کا محب ہے تو اسماء و صفات کے ساتھ ہے اور اگر ذات (حق) تعالیٰ و تقدس کا محب ہے تو اس نے اس جگہ کی معیت کو درست کر لیا ہے اور اسماء و صفات کی گرفتاری سے گزر چکا ہے۔ بخلاف عرش مجید کے، کہ اسماء و صفات سے خالی تجلی اس کے حق میں غیر واقع ہے۔ والسلام۔

مکتوب نمبر (۱۲)

سیادت پناہ میر محمد نعمان کو تحریر فرمایا۔ زاری و نیاز، ذکر اور قرآن کی تلاوت اور نماز میں لمبے قیام کے فوائد (کے بیان) میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰی. (سورۃ نمل، ۵۹)

یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے ان بندوں پر سلام ہو، جن کو اس نے منتخب فرمایا۔

سیادت پناہ پیارے بھائی کا مکتوب شریف موصول ہوا (اور) اس نے خوش کیا۔

آپ نے لکھا تھا کہ حضرت حق سبحانہ کی بارگاہ میں دعا، تضرع و زاری اور دائمی التجا بہتر ہے، یا ذکر کرنا بہتر ہے، یا یہ

چیزیں ذکر کے ساتھ ملا لینا بہتر ہے۔ ذکر کرنے سے چارہ نہیں ہے۔ اس کے ساتھ جو کچھ جمع ہو جائے، وہ دولت ہے۔ وصول (الی اللہ) کا مدار ذکر پر رکھا گیا ہے۔ دوسری چیزیں ذکر کے ثمرات و نتائج کی صورت میں ہیں۔

نیز آپ نے پوچھا تھا کہ ان تین چیزوں؛ ذکر نفی و اثبات، قرآن مجید کی تلاوت اور لمبے قیام کے ساتھ نماز میں سے کوئی چیز بہتر ہے؟ ذکر نفی و اثبات وضو کی مانند ہے جو نماز کی شرط ہے۔ جب تک طہارت درست نہ ہو جائے نماز کا شروع کرنا منع ہے۔ اسی طرح جب تک نفی کا معاملہ مکمل نہ ہو جائے، فرائض و واجبات، سنتوں اور نفل عبادات میں سے جو کچھ بھی ادا کریں، وہ وبال میں داخل ہے۔ پہلے اپنی اس بیماری کو ختم کرنا چاہیے جو ذکر نفی و اثبات سے تعلق رکھتی ہے۔ اس کے بعد دوسری عبادتوں اور نیکیوں میں مشغول ہونا چاہیے جو بدن کے لیے صالح غذا کی مانند ہیں۔ بیماری کے خاتمے سے پہلے جو غذا بھی تناول کریں، وہ فاسد و مفسد ہے:

ع ہر چہ گیرد علّتی علّت شود

یعنی: بیمار جو کچھ کھاتا ہے وہ بیماری کو بڑھاتا ہے۔

ضروری نہیں ہے کہ اس معاملے کے انجام کا تعین کیا جائے، کیونکہ یہ حالت خود اپنی تکمیل کی اطلاع دیتی ہے۔ آپ نے لکھا تھا کہ تیسری جلد کس شخصیت کے نام مزین و آراستہ کریں؟ اس سے پہلے بھی فقیر نے آپ کے مکتوب کے جواب میں لکھا تھا کہ آپ کے نام سے مزین کریں۔ آپ کے خط کے جواب میں اب بھی وہی بات ہے۔ آپ سے بہتر کون ہوگا؟ دل کی نگرانی اور توجہ ہمیشہ آپ ہی کی جانب رہتی ہے۔

آپ کے آگرہ کے قیام کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہے۔ اگرچہ ہمسائیگی میں ہے، لیکن جب ملاقات سے خالی ہے تو بے اعتبار ہے۔ فقیر کے قریب ہونے کی وجہ سے وہاں نہ رہیں، مجھے اَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ کے سپرد کر کے وطن کی طرف چلے جائیں اور وہاں کے مشتاقین کو مسرور کریں اور اگر وہاں رہنے کے لیے کوئی وجہ اپنے دل میں تصور کر چکے ہیں تو وہ دوسرا معاملہ ہے۔

محمد امینؑ کی والدہ (آپ کی زوجہ) کامیاب رہیں اور عصمت و آبرو کے ساتھ رہیں۔ ان کے دور و دراز کے واقعات جو آپ نے لکھے تھے، مطالعہ میں آئے۔ اگرچہ بہت سی چیزیں خوفناک اور پریشان کن ہیں، لیکن یہ اچھا ہے کہ ہر ایک کا انجام بخیر ہوتا ہے۔ (ان سے) فرمائیں کہ اس قسم کے واقعات سے متنبہ ہونا چاہیے اور توبہ و استغفار سے تلافی کریں۔ دنیاوی فائدے اور ظاہری زیب و زینت محض فانی چیزیں ہیں۔ عقلمند ان پر فریفتہ نہیں ہوتا اور ان میں مبتلا نہیں ہوتا۔ آخرت کے حالات پیش نظر رہنے چاہئیں اور وہ ہمیشہ ذکر میں مشغول رہیں۔ کچھ ضروری نہیں کہ ذکر میں پوری طرح لذت پیدا ہو جائے اور چیزیں نظر آئیں۔ یہ خود کھیل کود میں داخل ہے۔ ذکر میں جس قدر مشقت ہو، بہتر ہے۔ اور پانچ وقت کی نماز ادا کر کے اوقات کو ذکر الہی جل شانہ سے معمور رکھیں اور ذکر کی لذت کے لیے بیکار نہ بنیں اور چاہیے کہ آپ کی خدمت کو غنیمت سمجھ کر آپ کی رضا جوئی میں لگی رہیں۔ آپ بھی بہت زیادہ ان کی جانب جائیں اور بڑی نرمی سے انہیں اپنی طرف متوجہ کریں اور نیکیوں میں رہنمائی کریں۔ والسلام۔

مکتوب نمبر (۱۳)

سیادتِ پناہ میرِ محبت اللہ مانگو ری کو تحریر فرمایا۔ روشن شریعت کے صاحبِ علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت اور پیرِ طریقت کی متابعت میں پختہ ہونے کا شوق دلانے (کے بیان) میں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ.

سیادتِ مآب میرے بھائی میرِ سیدِ محبت اللہ (رحمۃ اللہ علیہ) کا مکتوب شریف پہنچا۔ ناامیدی کے مقدمات (حالات) جو اضطراب اور پریشانی کے لحاظ سے لکھے گئے تھے، ان سے آگاہی ہوئی۔ ناامیدی کفر ہے۔ امیدوار رہیں اور اگر ان دواؤں میں رسوخ رکھتے ہیں تو کوئی غم نہیں ہے۔ روشن شریعت کے صاحب (حضرت محمد مصطفیٰ) علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت اور شیخِ طریقت کی عقیدت و محبت۔ آگاہ رہیں اور التجا و زاری کریں کہ ان دو دولتوں میں غفلت نہ ہو۔ اور جو کچھ ہو وہ آسان ہو اور اس کی تلافی ممکن ہے۔

اس سے پہلے بھی میں نے لکھا تھا کہ جب آپ مانگو ری کی سکونت سے بیزار ہیں تو پھر الہ آباد کو وطن اختیار کر لیں۔ احتمال ہے کہ مبارک ہوگا۔ آپ نے اس کے برعکس سمجھا۔ کیا لفظ مبارک نے بھی آپ کی رہنمائی نہ کی؟ اب بھی وہی بات ہے۔ آج رات نظر آیا کہ گویا آپ کے سامان کو مانگو ری سے کھینچ کر الہ آباد لے گئے ہیں۔ اسی جگہ ویرانہ (کٹیا) اختیار کریں۔ اوقات کو ذکر الہی جلِ سلطانہ سے معمور رکھیں اور کسی آدمی سے کام نہ رکھیں۔ ذکرِ نفی و اثبات کو لازم پکڑیں اور تمام مرادات کو کلمہ طیبہ کے تکرار کے ساتھ سینے کے میدان سے باہر نکال دیں تاکہ ایک (اللہ) کے سوا کوئی اور مقصود و مطلوب اور محبوب نہ رہے۔ اگر دل ذکر کرنے سے رہ جائے تو زبان سے کریں اخفا کی شرط کے ساتھ، کیونکہ اس طریقہ میں (ذکر) جہر کرنا منع ہے۔ باقی طریقہ کی روش اور اوضاع آپ معلوم کر چکے ہیں۔ جہاں تک ہو سکے تقلید کا راستہ ہاتھ سے جانے نہ دیں، کیونکہ شیخِ طریقت کی تقلید ثمرات رکھتی ہے اور اس کے طریقہ کی مخالفت میں خطرات ہیں۔ (فقیر اس سے) زیادہ کیا لکھے۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اَتَّبَعَ الْهُدٰی. (سورۃ طہ، ۴۷) وَالْتَزَمْ مُتَابِعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہِ وَاَصْحَابِہِ الصَّلٰوٰتِ وَالتَّسْلِیْمٰتِ اَتْمَہَا وَاَکْمَلُہَا. یعنی: اور اُس شخص کو سلامتی نصیب ہو جو ہدایت کی بات مانے اور (حضرت محمد) مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی متابعت کو لازم پکڑے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آل (اطہار) اور صحابہ (کرام) پر تمام تر اور کامل ترین درود و سلام ہو۔

مکتوب نمبر (۱۴)

میرِ شمس الدین علی کو تحریر فرمایا۔ ان کے سوال کے جواب میں جو واجبِ تعالیٰ کے وجود کی حقیقت (کے بارے) میں کیا گیا تھا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی. (سورۃ نمل، ۵۹)

یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے ان بندوں پر سلام ہو، جن کو اس نے منتخب فرمایا۔

آپ نے جو مکتوب شریف از روئے کرم و شفقت ارسال کیا تھا، (فقیر) اس کے مطالعہ سے بہرہ مند اور لطف اندوز

ہوا۔ جَزَاكُمْ اللَّهُ سُبْحَانَهُ خَيْرًا۔ یعنی: اللہ سبحانہ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

(اس میں) لکھا گیا تھا کہ جب حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ کی ذات اپنی ماہیت سے وجود ہے، نہ کہ وجود کے ساتھ، خواہ عین ہو یا زائد۔ لہذا واجب الوجود (جو وجوب اور وجود کے اعتبار کے بغیر اللہ سبحانہ کی ذات ہے) اور متمتع الوجود کے درمیان تقابل کس طرح ثابت ہوگا؟ اور واجب الوجود کا اطلاق اس ذات پر جو وجوب اور وجود سے خالی ہے، کس طرح کیا جاسکے گا؟ اور عبادت کے مستحق ہونے کا ثبوت جو وجوب وجود سے وابستہ ہے، کس طرح ہوگا؟ اور واجب الوجود کا اطلاق عدیم الوجود والوجوب کی ذات پر کس اعتبار سے ہوگا؟

میرے مخدوم! ان سوالوں کا جواب دوسری جلد کے مکتوبات کے ایک مکتوب^(۱) میں جو بظاہر فقیر زادوں میں سے کسی ایک کے نام ہے، تفصیل کے ساتھ تحریر ہو چکا ہے۔ اگر آپ اس کا مطالعہ فرمائیں تو احتمال ہے کہ بہرہ مند ہوں گے۔ الغرض ممکن ہے کہ واجب جل سلطانہ کی ماہیت اپنی خودی سے موجود ہو، نہ کہ وجود اور اثبات وجود سے۔ اور وجود کا اثبات اور وجوب کا اطلاق حضرت جل شانہ کے لیے عقل کی منترعات (اپنی بنائی ہوئی چیزوں) کی قسم میں سے ہے۔ بلکہ لِلّٰهِ الْمَثَلُ الْأَعْلٰی۔ (سورۃ نحل، ۶۰) یعنی: اور اللہ کو صفتِ اعلیٰ (زیب دیتی) ہے۔

جیسا کہ وجوب وجود (عقل کی) اپنی بنائی ہوئی چیزوں میں سے ہے، ایسے ہی عدم لامتناہی بھی حضرت جل سلطانہ کی بارگاہ میں (عقل کی) منترعات (اپنی بنائی چیزوں) میں سے ہے، لیکن جہاں تک ذات جل وعلا ہے، اس جگہ جیسے کہ وجوب کی نسبت نہیں ہے، ایسے ہی عدم لامتناہی کی نسبت بھی نہیں ہے۔ جب وجوب وجود کی نسبت پیدا ہوگئی تو پھر عدم لامتناہی کی نسبت، جو اس کے مقابل ہے، بھی ظاہر ہوگئی اور عبادت کا مستحق ہونے کی نسبت جو وجوب وجود کی نسبت سے متعلق ہے، بھی ظہور میں آگئی۔ كَانَ اللَّهُ وَلَمْ يَكُنْ مَعَهُ شَيْءٌ وَإِنْ كَانَ مِنَ النَّسَبَةِ وَالْإِعْتِبَارَاتِ فَإِذَا ظَهَرَتِ النَّسَبَةُ ظَهَرَ التَّقَابُلُ۔ یعنی: اللہ تھا اور اُس کے ساتھ کوئی چیز نہ تھی اور نہ ہی کوئی نسبت اور اعتبار تھا۔ پس جب نسبتیں ظاہر ہوئیں تو تقابل بھی ظاہر ہو گیا۔ وَالسَّلَامُ أَوَّلًا وَآخِرًا۔ یعنی: اور اول و آخر میں سلام ہو۔

مکتوب نمبر (۱۵)

سیادت پناہ میر محمد نعمان کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ محبوب کی جانب سے پہنچنے والے دکھوں کی لذت محبت کی نظر میں اس کے انعام سے زیادہ زیبا ہوتی ہے۔

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفٰی۔ (سورۃ نمل، ۵۹)

یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے ان بندوں پر سلام ہو، جن کو اس نے منتخب فرمایا۔

سیادت پناہ میرے بھائی میر محمد نعمان کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ یوں مفہوم ہوتا ہے کہ خیر خواہ دوستوں نے جس قدر (فقیر کی) ربانی کے اسباب کی تدبیر میں کوشش کی ہے، وہ سود مند نہیں ہوئی۔ الْخَيْرُ فِيمَا صَنَعَ اللَّهُ سُبْحَانَهُ۔ یعنی: خیر اُس میں ہے جو اللہ سبحانہ کرے۔

اس معاملے میں بشری تقاضا کی رو سے کچھ غم پیدا ہوا اور سینے میں تنگی ظاہر ہوئی، لیکن کچھ عرصے کے بعد حق جل سلطانہ

کے فضل سے وہ سب غم اور سینے کی تنگی خوشی اور شرح صدر میں بدل گئی اور اس نے خاص یقین سے سمجھ لیا کہ اگر ان لوگوں کی مراد جو آزار کے درپے ہیں، حق جل شانہ کی مراد کے مطابق ہے تو پھر کراہت اور سینے کی تنگی بے معنی ہے اور محبت کے دعویٰ کے منافی ہے۔ کیونکہ محبوب کی جانب سے پہنچنے والے دکھ بھی اس کے انعام کی طرح محبت کو محبوب و مرغوب ہوتے ہیں۔ وہ جس طرح محبوب کے انعام سے لذت پاتا ہے، اسی طرح اس کے دکھوں سے بھی لذت پاتا ہے، بلکہ اس کے دکھوں میں زیادہ لذت پاتا ہے، کیونکہ یہ نفس کی خوشی اور اس (محبت) کی مراد سے مبرا ہے۔ جب حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ، جو جمیل مطلق ہے، وہ اس شخص کو آزار پہنچانا چاہتا ہے تو یقیناً حق تعالیٰ کا یہ ارادہ بھی حق سبحانہ و تعالیٰ کی عنایت سے اس شخص کی نگاہ میں جمیل ہے، بلکہ لذت پانے کا ذریعہ ہے۔ چونکہ ان لوگوں کی مراد حق سبحانہ کی مراد کے مطابق ہے اور یہ مراد اس مراد کے ظہور کی کھڑکی ہے، لہذا یقیناً ان لوگوں کی مراد بھی نگاہ میں مستحسن اور لذت پانے کا سبب ہے۔ اس شخص کا فعل جو محبوب کے فعل کا مظہر ہے، بھی محبوب کے فعل کی مانند محبوب ہے اور وہ شخص فاعل بھی اس نگاہ کے متعلق کی وجہ سے محبت کی نظر میں محبوب ہی ظاہر ہوتا ہے۔ عجیب معاملہ ہے کہ اس شخص سے جس قدر جفا زیادہ متصور ہوتی ہے، وہ محبوب کی نظر میں اتنا ہی زیادہ زیبا ظاہر ہوتا ہے، کیونکہ یہ محبوب کے غضب کی صورت کی زیادہ نمائندگی کرتی ہے۔ اس راستے کے دیوانوں کا کام الٹا ہے۔ لہذا اس شخص کی برائی چاہنا اور اس کے ساتھ برائی کرنا، محبوب کی محبت کے منافی ہے، کیونکہ وہ شخص محبوب کے فعل کے آئینے سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔ جو لوگ آزار کے درپے ہیں، وہ باقی لوگوں کی نسبت (فقیر کی) نظر میں محبوب دکھائی دیتے ہیں۔ آپ دوستوں سے کہیں کہ وہ سینے کی تنگیوں کو دور کریں اور جو لوگ آزار کے درپے ہیں اُن کے ساتھ برائی نہ کریں، بلکہ چاہیے کہ ان کے فعل سے لذت حاصل کریں۔ ہاں! چونکہ ہم دعا کرنے پر مامور ہیں اور حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ کو دعا و التجا اور تضرع و زاری اچھی لگتی ہے، لہذا وہ مصیبتوں کو دفع کرنے کی دعائیں کریں اور معافی اور عافیت کا سوال کریں۔ اور یہ جو غضب کی صورت کا آئینہ کہا گیا ہے، (یہ اس لیے کہا ہے) کیونکہ غضب کی حقیقت دشمنوں کو نصیب ہے۔ دوستوں کے ساتھ تو ظاہر میں غضب ہے اور حقیقت میں عینِ رحمت ہے۔ اس ظاہری غضب میں محبت کے لیے اتنے فائدے ودیعت کیے گئے ہیں کہ (فقیر) ان کی تشریح کیسے کرے؟ نیز ظاہری غضب، جو دوستوں کو عطا فرماتے ہیں، وہ منکر لوگوں کی خرابی ہے اور ان کی آزمائش کا سبب ہے۔

آپ کو شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہ کی اس عبارت کے معنی معلوم ہوں گے جو انہوں نے کہا ہے کہ ”عارف کے لیے ہمت (دعا) نہیں ہے۔“ یعنی جس ہمت (دعا) سے بلا کو دفع کرنے کا قصد کیا جائے، وہ عارف سے مسلوب ہے۔ کیونکہ جب عارف بلا کو محبوب کی طرف سے سمجھتا ہے اور اسے محبوب کی مراد تصور کرتا ہے تو پھر وہ اس کو دفع کرنے کے لیے کس طرح ہمت (دعا) کرے اور اس کو رفع کرنا کیونکر چاہے۔ اگرچہ وہ دعا کرنے کے حکم (الہی) کی تابعداری میں دعا کی صورت میں اس کا دفع ہونا زبان پر لاتا ہے، لیکن درحقیقت کچھ نہیں چاہتا اور جو کچھ (اسے) پہنچتا ہے (اس سے) لذت پاتا ہے۔

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اَتَّبَعَ الْهُدٰی. (سورۃ طہ، ۴۷)

یعنی: اور جو شخص ہدایت کی بات مانے، اُس کو سلامتی نصیب ہو۔

مکتوب نمبر (۱۶)

مولانا احمد دہلوی (دیوبندی) کو تحریر فرمایا۔ سالک کے اپنے احوال سے آگاہ نہ ہونے کے راز اور اُن کا مشاہدہ مریدوں کے احوال کے آئینوں میں ہونے (کے بیان) میں۔

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰی. (سورۃ نمل، ۵۹)

یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے ان بندوں پر سلام ہو، جن کو اس نے منتخب فرمایا۔

(آپ کا) مکتوب شریف پہنچا۔ آپ نے لکھا تھا کہ میں خود میں اس بلند گروہ (صوفیہ) کے احوال و مواجید اور علوم و معارف میں سے کوئی چیز نہیں پاتا۔ اس کے باوجود اس راستے کے طالب جن دو شخصوں کو طریقہ کی تعلیم دی، وہ بہت متاثر ہو گئے اور انہوں نے عجیب احوال پیدا کر لیے۔ اس کی وجہ کیا ہے؟

(جواب:) جاننا چاہیے کہ جو احوال ان دو شخصوں میں پیدا ہوئے، وہ آپ کے احوال کا عکس ہے، جو ان کی استعداد کے آئینوں میں ظاہر ہو گیا ہے اور دو شخص چونکہ اہل علم تھے، لہذا انہوں نے اپنے احوال کو درک کر لیا اور آپ کی بھی اس پوشیدہ حال کے حاصل ہونے کے علم کی جانب رہنمائی کی۔ جیسے کہ آئینہ جو آدمی کے خفیہ کمالات کے حاصل ہونے کی دلالت کرتا ہے اور اس کے پوشیدہ ہنروں کو ظاہر کرتا ہے۔ لہذا مقصد احوال کا حاصل کرنا ہے، لیکن احوال کا علم ہونا ایک اور دولت ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ایک جماعت کو یہ علم دیتے ہیں اور دوسری جماعت کو نہیں دیتے۔ اس کے باوجود دونوں اربابِ ولایت ہیں اور قرب میں برابر ہیں۔ ”پس ہم میں سے کوئی ایسا ہے جو علم والا ہے اور کوئی ایسا ہے جو بے علم ہے۔“ یہ اصول اس گروہ (صوفیہ) کے ہاں مقرر ہے۔

آپ اپنے احوال کا علم نہ ہونے پر آزر زدہ نہ ہوں۔ وہ کوشش کریں کہ احوال حاصل ہوں، بلکہ احوال سے گزر کر احوال کے پھیرنے والے سے واصل ہو جائیں۔ احوال کا علم اگر مریدوں کے توسط کے بغیر نہیں ہوا تو قناعت کریں کہ ان کے آئینوں میں مطالعہ کریں اور مظاہر کے راستے سے حصہ حاصل کریں۔ احوال ہونے چاہئیں۔ ان احوال کا علم اگر واسطے کے بغیر میسر نہیں ہوا تو اُمید ہے کہ کسی واسطے سے حاصل ہو جائے گا۔

نیز آپ نے لکھا تھا کہ دوام آگاہی سے مراد کیا ہے؟ اکثر اوقات یوں ہوتا ہے کہ دل کو بعض کاموں کی وجہ سے اس آگاہی سے ایک سستی محسوس ہوتی ہے، لہذا آگاہی اور دوام آگاہی کی تشخیص کرنی چاہیے۔

جاننا چاہیے کہ آگاہی سے مراد حق جل سلطانہ کی جناب پاک میں حضورِ باطن ہے، جس کو علم حضوری کی مشابہت سے دوام لازم ہے۔ آپ نے کبھی سنا ہے؟ کہ کوئی شخص کسی وقت بھی اپنے نفس سے غافل ہوا ہو اور اُس نے اپنی نسبت میں کوئی سستی پیدا کی ہو۔ غفلت اور سستی علم حصولی میں متصور ہے، جہاں ان میں مغائرت موجود ہے اور علم حضوری میں تو سب حضور ہی حضور ہوتا ہے۔ اگرچہ بیوقوف اس حضور سے دور اور گریزاں ہے اور اس کے حاصل ہونے پر مغرور ہے۔ اس طرح آگاہی کے لیے دوام لازم ہوا اور جو دوام نہیں رکھتا اس میں مطلوب کی نگرانی ہے جو اس مذکورہ آگاہی سے مشابہت رکھتی ہے۔ اس کا دوام محال ہے، کیونکہ وہ علم حصولی سے مشابہت رکھتی ہے، جو دوام سے بے نصیب ہے۔ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی. (سورۃ نمل،

(۶۰) یعنی: اور اللہ کو صفتِ اعلیٰ (زیب دیتی) ہے۔

جناب پاک و اجبی جل سلطانہ کی نسبت علم حصولی اور علم حضوری کا اطلاق تشبیہ اور نظیر کے طور پر ہے، کیونکہ حق تعالیٰ شأنہ جو خود سے زیادہ نزدیک ہے، وہ علم حصولی اور علم حضوری کے احاطے سے باہر ہے۔ اہل فلاسفہ اگرچہ اس کا تصور نہیں کر سکتے اور خود سے زیادہ نزدیک کو بھی دریافت نہیں کر سکتے، لیکن اہل علم لدنی کے ہاں یہ مطلب واضح ہے اور اللہ جل شأنہ کی عنایت سے سہولت کے ساتھ حاصل ہے۔ رَبَّنَا اٰتِنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً وَهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا۔ (سورۃ کہف، ۱۰)

یعنی: اے ہمارے پروردگار! ہم پر اپنے ہاں سے رحمت نازل فرما اور ہمارے کام میں درستی (کے سامان) مہیا کر۔

دوسری بات یہ کہ سیادت پناہی میرے بھائی (میر محمد نعمان) چونکہ آپ پر بہت حقوق رکھتے ہیں اور آپ کے بغیر اجازت آجانے پر دیکھی ہیں، لہذا چاہیے کہ آپ بغیر توقف کے خود کو ان کی خدمت میں پہنچائیں اور اس دُکھ کی تلافی کریں۔ اگر آپ ان کی اجازت سے آتے تو کوئی مضائقہ نہیں تھا۔ چاہیے کہ آئندہ ان کی مرضی کے مطابق عمل کریں اور اجازت سے آئیں۔ (فقیر اس سے) زیادہ کیا لکھے۔

مکتوب نمبر (۱۷)

ارادتمندوں میں سے ایک صالحہ (خاتون) کو تحریر فرمایا۔ دینی عقائد اور شرعی عبادات کی ترغیب کے بیان میں۔

الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَنْعَمَ عَلَيْنَا وَهَدٰنَا اِلَى الْاِسْلَامِ وَجَعَلَنَا مِنْ اُمَّةٍ مُّحَمَّدٍ سَيِّدِ الْاَنَامِ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ۔ یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے، جس نے ہم پر انعام کیا اور ہمیں اسلام کی جانب ہدایت فرمائی اور ہمیں سید الانام حضرت محمد علیہ و آلہ الصلوٰۃ والسلام کی امت بنایا۔

جاننا چاہیے کہ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ بلا تخصیص ہر ایک پر انعام کرنے والا ہے۔ اگر وجود ہے تو وہ بھی حق تعالیٰ کی جناب پاک کی بخشش ہے اور اگر بقا ہے تو وہ بھی حضرت جل سلطانہ کی عطا ہے اور اگر صفات کاملہ ہیں تو وہ بھی حق سبحانہ و تعالیٰ کی رحمت شاملہ ہیں۔ زندگی و دانائی، توانائی و بینائی اور شنوائی و گویائی سب حضرت حق جل شأنہ سے حاصل ہیں اور مختلف نعمتیں اور گونا گوں کرم جو وحد و شمار سے باہر ہیں، وہ بھی اسی جناب پاک کی عطائیں ہیں۔ تنگی و سختی کو بھی حق تعالیٰ ہی دور فرماتا ہے اور حق سبحانہ ہی دعا کو قبول اور بلا کو دور کرتا ہے۔ ایسا رزاق ہے جو اپنی کمال مہربانی سے بندوں کی روزی کو ان کے گناہوں کی وجہ سے نہیں روکتا اور ایسا ستار ہے جو اپنی معافی و درگزر کی کثرت سے بندوں کے گناہوں کے مرتکب ہونے کے باوجود اُن کی پردہ دری نہیں کرتا۔ ایسا حلیم ہے جو اُن کو پکڑنے اور عذاب دینے میں جلدی نہیں فرماتا۔ ایسا کریم ہے جو اپنے کرم عام کو دوست اور دشمن سے روک کر نہیں رکھتا اور ان نعمتوں، عزتوں اور کرم نوازیوں میں سب سے بزرگ اور بڑی اسلام کی جانب دعوت اور دار السلام (بہشت) کی طرف ہدایت اور سید الانام (حضرت محمد) علیہ و آلہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کی طرف رہنمائی کرنا ہے جس سے ابدی زندگی اور دائمی راحتیں متعلق ہیں اور رضائے مولیٰ اور حق سبحانہ کی ملاقات اسی سے وابستہ ہے۔

الغرض حق تعالیٰ کے انعام و اکرام اور احسان سورج سے زیادہ روشن اور چاند سے زیادہ منور ہیں۔ دوسروں کے انعام

حق تعالیٰ کی اقدار و قدرت اور بخشش سے ہیں اور ان کا احسان مقروض سے قرض مانگنے اور محتاج سے سوال کرنے کی مانند ہے۔ نادان بھی دانا کی طرح اس چیز کا اقرار کرتا ہے اور کند ذہن آدمی بھی ذہین لوگوں کی طرح اس معاملے کا اعتراف کرنے والا ہے۔ شعر:

گر بر تن من زبان شود ہر موئے یک شکر وے از ہزار نتوانم کرد

یعنی: اگر میرے بدن کا ہر بال زبان بن جائے تو بھی میں اس کا ہزار میں سے ایک شکر ادا نہیں کر سکتا۔

عقل بغیر کسی تامل کے منعم کے شکر کے واجب ہونے کا حکم کرتی ہے اور اس کی تعظیم و توقیر کو لازم سمجھتی ہے۔ لہذا حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ کا شکر جو کہ منعم حقیقی ہے، عقل کی بداہت سے واجب ہوا اور حق تعالیٰ کی تعظیم و تکریم لازم ہوئی۔ چونکہ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ کمال (درجہ) تقدس و تنزیہ میں ہے اور بندے نہایت گندگی اور آلودگی میں ہیں۔ لہذا وہ اپنی کمال بے مناسبتی کی بنا پر کیا سمجھ سکتے ہیں کہ حق تعالیٰ کی تعظیم کس چیز میں ہے اور حق سبحانہ و تعالیٰ کی تکریم کس امر میں ہے۔ اکثر اوقات یوں ہوتا ہے کہ لوگ بعض امور کا اطلاق اس جناب پاک پر مستحسن سمجھتے ہیں، لیکن درحقیقت حق تعالیٰ کے نزدیک وہ نازیبا ہوتا ہے، (لہذا) جس کو تعظیم خیال کرتے ہیں، وہ تو ہین ہوتی ہے اور جس کو وہ تکریم تصور کرتے ہیں، وہ تحقیر ہوتی ہے۔ اس طرح جب تک تعظیم و تکریم حق سبحانہ کی جناب پاک سے حاصل نہ ہو اُس وقت تک وہ حق سبحانہ کے شکر کے لائق نہیں ہوتی اور حق تعالیٰ کی عبادت کے قابل نہیں ہوتی۔ کیونکہ جو حمد بندوں کی طرف سے ہو، ممکن ہے کہ وہ ہجو ہو اور مدح قدح بن جائے۔ اور جو تعظیم و توقیر اور تکریم حضرت حق تعالیٰ سے حاصل ہوئی ہے، ہمارے لیے یہی شریعت حقہ عَلٰی مَصَدَرِهَا الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ وَالتَّحِيَّۃُ ہے۔ اگر قلبی تعظیم ہے تو وہ بھی شریعت حقہ میں واضح ہو چکی ہے اور اگر زبانی ثنا ہے تو اس کی بھی وہاں دلیل موجود ہے۔ اعضاء کے اعمال و افعال کو بھی صاحب شریعت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے تفصیل کے ساتھ بیان فرما دیا ہے۔ لہذا حق تعالیٰ کے شکر کی ادائیگی کا انحصار بھی قلبی و بدنی اور اعتقادی و عملی طور پر شریعت کی بجا آوری پر (مقرر) ہوا۔ اور حق تعالیٰ کی ہر قسم کی تعظیم و تکریم جو شریعت کے علاوہ ادا کی جائے وہ قابل بھروسہ نہیں، بلکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ وہ مخالف (شریعت) ہوتی ہے اور خیال کردہ نیکی درحقیقت گناہ ہوتی ہے۔ پس مذکورہ بیان کے ملاحظہ سے عقل کی رو سے شریعت پر عمل کرنا بھی واجب ہوا اور اس کی بجا آوری کے بغیر منعم تعالیٰ کا شکر ادا کرنا محال ٹھہرا۔ شریعت کے دو جزو ہیں، ایک اعتقادی اور دوسرا عملی۔ اعتقادی جزو اصول دین میں سے ہے اور عملی جزو فروع دین میں سے۔ بے عقیدہ شخص نجات پانے والوں میں سے نہیں ہے اور آخرت کے عذاب سے خلاصی پانا اس کے بارے میں متصور نہیں اور بے عمل آدمی کی نجات کا احتمال ہے، کیونکہ اس کا معاملہ حق سبحانہ و تعالیٰ کی مشیت کے سپرد ہے۔ اگر وہ چاہے گا تو معاف فرما دے گا اور چاہے گا تو گناہ کے اندازہ سے عذاب دے گا۔ دوزخ میں ہمیشہ رہنا بے عقیدہ شخص کے ساتھ مخصوص ہے اور ضروریات دین کے منکر کو نصیب ہے۔ بے عمل آدمی کو اگرچہ عذاب دیا جائے گا، لیکن دوزخ میں ہمیشہ رہنا اس کے حق میں مفقود ہے۔ چونکہ عقائد اصول دین اور ضروریات اسلام میں سے ہیں، لہذا (فقیر) ناچار اُن کو بیان کرتا ہے اور عملیات فرع ہونے کے باوجود چونکہ یہ تفصیل رکھتے ہیں، لہذا ان کو فقہ کی کتابوں کے سپرد کرتے ہوئے ترغیب کی غرض سے بعض ضروری اعمال کو بھی بیان کیا جائے گا، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اعتقادات

(۱) اللہ تعالیٰ اپنی ذاتِ اقدس سے موجود ہے اور حق تعالیٰ کی ہستی اپنی خودی سے قائم ہے اور حق تعالیٰ جیسا کہ ہے ویسا ہی ہمیشہ تھا اور ہمیشہ رہے گا۔ عدم سابق اور عدم لاحق کو حق تعالیٰ کی پاک جناب میں راستہ نہیں ہے، کیونکہ وجوب وجود اس مقدس درگاہ کا مکینہ خادم ہے اور سلب عدم اس محترم بارگاہ کا مکینہ خاکروب ہے۔ حق تعالیٰ ایک ہے جس کا کوئی شریک نہیں، نہ وجوب وجود میں، نہ الوہیت میں اور نہ عبادت کے استحقاق میں۔ کیونکہ شریک کی اس وقت ضرورت ہوتی ہے جب حق تعالیٰ کافی نہ ہو اور مستقل نہ ہو اور یہ نقص کی علامت ہے، کیونکہ وجوب اور الوہیت کے منافی ہے۔ جب وہ (حق تعالیٰ) کافی ہے اور مستقل ہے تو پھر شریک بیکار رہتا ہے اور عبث ہوتا ہے اور یہ بھی نقص کی علامت ہے، کیونکہ وجوب اور الوہیت کے منافی ہے۔ اس طرح شریک کو ثابت کرنا دو شریکوں میں سے ایک شریک کے نقص کو لازم کرتا ہے جو شرکت کے منافی ہے۔ لہذا شرکت کو ثابت کرنا شرکت کی نفی کے لیے لازم ہوا اور یہ محال ہے۔ پس باری تعالیٰ کا شریک محال ہوا۔

(۲) حق سبحانہ کی صفاتِ کاملہ ہیں، مثلاً حیات، علم، قدرت، ارادہ، سمع، بصر، کلام اور تکوین۔ ان آٹھ صفات کو صفاتِ حقیقیہ کہتے ہیں جو قدیم ہیں اور حق تعالیٰ و تقدس کی ذات وجود زائد کے ساتھ خارج میں موجود ہیں، جیسا کہ علمائے اہل حق شکر اللہ تعالیٰ سَعِیْہُمْ (اللہ تعالیٰ ان کی کوشش کو مشکور فرمائے) کے ہاں مقرر ہے۔ اہل سنت کے سوا مخالف فرقوں میں سے کوئی شخص بھی صفاتِ زائدہ کے وجود کا قائل نہیں ہے۔ حتیٰ کہ اس فرقہ ناجیہ میں سے صوفیائے متاخرین نے بھی صفات کو عین ذات کہا ہے اور مخالفین کے موافق ہو گئے ہیں۔ اگرچہ وہ صفات کی نفی سے دور رہتے ہیں، لیکن ان کے اصول اور عبارات کے ظاہری مفہوم سے صفات کی نفی لازم آتی ہے۔ مخالفین نے کمال کو صفاتِ کاملہ کی نفی میں خیال کیا ہے اور اپنی عقل سے نصوصِ قرآنی سے دور جا پڑے ہیں۔

هَذَا هُمْ اللَّهُ سُبْحَانَهُ سَوَاءَ الصِّرَاطِ. یعنی: اللہ سبحانہ ان کو سیدھے راستے کی طرف ہدایت بخشنے۔

دوسری صفات یا اعتبار یہ ہیں، یا سلبیہ۔ جیسے قدم و ازلیت اور وجوب والوہیت۔ جیسا کہ کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ جسم اور جسمانی نہیں ہے، عرض اور جوہر نہیں ہے، مکانی اور زمانی نہیں ہے، حال اور محل نہیں ہے، محدود اور متناہی نہیں ہے، وہ جہت سے بے جہت ہے اور نسبت سے بے نسبت ہے۔ ہمسر اور ہم مثل ہونا حق تعالیٰ کی جناب پاک سے مسلوب ہے اور ضد ہونا اور ہمسر ہونا حضرت جل سلطانہ کی بارگاہ سے مفقود ہے۔ وہ ماں و باپ اور بیوی و فرزند سے پاک اور مبرا ہے، کیونکہ یہ سب حادث ہونے کی علامتیں ہیں اور نقص کو لازم کرتی ہیں اور تمام کمالات اس کی جناب پاک کے لیے ثابت ہیں اور تمام نقائص حضرت جل سلطانہ کی بارگاہ سے مسلوب ہیں۔ الغرض امکان و حدوث کی صفات، جو سر اسر نقص اور شرارت ہیں، ان سب کو حق تعالیٰ کی جناب پاک سے مسلوب رکھنا چاہیے۔

(۳) حق سبحانہ، کلیات اور جزئیات کا عالم ہے اور اسرار اور مخفی چیزوں کا جاننے والا ہے اور آسمانوں اور زمینوں میں ایک حقیر ترین ذرہ کی مانند چیز بھی حق سبحانہ کے علم کے احاطہ سے باہر نہیں ہے۔ ہاں! جب تمام چیزوں کا خالق حق سبحانہ ہی ہے تو پھر وہ تمام چیزوں کا جاننے والا بھی ہے، کیونکہ خالق کو پیدا کی ہوئی چیزوں کے علم سے چارہ نہیں۔ بعض بے نصیب لوگ

ایسے ہیں جو حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ کو جزئیات کا عالم نہیں سمجھتے اور اس چیز کو اپنی ناقص عقل کے مطابق کمال خیال کرتے ہیں، جیسا کہ وہ کمال بیوقوفی کی وجہ سے واجب الوجود جل سلطانہ کو ایک چیز سے زیادہ کا صادر کرنے والا نہیں سمجھتے اور وہ بھی ایجاب سے اور اضطرار سے، نہ کہ اختیار سے۔ اور اس چیز کو بھی وہ کمال خیال کرتے ہیں۔ عجیب جاہل (لوگ) ہیں جو جہل کو کمال تصور کرتے ہیں اور اضطرار کو اختیار سے بہتر سمجھتے ہیں۔ اور جو جہالت وہ رکھتے ہیں، اس کی وجہ سے دوسری چیزوں کو حق سبحانہ کے غیر کی جانب منسوب کرتے ہیں اور عقل فعال کو اپنے ہاں سے تراش کر محدثات کو اس کی طرف منسوب کرتے ہیں اور آسمانوں اور زمینوں کے خالق کو معطل و بیکار سمجھتے ہیں۔ اس فقیر کے نزدیک اس گروہ سے زیادہ نادان کوئی اور اس جہان میں پیدا نہیں ہوا۔ سبحان اللہ! (اہل اسلام میں سے) کچھ لوگ ہیں جو ان پلید لوگوں کو ارباب معقول تصور کرتے ہیں اور ان کو حکمت کی جانب منسوب سمجھتے ہیں، لیکن ان کے جھوٹے احکام کو نفس الامر کے مطابق خیال کرتے ہیں۔ رَبَّنَا لَا تَزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ۔ (سورۃ آل عمران، ۸)

یعنی: اے ہمارے پروردگار! جب تو نے ہمیں ہدایت بخشی ہے تو اُس کے بعد ہمارے دلوں میں کبھی نہ پیدا کرنا اور ہمیں اپنے ہاں سے نعمت عطا فرمانے تو تو بڑا عطا فرمانے والا ہے۔

(۴) حق تعالیٰ ازل سے ابد تک ایک ہی کلام سے متکم ہے۔ اگر اُمَر ہے تو اسی کلام سے ہے اور نہی ہے تو بھی اسی سے۔ ایسے ہی خبر دینا اور خبر حاصل کرنا بھی اسی ایک کلام سے پیدا ہیں اور اگر تورات اور انجیل ہے تو وہ بھی اسی کلام پر دلیل ہے اور اگر زبور اور فرقان (قرآن مجید) ہے تو بھی اسی کلام کا نشان ہے۔ اسی طرح تمام صحیفے اور کتابیں جو انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات پر نازل ہوئے ہیں، وہ بھی اسی کلام کی تفصیل ہیں۔ جب ازل اور ابد اس وسعت اور لمبے زمانے کے باوجود اس جگہ (حق تعالیٰ کے نزدیک) آن واحد ہے، بلکہ اس کی گنجائش بھی نہیں ہے، کیونکہ آن کا اطلاق بھی اس جگہ عبارت کی تنگی کی وجہ سے کیا گیا ہے۔ پس جو کلام اس آن میں صادر ہوگا، وہ ایک کلمہ، بلکہ ایک حرف، بلکہ ایک نقطہ ہوگا۔ اور اس جگہ نقطہ کا اطلاق بھی اس (آن واحد کے) اطلاق کی طرح ہے جو کہ عبارت کی تنگی کی وجہ سے واقع ہوا ہے، ورنہ نقطہ بھی گنجائش نہیں رکھتا۔ حضرت جل سلطانہ کی ذات و صفات کی وسعت بے مثلی و بے مثالی کے عالم سے ہے، وہ اس وسعت اور تنگی سے جو امکان کی صفات ہیں، پاک اور منزہ ہے۔

(۵) مومن حق سبحانہ کو بہشت میں بے مثالی اور بے مثالی کے طور پر دیکھیں گے، کیونکہ جو رویت بے مثل سے متعلق ہو گی، وہ رویت بھی بے مثل ہوگی، بلکہ دیکھنے والا بھی بے مثالی سے بہت زیادہ حصہ پائے گا، تاکہ بے مثل کو دیکھ سکے۔ لَا يَحْمِلُ عَطَايَا الْمَلِكِ إِلَّا مَطَايَاهُ۔^(۱) یعنی: بادشاہ کے عطیات کو اُس کی سواریاں ہی اٹھا سکتی ہیں۔

آج اس معما کو اپنے خاص الخصاص اولیاء پر حل کر دیا گیا ہے اور منکشف کر دیا گیا ہے۔ یہ پوشیدہ اور دقیق مسئلہ بھی ان بزرگواروں کے ہاں تحقیقی ہے اور دوسروں کے لیے تقلیدی ہے۔ اور اہل سنت کے سوا مخالف فرقوں میں سے، کیا مومن اور کیا کافر، کوئی شخص بھی اس مسئلے کا قائل نہیں ہے اور ان بزرگواروں کے علاوہ وہ تمام حق جل سلطانہ کی رویت کو محال خیال کرتے ہیں۔ مخالفین کی دلیل غائب کا شاہد پر قیاس ہے جس کا فساد واضح ہے۔ (نبی کریم) علیہ الصلوٰة والسلام کی روشن سنت کی

متابعت کے نور کے بغیر اس قسم کے پوشیدہ اور دقیق مسئلہ پر ایمان کا حاصل ہونا دشوار ہے:

لائق دولت نبود ہر سرے بار مسیحا نکشد ہر خرے
یعنی: ہر شخص دولت کے لائق نہیں ہوتا۔ ہر گدھا (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کی سواری کے قابل نہیں ہے۔

تجربہ ہے کہ جو لوگ دولتِ رویت پر ایمان نہ رکھتے ہوں گے، وہ کس طرح اس سعادت کے حصول سے بہرہ مند ہوں گے، کیونکہ منکرین کو محرومی نصیب ہوتی ہے۔ اور یہ بھی عجیب بات ہے کہ بہشت میں ہوں اور دیدار نہ کریں، کیونکہ جو کچھ شریعت سے ظاہری طور پر معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ تمام اہل بہشت کو دولتِ دیدار حاصل ہے اور یہ نہیں آیا کہ بعض اہل بہشت کو دیدار ہوگا اور بعض کو دیدار نہیں ہوگا۔ ان کے بارے میں وہی جواب ہے جو حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرعون کے سوال کے جواب میں فرمایا تھا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے: قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُونِ الْأُولَىٰ. قَالَ عَلَّمَهَا عَنْ رَبِّي فَبُيِّنَ لِي كِتَابٌ لَا يَضِلُّ رَبِّي وَلَا يَنْسَى الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ الْأَرْضَ مَهْدًا وَسَلَكَ لَكُمْ فِيهَا سُبُلًا وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً. (سورۃ طہ، ۵۱-۵۳) یعنی: کہا تو پہلی جماعتوں کا کیا حال ہے؟ کہا کہ ان کا علم میرے پروردگار کو ہے (جو) کتاب میں (لکھا ہوا ہے)۔ میرا پروردگار نہ چوکتا ہے نہ بھولتا ہے اور (وہی تو ہے) جس نے تم لوگوں کے لیے زمین کو فرش بنایا اور اس میں تمہارے لیے راستے جاری کیے۔

جاننا چاہیے کہ بہشت اور بہشت کے علاوہ دوسری سب (چیزیں) حضرت حق سبحانہ کے ہاں برابر ہیں، کیونکہ یہ سب حق تعالیٰ کی مخلوق ہیں اور حق سبحانہ کو ان میں سے کسی میں بھی حلول اور تمکن نہیں ہے، لیکن مخلوقات میں سے بعض کو واجب جل سلطانہ کے انوار کے ظہور کی لیاقت نہیں اور بعض کو ہے۔ آئینہ صورتوں کے ظہور کی لیاقت رکھتا ہے اور پتھر اور ڈھیلہ نہیں رکھتے۔ پس جو فرق ہے وہ اسی طرف سے ہے، ورنہ حضرت حق سلطانہ کے ساتھ سب کی نسبت برابر ہے:

ایں قاعدہ یاد دار کاجا کہ خداست نے جزو نہ کل نہ ظرف است

یعنی: یہ قاعدہ یاد رکھ کہ جس جگہ اللہ ہے وہاں نہ جزو ہے اور نہ کل، نہ ظرف ہے اور نہ مظهر ہے۔

دنیا میں رویت واقع نہیں ہے، یہ مقام اس دولت کے ظہور کی لیاقت نہیں رکھتا۔ اور جو شخص دنیا میں رویت کے واقع ہونے کا قائل ہو، وہ جھوٹا اور تہمت لگانے والا ہے اور اس نے حق سبحانہ کے غیر کو حق سمجھا ہے۔ اگر یہ دولت اس دنیا میں میسر ہوتی تو حضرت کلیم اللہ علیہ وعلی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام اس سے مشرف ہوئے ہین تو اس کا وقوع دنیا میں نہیں ہوا، بلکہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) بہشت میں گئے ہیں اور وہاں دیکھا ہے کہ جو عالم آخرت سے ہے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے دنیا میں نہیں دیکھا، بلکہ دنیا سے نکل کر آخرت سے ملحق ہوئے ہیں اور وہاں دیکھا ہے۔

(۶) حق تعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنے والا ہے، پہاڑوں اور سمندروں کا پیدا کرنے والا ہے، درختوں اور پھلوں کا پیدا کرنے والا ہے اور کانوں اور نباتات کو پیدا کرنے والا ہے۔ جس طرح کہ اس نے ستاروں کو پیدا کر کے آسمان کو زینت بخشی ہے، اسی طرح اس نے انسان کو پیدا کر کے زمین کو آراستہ کیا ہے۔ اگر بسیط ہے تو حق تعالیٰ کی ایجاد سے موجود

ہوئی ہے اور اگر مرکب ہے تو وہ بھی حق سبحانہ کی تخلیق سے پیدا ہوئی ہے۔ الغرض وہی سب چیزوں کو عدم کے پردے سے وجود میں لایا ہے اور ان کو حادث بنایا ہے۔

حق سبحانہ کے سوا کوئی چیز قدم (ہینگلی) کے لائق نہیں اور حق سبحانہ کے علاوہ کوئی چیز قدیم نہیں۔ سب اہل ملت حق سبحانہ کے ماسوا کے حدود (ہونے) پر اجماع رکھتے ہیں اور بالاتفاق حق سبحانہ کے علاوہ کسی کو قدیم نہیں سمجھتے اور جو شخص ان (چیزوں) کے قدم کا قائل ہو، وہ اس کے گمراہ، بلکہ کافر ہونے کا حکم کرتے ہیں۔ امام حجتہ الاسلام (محمد غزالی) نے (اپنے) رسالہ مُنْقِذُ عَنِ الضَّلَالِ میں اس چیز کی تصریح کی ہے اور جو لوگ حق تعالیٰ کے غیر کو بھی قدیم سمجھتے ہیں، ان کی تکفیر کا حکم کیا ہے اور جو لوگ آسمانوں اور ستاروں وغیرہ کے قدیم ہونے کے قائل ہوئے ہیں، قرآن مجید اُن کی تکذیب فرماتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلٰی الْعَرْشِ. (سورۃ سجدہ، ۴) یعنی: اللہ ہی تو ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو اور جو چیزیں ان دونوں میں ہیں، سب کو چھ دن میں پیدا کیا، پھر عرش پر جا ٹھہرا۔

قرآن مجید میں اس طرح کی آیات بہت زیادہ ہیں۔ وہ شخص نادان ہے جو اپنی ناقص عقل سے قرآنی نصوص کے خلاف کرے: وَمَنْ لَّمْ یَجْعَلِ اللّٰهُ لَهُ نُورًا فَمَا لَهُ مِنْ نُّورٍ. (سورۃ نور، ۴۰) یعنی: جس کو اللہ روشنی نہ دے اُس کو (کہیں بھی) روشنی نہیں مل سکتی۔

(۷) جس طرح بندے حق سبحانہ کی مخلوق ہیں، بندوں کے افعال بھی حق تعالیٰ کی مخلوق ہیں، کیونکہ پیدا کرنا اس کے سوا کسی کو لائق نہیں اور ممکن کی ایجاد ممکن سے نہیں ہو سکتی، کیونکہ یہ چیزِ قصورِ قدرت سے داغدار ہے اور نقصِ علم سے موصوف ہے، جو کہ ایجاد اور پیدا کرنے کے لائق نہیں ہے۔ اور جو کچھ بندہ اپنے افعال اختیار یہ میں دخل رکھتا ہے، وہ اس کا کسب ہے جو بندے کی قدرت اور ارادہ سے واقع ہوا ہے۔ فعل کا پیدا کرنا حق سبحانہ کی جانب سے ہے اور فعل کا کسب بندے کی طرف سے ہے۔ پس بندے کا فعل اختیاری بندے کے کسب اور حق جل و علا کی تخلیق کے مجموعہ سے واقع ہوا ہے اور اگر بندے کے کسب اور اختیار کو اس کے فعل میں اصلاً دخل نہ ہو تو وہ ریشہ کا حکم پیدا کر لے گا اور یہ محسوس اور مشاہدہ کے خلاف ہے۔ ہم صاف طور پر جانتے ہیں کہ بلا اختیار فعل اور ہے اور فعل مختار اور ہے۔ بندے کے فعل میں اس کے کسب کو دخل دینے کے لیے اتنا ہی فرق کافی ہے۔ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ نے اپنی کمال مہربانی سے اپنی خلق کو بندے کے فعل میں بندے کے ارادے کے تابع بنایا ہے۔ وہ بندے کے ارادے کے بعد بندے کے فعل کو ایجاد فرماتا ہے۔ پس ناچار بندہ مدح و ملامت اور عذاب و ثواب کے لائق ہوتا ہے۔ حضرت حق سبحانہ نے بندے کو جو قصد و اختیار دیا ہے، وہ فعل و ترک کی دونوں جہتیں رکھتا ہے اور نیز اُس نے فعل و ترک کی اچھائی اور برائی کو تفصیل سے انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کی زبان سے بیان فرمایا ہے۔ اس کے باوجود جب بندہ ایک جہت اختیار کرتا ہے تو وہ اس چیز سے چارہ نہیں رکھتا کہ یا تو ملامت کے قابل ہو، یا مدح کے لائق ہو۔ اور اس چیز میں شک بھی نہیں کہ حضرت حق سبحانہ نے بندے کو اتنی ہی قدرت و اختیار دیا ہے جس سے وہ شرعی اوامر اور نواہی کی بجا آوری کر سکے۔ کیا ضرورت ہے کہ اس کو قدرت کاملہ دیں اور کامل اختیار بخشیں، جس قدر ضروری تھا وہ دے دیا گیا ہے۔

اس کا منکر بداعت کا مخالف ہے اور وہ قلبی مرض رکھتا ہے کہ شریعت کی بجا آوری سے عاجز ہے: کَبُرَ عَلَيَّ الْمُشْرِكِينَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ. (سورۃ شوریٰ، ۱۳) یعنی: جس چیز کی طرف تم مشرکوں کو بلاتے ہو وہ ان کو دشوار گزرتی ہے۔

یہ مسئلہ علمِ کلام کے دقیق مسائل میں سے ہے۔ اس مسئلے کی شرح و بیان کی نہایت یہی ہے جو ان اوراق میں تحریر ہوئی ہے۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ الْمُؤَقِّقُ. یعنی: اور اللہ سبحانہ ہی توفیق بخشنے والا ہے۔

علمائے اہل حق نے جو کچھ فرمایا ہے اُس پر ایمان لانا چاہیے اور بحث و مباحثہ میں نہیں پڑنا چاہیے۔ شعر:

نہ ہر جائے مرکب توان تاختن کہ جاہا سپر باید انداختن

یعنی: ہر جگہ گھوڑا نہیں دوڑایا جاسکتا، بلکہ کئی جگہوں پر ڈھال ڈال دینی پڑتی ہے۔

(۸) انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات سب جہان والوں کے لیے رحمت ہیں، کیونکہ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ نے ان کو خلقت کی ہدایت کے لیے مبعوث فرمایا ہے اور ان بزرگواروں کے ذریعے بندوں کو اپنی جناب پاک کی جانب بلایا ہے اور دارالسلام (بہشت) جو اس کی رضا کا مقام ہے، کی طرف دعوت فرمائی ہے۔ وہ شخص بے نصیب ہے جو کریم کی دعوت کو قبول نہ کرے اور اس کی دولت کے دسترخوان سے نفع حاصل نہ کرے۔ ان بزرگواروں نے حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ سے جس چیز کی تبلیغ کی ہے، وہ سب حق اور سچ ہے اور اس پر ایمان لانا ضروری ہے۔ عقل اگر چہ حجت ہے، لیکن حجیت میں ناقص ہے۔ حجت بالغہ انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کی بعثت سے حاصل ہوئی ہے، جس نے بندوں کے لیے عذر کا کوئی موقع نہیں چھوڑا۔ نبیوں میں سب سے اوّل حضرت آدم علی نبینا وعلیہ وعلیہم الصلوٰات والتسلیمات والتحیات ہیں اور ان کے آخر اور خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ علیہ وعلیہم الصلوٰات والتسلیمات ہیں۔ تمام انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات پر ایمان لانا چاہیے اور سب کو معصوم اور راست گو سمجھنا چاہیے۔ ان بزرگواروں (انبیاء) علیہم الصلوٰات والتسلیمات میں سے کسی ایک پر ایمان نہ لانا، ان سب پر ایمان نہ لانے کو لازم کرتا ہے، کیونکہ ان کا کلمہ ایک ہے اور ان کے دین کے اصول بھی ایک ہی ہیں۔ حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام جب آسمان سے نزول فرمائیں تو خاتم الرسل علیہ وعلیہم الصلوٰات والتسلیمات کی شریعت کی متابعت کریں گے۔ حضرت خواجہ محمد پارسا قدس اللہ تعالیٰ سرہ، جو حضرت خواجہ (بہاء الدین) نقشبند قدس اللہ سرہ کے کامل خلفاء میں سے ہیں اور عالم اور محدث ہیں، اپنی کتاب فضول سنیہ میں قابلِ اعتماد روایت سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نزول کے بعد امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب پر عمل کریں گے اور ان کے حلال کو حلال اور ان کے حرام کو حرام رکھیں گے۔

(۹) ملائکہ علی نبینا وعلیہم الصلوٰات والتسلیمات حضرت حق سبحانہ کے باعزت بندے ہیں اور حق تعالیٰ کی رسالت و تبلیغ کی دولت سے مشرف ہیں اور جس کام پر مامور ہیں، وہ بجالاتے ہیں اور مولیٰ جلِ سلطانہ کی سرکشی و نافرمانی ان سے نہیں ہو سکتی اور وہ خوراک اور لباس سے پاک ہیں اور میاں بیوی ہونے سے عاری ہیں اور توالد و تناسل سے مبرا ہیں۔ اللہ جلِ سلطانہ کی کتابیں اور صحیفے ان کے ذریعے نازل ہوئے ہیں اور ان کی امانت سے محفوظ اور مامون رہے ہیں۔ ان پر ایمان لانا بھی دین کی ضروریات میں سے ہے اور ان کو راست گو سمجھنا بھی اسلام کے واجبات میں سے ہے۔ جمہور اہل حق کے ہاں خاص

انسان خاص فرشتوں سے افضل ہیں، کیونکہ ان (خاص انسانوں) کا وصول بحق باوجود رکاوٹوں اور تعلقات کے ہے اور فرشتوں کا قرب بغیر مزاحمت اور ممانعت کے ہے۔ تسبیح اور تقدیس اگرچہ فرشتوں کا کام ہے، لیکن جہاد کو اس دولت کے ساتھ جمع کرنا کامل انسانوں کا کام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: فَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقَاعِدِينَ دَرَجَةً ط وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ. (سورۃ نساء، ۹۵) یعنی: اللہ نے مال اور جان سے جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر درجے میں فضیلت بخشی ہے اور (گو) نیک وعدہ سب سے ہے۔

(۱۰) مہر صادق (حضرت محمد مصطفیٰ علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے قبر کے حالات، قیامت کے حالات، حشر و نشر اور بہشت و دوزخ میں سے جو کچھ خبر دی ہے وہ سب برحق ہے۔ آخرت پر ایمان لانا بھی اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کی مانند اسلام کی ضروریات میں سے ہے۔ آخرت کا منکر خالق کے منکر کی طرح ہے اور قطعی طور پر کافر ہے۔ قبر کا عذاب اور اُس کا تنگ ہونا برحق ہے۔ اس کا منکر اگرچہ کافر نہیں ہے، لیکن بدعتی ہے، جو مشہور احادیث کا منکر ہے۔ اور چونکہ قبر دنیا و آخرت کے درمیان برزخ ہے، لہذا اس کا عذاب بھی دنیا کے عذاب سے ایک مشابہت رکھتا ہے جو ختم ہونے والا ہے اور ایک مشابہت آخرت کے عذاب سے رکھتا ہے، کیونکہ آخرت کے عذاب کی قسم سے ہے۔ اس عذاب کے مستحق اکثر وہ لوگ ہیں جو پیشاب کی آلائش سے پاک و صاف نہیں ہوتے اور نیز وہ لوگ ہیں جو لوگوں کی چغل خوری اور خن چینی کرتے ہیں۔

(۱۱) قبر میں منکر و نکیر کا سوال کرنا بھی برحق ہے اور قبر میں یہ ایک بہت بڑا فتنہ اور آزمائش ہے۔ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ ثابت قدم رکھے۔

قیامت کا دن برحق ہے اور یقیناً آنے والا ہے اور اس روز آسمان ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے اور ستارے گر پڑیں گے اور زمین اور پہاڑ بھی ریزہ ریزہ ہو جائیں گے اور عدم سے مل جائیں گے۔ جس طرح کہ قرآنی نصوص اس پر ناطق ہیں اور تمام اسلامی فرقوں کا اس پر اجماع قائم ہے کہ اس کا منکر کافر ہے، خواہ وہ وہی مقدمات کے ذریعے اپنے کفر کو خوبصورت بنا لے اور نادانوں کو راستے سے بھٹکا دے۔ اور اس روز قبروں سے اٹھنا اور بوسیدہ اور بکھری ہوئی ہڈیوں کا زندہ ہونا برحق ہے اور اعمال کا حساب اور عدل کے ترازو کا رکھا جانا اور اعمال ناموں کا اڑنا اور نیک لوگوں کے دائیں ہاتھ میں اور بد اعمال لوگوں کے بائیں ہاتھ میں اعمال ناموں کا پہنچنا بھی برحق ہے اور پل صراط، جو دوزخ پر رکھی جائے گی اور بہشت والے اس سے گزر کر بہشت میں جائیں گے اور دوزخ والے اس سے دوزخ میں گر جائیں گے، یہ بھی برحق ہے۔ یہ سب امور ممکن ہیں، کیونکہ مہر صادق (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ان کے واقع ہونے کی خبر دی ہے۔ لہذا ان کو بلا توقف قبول کرنا چاہیے اور وہی مقدمات کی وجہ سے شک و تردید نہیں کرنی چاہیے۔ (یہ آیت کریمہ) نصِ قطعی ہے: مَا أَتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ. (سورۃ حشر، ۷) یعنی: سو جو چیز تم کو پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) دیں وہ لے لو۔

اس روز حضرت رحمن جل سلطانہ کی اجازت سے نیک لوگوں کی برے لوگوں کے حق میں شفاعت کرنا بھی برحق ہے۔ نبی (کریم) علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والتسلیمات نے فرمایا ہے: شَفَاعَتِي لِأَهْلِ الْكِبَايَرِ مِنْ أُمَّتِي. (۲) یعنی: میری شفاعت میری امت کے کبیرہ گناہ کرنے والوں کے لیے ہے۔

نیز کافروں کا حساب کے بعد ہمیشہ کے لیے دوزخ میں داخل ہونا بھی برحق ہے اور اسی طرح مومنوں کا ہمیشہ کے لیے جنت میں داخل ہونا اور جنت کی راحتوں میں رہنا بھی برحق ہے۔ روا ہے کہ اگرچہ مومن فاسق اپنے گناہوں کی شامت سے کچھ عرصہ دوزخ میں جائے گا اور اپنے گناہ کے اندازہ سے وہاں عذاب پائے گا، لیکن ہمیشہ کے لیے دوزخ میں رہنا اس کے حق میں مفقود ہے۔ جس شخص کے دل میں ذرہ بھرا ایمان ہوگا، وہ دوزخ میں ہمیشہ نہیں رہے گا۔ اس کا انجام رحمت پر ہے اور اس کا مقام جنت ہے۔

ایمان اور کفر کا مدار خاتمہ پر ہے۔ اکثر ایسے ہوتا ہے کہ آدمی عمر بھر ان دو صفات میں سے ایک کے ساتھ متصف ہوتا ہے اور آخر میں اس کی ضد سے متصف ہو جاتا ہے اور اعتبار خاتمہ پر کیا جاتا ہے۔ رَبَّنَا لَا تُرِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ. (سورۃ آل عمران، ۸)

یعنی: اے ہمارے پروردگار! جب تو نے ہمیں ہدایت بخشی ہے تو اُس کے بعد ہمارے دلوں میں کبھی نہ پیدا کرنا اور ہمیں اپنے ہاں سے نعمت عطا فرما۔ تُو تو بڑا عطا فرمانے والا ہے۔

(۱۲) ایمان سے مراد اُن امور کی قلب سے تصدیق کرنا ہے جو دین کی ضرورت اور تواتر کے طریقہ سے پایہ ثبوت کو پہنچ چکے ہیں اور ان امور کا اقرار زبان کے ساتھ کرنا بھی ضروری ہے۔ جیسا کہ صانع (خالق) کے وجود اور حق تعالیٰ کی توحید پر ایمان لانا ہے۔ اور اسی طرح (آسمان سے) نازل ہونے والی کتابوں اور صحیفوں پر ایمان لانا اور انبیاء کرام اور ملائکہ عظام عَلَیْهِمُ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيمَاتُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامِ (ان پر قیامت تک درود و سلام ہو) پر ایمان لانا اور آخرت پر ایمان لانا جس میں جسموں کا جی اٹھنا اور دوزخ کے ابدی عذاب اور بہشت کے دائمی ثواب (آرام) کو پانا اور آسمانوں کا چھٹنا اور ستاروں کا گرنا اور زمین اور پہاڑوں کا ریزہ ریزہ ہو جانا ہے۔ اسی طرح نماز، حج، گناہ کی فرضیت اور اس کی رکتوں کے تعین پر ایمان لانا اور مال کی زکوٰۃ کی فرضیت اور رمضان کے روزوں اور بیت اللہ کا حج راستے کی استطاعت رکھنے پر (ایمان لانا)۔ ایسے ہی ایمان لانا کہ شراب پینا اور ناحق قتل کرنا اور والدین کی نافرمانی کرنا اور چوری اور زنا کرنا اور یتیم کا مال کھانا اور سود کھانا وغیرہ حرام ہیں، کیونکہ یہ (سب) تواتر کے ساتھ پایہ ثبوت کو پہنچ چکا ہے اور ضروریاتِ دین میں سے ہیں۔

(۱۳) اور مومن کبیرہ گناہ کرنے سے ایمان سے خارج نہیں ہوتا اور کفر میں داخل نہیں ہوتا۔ کبیرہ کو حلال سمجھنا کفر ہے اور کبیرہ کا عمل و ارتکاب فسق ہے۔ اور خود کو مومن برحق سمجھنا چاہیے۔ یعنی اپنے ایمان کے ثبوت اور تحقق کا اعتراف کرنا چاہیے اور کلمہ استثناء یعنی کلمہ ان شاء اللہ کو ایمان کے ساتھ نہیں جوڑنا چاہیے، کیونکہ اس میں شک کا وہم ہوتا ہے اور ایمان کے ثبوت کے ساتھ مخالفت کی صورت رکھتا ہے۔ اگرچہ استثناء کو خاتمہ کی طرف لوٹاتے ہیں جو مبہم ہے، لیکن (یہ) ثبوت حالی سے بھی خالی نہیں ہے۔ پس احتیاط شک و شبہ کی صورت کو ترک کر دینے میں ہے۔

(۱۴) حضراتِ خلفائے اربعہؓ کی فضیلت ان کی خلافت کی ترتیب سے ہے، کیونکہ اہل حق کا اجماع ہے کہ انبیاء صَلَوَاتُ اللہِ تَعَالٰی وَتَسْلِيمَاتُہُ سُبْحَانُہُ عَلَیْہِمْ أَجْمَعِیْنَ کے بعد افضل بشر حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ ان کے بعد حضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ فضیلت کی وجہ اس فقیر نے سچی ہے وہ فضائل و مناقب کی کثرت نہیں ہے،

بلکہ ایمان میں سب سے سابق ہونا اور مالوں کے خرچ کرنے میں سب سے آگے ہونا اور دین کی تائید اور ملت متین کی ترویج کے لیے اپنے نفس (جسم و جان) کو لگائے رکھنے میں سب سے پہلے ہونا ہے، کیونکہ سابق گویا دین کے معاملے میں لاحق کا استاد ہے اور لاحق جو کچھ پاتا ہے وہ سابق کے خوانِ دولت سے پاتا ہے اور یہ تینوں صفات کاملہ حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں موجود ہیں۔ ایمان میں سب سے سابق ہونے کے ساتھ جس شخص نے مال خرچ کرنے اور نفس (جسم و جان) کو لگائے رکھنے کو بھی شامل رکھا ہے، وہ حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی ہیں اور یہ دولت اس امت میں ان کے علاوہ کسی کو میسر نہیں ہوئی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے جس بیماری میں وصال فرمایا، اس میں ارشاد فرمایا ہے:

إِنَّهُ لَيْسَ مِنَ النَّاسِ أَحَدٌ آمَنَ عَلَىٰ فِي نَفْسِهِ وَمَالِهِ مِنْ أَبِي بَكْرٍ بْنِ أَبِي قَحَافَةَ وَلَوْ كُنْتُ مُتَخِذًا مِنَ النَّاسِ خَلِيلًا لَأَتَخَذْتُ أَبَا بَكْرٍ وَلَكِنْ خُلَّةُ الْإِسْلَامِ أَفْضَلُ سُدُّوا عَنِّي كُلَّ خَوْجَةٍ فِي هَذَا الْمَسْجِدِ غَيْرَ خَوْجَةٍ أَبِي بَكْرٍ. (۳) یعنی: لوگوں میں کوئی ایسا شخص نہیں جس نے مجھ پر ابوبکر بن ابوقحافہ سے بڑھ کر مال و جان میں احسان کیا ہو۔ اگر میں کسی کو دوست بناتا تو ابوبکر کو دوست بناتا، لیکن اسلامی دوستی افضل ہے۔ اس مسجد میں ابوبکر کی کھڑکی کے علاوہ جتنی کھڑکیاں ہیں سب کو بند کر دو۔

نیز نبی کریم علیہ و آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے: إِنَّ اللَّهَ بَعَثَنِي إِلَيْكُمْ فَقُلْتُ كَذَبْتُ وَقَالَ أَبُو بَكْرٍ صَدَقْتُ وَوَأَسَانِي بِنَفْسِهِ وَمَالِهِ فَهَلْ أَنْتُمْ تَارِكُونَ لِي صَاحِبِي. (۴)

یعنی: بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہاری طرف بھیجا تو تم نے مجھے جھٹلایا اور ابوبکر نے میری تصدیق کی اور اپنی جان اور مال سے میری ہمدردی و غمخواری کی۔ کیا تم میرے لیے میرے دوست کو نہیں چھوڑ سکتے۔

نیز نبی کریم علیہ و آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے: لَوْ كَانَ بَعْدِي نَبِيٌّ لَكَانَ عُمَرُ ابْنُ الْخَطَّابِ. (۵) یعنی: اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر بن الخطاب ہوتا۔

حضرت امیر (علی) رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ ابوبکرؓ اور عمرؓ دونوں اس امت میں سب سے افضل ہیں۔ جو شخص مجھے ان پر افضلیت دے وہ مفتری (تہمت لگانے والا) ہے، میں اس کو کوڑے لگاؤں گا، جس طرح کہ مفتری کو کوڑے لگاتے ہیں۔ جو جھگڑے اور جنگیں خیر البشر (حضرت محمد مصطفیٰ) علیہ علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے صحابہ (کرامؓ) کے درمیان واقع ہوئی ہیں، ان کو نیک معافی پر محمول کرنا چاہیے اور ان کو ہوا و ہوس کے گمان اور جاہ و ریاست کی حب اور رفعت و منزلت کی طلب سے دور رکھنا چاہیے، کیونکہ یہ نفس امارہ کی بری عادات میں سے ہیں اور ان بزرگواروں کے نفوس خیر البشر علیہم علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کی صحبت میں پاک اور صاف ہو چکے تھے۔ اتنا ہے کہ جو جھگڑے اور جنگیں حضرت امیر (علی) رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت میں واقع ہوئے تھے، ان میں حضرت امیر (علی) رضی اللہ تعالیٰ عنہ حق بجانب تھے اور ان کے مخالفین خطا پر تھے۔ جب اجتہادی خطا پر ملامت و طعن کی مجال نہیں ہے تو پھر (کسی کو) فاسق کہنے کی گنجائش کیسے ہو سکتی ہے، کیونکہ صحابہ (کرامؓ) سب عدول ہیں اور ان سب کی روایات مقبول ہیں اور حضرت امیر (علی) رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے موافقین اور مخالفین کی روایات صدق اور وثوق میں برابر ہیں اور جھگڑے اور لڑائی کی علت کسی پر جرح کا باعث نہیں بنی ہے۔ سو سب کو دوست رکھنا

چاہیے، کیونکہ ان کی دوستی نبی کریم علیہ وسلم الصلوٰۃ والتسلیمات کی دوستی ہے۔ اس لیے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا ہے: مَنْ أَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّي أَحَبَّهُمْ^(۶)۔ یعنی: جس نے ان سے محبت کی، اس نے میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت کی۔

ان کے بغض و دشمنی سے بچنا چاہیے، کیونکہ ان کے ساتھ بغض رکھنا آنسو و علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے ساتھ بغض رکھنا ہے۔ اس لیے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا ہے: مَنْ أَبْغَضَهُمْ فَبِغْضِي أَبْغَضَهُمْ^(۷)۔

یعنی: جس نے ان سے بغض رکھا، اُس نے میرے ساتھ بغض رکھنے کی وجہ سے ان سے بغض رکھا۔

ان بزرگواروں کی تعظیم و توقیر میں خیر البشر (حضرت محمد مصطفیٰ) علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی تعظیم و توقیر ہے اور ان کی تعظیم نہ کرنے میں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعظیم نہ کرنا ہے اور (حضرت) خیر البشر علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کی صحبت کی تعظیم کی وجہ سے سب (صحابہ کرامؓ) کی تعظیم کرنی چاہیے۔ شیخ شبلی (رحمۃ اللہ علیہ) نے فرمایا ہے: مَا آمَنَ بِرَسُولِ اللَّهِ مَنْ لَمْ يُوقِرْ أَصْحَابَهُ۔ یعنی: وہ شخص رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان نہیں لایا جس نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے صحابہ (کرامؓ) کی توقیر (عزت) نہیں کی۔

عقائد کو درست کرنے کے بعد اعمال کی بجا آوری سے بھی چارہ نہیں ہے۔ نبی کریم علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے۔ پہلی: اس بات کی شہادت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، جس سے مراد اس چیز پر ایمان و اعتقاد رکھنا ہے جو اللہ کے رسول حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تبلیغ سے پایہ ثبوت کو پہنچی ہے، جیسا کہ (اوپر) بیان ہو چکا ہے۔ دوسری: پانچ وقت کی نمازوں کی ادائیگی جو دین کا ستون ہے۔ تیسری: مال کی زکوٰۃ ادا کرنا۔ چوتھی: مبارک مہینے رمضان کے روزے رکھنا۔ اور پانچویں: بیت اللہ شریف کا حج کرنا۔^(۸)

اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان لانے کے بعد بہترین عبادت نماز ہے اور اس میں ایمان کی مانند ذاتی حسن ہے، بخلاف باقی عبادتوں کے کہ ان کا حسن ذاتی نہیں ہے۔ کامل طہارت کے بعد جیسا کہ شرع کی کتابوں میں واضح ہو چکا ہے، بڑی پابندی کے ساتھ سستی کے بغیر نماز ادا کرنی چاہیے اور قرأت و رکوع، سجود و قنوت، جلسہ اور باقی ارکان میں احتیاط کرنی چاہیے کہ درجہ کمال میں ادا ہوں اور رکوع و سجود اور قنوت و جلسہ میں سکون و اطمینان کو لازم جاننا چاہیے اور غفلت سے ادا نہیں ہونے چاہئیں۔

نماز کو اوّل وقت میں ادا کریں اور سستی و نادانی سے تاخیر تجویز نہ کریں۔ مقبول بندہ وہ ہے جو مولیٰ (کریم) کا حکم ملتے ہی اس کی بجا آوری کرے، کیونکہ حکم کی بجا آوری میں تاخیر کرنا سرکشی اور بے ادبی ہے۔ فقہ کی کتابیں، جو فارسی میں لکھی گئی ہیں، جیسے ترغیب الصلوٰۃ اور تیسیر الاحکام وغیرہ ہر وقت اپنے پاس رکھیں اور شرعی مسائل کو ان سے اخذ کریں اور ان پر عمل کریں۔ کتاب گلستان اور اس جیسی دوسری کتابیں فقہ کی کتابوں کے مقابلے میں فضول ہیں، بلکہ ضروری چیز کے سامنے لایعنی (بیکار) ہیں۔ دین میں جس چیز کی حاجت ہے اُس کو لازم سمجھنا چاہیے اور اس کے علاوہ کسی اور چیز کی طرف متوجہ نہیں ہونا چاہیے۔ نماز تہجد بھی اس راستے کی ضروریات میں سے ہے۔ کوشش کریں کہ بلا ضرورت ترک نہ ہو جائے۔ اگر ابتدا میں یہ چیز دشوار ہو اور اس کے وقت میں جاگنا میسر نہ ہو تو خدام کی ایک جماعت کو اس کام کے لیے مقرر کر دیں جو چاہنے اور نہ چاہنے

سے بھی اس وقت میں جگا دیں اور نہ چھوڑیں کہ آپ سوتے رہیں۔ چند روز کے بعد جب جاگنے کی عادت ہو جائے گی تو پھر تکلف اور تعمل کی ضرورت نہیں ہوگی۔ جو شخص چاہے کہ رات کے آخر میں جاگ جائے، اسے چاہیے کہ رات کے اوّل حصے میں نماز عشاء کے بعد سو جائے اور بیکار امور کی مشغولیت میں جاگتا نہ رہے اور اس وقت میں استغفار و توبہ اور التجا و زاری کرنا اور معاصی اور گناہوں کو یاد کرنا، نقائص و عیوب اور آخرت کے عذاب کے خوف اور دائمی رنج کے ڈر کے بارے میں فکر کرنا غنیمت سمجھیں اور حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ سے معافی اور بخشش طلب کریں۔ یہ کلمہ استغفار سو بار قلبی توجہ کے ساتھ زبان سے ادا کریں: اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الَّذِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ وَ اَتُوْبُ اِلَیْهِ سُبْحَانَہٗ۔^(۹) یعنی: میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت چاہتا ہوں جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہی زندہ اور قائم ہے۔ اور اللہ سبحانہ کے حضور توبہ کرتا ہوں۔

نیز نماز عصر کے بعد یہ کلمہ استغفار پڑھیں۔ وضو کے ساتھ یا بغیر وضو کے اس کلمہ استغفار کے ورد کو ترک نہ کریں۔ حدیث (شریف) میں آیا ہے: طُوبٰی لِمَنْ وُجِدَ فِیْ صَحِیْفَتِہٖ اَسْتَغْفَارٌ کَثِیْرٌ۔^(۱۰) یعنی: وہ شخص بڑا ہی خوش نصیب ہے جس کے نامہ اعمال میں استغفار کی کثرت ہو۔

نماز چاشت بھی اگر ادا کی جائے تو ایک عظیم دولت ہے۔ کوشش کریں کہ کم از کم دو رکعت (نماز) چاشت دائمی طور پر ادا کی جائے اور نماز چاشت کی زیادہ سے زیادہ رکعتیں نماز تہجد کی مانند بارہ ہیں۔ وقت اور حال کے تقاضا سے جتنی بھی ادا کی جائیں، وہ غنیمت ہیں۔ کوشش کریں کہ ہر فرض نماز کی ادائیگی کے بعد آیۃ الکرسی پڑھی جائے، کیونکہ حدیث (شریف) میں آیا ہے کہ جو شخص ہر فرض نماز کے بعد آیۃ الکرسی پڑھتا ہے، موت کے سوا کوئی چیز اُسے بہشت میں داخل ہونے سے نہیں روک سکتی۔^(۱۱)

نیز چنگانہ نمازوں میں سے ہر نماز کی ادائیگی کے بعد تینتیس بار کلمہ تزیہ سُبْحَانَ اللّٰہِ، تینتیس بار کلمہ تمجید الْحَمْدُ لِلّٰہِ اور تینتیس بار کلمہ تکبیر اللّٰہُ اکْبَرُ اور ایک بار لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَهُ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ یُحْیِیْ وَیُمِیْتُ وَهُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ^(۱۲) تاکہ سو کا عدد پورا ہو جائے۔ نیز ہر روز میں اور ہر رات میں سو بار سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ پڑھیں، کیونکہ بڑا ثواب رکھتا ہے۔ اسی طرح صبح کے وقت ایک بار (یہ دعا) پڑھیں: اَللّٰهُمَّ مَا اَصْبَحَ بَیْ مِنْ نِعْمَةٍ اَوْ بِاَحَدٍ مِّنْ خَلْقِكَ فَمِنْکَ وَحْدَکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ الْحَمْدُ وَلَکَ الشُّکْرُ۔^(۱۳)

یعنی: یا اللہ! آج صبح جو نعمت مجھے یا تیری مخلوق میں سے کسی کو ملی ہے، وہ تیری ہی جانب سے ہے اور تو ایک ہے، تیرا کوئی شریک نہیں۔ سو تیرے ہی لیے حمد ہے اور تیرے ہی لیے شکر ہے۔

نیز شام کے وقت اَللّٰهُمَّ اَصْبَحْ کِیْ جَلَّہُ اَللّٰهُمَّ اَمْسِ پڑھیں اور (دعا) پوری کریں۔ حدیث نبوی علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ والسلام میں آیا ہے کہ جس شخص نے اس دعا کو دن میں پڑھا، اُس نے اُس روز کا شکر ادا کر دیا اور جس شخص نے رات کو پڑھا، اس نے اُس رات کا شکر ادا کر دیا۔ اور اس ورد کے لیے ضروری نہیں ہے کہ با وضو پڑھیں، بلکہ اس ورد کو دن اور رات کے سب اوقات میں پڑھیں۔

مال کی زکوٰۃ ادا کرنا بھی دین کی ضروریات میں سے ہے۔ چاہیے کہ آپ رغبت اور شکرگزاری کے ساتھ زکوٰۃ مصارف تک پہنچائیں۔ جب منعم حقیقی جل سلطانہ اپنے عطیہ و انعام کے بارے میں فرماتا ہے کہ اس کے چالیس حصوں میں سے ایک

حصہ فقیروں اور مسکینوں کو دیں، کیونکہ میں اس کے بدلے میں تم کو بہت زیادہ اجر اور عمدہ جزا دوں گا۔ بڑا بے انصاف ہے، بلکہ سرکش ہے وہ شخص جو اس حقیر حصے کی ادائیگی میں تاخیر کرے اور اس کے دینے میں بخل کرے اور اس طرح کے توقفات جو شرعی حکم کی بجا آوری میں پیش آتے ہیں، ان کا سبب قلبی بیماری اور آسمان سے نازل ہونے والے احکام پر یقین کا نہ ہونا ہے۔ صرف کلمہ طیبہ کا پڑھ لینا ہی کافی نہیں ہوتا۔ منافقین بھی یہ کلمہ پڑھتے تھے۔ دل کے یقین کی علامت شرعی احکام کی بجا آوری ہے۔ ایک دمڑی جو زکوٰۃ کی نیت سے کسی فقیر کو دی جائے، وہ اُن لاکھوں (روپوں) کے خرچ کرنے سے بہتر ہے جو اس نیت کے بغیر دیے جائیں۔ کیونکہ وہ فرض کی ادائیگی ہے اور یہ نفل کی بجا آوری ہے۔ اور نفل کی ادائیگی فرض کی ادائیگی کے مقابلے میں کوئی شمار اور اعتبار نہیں رکھتی۔ کاش کہ وہ دریائے محیط کے مقابلے میں ایک قطرے کی نسبت ہی رکھتی ہوتی۔ لعنتی شیطان کی فریب کاریوں میں سے ہے کہ وہ لوگوں کو فرائض سے روک کر نوافل کی جانب رہنمائی کرتا ہے اور زکوٰۃ سے باز رکھتا ہے۔

مبارک مہینے رمضان کے روزے رکھنا بھی اسلام کے واجبات میں سے ہے اور دین کی ضروریات میں سے ہے۔ ان کی ادائیگی میں بھی اہتمام کرنا چاہیے۔ اور ناقابل قبول عذروں کی وجہ سے روزہ نہیں چھوڑنا چاہیے۔ نبی کریم علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ روزہ دوزخ کی آگ سے (بچنے کے لیے) ڈھال ہے۔ اگر بیماری کی مانند ضروری رکاوٹ سے روزہ قضا ہو گیا تو اس کی قضا بلاتا تاخیر ادا کرنی چاہیے اور کاہلی و سستی سے اسے چھوڑنا نہیں چاہیے۔ یہ انسان غلام ہے، خود مختار نہیں ہے۔ مولیٰ رکھتا ہے، چارہ نہیں رکھتا۔ اس لیے کہ وہ اس کے اوامر اور نواہی کے تقاضا کے مطابق زندگی گزارے، تاکہ نجات کی امید متصور ہو سکے۔ اگر وہ ایسا نہ کرے تو وہ ایک سرکش غلام ہے جس کی سزا طرح طرح کے عذاب ہیں۔

اسلام کا پانچواں رکن بیت اللہ شریف کا حج کرنا ہے اور یہ شرائط رکھتا ہے جو فقہ کی کتابوں میں بیان فرمائی گئی ہیں۔ شرائط کے ثابت ہو جانے کے بعد اس کی ادائیگی بھی ضروری ہے۔ نبی کریم علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ حج پہلے گناہوں کو ختم کر دیتا ہے۔ (۱۴)

الغرض شرعی حلال و حرام میں خوب احتیاط کرنی چاہیے اور جس چیز سے صاحب شریعت (حضرت محمد مصطفیٰ) علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے منع فرمایا ہے، خود کو اُس سے باز رکھنا چاہیے اور شرعی حدود کی محافظت کرنی چاہیے، اگر مطلوب سلامتی اور نجات ہے۔ غفلت کی نیند کب تک رہے گی اور غفلت کی روئی کان میں کب تک پڑی رہے گی۔ آخر جگادیا جائے گا اور غفلت کی روئی نکال دی جائے گی۔ اس وقت سوائے ندامت اور حسرت کے کچھ ہاتھ نہیں آئے گا اور شرمندگی اور نقصان کے علاوہ کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ موت نزدیک ہے اور آخرت کے قسم قسم کے عذاب تیار اور آمادہ ہیں:

مَنْ مَاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِيَامَتُهُ. (یعنی: جسے موت آگئی پس اُس کے لیے قیامت قائم ہوگئی۔)

آپ اس سے پہلے کہ بیدار کیا جائے اور فائدہ نہ دے، بیدار ہو جائیں اور شرعی اوامر و نواہی کے تقاضا سے کام کریں اور خود کو آخرت کے گونا گوں عذابوں سے بچائیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے:

قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ. (سورۃ تحریم، ۶)

یعنی: اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اُس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں۔

عقائد کو درست کرنے کے بعد اور شریعتِ حقہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والختیہ کی رو سے نیک اعمال بجالانے کے بعد اپنے اوقات کو ذکر الہی جل شانہ سے معمور رکھنا چاہیے اور حق تعالیٰ کی یاد سے فارغ نہیں رہنا چاہیے۔ اگر آپ ظاہر کو خلقت کے ساتھ مشغول رکھیں تو بھی چاہیے کہ باطن حق جل سلطانہ کی جانب (متوجہ) ہو اور حق تعالیٰ کی یاد سے لطف اندوز ہونا چاہیے۔ یہ دولت ہمارے حضرات خواجگانِ قدس اللہ تعالیٰ اسرار ہم کے طریقہ میں مبتدی کو شیخِ کامل مکمل کی صحبت میں پہلے ہی قدم میں میسر ہے۔ شاید آپ کو بھی اس چیز کا یقین حاصل ہوا ہوگا، بلکہ ایک حصہ نصیب ہوا ہوگا، خواہ وہ کم ہی ہو۔ جو کچھ حاصل ہوا ہے، اسے ناز کے ساتھ رکھیں اور اس کا شکر ادا کریں اور زیادتے کے امیدوار رہیں۔ چونکہ حضرات نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرار ہم کے طریقہ میں انتہا ابتدا میں درج ہے۔ اگر اس طریقہ سے تھوڑا سا (حصہ) نصیب ہے تو وہ بھی بہت ہے، کیونکہ (سالک) ابتدا ہی میں انتہا سے باخبر ہوتا ہے۔ لیکن مبتدی کو چاہیے کہ جتنا بھی ہاتھ آئے، وہ اس کی نظر میں کم ہو اور اس کے شکر سے خالی نہ رہے۔ اس کا شکر بھی ادا کرے اور زیادتے کا طالب بھی رہے۔ ذکر قلبی سے اصل مقصود حق سبحانہ کے ماسوا کی گرفتاری کا زوال ہے، کیونکہ دل کی بیماری یہی ہے۔ جب تک اس گرفتاری کا زوال حاصل نہ ہو جائے، ایمان کی حقیقت نصیب نہیں ہوتی اور شرعی اوامر و نواہی کی ادائیگی میں آسانی اور سہولت میسر نہیں ہوتی۔ شعر:

ذکر گو ذکر تا ترا جانست پاکِ دل ز ذکرِ رحمان ست

یعنی: جب تک جان ہے تو ذکر کر ذکر، دل کی پاکی رحمن (اللہ تعالیٰ) کے ذکر سے (حاصل ہوتی) ہے۔

کھانا کھانے میں چاہیے کہ نفس کی لذت مطلوب نہ ہو، بلکہ عبادت کے لیے قوت اور استطاعت کی نیت ہو اور اگر یہ نیت ابتدا میں ہاتھ نہ آئے تو چاہیے کہ تکلف کے ساتھ خود کو اس نیت پر لائیں اور التجا و زاری کریں تاکہ اس نیت کی حقیقت میسر ہو جائے۔ ایسے ہی لباس پہننے میں چاہیے کہ عبادت اور نماز کی ادائیگی کے لیے زینت کی نیت ہو، جو قرآن مجید میں آیا ہے: خُذُوا زِينَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ (سورۃ اعراف، ۳۱) یعنی: ہر نماز کے وقت اپنے آپ کو مزین کیا کرو۔

خوبصورت لباس پہننے سے مقصود خلقت کو دکھانا نہ ہو، کیونکہ یہ ممنوع ہے اور اسی طرح کوشش کرنی چاہیے کہ تمام افعال اور حرکات و سکنات میں اپنے مولیٰ جل سلطانہ کی رضا مندی منظور ہو اور اس کی شریعتِ حقہ کے تقاضا سے عمل کیا جائے۔ اس وقت ظاہر اور باطن دونوں حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوں گے اور حق جل و علا کی یاد میں ہوں گے۔ مثلاً نیند، جو سر اسر غفلت ہے، جب یہ اطاعت کی ادائیگی کے لیے غفلت کی دوری کے لیے کی جائے تو وہ نیند اس نیت سے عین عبادت بن جاتی ہے۔ جب تک اس نیند میں ہے، گویا اطاعت میں ہے، کیونکہ یہ اطاعت کی ادائیگی کی نیت سے ہے۔ حدیث (شریف) میں آیا ہے:

نَوْمُ الْعُلَمَاءِ عِبَادَةٌ^(۱۶) یعنی: علماء کی نیند عبادت ہے۔

اگرچہ (فقیر) جانتا ہے کہ آج اس چیز کا حاصل کرنا آپ کے لیے دشوار ہے، کیونکہ رکاوٹوں کی کثرت ہے اور رسوم و عادات لازم ہو گئی ہیں اور تنگ و ناموس منظور (نظر) ہے جو روشن شریعت کے خلاف ہیں، کیونکہ شریعت رسوم و عادات کو مٹانے کے لیے وارد ہوئی ہے اور اس تنگ و ناموس کو دور کرنے کے لیے آئی ہے، جو نفس امارہ کی خواہش سے پیدا ہوئی ہے۔ لیکن اگر آپ اللہ سبحانہ کی توفیق سے ذکر قلبی پر دوام حاصل کر لیں اور پانچ وقت کی نمازیں شرائط کے نقصان کے بغیر ادا کریں

اور شرعی حلال و حرام میں حتی الامکان احتیاط برتیں تو احتمال ہے کہ چیز کا جمال ظاہر ہو جائے گا اور وہ آپ کو خود بخود درغیب کر لے گا۔ اس قسم کی نصیحتیں لکھنے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اگرچہ ان نصیحتوں کے مطابق عمل حاصل نہ ہو تو اپنے قصور و نقص کا اعتراف ضرور حاصل ہو جاتا ہے اور یہ بھی ایک دولت ہے:

ہر کس کہ بیافت دولتے یافت عظیم
وآں کس کہ نیافت در دنیا یافت بس است
یعنی: جس شخص نے پالیا اس نے ایک عظیم دولت پائی اور جس نے نہ پایا اُس کے لیے نہ پانے کا درد ہی کافی ہے۔
اس چیز سے اللہ سبحانہ کی پناہ! کہ آدمی (اس دولت کو) نہ پائے اور اپنے نہ پانے کا اُسے دکھ نہ ہو اور کچھ نہ کرے اور اپنے نہ کرنے پر شرمسار بھی نہ ہو۔ ایسا آدمی سرکش جاہل ہے جس نے بندگی کے حلقہ سے سر کو باہر نکال لیا ہے اور پاؤں کو غلامی کی قید سے نکال لیا ہے۔ رَبَّنَا اٰتِنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً وَهِيَ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا۔ (سورۃ کہف، ۱۰)
یعنی: اے ہمارے پروردگار! ہم پر اپنے ہاں سے رحمت نازل فرما اور ہمارے کام میں درستی (کے سامان) مہیا کر۔
اگرچہ وقت و حال اور زمان و مکان اس کا تقاضا نہیں کرتے تھے کہ (فقیر) کوئی چیز لکھے، لیکن جب آپ کے شوق و رغبت کو درجہ کمال میں دیکھا تو تکلف سے خود کو اس کام کے لیے تیار کر کے چند سطریں لکھیں اور کمال الدین حسین کے سپرد کر دی ہیں۔ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ آپ کو اس کے تقاضا کے مطابق عمل (کی توفیق) کرامت فرمائے۔

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اَتَّبَعَ الْهُدٰی۔ (سورۃ طہ، ۴۷)

یعنی: اور جو شخص ہدایت کی بات مانے، اُس کو سلامتی نصیب ہو۔

مکتوب نمبر (۱۸)

سیادت پناہ میر محمد نعمان کو تحریر فرمایا۔ ماسوا سے بے تعلقی اور حق تعالیٰ کے طالبین کی صحبت کی ترغیب کے بیان میں۔^(۱)
اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ دَائِمًا عَلٰی کُلِّ حَالٍ فِی السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ۔
یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے، ہمیشہ اور ہر حال میں خواہ خوشی ہو اور خواہ رنج ہو۔

مکتوب شریف مع ہدیہ، جو آپ نے سلیمان کے ذریعے ارسال کیا تھا، وہ پہنچا۔ جَزَاکُمُ اللّٰہُ خَیْرًا۔ یعنی: اللہ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

آپ نے لکھا تھا کہ اس سفر سے مقصود بعض ایسے مقاصد حاصل کرنا تھا جن کا حاصل ہونا دشوار ہو گیا تھا۔ آپ امید رکھیں: فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا۔ إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا۔ (سورۃ انشراح، ۵-۶)
یعنی: سو مشکل کے ساتھ آسانی ہے اور بیشک مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: لَنْ یُعْلَبَ عُسْرُ یُسْرَیْنِ۔ یعنی: ایک تنگی دو آسانیوں پر غالب نہیں آسکتی۔

(فقیر) اپنے پُر خوف حالات کے بارے میں کیا لکھے؟ اور دوستوں کو کیسے بے مزہ کرے؟ اس کے باوجود ہزار ہا ہزار

شکر ہے کہ عین بلا میں عافیت ہے۔ فَسُبْحَانَ مَنْ جَمَعَ بَيْنَ الضَّدَّيْنِ وَقَرَنَ بَيْنَ الْمُتَنَافِيَيْنِ۔
یعنی: سو پاک ہے وہ ذات جس نے دو ضدوں کو جمع کر دیا اور دو مخالف چیزوں کو اکٹھا کر دیا۔

ایک روز فقیر قرآن مجید کی تلاوت کر رہا تھا کہ یہ آیت آگئی: قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِينُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ ط وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ۔ (سورہ توبہ، ۲۴) یعنی: آپ فرمادیں کہ اگر تمہارے باپ اور بیٹے اور بھائی اور عورتیں اور خاندان کے آدمی اور مال جو تم کما تے ہو اور تجارت جس کے بند ہونے سے ڈرتے ہو اور مکانات جن کو پسند کرتے ہو، اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے تمہیں زیادہ عزیز ہوں تو ٹھہرے رہو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم (یعنی عذاب) بھیجے اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔

اس آیت کریمہ کے پڑھنے سے بہت زیادہ گریہ کا غلبہ ہو گیا اور خوف غالب آ گیا۔ (فقیر نے) اسی اثنا میں اپنے حال کا ملاحظہ کیا تو دیکھا کہ وہ ان میں سے کسی کے ساتھ بھی گرفتار نہیں ہے۔ اگر سب ضائع اور برباد ہو جائیں تو بھی کوئی ایسا کام پسند نہیں کرے گا جس کا کرنا شریعت میں ناپسندیدہ اور قابل نفرت ہو اور ان امور کو اس کام پر ترجیح نہیں دے گا۔
باقی مقصد یہ ہے کہ جب ہمارے دوست اللہ (کی رضا) کے لیے ہماری صحبت میں رہتے ہیں تو پھر ہمیں بھی چاہیے کہ ان کو ناز کے ساتھ رکھیں اور ان کے احوال کے ظاہر و باطن سے خبردار رہیں۔ (یہ) حدیث قدسی مشہور ہے کہ: يَادَاوُدُ إِذَا رَمَيْتَ لِي طَالِبًا فَكُنْ لَهُ خَادِمًا۔^(۲) یعنی: اے داؤد (علیہ السلام)! جب تو میرا کوئی طالب دیکھے تو اُس کا خادم بن جا۔
لہذا آپ اس سے پہلے جو دوستوں پر توجہ رکھتے تھے، اس کے بعد اس سے بھی زیادہ ان پر توجہ رکھیں اور لاپرواہی اور غفلت کے طریقہ کو منظور نہ کریں۔

دوسری بات یہ ہے کہ لکھیں کہ کیا ”اقربیت“،^(۳) والا مکتوب سمجھ آیا ہے یا نہیں؟ اگر سمجھ آ گیا ہے تو بہتر، ورنہ شک و تردد کو معین کر کے لکھیں۔ (فقیر) اس سے زیادہ کیا لکھے؟ الْمَسْئُولُ مِنَ اللَّهِ سُبْحَانَهُ سَلَامَتُكُمْ وَعَافِيَتُكُمْ وَتَبَاتُكُمْ وَاسْتِقَامَتُكُمْ وَيَزِيدُ تَوْفِيقَكُمْ وَحُسْنَ عَافِيَتِكُمْ وَالسَّلَامُ۔ یعنی: اللہ سبحانہ سے آپ کی سلامتی و عافیت اور ثابت قدمی و استقامت کی التماس ہے اور آپ کی توفیق میں اضافے اور حسن عافیت کی دعا ہے۔ والسلام۔

مکتوب نمبر (۱۹)

سیادت پناہ میر محمد نعمان کو تحریر فرمایا۔ حق تعالیٰ کی قضا پر صبر و رضا کے بیان میں۔
الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ وَفِي الْعَافِيَةِ وَالْبَلَاءِ۔
یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے، خوشی اور رنج میں اور عافیت اور مصیبت میں۔
اس حکیم (مطلق) جل سلطانہ کا کوئی کام حکمت اور مصلحت سے خالی نہیں ہوتا۔ شاید اللہ سبحانہ نے اسی میں ہماری بھلائی کا ارادہ فرمایا ہے: عَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ج وَعَسَىٰ أَنْ تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ط وَاللَّهُ

يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ. (سورة بقرہ، ۲۱۶)

یعنی: عجب نہیں کہ ایک چیز تم کو بُری لگے اور وہ تمہارے حق میں بھلی ہو، اور عجب نہیں کہ ایک چیز تم کو بھلی لگے اور وہ تمہارے لیے مضر ہو، اور (ان باتوں کو) اللہ ہی بہتر جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

لہذا آپ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی بلا پر صبر کریں اور اس کی قضا پر راضی رہیں اور حق تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہیں اور اللہ سبحانہ کی نافرمانی سے اجتناب کریں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَيْہِ رٰجِعُونَ. (سورة بقرہ، ۱۵۶)

یعنی: ہم اللہ ہی کا مال ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔

اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے:

مَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُوا عَنْ كَثِيرٍ. (سورة شورٰی، ۳۰)

یعنی: جو مصیبت تم پر واقع ہوئی ہے سو تمہارے اپنے فعلوں سے ہے اور وہ بہت سے گناہ تو معاف ہی کر دیتا ہے۔

پس آپ اللہ سبحانہ کی بارگاہ میں اپنے کیے ہوئے اعمال پر توبہ و استغفار کریں اور اللہ سبحانہ سے بہت زیادہ معافی اور عافیت طلب کریں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا ہے اور معاف کرنے کو پسند فرماتا ہے۔ جس مصیبت کو برداشت نہیں کر سکتے اُس سے بچو، کیونکہ جس (بلا کے تحمل) کی طاقت نہ ہو اُس سے دور بھاگنا انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کی سنت ہے اور ہم عین بلا میں عافیت کے ساتھ ہیں۔ فَلِلّٰہِ سُبْحَانَهُ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ. یعنی: سو اُس پر اللہ سبحانہ کی حمد اور احسان ہے۔

وَالسَّلَامُ عَلَیْكُمْ وَ عَلٰی سَائِرِ مَنْ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَ التَّزَمَ مُتَابِعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْہِ وَ عَلٰی آلِہِ الصَّلٰوٰتِ وَ التَّسْلِیْمٰتِ الْعُلٰی. یعنی: اور آپ کو اور اُن سب لوگوں کو جو ہدایت کی بات مانیں اور (حضرت محمد) مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت کو لازم پکڑیں، سلامتی نصیب ہو۔

مکتوب نمبر (۲۰)

مولانا امان اللہ کو تحریر فرمایا۔ ہمت کی بلندی اور سب نعمتوں کے پانے کو اپنے پیر کی طرف راجع کرنے کے بیان میں۔

الْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ سَلَّمَ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی. (سورة نمل، ۵۹)

یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے ان بندوں پر سلام ہو، جن کو اس نے منتخب فرمایا۔

میرے بھائی شیخ امان اللہ کا مکتوب موصول ہوا۔ اپنے احوال و مواجید میں سے جو کچھ لکھا تھا، اس سے آگاہی ہوئی۔ آپ سے ان امور سے بھی زیادہ کی توقع ہے۔ جو کچھ عطا فرمائیں اُسے ادب اور احسان کے ساتھ قبول کرنا چاہیے اور عاجزی و زاری اور التجا و انکساری سے ہلُ مِنْ مِّنْیَد (کیا کچھ اور بھی ہے) کہتے ہوئے زیادتی اور مقام بالا تر کی طلب کرنی چاہیے اور شرعی احکام کی بجا آوری کی خوب رعایت فرمائی چاہیے، کیونکہ احوال کی سچائی کی علامت شریعت پر استقامت ہے۔

آپ نے جو واقعہ عالم مثال سے لکھا تھا اُس کی تعبیر معاملہ کے قریب ہے۔

وَالْأَمْرُ اِلٰی اللّٰہِ سُبْحَانَهُ. یعنی: اور معاملے کی حقیقت اللہ سبحانہ ہی جانتا ہے۔

چونکہ آپ صحبت میں زیادہ رہے ہیں، حَمْدًا لِلّٰہِ سُبْحَانَهُ (اللہ سبحانہ کی حمد ہے) کہ آپ کی نظر بلند ہو گئی ہے،

(لہذا) بچوں کی طرح اخروٹ اور مٹھی پر فریفتہ نہیں ہوتے۔ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ مَعَآلِیَ الْهَمَمِ۔
یعنی: بلاشبہ اللہ سبحانہ بلند ہمت والوں کو دوست رکھتا ہے۔

حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی تربیت کا جو واقعہ آپ نے میرے بھائی حافظ مہدی علی کی نسبت لکھا تھا۔
ہاں! حافظ (موصوف) ہمارے طریقہ سے بڑی مناسبت رکھتا ہے، لیکن اتنا جاننا چاہیے کہ دولت اگرچہ بظاہر جس جگہ سے بھی
پہنچے، درحقیقت اسے اپنے شیخ کی طرف ہی راجع کرنا چاہیے، تاکہ توجہ کا قبلہ منتشر نہ ہو اور کارخانہ میں خلل نہ ڈالے۔ جہاں
سے بھی حاصل ہو، اسے اپنے پیر کی طرف سے سمجھنا چاہیے، کیونکہ وہ جامع ہے۔ اس کی تربیت جس صورت میں بھی ظاہر ہو،
حقیقت میں وہ اسی کی طرف سے ہے۔ یہ مقام طالبوں کے قدموں کے پھسلنے کی جگہ ہے۔ آگاہ رہنا چاہیے، تاکہ لعنتی دشمن کو
راستہ نہ ملے اور وہ پریشان (خاطر) نہ کرے۔ آپ نے سنا ہوگا کہ ”جو ایک جگہ ہے وہ سب جگہ ہے، اور جو ہر جگہ ہے وہ کہیں
بھی نہیں ہے۔“

حافظ (موصوف) کو دعا پہنچائیں۔ والسلام۔

مکتوب نمبر (۲۱)

میر محمد نعمان کو تحریر فرمایا، اُن کے سوالوں کے جواب میں کہ جو ضامّ کے ساتھ حق تعالیٰ کے مشاڑ الیہ ہونے اور زاہدوں کی

فضیلت اور حق تعالیٰ جلّ سلطانہ و عم احسانہ کے علم کی اپنی ذات کے ساتھ کیفیت کے بارے میں کیے گئے تھے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ سَلَّمَ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ (سورۃ نمل، ۵۹)

یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے ان بندوں پر سلام ہو، جن کو اس نے منتخب فرمایا۔

آپ نے پوچھا تھا کہ جب ظلی چیزیں اپنی ماہیت سے چیزیں نہیں ہیں، بلکہ اپنے اصل کی ماہیت کے ساتھ قائم ہیں تو
پھر چاہیے کہ چیزوں کا مشاڑ الیہ لفظ ہو، اَنْتَ اور اَنَا (یعنی وہ، تو اور میں) سے وہی اصل مراد ہو۔ اس وقت بعض ایسی صفات
کا جو اس اصل کے ساتھ نامناسب ہیں، ان ضمیروں پر حمل کرنا کس طرح صادق آتا ہے، جیسے کہ اَنَا اَسْکَلُ (میں کھانے والا
ہوں) اور اَنَا نَائِمٌ (میں سونے والا ہوں)۔

(جواب:) جاننا چاہیے کہ ظل درحقیقت اگرچہ اپنی اصل سے قائم ہے، لیکن اس کی ظلیت کا ثبوت خواہ حس و خیال کے
مرتبہ میں ہو، ہمیشہ قائم ہے اور اس کی ظلیت کے احکام کو دوام و بقا ہے اور خُلِقْتُمْ لِلْاَبَدِ (تم ہمیشہ کے لیے پیدا کیے گئے ہو)
اس معاملے کا گواہ ہے۔ ان صفات کا ان ضمیروں پر حمل کرنا ظلیت کے اعتبار کے ملاحظہ سے روا ہے اور وجود کے ہر مرتبہ کے
لیے الگ حکم ہے اور جو کچھ اللہ میں گم ہے وہ اللہ جلّ و علا نہیں ہے۔

دوسرا یہ کہ آپ نے اس حدیث قدسی کے معنی پوچھے ہیں جو زاہدوں کی فضیلت کے بارے میں وارد ہوئی ہے۔

(جواب:) اس کے الفاظ کے معنی ظاہر ہیں اور اللہ جلّ شانہ کے فضل و کرم سے کیا بعید ہے کہ وہ بعض لوگوں کو فضائل و
خصائص اور کرامات کے ساتھ مخصوص بنادے اور درجات و مراتب عطا فرمادے، جس پر دوسرے (لوگ) رشک کریں۔ ان کا
حساب نہ ہونے کے بارے میں آپ جو ترّ و درّ رکھتے تھے، اس ترّ و درّ کی گنجائش نہیں ہے، کیونکہ خیر البشر (حضرت محمد مصطفیٰ) علیہ

وعلیہم الصلوٰت والتسلیمات کی امت میں سے بہت زیادہ لوگ بغیر حساب کے بہشت میں جائیں گے۔ جیسا کہ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ میری امت سے ستر ہزار آدمی بغیر حساب کے بہشت میں داخل ہوں گے۔ پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! یہ کونسے لوگ ہیں؟ نبی کریم علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: الَّذِينَ لَا يَكْتُمُونَ وَلَا يَسْتَرْقُونَ وَعَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ^(۱)۔ یعنی: جو لوگ نہ داغ لگواتے ہیں اور نہ افسوس پڑھتے ہیں اور اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔

اس مقام میں ایک عظیم راز ہے جس کا ظاہر کرنا مصلحت سے دور ہے، جو اکثر لوگوں کی سمجھ سے بعید ہے۔ اگر ملاقات کی فرصت ملی تو آپ یاد دلانا، تاکہ اس میں سے تھوڑا سا رو برو بیان کیا جائے۔ اس راز سے ایک رمز مکتوبات کی جلد دوم کے ایک مکتوب (نمبر ۹۹) میں درج ہوئی ہے۔ اگر وہ مل جائے تو شاید اُس میں پاسکیں۔

دوسرا یہ کہ آپ نے پوچھا تھا کہ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ کا علم اپنی ذات کی حقیقت پر محیط ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اگر ہو سکتا ہے تو (حق تعالیٰ کا) متناہی ہونا لازم آئے گا۔

(جواب:) جاننا چاہیے کہ علم کی دو قسمیں ہیں؛ حصولی اور حضوری۔ محال ہے کہ علم حصولی حضرت واجب جل سلطانہ کی ذات کی حقیقت کے ساتھ متعلق ہو، کیونکہ اس سے احاطہ اور تناہی (محدود ہونا) لازم آتا ہے، لیکن روا ہے کہ حق تعالیٰ کا علم حضوری اللہ سبحانہ کی ذات کی حقیقت سے متعلق ہو اور کوئی تناہی (محدود ہونا) بھی لازم نہ آئے۔ والسلام۔

مکتوب نمبر (۲۲)

ملاحظہ فرمائیے تہذیبی کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ مشرکوں کی نجاست (ناپاکی) سے مراد اُن کے باطن کی پلیدی اور بد اعتقادی ہے، نہ کہ ان کا نجس العین ہونا۔

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَىٰ. (سورۃ نمل، ۵۹)

یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے ان بندوں پر سلام ہو، جن کو اس نے منتخب فرمایا۔ میرے مشفق مخدوم! معلوم نہیں ہوا کہ تفسیر حسینی کے بھیجنے سے آپ کا مقصد کیا تھا۔ صاحب تفسیر آیت کریمہ کی تفسیر ائمہ حنفیہ کے مطابق بیان کرتا ہے، اور وہ شرک کی نجاست سے مراد باطن کی پلیدی اور بد اعتقادی لیتے ہیں۔ اور یہ کہ انہوں نے اس کے بعد کہا ہے کہ یہ (مشرک) نجاستوں سے پرہیز نہیں کرتے اور یہ چیز آج اہل اسلام میں بھی موجود ہے۔ لہذا اس وجہ سے عام اہل ایمان اور کافروں کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ اگر نجاست سے پرہیز نہ کرنا ہی آدمی کی نجاست کا سبب ہو تو پھر معاملہ تنگ ہو جاتا ہے (جبکہ) لَا حَرَجَ فِي الْإِسْلَامِ۔ یعنی: اسلام میں کوئی تنگی نہیں ہے۔

نیز یہ جو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ایک روایت منقول ہوئی ہے کہ ”مشرک کتوں کی طرح نجس العین ہیں“، اس قسم کی خلاف معمول (نادر) روایات اکابر دین سے بہت نقل ہوئی ہیں جو توجیہ و تاویل پر محمول ہیں۔ وہ کس طرح نجس العین ہو سکتے ہیں کہ آنسور علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے یہودی کے گھر سے کھانا کھایا ہے اور ایک مشرک کے برتن سے وضو کیا ہے اور حضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی ایک عیسائی عورت کے پیالے سے وضو کیا ہے۔ اگر کہیں کہ ہو سکتا ہے کہ آیت کریمہ: إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ (بیشک مشرک پلید ہیں۔ سورۃ توبہ، ۲۸) جو متاخر ہے، وہ ان کی ناخ ہو۔ اس کا

جواب یہ ہے کہ اس جگہ ”ہوسکتا ہے“ کافی نہیں ہے، بلکہ متاخر ہونے کا ثبوت دینا چاہیے، تاکہ نسخ کا دعویٰ درست ہو۔ فَإِنَّ الْخَصْمَ مِنْ وَرَاءِ الْمَنْعِ. یعنی: سوبلاشبہ مخالف (مناظر) کو انکار کا حق ہے۔

اگر اس بات کا متاخر ہونا مان بھی لیا جائے تو بھی اس کی حرمت ثابت نہیں ہے۔ نجاست سے مراد باطن کی پلیدی ہے۔ کیونکہ منقول ہے کہ کوئی پیغمبر کسی ایسے کام کا مرتکب نہیں ہوا کہ جس کا انجام اس کی شریعت میں یا انبیاء میں سے کسی دوسرے نبی کی شریعت میں حرمت تک پہنچا ہو اور بالآخر حرام ہو گیا ہو۔ اگرچہ وہ کام ارتکاب کے وقت مباح ہو۔ شراب جو اوّل مباح تھی اور آخر میں حرام ہو گئی۔ کسی پیغمبر نے اس کو نہیں پیا۔ اگر مشرکوں کا انجام کارِ ظاہر ہی نجاست قرار پاتا اور وہ کتوں کی طرح نجس العین ہو جاتے تو آنسور علیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام جو سارے جہانوں کے پروردگار کے محبوب تھے، اُن کے برتنوں کو ہرگز لمس نہ فرماتے اور چہ جائیکہ ان کے پانی کو کھانا کو کھاتے اور پیتے۔

نیز یہ کہ نجس العین ہر وقت نجس العین ہے۔ اس میں پہلی اباحت اور بعد والی (اباحت) کی گنجائش نہیں ہے۔ اگر مشرک نجس العین ہیں تو پھر چاہیے کہ شروع سے ہی ایسے ہوں۔ اور آنحضرت علیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کے ساتھ شروع ہی سے اس اندازہ کے مطابق معاملہ فرماتے۔ وَلَيْسَ فَلَيْسَ. یعنی: جب ایسا نہیں تو ویسا بھی نہیں ہے۔

اسی طرح دین میں تنگی دور ہو چکی ہے۔ آپ کو معلوم شریف ہے کہ ان کی نجاست کا حکم کرنے اور ان کو نجس العین سمجھنے میں مسلمانوں کے لیے کس قدر تنگی پیدا کرنا ہے اور ان کو تکلیف میں ڈالنا ہے۔ ائمہ حنفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ممنون ہونا چاہیے کہ جنہوں نے مسلمانوں کے لیے خلاصی کی صورت پیدا کر دی ہے اور حرام کے ارتکاب سے بچالیا ہے، نہ یہ کہ ہم ان پر طعنہ زنی کریں اور ان کے ہنر کو عیب خیال کریں۔ مجتہد پر اعتراض کی گنجائش کب ہے، کیونکہ اس کی خطا پر ایک درجہ ثواب ہے اور خواہ وہ خطا کرے پھر بھی اس کی تقلید نجات کا موجب ہے۔ جو لوگ کافروں کے کھانے پینے کی چیزوں کی حرمت کے قائل ہیں، یہ عادت کے لحاظ سے مشکل ہے کہ وہ خود کو اس کے ارتکاب سے محفوظ رکھ سکیں۔ خاص کر ہندوستان کے ملک میں جہاں یہ مصیبت بہت زیادہ ہے۔ اس مسئلہ میں جس میں عوام گرفتار ہیں، بہتر یہ ہے کہ سہولت اور آسانی پر فتویٰ دیا جائے، خواہ وہ اپنے مذہب کے موافق نہ ہو، اگرچہ کسی مجتہد کے قول پر ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ. (سورۃ بقرہ، ۱۸۵) یعنی: اللہ تمہارے حق میں آسانی چاہتا ہے اور سختی نہیں چاہتا۔

نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُخَفِّفَ عَنْكُمُ الْإِنْسَانُ ضَعِيفًا. (سورۃ نساء، ۲۸)

یعنی: اللہ چاہتا ہے کہ تم پر سے بوجھ ہلکا کر دے اور انسان (طبعاً) کمزور پیدا ہوا ہے۔

خلقت پر سختی کرنا اور اُن کو تکلیف دینا حرام ہے اور حضرت حق سبحانہ کو نا پسند ہے۔ شافعیہ بعض ایسے مسائل میں، جن میں (حضرت امام) شافعی (رحمۃ اللہ علیہ) نے سختی اختیار کی ہے، حنفی مذہب پر فتویٰ دیتے ہیں اور لوگوں کے لیے آسانی (پیدا) کرتے ہیں۔ مثلاً زکوٰۃ کے مصارف میں (حضرت امام) شافعی (رحمۃ اللہ علیہ) کے نزدیک زکوٰۃ کو مصارف زکوٰۃ کی سب اقسام پر تقسیم کرنا چاہیے۔ ان اقسام میں سے ایک تالیف قلوب ہے جو اس وقت مفقود ہے۔ علمائے شافعیہ نے حنفی مذہب پر فتویٰ دیا ہے۔ ان اقسام میں سے کسی ایک کو (زکوٰۃ) دے دینے پر انہوں نے کفایت کی ہے۔

اسی طرح اگر مشرک نجس العین ہیں تو پھر چاہیے کہ وہ ایمان لانے کے بعد بھی پاک نہ ہوں۔ پس معلوم ہوا کہ ان کی نجاست اعتقاد کی خباثت کی وجہ سے ہے جو زائل ہو سکتی ہے اور یہ باطن سے متعلق ہے جو اس اعتقاد کا محل ہے۔ اور ان کی نجاست باہر کی نجاست سے کوئی عداوت نہیں رکھتی، جیسا کہ ہر ادنیٰ و اعلیٰ کو معلوم ہے۔ ایسے ہی کلام حسن انتظام: اِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ (بیشک مشرک پلید ہیں۔ سورۃ توبہ، ۲۸) میں مشرکوں کے حال کی خبر دیتا ہے جس میں ناسخ و منسوخ ہونے کا کوئی تعلق نہیں ہے، کیونکہ نسخ شرعی حکم کی انشا (وامر و نواہی) میں ہوتا ہے، نہ کہ کسی چیز کی خبر دینے میں۔ اس طرح مشرکوں کو ہر وقت نجس ہونا چاہیے اور نجاست سے مراد اعتقاد کی خباثت ہے، تاکہ دلائل ایک دوسرے کے مخالف نہ ہوں اور ان سے مَس کرنا کسی وقت بھی ممنوع نہ ہو۔

جس روز اس فقیر نے آیت کریمہ: وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حِلٌّ لَكُمْ (یعنی: اور اہل کتاب کا کھانا تم کو حلال ہے۔ سورۃ مائدہ، ۵) اس بحث کے ضمن میں پڑھی تھی تو آپ نے اس کے برابر میں فرمایا تھا کہ یہاں طعام سے مراد گیہوں، چنا اور مسور ہے۔ اگر اس توجیہ کو اہل عرف پسند کریں تو پھر کیا مضائقہ ہے۔ لیکن انصاف کی ضرورت ہے۔ اس تکلیف اور طول کلامی سے اصل مقصود یہ ہے کہ آپ لوگوں پر رحم کریں اور ان کی عمومی نجاست کا حکم نہ کریں اور ان مسلمانوں کو بھی جنہیں کافروں کے ساتھ میل جول رکھنے سے چارہ نہیں، نجس نہ سمجھیں اور نجاست کے وہم کی وجہ سے مسلمانوں کے کھانے اور پینے کی چیزوں سے پرہیز نہ کریں اور اس وجہ سے سب سے بیزار نہ ہو جائیں اور اس کو احتیاط خیال نہ کریں، کیونکہ احتیاط اس احتیاط کے ترک کر دینے میں ہے۔ (فقیر اس سے) زیادہ کیا تکلیف دے۔ شعر:

اند کے پیش تو گفتم غمِ دل ترسیدم کہ دل آزرده شوی ورنہ سخن بسیار است

یعنی: میں نے تیرے سامنے تھوڑا سا غمِ دل بیان کیا ہے، ڈر گیا ہوں کہ تو آزرده خاطر ہو جائے گا، ورنہ بات بہت (لمبی) ہے۔

والسلام۔

مکتوب نمبر (۲۳)

خواجہ ابراہیم قبادیانی کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ حق تعالیٰ نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ذریعے اپنی ذات و

صفات اور بندوں کے پسندیدہ اور ناپسندیدہ اعمال کے بارے میں خبر دی ہے، جن میں عقل کو کوئی دخل نہیں ہے۔

الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَنْعَمَ عَلَيْنَا وَهَدَانَا اِلَى الْاِسْلَامِ وَجَعَلَنَا مِنْ اُمَّةٍ مُّحَمَّدٍ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ الصَّلٰوَةُ وَالسَّلَامُ۔ یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے جس نے ہم پر انعام فرمایا اور اسلام کی طرف ہماری رہنمائی فرمائی اور ہمیں (حضرت) محمد (مصطفیٰ) علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی امت میں بنایا۔

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلامات والتسلیمات والتحتیات (سب) جہانوں کے لیے رحمت ہیں، کیونکہ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ نے ان بزرگوار حضرات علیہم الصلوٰۃ والسلامات والتسلیمات والتحتیات کی بعثت کے ذریعے ہم ناقص عقولوں اور کم فہموں کو اپنی ذات و صفات کی خبر دی ہے اور ہماری کوتاہ فہم کے اندازے سے اپنے ذاتی و صفاتی کمالات کی اطلاع بخشی ہے اور اس نے اپنی پسندیدہ

چیزوں کو اپنی ناپسندیدہ چیزوں سے الگ کر دیا ہے اور ہمارے دنیاوی اور آخرت کے نفعوں کو ہمارے نقصانوں سے ممتاز فرمایا ہے۔ اگر ان حضرات کے وجود شریف کا درمیان میں واسطہ نہ ہوتا تو انسانی عقلیں خالق (تبارک و تعالیٰ) کے اثبات میں عاجز ہوتیں اور حق سبحانہ کے کمالات کے ادراک میں ناقص اور قاصر رہتیں۔ قدیم فلاسفہ جو خود کو صاحبان عقل قرار دیتے ہیں، وہ خالق کے منکر تھے اور عقل کی کمی کی وجہ سے چیزوں کو زمانے کی طرف منسوب کرتے تھے۔ نمرود، جو کہ روئے زمین کا بادشاہ ہوا ہے، اس کا حضرت خلیل علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ آسمانوں اور زمین کے خالق کے بارے میں بحث و مباحثہ مشہور ہے اور قرآن مجید میں بھی مذکور ہے اور بے نصیب فرعون کہتا تھا: مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرِي۔ (سورہ قصص، ۳۸)

یعنی: (اے اہل دربار!) میں تمہارا اپنے سوا کسی کو معبود نہیں سمجھتا۔

نیز فرعون نے حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو خطاب کرتے ہوئے کہا ہے: لَئِنْ اتَّخَذْتُ إِلَهًا غَيْرِي لَأَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُونِينَ۔ (سورہ شعراء، ۲۹)

یعنی: (فرعون نے کہا) اگر تم نے میرے سوا کسی اور کو معبود بنایا تو میں تمہیں قید کر دوں گا۔

اور نیز اس بے نصیب نے ہامان کو کہا ہے: يَهَامُنُ ابْنُ لِي صَرْحًا لَّعَلِّي أَبْلُغَ الْأَسْبَابَ. أَسْبَابَ السَّمَوَاتِ فَاطَّلِعَ إِلَى إِلَهِ مُوسَى وَإِنِّي لَا أَظُنُّهُ كَاذِبًا۔ (سورہ مومن، ۳۶)

یعنی: اے ہامان! میرے لیے ایک محل بناتا کہ میں اس پر چڑھ کر رستوں پر پہنچ جاؤں، یعنی آسمان کے رستوں پر۔ پھر موسیٰ (علیہ السلام) کے اللہ کو دیکھ لوں اور میں تو اسے جھوٹا سمجھتا ہوں۔

الغرض عقل اس دولت عظمیٰ کے اثبات میں قاصر ہے اور بزرگواروں کی رہنمائی کے بغیر اس دولت سرا کا راستہ نہیں پا سکتی اور حب تو اتر کے ساتھ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کا لوگوں کو زمین و زمان کے خالق جل شانہ کی طرف دعوت دینا شہرت پا گیا اور ان بزرگواروں کا کلمہ بلند ہو گیا تو جو بیوقوف ہر وقت خالق کے ثبوت میں متردد رہتے تھے، وہ اپنی قباحت سے آگاہ ہو کر بے اختیار خالق کے قائل ہو گئے اور انہوں نے چیزوں کو اس کی طرف منسوب کر دیا۔ یہ وہ نور ہے جو انبیاء (علیہم الصلوٰۃ والسلام) کے انوار سے حاصل ہوا ہے اور یہ وہ دولت ہے جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات إِلَى يَوْمِ التَّنَادِ بَلْ إِلَىٰ أَبَدِ الْآبَادِ (ان پر قیامت کے دن بلکہ ابد الابد تک درود و سلام ہو) کے دسترخوان سے ہاتھ آئی ہے۔

ایسے ہی سب سنی ہوئی باتیں جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کی تبلیغ سے ہم تک پہنچی ہیں۔ مثلاً حق جل سلطانی کی صفات کمال کا وجود، انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات والتحیات والبرکات کی بعثت اور فرشتوں کی عصمت، حشر و نشر، بہشت و دوزخ اور ان کی دائمی راحتیں اور عذاب اور اس طرح کی دوسری چیزیں جو شریعت نے بیان کی ہیں اور عقل ان کے ادراک سے قاصر ہے اور ان بزرگواروں سے سنے بغیر ان کے اثبات میں ناقص اور غیر مستقل ہے۔ جس طرح کہ عقل کا طریقہ حس کے طریقہ سے بالاتر ہے کہ جو کچھ حس سے درک نہیں ہوتا، عقل اس کا ادراک کر لیتی ہے۔ اسی طرح نبوت کا طریقہ عقل کے طریقہ سے بالاتر ہے کہ جو کچھ عقل سے درک نہیں ہوتا، وہ نبوت کے ذریعے ادراک میں آ جاتا ہے۔ اور جو شخص (حق کی) معرفت کے اثبات کے لیے عقل کے طریقہ سے بالاتر کوئی طریقہ نہیں ثابت کرتا، وہ درحقیقت نبوت کے طریقہ کا منکر ہے اور

بداهت کی مخالفت کرتا ہے۔ پس انبیاء (علیہم الصلوٰۃ والسلام) کے وجود کے سوا چارہ نہیں ہے، تاکہ وہ منعم (حقیقی) جل سلطانہ کے شکر جو عقل کے لحاظ سے واجب ہے، کی طرف رہنمائی کریں۔ اور نعمتیں دینے والے مولیٰ جل و علا کی تعظیم جو کہ علم و عمل سے تعلق رکھتی ہے، کو حق سبحانہ کی جانب سے معلوم کر کے ظاہر کریں، کیونکہ حق تعالیٰ کی جو تعظیم حق سبحانہ سے حاصل نہ ہو، وہ اس کے شکر کے لائق نہیں ہے، کیونکہ بشری طاقت اس کے ادراک سے عاجز ہے، بلکہ اکثر یوں ہوتا ہے کہ (آدمی) حق سبحانہ کی غیر تعظیم کو حق تعالیٰ کی تعظیم خیال کرتا ہے اور شکر کی بجائے ہجو کرنے لگتا ہے۔

حضرت حق تعالیٰ و تقدس سے حضرت (حق) جل شانہ کی تعظیم کا طریقہ حاصل کرنا نبوت پر موقوف ہے اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تبلیغ پر منحصر ہے اور الہام جو اولیاء اللہ کو (ہوتا) ہے، وہ نبوت کے انوار سے اخذ کیا گیا ہے اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کی برکات اور فیوض میں سے ہے۔ اور اگر عقل اس معاملے میں کفایت کرتی تو یونان کے فلاسفہ جنہوں نے عقل کو اپنا پیشوا بنایا ہے، وہ گمراہی کے بیابان میں نہ بھٹکتے رہتے اور حق سبحانہ کو سب سے زیادہ پہچانتے، جبکہ واجب جل سلطانہ کی ذات و صفات کے بارے میں سب سے زیادہ جاہل لوگ یہی ہیں جنہوں نے حق سبحانہ کو بیکار اور معطل سمجھ لیا ہے اور سوائے ایک چیز (عقل فعال) کے اور وہ بھی ایجاب سے نہ کہ اختیار سے، کسی چیز کو (حق تعالیٰ کی طرف) منسوب نہیں کرتے۔ انہوں نے عقل فعال کو اپنے پاس سے تراش کر حوادث کو آسمانوں اور زمین کے خالق سے دور رکھ کر اس (عقل فعال) کی طرف منسوب کر دیا ہے اور وہ اثر کو مؤثر حقیقی جل سلطانہ سے ہٹا کر اپنی تراشی ہوئی چیز کا اثر سمجھتے ہیں۔ ان کے نزدیک معلول علتِ قریبہ کا اثر ہے۔ انہوں نے معلول کے حاصل کرنے میں علتِ بعیدہ کی کوئی تاثیر نہیں سمجھی اور چیزوں کو حق تعالیٰ کی جانب منسوب نہ کرنے کی جہالت کو حق سبحانہ کا کمال تصور کر لیا ہے اور معطل رہنے کو بزرگی خیال کیا ہے، جبکہ حضرت حق سبحانہ خود کو آسمانوں اور زمین کا خالق کہہ کر اپنی ستائش کرتا ہے اور خود کو مشرق کا رب اور مغرب کا رب کہہ کر اپنی مدح فرماتا ہے اور ان نادانوں کو اپنے فاسد گمان کے مطابق حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور حق سبحانہ کے سامنے سر نیاز خم نہیں کرتے، لہذا پریشانی اور ضرورت کے وقت ان کو چاہیے کہ یہ اپنی عقل فعال کی طرف رجوع کریں اور اپنی حاجت روائی بھی اسی سے طلب کریں، کیونکہ انہوں نے معاملے کو اسی کے حوالے کیا ہے۔ بلکہ ان کے گمان کے مطابق عقل فعال بھی موجب ہے، نہ کہ مختار۔ اس لحاظ سے (حاجت روائی) اس سے طلب کرنا بھی غیر معقول ہے۔

اِنَّ الْكَافِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ۔ (سورۃ محمد، ۱۱) یعنی: اور کافروں کا کوئی کارساز نہیں۔

عقل فعال کیا ہے جو چیزوں کو سرانجام دے اور حوادث اس کی طرف منسوب ہوں۔ اس کے نفس وجود اور اس کے ثبوت کے بارے میں ہزاروں باتیں ہیں، کیونکہ اس کی تحقیق (ثبوت) اور حصول فلاسفہ کے طمع شدہ مقدمات پر مبنی ہے جو اسلام کے اصول حقہ کے مقابلے میں نامکمل اور بیہودہ ہیں۔ وہ شخص احمق ہے جو چیزوں کو قادر مختار جل سلطانہ سے ہٹا کر اس طرح کے قیاسی معاملہ کی جانب منسوب کرے، بلکہ چیزوں کے لیے بھی ہزاروں ننگ و عار ہیں کہ وہ فلسفی کے تراشے ہوئے معاملے کی طرف منسوب ہوں، بلکہ چیزیں اپنے نہ ہونے پر راضی اور خوش ہوں گی اور وہ ہرگز ایسے وجود کی خواہش نہیں کریں گی اور نہیں چاہیں گی کہ ان کے وجود کو سفسطائی کی بنائی ہوئی (من گھڑت) بات کی طرف منسوب کریں اور اس طرح یہ قادر

مختار جل سلطانہ کی قدرت کی جانب منسوب ہونے کی سعادت سے محروم رہیں۔

كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ ط إِنَّ يَقُولُونَ إِلَّا كَذِبًا. (سورۃ کہف، ۵)

یعنی: یہ بڑی سخت بات ہے جو ان کے منہ سے نکلتی ہے، (اور کچھ شک نہیں کہ) یہ جو کچھ کہتے ہیں محض جھوٹ ہے۔

دار الحرب کے کافر بت پرستی کے باوجود ان لوگوں (فلاسفہ) سے بہت اچھے ہیں جو تنگی میں حضرت حق سبحانہ جل و علا سے التجا کرتے ہیں اور بتوں کو حق تعالیٰ کے حضور میں شفاعت کا وسیلہ بناتے ہیں۔ زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ کچھ لوگ ان احمقوں کو حکماء کہتے ہیں اور حکمت (دانائی) کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ ان کے اکثر احکام خاص کر الہیات، جو ان کا زیادہ روشن مقصد ہے، وہ جھوٹے ہیں اور کتاب و سنت کے مخالف ہیں۔ ان لوگوں پر حکماء کا اطلاق، جن کا نصیب سراسر جہل مرکب ہے، کس اعتبار سے کیا جاسکتا ہے، مگر یہ کہ مذاق اور استہزاء کے طور پر کہا جائے یا یہ کہ اندھے کو دیکھنے والا سمجھا جائے۔ ان احمقوں میں سے کچھ لوگوں نے انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کے طریقے کو لازم پکڑنے کے بعد ان صوفیہ الہیہ کی تقلید میں جو ہر زمانے میں انبیاء علیہم الصلوٰات والتحیات کے تابعداروں میں سے ہوئے ہیں، کی ریاضت و مجاہدت کا طریقہ اختیار کیا ہے اور اپنے وقت کی صفائی پر مغرور ہوئے ہیں اور انہوں نے اپنے خواب و خیال پر اعتماد کر لیا ہے اور اپنے خیالی کشف کو پیشوا بنالیا ہے: صَلُّوْا فَاصَلُّوْا۔^(۱) یعنی: وہ خود گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کر دیا۔

وہ نہیں سمجھتے کہ یہ صفائی نفس کی صفائی ہے جو گمراہی کی طرف ایک راستہ رکھتی ہے، نہ کہ قلب کی صفائی جو ہدایت کی ایک کھڑکی ہے۔ کیونکہ قلب کی صفائی انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کی متابعت سے وابستہ ہے اور نفس کا تزکیہ قلب کی صفائی سے متعلق ہے اور نفس پر اس (قلب) کی حکمرانی ہے۔ نفس جو صفائی پیدا کرتا ہے، قلب کی تاریکی کے باوجود جو کہ انوار قدم کے ظہور کا محل ہے، اس کی مثال ایسے ہے جیسے کہ پوشیدہ دشمن لعنتی ابلیس کے لوٹ مار کرنے کے لیے ایک چراغ روشن کر دیا جائے۔

الغرض ریاضت و مجاہدت کا طریقہ نظر و استدلال کے طریقے کی صورت میں اس وقت اعتبار پیدا کرتا ہے جبکہ وہ انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کی تصدیق سے ملا ہوا ہو، جو حق جل و علا کی جانب سے تبلیغ کرتے ہیں اور جن کو حق سبحانہ کی تائید حاصل ہے۔ ان بزرگواروں کا کارخانہ معصوم فرشتوں کے نزول کی وجہ سے لعنتی دشمن کے مکر و فریب سے محفوظ ہے:

إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ. (سورۃ حجر، ۴۲)

یعنی: جو میرے مخلص بندے ہیں ان پر تجھے کچھ قدرت نہیں۔

(یہ) دولت ان کے شامل حال ہے اور دوسروں کو یہ دولت میسر نہیں ہوئی اور بد انجام لعنتی (ابلیس) کے جال سے رہائی متصور نہیں ہوتی جب تک کہ ان بزرگواروں کی متابعت کو لازم نہ پکڑا جائے اور ان بزرگواروں (انبیاء) علیہم الصلوٰات والتسلیمات کے نشان قدم پر نہ چلا جائے۔ شعر:

محال است سعدی کہ راہ صفا تو ان رفت جز در پے مصطفیٰ^(۲)

یعنی: سعدی محال ہے کہ (حضرت محمد) مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی پیروی کے بغیر راہ صفا طے کیا جاسکے۔

عَلَيْهِ وَعَلَىٰ آلِهِ وَعَلَىٰ جَمِيعِ إِخْوَانِهِ الصَّلَوَاتِ وَالتَّسْلِيمَاتِ الْعُلَى.

یعنی: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کی آل (اطہار) پر اور آپ کے سب بھائیوں (انبیاء علیہم السلام) پر عمدہ درود و سلام ہو۔

سبحان اللہ! افلاطون،^(۳) جو فلاسفہ کا سردار ہے، وہ حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کو پائے اور نادانی کی وجہ سے خود کو بے نیاز سمجھ کر حضرت (عیسیٰ علیہ السلام) کا گرویدہ نہ بنے اور نبوت کی برکات سے بہرہ ور نہ ہو: وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللَّهُ لَهُ نُورًا فَمَا لَهُ مِنْ نُّورٍ. (سورۃ نور، ۴۰) یعنی: جس کو اللہ روشنی نہ دے اُس کو کہیں بھی روشنی نہیں مل سکتی۔

نیز اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ. إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُورُونَ. وَإِنْ جُنَدْنَا لَهُمُ الْغَلْبُونَ. (صافات، ۱۷۱-۱۷۳) یعنی: اور اپنے پیغام پہنچانے والے بندوں سے ہمارا وعدہ ہو چکا ہے کہ وہی (منظور) منصور ہوں گے اور ہمارا لشکر غالب رہے گا۔

عجیب معاملہ ہے کہ فلاسفہ کی ناقص عقلیں مبداء میں بھی اور معاد میں بھی نبوت کے طریقہ کے برعکس ہو گئی ہیں اور ان کے احکام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی مخالفت کے احکام کے مخالف ہیں۔ انہوں نے نہ اللہ کے ساتھ (اپنے) ایمان کو درست کیا ہے اور نہ ہی آخرت کے ساتھ۔ وہ عالم کے قدم (قدیم و دائم ہونے) کے قائل ہیں، بلکہ مذاہب کا اجماع ہے کہ عالم اپنے سب اجزاء کے ساتھ حادث ہے۔ اسی طرح آسمانوں کے پھٹنے اور ستاروں کے جھڑنے اور پہاڑوں کے ریزہ ریزہ ہونے اور سمندروں کے بہہ پڑنے کے، جن کا قیامت کے روز ہونے کا وعدہ ہے، وہ قائل نہیں ہیں اور جسموں کے حشر کے منکر ہیں اور قرآنی نصوص کا انکار کرتے ہیں۔ ان میں سے متاخرین، جنہوں نے خود کو اہل اسلام کے گروہ میں داخل کر لیا ہے، وہ اپنے فلسفیانہ اصول پر اس طرح ثابت قدم ہیں اور آسمانوں، ستاروں اور اس طرح کی دوسری چیزوں کے قدم (قدیم و دائم ہونے) کے قائل ہیں اور ان کے فنا و ہلاک کے نہ ہونے کا حکم کرنے والے ہیں۔ ان کی خوراک قرآنی نصوص کو جھٹلانا اور ان کا رزق ضروریات دین کا انکار ہے۔ یہ عجیب مومن ہیں، یہ خدا اور رسول پر ایمان لاتے ہیں، لیکن جو کچھ خدا اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا ہے، اس کو قبول نہیں کرتے۔ یہ انتہائی حماقت ہے۔ شعر:

فلسفہ چوں اکثرش باشد سنفہ پس کل آں ہم سنفہ باشد کہ حکم کل حکم اکثر است

یعنی: جب فلسفے کا اکثر حصہ بیوقوفی ہے تو اس کا کل بھی حماقت ہی ہوگا، کیونکہ اکثر کل کا حکم رکھتا ہے۔

ان لوگوں نے اپنی عمر کو علم منطق کے سیکھنے اور سکھانے میں صرف کر دیا جو کہ فکری خطا سے محفوظ رکھنے والا ہے اور اس بارے میں کئی دقتیں کیں، جب واجب جل سلطانہ کی ذات و صفات اور افعال کے اعلیٰ مقصد تک پہنچے اور اپنے حواس کو گم کر بیٹھے اور محفوظ رکھنے والے آلے (علم منطق) کو ہاتھ سے چھوڑ کر غلطیوں کا شکار ہو گئے اور گمراہی کے بیابان میں جا پڑے، جس طرح کہ کوئی شخص سالوں جنگ کے ہتھیار تیار کرے اور لڑائی کے وقت اپنے ہاتھ پاؤں کو گم کر بیٹھے اور ان کو کام میں نہ لاسکے۔ لوگ فلسفی کے علوم کو مکمل اور درست سمجھتے ہیں اور غلطی و خطا سے محفوظ خیال کرتے ہیں۔ بالفرض اگر اسے مان بھی لیا جائے تو بھی یہ حکم ان علوم میں صادق آتا ہے جن میں عقل کو استحکام اور غلبہ حاصل ہے، جو ہماری بحث سے خارج ہیں اور بے فائدہ چیزوں کے دائرہ میں داخل ہیں اور آخرت جو دائمی ہے، کے ساتھ تعلق نہیں رکھتے اور آخرت کی نجات ان سے وابستہ نہیں

ہے۔ بات ان علوم کے بارے میں ہے جن کے ادراک میں عقل عاجز و قاصر ہے اور وہ نبوت سے متعلق ہیں اور آخرت کی نجات ان سے وابستہ ہے۔

حجۃ الاسلام امام غزالی (رحمۃ اللہ علیہ) رسالہ منقذ عن الضلال میں فرماتے ہیں کہ فلاسفہ نے علم طب اور علم نجوم کو پہلے انبیاء علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کی کتابوں سے چرایا ہے اور دواؤں کی خاصیتیں وغیرہ، جن کے سمجھنے سے عقل قاصر ہے، کو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات والتحیات پر نازل ہونے والے صحائف اور کتابوں سے اخذ کیا ہے اور انہوں نے علم تہذیب اخلاق کو صوفیہ الہیہ کی کتابوں سے، جو کہ ہر زمانے میں ہر پیغمبر کی امت میں رہے ہیں، اپنے بیکار مسائل کی ترویج کے لیے چرایا ہے۔ ان کے یہ تین معتبر علوم تو چوری کے ہوئے ہیں اور انہوں نے جو غلطیاں علم الہی میں واجب جل سلطانہ کی ذات و صفات اور افعال کے بارے میں کی ہیں اور اللہ پر ایمان لانے اور آخرت پر ایمان لانے کے ضمن میں قرآنی نصوص کی جو مخالفتیں کی ہیں، ان میں سے کچھ اوپر بیان کی گئی ہیں۔ رہ گیا علم ہندسہ (ریاضی) وغیرہ جو ان کے ساتھ ایک طرح کی خصوصیت رکھتا ہے، اگر تمام اور کامل بھی ہو تو کس کام آئے گا اور یہ آخرت کے کونسے عذاب اور مصیبت کو ٹال سکے گا۔

عَلَامَةُ إِعْرَاضِهِ تَعَالَى عَنِ الْعِبَادِ اِشْتِغَالُهُ بِمَا لَا يَعْنِيهِ.

یعنی: اللہ تعالیٰ کے بندے سے اعراض کرنے کی علامت یہ ہے کہ وہ بندہ لغو اور بے فائدہ کم میں مشغول ہو جاتا ہے۔ پس جو چیز آخرت کے کام نہ آئے وہ بیہودہ ہے۔ علم منطوق علم آلی ہے یعنی جو غلط اور صحیح فکر میں تمیز کرنے کا آلہ ہے اور اس کو خطا سے محفوظ رکھنے والا کہتے ہیں۔ یہ ان (فلاسفہ) کے کام نہ آیا اور وہ (ان کے) مقصدِ اعلیٰ میں ان کو غلطی اور خطا سے باہر نہ نکال سکا تو پھر دوسروں کے کام کس طرح آئے گا اور خطا سے کس طرح رہا کرے گا۔ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ. (سورۃ آل عمران، ۸)

یعنی: اے ہمارے پروردگار! جب تو نے ہمیں ہدایت بخشی ہے تو اس کے بعد ہمارے دلوں میں کبھی نہ پیدا کرنا اور ہمیں اپنے ہاں سے نعمت عطا فرما، تو تو بڑا عطا فرمانے والا ہے۔

بعض لوگ جو علوم فلسفہ سے تعلق رکھتے ہیں اور فلاسفہ کی تراشی ہوئی باتوں کے دیوانے ہیں، وہ ان لوگوں کو حکماء سمجھ کر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے برابر خیال کرتے ہیں۔ بلکہ نزدیک ہے کہ وہ ان کے جھوٹے علوم کو سچا سمجھ کر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کی شریعتوں پر ترجیح دے دیں۔ اَعَاذَنَا اللّٰهُ سُبْحَانَهُ عَنِ الْاِغْتِقَادِ السُّوِّیِّ. یعنی: اللہ سبحانہ ہمیں ان کے برے اعتقاد سے محفوظ رکھے۔

جی ہاں! جب وہ ان کو حکماء سمجھتے ہیں اور ان کے علم کو حکمت کہتے ہیں تو مجبوراً اس مصیبت میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ حکمت سے مراد کسی چیز کا وہ علم ہے جو معاملے کی حقیقت کے مطابق ہو۔ جو علوم ان کے مخالف ہوں وہ معاملے کی حقیقت کے غیر مطابق ہوں گے۔ الغرض ان کی اور ان کے علوم کی تصدیق سے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات اور ان کے علوم کی تکذیب لازم آتی ہے، کیونکہ یہ دونوں علوم ایک دوسرے کے مخالف واقع ہوئے ہیں۔ ایک کی تصدیق دوسرے کی تکذیب کو لازم کرتی ہے۔ پس جو شخص چاہے وہ انبیاء (علیہم الصلوٰۃ والسلام) کے مذہب کو لازم پکڑ لے اور حق جل وعلا کے گروہ میں سے ہو جائے

اور اہلِ نجات سے ہو جائے اور جو آدمی چاہے وہ فلسفی بن جائے اور شیطان کے گروہ میں شامل ہو جائے اور محروم اور نقصان اٹھانے والا بن جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْفُرْ لَا إِنْآَاَعْتَدْنَا لِلظَّالِمِينَ نَارًا لَا آَحَاطَ بِهْمُ سُرَادِقُهَا ط وَإِنْ يَسْتَغِيثُوا يُغَاثُوا بِمَاءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوهُ ط بِئْسَ الشَّرَابُ ط وَسَاءَتْ مُرْتَفَقًا. (سورۃ کہف، ۲۹)

یعنی: سو جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کافر رہے۔ ہم نے ظالموں کے لیے دوزخ کی آگ تیار کر رکھی ہے جس کی قناتیں ان کو گھیر رہی ہوں گی اور اگر فریاد کریں گے تو ایسے کھولتے ہوئے پانی سے ان کی دادرسی کی جائے جو پگھلے ہوئے تانبے کی طرح گرم ہوگا اور جو مونہوں کو بھون ڈالے گا۔ ان کے پینے کا پانی بھی برا اور آرام گاہ بھی بری ہے۔

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اتَّبَعَ الْهُدٰی (سورۃ طہ، ۴۷) وَالْتَزَمَ مُتَابِعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْهِ وَ عَلٰی جَمِیْعِ اِخْوَانِهٖ مِنَ الْاَنْبِیَآءِ الْکِرَامِ وَالْمَلَائِکَةِ الْعِظَامِ الصَّلَوَاتِ وَالتَّسْلِیْمَاتِ اَتَمُّهَا وَاکْمَلُهَا.

یعنی: اور جو شخص ہدایت کی بات مانے اور (حضرت محمد) مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت کو لازم پکڑے اُسے سلامتی نصیب ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کے سب بھائیوں انبیائے کرام اور ملائکہ عظام پر تمام تر اور کامل تر درود و سلام ہو۔

والسلام۔

مکتوب نمبر (۲۴)

ملا محمد مراد کشمی جو میر محمد نعمان کے خادموں میں سے ہیں، کو تحریر فرمایا۔ آنسور علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ کرامؓ کی بزرگی اور ان کی ایک دوسرے کے ساتھ مہربانی کے بیان میں۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے: مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ط وَالَّذِیْنَ مَعَهُ اَشَدَّآءُ عَلٰی الْکُفَّارِ رُحَمَآءٌ بَیْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُکْعًا سَجْدًا یَّتَعُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ز سِیْمَاهُمْ فِیْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثْرِ السُّجُوْدِ ط ذٰلِکَ مَثَلُهُمْ فِی النَّوْرَةِ ج وَمَثَلُهُمْ فِی الْاَنْجِلِ ج کَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْطُهُ فَارَزَهُ فَاَسْتَغْلَظَ فَاَسْتَوٰی عَلٰی سُوْقِهِ یُعْجَبُ الزَّرَّاعُ لَیَغِیْظَ بِهِمُ الْکُفَّارَ ط وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّآَجْرًا عَظِیْمًا. (سورۃ فتح، ۲۹) یعنی: (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ کے پیغمبر ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں کے حق میں تو سخت ہیں اور آپس میں رحم دل۔ (اے دیکھنے والے!) تو ان کو دیکھتا ہے کہ (اللہ کے آگے) جھکے ہوئے سر بسجود ہیں اور اللہ کا فضل اور اس کی خوشنودی طلب کر رہے ہیں۔ (کثرت) سجدہ کے اثر سے ان کی پیشانیوں پر نشان پڑے ہوئے ہیں۔ ان کے یہی اوصاف تورات میں (مقوم) ہیں اور یہی اوصاف انجیل میں ہیں۔ (وہ) گویا ایک کھیتی ہیں جس نے (پہلے زمین میں) اپنی سوئی نکالی۔ پھر اس کو مضبوط کیا۔ پھر موٹی ہوئی اور اپنی نال پر سیدھی کھڑی ہو گئی اور لگی کھیتی دیکھنے والوں کو خوش کرنے، تاکہ کافروں کا جی جلانے۔ جو لوگ ان میں سے ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے، ان سے اللہ نے گناہوں کی بخشش اور اجرِ عظیم کا وعدہ کیا ہے۔

حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں حضرت خیر البشر (محمد مصطفیٰ) علیہ علیہم الصلوٰات والتسلیمات کے سب صحابہ (کرامؓ) کی کمال مہربانی، جو وہ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ رکھتے تھے، کی ستائش فرمائی ہے۔ کیونکہ ”رحیم“ جو ”رحماء“ کا واحد ہے، اس میں انتہائی درجے کی مہربانی کا مبالغہ شامل ہے اور چونکہ مشبہ صفت دوام پر دلالت بھی کرتی ہے لہذا چاہیے کہ ان کی ایک دوسرے کے ساتھ مہربانی استمرار اور دوام کی صفت پر ہو، خواہ وہ آنسور علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کے حضور میں ہو اور خواہ آنسور علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام دائمی کے وصال (مبارک) کے بعد ہو، لہذا چاہیے کہ جو چیز ایک دوسرے کے بارے میں مہربانی کے خلاف ہو، وہ ان بزرگواروں سے ہمیشہ کے لیے منسلوب ہو اور ایک دوسرے کے بغض و کینہ اور حسد و عداوت بھی ان دین کے اکابرین سے ہمیشہ کے لیے دور ہو۔ جب سب صحابہ کرامؓ اس پسندیدہ صفت سے متصف ہیں، جیسا کہ کلمہ وَالَّذِينَ (اور وہ لوگ) کا تقاضا ہے جو عموم اور استغراق کے صیغوں میں سے ہے تو پھر اکابر صحابہ (کرامؓ) کے بارے میں کیا جائے، کیونکہ ان کے اندر تو یہ صفت زیادہ کامل اور زیادہ مکمل ہوگی۔ لہذا آنسور علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے: اَرْحَمُ اُمَّتِيْ بِاُمَّتِيْ اَبُو بَكْرٍ (۱)۔

یعنی: میری امت میں (میری امت پر) سب سے زیادہ رحم (مہربانی) کرنے والے ابو بکر (رضی اللہ عنہ) ہیں۔ نیز آپ علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں فرمایا ہے: لَوْ كَانَ بَعْدِيْ نَبِيٌّ لَّكَانَ عَمْرُؤُ ابْنُ الْخَطَّابِ (۲) ترجمہ: اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر بن خطاب (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ہوتے۔ یعنی جو لوازمات اور کمالات نبوت میں درکار ہیں، وہ سب عمر (رضی اللہ عنہ) رکھتے ہیں، لیکن چونکہ نبوت کا منصب خاتم النبیین علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام پر ختم ہو چکا ہے، لہذا وہ نبوت کی دولت سے مشرف نہیں ہوئے۔

نبوت کے لوازمات میں سے ایک خلقت پر کمال درجے کی مہربانی و شفقت کرنا ہے۔ نیز جو رذائل شفقت و مہربانی کے منافی ہیں اور برے اخلاق حسد و بغض اور کینہ و عداوت میں سے ہیں وہ اس جماعت کے حق میں کیسے متصور ہو سکتے ہیں جو خیر البشر (حضرت محمد مصطفیٰ) علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والتسلیمات کی صحبت کے شرف سے مشرف ہو چکے ہیں، کیونکہ وہ اس امت کے بہترین لوگ ہیں جو سب امتوں میں سے بہترین امت ہے اور وہ اس ملت کے سابق ترین لوگ ہیں جو سب ملتوں کو منسوخ کرنے والی ہے۔ نیز یہی لوگ ہیں جن کا زمانہ سب زمانوں سے بہترین زمانہ تھا اور ان کے صاحب (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) سب انبیاء اور رسولوں میں افضل ترین تھے۔ اگر وہ ان رذی صفات سے موصوف ہوں جن برائیوں سے اس امت مرحومہ کے مکینہ آدمی کو بھی شرم آتی ہے تو پھر وہ اس امت کے بہترین آدمی کس طرح ہوں گے؟ اور یہ امت کس وجہ سے خیر الامم ہوگی؟ اور ایمان میں سب سے سابق ہونے اور مالوں اور جانوں کے خرچ و قربان کرنے میں سب سے آگے ہونے میں کیا افضلیت و فضیلت ہوگی؟ اور بہترین زمانے کی کیا تاثیر ہوگی؟ اور خیر البشر (حضرت محمد مصطفیٰ) علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت کی فضیلت کا کیا اثر ہوگا؟ جو لوگ اس امت کے اولیاء کی صحبت میں زندگی گزارتے ہیں، وہ ان بری صفات سے نجات پالیتے ہیں، لہذا جن لوگوں نے افضل الرسل (حضرت محمد مصطفیٰ) علیہ علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کی صحبت میں اپنی عمر کو صرف کیا ہو اور ان کے دین کی نصرت و تائید کے لیے مالوں اور جانوں کو خرچ و نثار کیا ہو، کیا ممکن ہو سکتا ہے کہ ان

کے حق میں ان بری صفات کا وہم کیا جائے؟ سوائے اس کے کہ خیر البشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی عظمت و بزرگی ان کی نظر سے ساقط ہو جائے۔ عِبَادًا بِاللّٰهِ سُبْحَانَهُ۔ یعنی: اس بات سے اللہ کی پناہ!

اور آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت ولی کی صحبت سے زیادہ ناقص خیال کی جائے۔

نَعُوْذُ بِاللّٰهِ سُبْحَانَهُ مِنْهُ۔ یعنی: ہم اس سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔

جبکہ یہ چیز ثابت ہے کہ امت کا کوئی ولی اس امت کے صحابی کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا۔ تو پھر وہ اس امت کے نبی کے مرتبہ کو کیسے پہنچ سکتا ہے۔

شیخ شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے: مَا آمَنَ بِرَسُولِ اللّٰهِ مَنْ لَّمْ يُوقِّرْ أَصْحَابَهُ۔

یعنی: وہ شخص رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان نہیں لایا جس نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے صحابہ (کرام) کی توقیر (عزت) نہیں کی۔

کچھ لوگ خیال کرتے ہیں کہ نبی (کریم) علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے صحابہ (کرام) دگر وہ تھے۔ ایک گروہ وہ تھا جو حضرت امیر (علی) رضی اللہ تعالیٰ عنہ و عنہم سے مخالفت رکھتا تھا اور دوسرا گروہ وہ تھا جو حضرت امیر (علی) کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے موافق تھا اور یہ دونوں گروہ آپس میں عداوت و بغض اور کینہ رکھتے تھے اور ان میں سے بعض حضرات بعض مصلحتوں کے پیش نظر اپنی ان صفات کو مخفی رکھتے تھے اور لقیہ کرتے تھے۔ نیز یہ لوگ گمان کرتے ہیں کہ یہ بری صفات تقریباً ایک صدی تک رہی ہیں۔ بلکہ جب تک وہ حضرات زندہ رہے ہیں، ان میں یہ بری صفات رہی ہیں اور یہ لوگ اس خیال سے حضرت امیر (علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے مخالفین کو برائی سے یاد کرتے ہیں اور نامناسب چیزیں ان کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ انصاف کرنا چاہیے، کیونکہ اس طرح دونوں گروہ مورِ دِطعن بنتے ہیں اور بری صفات سے موصوف ہوتے ہیں اور اس امت کے بہترین لوگ اس امت کے بدترین لوگ، بلکہ تمام امتوں سے بدترین لوگ بن جاتے ہیں اور اس زمانے کی خیر شر میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ یہ کونسا انصاف ہے کہ حضراتِ شیخین (حضرت ابوبکر و حضرت عمر) رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو اس وہم سے برائی کے ساتھ یاد کیا جائے اور نامناسب امورِ دین ان اکابرین کی جانب منسوب کیے جائیں۔ حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ قرآنی نص کے حکم سے اس امت کے پرہیزگار ترین شخص ہیں، کیونکہ مفسرین کا اس پر اجماع ہے، خواہ وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہوں یا خواہ ان کے علاوہ دوسرے حضرات کہ یہ آیت کریمہ: وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى (یعنی: اور جو بڑا پرہیزگار ہے وہ اس آگ سے بچا لیا جائے گا۔ سورۃ لیل، ۱۷) حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں نازل ہوئی ہے اور اتقی (سورۃ لیل، ۱۷) سے مراد حضرت (ابوبکر) صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ پس جس شخص کو حضرت حق سبحانہ اس خیر الامم کا سب سے زیادہ پرہیزگار فرماتا ہے، خیال کرنا چاہیے کہ اس کو کفر و فسق اور گمراہی سے منسوب کرنا کس حد تک برا ہے۔ امام فخر الدین رازی (رحمۃ اللہ علیہ) نے اس (آیت) کریمہ سے حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی افضلیت پر استدلال کیا ہے، کیونکہ (آیت) کریمہ: اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقَاكُمْ (یعنی: اور اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔ سورۃ حجرات، ۱۳) کے حکم سے اس امت میں سب سے زیادہ گرامی جن کو مخاطب کیا گیا، اللہ جل و علا کے

نزدیک وہ اس امت کے پرہیزگار ترین لوگ ہیں اور جب حضرت صدیق (رضی اللہ عنہ) سابقہ نص قرآنی کے مطابق اس امت کے پرہیزگار ترین شخص ہیں تو پھر چاہیے کہ نص لاحق کی رو سے حق جل و علا کے نزدیک اس امت کے گرامی ترین شخص بھی حضرت صدیق رضی اللہ عنہ ہی ہوں۔ اکابر ائمہ سلف رضی اللہ تعالیٰ عنہم کہ جن سے ایک امام شافعی (رحمۃ اللہ علیہ) ہیں، انہوں نے حضراتِ شیخین (حضرت ابوبکر و حضرت عمر) رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی افضلیت پر صحابہ (کرام) اور تابعین کا اجماع ثابت کیا ہے اور حضرت امیر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے بھی حضراتِ شیخین کی افضلیت کا حکم فرمایا ہے۔ امام ذہبیؒ جو اکابر محدثین میں سے ہیں، نے فرمایا ہے کہ اس نقل کو حضرت امیر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے اسی سے زیادہ افراد نے روایت کیا ہے۔ اور عبد الرزاق، جوشیعہ اکابر میں سے ہے، نے بھی اس نقل کے موجب سے شیخین کی افضلیت کا حکم کیا ہے اور ان الفاظ میں کہا ہے: أَفْضَلُ الشَّيْخَيْنِ بِتَفْضِيلِ عَلِيٍّ إِنَاهُمَا عَلَى نَفْسِهِ وَلَا لَمَّا فَضَّلْتُهُمَا كَفَى بِي وَزْرًا أَنْ أُحِبَّهُ ثُمَّ خَالَفَهُ۔ یعنی: میں شیخین کو اس لیے افضل جانتا ہوں کیونکہ حضرت علی (رضی اللہ عنہ) نے خود ان کو اپنے آپ پر فضیلت دی ہے، ورنہ میں کبھی ان کو فضیلت نہ دیتا۔ میرے لیے اتنا ہی گناہ کافی ہے کہ میں حضرت علی (رضی اللہ عنہ) سے محبت بھی رکھوں اور پھر ان کی مخالفت بھی کروں۔

پس جو حضرات کتاب و سنت اور اجماع کی رو سے اور حضرت امیر (علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے اعتراف سے اس خیر الام کے افضل (ترین) ہوں، ان کی تنقیص اور تحقیر کرنا کونسا انصاف و دیانت ہے اور اس کے ضمن میں کونسی بھلائی و دیعت کی گئی ہے۔ اگر کسی شخص کو گالی دینے میں بھلائی اور عبادت ہوتی تو پھر ابوجہل اور ابولہب جو قرآنی نصوص سے ملعون و مردود ہیں، کو گالی دینا اس امت کا ورد ہوتا اور اس کے ضمن میں بہت زیادہ نیکیاں حاصل ہوتیں۔ گالی دینے میں کونسی بھلائی ہے کہ جس میں فحش اور برائی شامل ہے، خاص طور پر اس شخص کے حق میں جو اس کا مستحق نہ ہو اور اس کا اہل نہ ہو۔ کسی چیز کو اس چیز کی غیر محل جگہ پر رکھنا ظلم ہے اور ایک چیز سے دوسری چیز تک بڑا فرق ہے اور ایک جگہ سے دوسری جگہ تک تفاوت ہے۔ پھر ایک ظلم سے دوسرے ظلم تک بھی بہت واضح فرق ہے۔

حضرت ذی النورین (عثمان) رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کے اجماع سے ثابت ہو چکی ہے اور چھوٹے بڑے اور مرد و عورت کے اتفاق سے اس (خلافت) کا زمانہ اس خیر القرون میں داخل ہو چکا ہے۔ علماء نے فرمایا ہے کہ جس قدر اتفاق اور اجماع حضرت ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت پر حاصل ہو چکا ہے، اتنا خلفائے ثلاثہ (رضی اللہ عنہم) میں سے کسی اور کی خلافت پر حاصل نہیں ہوا۔ کیونکہ ان (حضرت عثمان) رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کی ابتدا میں ایک قسم کا تردد تھا، اس لیے اس زمانے کے لوگوں نے اس بارے میں بڑی احتیاط کا لحاظ رکھتے ہوئے قدم اٹھایا ہے۔ جاننا چاہیے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کتاب و سنت کے پہنچانے والے تھے اور اجماع بھی ان کے زمانے سے وابستہ ہے۔ اگر وہ سب یا ان میں سے بعض قابل طعن ہوں یا ان کو گمراہی اور فسق سے موصوف کیا جائے تو پھر پورے دین یا بعض دین سے اعتماد اٹھ جاتا ہے اور خاتم الانبیاء اور افضل الرسل علیہم وعلی آلہم وعلیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کی بعثت کا فائدہ کم رہ جاتا ہے۔ قرآن مجید کے جامع حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، بلکہ حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت فاروق

رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ہیں۔ اگر وہ طعنہ زنی کے لائق ہوں اور ناقابلِ اعتبار ہوں تو پھر قرآن پر کیا اعتماد رہ جائے گا اور دین کس چیز پر قائم رہے گا۔ اس معاملے کی برائی کو سمجھنا چاہیے۔ نبی (کریم) علیہ علیہم الصلوٰت والتسلیمات کے سب صحابہ (کرامؓ) عدول ہیں اور جو کچھ ان کی تبلیغ سے ہمیں کتاب و سنت سے پہنچا ہے وہ سب حق اور سچ ہے اور دین کے ان اکابرین کی جو مخالفتیں اور لڑائیاں حضرت امیر (علی) رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں واقع ہوئی ہیں وہ نہ تو ہوا و ہوس کی بنا پر تھیں اور نہ ہی حب جاہ و ریاست کی غرض سے تھیں، بلکہ اجتہاد و استنباط کی رُو سے تھیں۔ اگرچہ اجتہاد میں ایک (فریق) خطا پر تھا اور اس کا استنباط صواب سے دور تھا۔ علمائے اہل سنت و جماعت رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ہاں مقرر ہے کہ ان لڑائیوں اور جھگڑوں میں حضرت امیر (علی) رضی اللہ تعالیٰ عنہ حق پر تھے اور حضرت امیر (علی) رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مخالفین خطا پر تھے۔ لیکن یہ خطا جس کا منشا اجتہاد ہے، طعن و ملامت سے دور ہے۔ مقصد یہ کہ حق (حضرت) امیر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی جانب ہے اور خطا (حضرت) امیر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے مخالفین کی طرف ہے، جس کے اہل سنت و جماعت قائل ہیں۔ مخالف کو لعن و طعن اور مستر دکرنا بے فائدہ زیادتی ہے، بلکہ اس میں ضرر کا احتمال ہے، کیونکہ (یہ حضرات) نبی (کریم صلی اللہ علیہ وسلم) کے صحابہ (کرام) رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں اور ان میں سے بعض جنت کی بشارت رکھتے ہیں اور کچھ بدری ہیں جو مغفور (بخشے ہوئے) ہیں اور آخرت کا عذاب ان سے مطلقاً دور ہو چکا ہے، جیسا کہ صحیح حدیثوں میں آیا ہے:

إِطْلَعَ اللَّهُ عَلَى أَهْلِ بَدْرٍ فَقَالَ اْعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ فَإِنِّي قَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ. (۳)

یعنی: اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کے حال سے واقف ہو کر فرمایا کہ جو چاہو کرو، میں نے تمہیں بخش دیا۔

ان میں سے کچھ بیعتِ رضوان سے مشرف ہوئے ہیں جن کے بارے میں آنسور علیہ علیہم الصلوٰت والتسلیمات نے فرمایا ہے کہ ان میں سے کوئی بھی اہل دوزخ میں سے نہیں ہے، بلکہ علماء نے فرمایا ہے کہ قرآن مجید سے مفہوم ہوتا ہے کہ تمام صحابہ (کرام) اہل بہشت ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے: لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَتْلَ ط أُولَئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِنَ الَّذِينَ أَنْفَقُوا مِنْ بَعْدُ وَقَتْلُوا ط وَكَلَّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَى ط وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ. (سورۃ حدید، ۱۰)

یعنی: جس شخص نے تم میں سے فتح (مکہ) سے پہلے خرچ کیا اور لڑائی کی وہ (اور جس نے یہ کام پیچھے کیا وہ) برابر نہیں۔ ان لوگوں کا درجہ ان لوگوں سے کہیں بڑھ کر ہے جنہوں نے بعد میں خرچ (اموال) اور (کفار سے) جہاد و قتال کیا اور اللہ نے سب سے (ثواب) نیک (کا) وعدہ کیا ہے اور جو کام تم کرتے ہو اللہ ان سے واقف ہے۔

(اس آیت میں) حسنیٰ (سے مراد) جنت ہے اور وہ سب صحابہ (کرامؓ) جنہوں نے خرچ اور جہاد فتح (مکہ) سے پہلے کیا ہے یا فتح (مکہ) کے بعد کیا ہے، ان سے جنت کا وعدہ کیا گیا ہے۔ (علماء نے) فرمایا ہے کہ خرچ اور جہاد کی صفت پابندی کے لیے نہیں ہے، بلکہ مدح کے لیے ہے، کیونکہ تمام صحابہ (کرامؓ) ان دو صفات سے موصوف تھے، پس سب کے لیے بہشت کا وعدہ ہے۔ ملاحظہ کرنا چاہیے کہ اس قسم کے بزرگوں کو برائی سے یاد کرنا اور ان کے ساتھ بدگمانی رکھنا انصاف اور دیانت سے کتنا دور ہے۔

سوال: کچھ لوگ کہتے ہیں کہ بعض صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) آنسرو علیہم الصلوٰت والتسلیمات کے وصال (مبارک) کے بعد اس خلوص پر نہ رہے اور خلافت کی حب اور جاہ و ریاست کی طلب کی بنا پر انہوں نے راہ حق سے انحراف کیا اور حضرت امیر (علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی خلافت کے منصب کو انہوں نے غصب کیا، بلکہ یہ لوگ گمان کرتے ہیں کہ ان (حضراتؑ) کا انحراف کفر کی حد تک پہنچ گیا تھا اور ان کا انجام گمراہی پر ہوا۔ (نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ)

پس ان لوگوں کے گمان کے مطابق یہ جماعت (صحابہ کرامؑ) ان وعدوں سے محروم ہو گئی جو صحابہ کرامؑ سے کیے گئے ہیں، کیونکہ صحبت کی فضیلت اسلام کی فرع ہے اور جب ان کے اسلام میں ہی کلام ہے تو پھر صحبت کی تاثیر کیا ہوگی؟

جواب: حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم صحیح احادیث کے لحاظ سے جو تواتر معنوی کی حد تک پہنچ چکی ہیں، جنت کی بشارت رکھتے ہیں۔ کفر اور گمراہی کا احتمال ان سے دفع ہو چکا ہے اور نیز حضرات شیخین اہل بدر میں سے ہیں جو صحیح حدیثوں کے مطابق مطلقاً مغفور (بخشتے ہوئے) ہیں اور نیز وہ اس بیعت رضوان سے بھی مشرف ہیں، جس بیعت کا شرف پانے والے تمام (حضراتؑ) صحیح حدیثوں کی رو سے اہل بہشت ہیں۔ جیسا کہ (اوپر) گزر چکا ہے۔ حضرت عثمان (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) جو بدر میں حاضر نہ تھے، حضرت نبی (کریم) صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو مدینہ منورہ میں چھوڑ کر آئے تھے، ان کی اہلیہ (حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کی تیمارداری کے لیے، جو نبی (کریم) علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی صاحبزادی تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ جو فضیلت اہل بدر کو حاصل ہوگی، وہ سب تم کو بھی حاصل ہوگی اور ان (حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے بیعت رضوان میں حاضر نہ ہونے کی وجہ یہ تھی کہ آنسرو علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو اہل مکہ کے پاس بھیجا تھا اور ان کی جانب سے خود بیعت فرمائی تھی، جیسا کہ مشہور ہے۔ نیز قرآن مجید ان حضرات کی بزرگی کی شہادت فرماتا ہے اور ان کے درجات کی بلندی کی خبر دیتا ہے اور جو شخص قرآن و سنت سے آنکھیں بند کر کے جھگڑا کرتا ہے، وہ بحث سے خارج ہے۔ شیخ سعدیؒ نے فرمایا ہے، شعر:

آں کس کہ بقرآں و خبر رُو ندہی آں است جوابش کہ جوابش ندہی

یعنی: جو شخص قرآن و حدیث کو نہ مانے اُس کا جواب یہ ہے کہ اس کو جواب نہ دو۔

کتنا افسوس ہے کہ اگر حضرت صدیق (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) میں گمراہی اور کفر کا احتمال ہوتا تو نبی (کریم) صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ (کرامؑ) اس عدالت کے ساتھ اور اس کثرت کے ساتھ ان کو نبی (کریم) صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جانشین نہ بناتے۔ حضرت صدیق (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی خلافت کے جھٹلانے میں اس خیر القرون زمانہ کے تینتیس ہزار لوگوں (صحابہ کرامؑ) کی تکذیب ہے۔ اس چیز کو وہ شخص تجویز نہیں کرے گا جو ادنیٰ سی بھی سمجھ رکھتا ہے۔ اس زمانے میں کوئی بھلائی رہ جائے گی جب اس زمانے کے تینتیس ہزار آدمی (صحابہ کرامؑ) باطل پر جمع ہو جائیں اور گمراہ اور گمراہ کرنے والے کو نبی (کریم) صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جانشین بنادیں۔ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ اس جماعت کو انصاف کی توفیق دے، تاکہ وہ دین کے اکابرین پر طعن کرنے سے زبان کو لگام دیں اور نبی (کریم) علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت کے حق کو ملحوظ رکھیں اور آنسرو علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے: اَللّٰهُ اَللّٰهُ فِیْ اَصْحَابِیْ لَا تَتَّخِذُوْهُمْ غَرَضًا مِّنْ بَعْدِیْ فَمَنْ

أَحَبُّهُمْ فَبِحُبِّي أَحَبُّهُمْ وَمَنْ أَبْغَضَهُمْ فَبِإِبْغَضِي أَبْغَضَهُمْ^(۴) یعنی: میرے صحابہؓ کے بارے میں اللہ سے ڈرو، میرے صحابہؓ کے بارے میں اللہ سے ڈرو۔ میرے بعد ان کو نشانہ نہ بناؤ۔ جس نے ان سے محبت رکھی اُس نے میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت رکھی، اور جس نے ان سے بغض رکھا اُس نے میرے بغض کی وجہ سے ان سے بغض رکھا۔

(فقیر) زیادہ کیا لکھے؟ اور روشن ترین واضح چیز پر مزید کیا روشنی ڈالے، کیونکہ حضرت صدیق (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) جن کی مدح میں قرآن مجید پُر ہے، ایک سورۃ ”واللیل“ کی تین آیتیں ان حضرت (صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے فضائل میں وارد ہوئی ہیں اور بے انتہا اور بیشمار صحیح حدیثیں ان کے کمالات و فضائل میں مروی ہیں اور پہلے انبیاء (علیہم الصلوٰۃ والسلام) کی کتابوں میں ان کے شمائل و اوصاف، بلکہ سب صحابہ (کرامؓ) کا ذکر (خیر) آیا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ذَلِكْ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَ مَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ. (سورہ فتح، ۲۹)

یعنی: ان کے یہی اوصاف تورات میں (مرقوم) ہیں اور یہی اوصاف انجیل میں ہیں۔

اور وہ (حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اس امت مرحومہ جو خیر الامم ہے، کے سردار ہیں، جب ان کو کافراور گمراہ سمجھیں تو (فقیر) دوسروں کے بارے میں کیا معذرت کرے اور کونسے طریقے سے بات کی جائے؟ اللَّهُمَّ فَاطِرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ عَلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ أَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ. (سورہ زمر، ۴۶)

یعنی: اے اللہ! (اے) آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے! (اور) پوشیدہ اور ظاہر کے جاننے والے! تُو ہی اپنے بندوں میں ان باتوں کا، جن میں وہ اختلاف کرتے رہے ہیں، فیصلہ کرے گا۔

وَالسَّلَامُ عَلَى مَنْ اتَّبَعَ الْهُدَى (سورہ طہ، ۴۷) وَالْتَزَمَ مُتَابِعَةَ الْمُصْطَفَى عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيمَاتُ أَتَمُّهَا وَأَكْمَلُهَا. یعنی: اور جو شخص ہدایت کی بات مانے اور (حضرت محمد) مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والتسلیمات اتہاوا اکملہا کی متابعت کو لازم پکڑے، اسے سلامتی نصیب ہو۔

مکتوب نمبر (۲۵)

ملاحظہ فرمایا۔ ان مراتب کے نتائج و ترقی کے بیان میں جو ذکر کرنے، قرآن کی تلاوت اور نماز سے حاصل ہوتے ہیں۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ وَسَلَامٌ عَلَى عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَى. (سورہ نمل، ۵۹)

یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے ان بندوں پر سلام ہو، جن کو اس نے منتخب فرمایا۔

اس راستے کے مبتدی طالب کو ذکر کرنے کے بغیر چارہ نہیں ہے، کیونکہ اس کی ترقی ذکر کے تکرار سے وابستہ ہے، اس شرط پر کہ وہ کامل مکمل شیخ سے حاصل کیا جائے۔ اگر اس شرط کے ساتھ وابستہ نہ ہو تو اکثر ایسا ہے کہ وہ ابرار کے اوراد کی قسم کا ہے جس کا نتیجہ ثواب ہے، لیکن یہ قرب کے اس درجہ میں نہیں ہے جو مقربین سے تعلق رکھتا ہے اور میں نے جو یہ کہا ہے کہ اکثر ایسا ہے کہ وہ ابرار کے اوراد کی قسم کا ہے (اس لیے کہا ہے) کیونکہ جائز ہے کہ اللہ جل سلطانہ کا فضل کسی شیخ کے واسطے کے بغیر طالب کی تربیت کرے اور ذکر کا تکرار اسے مقربین میں سے بنا دے، بلکہ روا ہے کہ اسے ذکر کے تکرار کے بغیر ہی قرب کے

مراتب سے مشرف فرمادے اور اپنے اولیاء میں سے بنا دے اور یہ شرط اکثر کے اعتبار سے ہے اور حکمت و عادت کے مطابق ہے اور جب اللہ جل سلطانہ کے فضل سے وہ معاملہ جو ذکر سے وابستہ ہے، مکمل ہو جاتا ہے اور خواہشات کے معبودوں سے خلاصی میسر ہو جاتی ہے اور امارہ مطمئنہ بن جاتا ہے، اس وقت ذکر کرنے سے ترقی حاصل نہیں ہوتی اور اس جگہ ذکر طالب کے لیے اور ابرار کا حکم پیدا کر لیتا ہے۔ اس مقام میں قرب کے مراتب تلاوتِ قرآن اور لمبی قرأت کے ساتھ نماز کی ادائیگی سے وابستہ ہیں۔ جو کچھ پہلے ذکر کرنے سے میسر ہوتا تھا، اس وقت وہ قرآن کی تلاوت سے، خاص کر جو نماز میں قرأت کی جائے، اس سے میسر ہو جاتا ہے۔

الغرض اس وقت ذکر تلاوت کا حکم پیدا کر لیتا ہے جو شروع میں ابرار کے اور ادنیٰ قسم سے تھا اور تلاوت ذکر کا حکم پیدا کر لیتی ہے جو ابتدا اور درمیان میں مقربات (قرب کے اسباب) میں سے تھی۔ عجیب معاملہ ہے، اس وقت اگر ذکر کا تکرار قرآن مجید کی قرأت کے طور پر کیا جائے، جیسے کہ قرآنی آیات کے مقدس کلمات سے ہے اور تعویذ سے شروع کیا جائے تو وہی فائدہ دیتا ہے جو قرآن کی تلاوت سے میسر ہوتا ہے اور اگر قرأت کے طور پر تکرار نہ کیا جائے تو ابرار کے عمل کی مانند ہے۔ ہر عمل کا ایک مقام اور ایک موسم ہے جو اگر اُس کے اندر کیا جائے تو وہ حسن اور ملاحظ پیدا کر لیتا ہے اور اگر اُس موسم کے اندر نہ کیا جائے تو اکثر یوں ہے کہ وہ خطا ہوتا ہے، خواہ حسنہ ہو۔ تشہد کے وقت فاتحہ پڑھنا خطا ہے، اگرچہ وہ ام الکتاب ہے۔ اس طرح پیراس راستے کی ضروریات میں سے ہے اور اس کی تعلیم بھی اہم کاموں میں سے ہے۔

وَبِذُوْنِهِ خَوْطُ الْقَتَادِ۔ یعنی: اور اس کے بغیر بے فائدہ رنج اٹھانا ہے۔

ایک بزرگ نے فرمایا ہے۔ شعر:

ازاں روئے کہ چشم تست احوال معبود تو پیر تست اول

یعنی: چونکہ تیری آنکھ ابھی بھینگی ہے، (لہذا) ابتدا میں تیرا پیر تیرا معبود ہے۔

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اَتَّبَعَ الْهُدٰی۔ (سورۃ طہ، ۴۷)

یعنی: اور جو شخص ہدایت کی بات مانے، اُس کو سلامتی نصیب ہو۔

مکتوب نمبر (۲۶)

سیادت پناہ میر محمد نعمان کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ جس طرح اپنی ذات کے ساتھ موجود ہے

نہ کہ وجود کے ساتھ، اُسی طرح وہ اپنی ذات کے ساتھ جی و عالم اور (دوسری) آٹھ صفات کے ساتھ بھی موجود ہے، نہ

کہ صفات زائدہ کے ساتھ۔ نیز جو کچھ اس کے مناسب ہے (اُس کا بیان)۔

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ (سورۃ نمل، ۵۹)

یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے ان بندوں پر سلام ہو، جن کو اس نے منتخب فرمایا۔

حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ نفس وجود اور وجود کے سب توابع کمالات حیات و علم، قدرت و سمع، بصر و ارادہ اور کلام و تکوین

میں اپنی ذاتِ اقدس کے ساتھ کافی ہے اور ان کمالات کے حصول میں صفات زائدہ کا محتاج نہیں ہے۔ اگرچہ صفات کاملہ

زائدہ بھی حق سبحانہ کے لیے ثابت ہیں۔ اس طرح حق تعالیٰ جس طرح اپنی ذات اقدس کے ساتھ موجود ہے، نہ کہ وجود کے ساتھ، اُسی طرح وہ اپنی ذات کے ساتھ زندہ ہے، نہ کہ حیات کے ساتھ، جو حق تعالیٰ کی صفت ہے۔ اور وہ اپنی ذات کے ساتھ دانا ہے، نہ کہ اپنی صفت علم کے ساتھ۔ اور وہ اپنی ذات کے ساتھ بینا ہے، نہ کہ صفت بصر کے ساتھ۔ اور وہ اپنی ذات کے ساتھ سننے والا ہے، نہ کہ اپنی صفت سمع کے ساتھ۔ اور وہ اپنی ذات کے ساتھ توانا ہے، نہ کہ صفت قدرت کے ساتھ۔ اور وہ اپنی ذات کے ساتھ چیزوں کا ارادہ کرنے والا ہے، نہ کہ صفت ارادہ کے ساتھ۔ اور وہ اپنی ذات کے ساتھ کلام کرنے والا ہے، نہ کہ صفت کلام کے ساتھ۔ وہ اپنی ذات کے ساتھ کائنات (مخلوقات) کی ایجاد کا موجد ہے، نہ کہ صفت تکوین کے ساتھ۔ اگرچہ عالم کا وجود تکوین اور دوسری سب صفات کے توسط سے ہے۔ جیسا کہ اس مطلب کی تحقیق عنقریب آئے گی۔

یہ تکوین قدرت سے جدا ہے، کیونکہ قدرت میں فعل کی صحت اور ترک ہے اور تکوین میں فعل کی جانب متعین ہے۔ اور نیز قدرت ارادہ پر تقدم رکھتی ہے اور تکوین ارادہ کے بعد ہے۔ یہ تکوین بندے کی اُس استطاعت کے مشابہ ہے جس کو علمائے حق نے بندے کے فعل کے ساتھ متصل قرار دیا ہے اور (اس کو) قدرت اور ارادہ کی صفت سے الگ سمجھا ہے۔ قدرت ہر دو طرف فعل اور ترک کو درست کرنے والی ہے اور ارادہ ایک طرف کو ترجیح دیتا ہے اور ایجاد ارادہ کی ترجیح کے بعد تکوین سے تعلق رکھتی ہے۔ اگر قدرت کو ثابت نہ کیا جائے جو دو طرف کو درست کرنے والی ہے تو ایجاب لازم آتا ہے۔ اور اگر تکوین کو ثابت نہ کیا جائے تو ایجاد غیر مستند رہ جاتی ہے، کیونکہ قدرت ایجاد کو درست کرنے والی ہے اور تکوین ایجاد کو بنانے والی ہے، لہذا تکوین کے اثبات کے سوا چارہ نہیں ہے، جس کی جانب علمائے ماترید یہ کو ہدایت ملی ہے اور اشاعرہ نے چونکہ اس کی اضافت و تعلق کو بہت سی چیزوں کے ساتھ پایا ہے، لہذا اس کو صفات اضافیہ میں سے خیال کیا ہے۔ وَاللّٰهُ يُحِقُّ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيلَ۔ یعنی: اور اللہ تعالیٰ حق کو ثابت کرتا ہے اور وہی سیدھے راستے کی ہدایت بخشتا ہے۔

پیدا کرنا، رزق دینا، زندہ کرنا، مارنا اور اس طرح کی دوسری صفات کو تکوین کی جانب راجع کرنا بہتر ہے، بہ نسبت اس کے کہ ہر ایک کو مستقل طور پر صفت قدیمہ کہا جائے اور بلا ضرورت بہت سی صفات قدیمہ کو ثابت کیا جائے۔ پس ظاہر ہوا کہ جو کچھ دوسروں کو حق تعالیٰ کی ایجاد سے صفات کے طور پر میسر ہے، وہ حق سبحانہ کو اپنی ذات کے ساتھ صفات کے توسط کے بغیر حاصل ہے، کیونکہ حق تعالیٰ کی ذات کسی امر اور اعتبار کے ملاحظہ کے بغیر سب کمالات کی جامع ہے، بلکہ ہر کمال کا عین ہے، کیونکہ حصہ حصہ اور جزو جزو ہونا اس کی بارگاہ میں معدوم ہے۔ وہ تمام دانائی ہے اور تمام شنوائی ہے اور تمام بینائی ہے۔ اس کی تمام دوسری صفات کو بھی اسی طرح قیاس کرنا چاہیے۔ اس کے علاوہ حق سبحانہ کی سات صفات بلکہ آٹھ (صفات) بھی ثابت ہیں جن کے وجود کے علمائے حق شَكَرَ اللّٰهُ تَعَالٰی سَعِيَهُمْ (اللہ تعالیٰ ان کی کوشش کو مشکور فرمائے) قائل ہیں اور صفات کاملہ، جو قدیم ہیں، ان کمالات ذاتیہ کے ظلال ہیں اور ان کمالات کے مظاہر ہیں اور کہا جاسکتا ہے کہ ان کمالات کا نقاب ہیں اور ان پوشیدہ انوار کے حجاب ہیں۔

سوال: جب حق تعالیٰ کی ذات سب کمالات کے حصول میں کافی ہے تو پھر صفات کس لیے ثابت کی جاتی ہیں اور بہت سی چیزوں کے قدیم ہونے کا قول کیوں کیا جاتا ہے؟ لہذا فلاسفہ اور معتزلہ نے ذات پر اکتفا کیا ہے اور بکثرت وجودوں کے

قدیم ہونے کے قول سے بھاگ کر صفات کی نفی کے قائل ہو گئے ہیں۔

جواب: حضرت حق تعالیٰ و تقدس کی ذات اگرچہ کمالات کے حصول میں کافی ہے، لیکن چیزوں کی تکوین و تخلیق میں صفات زائدہ کے سوا چارہ نہیں ہے، کیونکہ حق تعالیٰ کی ذات انتہائی منزہ اور مقدس ہے اور نہایت عظمت و جلال اور کبریائی میں ہے اور کمال غنا اس کے لیے ثابت ہے اور اس کو چیزوں کے ساتھ کمال بے مناسبتی حاصل ہے:

إِنَّ اللَّهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ. (سورہ عنکبوت، ۶) یعنی: بیشک اللہ تعالیٰ تو سارے جہان سے بے پروا ہے۔

اور حکمت و عادت کے تقاضا کے مطابق فائدہ اور فیض پہنچانے میں مستفید اور مستفیض ہونے کی مناسبت سے بھی چارہ نہیں ہے۔ یہ ایسی صفات ہیں جنہوں نے ایک درجہ تنزل فرما کر ظلیت پیدا کر لی ہے اور چیزوں کے ساتھ کچھ نہ کچھ مناسبت حاصل کر لی ہے۔ اگر صفات کا توسط نہ ہوتا اور چیزوں سے کسی چیز کا حاصل ہونا متصور نہ ہوتا، کیونکہ چیزوں کو حضرت حق تعالیٰ و تقدس کی ذات کے انوار کی شعاعوں کے غلبہ میں ہلاک و فانی اور نیست و نابود ہونے کے سوا کچھ نصیب نہیں ہوتا۔ یہ بڑے بے سمجھ لوگ ہیں جو صفات کا اثبات نہیں کرتے اور چیزوں کی ایجاد کو صرف ذات (حق) جل سلطانہ کی جانب منسوب کرتے ہیں۔ صادر اول (عقل فعال) کیا ہے جو صفات کے پردہ کے بغیر حق تعالیٰ کی ذات کے انوار میں نیست و نابود نہ ہو جائے۔

سوال: فلاسفہ اور معتزلہ نے اگرچہ صفات کو خارج میں ثابت نہیں کیا ہے، لیکن وہ علمی اعتبارات سے ان کے قائل ہو گئے ہیں اور وہ مرتبہ علم میں کمالات ذاتیہ کو جدا جدا سمجھتے ہیں۔ اس طرح چیزوں کی ایجاد ذاتِ حق کی جانب منسوب نہ ہوئی، کیونکہ درمیان میں اعتبارات کا توسط پیدا ہو گیا۔

جواب: عالم کی ایجاد خارج میں ہے اور عالم خارج میں موجود ہے، لہذا خارجی حجابات کے سوا چارہ نہیں ہے تاکہ خارجی چیزوں کے وجود کا وسیلہ بن جائیں اور خارج میں چیزوں کو نیست و نابود ہونے سے محفوظ رکھ سکیں۔ علمی اعتبارات خارجی وجودات کے کام نہیں آتے اور علمی حجابات خارجی موجودات کی حفاظت میں کفایت نہیں کرتے۔ بعض صوفیہ جو عالم کو مرتبہ علم کے سوا موجود نہیں سمجھتے، شاید اعتبارات علمی ان کو نفع دیں اور ہو سکتا ہے کہ علمی وجودات کا وسیلہ بن جائیں، لیکن عالم خارج میں موجود ہے، اگرچہ یہ خارج اس خارج کا ظل ہے اور یہ وجود اس وجود کا ظل ہے۔ لہذا خارجی حجابات کا ہونا ضروری ہے، تاکہ عالم کے خارجی وجود کا وسیلہ بن سکیں۔ پس چاہیے کہ صفات حقیقیہ خارج میں موجود ہوں اور وہ چیزوں کی ترتیب کریں اور کمالات ذاتیہ کو اپنے وسائل سے عالم کے آئینوں میں جلوہ گر کریں اور منصبہ شہود پر لائیں۔ صفات اگرچہ ذات (حق) تعالیٰ کے حجابات ہیں، لیکن کمالات ذاتیہ کا ظہور ان کے وجود سے وابستہ ہے۔ ان کا حجاب عینک کے حجاب کی مانند ہے جو نمائندگی کا سبب ہے۔ یہ ظہور اور یہ نمائندگی اگرچہ ظلی ہے، لیکن کیا کیا جائے، کیونکہ ہمارے وجود کو ظل کے ساتھ وابستہ بنایا گیا ہے اور ہماری ہستی کو حجاب کے حوالے کیا گیا ہے۔ مَا بِالذَّاتِ لَا يَنْفَكُ عَنِ الذَّاتِ.

یعنی: جو چیز ذاتی ہے وہ ذات سے الگ نہیں ہوتی۔

ج سیاہی از حبشی کے رود کہ خود رنگ است

یعنی: حبشی سے سیاہی کیسے دور ہو کہ وہ خود اس کا رنگ ہے۔

شعر:

وَمِنْ بَعْدِ هَذَا مَا يَدِقُّ صِفَاتُهُ وَ مَا كَتَمْتُهُ أَحْطَى لَدَيَّ وَأَجْمَلُ

یعنی: اور اس کے بعد وہ ہے جس کی صفات دقیق ہیں اور جس کا چھپانا ہی اس کے نزدیک زیادہ بہتر ہے۔

بندہ اللہ جل سلطانہ نہیں ہو سکتا، لیکن حق تعالیٰ کے فضل سے حق سبحانہ سے جدا بھی نہیں ہو سکتا۔

الْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ^(۱)۔ یعنی: آدمی اُس کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت کرتا ہے۔

اگرچہ حق سبحانہ و تعالیٰ کو چیزوں کے ساتھ معیت کی نسبت حاصل ہے لیکن یہ معیت جس کا منشا محبت ہے، وہ اور ہے۔

جب تک (سالم) محبت پیدا نہ کرے، وہ اس معیت کو نہیں سمجھ سکتا۔ چونکہ محبت میں بھی مختلف درجات ہیں، لہذا اس کے

اندازہ سے معیت میں بھی تفاوت حاصل ہے۔ یہی معیت ہے جو ظلیت سے نجات کا سبب ہے اور یہی معیت ہے جو فنا کی کئی

کا ذریعہ ہے اور یہی معیت ہے جو بندگی و غلامی کو دور کرنے والی ہے اور عین بندگی میں مکمل آزادی کو ثابت کرنے والی ہے اور

یہی معیت ہے جو انسانیت (خودی) کے ختم ہونے کا مقام ہے، بلکہ انسانیت کو کمالات کے درجات تک بلند کرنے والی ہے۔

جاننا چاہیے کہ (حق تعالیٰ نے) ان (بندوں) کے ساتھ اپنی معیت عامہ کے بارے میں فرمایا ہے:

وَهُوَ مَعَكُمْ^(۲)۔ (سورۃ حدید، ۴) یعنی: (اور تم جہاں کہیں ہو) وہ تمہارے ساتھ ہے۔

اور معیت خاصہ میں حدیث: الْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ (یعنی: آدمی اُس کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت کرتا ہے) کے

حکم سے لوگ محبت کے تقاضا سے اس (حق تعالیٰ) کے ساتھ ہیں۔ شَتَّانَ مَا بَيْنَ الْمَعِيَّتَيْنِ۔

یعنی: ان دونوں معیتوں میں بہت بڑا فرق ہے۔

کیونکہ معیت خاصہ میں دونوں جانب کی معیت ثابت ہے اور معیت عامہ میں صرف اسی (حق تعالیٰ) کی طرف سے

ہے۔ سو اس طرح اس کے لیے عین وجدان میں ناامیدی لازم ہے۔ يُحَسِّرَتْنِي عَلَى مَا فَرَطْتُ فِي جَنْبِ اللَّهِ. (سورۃ

زمر، ۶) یعنی: (ہائے ہائے!) اس تقصیر پر افسوس ہے جو میں نے اللہ کے حق میں کی۔

عالم اگرچہ صفات کا ظلال ہے اور اس نے صفات کے توسط سے وجود اور بقا پیدا کی ہے، لیکن حضرت (حق) تعالیٰ و

تقدس کی ذات کا محب، محبت ذاتیہ کے توسط سے جو اس کو حضرت (حق) تعالیٰ کی ذات اور (اس کی) صفات کے ساتھ ہے جو

کہ اس کے اصول ہیں، کی وجہ سے بے کیفی عروج کے ذریعے بالا گیا ہے اور اصول کو چھوڑ کر اصل اصول سے پیوستہ ہو گیا ہے،

لیکن یہ پیوستہ ہونا بے کیف ہے۔ اگر وہ اصل سے بالا نہ جائے تو پھر آنے کا کیا فائدہ ہے اور محبت کی کیا ضرورت ہے؟ وہ اصل

کے ساتھ ہر وقت اتصال رکھتا تھا اور اس کو وصل ظلی ہمیشہ میسر تھا۔ کام یہ ہے کہ اصل کو ظل کی مانند زینہ بنانا چاہیے اور محبت کے

پر سے بالا جانا چاہیے۔ اس عروج کی سمجھ ہر شخص کی دانش کے لائق نہیں ہے اور خود کو چھوڑ کر خود اوپر جانا باب نظر و فکر

(فلاسفہ) کی عقل میں نہیں آتا، بلکہ صوفیہ میں بھی ہزاروں میں سے کوئی ایک اس دولت سے مشرف ہے اور اس معما کا راز اس

پر ظاہر ہوا ہے۔ شعر:

ہزار نکتہ باریکتر ز مو اینجا است نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری دانند^(۲)

یعنی: یہاں بال سے باریک تر ہزاروں نکلتے ہیں، یہ نہیں کہ جو سر منڈائے وہ قلندری جانتا ہے۔
سوال: یہ سیر آفاقی ہے یا انفسی؟

جواب: نہ آفاقی ہے اور نہ انفسی، کیونکہ آفاق و انفس باہر اور اندر کو چاہتے ہیں اور یہ معاملہ دخول (داخل ہونے) اور خروج (خارج ہونے) سے بالاتر ہے۔ اگرچہ اربابِ نظر (فلاسفہ) کے ہاں ممنوع ہے۔ جب مطلوب دخول اور خروج سے منزہ ہے تو پھر جو نسبت اس کے ساتھ پیدا ہوگی، مجبوراً وہ بھی دخول اور خروج سے منزہ ہوگی اور یہ سیر اس اشکال کے ساتھ اور اس دقت کے ساتھ اس سیر کے صاحبان کے ہاں جو کہ اربابِ علم ہیں، دہلی اور آگرہ کی سیر کی مانند ہے جو معلوم اور متمیز ہے اور (جس کی) ایک منزل دوسری منزل سے جدا ہے۔

تنبیہ: عالم اگرچہ صفات کا ظلال ہے اور صفات حضرت (حق) تعالیٰ کی ذات کے ظلال ہیں، لیکن اس ظلیت کے درجات اور مراتب ہیں، جن میں سے ہر ایک مطلوب کا حجاب ہے۔ آپ نے سنا ہوگا: اِنَّ لِلّٰهِ سُبْحَانَہٗ سَبْعِیْنَ اَلْفَ حِجَابٍ مِّنْ نُورٍ وَّظُلْمَةٍ۔ یعنی: بیشک اللہ سبحانہ کے لیے نور اور ظلمت کے ستر ہزار پردے ہیں۔

جب تک سب پردے اٹھ نہ جائیں، اس وقت تک ظلیت سے رہائی نہیں پاتا۔ حجاب کے اٹھنے سے یہاں مراد شہودی (حجاب) کا اٹھنا ہے اور اس حدیث کے آخر میں جو سب پردوں کے نہ اٹھنے کا (ذکر) آیا ہے، ان سے مراد وجودی پردے ہیں، جن کا اٹھنا ناممکن ہے، کیونکہ اس سے صفات قدیمہ کا اٹھنا لازم آتا ہے، جو محال ہے۔ لیکن چونکہ بے کیف معیت حاصل ہے، لہذا وہ وجودی پردے کے اٹھنے کا حکم رکھتی ہے اور پردوں کے باوجود بے پردہ ہے، کیونکہ معیت شامل حال ہے جو حجاب کی طاقت نہیں رکھتی۔ رَبَّنَا اَتِمِّمْ لَنَا نُورَنَا وَاعْفِرْ لَنَا جِ انَّكَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ (سورۃ تحریم، ۸)

یعنی: اے ہمارے پروردگار! ہمارے لیے ہمارا نور پورا کر اور ہمیں معاف فرما۔ بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔ (سورۃ فاتحہ، ۱) وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰیہُمْ وَعَلٰی آلِہِ الطَّاهِرِیْنَ اَجْمَعِیْنَ۔

یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے جو سارے جہانوں کا رب ہے اور سید المرسلین (حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور تمام انبیاء (علیہم الصلوٰۃ والسلام) اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سب آل اطہار پر درود و سلام ہو۔

مکتوب نمبر (۲۷)

ملا علی کشمی کو تحریر فرمایا، اس بیان میں کہ بندے کو چاہیے کہ اپنی مرادوں سے کٹتی طور پر باہر آ کر اپنے مولیٰ تعالیٰ شانہ کی

مراد پر (راضی) رہے۔ نیز ذاتی اور عارضی بیماری کے بیان میں۔

بندہ کو چاہیے کہ اس کی مراد اور مطلب اپنے مولیٰ جلِ سلطانہ کے علاوہ کچھ نہ ہو اور مولیٰ کی مراد کے سوا بندہ کی کوئی مراد نہ ہو اور اگر اس طرح نہ ہو تو اس نے سر بندگی کے حلقہ سے (باہر) نکالا ہوا ہے اور پاؤں غلامی کی قید سے (باہر) کھینچا ہوا ہے۔ جو بندہ اپنی مرادوں میں گرفتار ہے اور اپنی ہوا و ہوس پر فریفتہ ہے، وہ اپنے نفس کا بندہ ہے اور لعنتی شیطان کی اطاعت میں ہے۔ یہ دولت ولایت خاصہ کے حاصل ہونے سے وابستہ ہے اور بقائے اتم و اکمل سے متعلق ہے۔

سوال: کبھی ایسے ہوتا ہے کہ ضروریات اور خواہشیں کا ملین سے بھی ظاہر ہوتی ہیں اور مختلف مطالب کے حاصل ہونے کی آرزوئیں ان بزرگواروں میں بھی محسوس ہوتی ہیں۔ امام انبیاء اور سلطان اولیاء (حضرت محمد مصطفیٰ) علیہم الصلوٰات والتسلیمات اتمہاواکملہا سرد اور شیریں چیز کو پسند فرماتے تھے اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) امت کی ہدایت کے لیے جو حرص رکھتے تھے، وہ بھی قرآن مجید میں روشن ہو چکی ہے۔ ان بزرگواروں میں اس قسم کی خواہشات باقی رہنے کی وجہ کیا تھی؟

جواب: بعض خواہشات ایسی ہیں جن کا منشاء فطرت ہے۔ جب تک فطری مزاج قائم ہے، یہ خواہشات بھی باقی ہیں۔ گرمی کے وقت طبیعت بے اختیار سردی کی جانب مائل ہوتی ہے اور سردی کے وقت گرمی کی طرف راغب ہوتی ہے۔ اس طرح کی خواہش بندگی کے منافی نہیں ہے اور اپنے نفس کی خواہش کی گرفتاری کا سبب نہیں، کیونکہ فطری ضروریات تکلیف کے دائرے سے خارج ہیں اور نفس امارہ کی خواہش سے باہر ہیں۔ کیونکہ نفس کی خواہشات یا فضول مباح چیزیں ہیں یا مشتبہ اور حرام اشیاء۔ اور جو کچھ زیادہ ضروری ہے نفس کا اُس کے ساتھ تعلق نہیں۔ پس گرفتاری اور بدکرداری کا منشاء فضول کام ہیں، خواہ وہ مباح کی قسم سے ہوں، کیونکہ فضول مباح کو حرام سے ہمسائیگی کی نسبت حاصل ہے، کیونکہ آدمی اگر لعنتی دشمن کے بہکانے سے اس جگہ سے قدم اٹھائے گا تو بے اختیار حرام میں گر پڑے گا۔ لہذا مباح ضروری پر اکتفا کرنا ضروری ہوا، کیونکہ اگر وہاں سے لغزش واقع ہوئی تو فضول مباح میں جا پڑے گا اور اگر فضول مباحات میں قیام کیا جائے تو پھسلنے کے بعد اگر قدم باہر رکھا تو ناچار حرام میں گر جائے گا۔ بعض خواہشات اس قسم کی ہیں جن کا حصول خارج سے ہوتا ہے، جبکہ آدمی کا اپنا نفس مرادوں سے خالی ہو۔ اور خارج میں یا تو حضرت رحمٰن (باری تعالیٰ) کا واعظ ہوتا ہے جو خیرات کا القا کرتا ہے: **فَإِنَّ لِلَّهِ سُبْحَانَهُ وَاعِظًا** **فِي قَلْبِ كُلِّ مُؤْمِنٍ**۔^(۱) یعنی: بلاشبہ اللہ سبحانہ کی طرف سے ہر مومن کے دل میں ایک واعظ ہے۔

یا پھر وہ شیطان ہوتا ہے جو شرور اور عداوت کا القا کرتا ہے:

يَعِدُّهُمْ وَيُمْنِيهِمْ ط وَمَا يَعِدُّهُمْ الشَّيْطَانُ إِلَّا غُرُورًا۔ (سورۃ نساء، ۱۲۰)

یعنی: اور ان کو وعدے دیتا ہے اور اُمیدیں دلاتا ہے اور جو کچھ شیطان وعدے دیتا ہے وہ دھوکا ہی دھوکا ہے۔

یہ فقیر قلعہ کی سکونت (قید) کے دنوں میں ایک روز نماز فجر کی ادائیگی کے بعد سکوت (خاموشی) کے طریقے سے جو کہ اس طریق عالیہ کی روش ہے، بیٹھا تھا کہ بے فائدہ آرزوؤں کے هجوم نے بے مزگی پیدا کی اور جمعیت (سکون قلبی) جاتی رہی۔ لمحہ بھر بعد اللہ سبحانہ کی عنایت سے جمعیت نصیب ہو گئی اور دیکھا کہ یہ آرزوئیں بادل کے ٹکڑوں کی مانند باہر آ گئیں اور القا کرنے والے کے ہمراہ باہر نکل گئیں اور گھر کو خالی چھوڑ دیا۔ اس وقت معلوم ہوا کہ یہ خواہشات باہر سے آئی تھیں، نہ کہ اندر سے اٹھی تھیں جو کہ بندگی کے منافی ہے۔

الغرض ہر وہ فساد جس کا منشاء نفس امارہ ہے، وہ مرض ذاتی اور زہر قاتل ہے اور مقام بندگی کے منافی ہے۔ اور ہر وہ فساد جو باہر سے آئے، خواہ وہ شیطانی القا ہو، وہ عارضی امراض میں سے ہے جو آسان علاج سے دور ہو سکتی ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے: **إِنَّ كَيْدَ الشَّيْطَانِ كَانَ ضَعِيفًا**۔ (سورۃ نساء، ۷۶) یعنی: بلاشبہ شیطان کا داؤ ضعیف ہے۔

ہماری بلا ہمارا نفس ہے اور ہمارا جانی دشمن ہمارا بُرا ہم نشین ہے۔ بیرونی دشمن اس کی مدد سے ہم پر غلبہ پاتا ہے اور اس

کی مدد سے ہمیں بہکا دیتا ہے اور سب چیزوں میں سے زیادہ جاہل نفس امارہ ہے جو اپنا دشمن اور بدخواہ ہے اور اس کی ہمت اپنے نفس کو ہلاک کرنا ہے اور اس کی تمنا حضرت رحمن جل سلطانہ کی نافرمانی کرنا ہے جو اس کا مولیٰ ہے اور اس کی نعمتوں کا مولیٰ ہے اور شیطان کی اطاعت کرنا ہے جو اس کا جانی دشمن ہے۔

جاننا چاہیے کہ مرض ذاتی اور مرض عارضی اور فساد داخلی اور فساد خارجی کے درمیان فرق کرنا بہت دشوار ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی ناقص اس گمان سے خود کو کامل سمجھ بیٹھے اور اپنے ذاتی مرض کو عارضی مرض خیال کرے اور نقصان میں رہے۔ فقیر اس خوف کی وجہ سے اس راز کے لکھنے کی جرأت نہیں کرتا تھا اور اس مطلب کے اظہار کو مستحسن نہیں سمجھتا تھا۔ تقریباً سترہ سال ہو رہے ہیں کہ میں اسی اشتباہ میں تھا اور فساد ذاتی کو فساد عارضی کے ساتھ خلط ملط پارہا تھا۔ اس وقت حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ نے حق کو باطل سے جدا کر دیا اور اس نے مرض ذاتی کو مرض عارضی سے الگ کر دیا۔ لِلّٰہِ سُبْحَانَهُ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ عَلٰی ذٰلِكَ وَعَلٰی جَمِیْعِ نِعَمَاتِهِ۔ یعنی: اس پر اور تمام نعمتوں پر اللہ سبحانہ کی حمد اور احسان ہے۔

اس قسم کے اسرار کے ظاہر کرنے کی حکمتوں میں ایک یہ ہے کہ کوئی کوتاہ نظر کسی کامل کو اس طرح کی بیرونی آرزوؤں کی وجہ سے ناقص خیال نہ کرے اور اس کی برکات سے محروم نہ رہے۔ کافروں کا انبیاء علیہم الصلوٰت والتسلیمات کی تصدیق کی دولت سے محروم رہنے کا سبب ان بزرگواروں میں اس قسم کی صفات کا موجود ہونا ہی تھا: فَقَالُوا اَبَشِّرْ يٰهٰذُوْنَا فَكُفِّرُوْنَا۔ (سورۃ تغابن، ۶) یعنی: پس کہتے ہیں کہ کیا آدمی ہمارے ہادی بنتے ہیں؟ سو انہوں نے ان کو نہ مانا۔

اور بزرگوں نے جو یہ فرمایا ہے کہ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ عارف کو مرادوں اور خواہشات کے زوال کے بعد پھر صاحب ارادہ بنا دیتا ہے اور اختیار اُس کے ہاتھ میں دے دیتا ہے۔ (فقیر) اس چیز کی تفصیل ان شاء اللہ تعالیٰ کسی دوسری جگہ اللہ سبحانہ کی عنایت سے (بیان) کرے گا، کیونکہ یہ وقت اس کی معاونت نہیں کرتا۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اتَّبَعَ الْهُدٰی (سورۃ طہ، ۴۷) وَالتَّزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہِ الصَّلٰوٰتِ وَالتَّسْلِیْمٰتِ اَتْمَہَا وَاکْمَلُہَا۔

یعنی: اور جو شخص ہدایت کی بات مانے اور (حضرت محمد) مصطفیٰ علیہ و علی آلہ الصلوٰت والتسلیمات اتمہا واکملہا کی متابعت کو لازم پکڑے، اس کو سلامتی نصیب ہو۔

مکتوب نمبر (۲۸)

ملا صالح ترک کو تحریر فرمایا۔ مُردوں کے ارواح کے لیے صدقہ کرنے کی کیفیت کے بیان میں۔

الْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ (سورۃ نمل، ۵۹)

یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے ان بندوں پر سلام ہو، جن کو اس نے منتخب فرمایا۔

ایک روز خیال آیا کہ اپنے فوت ہونے والے بعض رشتہ داروں کے ارواح کے لیے کوئی صدقہ کیا جائے۔ اس اثناء میں ظاہر ہوا کہ اس نیت سے اس میت مرحوم کو راحت اور سرور حاصل ہوا اور وہ خوش اور خرم دکھائی دیا۔ جب اس صدقہ کے دینے کا وقت آیا تو اوّل (فقیر نے) حضرت خاتم النبیین علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ والسلام و التحیۃ کی روحانیت کے لیے اس صدقہ کی نیت کی، جیسا کہ عادت تھی اور اس کے بعد اس میت کی روحانیت کے لیے نیت کر کے صدقہ دیا۔ اس وقت اس میت میں ناخوشی اور

دُکھ کا احساس ہوا اور رنج و کدورت ظاہر ہوئی۔ اس حالت سے سخت تعجب ہوا اور ناخوشی اور رنج کی وجہ ظاہر نہ ہوئی۔ باوجود اس کے کہ محسوس ہوا اس صدقہ سے اس میت کو عظیم برکات نصیب ہوئی ہیں، لیکن اس پر اس کی خوشی اور سرور ظاہر نہ ہوا۔

نیز اسی طرح ایک روز کچھ رقم آنسو و علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نذر کی اور دوسرے تمام انبیائے کرام علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کو بھی اس نذر میں داخل کر لیا اور ان کو آنحضرت علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کا طفیلی بنایا تو اس کام میں آنحضرت (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی رضا مندی ظاہر نہ ہوئی اور اسی طرح بعض اوقات جب میں درود بھیجتا تھا، اگر میں ہر مرتبہ میں دوسرے تمام انبیاء (علیہم الصلوٰۃ والسلام) کو بھی شامل کر لیتا تو آنسو و علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کی رضا مندی ظاہر نہ ہوتی تھی۔ باوجود اس کے کہ معلوم ہو چکا ہے کہ اگر کسی ایک کی روحانیت کے لیے صدقہ کر کے باقی سب مومنوں کو شریک کر لیا جائے تو سب کو پہنچتا ہے اور جس شخص کی نیت سے کیا گیا تھا، اُس کا کوئی نقصان نہیں ہوتا۔

إِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ. (سورہ نجم، ۳۲) یعنی: بیشک تمہارا پروردگار بڑی بخشش والا ہے۔

اس صورت میں ناخوشی اور عدم رضا کی وجہ کیا تھی؟ ایک مدت تک (فقیر) اس اشکال کے تردد میں مبتلا رہا۔ آخر کار اللہ جل شانہ کے فضل سے ظاہر ہوا کہ ناخوشی و رنج کی وجہ یہ ہے کہ اگر صدقہ کسی میت کی شرکت کے بغیر دیا جائے تو وہ میت اپنی طرف سے تحفہ و ہدیہ کے طور پر وہ صدقہ آنسو و علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں لے جائے گا اور اس کے وسیلہ سے وہ برکات و فیوض حاصل کرے گا اور اگر صاحب صدقہ خود آنسو و علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی نیت کرے تو میت کو کیا نفع ہو گا؟ شرکت کی صورت میں اگر صدقہ قبول ہو جائے تو میت کو صرف اُسی صدقہ کا ثواب ملے گا اور عدم شرکت کی صورت میں اگر صدقہ قبول ہو جائے تو اس صدقہ کا ثواب بھی ملے گا اور اس صدقہ کے تحفہ اور ہدیہ کرنے کے فیوض و برکات بھی سارے جہانوں کے پروردگار کے حبیب علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاں سے حاصل کر لے گا۔ نیز اسی طرح ہر اس شخص کے لیے جس کو شریک کریں، یہی نسبت ثابت ہے کہ شرکت میں ایک درجہ ثواب ہے اور عدم شرکت میں دو درجہ ثواب ہے، کیونکہ اس کو میت خود اپنی طرف سے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں پیش کرتا ہے اور نیز معلوم ہوا کہ ہدیہ و تحفہ جو کوئی غریب کسی بزرگ کی خدمت میں لے جائے تو اس کا تحفہ بغیر کسی شرکت کے اگرچہ وہ طفیلی ہی ہو، خود پیش کرنا بہتر ہے یا شرکت کے ساتھ؟ اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ بغیر شرکت کے (پیش کرنا) بہتر ہے اور وہ بزرگ اپنے بھائیوں کو اپنی طرف سے دے تو یہ اس چیز سے بہتر ہے کہ یہ آدمی بے فائدہ دوسروں کو اس میں شامل کرے اور آل (اطہار) اور صحابہ (کرام) جو آنسو و علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے عیال کی مانند ہیں، ان کو اگر طفیلی طور پر آنحضرت علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے ہدیہ میں شامل کر لیا جائے تو یہ پسندیدہ اور مقبول نظر آتا ہے۔ جی ہاں! مشہور ہے کہ مروجہ تحائف میں اگر کسی بزرگ کے ساتھ اس کے برابر کے لوگوں کو بھی شریک کریں تو اس کے ادب و رضا مندی سے بعید معلوم ہوتا ہے اور اگر اس کے خدام کو اس کا طفیلی بنا کر ہدیہ بھیجیں تو اس کو پسند آتا ہے کہ اس کے خادموں کی عزت اس کی عزت ہے۔ سو معلوم ہوا کہ مردوں کی زیادہ رضا مندی تھا صدقہ کرنے میں ہے، صدقہ کے اشتراک میں نہیں ہے۔ لیکن چاہیے کہ جب بھی میت کے لیے صدقہ کی نیت کریں تو پہلے آنسو و علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی نیت سے ہدیہ الگ کر لیں اور اس کے بعد میت کے لیے صدقہ کی نیت

کریں، کیونکہ آنسور علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کے حقوق دوسروں کے حقوق سے بڑھ کر ہیں اور نیز اس صورت میں آنسور علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی قبولیت کا زیادہ احتمال ہے۔

یہ فقیر مردوں کے بعض صدقات میں جب نیت کی تصحیح میں خود کو عاجز پاتا ہے تو اس سے بہتر کوئی علاج نہیں پاتا کہ اس صدقہ کو آنسور علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی نیت سے مقرر کرے اور اس میت کو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا طفیلی بنائے۔ امید ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے وسیلہ کی برکت سے قبول ہو جائے گا۔

(علماء نے) فرمایا ہے آنسور علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام پر درود خواہ ریا اور شہرت (کی نیت) سے بھی پڑھا جائے تو وہ مقبول ہے اور وہ آنسور علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام تک پہنچتا ہے، خواہ اس درود کا ثواب پڑھنے والے کو نہ ملے، کیونکہ اعمال کا ثواب نیت کے درست کرنے پر وابستہ ہے اور آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی قبولیت کے لیے، جو کہ مقبول و محبوب ہیں، صرف بہانہ ہی کافی ہے۔ (یہ آیت) کریمہ آنسور علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ والسلام و علی جمیع اخوانہ الکرام من الانبیاء و الملائکۃ العظام الی یوم القیام کی شان میں نازل ہوئی ہے: وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا. (سورۃ نساء، ۱۱۳) یعنی: اور آپ پر اللہ کا بڑا فضل ہے۔

مکتوب نمبر (۲۹)

سیادت پناہ میر محبت اللہ کو تحریر فرمایا۔ آیات قرآنی کے بعض کلمات قدسی کے سمجھنے کے بیان میں۔
(فقیر کو) اس سے پہلے چونکہ آیات قرآنی کے بعض کلمات قدسی کے سمجھنے میں فہم کے قصور کی وجہ سے تردد پیدا ہوتا تھا اور ان کی تطبیق میں عاجز ہو جاتا تھا اور وسوسوں کو دفع کرنے کے لیے اللہ سبحانہ کی عنایت سے اس سے بہتر کوئی علاج نہیں پاتا تھا کہ خود کو کہتا تھا کہ تو اس نظم قرآنی کے اللہ جل شانہ کا کلام ہونے کا اقرار کرتا ہے اور اس پر ایمان رکھتا ہے یا نہیں رکھتا؟ اگر تو ایمان نہیں رکھتا تو پھر کافر ہے اور بحث سے خارج ہے اور اگر اس پر ایمان رکھتا ہے تو پھر تیرے سمجھنے میں قصور ہے، نہ کہ نظم قرآنی میں جو زمین اور آسمانوں کے خالق کا کلام ہے اور وہ عقلوں اور ادراکات کا موجد ہے۔ چونکہ اللہ جل شانہ کے فضل سے کلام ربانی کی حقانیت پر ایمان حاصل تھا، لہذا یہ وسوسہ اس تردد سے نیست و نابود ہو جاتا تھا اور (فقیر) تردد سے نجات پاتا تھا۔

اس وقت اللہ سبحانہ کے فضل سے معاملہ یہاں تک پہنچ گیا ہے کہ نظم قرآنی میں ہر مقام کہ جہاں ادراک کے قصور سے تردد و خدشہ کی گنجائش ہے، وہی مقام قرآن پر ایمان کی زیادتی کا موجب ہے اور وہی خدشہ فرقان کے اعجاز کے ظاہر ہونے کا ذریعہ ہے اور اس کے مشکل مقامات کو (فقیر) اعجاز کی شاخیں تصور کرتا ہے اور اس کے اشکال کو بلاغت و فصاحت کے کمال پر محمول کرتا ہے، جن کے سمجھنے میں انسان عاجز ہے۔ جتنا ایمان قرآن کے نہ سمجھنے میں حاصل ہے، اتنا اس کے سمجھنے میں نہیں ہے، کیونکہ نہ سمجھنے میں اعجاز کا ایک راستہ کھلتا ہے جو سمجھنے میں نہیں کھلتا۔ سبحان اللہ! یہی نہ سمجھنا ایک جماعت کو گمراہی کی طرف لے جاتا ہے اور وہ حق جل و علا کے انکار تک پہنچا دیتا ہے اور بعض کے لیے یہی نہ سمجھنا قرآن پر ایمان کے کمال کا سبب بن جاتا ہے اور ہدایت کی جانب لے آتا ہے۔ یُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا لَا وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا. (سورۃ بقرہ، ۲۶)

یعنی: اس سے (اللہ) بہتوں کو گمراہ کرتا ہے اور بہتوں کو ہدایت بخشتا ہے۔
 رَبَّنَا إِنَّا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً وَهِيَ لَنَا مِنْ أَمْرِنَا رَشَدًا. (سورۃ کہف، ۱۰)
 یعنی: اے ہمارے پروردگار! ہم پر اپنے ہاں سے رحمت نازل فرما اور ہمارے کام میں درستی (کے سامان) مہیا کر۔
 والسلام۔

مکتوب نمبر (۳۰)

سیادت و ارشاد پناہ میر محمد نعمان کو تحریر فرمایا۔ مراتب اصول اور مراتب عبادات کے عروج کے بیان میں۔
 الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ.
 یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے اور سید المرسلین (حضرت محمد مصطفیٰ) صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود و سلام ہو۔
 شعر:

پایہ آخر آدم است و آدمی گشت محروم از مقام محرمی
 گر نگرود باز مسکین زیں سفر نیست ازوے ہیچ کس محروم تر

یعنی: انسان کا رتبہ سب سے اونچا ہے، لیکن وہ محرم راز ہونے کے مقام سے محروم ہو گیا ہے۔
 اگر یہ مسکین اس محرومی کے سفر سے واپس نہ لوٹا تو اس سے زیادہ محروم کوئی نہیں ہے۔

جب سالک کو اللہ سبحانہ کی عنایت سے اپنے اصول سے جو کہ اس کے اصل کے ظل کی مانند ہے، اصول کی ہر اصل میں ایک عروج واقع ہوتا ہے تو اوّل اس کو اس اصل میں ایک فنا حاصل ہوتی ہے اور اس کے بعد اس اصل سے ایک بقا نصیب ہوتی ہے۔ اور اس فنا اور بقا سے اس کی انانیت کا اطلاق اس ظل سے دور ہو کر اس اصل پر جس میں اس کو فنا و بقا حاصل ہوئی ہے، اس کا اطلاق پائے گا اور خود کو وہی اصل جانے گا۔ اسی طرح حق جل و علا کے کرم سے جب اسے اس اصل سے عروج واقع ہوگا تو وہ اصل جو اس اصل کے اوپر ہے اور وہ اصل جو اس اصل کا ظل ہے، اس پہلی اصل کی فنا و بقا حاصل کر لے گا اور اصل سے انا کا اطلاق زائل ہو کر اصل ثانی سے جا ملے گا اور خود کو وہی اصل ثانی پائے گا۔ اصل ثانی کو اصل ثالث کے ساتھ یہی نسبت ہے۔ اگر عروج واقع ہو تو انا کا اطلاق اس اصل ثالث پر قرار پائے گا، کیونکہ اصل ثانی اس کا ظل ہے۔ اسی طرح ہر نیچے والی اصل جو اوپر والی اصل کے ظل کی طرح ہے، یہی نسبت موجود ہوگی۔ اگر محض اللہ جل سلطانہ کے فضل سے اسے عروج واقع ہو جائے اور ظل سے اصل کی جانب لے جائیں تو انا کا اطلاق ہر ظل سے دور ہو کر اس کی اصل کی طرف قرار پائے گا اور خود کو وہی اصل جانے گا، استعداد کے درجوں کے فرق پر اللہ تعالیٰ جہاں تک چاہے لے جائے۔

یہ اصول اس کثرت اور اس رفعت کے باوجود اس کے اجزاء بن جائیں گے اور قطرے کو دریا بنادیں گے اور تنکے کو پہاڑ بنادیں گے اور جب یہ اصول اس کے اجزاء ہوں گے تو ناچار ان کے کمالات و برکات سے بھی اس کو کامل حصہ نصیب ہوگا اور اس کا کمال ان اجزاء کے کمالات کا جامع بن جائے گا۔ اس بیان سے انسان کامل اور باقی سب انسانی افراد کے درمیان فرق

پہچان سکتے ہیں کہ وہ ایک دریائے محیط ہے اور یہ سب اس دریا کے حقیر قطروں کی مانند ہیں۔ پس یہ اس کو کس طرح پہچان سکتے ہیں اور اس کے کمال کو کیسے سمجھ سکتے ہیں؟ (کسی نے) خوب کہا ہے کہ: ”الہی! یہ کیسا معاملہ ہے جو تو اپنے اولیاء کے ساتھ کیا ہے کہ جس نے ان کو پہچانا اس نے تجھ کو پایا اور جب تک تجھ کو نہ پایا، ان کو نہ پہچانا۔“

جس طرح انسان کامل اور انسان ناقص کے درمیان اجزاء کی کثرت و قلت کا فرق ہے، ان کی طاعات و حسنات کے درمیان بھی اسی اندازے کے مطابق تفاوت ہے۔ جس شخص کو سینکڑوں زبانیں دیں اور وہ ہر زبان سے حق جل و علا کی یاد کرے، وہ اس شخص کے ساتھ کیا نسبت رکھتا ہے، جس کو ایک زبان عطا کریں اور وہ ایک زبان سے حق جل و علا کی یاد کرے۔ ایمان و معرفت اور باقی سب کمالات کو اسی معنی کے لحاظ سے قیاس کرنا چاہیے۔

رَبَّنَا آتِنَا نُورًا وَاعْفِرْ لَنَا جَنَّاتٍ كُنَّ شَيْءٌ قَدِيرٌ. (سورۃ تحریم، ۸)

یعنی: اے ہمارے پروردگار! ہمارے لیے ہمارا نور پورا کر اور ہمیں معاف فرما۔ بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ أَوَّلًا وَآخِرًا وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُولِهِ دَائِمًا وَسَرْمَدًا وَعَلَى آلِهِ الْكَرَامِ وَصَحْبِهِ الْعِظَامِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامِ.

یعنی: اوّل و آخر میں سب تعریفیں اس اللہ تعالیٰ کے لیے جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ابدی و دائمی درود و سلام ہو اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آل کرام اور صحابہ عظام پر۔

مکتوب نمبر (۳۱)

ملا بدرالدین کو تحریر فرمایا۔ عالم ارواح، عالم مثال اور عالم اجساد کی تحقیق (کے بیان) میں۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ وَسَلَامٌ عَلَى عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَى. (سورۃ نمل، ۵۹)

یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے ان بندوں پر سلام ہو، جن کو اس نے منتخب فرمایا۔

آپ نے لکھا تھا کہ روح بدن کے تعلق سے پہلے عالم مثال میں رہی ہے۔ بدن سے جدائی کے بعد پھر عالم مثال میں جائے گی۔ پس قبر کا عذاب عالم مثال میں اس درد کی مانند ہوگا جو خواب میں عالم مثال کی طرح محسوس کرتے ہیں۔ نیز آپ نے لکھا تھا کہ یہ بات بہت سی فروعات (شاخیں) رکھتی ہے اور اگر قبول فرمائیں تو بندہ اس پر بہت سے فروع نکالے گا۔ (جواب) جاننا چاہیے کہ اس قسم کے خیالات میں سچائی بہت کم ہوتی ہے، ایسا نہ ہو کہ آپ کو غیر معروف راستہ کی طرف لے جائیں۔ لہذا ضرورت کے تحت چند کلمات باوجود رکاوٹوں کے اس بحث میں لکھے جاتے ہیں۔

وَاللَّهُ سُبْحَانَهُ الْهَادِي إِلَى سَبِيلِ الرَّشَادِ. یعنی: اللہ سبحانہ ہی سیدھے راستے کی جانب ہدایت بخشنے والا ہے۔

اے بھائی! (صوفیہ نے) عالم ممکنات کی تین اقسام قرار دی ہیں: عالم ارواح، عالم مثال اور عالم اجساد۔ انہوں نے عالم مثال کو عالم ارواح اور عالم اجساد کے درمیان عالم برزخ کہا ہے۔ نیز وہ کہتے ہیں کہ عالم مثال ان دو عالم کے معانی و حقائق کے لیے آئینے کی مانند ہے، کہ اجساد اور ارواح کے معانی و حقائق عالم مثال میں لطیف صورتوں میں ظاہر ہوتے ہیں، کیونکہ وہاں ہر معنی و حقیقت کے مناسب دوسری صورت و ہیئت ہے اور وہ عالم اپنی ذات میں صورتوں، ہیئتوں اور شکلوں کا

منضمّن نہیں ہے، بلکہ صورتیں اور شکلیں اس میں دوسرے عالموں سے منعکس ہو کر ظاہر ہوئی ہیں۔ جس طرح آئینہ اپنی ذات کے لحاظ سے اپنے اندر کوئی صورت نہیں رکھتا، اگر اس میں کوئی صورت موجود ہے تو وہ خارج سے آئی ہے۔ جب یہ بات معلوم ہوگئی تو پھر جاننا چاہیے کہ روح بدن کے تعلق سے پہلے اپنے عالم یعنی عالم ارواح میں رہی ہے جو عالم مثال کے اوپر ہے اور بدن سے تعلق کے بعد اگر وہ عالم اجساد میں اتر آئی ہے تو وہ محبت کے علاقہ کی وجہ سے نیچے آئی ہے (ورنہ) عالم مثال کے ساتھ کوئی کام نہیں رکھتی، نہ تعلق سے پہلے اور نہ تعلق کے بعد۔ اس سے زیادہ تعلق نہیں ہے کہ بعض اوقات میں اللہ سبحانہ کی توفیق سے وہ اپنے بعض احوال کو اس عالم کے آئینے میں مطالعہ کرتا ہے اور اپنے احوال کی اچھائی اور برائی کو اس جگہ سے معلوم کر لیتا ہے، جیسا کہ واقعات اور خوابوں میں یہ چیز واضح اور روشن ہے۔ اکثر یوں ہوتا ہے کہ (ساک) بغیر اس کے کہ جس سے غائب ہو، اس چیز کو محسوس کر لیتا ہے اور بدن سے جدائی کے بعد اگر روح علوی ہے تو وہ اوپر کی جانب متوجہ ہوتی ہے اور اگر سفلی ہے تو پستی میں گرفتار ہو جاتی ہے، عالم مثال سے کوئی کام نہیں رکھتی۔ عالم مثال دیکھنے کے لیے ہے، نہ کہ رہنے کے لیے۔ رہنے کی جگہ عالم ارواح ہے یا عالم اجساد۔ عالم مثال کی حیثیت ان دو عالم کے آئینے سے زیادہ نہیں ہے۔ جس طرح کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔

جو درد خواب میں عالم مثال میں احساس کیا جاتا ہے، اس کی صورت و شباهت اس عذاب کی سی ہے (خواب) دیکھنے والا جس کا مستحق ہوا ہے اور اس کی تنبیہ کے لیے اس چیز کو اس پر ظاہر کیا گیا ہے اور قبر کا عذاب اس قسم کا نہیں ہے، کیونکہ وہ حقیقی عذاب ہے، نہ کہ عذاب کی صورت و شباهت۔ نیز جو درد خواب میں محسوس کیا جاتا ہے، اگر بالفرض وہ ایک حقیقت بھی رکھتا ہو تو بھی وہ دنیاوی دردوں کی قسم سے ہی ہوگا اور قبر کا عذاب عالم آخرت کے عذاب میں سے ہے۔ شَتَّانَ مَا بَيْنَهُمَا۔ یعنی: دونوں کے درمیان بڑا فرق ہے۔

کیونکہ دنیاوی عذاب کی آخرت کے عذاب کے مقابلے میں کوئی مقدار اور اعتبار نہیں ہے، اللہ سبحانہ ہمیں اس سے محفوظ رکھے۔ اگر دوزخ کی آگ سے ایک چنگاری دنیا میں گر جائے تو سب کو پوری طرح جلا ڈالے اور نابود کر دے۔ قبر کے عذاب کو خواب کی طرح سمجھنا عذاب کی صورت اور عذاب کی حقیقت سے بے خبر ہونے کی وجہ سے ہے۔ نیز اس وہم کا باعث عذاب دنیا اور عذاب آخرت کو ایک جیسا سمجھنا ہے اور یہ واضح طور پر باطل ہے۔

سوال: (اس آیت) کَرِیمَ: اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنفُسَ حَيِّنْ مَوْتِهَا وَالَّتِي لَمْ تَمُتْ فِي مَنَامِهَا (اللہ لوگوں کے مرنے کے وقت ان کی روہیں قبض کر لیتا ہے اور جو مرے نہیں ان کی روہیں سوتے میں قبض کر لیتا ہے۔ سورۃ زمر، ۴۲) سے مفہوم ہوتا ہے کہ روہوں کا قبض کرنا جس طرح موت میں ہوتا ہے، اسی طرح خواب میں بھی ہوتا ہے۔ پھر ایک عذاب کو دنیا کے عذاب میں شمار کرنا اور دوسرے کے عذاب کو آخرت کا عذاب کہنا کس وجہ سے ہے؟

جواب: خواب میں روح کا قبض کرنا، اس قسم کا ہے، جیسے کوئی شخص اپنے وطن مالوف سے شوق و رغبت کے ساتھ سیر و تماشا کے لیے باہر آئے، تاکہ راحت و سرور حاصل کرے اور پھر خوش و خرم اپنے وطن کو لوٹ آئے اور اس کی سیرگاہ عالم مثال ہے جو ملک و ملکوت کے عجائبات پر مشتمل ہے۔ اور موت میں روح کا قبض ہونا اس طرح نہیں ہے، کیونکہ وہاں وطن مالوف تباہ اور آباد گھر ویران ہو جاتا ہے۔ اسی وجہ سے خواب میں روح کے قبض ہونے میں سختی و تکلیف حاصل نہیں ہوتی، بلکہ راحت و

سرور شامل ہوتا ہے اور موت میں روح کے قبض ہونے سے سختی و تکلیف ہوتی ہے۔ لہذا خواب میں مرنے والے کا وطن دنیا ہوتا ہے اور اس کے ساتھ جو معاملہ کیا جاتا ہے، وہ دنیا کا ہوتا ہے اور موت میں مرنے والا اپنے وطن مالوف کے ویران ہونے کے بعد آخرت کی طرف انتقال کرتا ہے اور اس کا معاملہ آخرت کے معاملات میں سے بن جاتا ہے۔ آپ نے سنا ہوگا:

مَنْ مَاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِيَامَتُهُ. ^(۱) یعنی: جو شخص مر گیا اُس کی قیامت قائم ہوگئی۔

خبردار! خیالی مکشوفات اور مثالی شکلوں کے ظہور سے اہل سنت و جماعت شکر اللہ تعالیٰ سَعِيْهِمْ (اللہ تعالیٰ ان کی کوشش کو مشکور فرمائے) کے مقررہ اعتقادات کو ہاتھ سے نہ چھوڑیں اور اپنے خواب و خیال پر مغرور نہ ہوں، کیونکہ اس فرقہ ناجیہ کی متابعت کے بغیر نجات متصور نہیں ہے۔ اگر نجات کی آرزوئیں رکھتے ہیں تو خوش طبعیوں کو چھوڑ کر دل و جان سے ان بزرگواروں کی اتباع کی کوشش کریں۔ خبر دینا شرط ہے۔ مَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلْغُ. (سورۃ مائدہ، ۹۹)

یعنی: قاصد کے ذمے تو صرف پیغام پہنچا دینا ہے۔

آپ کی عبارت کے انبساط نے مجھے وہم میں ڈال دیا، کیونکہ نزدیک ہے کہ یہ خیالات آپ کو ان اکابر کی تقلید سے باہر نکال دیں اور اپنے مکشوفات کے تابع بنا ڈالیں۔

نَعُوْذُ بِاللّٰهِ سُبْحَانَهُ مِنْهَا وَمِنْ شُرُوْرٍ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا. ^(۲)

یعنی: ہم اس بات سے اور اپنے نفسوں کی شرارتوں اور اپنے اعمال کی برائیوں سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں۔

شیطان مضبوط دشمن ہے، آگاہ رہیں کہ وہ صراطِ مستقیم سے ہٹا کر آپ کو گمراہی کے کوچے میں نہ ڈال دے۔ جدائی کا عرصہ ایک سال بھی نہیں ہوا ہے۔ کیا مصیبت آئی کہ جو احتیاطیں تم سنت اور اہل سنت کی متابعت کو لازم پکڑنے میں کرتے تھے اور ان بزرگواروں کی تقلید میں نجات کے انحصار کے لیے کرتے تھے، وہ سب فراموش ہو گئیں کہ اپنے خیالات کو اپنا پیشوا بنا کر آپ نے ان پر قسم قسم کی شاخیں نکال لی ہیں۔ ظاہری طور پر ہماری ملاقات کا احتمال بہت بعید دکھائی دیتا ہے۔ اس طرح زندگی گزاریں کہ نجات کی امید کا رشتہ ٹوٹ نہ جائے۔

رَبَّنَا اٰتِنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً وَهَيِّءْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا. (سورۃ کہف، ۱۰)

یعنی: اے ہمارے پروردگار! ہم پر اپنے ہاں سے رحمت نازل فرما اور ہمارے کام میں درستی (کے سامان) مہیا کر۔

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اَتْبَعَ الْهُدٰی. (سورۃ طہ، ۴۷)

یعنی: اور جو شخص ہدایت کی بات مانے، اُس کو سلامتی نصیب ہو۔

مکتوب نمبر (۳۲)

مقصود علی کو تحریر فرمایا، اس بیان میں کہ جن خطرات کو وصل کے اسباب کہا گیا ہے، وہ تجلی صوری کے اندازہ کے مطابق

ہیں۔ نیز کثرت و ہمیت کی حقیقت کی تحقیق (کے بارے) میں اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کا بیان)۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰی. (سورۃ نمل، ۵۹)

یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے ان بندوں پر سلام ہو، جن کو اس نے منتخب فرمایا۔

آپ نے لکھا تھا کہ ایک سالک نے کسی کامل سے پوچھا کہ میں خطرات (وسوسوں) کے هجوم (کثرت) سے پریشان ہوں۔ اس نے وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ مُّحِيطٌ (یعنی: اور وہ ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے) کی رُو سے جواب دیا کہ جب مطلوب کا احاطہ اور شمول معلوم ہے تو پھر خطرہ (وسوسہ) کو وصل کے اسباب میں سے سمجھنا چاہیے، نہ کہ جدائی کے موجبات سے۔ مشاہدہ کے دروازوں کو کھلا اور غفلت کے روشندان کو بند رکھنا چاہیے۔

(جواب:) یہ بات تجلی صوری کے اندازہ کے مطابق درست ہے جو کہ اس راستے کے مقدمات میں سے ایک مقدمہ ہے اور اس مقام میں اگر وصل ہے، خواہ حقیقت میں وہ جدائی ہے تو بھی صورت کے اعتبار سے ہے اور اگر مشاہدہ ہے، اگرچہ واقع میں دوری ہے تو وہ بھی صورت کے ملاحظہ سے موجود ہے اور یہ تجلی اس راستے کے اکابر کے ہاں اعتبار کی حد سے ساقط ہے، کیونکہ یہ سالک کے وجود کو فنا نہیں کرتی۔ اور نیز سچا اور جھوٹا اس تجلی میں شریک ہیں۔ ہندوستان کے جوگی اور یونان کے فلاسفہ بھی اس تجلی سے آگاہ ہیں اور اس مقام کے علوم و معارف سے محظوظ اور لطف اندوز ہیں۔ مختصر یہ کہ سچے کو یہ دولت قلب کی صفائی کے راستے سے حاصل ہوتی ہے اور جھوٹے کو نفس کی صفائی کے راستے سے۔ ناچار وہ ہدایت کی جانب لے جاتی ہے اور یہ گمراہی کی طرف لے آتی ہے۔ لیکن دونوں صورت کے گرفتار ہیں اور معنی سے بے خبر ہیں۔ شعر:

صورت پرست غافل معنی چہ داند آخر کو با جمال جانان پنہاں چہ کار دارد

یعنی: صورت پرست اور معنی سے بے خبر آخر کیا جانے کہ وہ محبوب کے پوشیدہ جمال سے کیا کام رکھتا ہے۔

لیکن سچے کے لیے صورت سے نجات کا احتمال موجود ہے اور جھوٹا صورت ہی میں منہمک رہتا ہے۔ انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کی ملت کو لازم پکڑنے کے بغیر صورت کی گرفتاری سے خلاصی پانا محال ہے۔ اسی طرح تجلی صورت علم کے دائرہ میں داخل ہے، لیکن چونکہ حال و ذوق اس میں پرتو ڈالتا ہے، (لہذا) وہ علم سبب حال بن جاتا ہے۔ نیز اس تجلی میں کثرت مشہود ہے، لیکن وحدت کا مظہر ہونے کی حیثیت سے۔ کثرت کا شہود جس حیثیت میں بھی ہو، وہ وبال ہی وبال ہے۔ چاہیے کہ باطن کی نظر میں کثرت اور شہود کثرت کا کوئی نام و نشان نہ رہے اور واحد حقیقی کے سوا کوئی مشہود نہ ہو، تاکہ فنا جو اس راستے کا پہلا قدم ہے، وہ میسر ہو جائے۔ کیونکہ فنا سے مراد باطن سے ماسوا کو بھلا دینا ہے۔ پس کثرت کی اس مقام میں کیا مجال ہے اور وہاں شہود کثرت کیا ہوگا؟

خطرہ (وسوسہ) کو وصل کے اسباب میں سے اور مشاہدہ کے دروازوں میں سے کہا ہے۔ اس وصل و مشاہدہ سے مراد وصل و مشاہدہ صوری ہے، جو کہ عین جدائی اور دوری ہے، کیونکہ جو وصل اس بلند گروہ کے اکابرین کے ہاں معتبر ہے، وہ بقا باللہ کے مقام میں حاصل ہے جو فنا اور سب ماسوا کے بھلا دینے کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ خطرہ (وسوسہ) کا وجود اس دولت کے منافی ہے اور وسوسہ کا حاصل ہونا اس اعزاز کے لیے رکاوٹ ہے۔ مقام فنا میں، جو کہ اس وصل کی چوکھٹ ہے، خطرہ (وسوسہ) اس طرح زائل ہو جاتا ہے کہ اگر تکلف کے ساتھ بھی چیزوں کو یاد دلائیں تو بھی (سالک) اس بھلا دینے کی وجہ سے جو اس کو ماسوا سے حاصل ہو چکا ہے، (ان کو) یاد نہیں کرتا۔

آپ نے لکھا تھا کہ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ مُّحِيطٌ (یعنی: اور وہ ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے)۔ احاطہ کا بیان اس عبارت میں نہیں آیا ہے۔ شاید وہ مُؤَلَّدِین (عجم میں پلنے والوں) کے کلام میں سے ہے، کیونکہ کلام عجم میں احاطہ کو کلمہ عَلٰی سے متعدی کرنا بہت آتا ہے اور عرب کی فصیح عبارتوں میں احاطہ کا تعدیہ کلمہ ”با“ کے ساتھ مشہور ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيطًا. (سورۃ نساء، ۱۲۶)

یعنی: اور اللہ ہر چیز پر احاطہ کیے ہوئے ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَلَا اِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيطٌ. (سورۃ حم سجدہ، ۵۴)

یعنی: سن لو کہ وہ ہر چیز پر احاطہ کیے ہوئے ہے۔

ظاہری طور پر معلوم ہوتا کہ اس عبارت کو قرآن (مجید) سے خیال کرتے ہوئے شہادت کے طور پر پیش کیا گیا ہے، جبکہ ایسا نہیں ہے۔ اس چیز کا بیان کلام مجید میں دوسری عبارات میں ہے، جیسا کہ (اوپر) بیان ہوا ہے۔

نیز آپ نے لکھا تھا کہ کثرت وہی اور تعدد اعتباری اس طرح جمع ہو گئی ہیں کہ اکثر علماء نے تعدد وجود کی غلطی میں مبتلا ہو کر مغز سے چھلکے پر اور دانہ سے پوست پر قناعت کر لی ہے۔ کثرت اور تعدد اگرچہ وہی اور اعتباری ہے، لیکن چونکہ اللہ جل سلطانہ کی ایجاد و تخلیق سے پیدا ہوا ہے، (لہذا) یقینی اور مستحکم ہے اور دنیا و آخرت کا معاملہ اس کے ساتھ وابستہ ہے اور خارجی عذاب و ثواب جس کی خبر خبر صادق (حضرت محمد مصطفیٰ) علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے دی ہے، وہ کثرت سے وابستہ ہے اور تعدد سے متعلق ہے۔ کثرت اور تعدد کے اٹھ جانے کا حکم کرنا بے دینی اور زندگی ہے۔ اَعَاذَنَا اللَّهُ سُبْحَانَهُ مِنْ ذٰلِكَ۔

یعنی: اللہ سبحانہ ہمیں اس سے محفوظ فرمائے۔

پس بلند صوفیہ اور علمائے کرام دونوں اس کثرت و تعدد کے ثبوت اور استمرار کے قائل ہیں اور آخرت کا دائمی معاملہ اس سے وابستہ سمجھتے ہیں، لیکن یہ کثرت عروج کے وقت چونکہ صوفیہ کے شہود سے اٹھ جاتی ہے، لہذا وہ اس کو وہی و اعتباری پاتے ہیں اور چونکہ نفس امر میں نہیں اٹھتی، اگرچہ شہود سے اٹھ جاتی ہے، لہذا علماء اس کو موجود سمجھتے ہیں۔ پس معنی میں اتفاق کرنے کے بعد فریقین کا جھگڑا محض لفظ کی حد تک رہ گیا ہے۔ معنی میں اتفاق کے بعد ہر ایک نے اپنی دریافت کے اندازے سے حکم لگایا ہے۔ صوفیہ نے شہود کا اعتبار کیا ہے اور شہود کے اٹھ جانے کو ملاحظہ کرتے ہوئے اس کے وہی و اعتباری ہونے کا حکم لگایا ہے اور علماء نے اس کے نفس امری ثبوت و استتقرار کو ملاحظہ کرتے ہوئے اس کے وجود کا حکم فرمایا ہے:

لِكُلِّ وَجْهَةٍ. (سورۃ بقرہ، ۱۴۸) یعنی: ہر (فرقے) کے لیے ایک سمت (مقرر) ہے۔

اس بات کو فقیر نے اپنے مکتوبات و رسائل میں تفصیل سے بیان کیا ہے اور فریقین کے جھگڑا کو لفظ کی حد تک رکھا ہے۔ اگر کوئی چیز مخفی رہ گئی ہو تو وہاں رجوع فرمایا جائے۔ علماء کی نظر صواب کے قریب ہے جو نفس امر کے مطابق ہے اور صوفیہ کی نظر سکر و غلبہ کے حال کے اعتبار سے ہے۔ ستارے دن میں پوشیدہ ہیں اور نفس امر میں ثابت (موجود) ہیں اور دیکھنے میں پوشیدہ ہیں۔ لہذا ستاروں کے ثبوت کا حکم کرنا صواب کے زیادہ قریب ہے، بہ نسبت اس کے کہ ستاروں کے عدم شہود (دکھائی نہ

دینے) کو ملاحظہ کرتے ہوئے ان کے نہ ہونے کا حکم لگایا جائے۔

جو علماء وجود کثرت کے قائل ہیں ان کا مقصد شریعت کو باقی رکھنا ہے، جس کی بنیاد تعدد پر ہے اور صاحب شریعت کے وعدہ اور وعید کا جاری کرنا ہے جو کثرت کے بغیر متصور نہیں ہے۔ صوفیہ بھی اس بات کے معترف ہیں۔ اگرچہ وہ تکلف کے ساتھ اس کی تطبیق شریعت سے کرتے ہیں۔ علماء نے جو یہ فرمایا ہے کہ وہ بے تکلف صادق ہے اور بغیر حیلہ کے مطابق ہے اور اس میں کوئی غبار اور کدورت نہیں، اس سے وہ وجود کا اثبات مستقل اور دائمی نہیں کرتے، تاکہ اعتراض کی گنجائش ہو اور واجب تعالیٰ کے ساتھ شرکت پیدا کرے، بلکہ وہ ایک ضعیف وجود کا اثبات کرتے ہیں جو ریزہ شدہ اور دوسرے سے مستعار لیا ہوا ہے۔ اس میں خطا کی گنجائش کہاں ہے؟ علماء جو دین کے اکابر ہیں، ان کی طرف غلط نسبت کرنا غلط محض اور محض غلطی ہے۔ ہم بعد میں آنے والوں نے دین و شریعت کو علماء ہی سے حاصل کیا ہے اور مذہب و ملت کو ان کی برکات سے اخذ کیا ہے۔ اگر ان پر طعن کی گنجائش ہو تو شریعت و ملت سے اعتماد اٹھ جائے گا۔ لہذا سلف (صالحین) پر طعن کرنے والے کو گمراہ اور بدعتی کہا گیا ہے اور اس کے طعن کو دین میں گمراہی و شک کے اسباب سمجھ کر اس کے باطل ہونے کا حکم کیا گیا ہے۔

آپ نے لکھا تھا کہ انہوں نے مغز سے پوست پر قناعت کر لی ہے۔ شاید کہ آپ نے صورتوں کو مغز خیال کر لیا ہے اور تنزیہ کو پوست۔ کیونکہ علماء کی دعوت و گرفتاری تنزیہ کے ساتھ ہے اور صاحب تجلی صوری کا مشہود اور مطلوب صورتیں اور شکلیں ہیں۔ انصاف کرنا چاہیے کہ مغز سے گرفتار کون ہے اور کون پوست سے خستہ حال ہو چکا ہے۔ وَانَّا أَوْ إِيَّاكُمْ لَعَلَىٰ هُدًى أَوْ فِى ضَلَالٍ مُّبِينٍ۔ (سورۃ سبا، ۲۴) یعنی: اور ہم یا تم (یا تو) سیدھے راستے پر ہیں یا صریح گمراہی میں۔

رَبَّنَا آتِنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً وَهَيِّءْ لَنَا مِنْ أَمْرِنَا رَشَدًا۔ (سورۃ کہف، ۱۰)

یعنی: اے ہمارے پروردگار! ہم پر اپنے ہاں سے رحمت نازل فرما اور ہمارے کام میں درستی (کے سامان) مہیا کر۔
وَالسَّلَامُ أَوَّلًا وَآخِرًا۔ یعنی: اور اوّل و آخر میں سلام ہو۔

مکتوب نمبر (۳۳)

ملائش کو تحریر فرمایا، شیخ شرف الدین یحییٰ منیری کی اس بات کی تحقیق میں جو انہوں نے کہا ہے کہ جب تک کافر نہ ہو جائے اور بھائی کا سر قلم نہ کر دے اور اپنی ماں کے ساتھ جفت نہ ہو، مسلمان نہیں ہو سکتا۔

ملائش استقامت سے رہیں! آپ نے پوچھا تھا کہ شیخ المشائخ شیخ شرف الدین یحییٰ منیری (رحمۃ اللہ علیہ) نے (اپنے) رسالہ ارشاد السالکین میں لکھا ہے کہ جب تک کافر نہ ہو جائے مسلمان نہیں ہوتا اور جب تک اپنے بھائی کا سر قلم نہ کرے، مسلمان نہیں ہو سکتا۔ اور جب تک اپنی ماں کے ساتھ جفت نہ ہو، مسلمان نہیں ہو سکتا۔ ان کلمات سے کیا مراد ہے؟
جاننا چاہیے کہ کفر سے مراد کفر طریقت ہے جو مرتبہ جمع سے عبارت ہے جو پوشیدگی کا مقام ہے۔ اور (یہ) اسلام کے حسن اور کفر کی برائی کے درمیان امتیاز نہ ہونے کا مقام ہے، بلکہ (سالک) اس مقام میں جس طرح اسلام کو خوب سمجھتا ہے، اسی طرح کفر کو بھی اچھا جانتا ہے اور ہر دو کو اسم الہادی اور اسم المصطل کا مظاہر پاتا ہے اور دونوں سے بہرہ حاصل کرتا ہے اور لطف اندوز ہوتا ہے۔ یہ وہ کفر ہے جس کی اطلاع منصور (حلاج رحمۃ اللہ علیہ) نے دی ہے اور وہ اس پر تھے اور اسی میں

انہیں موت آئی اور انہوں نے کہا۔ شعر:

كَفَرْتُ بِدِينِ اللَّهِ وَالْكَفْرُ وَاجِبٌ لَدَى وَ عِنْدَ الْمُسْلِمِينَ فَبَيْحٌ

یعنی: میں نے اللہ کے دین کا انکار کیا اور یہ انکار میرے نزدیک واجب اور مسلمانوں کے نزدیک معیوب ہے۔

قولِ اَنَا الْحَقُّ^(۱)، قولِ سُبْحَانِي^(۲) اور قولِ لَيْسَ فِيَّ جُبَّتِي سِوَى اللَّهِ^(۳) جیسی شطحات سب اسی (مرتبہ) جمع کے درخت کے پھل ہیں، جس کا سبب محبوب حقیقی کی حب کا تسلط اور محبت کا غلبہ ہے، کیونکہ محبوب کے علاوہ (ہر چیز) ان کی نظر سے پوشیدہ ہو گئی ہے اور محبوب کے سوا کچھ مشہود نہیں رہا اور یہ مقام، مقامِ جہل ہے اور مقامِ حیرت ہے۔ لیکن ایسا جہل ہے جو محمود ہے اور وہ حیرت ہے جو قابلِ ستائش ہے۔ جب اللہ سبحانہ کی عنایت سے اس مرتبہ جمع سے زیادہ بلند سیر واقع ہوتی ہے اور علم اس جہل کے ساتھ جمع ہوتا ہے اور معرفت حیرت کے ساتھ شامل ہوتی ہے اور فرق اور تمیز پیدا ہوتی ہے اور (ساک) سکر سے صحو میں آتا ہے تو اسلام حقیقی کی دولت ظہور فرماتی ہے اور ایمان کی حقیقت میسر ہو جاتی ہے اور یہ ایمان زوال سے محفوظ ہے اور کفر کی تروتازگی سے مامون ہے۔ ماثورہ دعاؤں میں آیا ہے: اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ اِيْمَانًا لَّیْسَ بَعْدَهُ كُفْرٌ۔^(۴) یعنی: اے اللہ! میں تجھ سے ایسا ایمان مانگتا ہوں جس کے بعد کفر نہ ہو۔

یہی وہ ایمان ہے جو زوال سے محفوظ ہے اور (اس آیت) کریمہ میں انہی اہل ایمان کے حال کی خبر ہے:

اَلَا اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ۔ (سورۃ یونس، ۶۲)

یعنی: سن لو کہ جو اللہ کے دوست ہیں ان کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمناک ہوں گے۔

کیونکہ ایمان کے بغیر ولایت متصور نہیں ہے۔ اگرچہ مرتبہ جمع میں بھی اسم ولایت کا اطلاق کیا جاسکتا ہے، لیکن اس مرتبہ کو ہر وقت نقص و قصور دامن گیر ہے، کیونکہ کمال ایمان اور معرفت میں ہے، نہ کہ کفر و جہل میں، خواہ کوئی سا کفر و جہل ہو۔ اس طرح درست ہوا جو کچھ شیخ (بیگی منیری رحمۃ اللہ علیہ) نے کہا کہ جب تک کفر طریقت متحقق نہ ہو جائے، اس وقت تک (ساک) اسلام کی حقیقت سے مشرف نہیں ہوتا۔

انہوں نے جو یہ کہا ہے کہ جب تک اپنے بھائی کو قتل نہ کرے (اس وقت تک) مسلمان نہیں ہوتا۔ اس سے انہوں نے بھائی سے مراد ہمزاد شیطان لی ہے جو اس (انسان) کا ساتھی ہے اور ہمیشہ اس کے شر و فساد کی جانب رہنمائی کرتا ہے۔ حدیث (نبوی) علیہ الصلوٰۃ والسلام میں آیا ہے کہ بنی آدم میں کوئی ایسا شخص نہیں ہے جس کا ساتھی ایک جن نہ ہو۔ عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کا ساتھی بھی جن ہے؟ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ میرے ساتھ بھی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے اس پر غلبہ بخشا ہے اور میں اس کے شر سے محفوظ ہوں۔^(۵)

یہ معنی اس صورت میں ہے کہ لفظ ”فَاسْلَمْ“، جو حدیث میں آیا ہے، وہ صیغہ متکلم میں روایت کیا جائے اور اگر اس کو صیغہ ماضی میں روایت کیا جائے تو معنی اس طرح ہوتے ہیں کہ ”میرا وہ ساتھی مسلمان ہو گیا ہے۔“ اور یہ آخری معنی مشہور ہیں اور اس ساتھی کے قتل کرنے سے مراد اس کی تابعداری نہ کرنا اور اسے خوار و ذلیل رکھنا ہے۔

سوال: (انسان) عقل و فراست کے باوجود اس شیطان سے کیوں مغلوب ہو جاتا ہے اور اس کی بری رہنمائی میں کیوں

جلدی کرتا ہے اور حق جل شانہ کی ناپسندیدہ باتوں کا کیوں مرتکب ہو جاتا ہے؟

جواب: شیطان فتنہ و بلا ہے جس کو حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ نے بندوں کی ابتلا و آزمائش کے لیے مسلط کیا ہے اور اس کو ان کی نظر سے پوشیدہ فرمایا ہے اور اس کے احوال پر ان کو آگاہ نہیں کیا اور اس کو ان کے احوال سے آگاہ کر دیا ہے اور اس کو ان کے خون اور رگوں میں جاری کر دیا ہے۔ بڑا ہی سعادتمند ہے وہ شخص جو اس طرح کی بلا کے فریب و مکر سے اللہ جل شانہ کے فضل سے محفوظ رہے۔ اس کے باوجود حق سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے کلام مجید میں اس کے فریب کو ضعف سے یاد فرمایا ہے اور سعادتمندوں کو دلیر بنایا ہے۔ جی ہاں! اللہ جل شانہ کی مدد سے شیطان اس تسلط کے باوجود لومڑی کا حکم رکھتا ہے اور اس کے فضل کی مدد کے بغیر وہ شیر درندہ ہے:

تو مرا دل دہ و دلیری میں روباہ خولش خواں و شیریں میں

یعنی: تو مجھے دل دے اور میری دلیری دیکھ۔ مجھے اپنی لومڑی کہہ اور پھر میری بہادری دیکھ۔

دوسرا جواب: یہ ہے کہ شیطان آدمی کی خواہشات کے راستے سے (اس میں) داخل ہوتا ہے اور اس کی آرزوؤں کی جانب اس کی رہنمائی کرتا ہے۔ ناچار نفس امارہ، جو اس کا گھر کا دشمن ہے، اس کی مدد سے اس پر فتح حاصل کر لیتا ہے اور اس کو اپنا مطیع بنا لیتا ہے۔ شیطان کا فریب اپنی ذات کی حد تک کمزور ہے جو گھر کے دشمن کی مدد سے اپنا کام کرتا ہے۔ درحقیقت ہماری بلا ہمارا نفس امارہ ہے جو ہمارا جانی دشمن ہے۔ کوئی شخص بھی اس کمینے کے سوا اپنا دشمن نہیں ہے۔ بیرونی دشمن بھی اس کی مدد سے اپنا کام کرتا ہے۔ لہذا پہلے اپنے نفس کا سر کاٹنا چاہیے اور اپنے نفس کی فرمانبرداری سے باہر نکلنا چاہیے اور اس کو خوار و ذلیل رکھنا چاہیے۔ بھائی کا سر بھی اس جہاد کے ضمن میں کٹ جائے گا اور وہ بھی خوار اور ذلیل ہو جائے گا۔ اس راستے کے شخص کا حجاب آدمی کا نفس ہے اور بھائی بحث سے خارج ہے جو دور سے برائیوں کی دعوت دیتا ہے اور صراطِ مستقیم سے ٹیڑھے راستوں کی طرف بلاتا ہے۔ نفس کے مطیع ہونے کے بعد اللہ جل شانہ کی مدد سے اس بیرونی دشمن کو دفع کرنا آسان ترین طریقہ سے متصور ہے: إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ. (سورہ بنی اسرائیل، ۶۵)

یعنی: جو میرے (مخلص) بندے ہیں، ان پر تیرا کچھ زور نہیں۔

ان بندوں کے لیے ایک بشارت ہے جو نفس کی غلامی سے آزاد ہو گئے ہیں اور معبودِ حقیقی کی عبادت میں مشغول ہیں۔ وَاللّٰهُ سُبْحٰنَهُ الْمُؤَفَّقِ. یعنی: اور اللہ سبحانہ ہی توفیق بخشنے والا ہے۔

نیز جو یہ کہا گیا ہے کہ جب تک ماں سے جفت نہ ہو، مسلمان نہیں ہو سکتا۔ ہو سکتا ہے کہ اس کی ماں سے مراد اس کا عین ثابتہ لیا گیا ہو جو کہ خارج میں اس کے وجود کے ظہور کا سبب ہے اور اس گروہ (صوفیہ عالیہ) کی اصطلاح میں عین ثابتہ کو ”ماں“ سے تعبیر کرتے ہیں۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں، شعر:

وَلَدْتُ اُمِّيْ اَبَاَهَا اِنَّ ذَا مِنْ عَجَبَاتٍ

یعنی: میری ماں نے اپنے باپ کو جنا ہے، بیشک یہ چیز عجائبات میں سے ہے۔

ماں سے مراد اپنا عین ثابتہ لیا گیا ہے اور اس ماں کے باپ سے مراد وہ اسم الہی جل شانہ لیا گیا ہے، جس اسم کا ظل و

عکس اور پرتو عین ثابتہ ہے اور چونکہ اس اسم الہی جل شانہ کا خارج میں ظہور اس عین ثابتہ کے واسطے سے ہوا ہے، لہذا اس ظہور سے ”ولادت“ تعبیر کی گئی ہے۔ الغرض صوفیہ اسے ماں کہتے ہیں اور عین ثابتہ بھی کہتے ہیں اور اس عین ثابتہ کو تعین وجوبی کہتے ہیں۔ کیونکہ اس بلند گروہ (صوفیہ) کے نزدیک تعینات پانچ ہیں جن کو تنزلاتِ خمسہ کہتے ہیں اور حضراتِ خمس بھی کہتے ہیں۔ دو تعین مرتبہ وجوب میں ثابت کرتے ہیں اور تین تعین مرتبہ امکان میں ثابت کرتے ہیں اور دو تعین وجوبی تعین وحدت اور تعین واحدیت ہیں جو دونوں مرتبہ علم میں ہیں اور فرق صرف اجمال و تفصیل علمی کا ہے۔ تین تعین جو مرتبہ امکان میں ثابت کرتے ہیں وہ تعین روجی ہے اور تعین مثالی ہے اور تعین جسدی ہے۔ چونکہ عین ثابتہ مرتبہ واحدیت میں ہے، لہذا ناچار اس کا تعین وجوبی ہوا اور چونکہ اس شخص ممکن کی حقیقت وہی عین ثابتہ ہے جو کہ تعین وجوبی رکھتا ہے اور یہ شخص اس عین کے لیے ظل کی مانند ہے، پس اس شخص کی ماں عالم وجوب سے ہوگی جس کو اس نے عالم امکان میں ظہور دیا ہے۔ ماں کے ساتھ جفت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس شخص کا یہ تعین امکانی اس تعین وجوبی کے ساتھ متحد ہو جائے جو اس کی حقیقت ہے:

چو ممکن گردد امکان بر فشانند بجز واجب درو چیزے نماند

ترجمہ: جب امکان کی دھول ممکن سے دور ہو جاتی ہے تو اس میں واجب کے سوا کوئی چیز نہیں رہتی۔

یعنی اس کا تعین امکانی اس کی نظر سے پوشیدہ ہو جاتا ہے اور وہ اپنی انا کو تعین وجوبی پر اطلاق کرتا ہے۔ لیکن اس معنی سے نہیں کہ یہ تعین امکانی نفس امر میں تعین وجوبی کے ساتھ متحد ہو جاتا ہے، جو کہ محال ہے اور بے دینی اور زندگی کو لازم کرتا ہے۔ اس لیے کہ یہاں معاملہ شہود کا ہے۔ اگر تعین کا زوال ہے تو شہود سے تعلق رکھتا ہے اور اگر اتحاد ہے تو بھی شہود ہی (سے متعلق) ہے۔ شعر:

نہ آں ایں گردد و نے ایں شود آں ہمہ اشکال گردد بر تو آساں

یعنی: نہ وہ یہ بنتا ہے اور نہ یہ وہ ہوتا ہے، سب اشکال تجھ پر آساں ہو جائیں گے۔

جب اس شخص نے اپنے اس تعین کو اس تعین کے ساتھ متحد پایا تو اس کا امیدوار ہوا کہ امکان کی آلودگیوں سے آزاد ہو جائے گا اور اسلام اور فرمانبرداری کی دولت سے مرتبہ وجوب سے مشرف ہو جائے گا۔

جاننا چاہیے کہ تنزلاتِ خمسہ جو کہ (صوفیہ نے) بیان کیے ہیں، وہ وجود میں صرف اعتبارات ہیں اور کشف و شہود سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ نہیں ہے کہ ان میں درحقیقت تنزل و تغیر اور تبدیلی ہے۔

فَسُبْحَانَ مَنْ لَا يَتَغَيَّرُ بَدَاتِهِ وَلَا بِصِفَاتِهِ وَلَا فِي أَسْمَائِهِ بِحُدُوثِ الْأَكْوَانِ.

یعنی: سو پاک ہے وہ ذات جو کون و مکان کے حدوث سے اپنی ذات و صفات اور اسماء میں متغیر نہیں ہوتی۔

صوفیہ اپنی دید کے انداز سے، جو کہ سکر و غلبہ حال پر مشتمل ہے، کچھ چیزیں اپنی زبان پر لاتے ہیں، جن کو ظاہر پر محمول نہیں کرنا چاہیے اور ان کی تاویل و توجیہ میں مشغول ہونا چاہیے۔ فَإِنَّ كَلَامَ الشُّكْرَاءِ يُحْمَلُ وَيُصْرَفُ عَنِ الظَّاهِرِ وَاللَّهُ سُبْحَانَهُ أَعْلَمُ بِحَقَائِقِ الْأُمُورِ كُلِّهَا۔ یعنی: کیونکہ بلاشبہ اہل سکر کا کلام ظاہر سے موڑا اور پھیرا جاتا ہے اور سب امور کے حقائق کو اللہ سبحانہ ہی خوب جانتا ہے۔

چونکہ آپ نے یہ تشویش انگیز باتیں ایک بزرگ سے نقل کی ہیں، لہذا ضرورت کے تحت ان کے حل میں ایک چیز لکھی گئی ہے، ورنہ یہ فقیر اس قسم کی مخالف نمائندگیوں میں خود کو مصروف نہیں کرتا اور ان کے رد و قبول میں لب کشائی نہیں کرتا۔ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَاسْرَفَنَا فِيْ اَمْرِنَا وَتَبَّتْ اَقْدَامُنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِيْنَ. (سورۃ آل عمران، ۱۳۷) یعنی: اے ہمارے پروردگار! ہمارے گناہ اور زیادتیاں جو ہم اپنے کاموں میں کرتے رہے ہیں، معاف فرما اور ہم کو ثابت قدم رکھ اور کافروں پر فتح عنایت فرما۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ اَوَّلًا وَآخِرًا وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِهِ دَائِمًا وَّسَرْمَدًا وَعَلٰی اٰلِهِ الْكَرَامِ وَصَحْبِهِ الْعِظَامِ اِلٰی يَوْمِ الْقِيَامِ. یعنی: اوّل و آخر میں سب تعریفیں اس اللہ کی جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی آل کرام اور صحابہ عظام پر روز قیامت تک دائمی وابدی طور پر درود و سلام ہو۔

مکتوب نمبر (۳۴)

میر محمد امین کی والدہ ^(۱) کو تحریر فرمایا۔ نصیحت اور ذکر الہی کی ترغیب اور دنیا کی محبت سے پرہیز (کے بارے) میں۔ جو نصیحت کی جاتی ہے، وہ یہ ہے: اوّل اہل سنت و جماعت شکر اللہ تعالیٰ سَعِيْهُمْ (اللہ تعالیٰ ان کی کوشش کو مشکور فرمائے) جو فرقہ ناجیہ ہیں، کی آرا کے مطابق عقائد کو درست کریں۔ عقائد کی تصحیح کے بعد فقہی احکام کی رو سے عمل کرنا ضروری ہے، کیونکہ جن کاموں کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے ان کی بجا آوری سے چارہ نہیں ہے۔ اور جن سے منع کیا گیا ہے ان سے بچنے کے بغیر گزارا نہیں ہے۔

پانچ وقت کی نماز بغیر سستی اور بغیر فتور کے اس کی شرائط کے مطابق اور اراکین کی تعدیل کے ساتھ ادا کرنی چاہیے اور صاحبِ نصاب ہونے کی صورت میں زکوٰۃ کی ادائیگی کے بغیر بھی چارہ نہیں ہے۔ (حضرت) امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عورتوں کے زیور کی زکوٰۃ دینے کا فرمایا ہے۔

اپنے اوقات کو کھیل کود میں صرف نہیں کرنا چاہیے اور قیمتی عمر کو لغو و بیہودہ کاموں میں ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ پس جن کاموں سے منع کیا گیا ہے اور جن کی شرعی طور پر ممانعت ہے ان میں زندگی کو صرف کیسے کیا جاسکتا ہے۔ سرود اور نغمہ کی رغبت نہ کریں اور ان کی لذتوں پر فریفتہ نہ ہوں، کیونکہ ان میں شہد میں ملا ہوا ایک زہر ہے اور ایک شکر آلودہ زہر ہے۔ لوگوں کی غیبت اور نکتہ چینی سے خود کو محفوظ رکھیں، کیونکہ ان دو برے امور کے ارتکاب پر شرعی وعیدیں وارد ہوئی ہیں۔ جھوٹ بولنے اور بہتان لگانے سے بچنا بھی ضروری ہے، کیونکہ یہ دونوں برائیاں تمام مذاہب میں حرام ہیں اور ان کا ارتکاب کرنے والوں کے لیے وعیدیں مقرر ہیں۔ خلقت کے عیبوں کو چھپانا اور لوگوں کے گناہوں اور ان کی خطاؤں کو درگزر کرنا اور معاف کرنا بڑے ہمت کے کاموں میں سے ہے اور غلاموں اور نوکروں پر مشفق اور مہربان رہنا چاہیے اور ان کی کوتاہیوں پر گرفت نہیں کرنی چاہیے اور موقع بے موقع ان بے نصیبوں کو مارنا اور گالی دینا اور تکلیف پہنچانا نامناسب اور نازیبا ہے اور اپنی کوتاہیوں پر نظر کرنی چاہیے جو اللہ جل شانہ کی جناب پاک میں ہر گھڑی واقع ہوتی ہیں اور حق تعالیٰ ان کے مواخذے میں جلدی نہیں فرماتا اور رزق کو نہیں روکتا۔

عقائد کی تصحیح کے بعد اور فقہی احکام کی بجا آوری کے بعد اپنے اوقات کو اللہ جل شانہ کے ذکر میں مستغرق کرنا چاہیے اور

ذکر کا طریقہ جس طرح اخذ کیا ہے، اس کے مطابق عمل کرنا چاہیے اور جو چیز اس کے منافی ہو اس کو اپنا دشمن خیال کرتے ہوئے اس سے بچنا لازمی سمجھنا چاہیے۔ شعر:

ہر چہ جز ذکر خدائے احسن است گر شکر خوردن بود جان کندن است

یعنی: اللہ تعالیٰ کے ذکر کے سوا جو کچھ جتنا بھی اچھا ہے، خواہ شکر کھانا ہو، وہ بھی عذاب ہے۔

آپ کو حاضری کے وقت بھی کہا گیا ہے کہ جس قدر شرعی امور میں احتیاط کی جائے گی، اُسی قدر اس کی مشغولی میں اضافہ ہوگا۔ اور اگر شرعی امور میں سستی کریں گے تو وہ مشغولی کی شیرینی اور لذت کو برباد کر دے گی۔ (فقیر اس سے) زیادہ کیا لکھے؟ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ اَعْلَمُ۔ یعنی: اور اللہ سبحانہ ہی بہتر جانتا ہے۔

مکتوب نمبر (۳۵)

میرزا منوچر کو تحریر فرمایا۔ تعزیت و نصیحت اور جوانی کو نصیحت سمجھنے (کے بارے) میں۔

حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ سعادت عادات بر خوردار کو خوش وقت اور جمعیت (کے ساتھ) رکھے اور اس کے گزشتہ غم اور دکھ کی احسن طریقے سے تلافی فرمائے۔

اے نیک بخت فرزند! اٹھتی جوانی جس طرح خواہش و ہوس کا وقت ہے اُسی طرح علم و عمل کے حاصل کرنے کا زمانہ ہے۔ ہر عمل جو اس وقت میں شہوانی و غضبی اور نفسانی رکاوٹوں کے غلبہ کے باوجود روشن شریعت کے مطابق کیا جائے، وہ اس عمل سے کئی گنا زیادہ برتری اور اعتبار و اعتماد رکھتا ہے جو اس وقت کے علاوہ ادا کیا جائے، کیونکہ کسی رکاوٹ کا وجود، جو رنج اور محنت کا موجب ہوتا ہے، وہ اس عمل کی شان کو آسمان پر لے جاتا ہے اور مانع کا نہ ہونا جو مشقت و نفرت کے نہ ہونے کو لازم کرتا ہے، اس (عمل) کے معاملہ کو زمین پر گرادیتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ خواص بشر (انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام) خواص فرشتوں سے افضل ہیں، کیونکہ بشر کی اطاعت رکاوٹوں سے ملی ہوئی ہے اور فرشتوں کی عبادت رکاوٹوں کی مزاحمت کے بغیر ہے۔ جیسے کہ سپاہی جو حکومت کے محافظ ہیں، ان کے اعتبار و اعتماد کا وقت دشمنوں کے غلبے کا وقت ہوتا ہے۔ ان کا اس وقت کا تھوڑا تردد اس وقت کے علاوہ کسی اور موقع پر واقع ہونے والے بڑے تردد سے کئی گنا زیادہ برتری اور اعتبار رکھتا ہے۔

ظاہر ہے کہ خواہش و ہوس اللہ کے دشمنوں کی پسندیدہ (چیز) ہے جو نفس اور شیطان ہیں اور علم و عمل روشن شریعت کے تقاضا سے حضرت رحمان جل سلطانہ کے پسندیدہ ہیں۔ عقل و ذہانت سے دور ہے کہ مولیٰ (تعالیٰ) کے دشمنوں کو راضی رکھیں اور مولیٰ جو نعمتیں بخشے والا ہے، وہ ناراض ہو۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ الْمُؤَفَّقِ۔ یعنی: اور اللہ سبحانہ تو نفع بخشنے والا ہے۔

مکتوب نمبر (۳۶)

جناب میر محمد نعمان کو تحریر فرمایا، عذاب قبر کے منکرین کے شبہات کو دور کرنے (کے بیان) میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ (سورۃ نمل، ۵۹)

یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے ان بندوں پر سلام ہو، جن کو اس نے منتخب فرمایا۔

کچھ لوگ عذابِ قبر، جو صحیح مشہور حدیثوں، بلکہ قرآن (کریم) کی آیتوں سے بھی ثابت ہے، کے بارے میں تردد رکھتے ہیں، بلکہ نزدیک ہے کہ وہ اس کے محال ہونے اور انکار کا یقین کر لیں۔ ان کے اشتباہ کا پیشوا دفن نہ ہونے والے مردوں کے حالات کا احساس ہے کہ وہ ایک ہی طریقے پر، دوام و ہمیشگی اور استقامت کے ساتھ رہتے ہیں جو کہ عذاب و دکھ کے منافی ہے، کیونکہ ہلنا اور پریشان ہونا اس (عذاب و دکھ) کے لوازمات میں سے ہے؟

جواب: اس اشکال کا حل یہ ہے کہ عالم برزخ کی زندگی، جس کا مقام قبر ہے، دنیاوی زندگی کی مانند نہیں ہے، جس کے لیے حرکتِ ارادی اور احساسِ ہر دو لازم ہیں، کیونکہ اس جہاں کا انتظام ان دونوں امور سے وابستہ ہے اور برزخ کی زندگی میں حرکت کی کوئی ضرورت نہیں ہے، بلکہ وہ برزخی زندگی کے منافی ہے۔ وہاں صرف احساس ہی کافی ہے جو دکھ اور عذاب کو پاتا ہے۔ لہذا برزخ کی زندگی دنیاوی زندگی کا نصف ہے اور یہاں روح کا بدن کے ساتھ تعلق بھی روح کے بدن کے ساتھ اس تعلق کا آدھا حصہ ہے جو دنیا کی زندگی میں رہا ہے۔ پس جائز ہے کہ دفن نہ ہونے والے مردے برزخی زندگی میں عذاب و دکھ کا احساس کرتے ہیں اور ان سے برزخی زندگی میں کوئی حرکت اور اضطراب ظاہر نہیں ہوتا اور جو کچھ مخرصادق (حضرت محمد مصطفیٰ) علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والتسلیمات اتمہا واکملہا نے فرمایا ہے، وہ سچ ہے۔

یہ کہ ہم کہتے ہیں اور اس اشکال کی اصل اور اس جیسے دوسرے اشکالات کا حل (یوں) نکالتے ہیں کہ نبوت کا انداز عقل و فکر کے طریقے سے بالاتر ہے، جن امور کے ادراک سے عقل و فکر قاصر ہے، ان امور کو نبوت کے انداز سے ثابت کیا جاتا ہے اور اگر عقل ہی کافی ہوتی تو پھر انبیاء صلوٰۃ اللہ تعالیٰ و تسلیماتہ سبحانہ علیہم اجمعین کس لیے مبعوث ہوتے اور آخرت کے عذاب کو ان کی بعثت سے کیوں متعلق کیا جاتا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا (سورۃ بنی اسرائیل، ۱۵) یعنی: اور جب تک ہم پیغمبر نہ بھیج لیں، عذاب نہیں دیا کرتے۔

عقل اگرچہ حجت ہے، لیکن حجت بالغہ نہیں ہے اور اپنی حجیت ہونے میں کامل نہیں ہے۔ حجت بالغہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کی بعثت سے ثابت ہوئی ہے اور اس نے مکلف بندوں کے عذر کی زبان بند کر دی ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے: رُسُلًا مُّبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ ط وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا (سورۃ نساء، ۱۶۵) یعنی: (سب) پیغمبروں کو (اللہ نے) خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا تھا، تاکہ پیغمبروں کے آنے کے بعد لوگوں کو اللہ پر الزام کا موقع نہ رہے اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔

جب عقل کا ادراک بعض امور میں قاصر ثابت ہو گیا تو پھر تمام شرعی احکام کو عقل کی میزان پر تولنا اچھا نہیں ہے۔ درحقیقت اس کی مطابقت کو لازم کرنا عقل کے استقلال کا حکم لگانا ہے اور (یہ) نبوت کے انداز کا انکار کرنا ہے۔ اَعَاذَنَا اللَّهُ سُبْحَانَهُ ذَلِكْ۔ یعنی: اللہ سبحانہ، ہمیں اس سے محفوظ فرمائے۔

سب سے پہلے رسول پر ایمان لانے کی فکر کرنی چاہیے اور اس کی رسالت کی تصدیق کرنی چاہیے، تاکہ تمام احکام میں اس کو سچا سمجھا جائے۔ اس کے وسیلہ سے شکوک و شبہات کے اندھیروں سے خلاصی میسر آئے۔ اصل کو معقول بنانا چاہیے، تاکہ فروع بلا تکلف معقول اور معلوم ہو جائیں۔ ہر فرع کو اصل کے ثبوت کے بغیر معقول بنانا بہت مشکل ہے۔ اس تصدیق اور دل

کا اطمینان حاصل کرنے کے لیے سب سے قریب طریقہ اللہ جل شانہ کا ذکر ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے: **اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ**۔ **اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوبٰى لَهُمْ وَحُسْنُ مَّآبٍ**۔ (سورۃ رعد، ۲۸-۲۹) یعنی: سن لو کہ اللہ کی یاد سے دل آرام پاتے ہیں۔ جو لوگ ایمان لائے اور عمل نیک کیے ان کے لیے خوشحالی اور عمدہ ٹھکانا ہے۔

نظر اور استدلال کے راستے سے اس بلند مطلب تک پہنچنا، بہت ہی زیادہ دور ہے:

پائے استدلالیاں چوبیس بود پائے چوبیس سخت بے تمکلیں بود
یعنی: استدلال کرنے والوں کے پاؤں لکڑی کے ہوتے ہیں اور لکڑی کے پاؤں سخت کمزور ہوتے ہیں۔

جاننا چاہیے کہ انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کی تقلید کرنے والا ان کی نبوت کے اثبات کے بعد اور ان کی رسالت کی تصدیق کے بعد استدلال کرنے والوں میں سے ہے۔ اس وقت ان اکابر کی باتوں کی تقلید کرنا اس کے لیے عین استدلال ہے۔ مثلاً ایک شخص جس نے اصل کو استدلال کے ساتھ ثابت کیا ہو، اس وقت جو فروغ اس اصل سے جاری ہوں گی، وہ سب اس استدلال سے مستند ہوں گی اور اصل کے استدلال سے تمام فروغ کے اثبات میں وہ استدلال کرنے والا ہوگا۔ **اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰنَا لِهٰذَا قَفْ وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا اَنْ هَدٰنَا اللّٰهُ ۚ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلٌ رَبَّنَا بِالْحَقِّ** (سورۃ اعراف، ۴۳) یعنی: اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جس نے ہمیں اس طرف کا راستہ دکھایا۔ اگر وہ ہم کو ہدایت نہ بخشا تو ہم ہرگز راستہ نہ پاتے۔ بیشک ہمارے پروردگار کے رسول حق کے ساتھ آئے ہیں۔

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اَتَّبَعَ الْهُدٰی۔ (سورۃ طہ، ۴۷)

یعنی: اور جو شخص ہدایت کی بات مانے، اُس کو سلامتی نصیب ہو۔

مکتوب نمبر (۳۷)

مولانا محمد طاہر بدخشی کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں جو کچھ جمیل مطلق کی طرف سے آئے، وہ جمیل ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ دَائِمًا عَلٰی كُلِّ حَالٍ۔

یعنی: ہمیشہ اور ہر حال میں سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔

آپ پر اگندہ خبروں سے پریشان نہ ہوں اور دل تنگ نہ ہوں۔ جو کچھ جمیل مطلق (اللہ) جل شانہ کی طرف سے ظاہر ہوتا ہے وہ خوبصورت ہوتا ہے۔ خواہ وہ جلال کی صورت میں ظاہر ہو، لیکن وہ حقیقت میں جمال ہی ہوتا ہے۔ یہ بات تکلف سے کہنے پر محمول نہیں اور محض سخن گوئی نہیں ہے، کیونکہ یہ مکمل حقیقت رکھتی ہے اور بالکل مغز ہے۔ کہنے اور لکھنے میں نہیں سما سکتی۔ اگر دنیا میں ملاقات میسر ہوگئی تو خوب، ورنہ آخرت کا معاملہ قریب ہے۔ **اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ** ^(۱) (آدمی اس کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت کرتا ہے) کی بشارت دور پڑے ہوئے لوگوں کے لیے تسلی بخش ہے۔

آپ نے جو مکتوب شریف درویش محمد علی کشمیری کے ذریعے ارسال کیا تھا، وہ پہنچا اور جو کچھ لکھا تھا (فقیر) اُس سے آگاہ ہوا۔ جواب میں وقت کے تقاضا سے جو ہوسکا، وہ لکھا ہے۔ آپ کے فرزند اور دوست جمعیت (سکون) کے ساتھ رہیں

اور اپنے مقام پر ثابت رہیں اور حق تعالیٰ کی قضا پر راضی رہیں۔

مکتوب نمبر (۳۸)

ملا ابراہیم کو تحریر فرمایا۔ ان کے ایک سوال، جو انہوں نے حدیث: سَتَفْتَرُقُ أُمَّتِي^(۱) (یعنی: آئندہ میری امت فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی) کے معنی کے بارے میں کیا تھا، کے جواب میں اور اربابِ فقر کے درجہ کی تحقیق کے بیان میں۔

جاننا چاہیے کہ آنسور علیہ علیہ الصلوٰات والتسلیمات کا قول ”كُلُّهُمْ فِي النَّارِ إِلَّا وَاحِدَةً“ (سارے دوزخی ہیں، سوائے ایک فرقہ کے) جو اس امت کے بہتر فرقوں میں تقسیم ہونے والی حدیث میں مذکور ہے۔ اس سے مراد ان کا آگ میں داخل ہونا اور عذاب سے دوچار ہونا ہے۔ یہ مراد نہیں ہے کہ وہ ہمیشہ آگ میں رہیں گے اور ہمیشہ عذاب میں ہوں گے، کیونکہ یہ ایمان کے منافی ہے اور کافروں کے لیے مخصوص ہے۔

مختصر یہ کہ چونکہ ان کے آگ میں داخل ہونے کا سبب ان کے برے عقائد ہیں، لہذا مجبوراً سب آگ میں داخل ہوں گے اور اپنے عقائد کی خباثت کے مطابق عذاب پائیں گے۔ برخلاف اس ایک فرقہ کے جن کے عقائد آگ سے نجات بخشنے والے ہیں اور ان کی فلاح کا سبب ہیں۔ اس قدر ہے کہ اگر ان میں سے بھی بعض برے اعمال کا ارتکاب کریں گے اور وہ اعمال توبہ و شفاعت سے معاف نہ ہوئے تو جائز ہے کہ (اپنے) گناہ کی مقدار کے مطابق آگ کے عذاب میں مبتلا ہوں اور آگ میں داخل ہونا ان کے حق میں متحقق ہو جائے۔ پس دوسرے فرقوں کے تمام افراد کا آگ میں داخل ہونا ثابت ہے، اگرچہ ہمیشہ کے لیے نہ ہو۔ اس فرقہ ناجیہ کے حق میں دوزخ میں داخل ہونا بعض افراد کے لیے مخصوص ہے، جنہوں نے برے اعمال کا ارتکاب کیا ہے اور کلمہ کُلُّهُمْ میں اسی بیان کی ایک رمز ہے، جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔

چونکہ یہ بدعتی فرقے اہل قبلہ ہیں، (لہذا) ان کو کافر کہنے کی جرأت اس وقت تک نہیں کرنی چاہیے جب تک کہ وہ دینی ضروریات کا انکار نہ کریں اور شرعی احکام کے متواترات کا رد نہ کریں اور دین کی جو باتیں یقینی ہیں ان کو قبول نہ کریں۔ علماء نے فرمایا کہ اگر کفر کی ننانوے وجوہات ظاہر ہو جائیں اور اسلام کی ایک وجہ پائی جائے تو اس ایک وجہ اسلام کی تصحیح (قبول) کرنی چاہیے اور کفر کا حکم نہیں لگانا چاہیے۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ اَعْلَمُ وَكَلِمَتُهُ اَحْكَمُ۔ یعنی: اور اللہ سبحانہ خوب جانتا ہے اور اسی کا کلام زیادہ مضبوط ہے۔

نیز جاننا چاہیے کہ اس آدھے دن سے مراد جو اس امت کے غریب لوگ امیروں سے پہلے بہشت میں جائیں گے، دنیا کے پانچ سو سال کی مدت ہے۔ کیونکہ حق تعالیٰ کے نزدیک (قیامت کا) ایک دن ہزار سال (کے برابر) ہے۔ (یہ آیت) کریمہ اس معنی کی شاہد ہے: وَإِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَأَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّونَ۔ (سورۃ حج، ۴۷)

یعنی: اور بیشک تمہارے پروردگار کے نزدیک ایک روز تمہارے حساب کی رو سے ہزار سال کے برابر ہے۔

اس مدت کی صورت اللہ جل شانہ کے علم کے سپرد ہے، بغیر اس کے کہ (دنیا میں) متعارف دن و رات اور سال و مہینے

ثابت ہوں۔

فقیر سے مراد فقیر صابر ہے جس نے شرعی احکام کے بجالانے کو لازم پکڑا ہے اور شرعی ممنوعات سے پرہیز فرمایا ہے اور فقر میں درجات و مراتب ہیں، جن میں سے بعض بعض سے اوپر ہیں۔ ان مراتب کا اعلیٰ مرتبہ مقام فنا میں صورت پکڑتا ہے جو حق جل شانہ کے علاوہ ہر چیز کو فنا بنا ڈالتا ہے اور بھلا دیتا ہے۔ جو شخص فقر کے تمام مراتب کا جامع ہے، وہ اس سے افضل ہے جو ان مراتب میں سے بعض کو رکھتا ہو اور بعض کو نہ رکھتا ہو۔ پس فنا کے باوجود جو (سالك) ظاہری فقر بھی رکھتا ہے وہ اس سے افضل ہے جو ظاہری فقر نہیں رکھتا۔ پس اس کو خوب سمجھ لو۔

مکتوب نمبر (۳۹)

مولانا محمد صادق کشمیری کو تحریر فرمایا۔ صوفیہ کے علم یقین اور ارباب معقول (فلاسفہ) کے علم یقین کے درمیان فرق کے

بیان میں۔

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰی. (سورۃ نمل، ۵۹)

یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے ان بندوں پر سلام ہو، جن کو اس نے منتخب فرمایا۔

(سوال:): صوفیہ کے نزدیک علم یقین سے مراد ایسا یقین ہے جو اثر سے مؤثر کی جانب استدلال کرنے سے حاصل ہوتا ہے اور جب یہ معنی اہل نظر اور اہل استدلال کو بھی میسر ہے تو پھر صوفیہ کے علم یقین اور ارباب معقول (فلاسفہ) کے علم یقین کے درمیان کیا فرق ہے؟ اور صوفیہ کا علم یقین کشف و شہود میں کیوں داخل ہے؟ اور علماء کا علم یقین کس وجہ سے نظر و فکر کی تنگی سے باہر نہیں آتا؟

(جواب:): جاننا چاہیے کہ دونوں گروہوں (صوفیہ و علماء) کے علم یقین میں اثر کا شہود لازم ہے، تاکہ اس وجہ سے مؤثر کا سراغ لگایا جاسکے جو کہ غیر مشہود ہے۔

مختصر یہ کہ جو تعلق اثر اور مؤثر کے درمیان حاصل ہے اور اثر کے وجود سے مؤثر کے وجود کی جانب منتقل ہونے کا سبب ہے، صوفیہ کے علم یقین میں وہ ربط بھی کشف و مشہود ہے اور اہل استدلال (فلاسفہ) کے علم یقین میں وہ ربط نظری ہے جو کہ فکر و دلیل کا محتاج ہے۔ اس طرح مجبوراً پہلے گروہ (صوفیہ) کے لیے اثر کے وجود سے مؤثر کے وجود تک منتقل ہونا حدی، بلکہ بدیہی ہوتا ہے اور دوسرے گروہ (علماء) کے لیے یہ نظری و فکری انتقال ہے۔ پس پہلے گروہ کا یقین کشف و شہود میں داخل ہوتا ہے اور دوسرے گروہ کا یقین استدلال کی تنگی سے باہر نہیں آتا۔ صوفیہ کے علم یقین میں استدلال کا اطلاق کرنا ظاہر و صورت پر مبنی ہے جو اثر سے مؤثر کی جانب انتقال پر شامل ہے اور درحقیقت کشف و شہود ہے۔ برخلاف علماء کے علم یقین کے جو حقیقت میں استدلالی ہے اور چونکہ یہ باریک فرق اکثر لوگوں پر مخفی رہا ہے، لہذا مجبوراً وہ مرتبہ حیرت میں رہ گئے ہیں۔ ان میں سے ایک جماعت نے اپنی نارسائی کی وجہ سے بعض بزرگوں پر اعتراض کی زبان دراز کی ہے، جنہوں نے صوفیہ کے علم یقین کی تفسیر اثر سے مؤثر کی جانب استدلال سے کی ہے اور یہ سب حقیقت حال کی اطلاع نہ ہونے کی وجہ سے ہے۔ وَاللّٰهُ يُحَقِّقُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيلَ. یعنی: اور اللہ تعالیٰ ہی حق بات کو ثابت کرتا ہے اور وہی سیدھے راستے کی ہدایت بخشتا ہے۔

وَالسَّلَامُ عَلَىٰ مَنْ اتَّبَعَ الْهُدٰی. (سورۃ طہ، ۴۷)

یعنی: اور جو شخص ہدایت کی بات مانے، اُس کو سلامتی نصیب ہو۔

مکتوب نمبر (۴۰)

خواجہ حسام الدین احمد کی خدمت میں تحریر فرمایا۔ ان کے خط کے جواب میں، جس میں انہوں نے آنجناب سے اپنے متعلقین کے ہمراہ حج پر جانے کے بارے میں مشورہ طلب کیا تھا۔

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَىٰ. (سورۃ نمل، ۵۹)

یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے ان بندوں پر سلام ہو، جن کو اس نے منتخب فرمایا۔

اس علاقے کے فقراء کے احوال و کیفیات حمد (الہی) کے لائق ہیں۔ اَلْمَسْئُولُ مِنَ اللّٰهِ سُبْحَانَهُ سَلَامَتُكُمْ وَعَافِيَتُكُمْ. یعنی: اللہ سبحانہ سے آپ کی سلامتی و عافیت کے لیے سوال ہے۔

آپ نے جو مکتوب شریف ازراہ شفقت و مہربانی اس فقیر کے نام ارسال فرمایا تھا وہ اس کے مطالعہ سے مشرف ہوا۔ آپ نے (اس) میں اشتیاق فرمایا تھا کہ اپنے متعلقین کے ساتھ حرمین شریفین میں سے ایک (مقام) کو اپنا وطن بنالیں اور (وہیں) دفن ہوں۔

میرے مخدوم مکرم! متعلقین کا (ساتھ جانا) نظر نہیں آتا، بلکہ قریب ہے کہ منع مفہوم ہو۔ اگر آپ تنہا جائیں تو مستحسن دکھائی دیتا ہے اور امید ہے کہ سلامتی کے ساتھ (وہاں) پہنچیں گے۔

وَالْأَمْرُ إِلَى اللّٰهِ سُبْحَانَهُ. یعنی: اور معاملہ اللہ سبحانہ کے سپرد ہے۔

دوسرا یہ کہ آپ نے سیادت مآب کے بارے میں لکھا تھا کہ طیب ان کے نقصان کا حکم لگاتے ہیں۔ میرے شفقت آثار! جس قدر غور کیا جاتا ہے، اس بارے میں کوئی ضرر دکھائی نہیں دیتا، سوائے اس کے کہ وہاں ایک تاریکی سی محسوس ہوتی ہے جو اس ضرر کی ظلمت کے علاوہ ہے۔ (دیکھئے) اس کی وجہ کیا ہوتی ہے؟ الغرض طیبوں کا ضرر موجود نہیں ہے۔

وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ أَعْلَمُ. یعنی: اور اللہ سبحانہ ہی خوب جانتا ہے۔

مکتوب نمبر (۴۱)

صالح خواتین میں سے ایک صالحہ خاتون کو تحریر فرمایا۔ عورتوں کے لیے ان ضروری نصیحتوں کے بارے میں جو

(آیت) کریمہ: يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ... الخ کی تاویل میں شامل ہیں۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے: يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ عَلَىٰ اَنْ لَا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْئًا وَلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِينَ وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَأْتِينَ بِبُهْتَانٍ يُّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِى مَعْرُوْفٍ قَبِيْحَةٍۢ وَاَسْتَغْفِرُ لِهِنَّ اللّٰهُ ط اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ. (سورۃ ممتحنہ، ۱۲)

یعنی: اے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم)! جب آپ کے پاس مومن عورتیں اس بات پر بیعت کرنے کو آئیں کہ اللہ کے ساتھ نہ تو شرک کریں گی، نہ چوری کریں گی، نہ بدکاری کریں گی، نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی، نہ اپنے ہاتھ پاؤں میں کوئی بہتان باندھ لائیں گی اور نہ نیک کاموں میں آپ کی نافرمانی کریں گی، تو ان سے بیعت لے لو اور ان کے لیے اللہ سے بخشش مانگو۔

بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

یہ (آیت) کریمہ فتح مکہ کے روز نازل ہوئی ہے اور آنسو و علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام جب مردوں کی بیعت سے فارغ ہوئے تو عورتوں کی بیعت شروع فرمائی۔ آنحضرت علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے عورتوں کو بیعت صرف قول ہی سے فرمایا ہے اور آنحضرت علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کا دست (مبارک) ہرگز بیعت کرنے والی عورتوں کے ہاتھ تک نہیں پہنچا۔ چونکہ عیوب و خراب اخلاق عورتوں میں مردوں کی بہ نسبت زیادہ ہوتے ہیں، اس وجہ سے عورتوں کی بیعت کے وقت مردوں کے مقابلے میں زیادہ احکام کو درمیان میں لایا گیا ہے اور اللہ جل سلطانہ کے حکم کی بجا آوری کے لیے عورتوں کو اس وقت میں ان بری عادات سے منع فرمایا گیا ہے۔

پہلی شرط: یہ کہ کسی چیز کو حق تعالیٰ کے ساتھ شریک نہ بنانا چاہیے۔ نہ وجوب وجود میں اور نہ عبادت کے استحقاق میں۔ وہ شخص جس کے اعمال ریا اور شہرت کے شبہ سے پاک نہ ہوں اور حق تعالیٰ کے سوا کسی اور سے اجر طلب کرنے کے گمان، خواہ وہ قول و ذکر جمیل ہو، سے مبرا نہ ہوں، وہ شخص شرک کے دائرہ سے باہر نہیں ہوگا اور نہ ہی موحد اور مخلص ہوگا۔ نبی کریم علیہ علی آلہ وصحبہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے: **الشِّرْكَ فِي أُمَّتِي أَخْفَى مِنْ ذَبِيبِ النَّمْلِ الَّتِي تَدْبُ فِي لَيْلَةٍ مُظْلِمَةٍ عَلَى صَخْرَةٍ سَوْدَاءَ**۔^(۱)

یعنی: شرک میری امت میں اس چیونٹی کی رفتار سے بھی زیادہ پوشیدہ ہے جو تاریک رات میں سیاہ پتھر پر چلتی ہے۔
شعر:

لاف بے شرکی مزن کاں از نشان پائے مور در شب تاریک بر سنگ سیہ پنہاں ترست

یعنی: تو بے شرکی کی لاف مت مار، کہ شرک اُس چیونٹی کے پاؤں سے بھی مخفی ہے جو تاریک رات میں سیاہ پتھر پر چلتی ہے۔
نبی کریم علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے: **اتَّقُوا لِلشِّرْكَ الْأَصْغَرَ قَالُوا مَا الشِّرْكَ الْأَصْغَرُ قَالَ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ الرَّيَا**۔^(۲) یعنی: شرک اصغر سے بچو۔ صحابہ (کرامؓ نے) عرض کیا کہ شرک اصغر کیا ہے؟ آپ علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ریا۔

شرک کی رسموں اور کفر کے ایام و اوقات کی تعظیم سبھی کو شرک میں بڑا مضبوط دخل ہے۔ دودنیوں کی تصدیق کرنے والا بھی اہل شرک میں سے ہے اور اسلام و کفر کے مجموعی احکام پر عمل کرنے والا بھی مشرک ہے۔ کفر سے بیزاری کا اظہار کرنا اسلام کی شرط ہے اور شرک کے شبہ سے بیزار ہونا توحید کی شرط ہے۔ بیماریوں اور عوارض کے دفع کرنے کے لیے بتوں اور شیطانوں سے مدد مانگنا، جو جاہل مسلمانوں میں رواج پا گیا ہے، عین شرک اور گمراہی ہے اور تراشے ہوئے اور ناتراشیدہ پتھروں سے حاجتیں طلب کرنا محض کفر اور واجب الوجود تعالیٰ و تقدس کا واضح انکار ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے بعض گمراہ لوگوں کے حال کی شکایت میں ذکر فرمایا ہے: **يُرِيدُونَ أَنْ يُتَحَاكَمُوا إِلَى الطَّاغُوتِ وَقَدْ أُمِرُوا أَنْ يَكْفُرُوا بِهِ ط وَيُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُضِلَّهُمْ ضَلَالًا بَعِيدًا**۔ (سورۃ نساء، ۶۰)

یعنی: اور چاہتے ہیں کہ اپنا مقدمہ ایک سرکش کے پاس لے جا کر فیصلہ کرائیں حالانکہ ان کو حکم دیا گیا تھا کہ اس سے

اعتقاد نہ رکھیں اور شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ ان کو بہکا کر رستے سے دور ڈال دے۔

اکثر عورتیں جو کمال جہالت رکھنے کی وجہ سے اس طرح کی ناجائز مدد مانگنے میں مبتلا ہیں اور جو بلاؤں کو دفع کرنے کے لیے ان بے نام ناموں سے (مدد) طلب کرتی رہتی ہیں اور شرک اور اہل شرک کی رسموں میں گرفتار ہیں، خاص کر کے آبلوں کی بیماری جو ہندی زبان میں سبتلہ (چیچک) مشہور ہے، کے پھیلنے کے وقت میں۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ کوئی کم ہی عورت ہوگی جو اس شرک کی باریکیوں سے خالی ہوگی اور اس کی رسوم میں سے کسی رسم میں مبتلا نہ ہوگی۔ اِلَّا مَنْ عَصَمَهَا اللّٰهُ تَعَالٰی۔
یعنی: سوائے اس کے جس کو اللہ تعالیٰ اس سے محفوظ رکھے۔

ہندوؤں کے بڑے دنوں کی تعظیم کرنا اور ان دنوں میں ان کی مشہور رسموں کو بجالانا بھی شرک کو لازم کرتا ہے اور کفر کے لائق ہے۔ جیسا کہ کافروں کی دیوالی کے روز جاہل مسلمان، خاص کر کے ان کی عورتیں کافروں کی رسموں کو بجاتی ہیں اور اپنی عید بناتی ہیں۔ اور کافروں کے تحائف کی مانند اپنی بیٹیوں اور بہنوں کے گھروں میں اہل شرک کی طرح تحفے بھیجتی ہیں اور اس موسم میں کافروں کی مانند اپنے برتنوں کو رنگ کرتی ہیں اور سرخ چاولوں سے ان کو پُر کر کے بھیجتی ہیں اور اس موسم کو قابل اعتبار و توجہ بناتی ہیں۔ یہ سب شرک ہے اور دین اسلام میں کفر ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُم بِاللّٰهِ اَلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ۔ (سورۃ یوسف، ۱۰۶) یعنی: اور یہ اکثر اللہ پر ایمان نہیں رکھتے، مگر (اس کے ساتھ) شرک کرتے ہیں۔

جانوروں کو جو مشائخ کی نذر کرتے ہیں اور ان کی قبروں کے پاس لے جا کر ان جانوروں کو ذبح کرتے ہیں، فقہی روایات میں اس عمل کو بھی شرک میں داخل کیا گیا ہے اور اس بارے میں بہت مبالغہ کیا گیا ہے۔ اور اس ذبیحہ کو بھی جتن کے ذبیحوں کی قسم سے سمجھا گیا ہے جو شرعی طور پر ممنوع ہے اور شرک کے دائرہ میں داخل ہے۔ اس عمل سے بھی اجتناب کرنا چاہیے جو شرک کا شائبہ رکھتا ہے۔ نذر کی صورتیں بہت ہیں۔ پھر کیا ضرورت ہے کہ نذر کے لیے ایک جانور ذبح کریں اور اس کے ذبح کرنے کا عمل کریں اور (اس کو) جتن کے ذبیحوں سے ملائیں اور جتن کے پجاریوں سے مشابہت پیدا کریں۔

اسی طرح کے وہ روزے ہیں جو کہ عورتیں پیروں اور پیسوں کی نیت سے رکھتی ہیں اور اکثر ان کے ناموں کو اپنے پاس سے گھڑ کر اپنے روزوں کی نیت ان کے ناموں پر کرتی ہیں اور افطاری کے وقت ہر روزہ کے لیے ایک خاص کھانا مخصوص طریقے پر مقرر کرتی ہیں اور روزوں کے لیے دنوں کا تعین بھی کرتی ہیں اور اپنے مطالب و مقاصد کو ان روزوں کے ساتھ وابستہ کرتی ہیں اور روزوں کے وسیلہ سے ان (پیروں اور پیسوں) سے اپنی حاجتیں طلب کرتی ہیں اور اپنی حاجتوں کا پورا ہونا ان کی طرف سے سمجھتی ہیں۔ یہ (چیز) عبادت میں شرک ہے اور غیر (اللہ) کی عبادت کے وسیلہ سے اس غیر (اللہ) سے اپنی حاجتوں کو طلب کرنا ہے۔ اس فعل کی برائی کو خوب سمجھنا چاہیے، جبکہ حدیث قدسی میں آیا ہے: الصَّوْمُ لِيْ وَ اَنَا اَجْزِيْ۔^(۳)
ترجمہ: روزہ میرے لیے ہے، اور اس کی جزا میں دوں گا۔

یعنی روزہ میرے ہی لیے مخصوص ہے اور میرے علاوہ روزے کی عبادت میں کوئی شریک نہیں ہے۔ اگرچہ کسی عبادت میں بھی حق تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک بنانا جائز نہیں ہے، لیکن روزے کی تخصیص اس عبادت کے اہتمام کی وجہ سے ہے اور اس عبادت میں شرک کی نفی کی تاکید کرنے کے لیے ہے۔ یہ (محض) بہانہ ہے جو بعض عورتیں اس فعل کی برائی کے اظہار کے

وقت کہتی ہیں کہ ہم ان روزوں کو اللہ تعالیٰ کے لیے رکھتی ہیں اور ان کا ثواب پیروں کو بخشی ہیں۔ اگر وہ اس معاملے میں سچی ہیں تو پھر روزوں کے لیے دنوں کا تعین کرنے کی کیا ضرورت ہے اور کھانے کی تخصیص اور مختلف قسم کے برے طریقے افطاری کے وقت کیوں اختیار کرتی ہیں۔ اکثر یوں ہے کہ وہ افطاری کے وقت حرام کا ارتکاب کرتی ہیں اور حرام چیز سے افطاری کرتی ہیں۔ بلا ضرورت مانگتی ہیں اور گدائی کرتی ہیں اور اس سے افطاری کرتی ہیں اور اپنی حاجتوں کا پورا ہونا اس حرام (عمل) کے کرنے کے ساتھ مخصوص سمجھتی ہیں۔ یہ (چیز) خود عین گمراہی ہے اور لعنتی شیطان کا دھوکا ہے۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ الْعَاصِمُ۔
یعنی: اور اللہ سبحانہ ہی بچانے والا ہے۔

دوسری شرط جو عورتوں کی بیعت کے وقت درمیان میں لائی گئی ہے، وہ چوری سے منع کرنا ہے جو کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ اور چونکہ یہ برا وصف اکثر عورتوں میں موجود ہے اور کوئی کم ہی عورت ہوگی جو اس برے وصف کی باریکیوں سے خالی ہو گی۔ لہذا اس برے وصف سے منع کرنا ان کی بیعت کے لیے شرط قرار پایا۔ جو عورتیں شوہروں کے مالوں میں ان کی اجازت کے بغیر تصرف کرتی ہیں اور ان کو بے تحاشہ تباہ اور خرچ کرتی ہیں، وہ چوروں میں شامل ہیں اور چوری کے کبیرہ (گناہ) سے متصف ہوتی ہیں۔ یہ چیز عام طور پر عورتوں کے بارے میں کہی جاسکتی ہے، کیونکہ ثابت ہے اور یہ خیانت قریب ہے کہ ان سب میں موجود ہو۔ اِلَّا مَنْ عَصَمَهَا اللّٰهُ سُبْحَانَهُ۔ یعنی: سوائے اس کے جس کو اللہ سبحانہ اس سے محفوظ رکھے۔

کاش وہ اس چیز کو گناہ شمار کریں اور برائے تصور کریں۔ اس گناہ کو حلال سمجھنے کی نسبت ان کے حق میں غالب خوف ہے اور اس طرح اس کو حلال جاننے میں ان کے بارے میں کفر کا خوف زیادہ ہے۔ حکیم مطلق جل شانہ نے شرک سے منع کرنے کے بعد عورتوں کو چوری سے منع فرمایا ہے، کیونکہ یہ برا وصف ان کو اس کے حلال سمجھنے کی وجہ ان کے قدم کو کفر میں راسخ کر دیتا ہے اور یہ دوسرے کبیرہ گناہوں کی نسبت ان کے حق میں زیادہ برا ہے۔ چونکہ عورتوں میں اپنے خاوندوں کے مالوں سے بار بار مال لینے کی وجہ سے خیانت کا ملکہ پیدا ہو جاتا ہے اور دوسروں کے مال میں تصرف کرنے کی برائی ان کی نظر سے زائل ہو جاتی ہے۔ (اس طرح) کچھ بعید نہیں ہے کہ وہ شوہر کے علاوہ دوسرے کے مالوں میں بھی ظلم کے ساتھ تصرف کرنے لگیں اور بے تحاشہ دوسروں کے مالوں میں بھی خیانت اور چوری کی مرتکب ہو جائیں۔ قریب ہے کہ یہ چیز تھوڑے سے غور و فکر کے بعد واضح اور روشن ہو جائے۔ پس ثابت ہوا کہ عورتوں کو چوری سے منع کرنا اسلام کے اہم ترین امور میں سے ہے اور شرک کے بعد اس کی برائی ان کے حق میں ثابت ہوئی۔

ذیلی بحث: ایک روز ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ (کرامؓ) سے پوچھا کہ تم جانتے ہو کہ چوروں میں سب سے بڑا چور کون ہے، یعنی بدترین چور کون ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ ہم نہیں جانتے، آپ ہی فرمائیں۔ آنحضرت علیہ علیہم الصلوٰات والتسلیمات نے فرمایا کہ سب سے بڑا چور وہ شخص ہے جو اپنی نماز میں چوری کرے اور نماز کے ارکان کو پوری طرح اور کمال کے ساتھ ادا نہ کرے۔ اس چوری سے بھی پرہیز کرنا ضروری ہوا، تاکہ آدمی بدترین چوروں میں سے نہ ہو۔ حضورِ دل کے ساتھ نماز ادا کرنی چاہیے، کیونکہ نیت کرنے کے بغیر کوئی عمل صحیح نہیں ہوتا۔ قرأت کو درست پڑھنا چاہیے اور رکوع و سجود کو بھی اطمینان کے ساتھ ادا کرنا چاہیے۔ اور قومہ اور جلسہ کو بھی اطمینان کے ساتھ ادا کرنا چاہیے۔ یعنی رکوع کے بعد

صحیح طرح کھڑا ہونا چاہیے اور ایک تسبیح کی مقدار کھڑا رہنے میں توقف کرنا چاہیے، اور دو سجدوں کے درمیان بھی اچھی طرح بیٹھنا چاہیے اور ایک تسبیح کی مقدار وقفہ کرنا چاہیے، تاکہ قومہ اور جلسہ میں اطمینان میسر ہو جائے۔ جو شخص اس طرح نہیں کرتا، وہ خود کو چوروں کی صف میں داخل کرتا ہے اور مورِ وعید بناتا ہے۔

تیسری شرط جو عورتوں کی بیعت میں نصِ قرآنی سے ثابت ہے وہ زنا سے منع کیا گیا ہے۔ عورتوں کی بیعت کو اس شرط کے ساتھ خاص کرنا اس لیے ہے، کیونکہ زنا کا عمل اکثر عورتوں کی رضا مندی حاصل ہونے سے ہوتا ہے اور ان کے خود کو مردوں کے لیے پیش کرنے سے واقع ہوتا ہے۔ اس طرح عورتیں اس عمل میں آگے ہوتی ہیں اور اس عمل میں ان کی رضا مندی معتبر ہے۔ لہذا عورتوں کو زیادہ تاکید کے ساتھ اس عمل سے منع کیا گیا ہے اور مرد اس عمل میں عورتوں کے تابع ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت حق سبحانہ نے اپنی کتاب مجید (قرآن) میں زانی عورت کو زانی مرد پر مقدم فرمایا ہے:

الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةً جَلْدَةٍ. (سورۃ نور، ۲)

یعنی: بدکاری کرنے والی عورت اور بدکاری کرنے والا مرد دونوں میں سے ہر ایک کو سو ڈرے مارو۔

یہ براوصف دنیا اور آخرت میں نقصان دینے والا ہے اور تمام دینوں میں فتنہ اور برا ہے۔ (حضرت) ابو حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت نبی (کریم) علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: اے آدمیوں کے گروہ! زنا سے پرہیز کرو کہ اس میں چھ (بری) خصلتیں ہیں؛ تین دنیا میں اور تین آخرت میں۔ تین (بری) خصلتیں جو دنیا میں ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ زنا کرنے والے سے (چہرے کی) لطافت و نورانیت اور پاکیزگی زائل ہو جاتی ہے۔ دوسری یہ کہ زنا فقر کا موجب ہے۔ تیسری یہ کہ عمر میں کمی کرتا ہے۔ تین (بری) خصلتیں جو زنا کرنے والوں کے لیے آخرت میں ہیں؛ ایک اللہ جلّ سلطانہ کا غصہ و غضب ہے، دوسری حساب کی برائی اور تیسری آگ کا عذاب۔^(۴)

حدیث نبوی علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام میں آیا ہے کہ آنکھوں کا زنا محرمات کی جانب دیکھنا ہے اور ہاتھوں کا زنا محرمات کو پکڑنا ہے اور پاؤں کا زنا محرمات کی طرف جانا ہے۔^(۵) اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے: قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ ذَلِكَ أَزْكَى لَهُمْ. (سورۃ نور، ۳۰)

ترجمہ: مومن مردوں سے کہہ دیں کہ اپنی نظریں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کیا کریں۔

نیز اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ. (سورۃ نور، ۳۱)

ترجمہ: اور مومن عورتوں سے بھی کہہ دیں کہ وہ بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کیا کریں۔ یعنی: اے (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ ایماندار مردوں سے فرمائیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں سے اپنی آنکھوں کو ڈھانپ کر رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کو محرمات سے محفوظ رکھیں اور ایماندار عورتوں سے فرمائیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں سے اپنی آنکھوں کو ڈھانپ کے رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کو محرمات سے محفوظ رکھیں۔

جاننا چاہیے کہ دل آنکھ کے تابع ہے۔ جب تک آنکھ حرام چیزوں سے ڈھانپ نہ رکھی جائے (اُس وقت تک) دل

کی حفاظت مشکل ہے۔ اور جب آنکھ گرفتار ہو جائے تو پھر دل کی حفاظت کرنا مشکل ہے۔ اور جب دل گرفتار ہو جائے تو پھر شرمگاہ کی حفاظت کرنا مشکل ہے۔ اس طرح آنکھ کا حرام چیزوں سے ڈھانپنا ضروری ہوا، تاکہ شرمگاہ کی حفاظت میسر ہو اور دین و دنیا کا نقصان نہ پہنچائے۔

قرآن مجید میں اس سے بھی منع فرمایا گیا ہے کہ عورتیں غیر مردوں کے ساتھ نرمی و ملائمت میں کلام کریں۔ اس صورت میں کہ جیسے بدکار عورتیں بدکار مردوں کے ساتھ بات کر کے ان کو برائی کے وہم میں ڈالتی ہیں اور ان کے دل میں برائی کی حرص پیدا ہو جاتی ہے۔ اور عورتوں سے کہہ دیں کہ وہ مردوں کے ساتھ دستور کے مطابق اور بھلے انداز سے، جو اس وہم و حرص سے خالی ہو، کلام کریں (سورۃ احزاب، ۳۲) نیز اس سے بھی منع کیا گیا ہے کہ عورتیں مردوں کے سامنے اپنی زینت و محاسن کا اظہار کریں اور مردوں کو خواہش میں مبتلا کریں (سورۃ نور، ۳۱) نیز اس سے بھی منع کیا گیا ہے کہ عورتیں اپنے پاؤں کو زمین پر ماریں، تاکہ ان کی پوشیدہ زینت ظاہر ہو جیسا کہ پازیب وغیرہ جب حرکت کرتی ہیں تو ان سے آواز پیدا ہوتی ہے جو مردوں کے عورتوں کی طرف مائل ہونے کو لازم کرتی ہے (سورۃ نور، ۳۱) الغرض، جو چیز فسق کی طرف لے جانے والی ہے، وہ ممنوع اور بری ہے۔ احتیاط کرنی چاہیے کہ محرمات کے اسباب و ذرائع کا ارتکاب نہ کیا جائے، تاکہ اصل محرمات سے سلامتی میسر آ جائے۔ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ. (سورۃ ہود، ۸۸)

یعنی: اور اللہ سبحانہ ہی بچانے والا ہے۔ اور مجھے توفیق کا ملنا اللہ ہی (کے فضل) سے ہے، میں اسی پر بھروسہ رکھتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

پوشیدہ نہ رہے کہ شہوت کے ساتھ دیکھنے اور ہاتھ لگانے میں اجنبی عورت اجنبی مرد کی مانند ہے اور جائز نہیں ہے کہ عورت خود کو اپنے شوہر کے علاوہ کسی اور کے لیے آراستہ کرے اور خود کو بنائے سنوارے اور مزین کرے۔ شوہر کے علاوہ دوسرا مرد ہو یا عورت جس طرح کہ مردوں کے لیے بے ریش لڑکوں کی طرف شہوت کے ساتھ دیکھنا اور ہاتھ لگانا حرام ہے، اُسی طرح عورتوں کو بھی عورتوں کو شہوت کے ساتھ دیکھنا اور شہوت کے ساتھ ان کو ہاتھ لگانا حرام ہے۔ اس نکتہ کا خوب لحاظ رکھنا چاہیے، کیونکہ یہ دنیا و آخرت کے نقصان کی شاہراہ ہے۔ مرد کا عورت تک پہنچنا دونوں کے صنفی اختلاف کی وجہ سے مشکل ہے اور رکاوٹیں درمیان میں ہیں، برخلاف عورت کے عورت کے پاس پہنچنے کے، جو دونوں کی صنف ایک ہونے کی وجہ سے کمال سہل اور آسان ہے۔ اس جگہ احتیاط کا لحاظ زیادہ کرنا چاہیے اور عورتوں کو عورتوں اور مرد کو عورت کی طرف دیکھنے اور مس کرنے اور عورت کے مرد کی طرف نظر کرنے سے منع کرنے کے بارے میں بڑا فصیح و عمدہ اور واضح انداز اپنانا چاہیے۔

چوتھی شرط جو عورتوں کی بیعت کے بارے میں فرمائی گئی ہے وہ اولاد کے قتل سے منع کیا گیا ہے، کیونکہ ان (لوگوں) کی عورتیں غربت کے خوف سے اپنی بیٹیوں کو مار ڈالتی تھیں۔ یہ برا عمل جس طرح کہ بغیر حق کے جان کو قتل کرنے کو شامل ہے، اسی طرح قطع رحمی پر بھی مشتمل ہے۔ نیز یہ چیز کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔

پانچویں شرط جو عورتوں کی بیعت کے بارے میں فرمائی گئی ہے وہ بہتان اور افترا سے منع کیا گیا ہے۔ اور چونکہ یہ وصف عورتوں میں زیادہ رہا ہے، لہذا خصوصی طور پر ان کو منع فرمایا گیا ہے۔ یہ وصف سخت بری صفات میں سے ہے اور سب

سے بری اخلاقی برائیوں میں سے ہے جس میں جھوٹ شامل ہے جو تمام دینوں میں حرام اور قابلِ مذمت ہے۔ نیز (یہ چیز) مومن کی ایذا پر مشتمل ہے، کیونکہ اس کے بارے میں بہتان اور افترا کیا گیا ہے اور مومن کو ایذا دینا حرام ہے۔ نیز (یہ) زمین میں فساد کو لازم کرتی ہے جو قرآنی سے ممنوع و منع شدہ اور حرام و ناپسندیدہ ہے۔

چھٹی شرط: نبی (کریم) علیہ علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام جو کچھ بھی فرمائیں، اس میں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نافرمانی اور نافرمانی برداری کے گناہ سے بچنا۔ یہ شرط تمام اوامر کی بجا آوری اور سب شرعی نواہی سے رک جانے کو شامل ہے۔ خواہ وہ نماز ہو اور خواہ زکوٰۃ ہو اور خواہ روزہ ہو اور خواہ حج ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے نازل کردہ ضروری احکام پر ایمان لانے کے بعد اسلام کی بنیاد ان چار اراکین پر ہے۔ پانچ وقت کی نماز کو بغیر سستی اور بے نقص کے سنجیدگی اور کوشش کے ساتھ ادا کرنا چاہیے اور مال کی زکوٰۃ رغبت و احسان کے ساتھ زکوٰۃ کے مصارف میں ادا کرنی چاہیے اور رمضان کے روزے جو سال بھر کے گناہوں کا کفارہ ہیں، ان کو خوب حفاظت سے رکھنا چاہیے۔ اور حج بیت اللہ، جس کے بارے میں مخبر صادق (حضرت محمد مصطفیٰ) علیہ علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے: **الْحَجُّ يُجِبُّ مَا كَانَ قَبْلَهُ**۔^(۶) یعنی: حج گزشتہ گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ اس کو بھی ادا کرنا چاہیے، تاکہ اسلام کو قائم رکھا جائے۔ اسی طرح ورع اور تقویٰ کے سوا چارہ نہیں ہے، کیونکہ حضرت نبی (کریم) علیہ علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے: **مَلَكَ دِينُكُمْ الْوَرَعُ**۔^(۷) یعنی: تمہارے دین کو قائم رکھنے والا ورع (تقویٰ) ہے۔

اور اس سے مراد شرعی منہیات کو ترک کرنا ہے۔ منہیات کے استعمال سے پرہیز کرنا چاہیے اور ان کو شراب کی مانند سمجھنا چاہیے اور حرام اور برا جاننا چاہیے۔ غنا سے پرہیز کرنا بھی ضروری ہے، کیونکہ یہ لہو و لعب میں داخل ہے، جو حرام ہے۔ اور (حدیث) میں آیا ہے کہ: **الْعَنَاءُ رُقِيَةُ النَّارِ**۔ یعنی: گناہوں کا جادو ہے۔

غیبت کرنے اور عیب جوئی سے بھی بچنا ضروری ہے، کیونکہ یہ شرعی طور پر منع ہے۔ نیز مذاق اڑانا اور مومن کو ناحق ایذا دینا جس وجہ سے بھی ہو، اس سے منع کیا گیا ہے، اس سے بچنا بھی ضروری ہے۔ اور برے شگون کا اعتبار نہ کریں اور اس میں تاثیر نہ سمجھیں۔ نیز ایک آدمی کی بیماری کا دوسرے کو لگنا اور ایک بیمار سے تندرست آدمی کو (بیماری) پہنچنا (بھی درست نہ سمجھیں)، کیونکہ مخبر صادق علیہ علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے ان دونوں چیزوں سے منع فرمایا ہے۔ **لَا طَبِیْرَةَ وَلَا عَدْوٰی**۔ ترجمہ: نہ بدشگونی ہے اور نہ کوئی متعدی مرض ہے۔

یعنی بدشگونی کی کوئی اصل ثابت نہیں ہے اور ایک کی بیماری دوسرے کو لگ جانا بالکل ثابت نہیں ہے اور کاہن اور نجومی کی بات کا اعتبار نہ کریں اور ان سے غیبی امور کے بارے نہ پوچھیں اور ان کو غیبی امور کا جاننے والا مت سمجھیں، کیونکہ شریعت میں بڑے مبالغہ کے ساتھ اس سے منع کیا گیا ہے۔ جادو نہ کریں اور جادوگر کو کوئی کام نہ فرمائیں، کیونکہ قطعی حرام ہے اور (یہ) کفر میں مضبوط قدم رکھتا ہے۔ کوئی کبیرہ گناہ جادو اور جادوگری سے زیادہ کفر کے نزدیک نہیں ہے۔ احتیاط کرنی چاہیے کہ اس عمل میں سے ذرہ بھر بھی اختیار نہ کیا جائے، کیونکہ آیا ہے کہ مسلمان جب تک اسلام رکھتا ہے، جادو اُس سے وجود میں نہیں آتا۔ اور جب ایمان اس سے الگ ہو گیا، اللہ ہمیں محفوظ رکھے، تو اُس وقت جادو اس سے ثابت ہو جاتا ہے۔ اس طرح گویا

جادو اور ایمان ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ اگر جادو ہے تو ایمان نہیں ہے۔ اس حقیقت کا خوب لحاظ رکھنا چاہیے، تاکہ ایمان کے کارخانے میں کوئی خلل نہ پڑے اور اس عمل کی نحوست سے اسلام ہاتھ سے نہ جاتا رہے۔

الغرض جو کچھ مہر صادق (حضرت محمد مصطفیٰ) علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے اور علماء نے شرعی کتابوں میں اس کو بیان فرمایا ہے، دل و جان سے اس کی بجا آوری میں کوشش کرنی چاہیے اور اس کی مخالفت کو زہرِ قاتل سمجھنا چاہیے، کیونکہ یہ ابدی موت تک پہنچا دیتا ہے اور طرح طرح کے عذابوں میں گرفتار کر دیتا ہے۔

جب بیعت کرنے والی عورتوں نے ان سب شرطوں کو قبول کر لیا تو آنسور علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے صرف اس وعدے پر ہی ان کو بیعت فرمالیا اور حق جل و علا کے حکم پر ان کے لیے مغفرت طلب فرمائی۔ لہذا جو استغفار حق جل و علا کے حکم سے اس جماعت کے حق میں آنسور علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام سے طلب کریں تو کامل امید ہے کہ وہ قبول ہوگا اور یہ جماعت بخش جائے گی۔ (حضرت ابوسفیان (رضی اللہ عنہ) کی زوجہ (حضرت) ہند (رضی اللہ عنہا) بھی اس بیعت میں داخل تھیں، بلکہ ان (عورتوں) کی سردار وہ تھیں اور ان کی طرف سے وہی بات کر رہی تھیں۔ اس بیعت اور اس استغفار کی وجہ سے ان کے حق میں بہت بڑی امید ہے۔ اس طرح عورتوں میں سے جو بھی ان شرائط کو مان لے اور ان کے مطابق عمل کرے، وہ حکماً اس بیعت میں داخل ہو جاتی ہے اور اس استغفار کی برکات کی امید وار بن جاتی ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے:

مَا يَفْعَلُ اللَّهُ بِعَذَابِكُمْ إِن شَكَرْتُمْ وَآمَنْتُمْ. (سورۃ نساء، ۱۴۷)

یعنی: اگر تم (اللہ کے) شکر گزار ہو اور (اس پر) ایمان لے آؤ تو اللہ تم کو عذاب دے کر کیا کرے گا۔

شکر بجالانے سے مراد شرعی احکام کو قبول کرنا ہے اور اس کے تقاضا سے عمل کرنا ہے۔ نجات اور فلاح کا طریقہ اعتقاد و عمل میں صاحبِ شریعت علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی یہی متابعت ہے۔ استاد اور پیر اسی غرض کے لیے پکڑتے ہیں کہ وہ شریعت کی جانب رہنمائی کریں اور ان کی برکت سے شریعت کے اعتقاد و عمل میں آسانی و سہولت پیدا ہو جائے، نہ یہ کہ مرید جو کچھ چاہیں، وہ کریں اور جو کچھ چاہیں، وہ کھائیں اور پیر ان کی ڈھال بن جائیں اور ان کو عذاب سے محفوظ رکھیں، کیونکہ یہ چیز محض ایک آرزو ہے۔ وہاں بغیر اجازت کے کوئی شفاعت نہیں کر سکتا۔ اور جب تک (آدمی) پسندیدہ نہیں ہوگا، کوئی اس کی شفاعت نہیں کرے گا۔ (آدمی) پسندیدہ اُس وقت بنتا ہے جب شریعت کے مطابق عمل کرنے والا ہوتا ہے۔ اور اگر بشریت کے باعث اُس سے کوئی لغزش واقع ہوتی ہے تو پھر شفاعت کے ذریعے اُس کا تدارک ممکن ہوتا ہے۔

سوال: گناہگار کو پسندیدہ کس اعتبار سے کہا جاسکتا ہے؟

جواب: چونکہ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ اس کی مغفرت چاہتا ہے اور اسے معاف کرنے کے لیے وسیلہ درمیان میں لاتا ہے تو درحقیقت وہ شخص پسندیدہ ہے، اگرچہ ظاہری طور پر وہ گناہگار ہے۔

وَاللَّهُ سُبْحَانَهُ الْمُؤَفَّقِي. یعنی: اللہ سبحانہ توفیق بخشنے والا ہے۔

رَبَّنَا آتِنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً وَهَيِّءْ لَنَا مِنْ أَمْرِنَا رَشَدًا. (سورۃ کہف، ۱۰)

یعنی: اے ہمارے پروردگار! ہم پر اپنے ہاں سے رحمت نازل فرما، اور ہمارے کام میں درستی (کے سامان) مہیا کر۔

والسلام۔

مکتوب نمبر (۴۲)

خواجہ محمد ہاشم کشمی کو تحریر فرمایا، ان کو بشارت دینے (کے بارے) میں۔

بَعْدَ الْحَمْدِ وَالصَّلَاةِ وَتَبْلِيغِ الدَّعَوَاتِ.

یعنی: اللہ تعالیٰ کی تعریف کرنے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے اور سلام و دعا پیش کرنے کے بعد۔

واضح ہو کہ آپ نے جو مکتوب شریف ملا فتح اللہ کے ذریعے ارسال کیا تھا، وہ پہنچا۔ چونکہ محبت و اخلاص اور جوش و شوق پر مشتمل تھا، لہذا اس نے فرحت بخشی۔ آپ کے مکتوب کے مطالعہ کے وقت آپ کی نورانیت اس علاقے میں بہت پھیلی ہوئی دکھائی دی اور اس نے امیدوار بنایا۔ لِلّٰہِ سُبْحَانَهُ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ عَلٰی ذٰلِکَ.

یعنی: اس پر اللہ سبحانہ کی حمد اور احسان ہے۔

(فقیر) زیادہ کیا لکھے؟

اے محبت کے اطوار والے! معلوم نہیں ہوا کہ سیادت مآب میر محمد نعمان کے خط و کتابت کو ترک کرنے کی وجہ کیا ہے؟ اگر وہ اس فقیر کی طرف سے کسی آزار کا وہم رکھتے ہیں تو ایسا کوئی واقعہ نہیں ہے اور کمال درجے کی صفائی تصور کریں۔ فقیر میر کی محافظت میں انتہائی کوشش کا لحاظ رکھتا ہے، تاکہ ایسا نہ ہو کہ حق کے طالبین کے کام میں کوئی فتور طاری ہو جائے اور سالکوں کے راستے کی رکاوٹ بن جائے۔

دوسری بات یہ ہے کہ تقریباً دو ماہ ہو رہے ہیں کہ فقیر پر ضعف طاری ہے۔ لہذا آپ نے پہلے مکتوب میں جو بعض سوالات درج کیے تھے، ان کا جواب لکھنے سے قاصر ہے۔ اگر صحت (نصیب) ہو گئی تو ان شاء اللہ (فقیر جواب) لکھے گا، ورنہ دوستوں سے دعا و فاتحہ کی التماس کرتا ہے۔ حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ. (سورۃ آل عمران، ۱۷۳)

یعنی: ہم کو اللہ کافی ہے اور وہ بہت اچھا کارساز ہے۔

وَالسَّلَامُ عَلَیْكُمْ وَعَلٰی سَائِرِ اَهْلِ اللّٰہِ. یعنی: اور آپ کو اور تمام اہل اللہ کو سلامتی نصیب ہو۔

فرزندانِ گرامی کامیاب رہیں۔

مکتوب نمبر (۴۳)

حضرت مخدوم زادگان بزرگوار خواجہ محمد سعید اور خواجہ محمد معصوم سلمہما اللہ تعالیٰ کو تحریر فرمایا۔ اس گفتگو کے بارے میں جو

بادشاہ وقت (جہانگیر) مدظلہ کی محفل میں ہوئی تھی۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی. (سورۃ نمل، ۵۹)

یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے ان بندوں پر سلام ہو، جن کو اس نے منتخب فرمایا۔

اس علاقے کے حالات و کیفیات حمد کے لائق ہیں۔ عجیب و غریب صحبتیں گزار رہے ہیں اور اللہ سبحانہ کی عنایت سے ان گفتگوؤں میں دینی امور اور اسلامی اصول کے بارے میں بال برابر بھی سستی اور مداہنت کو راستہ نہیں ملتا اور وہی باتیں جو

(فقیر) خلوتوں اور خاص مجالس میں بیان کرتا تھا۔ اللہ سبحانہ کی توفیق سے معرکوں (شاہی مجالس) میں بیان کرتا ہے۔ اگر وہ ایک مجلس کے بارے میں لکھے تو ایک دفتر درکار ہوگا۔ خاص کر کے آج کی رات جو رمضان المبارک کی سترہویں رات ہے، اس میں انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کی بعثت، عقل کے عدم استقلال، آخرت پر ایمان اور اس کے عذاب و ثواب، اثباتِ رویت، خاتم الرسل (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ختم نبوت، ہر صدی کے مجدد، خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے اقتدار، سنت تراویح، تنازع کے باطل ہونے، جنت اور جہنم کے حالات اور ان کے عذاب و ثواب اور اس طرح کی بہت سی باتوں کے بارے میں بہت کچھ بیان ہوا اور بڑے بھلے انداز سے سنا گیا اور اسی طرح دوسری چیزوں کے بارے میں اقطاب و ابدال اور ابدال و ادوات کے حالات اور ان کی خصوصیات میں سے بہت کچھ بیان ہوا۔ اللہ سبحانہ کا احسان ہے کہ (بادشاہ وقت) اپنی جگہ قائم رہے اور ان (کے چہرے) پر کوئی تغیر ظاہر نہیں ہوا۔ ان واقعات اور ملاقات میں شاید حق سبحانہ کی مصلحتیں اور راز پنہاں ہوں گے۔ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هَدَانَا لِهَذَا قَفْ وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا اَنْ هَدَانَا اللَّهُ ۚ لَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ. (سورۃ اعراف، ۴۳) یعنی: اللہ کا شکر ہے جس نے ہم کو یہاں کا راستہ دکھایا۔ اگر اللہ ہم کو راستہ نہ دکھاتا تو ہم راستہ نہ پاسکتے۔ بیشک ہمارے پروردگار کے رسول حق بات لے کر آئے تھے۔

دوسری بات یہ ہے کہ ختم قرآن سورہ عنکبوت تک پہنچا لیا ہے۔ رات کو جب اس مجلس سے واپس لوٹ کر آتا ہوں تو تراویح میں مشغول ہو جاتا ہوں۔ حفظ (قرآن) کی یہ دولت عظمیٰ اس پر آگندہ حالی میں جو عین جمعیت ہے، حاصل ہو گئی ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلَّهِ اَوَّلًا وَاٰخِرًا. یعنی: اوّل اور آخر میں اللہ تعالیٰ کی حمد ہے۔

مکتوب نمبر (۴۴)

میر محمد نعمان کے بیٹے میر عبدالرحمن کو تحریر فرمایا۔ آخرت میں رویت (الہی) کے منکرین کے شبہات کو دور کرنے (کے بیان) میں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ.

رویت (الہی) کے مسئلہ کے بارے میں جو اعتراض کرتے ہیں، بلکہ رویت (الہی) کے انکار میں جو دلیل پیش کرتے ہیں کہ آنکھوں سے دیکھنے کا تقاضا یہ ہے کہ جس کو دیکھا جائے، وہ دیکھنے والے کے برابر اور آئے سامنے ہو اور یہ چیز واجب تعالیٰ کے حق میں مفقود ہے، کیونکہ یہ سمت کو لازم کرتی ہے جو احاطہ و تحدید اور نہایت تک پہنچانے والی ہے، جس سے نقص لازم آتا ہے اور یہ الوہیت کے منافی ہے۔ تَعَالٰی اللّٰهُ عَنْ ذٰلِكَ عُلُوًّا کَبِیْرًا. یعنی: اللہ تعالیٰ اس سے بہت بلند و برتر ہے۔

جواب یہ ہے کہ جب پرکمال قادر جل سلطانہ نے اس ضعیف اور فانی دنیا میں آنکھ، جو کہ اندر سے خالی بے حس و حرکت نسوں کے دو ٹکڑوں سے بنی ہے، کو اس قدر قوت دی ہے کہ وہ آئے سامنے اور برابر ہونے کی شرط پر چیزوں کو محسوس کر سکتی ہے اور دیکھ سکتی ہے تو وہ یہ کیوں نہیں کر سکتا کہ عالم آخرت میں جو کہ قوی اور باقی ہے، نسوں کے انہی دو ٹکڑوں کو ایسی قوت عطا فرمائے کہ آئے سامنے اور برابر ہونے کی شرط کے بغیر دیکھی جانے والی چیز کو دیکھ سکیں، خواہ وہ دیکھی جانے والی چیز تمام سمتوں میں ہو یا بے سمت ہو۔ یہاں ناممکن کیا ہے؟ اور محال کونسی (چیز) ہے؟ کیونکہ فاعل (اللہ) جل سلطانہ اقتدار کے بلند مرتبہ میں

ہے اور قابل (آنکھ) احساس اور دیکھنے میں مستعد ہے۔

مختصر یہ کہ بعض مقامات اور اوقات میں بعض حکمتوں اور مصلحتوں کی وجہ سے آنکھوں کے دیکھنے کے لیے محاذات اور سمت کی شرط کا لحاظ رکھا گیا ہے اور بعض دوسرے مقامات و اوقات (آخرت) میں اس شرط کا اعتبار نہیں فرمایا گیا اور اس شرط کے حصول کے بغیر آنکھوں کا دیکھنا مقرر کیا ہے۔ ایک مقام کا دوسرے مقام پر اعتبار کرنا مقامات کے کمال درجہ کے اختلاف کے تقاضوں کے باوجود انصاف سے دور ہے اور نظر کو عالم ملک و شہادت کے کشوفات تک محدود رکھنا کوتاہ نظری ہے اور آسمان و زمین کے خالق کے عالم ملکوت کے عجائب کا انکار کرنا ہے۔

سوال: اگر حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ کو دیکھا جائے تو چاہیے کہ وہ آنکھ کے احاطہ و ادراک میں بھی آجائے اور یہ چیز حد اور نہایت کو لازم کرتی ہے۔ تَعَالٰی اللّٰهُ عَنْ ذٰلِكَ غُلُوًّا كَبِيْرًا۔ یعنی: اللہ تعالیٰ اس سے بہت بلند و برتر ہے۔

جواب: ہم کہتے ہیں کہ یہ بات جائز ہے کہ حق تعالیٰ دیکھا جائے اور آنکھ کے احاطہ و ادراک میں نہ آئے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے: لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَ هُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَ هُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ۔ (سورۃ انعام، ۱۰۳)

یعنی: (وہ ایسا ہے کہ) نگاہیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں اور وہ نگاہوں کا ادراک کر سکتا ہے، اور وہ بھید جاننے والا خبردار ہے۔

مومن آخرت میں حق جل شانہ کو دیکھیں گے اور یقین و جدانی سے معلوم کریں گے کہ ہم حق جل شانہ کو دیکھ رہے ہیں اور جولذتِ رؤیت پر مرتب ہوتی ہے، وہ بھی کمال کے درجہ میں خود میں پائیں گے، لیکن مرئی (دیکھی جانے والی ذات) سے وہ کچھ بھی نہیں دیکھ سکیں گے اور مرئی سے کچھ بھی ان کے ہاتھ میں نہیں آئے گا اور رؤیت کے وجدان اور دیکھنے کی لذت کے سوا مرئی سے کوئی چیز ان کے شامل حال نہیں ہوگی۔ شعر:

عقفا شکار کس نشود دام باز چیں کاینجا ہمیشہ باد بدست ست دام را^(۱)

یعنی: عقفا کسی کا شکار نہیں ہوتا، جال اٹھا لو، کیونکہ اس جگہ جال ہمیشہ خالی ہی رہتا ہے۔

جس نقصان کا وہم رؤیت میں ہوتا ہے وہ مرئی (دیکھی جانے والی ذات) کا احاطہ و ادراک ہے جو کہ اس مقام میں مفقود ہے۔ صرف بے جہت رؤیت کا ثبوت اور وہ لذت جو دیکھنے والے کو اس رؤیت سے حاصل ہوتی ہے، وہ کوئی نقص اور قصور نہیں رکھتی، بلکہ مرئی کا کمال انعام و احسان ہے کہ وہ اپنے پُر کمال جمال کو محبت کی آگ میں جلنے والوں پر جلوہ فرمائے اور رؤیت وصال کے صاف اور میٹھے پانی سے ان کو لطف اندوز اور سیراب کرتا ہے۔ پس حق تعالیٰ کی پاک بارگاہ میں کوئی نقص عائد نہیں ہوتا اور وہاں کوئی سمت و احاطہ پیدا نہیں ہوتا:

ازاں طرف نپذیرد کمال او نقص و زیں طرف شرف روزگار من باشد

یعنی: اس جانب سے اس کا کمال نقص قبول نہیں کرے گا اور اس طرف سے میرے روزگار کو شرف حاصل ہے۔

یاد رکھیں کہ یہ کہتے ہیں کہ اگر رو برو اور محاذاتِ رؤیت کے حصول کی شرط ہے تو پھر چاہیے کہ جس طرح مرئی (دیکھی جانے والی ذات) کی جانب شرط ہے (اُسی طرح) دیکھنے والی طرف بھی شرط ہو۔ کیونکہ مقابل ہونا ایک ایسی نسبت ہے جو آپس میں

مقابل ہونے والوں میں قائم ہے جو کہ رائی و مرئی (دیکھنے والا اور دیکھی جانے والی ذات) ہیں۔ اس طرح لازم ہوا کہ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ بھی چیزوں کو نہیں دیکھتا اور چیزوں کی رویت کی صفت حق تعالیٰ و تقدس کے لیے بھی ثابت نہیں ہے اور یہ (چیز) نصوص قرآنی کے مخالف ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے: **وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ**۔ (سورۃ بقرہ، ۲۲۵)

یعنی: اور اللہ تمہارے کاموں کو دیکھ رہا ہے۔

♦ **وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ**۔ (سورۃ شوریٰ، ۱۱) یعنی: اور وہ (اللہ) دیکھتا سنتا ہے۔

♦ **وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ**۔ (سورۃ توبہ، ۹۴) یعنی: اور ابھی اللہ تمہارے عملوں کو دیکھیں گے۔

نیز اس طرح نقص لازم آتا ہے اور حق تعالیٰ سے صفت کا ملہ سلب ہوتی ہے۔

سوال: اگر کہیں کہ واجب تعالیٰ میں رویت سے مراد اس کا چیزوں کا علم ہے۔ (اور) علم کے علاوہ کوئی اور امر ایسا نہیں

ہے جو سمت کو لازم کرتا ہو؟

جواب: ہم کہتے ہیں کہ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ رویت صفاتِ کاملہ میں سے ہے اور مستقل طور پر واجب سبحانہ کے لیے نصوص قرآنی سے ثابت ہے۔ اس کا علم کی جانب رجوع کرنا ظاہر کے خلاف ہے اور اگر تسلیم کر لیا جائے کہ وہ علم کی اقسام میں سے ہے تو پھر اس میں محاذات اور مقابلہ کی شرط نہ ہونا لازم نہیں آتا۔ گویا علم کی دو اقسام ہیں۔ ایک قسم وہ ہے جس میں معلوم کے محاذات کی شرط نہیں ہے اور دوسری قسم وہ ہے جس میں محاذات کی شرط عائد ہے جس کا نام رویت ہے۔ یہ قسم ممکنات میں علم کی اقسام میں سب سے اعلیٰ ہے جو اطمینانِ قلب کے مرتبہ میں ہے۔ معقولات میں وہم کے معارضہ کو کوئی امن حاصل نہیں ہے اور وہ (چیز) محسوس ہے جو اس معارضہ سے آزاد ہے۔ اور اس کشمکش سے جدا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت خلیل الرحمن علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے مردوں کے زندہ ہونے پر یقین و ایمان کے باوجود مردوں کے زندہ ہونے کے دیکھنے کا سوال کیا، تا کہ اس پر اطمینانِ قلب حاصل فرمائیں۔

جاننا چاہیے کہ رویت جو صفاتِ کاملہ میں سے ہے، جب وہ واجب تعالیٰ میں موجود نہ ہوگی تو پھر ممکن میں کہاں سے آئے گی؟ کیونکہ ہر کمال جو ممکن میں ظاہر ہوا ہے وہ اس کمال کا عکس ہے جو حضرت حق تعالیٰ و تقدس کے مرتبہ میں موجود اور ثابت ہے۔ اللہ نہ کرے کہ جو کمال ممکن میں موجود ہے وہ واجب تعالیٰ و تقدس میں نہ ہو۔ کیونکہ ممکن اپنی ذات کی حد تک شرو نقص ہے۔ اگر اس میں کوئی کمال ہے تو وہ حضرت وجوب تعالیٰ و تہذبت کے مرتبہ سے ایک عاریت کے طور پر ہے، جو سب خیر و کمال ہے۔ شعر:

نیادرم از خانہ چیزے نخست تو دادی ہمہ چیز و من چیزے تست

یعنی: میں گھر سے پہلے کوئی چیز نہیں لایا، تو نے سب کچھ دیا ہے (اور) میں بھی تیری ہی چیز ہوں۔

اصل سوال کا دوسرا جواب ہم (یہ) بیان کرتے ہیں کہ اعتراض تو واجب تعالیٰ و تقدس کے وجود میں بھی ہو سکتا ہے جو نفی رویت کی مانند اللہ جل شانہ کی جناب پاک کے وجود کی بھی نفی کرتا ہے۔ اس طرح یہ اعتراض صادق دکھائی نہیں دیتا، کیونکہ (یہ) عقلی طور پر لازمی محال ہے۔ اس کا بیان یہ ہے کہ اگر حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ موجود ہے تو یقیناً اس عالم کی سمتوں میں سے

کسی سمت میں ہوگا۔ اوپر ہوگا یا نیچے ہوگا، یا سامنے ہوگا یا پیچھے۔ دائیں ہوگا یا بائیں۔ اور یہ (چیز) احاطہ اور تحدید لازم کرتی ہے جو نقص کا موجب ہے، جو الوہیت کے منافی ہے۔ تَعَالٰی وَتَقَدَّسَ عَنْ ذَلِكْ۔ یعنی: اور اللہ تعالیٰ اس سے بلند اور پاک ہے۔

سوال: ہو سکتا ہے کہ (حقِ شانہ) عالم کی سب سمتوں میں ہو اور احاطہ اور تحدید لازم نہ آئے؟

جواب: ہم کہتے ہیں کہ عالم کی سب سمتوں میں ہونا احاطہ اور تحدید کی نفی نہیں کرتا، کیونکہ اس صورت میں یقیناً عالم کے ماوراء ہوگا، اس لیے کہ وہ ہونا غیر ہونے کو لازم کرتا ہے۔ اربابِ فلاسفہ کا مقرر کردہ اصول ہے کہ:

الْاَنْثَانِ مُتَعَاثِرَانِ۔ یعنی: دو چیزیں آپس میں غیر ہوتی ہیں۔

اور یہ (قول) بھی تحدید کو لازم کرتا ہے۔

مخفی نہ رہے کہ اس قسم کے مٹلا اور جھوٹے شبہات سے نجات پانے کے لیے احکامِ غیب اور احکامِ شہادت کے درمیان فرق کو ملحوظ رکھا جائے اور غائب کو حاضر پر قیاس نہ کیا جائے۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ بعض احکامِ حاضر میں سچے ہوں اور غائب میں جھوٹے ہوں۔ اور حاضر میں کمال ہوں اور غائب میں نقص ہوں۔ مقامات کا اختلاف احکام کے اختلاف کو لازم کرتا ہے۔ خاص کر کے جب مقامات کے درمیان بہت زیادہ فرق و بُعد ہو:

ع مَا لِلشَّرَابِ وَرَبُّ الْأَرْبَابِ

یعنی: خاک کی رب الارباب (باری تعالیٰ) سے کیا نسبت ہے۔

حضرت حق سبحانہ انصاف کی توفیق دے، تاکہ وہ ان توہمات اور شبہ والے خیالات کی وجہ سے قرآنی نصوص کا انکار نہ کریں اور صحیح احادیثِ نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کو نہ جھٹلائیں۔ اس قسم کے نازل شدہ احکام پر ایمان لانا چاہیے اور اس کی کیفیت کو بے مثل (حق تعالیٰ) کے علم کے سپرد کر دینا چاہیے اور اس کی کیفیت کے ادراک کے تصور کو اپنی طرف لوٹانا چاہیے، نہ یہ کہ اپنے ادراک کو پیشوا بنا کر ان احکام کی نفی کر دی جائے جو سلامتی اور صواب سے دور ہے۔ ہو سکتا ہے کہ بہت سی چیزیں حقیقت میں سچ ہوں، لیکن ہماری ناقص عقلوں کے ادراک سے دور ہوں۔ اگر عقل ہی کافی ہوتی تو ابوعلی سینا جیسے اربابِ معقول کے پیشوا تمام عقلی احکام میں سچے ہوتے اور غلطی نہ کرتے، جبکہ صرف ایک مسئلہ کہ الْوَاحِدُ لَا يَصْدُرُ عَنْهُ إِلَّا الْوَاحِدُ (یعنی: ایک سے صرف ایک چیز ہی صادر ہوتی ہے) میں انہوں نے اس قدر غلطی کی ہے جو انصاف پسند ناظرین پر ذرا سے تامل سے واضح ہو جاتی ہے۔ لہذا اس مقام پر امام فخر الدین رازی (رحمۃ اللہ علیہ) ان پر طعن کرتے ہیں اور اس عبارت سے اعتراض کرتے ہیں: وَالْعَجَبُ مِمَّنْ يُفْنِي عُمُرَهُ فِي تَعْلِيمِ آلَاةِ الْعَاصِمَةِ عَنِ الْخَطَا فِي الْفِكْرِ وَتَعْلُمُهَا ثُمَّ إِذَا جَاءَ إِلَى هَذَا الْمَطْلَبِ الْأَشْرَفِ وَقَعَ مِنْهُ شَيْئًا يَضْحَكُ مِنْهُ الصَّبِيَانُ۔

یعنی: اس شخص پر تعجب ہے جس نے اپنی عمر اس علم (منطق) کی تعلیم میں صرف کر دی ہو جو فکر میں خطا سے بچانے والا ہے۔ پھر جب وہ اس اعلیٰ مطلب کی طرف آئے تو اس سے ایسی چیزیں سرزد ہو جائیں جن پر بچوں کو ہنسی آجائے۔

علمائے اہل سنت شَکَرَ اللہ تَعَالٰی سَعِيَهُمْ (اللہ تعالیٰ ان کی کوشش کو مشکور فرمائے) سب شرعی احکام کا اثبات کرتے ہیں، خواہ وہ احکام عقل میں آئیں یا نہ آئیں اور وہ ان کی کیفیت کا سبب معلوم نہ ہونے کی وجہ سے ان احکام کی نفی نہیں

کرتے۔ مثلاً عذابِ قبر، منکر و نکیر کے سوال، پل صراط، اعمال کا ترازو اور اس طرح کی دوسری چیزیں، جن کے ادراک سے ناقص عقلیں عاجز ہیں۔ ان بزرگواروں نے اپنا پیشوا کتاب و سنت کو بنایا ہے اور عقلوں کو ان کے تابع کیا ہے۔ اگر وہ ان کا ادراک کر سکیں تو خوب، ورنہ شرعی احکام کو قبول کرتے ہیں اور اپنے عدم ادراک کو اپنی فہم کے قصور پر محمول کرتے ہیں۔ وہ دوسروں کی طرح نہیں ہیں کہ جو کچھ ان کی عقلیں قبول کریں اور پاسکیں، اُس کو وہ قبول کر لیتے ہیں اور جو کچھ ان کی عقل کے ادراک میں نہ آئے، اس کو وہ قبول نہیں کرتے۔ کیا یہ لوگ نہیں جانتے کہ انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کی بعثت (لوگوں کی) عقلوں کے قصور کی وجہ سے ہے، کیونکہ عقلیں بے مثل و مثال مولا تعالیٰ کے بعض پسندیدہ مطالب کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔ عقل اگرچہ حجت ہے، لیکن حجت کاملہ نہیں ہے۔ حجت کاملہ انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کی بعثت سے مکمل ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا. (سورۃ بنی اسرائیل، ۱۵) یعنی: اور جب تک ہم پیغمبر نہ بھیج لیں، عذاب نہیں دیا کرتے۔

ہم اصل بات کی طرف آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حاضر کی رویت میں اگرچہ مقابلہ اور محاذات کی شرط ہے، لیکن ممکن ہے کہ غائب میں یہ شرط نہ ہو۔ جس طرح کہ غائب موجود ہے اور موجودات کی سمتوں میں سے کوئی سمت بھی نہیں ہے، مرئی (دیکھی جانے والی ذات) رائی (دیکھنے والے) کی رویت کے بغیر سمتوں سے پاک ہے۔ رویت کے بعد بھی اس کے لیے کوئی سمت ثابت نہیں ہے اور مقابلہ و محاذات مفقود ہیں۔ اس جگہ کوئی چیز بعید اور محال ہے؟ بے مثل کی رویت بھی بے مثل ہے، کیونکہ مثل کو بے مثل کی جانب کوئی راستہ (حاصل) نہیں ہے۔ لَا يَحْمِلُ عَطَايَا الْمَلِكِ إِلَّا مَطَايَاهُ. (۲) یعنی: بادشاہ کے عطیات کو اُس کی سواریاں ہی اٹھا سکتی ہیں۔

بے مثل کی اس رویت کو مثل کی رویت پر، جو کہ مثل کی مریات سے تعلق رکھتی ہے، قیاس کرنا نامناسب ہے اور انصاف سے دور ہے۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ الْمُؤَفِّقُ لِلصَّوَابِ. یعنی: اور اللہ سبحانہ ہی درست بات کی توفیق بخشنے والا ہے۔

مکتوب نمبر (۴۵)

مولانا سلطان سرہندی کو تحریر فرمایا۔ مومن کے قلب کی شان کی بلندی اور اس کی ایذا سے منع کرنے کے بیان میں۔
بالمعنی نقل کیا گیا ہے۔

الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِهِ مُحَمَّدٍ وَّآلِهِ اَجْمَعِينَ.

یعنی: سب تعریفوں کے لائق سارے جہانوں کا پروردگار ہے اور اس کے رسول (حضرت) محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سب آل (اطہار) پر سلام ہو۔

اما بعد، جان لیں کہ یقیناً دل اللہ سبحانہ کا ہمسایہ ہے اور دل جتنا حق تعالیٰ کی جناب پاک کے زیادہ قریب ہے اتنا کوئی اور چیز نہیں ہے۔ لہذا تم اس کو تکلیف دینے سے بچو، خواہ وہ مومن کا دل ہو یا گناہگار کا، کیونکہ ہمسائے کی مدد کی جاتی ہے، خواہ وہ گناہگار ہو۔ پس اس (کی اذیت) سے ڈرو! اس (کی اذیت) سے بچو! بیشک کفر کے بعد جو چیز اللہ سبحانہ کو ایذا دینے کا ذریعہ ہے، وہ مومن کے دل کو دکھ دینے سے زیادہ کوئی اور گناہ نہیں ہے، کیونکہ اللہ سبحانہ تک پہنچنے والی چیزوں میں سب سے

زیادہ قریب ترین چیز دل ہے اور خلقت سب اللہ سبحانہ کے بندے (وغلام) ہیں، لہذا غلام کو مارنا اور اس کی اہانت کرنا اس کے مالک کو ایذا دینا ہے۔ پس اس مولیٰ کی کیا شان ہے جو مالک مطلق ہے۔ لہذا ہم اس کی مخلوق میں اتنا ہی تصرف کریں جتنا کہ اس نے اس کا حکم فرمایا ہے۔ کیونکہ اس قدر ایذا میں داخل نہیں ہے، بلکہ وہ حق تعالیٰ کے حکم کی بجا آوری ہے۔ جیسا کہ غیر شادی شدہ زانی کی حد سو کوڑے ہیں۔ پس اگر کوئی شخص اس سے زیادہ مارے تو وہ ظلم ہو جاتا ہے اور ایذا میں داخل ہو جاتا ہے۔

نیز آپ جان لیں کہ بیشک دل مخلوقات میں (سب سے) افضل ہے اور ان سے اشرف ہے، جس طرح کہ انسان اپنے اجمال و جمعیت کی وجہ سے عالم کبیر کی ہر چیز سے افضل ہے، دل بھی اسی طرح اپنے کمال بساطت اور اپنی اجمالیّت و شمولیت کی وجہ سے ہر اُس چیز سے افضل ہے جو انسان میں ہے۔ اور جب کوئی چیز اجمال کی رو سے زیادہ قوی ہو اور جمعیت و شمولیت کی رو سے زیادہ کثیر ہو، وہ حق تعالیٰ کی بارگاہ میں زیادہ قریب ہوتی ہے۔

نیز جان لیں کہ جو کچھ انسان میں ہے یا وہ عالم خلق سے ہے اور یا عالم امر سے ہے اور دل ان دونوں کے درمیان برزخ ہے اور (انسان) عروج کے مراتب میں اپنے اصول کی طرف عروج کرتا ہے۔ مثلاً اس کا عروج اوّل اپنی اصل کی طرف ہوتا ہے جو پانی ہے، اس کے بعد اپنی اصل جو کہ ہوا ہے، کی طرف، اس کے بعد اپنی اصل جو کہ آگ ہے، کی طرف (ہوتا ہے) پھر اپنے اصول کی طرف جو کہ لطائف ہیں، اس کے بعد اپنے اسم جزئی کی جانب جو کہ اس کا ربّ ہے، اس کے بعد اس کے اسم کلی کی طرف، اس کے بعد جہاں تک اللہ چاہے، اس کی جانب، بخلاف دل کے کہ اس کی کوئی اصل نہیں ہے جس کی طرف وہ عروج کرے، بلکہ اس کا عروج ابتدا ہی سے صرف حق تعالیٰ کی ذات کی جانب ہوتا ہے۔ یقیناً یہ عروج غیب ہویت (ذات مجرّدہ) کا دروازہ ہے۔ ایسا ہی ہے۔ لیکن اس تفصیل کی تکمیل کے بغیر صرف دل کے طریقہ سے (وہاں تک) پہنچنا مشکل ہے۔ بلکہ سوائے اس کے نہیں ہے کہ وہ وصول صرف اس تفصیل کی تکمیل کے بعد میسر آتا ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ جامعیت اور وسعت کی صفت دل میں ثابت نہیں ہوتی، مگر ان سب تفصیلی مراتب کو طے کرنے کے بعد۔ اور اس مقام میں دل سے مراد وہی دل ہے جو بسیط (جامع) اور بسط ہے، نہ کہ گوشت کا ٹکڑا۔

مکتوب نمبر (۴۶)

حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد سعید مدظلہ العالی کو تحریر فرمایا۔ عروج و نزول (کے بیان) میں۔ بالمعنی نقل کیا گیا ہے۔

نَحْمَدُهُ وَنُسْتَعِينُهُ وَنُصَلِّيْ عَلَى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا وَشَفِيعِ ذُنُوبِنَا مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَاصْحَابِهِ.

یعنی: ہم اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے اور اُسی سے مدد مانگتے ہیں اور ہمارے سردار، مولانا اور گناہوں کی شفاعت فرمانے والے حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آل (اطہار) اور صحابہ (کرام) پر درود و سلام بھیجتے ہیں۔

جان لیں کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے مجھ پر ظاہر فرمایا کہ کائنات میں ایک نقطہ ہے جو عالم ظلی کا مرکز ہے اور یہ نقطہ تمام عالم کا اجمال ہے اور سارا عالم اس اجمال کی تفصیل ہے۔ یہ نقطہ چمک دمک میں سورج کی مانند ہے اور جو کچھ آفاق میں ہے وہ اسی نقطہ سے منور ہوتا ہے۔ پس جس شخص کو بھی اللہ سبحانہ سے فیض پہنچتا ہے، وہ اسی نقطہ کے وسیلہ سے پہنچتا ہے۔ اور یہ نقطہ غیب ہویت کے نقطہ کے محاذات (مقابل) پر واقع ہے اور یہ نقطہ مرتبہ نزول میں موجود ہے۔ پس جب تک اس مرتبہ میں بہبوط و

اسفلیت (اوپر سے نیچے آنے اور زیادہ پستی) کا نزول ثابت نہ ہو جائے (اُس وقت تک) اس مرتبہ میں جو کہ غیبِ ہویت سے موسوم ہے، عروج بھی میسر نہیں آتا۔ اور یہ نزول دعوت و تکمیل کے لیے ہوتا ہے اور اس نزول کے ساتھ متصف ہونے کے وقت جو کہ اس نقطہ کے مرتبہ کے ساتھ واقع ہے، ایسا خیال آتا ہے کہ گویا چہرہ عالم کی جانب ہے اور پیٹھ حق سبحانہ کی طرف ہے۔ اور معلوم ہوا کہ اس توجہ کا عالم کی طرف ہونا اور حق سبحانہ سے کٹ جانا صرف موت کے وقت تک ہے اور جب وصال کا وقت آتا ہے تو حالت برعکس ہو جاتی ہے۔ پس اس جہان میں فراق اور اشتیاق دونوں طرف سے ثابت ہے اور ملاقات حاصل نہیں ہوتی، مگر موت کے بعد۔ اس طرح اس حدیثِ قدسی کے معنی بھی ظاہر ہو گئے:

الْأَطَالُ شَوْقُ الْأَبْرَارِ إِلَى لِقَائِي وَأَنَا إِلَيْهِمْ لَا شَدَّ شَوْقًا.

یعنی: سن لو کہ میری ملاقات کے لیے ابرار کا شوق بہت زیادہ بڑھ گیا اور میں ان سے بھی زیادہ ان کا مشتاق ہوں۔
جاننا چاہیے کہ اس مرتبہ میں نزول کے ثابت ہونے کے باوجود سالک اور حق سبحانہ کے درمیان کسی قسم کا حجاب ثابت نہیں ہے، بلکہ سب حجابات اٹھ جاتے ہیں، لیکن حق سبحانہ کی طرف توجہ مفقود ہوتی ہے، بلکہ اس جگہ پوری توجہ مخلوق کی جانب ہوتی ہے، کیونکہ یہ مقام، مقامِ دعوت ہے۔ کبھی اس نقطہ سے جو کہ عالم ظلی کے دائرہ کار مرکز ہے، اس نقطے کی جانب نزول واقع ہوتا ہے جو عدم کے دائرے کا مرکز ہے اور یہ مقام حق تعالیٰ کے ساتھ کفر کا مقام ہے اور حق سبحانہ سے اور اس کے انبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہم وسلم سے اور حق تعالیٰ کی آیات سے انکار کا مقام ہے۔ اس نقطہ سے اس نقطے کی طرف عروج واقع ہوتا ہے جو اصل دائرے کا مرکز ہے اور یہ مقامات انبیاء علیہم السلام کا دائرہ ہے اور یہ نقطہ جس کا ہم نے ذکر کیا ہے، ظلمانی ہے اور انتہائی تاریک ہے۔ اس طرح اس مقام میں نور و روشنی کے ارادے سے نزول کرنا بہت عظیم الشان کام ہے اور اس نقطے کے مقابل (برابر) اسلام کا نقطہ ہے اور یہ ایک ایسا نقطہ ہے جس کی طرف اس ظلمانی نزول کے بعد عروج واقع ہوتا ہے اور اس ظلمانی نقطہ کا چراغ کلمہ توحید لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ ہے۔ والسلام

مکتوب نمبر (۴۷)

بادشاہِ وقت (جہانگیر) کو تحریر فرمایا۔ دعا کے اسرار اور علماء و صلحاء کی تعریف میں۔

دعا کرنے والوں میں سے کمترین احمد بارگاہِ معلیٰ میں حاضر ہونے والوں اور اس بلند بارگاہ کے خادموں کی خدمت میں التماس کرتا ہے اور عاجزی و نیاز مندی کا اظہار کرتا ہے اور اس امن و امان کی نعمت کا شکر ادا کرتا ہے جو آپ کی حکومت و اقبال کی بدولت عوام و خواص کے شامل حال ہے۔ اور اُمید کے اوقات میں اور دعا کے قبول ہونے کے اوقات کے گمان میں اور فقراء کے اجتماع کے موقع پر فتح مندی کے پیکر لشکر کی فتح و نصرت کی دعا مانگتا ہے، کیونکہ:

ع ہر کسے را بہر کارے ساختند

یعنی: ہر شخص کو ایک کام کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ کے کارخانہ میں کوئی چیز بیکار نہیں ہے۔ جو کام کافروں کے خلاف جنگ اور جہاد کرنے والے لشکر سے وابستہ کیا گیا ہے وہ سلطنت کی زبردست حکومت کے پایہ کی تقویت و تائید کرنا ہے، کیونکہ روشن شریعت کی ترویج اس سے متعلق

ہے۔ اس لیے کہ بزرگوں نے کہا ہے کہ: الشُّرُحُ تَحْتَ السَّيْفِ۔ یعنی: شریعتِ تلوار کے سایہ کے نیچے ہے۔ یہی معتبر کام دعا کے اس لشکر سے بھی وابستہ ہے جو اربابِ فقر اور اربابِ بلا کا ہے۔ کیونکہ فتح اور نصرت کی دو اقسام ہیں۔ ایک قسم وہ ہے جس کو اسباب سے متعلق بنایا گیا ہے اور فتح و نصرت کی یہ صورت وہ ہے جو کافروں کے خلاف جنگ کرنے والے لشکر سے متعلق ہے۔ دوسری قسم فتح و نصرت کی حقیقت ہے جو مسببِ الاسباب کی جانب سے ہے اور (اس آیت) کریمہ میں اسی کی طرف اشارہ ہے جو لشکر دعا سے تعلق رکھتی ہے: وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ۔ (سورۃ آل عمران، ۱۲۶) یعنی: اور مدد تو اللہ ہی کی ہے، جو غالب اور حکمت والا ہے۔

پس لشکر دعا اپنی ذلت و انکساری کی وجہ سے کافروں کے خلاف جنگ کرنے والے لشکر سے سبقت لے گیا اور اس نے سب سے مسبب کی جانب دلالت فرمائی:

ع بر دند شکستگان ازیں میداں گوئے

یعنی: اس میدان سے عاجزوں نے گیند جیتی ہے۔

اسی طرح دعا قضا کو لوٹا دیتی ہے۔ مخبر صادق علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے:

لَا يُرَدُّ الْقَضَاءُ إِلَّا الدُّعَاءُ۔^(۱) یعنی: قضا نہیں ملتی مگر دعا سے۔

تلوار اور جہاد یہ طاقت نہیں رکھتے کہ قضا کو لوٹا دیں۔ اس طرح لشکر دعا ضعف اور عاجزی کے باوجود کافروں کے خلاف جنگ کرنے والے لشکر سے زیادہ قوی ہوئی۔ نیز لشکر دعا کافروں کے خلاف جنگ کرنے والے لشکر کے لیے روح کی طرح اور کافروں کے خلاف جنگ کرنے والا لشکر اس کے لیے جسم کی مانند ہے۔ پس کافروں کے خلاف جنگ کرنے والے لشکر کو لشکر دعا کے سوا چارہ نہیں ہے، کیونکہ جسم روح کے بغیر تائید و نصرت کے قابل نہیں ہوتا۔ اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ:

كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ يَسْتَفْتِي بِصَعَالِيكَ الْمُهَاجِرِينَ۔^(۲)

یعنی: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (کافروں کے خلاف جنگ کرنے والے لشکر اور لڑنے والوں کے غلبہ کے باوجود) مہاجرین فقراء کے وسیلہ سے (اللہ تعالیٰ سے) فتح و نصرت طلب فرماتے تھے۔

پس فقراء، جو کہ لشکر دعا ہیں، باوجود اپنی خواری و زاری اور بے اعتباری کے، کیونکہ ان کے بارے میں کہا گیا ہے کہ: الْفَقْرُ سَوَادُ الْوُجْهِ فِي الدَّارَيْنِ (فقر دو جہانوں کی رو سیاہی ہے)، لہذا وہ اس بے اعتباری میں اعتبار پیدا کرتے ہیں اور اپنے ساتھیوں اور ہمکاروں میں سب سے آگے نکل جاتے ہیں۔ مخبر صادق علیہ من الصلوٰات اتمہا نے فرمایا ہے: ”کل قیامت کے روز شہیدوں کے خون کو علماء کی سیاہی کے ساتھ تولا جائے گا تو اس سیاہی کا پلڑا بھاری ہوگا۔“ سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ۔ (اللہ پاک ہے اور اُسی کی حمد ہے)۔ یہ سیاہی اور یہ سیاہ روئی ان کی عزت اور سرخ روئی کا باعث بن گئی اور اس نے ان کے مرتبہ کو پستی سے بلندی پر پہنچا دیا ہے۔ جی ہاں!

ع بتاریکی دروں آبِ حیات است

یعنی: اندھیرے کے اندر آبِ حیات ہے۔

ایک شاعر کہتا ہے:

غلام خوشنتم خواند لالہ رخسارے سیاہ روئی من کرد عاقبت کارے

یعنی: محبوب مجھے اپنا غلام کہتا ہے، آخر میری سیاہ روئی نے کام کر دکھایا ہے۔

اگرچہ یہ مکتوب اس لائق نہیں ہے کہ خود کو لشکر دعا میں شامل کرے، لیکن محض اسم فقر اور اپنی دعا کی قبولیت کے احتمال کی وجہ سے خود کو دولت قاہرہ کی دعا سے فارغ نہیں رکھتا اور حال و قال کی زبان سے دعا و فاتحہ سلامتی میں رطب اللسان رہتا ہے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ. (سورۃ بقرہ، ۱۲۷)

یعنی: اے ہمارے پروردگار! ہم سے یہ خدمت قبول فرما۔ بیشک تو سننے والا (اور) جاننے والا ہے۔

مکتوب نمبر (۴۸)

حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد سعید مدظلہ العالی کو تحریر فرمایا۔ حق تعالیٰ کی اقریبیت کے راز (کے بیان) میں، اور اس بیان میں کہ گنہ ذات (کا انکشاف) علم حضوری سے ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ.

الْحَمْدُ لِلَّهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَىٰ. (سورۃ نمل، ۵۹)

یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے ان بندوں پر سلام ہو، جن کو اس نے منتخب فرمایا۔

حق تعالیٰ کی اقریبیت کا معاملہ علم حضوری سے وابستہ ہے جو کہ اصل معلوم سے تعلق رکھتا ہے، نہ کہ ظلال معلوم کے کسی ظل کے ساتھ اور اس کی صورتوں میں سے کسی صورت کے ساتھ، جو کہ علم حصولی کا نصیب ہے۔ پس علم حصولی حقیقت میں نفس چیز کا علم نہیں ہوتا، بلکہ وہ اس چیز کی صورتوں میں سے کسی صورت کا علم ہوتا ہے اور وہ اس نفس چیز کی نسبت سے جہل ثابت ہوتا ہے۔ سُبْحَانَ اللَّهِ (اللہ پاک ہے) کہ چیز کے جہل کو اس چیز کا علم کہا گیا ہے۔ شاید کہ چیز کی صورت اور ظل کو عین چیز تصور کرتے ہوئے انہوں نے چیز کی صورت کو چیز کا علم سمجھ لیا ہے اور یہ ممنوع ہے اور عینیت کا دعویٰ نہ سننے کے لائق ہے۔ کیونکہ چیز اور چیز کی صورت ایک دوسرے کے ساتھ دوئی کی نسبت رکھتی ہیں اور جس جگہ دوئی کی نسبت ثابت ہے، وہاں تغایر (ایک دوسرے کا غیر ہونا) لازم آتا ہے، کیونکہ اگر باب معقول کا قضیہ مقرر ہے کہ الِاثْنَانِ مُتَغَايِرَانِ۔

یعنی: دو چیزیں ایک دوسرے کی غیر ہوتی ہیں۔

اسی طرح کسی چیز کی صورت کا علم اس چیز کے مکافہ علم کو کس طرح لازم کر سکتا ہے، کیونکہ چیز کی صورت اس کی ظاہری مثال ہے جس نے آئینے کے احکام کا لباس پہن کر ظہور پیدا کر لیا ہے۔ اکثر یوں ہوتا ہے کہ کسی چیز کے دقائق اور اسرار ہوتے ہیں جن کا صورت میں کوئی نام و نشان نہیں ہے:

گر مصور صورت آں دلستاں خواہد کشید حیرتے دارم کہ نازش را چساں خواہش کشید

یعنی: اگر مصور اس محبوب کی تصویر بنائے گا تو میں حیران ہوں کہ وہ اس کے ناز کی تصویر کشی کیسے کرے گا۔

کاش کہ کسی چیز کا ظاہر اپنی اصلیت میں اس چیز کی صورت میں ظاہر ہو جائے اور باطن موقوف رہے۔ جب چیز کا ظاہر

محل اور آئینہ کے رنگ سے ملتیس ہو کر چیز کی صورت میں ظہور کرتا ہے تو یقین ہے کہ ظاہر اپنی اصلیت میں نہیں رہتا، بلکہ وہ ایک دوسری شکل پیدا کر لیتا ہے۔ پس صورت جس طرح چیز کے باطن سے محروم ہے، اسی طرح وہ اس کے ظاہر سے محروم ہے۔ لہذا مجبوراً اس صورت کا علم اس چیز کے علم کے ساتھ جیسا کہ وہ ہے لازم نہیں ہوگا۔ الغرض معلوم حقیقت میں وہ ہے جو ذہن میں موجود ہو۔ اور ذہن میں چونکہ کائن کی صورت موجود ہے، لہذا معلوم بھی وہی صورت ہوگی اور صورت کی جب چیز کے ساتھ تغائر (فرق) کی نسبت پیدا ہوگئی تو صورت کا علم نفس چیز کے علم کو جیسا کہ وہ ہے، لازم نہیں ہوگا۔ وہ علم حضوری ہی ہے جو قوتِ مدرکہ میں موجود ہے جہاں نفس چیز حاضر ہے اور درمیان میں کوئی ظل و صورت حائل نہیں ہوئی ہے۔ پس معلوم اس علم میں نفس چیز ہے، نہ کہ اس چیز کی صورتوں میں سے کوئی صورت۔ لہذا علم حضوری اشرف ہے، بلکہ علم تو صرف یہی ہے اور اس کے علاوہ جو علم حصولی ہے وہ جہل ہے، جس نے علم کی صورت میں خود کو ظاہر کر لیا ہے۔ جہل مرکب (یہ) ہے کہ (لوگ) اپنے جہل کو علم سمجھتے ہیں اور نہیں سمجھتے کہ وہ کچھ نہیں سمجھتے۔ بس علم حصولی کو واجب تعالیٰ و تقدس کی ذات و صفات کی جانب کوئی راستہ (حاصل) نہیں ہے اور اس علم کے ذریعے واجب تعالیٰ و تقدس کی ذات و صفات معلوم نہیں ہوتیں۔ کیونکہ یہ علم درحقیقت معلوم کی صورت کا علم ہے، نہ کہ نفس معلوم کا۔ جیسا کہ (اوپر) بیان ہو چکا۔ صورت کو حضرت (حق) جلِ سلطانہ کی (بارگاہ کی) طرف کوئی راستہ (حاصل) نہیں ہے، تا کہ صورت کے علم کو صورت کی اصل کا علم کہا جائے۔ اگرچہ بعض (صوفیہ) نے کہا کہ حق جلِ سلطانہ کی کوئی مثل نہیں ہے، لیکن مثال ہے، لیکن اگر یہ مثالی صورت ثابت ہو جائے تو یہ اس ذہنی صورت کے علاوہ ہے جو علم سے تعلق رکھتی ہے اور ممکن ہے کہ عالم مثال میں، جو کہ مخلوقات میں سب سے زیادہ وسیع ہے، صورت موجود ہو اور ذہن میں ثابت نہ ہو۔ حدیثِ قدسی: لَا يَسْعَى أَرْضِي وَلَا سَمَائِي وَلَكِنْ يَسْعَى قَلْبُ عَبْدِي الْمُؤْمِنِ^(۱) (یعنی: اپنی زمین اور آسمان میں نہیں سما سکتا، لیکن اپنے مومن بندے کے دل میں سما سکتا ہوں) اس مومن بندے کے دل کے ساتھ مخصوص ہے جس کا معاملہ باقی لوگوں سے جدا ہے جو فنا و بقا سے مشرف ہو چکا ہے اور حصول سے آزاد ہو کر حضور کے ساتھ جڑ گیا ہے۔ وہاں اگر گنجائش ہے تو حضور کے اعتبار سے ہے، حصول کے اعتبار سے نہیں ہے:

ع در کد ام آئینہ در آید او
یعنی: وہ کونسے آئینے میں سما سکتا ہے۔

جاننا چاہیے کہ علم حضوری میں عالم اور معلوم کا اتحاد ہے۔ پس اس علم کا زوال اس عالم سے روا نہیں ہے، کیونکہ معلوم اس کا اپنا نفس ہے جو اس سے جدا نہیں ہے، بلکہ علم بھی وہاں عین عالم ہے اور عین معلوم ہے۔ جدا ہونے کی کیا گنجائش ہے۔ جاننا چاہیے کہ علم حضوری میں معلوم نفس چیز ہے، اس کی صورت نہیں ہے۔ مجبوراً معلوم وہاں جس طرح ہے، اسی طرح منکشف ہو جاتا ہے۔ وہ کما حقہ علم میں آ جاتا ہے اور اس کی گنہ (حقیقت) معلوم ہو جاتی ہے، کیونکہ کسی چیز کی گنہ سے مراد اس چیز کا نفس ہے۔ اور جب سب وجوہات اور اعتبارات ساقط ہو گئے اور نفس ذات باقی رہ گئی جو کہ مدرکہ میں حاضر ہے تو پھر اس کی گنہ معلوم ہوگئی۔ بخلاف علم حصولی کے، کیونکہ معلوم وہاں کسی چیز کی وجوہات و اعتبارات ہیں، جو صورتیں اور مثالیں ہیں نہ کہ چیز کا نفس۔ جیسا کہ (اوپر) بیان ہوا۔ پس معلوم وہاں چیز کی گنہ (حقیقت) نہ ہوگی اور چیز گنہ (حقیقت) سے معلوم نہ ہو

گی۔ مختصر یہ کہ علم حصولی میں چیز کا انکشاف بھی ہے اور چیز کا ادراک بھی اور علم حضوری میں چیز کا انکشاف ہے، لیکن ادراک نہیں ہے۔ پس معلوم کی گئے (حقیقت) منکشف ہو جاتی ہے، لیکن ادراک میں نہیں آتی۔

پوشیدہ نہ رہے کہ جب واجب جل سلطانہ کی ذات کی نسبت علم حضوری ثابت ہو گیا، جیسا کہ (اوپر) بیان ہوا ہے، تو پھر لازم ہوا کہ واجب جل سلطانہ کی ذات کی گئے (حقیقت) منکشف ہو اور واجب تعالیٰ کی ذات جیسی کہ وہ ہے، معلوم ہو جائے اور یہ (چیز) علماء کے مقرر (کردہ اصول) کے خلاف ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ علم حضوری جس نے واجب تعالیٰ کی ذات کے ساتھ تعلق پیدا کیا ہے، رویت کی طرح ہے جو واجب تعالیٰ کی نسبت ثابت کرتے ہیں کہ اس جگہ انکشاف تو ہے، لیکن ادراک مفقود ہے۔ اس علم میں بھی انکشاف ہے اور ادراک مفقود ہے۔ جب رویت واجب تعالیٰ کے ساتھ تعلق رکھتی ہے تو پھر علم تعلق کیوں نہیں رکھتا جو کہ رویت سے زیادہ لطیف ہے۔ مشکل ادراک میں ہے جو کہ احاطہ کو لازم کرتا ہے، نہ کہ انکشاف میں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ (آنکھیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں۔ سورہ انعام، ۱۰۳) اور نہیں فرمایا کہ: لَا تَرَاهُ الْأَبْصَارُ (آنکھیں اس کو دیکھ نہیں سکتیں)۔

سوال: جب ادراک نہیں ہوگا تو انکشاف کس کام آئے گا؟

جواب: ہم کہتے ہیں کہ انکشاف سے مقصود دیکھنے والے کا لذت پانا ہے جو حاصل ہے، ادراک ہو یا نہ ہو۔

سوال: ادراک کے بغیر انکشاف لذت کو کس طرح لازم کر سکتا ہے؟

جواب: لذت حاصل کرنے کے لیے انکشاف کافی ہے، ادراک ہو یا نہ ہو۔ یا یہ کہ ہم کہتے ہیں کہ اس مقام میں ادراک بھی حاصل ہے، لیکن وہ نامعلوم کیفیت کا ادراک ہے جو منفی ہے۔ وَاللَّهُ سُبْحَانَهُ اعْلَمُ۔ (اور اللہ سبحانہ ہی خوب جانتا ہے)۔ درک وہ ہے جس کی کیفیت علم کے ادراک میں آجائے اور معلوم کا احاطہ کر لے۔ لَا يُحِيطُونَ بِهِ عِلْمًا (وہ اپنے علم سے اللہ کے علم پر احاطہ نہیں کر سکتے۔ سورہ طہ، ۱۱۰) نص قاطع ہے، جو علم حصولی کے مناسب ہے۔ اگر علم حضوری میں ادراک نہیں تو پھر علم حصولی میں کہاں سے آئے گا؟ کیونکہ جو کچھ ظل میں ہے وہ مرتبہ اصل سے مستفاد ہے، لیکن ادراک اصل میں نامعلوم کیفیت میں ہے اور ظل میں معلوم کیفیت میں ہے۔

مکتوب نمبر (۴۹)

جناب حضرت میر محمد نعمان کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ جو علم حضوری عارف کو اپنے آپ سے ہوتا ہے، وہی حق تعالیٰ کے ساتھ تعلق پیدا کر لیتا ہے۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ وَسَلَامٌ عَلَى عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَىٰ۔ (سورہ نمل، ۵۹)

یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے ان بندوں پر سلام ہو، جن کو اس نے منتخب فرمایا۔

جاننا چاہیے کہ علم حصولی کی نسبت آفاق کے ساتھ ہے اور علم حضوری کی نسبت انفس کے ساتھ ہے اور جب حق تعالیٰ کے انتہائی درجہ قرب کا معاملہ کامل معرفت والے عارف پر ظاہر ہوتا ہے اور وہ اس بلند مقام سے آراستہ ہو جاتا ہے اور یہ انفس اس کے حق میں آفاق کا حکم پیدا کر لیتا ہے اور اس کا علم حضوری علم حصولی میں تبدیل ہو جاتا ہے تو اس وقت حق سبحانہ کی اقربت

انفس کا حکم پیدا کر لیتی ہے اور جو علم حضوری پہلے انفس سے تعلق رکھتا تھا، وہ اس اقریبیت سے تعلق پیدا کر لیتا ہے۔ اس معنی سے نہیں کہ وہ خود کو عین واجب تعالیٰ سمجھے اور جو علم اس کے نفس سے متعلق ہو اس کو بعینہ واجب سبحانہ سے متعلق خیال کرے۔ اس لیے کہ یہ خود تو حید کا معاملہ ہے اور مقامات قرب سے تعلق رکھتا ہے، کیونکہ قرب کی انتہا اتحاد ہے۔ اقریبیت دوسری چیز ہے اور اس کا معاملہ بھی اور ہے۔ اتحاد (شہودی) سے (آگے) گزرنا چاہیے اور دوئی میں آنا چاہیے، تاکہ اقریبیت متصور ہو جائے۔ کوئی ناقص شخص لفظ اثنیت (دوئی) سے وہم میں نہ پڑ جائے اور اتحاد کو اس سے بالانہ سمجھے۔ کیونکہ وہ دوئی جو اتحاد سے کمتر ہے وہ جانوروں جیسے عوام کا مقام ہے اور یہ دوئی جو اتحاد پر ہزاروں فضیلتیں رکھتی ہے، انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کا مقام ہے۔ جس طرح کہ صحو جو کہ سکر سے پہلے ہوتا ہے، وہ عوام کا حال ہے اور جو صحو سکر کے بعد ہے وہ خواص کا مقام ہے، بلکہ خاص الخاص کا مقام ہے۔ جس طرح کہ جو اسلام کفر طریقت سے پہلے ہے وہ عام مسلمانوں کا ایمان ہے اور جو اسلام کفر طریقت کے بعد ہے وہ خاص الخاص کا اسلام ہے۔

عجیب معاملہ ہے کہ اگرچہ عارف خود کو واجب تعالیٰ نہیں سمجھتا، لیکن اس کا علم حضوری جو عارف کے نفس سے تعلق رکھتا تھا، وہ واجب تعالیٰ سے تعلق پیدا کر لیتا ہے اور اس کا اپنے متعلق علم جو اس کے نفس سے حضوری تھا، وہ علم حصولی بن جاتا ہے:

ع در عشق چنیں بواجبی ہا باشد

یعنی: عشق میں اس طرح کی عجیب و غریب باتیں ہوتی ہیں۔

دانشخص کی عقل اس نکتہ کا سراغ نہیں لگا سکتی، بلکہ اس کو ضدوں کے جمع ہونے کی طرف لے جاتی ہے۔ ایک عارف

کہتے ہیں: عَرَفْتُ رَبِّي بِجَمْعِ الْأَضْدَادِ.

یعنی: میں نے اپنے پروردگار کو ضدوں کے جمع ہونے سے پہچانا۔

رَبَّنَا آتِنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً وَهَيِّئْ لَنَا مِنْ أَمْرِنَا رَشَدًا. (سورۃ کہف، ۱۰)

یعنی: اے ہمارے پروردگار! ہم پر اپنے ہاں سے رحمت نازل فرما اور ہمارے کام میں درستی (کے سامان) مہیا کر۔

وَالسَّلَامُ عَلَيَّ مَنْ اتَّبَعَ الْهُدَى. (سورۃ طہ، ۴۷)

یعنی: اور جو شخص ہدایت کی بات مانے، اُس کو سلامتی نصیب ہو۔

مکتوب نمبر (۵۰)

قاضی نصر اللہ کو تحریر فرمایا۔ راسخ علماء کے استدلال اور ارباب ظاہر کے استدلال کے درمیان اثر سے مؤثر کی جانب

فرق (کے بیان) میں۔

اثر سے مؤثر اور مخلوق سے خالق جل سلطانہ پر استدلال کرنا علمائے ظاہر کا کام بھی ہے اور علمائے راسخین کا کام بھی، جو انبیاء علیہم الصلوٰات والتحیات کے کامل وارث ہیں۔ علمائے ظاہر وجود مخلوق کے علم سے وجود خالق کا علم پیدا کرتے ہیں اور وجود اثر کو وجود مؤثر پر دلیل بنا کر مؤثر کے وجود کا ایمان و یقین حاصل کرتے ہیں اور علمائے راسخین جو کہ کمالات ولایت کے درجات کو طے کر کے مقام دعوت میں پہنچ گئے ہیں، جو کہ اصل میں انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کا خاصہ ہے، وہ بھی تجلیات

و مشاہدات کے حاصل ہونے کے بعد اثر سے مؤثر کی جانب استدلال کرتے ہیں اور اس راستے سے بھی مؤثر حقیقی کا ایمان پیدا کرتے ہیں۔ کیونکہ آخر کار انہوں نے سمجھ لیا ہے کہ جو کچھ مشہود اور جلوہ گر ہوا تھا، وہ مطلوب کے ظلال میں سے ایک ظل تھا جو نفی کے لائق اور عدم ایمان کا مستحق تھا۔ نیز انہوں نے یقین کر لیا ہے کہ بے مثل (ذات) پر ایمان بغیر استدلال کے اس دنیا میں میسر نہیں ہے۔ لہذا مجبوراً وہ استدلال کی جانب متوجہ ہو جاتے ہیں اور مطلوب کو ظلال کے پردوں کے بغیر طلب کرتے ہیں۔ چونکہ یہ بزرگوار حق سبحانہ کی جناب پاک سے محبت کا رشتہ مضبوط رکھتے ہیں اور انہوں نے ماسوا کو مطلوب حقیقی کی محبت پر فدا کر ڈالا ہے، لہذا وہ لازمی طور پر: **الْمَوْتُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ** ^(۱) (آدمی اُس کے ساتھ ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے) کی رو سے استدلال کے راستے سے مطلوب حقیقی تک پہنچتے ہیں اور تجلیات و ظہورات کے تنگ کوچے سے، جس میں ظلال کا شائبہ ہے، آزاد ہو کر اصل الاصل کے ساتھ مل جاتے ہیں۔ وہ مقام کہ جہاں علمائے ظاہر کا علم پہنچتا ہے، یہ بزرگوار وہاں محبت کی گویا کی کشش کے ذریعے کھینچے ہوئے پہنچ جاتے ہیں اور بے کیف اتصال پیدا کر لیتے ہیں۔ یہ فرق محبت اور عدم محبت کے راستے کی وجہ سے ہوا ہے۔ جو محبت اور محبوب کے غیر سے کٹ گیا ہے، وہ محبوب سے مل جاتا ہے۔ اور جو یہ محبت نہیں رکھتا، وہ علم پر کفایت کرتا ہے اور اُس کو غنیمت سمجھتا ہے، بلکہ جس جگہ وہ بزرگوار خود پہنچ جاتے ہیں، ان کا علم اس جگہ نہیں پہنچتا۔ علم کی انتہا اس کے صحیح ہونے کی صورت میں مطلوب کی چوکھٹ تک ہے اور جو شخص مطلوب سے واصل ہے، وہ مطلوب کے ساتھ ہے۔ معیت کوئی نکتہ ایسا نہیں چھوڑتی جو واصل کو نصیب نہ ہو جائے۔ ایک بزرگ کہتے ہیں:

ع بندہ با حق ہمجو شیر و شکر ست

یعنی: بندہ حق تعالیٰ سے اس طرح مل جاتا ہے، جیسے دودھ اور شکر۔

وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْأَعْلٰی. (سورۃ نحل، ۶۰) یعنی: اور اللہ کو صفتِ اعلیٰ (زیب دیتی) ہے۔

بندہ بننا چاہیے اور ماسوا کی بندگی سے آزاد ہونا چاہیے۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ الْمُؤَفَّقِ.

یعنی: اور اللہ سبحانہ ہی توفیق بخشنے والا ہے۔

مکتوب نمبر (۵۱)

ملا شیر محمد لاہوری کو تحریر فرمایا۔ دل کی تصدیق اور دل کے یقین کے درمیان فرق (کے بیان) میں۔

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی. (سورۃ نمل، ۵۹)

یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے ان بندوں پر سلام ہو، جن کو اس نے منتخب فرمایا۔

سوال: بعض متکلم محققین نے جو ”مؤمن بہ“ (جس پر ایمان لایا جائے) کے ساتھ دل کے گرویدہ (وابستہ) ہونے کو

ایمان کی حقیقت کہا ہے، اس کے کیا معنی ہیں؟ اور گرویدہ (وابستہ) ہونے سے ”مؤمن بہ“ کی نفس تصدیق اور دل کا یقین

مراد ہے یا مصدق بہ (جس کی تصدیق کی جائے) کے ساتھ نفس تصدیق اور دل کے یقین کے علاوہ کوئی اور امر زائد ہے؟

جواب: دل کا گرویدہ (وابستہ) ہونا دل کے یقین کے علاوہ ہے، اگرچہ تصدیق کے علاوہ نہیں ہے، لیکن اسی یقین پر

متفرع ہے۔ یقین حاصل ہونے کے بعد دل دو حالتوں سے خالی نہیں رہتا۔ یا ”مؤمن بہ“ (جس پر ایمان لایا جائے) کو

تسلیم کرنا اور اس کی اطاعت کرنا ہوگا اور یا اُس کے ساتھ اختلاف اور اُس کا انکار ہوگا۔ تسلیم کرنا اور اطاعت کرنا ”مُؤْمِنٌ بِهِ“ (جس پر ایمان لایا جائے) کے ساتھ دل کی رضا مندی کی علامت ہے اور اس کے ساتھ شرح صدر ہے اور اختلاف و انکار دل کی مصدق (جس کی تصدیق کی جائے) کے ساتھ نفرت (کی علامت) ہے اور اس کے ساتھ سینے کی تنگی ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے: فَمَنْ يُرِدِ اللَّهُ أَنْ يَهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ ج وَمَنْ يُرِدْ أَنْ يُضِلَّهُ يَجْعَلْ صَدْرَهُ ضَيِّقًا حَرَجًا كَأَنَّمَا يَصْعَدُ فِي السَّمَاءِ ط كَذَلِكَ يَجْعَلُ اللَّهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ. (سورۃ انعام، ۱۲۵)

یعنی: تو جس شخص کو اللہ چاہتا ہے کہ ہدایت بخشے، اُس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے، اور جسے چاہتا ہے کہ گمراہ کرے اُس کا سینہ تنگ اور گھٹا ہوا کر دیتا ہے۔ گویا وہ آسمان پر چڑھ رہا ہے۔ اس طرح اللہ اُن لوگوں پر، جو ایمان نہیں لاتے، عذاب بھیجتا ہے۔

دل کو ”مُؤْمِنٌ بِهِ“ (جس پر ایمان لایا جائے) کے ساتھ تصدیق و یقین حاصل ہونے کے بعد تسلیم کرنا اور اطاعت کا حاصل ہونا محض حق جلِ سلطانہ کی بخشش ہے اور صرف حق تعالیٰ کا بے انتہا کرم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایمان کو اللہ جل شانہ کی بخشش کہا گیا ہے۔ مصدق یہ (جس کی تصدیق کی جائے) کے ساتھ تصدیق و یقین کے حاصل ہونے کے بعد اختلاف و انکار کا موجب نفسِ امارہ کی بیکار صفات کا راسخ اور مضبوط ہونا ہے جو اپنی حبِ جاہ و بلندی اور ریاست کی جبلت کی وجہ سے پیدا ہوا ہے اور دوسرے کی متابعت اور تقلید کو قبول نہ کرنے کی بنا پر طبعاً یہ چاہتا ہے کہ سب اس کی تصدیق کریں اور اس کے گرویدہ بنیں اور وہ دوسرے کی تقلید اور متابعت نہ کرے اور کسی کی تسلیم اور اطاعت نہ کرے: وَمَا ظَلَمَهُمُ اللَّهُ وَلَكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ. (سورۃ نحل، ۳۳) یعنی: اور اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا، بلکہ وہ خود اپنے آپ پر ظلم کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے ایک گروہ کو محض اپنے فضل و کرم سے اس جلی مرض سے نکال کر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام، جو سیدھے راستے کی جانب ہدایت کرنے والے ہیں، کی تسلیم و اطاعت اور تقلید سے مشرف فرمایا ہے اور جنتِ نعیم کا وعدہ دیا ہے جو حق تعالیٰ کی رضا کا گھر ہے اور ایک (دوسرے) گروہ کو ان کے حال پر چھوڑ دیا ہے اور قہر و جبر کے ذریعے ان کو طبعی برائیوں سے نہیں نکالا اور ان کو اس دولت (اطاعت و تقلید) کی طرف نہیں کھینچا، لیکن انبیاء (علیہم الصلوٰۃ والسلام) کو بھیج کر اور کتابوں کو نازل کر کے سیدھے راستے کے بیان کرنے میں اور تصدیق کرنے والے اور انکار کرنے والے اور مطیع و عاصی کو بشارت دینے اور ڈرانے میں بڑی واضح اطلاع فرمائی ہے اور دونوں فریقوں (مطیع و عاصی) پر حجت کو درست کیا ہے۔

مکتوب نمبر (۵۲)

فقیر محمد ہاشم کشمیری کو تحریر فرمایا۔ قلب اور نفس کی فنا اور علمِ حصولی اور حضوری کے زوال (کے بیان) میں۔

فنا سے مراد حق سبحانہ کے ماسوا کا نسیان (بھلا دینا) ہے اور ماسوا کی دو اقسام ہیں: آفاق اور انفس۔ آفاق کے نسیان سے مراد آفاق کے بارے میں علمِ حصولی کا زوال ہے اور انفس کے نسیان سے مراد انفس کے بارے میں علمِ حضوری کا زوال ہے۔ کیونکہ علمِ حصولی آفاق سے تعلق رکھتا ہے اور علمِ حضوری انفس کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ اگرچہ چیزوں کے علمِ حصولی کا مکمل طور پر زوال بھی مشکل ہے، کیونکہ یہ اولیاء کا نصیب ہے، لیکن علمِ حضوری کا زوال کلی طور پر بہت ہی مشکل ہے اور یہ انتہائی

کاملین اولیاء کو نصیب ہے۔ ممکن ہے کہ اس کو جائز سمجھنا، بلکہ اس کا تصور کرنا اکثر عقلاً پر محال ہو اور وہ معلوم کا جاننے والے لیے کے عدم حضور باطل سمجھیں، کیونکہ ان کے نزدیک نفس شے پر شے کا حضور ضروری ہے۔ پس ان کے نزدیک علم حضوری کا زوال اگرچہ ایک لمحہ کے لیے بھی جائز نہیں ہے، پھر اس علم کا دائمی زوال کس طرح جائز ہو سکتا ہے کہ وہ ہمیشہ کے لیے عود نہ کر سکے۔

پہلا انسان جس کی نسبت علم حصولی سے ہے، وہ فنائے قلب سے تعلق رکھتا ہے اور دوسرا انسان جس کی نسبت علم حضوری سے ہے، وہ فنائے نفس کو لازم کرتا ہے جو زیادہ کامل و اکمل ہے۔ فنا کی حقیقت اسی مقام میں ہے اور پہلی فنا اس فنا کے لیے صورت کی طرح ہے اور اس کے لیے ظل کی مانند ہے۔ کیونکہ علم حصولی درحقیقت علم حضوری کا ظل ہے۔ پس مجبوراً اس ظل کی فنا اس کی فنا ہے اور اس فنا کے حاصل ہونے سے نفس اطمینان کے مقام میں آ جاتا ہے اور حق جل و علا سے راضی و خوش ہو جاتا ہے۔ بقا اور رجوع کے بعد تکمیل و ارشاد کا معاملہ اس سے متعلق ہو جاتا ہے اور اسے عناصر اربعہ کی مختلف طبیعتوں کے ساتھ جہاد و غزائے کرنے کا موقع میسر آ جاتا ہے جو بدن کے ارکان ہیں اور (ان میں سے) ہر ایک مختلف امور میں سے کسی امر کا تقاضا کرتا ہے اور چیزوں میں سے کسی چیز کی خواہش کرتا ہے۔ بدن کے لطائف میں سے کسی ایک کو بھی یہ دولت نصیب نہیں ہے۔ یہ نفس ہی ہے جو شیطانی انا جو کہ آگ کے عنصر میں سے ہے، کو اپنی تدبیر سے درست کرتا ہے اور شہوت و غصے کی قوتوں اور باقی برے اوصاف کو، جن کے اندر جانور اور تمام حیوان شریک ہیں، اپنے حسن تربیت سے اعتدال میں لے آتا ہے۔ سُبْحَانَ اللَّهِ (اللہ پاک ہے)۔ جو لطیفہ لطائف میں سب سے براتھا، وہ ان میں سب سے اچھا بن جاتا ہے۔ نبی کریم علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے: خِيَارُكُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ خِيَارُكُمْ فِي الْإِسْلَامِ إِذَا فَفَقَهُوْا۔^(۱)

یعنی: جو جاہلیت میں تم سے بہتر تھے وہ اسلام میں بھی تم سے بہتر ہیں، جب (دین کو) سمجھ جائیں۔

تنبیہ: قلب سے ماسوا کے نسیان کی علامت قلب میں ماسوا کے خطرات (وسوسوں) کا نہ ہونا ہے۔ اس طرح کہ اگر قلب کو تکلف کے ساتھ بھی ماسوا یاد دلائیں تو بھی اس کا قلب میں گزرنہ ہو، بلکہ قلب اس کو قبول نہ کرے۔ اور نفس عالم کے بارے میں علم حضوری کے زوال کی علامت یہ ہے کہ عالم عین و اثر کے لحاظ سے بالکل نیست (فانی) ہو جائے، تاکہ علم اور معلوم کا زوال اس سے متصور ہو سکے۔ کیونکہ اس مقام میں علم اور معلوم نفس عالم ہے۔ جب تک نفس عالم زوال پذیر نہ ہو (اس وقت تک) علم اور معلوم نیست (فنا) نہیں ہوتے اور پہلی فنا فنائے آفاق ہے اور دوسری فنا فنائے نفس ہے جو کہ فنا کی حقیقت ہے۔

مکتوب نمبر (۵۳)

حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد معصوم مدظلہ کو تحریر فرمایا۔ وجودی اور شہودی طور پر عین اور اثر کے زوال کے بیان میں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ. هَلْ أَتَى عَلَى الْإِنْسَانِ حِينٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُورًا. (سورۃ دھر، ۱) یعنی: شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان، نہایت رحم والا ہے۔ بیشک انسان پر زمانے میں ایک ایسا وقت بھی آچکا ہے کہ وہ کوئی چیز قابل ذکر نہ تھا۔

جی ہاں! میرے پروردگار! یقیناً انسان پر زمانے میں ایک ایسا وقت بھی آیا ہے کہ جب وہ کوئی قابل ذکر چیز نہیں تھا، نہ اس کا عین تھا، نہ اثر تھا، نہ اس کا شہود تھا، نہ اس کا وجود تھا۔ پھر جب تو نے چاہا تو اسے اپنی زندگی سے زندہ کر دیا اور اپنی بقا سے

باقی بنا ڈالا اور وہ تیرے اخلاق سے آراستہ ہو گیا۔ بلکہ وہ تیرے فضل سے عین فنا میں تیرے ساتھ باقی اور عین بقا میں تجھ میں فنا ہوا۔ کیونکہ ان دونوں میں سے ہر ایک کا کمال حاصل کرنے کے لیے ایک دوسرے کا وجود لازم ٹھہرا ہے۔ اس کی کہانی اس انسان کی کہانی جیسی ہے جو نمک کی کان میں ڈال دیا جائے، یہاں تک وہ آہستہ آہستہ نمک کا رنگ پکڑ لے گا اور پوری طرح نمک ہی بن جائے گا تو پھر نہ اس کا عین باقی رہے گا اور نہ اس کا اثر۔ اس صورت میں اس کا قتل کرنا اور کاٹنا مباح ہوا اور اس کا کھانا اور بیچنا اور خریدنا حلال ہے اور اگر اس کا عین یا اثر باقی رہتا تو یہ چیزیں جائز نہ ہوتیں۔ اور کسی (شاعر) نے فارسی میں کیا خوب کہا ہے:

سگے کاندہ نمک زار افندہ گم گردد اندر وے من ایں دریائے پُر شور از نمک کمتر نمی دانم
یعنی: جو کتنا نمک کی کان میں گر پڑے، اس میں گم ہو جاتا ہے، میں اس پُر شور دریا کو نمک سے کم تر نہیں سمجھتا۔

(سوال:) اگر تو کہے کہ آپ نے اپنے مکتوبات و رسائل میں لکھا ہے کہ عین اور اثر کا زوال صرف شہودی طور پر ہے، وجودی طور پر نہیں ہے۔ کیونکہ اس سے الحاد و بے دینی لازم آتی ہے اور دوئی، جو عبودیت و ربوبیت کے درمیان ثابت ہے، وہ بھی رفع ہو جاتی ہے۔ پس اس جگہ عین و اثر کے وجودی طور پر زائل ہو جانے کے کیا معنی ہیں؟

(جواب:) ہم کہتے ہیں کہ ایک چیز کا دوسری چیز کے رنگ میں اس طرح رنگے جانا کہ ان میں سے ایک چیز اپنے احکام سے خالی ہو جائے اور دوسرے کے احکام میں رنگی جائے۔ اس سے ان دونوں کی دوئی کا رفع ہونا واجب نہیں ہوتا، تاکہ یہ الحاد اور بے دینی بن جائے۔ کیونکہ نمک کی کان میں ڈالا گیا انسان نمک سے متحد نہیں ہوا اور اس کی دوئی بھی زائل نہیں ہوئی، بلکہ اسے نمک کی ہمسائیگی اور اس کے غلبے کی وجہ سے اپنے نفس اور اپنی صفات سے فنا حاصل ہو گئی ہے اور دوئی کی بقا کے باوجود اسے نمک اور اس کے احکام کی بدولت بقا حاصل ہو گئی ہے۔

مختصر یہ کہ یہ دوئی اس دوئی کے مشابہ ہے جو ظل کی اصل کے ساتھ ہے۔ جس کو کوئی استقلال نہیں، لیکن زائل ہو جانے والی دوئی کے لیے عوام کی نظر میں ایک قسم کا استقلال ثابت ہے۔ چونکہ دوئی تا حال باقی ہے، لہذا یہاں نہ الحاد الحاد ہے اور نہ ہی بے دینی۔ لیکن میں نے جو کتابوں اور رسائل میں وجودی زوال سے منع کیا ہے۔ وہ عوام کی فہم کے قصور پر محمول ہے، کیونکہ یقیناً عوام اس سے دوئی کا رفع ہونا سمجھ لیتے ہیں اور الحاد و بے دینی میں پڑ جاتے ہیں۔ تَعَالٰی اللّٰهُ عَمَّا يَقُولُ الظَّالِمُونَ عُلُوًّا كَبِيرًا۔ یعنی: اللہ تعالیٰ اس سے بہت زیادہ بلند و برتر ہے جو ظالم کہتے ہیں۔

باقی رہی وہ شکل جو اس انسان کے نمک بن جانے کے بعد باقی رہتی ہے۔ درحقیقت وہ صورت نمک ہی ہے، جس نے اس انسان کو اپنے رنگ میں رنگ دیا ہے، نہ کہ انسان کی صورت۔ مگر یہ کہ اس حکمی نمک کو انسان کی شکل کی مقدار سے قیاس کریں اور اس کی صورت میں تصور کریں، یہ نہیں ہے کہ اس انسان کی شکل باقی رہ گئی ہے۔ جس کی وجہ سے اس کا اثر باقی رہ گیا ہے۔

تنبیہ: انسان کی صورت کی مقدار کے مطابق بنی ہوئی اس شکل کا زوال ممکن ہے، بلکہ واقع ہے۔ لیکن جس کا ہم ذکر کر رہے ہیں، وہ ایسا نہیں ہے۔ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْأَعْلٰی۔ (سورۃ نحل، ۶۰) یعنی: اللہ کو صفتِ اعلیٰ (زیب دیتی) ہے۔

پس اللہ سبحانہ کسی چیز کے ساتھ متحد نہیں ہوتا اور نہ ہی کوئی چیز اُس کے ساتھ متحد ہو سکتی ہے۔ نہ وہ چیزوں کے ساتھ

متصل ہے، نہ ان سے منفصل ہے اور نہ ہی وہ چیزیں اللہ سبحانہ کے ساتھ متصل ہیں اور نہ ہی اس سے منفصل ہیں اور حق تعالیٰ منزہ ہے۔ سُبْحَانَ مَنْ لَا يَتَغَيَّرُ بِذَاتِهِ وَلَا بِصِفَاتِهِ وَلَا فِي أَسْمَائِهِ بِحُدُوثِ الْأَكْوَانِ۔
یعنی: پاک ہے وہ ذات جو کون و مکان کے حدوث سے اپنی ذات و صفات اور اسماء میں متغیر نہیں ہوتی۔

پس اللہ سبحانہ اب بھی اپنے تنزیہ و تقدیس کی اسی خالصیت پر ہے جس طرح کہ وہ پہلے تھا۔ اللہ سبحانہ عالم کے قریب ہے اور عالم کے ساتھ ہے، لیکن نامعلوم قرب اور معیت کے ساتھ ہے۔ نہ ایسے قرب کی مانند جو جسم کو جسم کے ساتھ ہوتا ہے اور نہ ایسے قرب کی طرح جو جسم کو عرض کے ساتھ ہے۔ الغرض امکان کی سب صفات اور حدوث کے سارے نشان اس کی جناب پاک سے منسوب ہیں۔ اولیاء کے اللہ سبحانہ کے قرب میں عروج کرنے سے بندے میں کسی چیز کا اضافہ نہیں ہوتا اور اصفیاء کے وصول سے حق سبحانہ کے ساتھ اتصال (واقع) نہیں ہوتا۔ فنا اور بقا عرفا کے احوال ہیں، اس چیز کے علاوہ جو ارباب عقل نے سمجھ رکھی ہے۔ عین اور اثر کے زوال کے معنی کو نہیں سمجھ سکتا، مگر وہ شخص جس کو اس کی سمجھ دی گئی ہو۔ جس طرح کہ اس کی تحقیق کی جائے گی۔

پس (اے بیٹا)! اس گروہ کے کلام کو اچھے گمان اور قبول کے ساتھ سنو اور اس کی ظاہری دلیل اور مطابقی معنی کو اس سے فہم مت کر، کیونکہ یقیناً اکثر یوں ہے کہ تو اس میں فحش غلطی کر لے گا۔ پس (خود) گمراہ ہو جائے گا اور (دوسروں کو) گمراہ کرے گا۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ الْمُؤَقِّقُ الْمُؤَلِّمُ لِلصَّوَابِ۔

یعنی: اور اللہ سبحانہ ہی توفیق بخشنے والا (اور) درست کا الہام کرنے والا ہے۔

سوال: اگر تم کہو کہ آپ نے انسان کے عین و اثر کے زوال کو جائز رکھا ہے۔ لہذا آپ اس بارے میں کیا کہیں گے جو قرآن مجید میں خاتم الرسل علیہ علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کی شان میں آیا ہے کہ: قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ۔ (سورۃ کہف، ۱۱۰) یعنی: آپ کہہ دیں کہ میں تمہاری طرح کا ایک بشر ہوں (البتہ) میری طرف وحی آتی ہے۔

اور جو کچھ حدیث نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام میں آیا ہے کہ: إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ أَغْضَبُ كَمَا يَغْضَبُ الْبَشَرُ۔^(۱)

یعنی: میں بھی تمہاری طرح بشر ہوں۔ مجھے بھی اسی طرح غصہ آتا ہے جس طرح دوسرے لوگ غصہ کرتے ہیں۔

اور یہ چیز بشریت کا اثر باقی رہنے کی وجہ سے ہے۔

جواب: ہم کہتے ہیں کہ نہ تو اس طرح ہے اور نہ ہی اس میں اثر کے باقی رہنے کی کوئی دلیل ہے، مگر جب انسان کامل کو فنا و بقا کے بعد عالم کی طرف بھیجا جاتا ہے اور لوگوں کو حق سبحانہ کی جانب دعوت دینے کے لیے دنیا میں مبعوث فرمایا جاتا ہے تو وہ بشری صفات اور انسانی خصائص جو ان سے دور ہو چکی تھیں اور مغلوب و کمزور ہو گئی تھیں، دوبارہ ان کی جانب رجوع کر آتی ہیں، تاکہ انسان کامل اور عالم کے درمیان جو مناسبت پہلے زائل ہو گئی تھی، وہ نئے سرے سے پیدا ہو جائے اور اللہ تعالیٰ اس مناسبت کے ذریعے انسان کامل اور عالم کے درمیان افادہ اور استفادہ کا دروازہ کھول دے۔

ان بشری صفات کے ارجاع اور ان کے زوال کے بعد ان کو اس کے ساتھ ملحق کرنے میں دوسری حکمت مکلفین کا امتحان لینا اور دعوت دینے والوں کی آزمائش کرنا ہے، تاکہ (حق تعالیٰ) پاک لوگوں کو ناپاک لوگوں سے الگ کر دے اور انکار

کرنے والا، تصدیق کرنے والے سے جدا ہو جائے اور ان صفات کے رجوع کرنے سے غیب پر ایمان مشتبہ ہونے اور پوشیدہ ہونے کے بعد حاصل ہو جائے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَلَوْ جَعَلْنَاهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنَاهُ رَجُلًا وَلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبَسُونَ. (سورۃ انعام، ۹) یعنی: نیز اگر ہم کسی فرشتے کو بھیجتے تو اسے مرد کی صورت میں بھیجتے اور جوشبہ (اب) کرتے ہیں اسی شبہ میں انہیں پھر ڈال دیتے۔

سوال: اگر کوئی شخص کہے کہ انسان کامل سے عین و اثر کے زوال کا کیا معنی ہے، جبکہ اس کا ظاہر دائمی طور پر بشری صفات پر باقی رہتا ہے، وہ کھاتا ہے اور پیتا ہے اور سوتا ہے اور آرام کرتا ہے۔ حق تعالیٰ نے انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کی شان میں فرمایا ہے: وَمَا جَعَلْنَاهُمْ جَسَدًا لَا يَأْكُلُونَ الطَّعَامَ. (سورۃ انبیاء، ۸) یعنی: اور ہم نے ان کے ایسے جسم نہیں بنائے تھے کہ کھانا نہ کھائیں۔

جواب: میں کہتا ہوں کہ فنا اور بقا باطنی صفات ہیں۔ ظاہر کا اصل میں ان کے ساتھ کسی قسم کا تعلق نہیں ہے۔ لہذا ظاہر اپنے احکام پر خود دائم اور ثابت ہے اور باطن خالی و جدا ہو جاتا ہے اور (کبھی ان کے ساتھ) موصوف ہو جاتا ہے۔ (سوال) اگر کہا جائے کہ باطن کے لطائف بہت ہیں، آیا وہ سب فنا و بقا سے متصف ہیں یا ان میں سے بعض؟ پھر وہ بعض کونسے ہیں؟

(جواب) میں کہتا ہوں کہ ان (صفات) سے متصف صرف یہی لطیفہ نفس ہے، کیونکہ حقیقت میں حقیقت انسان بھی یہی ہے اور لفظ انا کے ساتھ اس کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔ اور یہی پہلے برائی کی طرف زیادہ بلانے والا ہے اور بعد میں مطمئن بن جاتا ہے۔ یہی شروع میں حق جل شانہ کی دشمنی میں قائم ہوتا ہے اور آخر میں حق تعالیٰ سے راضی و مرضی بن جاتا ہے۔ پس یہی بروں میں سب سے زیادہ برا اور نیکیوں میں سب سے زیادہ نیک ہے۔ اس کی شرارت ابلیس کی شرارت سے فوقیت لے گئی ہے اور اس کی نیکی اہل تسبیح و تقدیس کی نیکیوں سے بڑھ گئی ہے۔

تنبیہ: فنا اور زوال وجودی کے یہ معنی نہیں کہ وجود زائل ہو جائے اور نہ ہی بقا کے یہ معنی ہیں کہ ممکن سے امکان بالکل زائل ہو جائے اور اس کو وجوب حاصل ہو جائے۔ کیونکہ یہ چیز عقلی طور پر محال ہے اور اس کا قائل ہونا کفر ہے۔ بلکہ اس کے معنی امکانیت کے باقی رہنے کے باوجود خلع (خالی ہونے) اور لبس (متصف ہونے) کے ہیں، جیسا کہ ارباب معقول (فلاسفہ) نے عناصر میں کون و فساد کے طریقہ سے اس کو ثابت کیا ہے، لیکن انہوں نے صورت نوعیہ کے تغیر کے باوجود دونوں حال میں عناصر کے ہیولی (مادہ) کے ثابت رہنے کا حکم کیا ہے، لیکن ہم نہ ہیولی کے قائل ہیں اور نہ ہی اس کے ثبوت کے۔ بلکہ ہم اس کے قائل ہیں کہ یقیناً فنا و بقا قادر مختار جل شانہ کی جانب سے اعدام اور ایجاد ہے۔ حدیث میں آیا ہے: لَنْ يَلْجَ مَلَكُوتُ السَّمَوَاتِ مَنْ لَمْ يُولَدْ مَرَّتَيْنِ. یعنی: جو شخص دوبار پیدا نہ ہو وہ آسمانوں کے ملکوت میں داخل نہ ہوگا۔

گویا اس حدیث میں ولادت ثانیہ سے ایجاد ثانی کی جانب اشارہ ہے۔ سوائے اس کے نہیں ہے کہ بقا باللہ بطور مجاز اور تشبیہ کے کہتے ہیں، بری صفات کے زائل ہونے اور پسندیدہ اخلاق کی وجہ سے جو کہ گویا مرتبہ وجوب تعالت و تقدست کی صفات کے مشابہ ہیں اور میں نے متعدد مقامات پر (اس چیز کی) تحقیق کی ہے کہ یقیناً ممکن کی ذات محض یہی عدم ہے، لہذا اس

کا زوال کوئی معنی نہیں رکھتا، کیونکہ ممکن تمام احوال میں ممکن ہے، فنا کے حال میں بھی اور بقا کے حال میں بھی۔ جیسا کہ ان سے پہلے تھا اور واجب تعالیٰ دائمی طور پر واجب ہے۔ کوئی چیز اس کی پاک جناب کے ساتھ نہیں مل سکتی اور نہ ہی کوئی شے اس سے جدا ہو سکتی ہے۔ اور فارسی شعر میں کسی نے کیا خوب کہا ہے:

سیہ روئی ز ممکن در دو عالم جدا ہرگز نہ شد واللہ اعلم
یعنی: ممکن سے اس کی سیاہ روئی دو جہاں میں ہرگز دور نہیں ہوئی اور اللہ ہی خوب جانتا ہے۔

تم پر مخفی نہ رہے کہ یقیناً ممکن میں امکان کے باقی رہنے سے مراد یہ نہیں کہ ممکن کا اثر اور اس کا ثبوت، ثبوت کے مرتبوں میں سے کسی مرتبہ میں باقی رہتا ہے، کیونکہ وہ فنائے تم کے منافی ہے اور اس فانی میں فنا ہونے والا امانتوں کو ان کے اہل کے سپرد کر کے اور وجود اور اس کے سب توابع صفات کاملہ اور تعریفات فاضلہ کے منعکس ہونے والے ظلال کو ان کی اصل کی طرف لوٹا کر عدم محض کے ساتھ، جو کہ اپنی عدمیت میں کامل ہے، اس طرح ملحق ہو جاتا ہے جیسے کہ اس میں کسی شے کی اضافت و نسبت نہیں پائی جاتی اور نہ ہی اس کا کوئی نام اور نشان باقی رہتا ہے، کیونکہ عدم میں اضافت کا وجود کچھ نہ کچھ اس کے ثبوت کی خبر دیتا ہے۔ جیسا کہ تم نے پڑھا ہے۔ پس سمجھ لو۔

مکتوب نمبر (۵۴)

خان جہان کو تحریر فرمایا۔ مضبوط شریعت کی اتباع اور دین کے دشمنوں کے ساتھ جنگ کرنے (کے بیان) میں۔
حق سبحانہ و تعالیٰ آپ کو نبی (کریم) علیہ و علیہم الصلوٰات والتسلیمات اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آل امجاد کے صدقے اپنی رضاؤں کی توفیق کرامت فرما کر سلامت اور محترم رکھے:

گوئے توفیق و سعادت درمیاں افگندہ اند کس بمیداں در نئے آید سواراں را چہ شد
یعنی: توفیق و سعادت کی گیند درمیان میں پھینک دی گئی ہے، کوئی آدمی میدان میں نہیں اترتا، سواروں کو کیا ہوا۔
فانی دنیا کی لذتیں اور نعمتیں اس وقت گوارا ہوتی ہیں اور ہضم ہوتی ہیں جب ان کے ضمن میں روشن شریعت کے تقاضا سے عمل کیا جائے اور (یہ) آخرت کے ساتھ جمع ہوں، ورنہ یہ ہر قاتل کا حکم رکھتی ہیں جو شکر میں لپٹی ہوئی ہو اور بیوقوف کو اس سے دھوکہ دیا گیا ہے۔ افسوس ہے! اگر اس کا علاج حکیم مطلق جل شانہ کے تریاق سے نہ کیا جائے اور اس مٹھاس کی تلافی شرعی اوامر اور نواہی کی تلخی کے ساتھ نہ کی جائے۔

الغرض تھوڑی سی کوشش اور تردد سے شریعت کے مطابق عمل کرنے سے، جس کی اساس ہی آسانی پر ہے، ابدی ملک ہاتھ آ جاتا ہے اور ذرا سی غفلت اور فراغت سے یہ دولت جاودانی ہاتھ سے نکل جاتی ہے۔ دورانہدیش عقل سے کام لینا چاہیے اور بچوں کی طرح اخروٹ اور مٹھی کے عوض (اس دولت کو) نہیں دینا چاہیے۔ یہی خدمت جو آپ سرانجام دے رہے ہیں، اگر اس کو شریعت مصطفویہ علیہ الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی بجا آوری کے ساتھ اکٹھا کر لیں تو گویا انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات جیسا کام کر لیں گے اور اس طرح مضبوط دین کو منور اور معمور کر دیں گے۔ ہم فقیر لوگ اگر سالوں جان ماری کریں تو بھی اس عمل میں آپ جیسے شاہبازوں کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتے:

گوئے توفیق و سعادت درمیاں افگندہ اند کس بمیدان در نئے آید سواراں را چہ شد
یعنی: توفیق و سعادت کی گیند درمیان میں پھینک دی گئی ہے، کوئی آدمی میدان میں نہیں اترتا، سواروں کو کیا ہوا؟
اَللّٰهُمَّ وَفِّقْنَا بِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی۔

یعنی: اے اللہ! تو ہمیں اس کی توفیق بخش جس کو تو پسند فرماتا ہے اور جس سے راضی ہوتا ہے۔
باقی مطلب یہ ہے کہ اس رقعہ (مکتوب) کو لانے والے فضائل پناہ خواجہ محمد سعید اور خواجہ محمد اشرف اپنے خاص یاروں
میں سے ہیں۔ آپ ان کے احوال کا جس قدر لحاظ فرمائیں گے، وہ فقراء پر احسان کا موجب ہوگا۔
اَمْرُكُمْ اَعْلٰی وَشَانُكُمْ اَرْفَعُ۔ یعنی: آپ کا معاملہ بلند رہے اور آپ کی شان بلند ہو۔

مکتوب نمبر (۵۵)

ممریز خان افغان کے نام تحریر فرمایا۔ فقر سے غنا کی طرف رجوع کرنے کی برائی (کے بیان) میں۔
اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ (سورۃ نمل، ۵۹)
یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے ان بندوں پر سلام ہو، جن کو اس نے منتخب فرمایا۔
میرے بھائی میاں ممریز خان فقر کے تنگ کوچہ سے بھاگ کر دولت مندوں کے ہاں التجا لے گئے ہیں اور ان کی
لذتوں اور نعمتوں سے منسلک ہو گئے ہیں۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ۔ (سورۃ بقرہ، ۱۵۶)
یعنی: ہم اللہ ہی کا مال ہیں اور اُسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔

آپ نے اچھی طرح نہیں سمجھا۔ اگر دو متمندوں کی صحبت میں دنیا میں بہت زیادہ ترقی کریں گے تو (منصب) ہزاری
حاصل کر لیں گے۔ مان سنگھ پنج ہزاری یا سات ہزاری (منصب دار) تھا اور آپ اس سے اوپر تو نہیں جاسکتے۔ اگر فرض کیا کہ آپ
مان سنگھ کے منصب کو پہنچ جاتے ہیں تو سوچیں کہ کیا چیز کر لیں گے اور کونسی بزرگی حاصل کر لی ہے؟ کیا فقر میں روٹی نہیں ملتی
تھی؟ اب زیادہ گھی والی روٹی (پراٹھا) کھاتے ہوں گے! اُس کے ساتھ بھی وقت گزر رہا تھا اور اس کے ساتھ بھی گزر جائے
گا۔ لیکن خیال کریں کہ کونسا معاملہ آپ کے ہاتھ سے نکل گیا اور جب تک رہیں گے، ہاتھ سے نکلتا رہے گا اور آپ روز بروز
زیادہ مفلس ہو جائیں گے۔ الرَّاحِضِ بِالضَّرِّ لَا یَسْتَحِقُّ النَّظَرَ۔
یعنی: جو شخص اپنے نقصان پر راضی ہو وہ نظر (شفقت) کا مستحق نہیں ہوتا۔

جب آپ مبتلا ہو گئے ہیں تو کوشش کریں کہ استقامت کا طریقہ اور شریعت کو لازم پکڑنا آپ کے ہاتھ سے نہ چھوٹے
اور باطنی شغل میں بھی فتور نہ آئے۔ اگرچہ اس کو دنیا کے ساتھ جمع کرنا مشکل ہے، کیونکہ (یہ) دو ضدوں کا جمع کرنا ہے۔ اتنا
ضرور ہے کہ اس وضع میں جس کو آپ نے اختیار کیا ہے اور اس خدمت میں جس کا آپ تردد کر رہے ہیں، اگر نیت درست کر لی
جائے تو یہ جہاد میں داخل ہے اور نیک عمل ہے۔ لیکن نیت کو صحیح کرنا مشکل کام ہے۔ آج یہ خدمت ہے جو درحقیقت اچھی ہے،
کل شاید ایسی خدمت فرمائیں جو عین وبال ہو۔ غرض کام مشکل ہے۔ ہشیار رہیں۔ آگاہ کرنا شرط ہے۔ والسلام۔

مکتوب نمبر (۵۶)

حضرت عالی (محمد الف ثانی قدس سرہ) کے پیرزادہ خواجہ محمد عبداللہ اور خواجہ جمال الدین حسین ولد خواجہ حسام الدین کو تحریر فرمایا۔ گذشتہ صحبت کے فوت ہونے پر افسوس کرنے اور جدید اسرار کی طرف اشارہ کرنے (کے بیان) میں۔

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی. (سورۃ نمل، ۵۹)

یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے ان بندوں پر سلام ہو، جن کو اس نے منتخب فرمایا۔

میری آنکھوں کی ٹھنڈک اور کانوں کی مسرت خواجہ محمد عبداللہ اور خواجہ جمال الدین حسین ظاہری و باطنی جمعیت سے آراستہ رہیں۔

آپ نے عجیب غفلت اختیار کی اور نامہ ربانی کی کہ قرب و جوار میں آنے کے باوجود سر ہند میں نہیں آئے اور اس غریب کو نہیں پوچھا اور آشنائی کے حقوق بجا نہیں لائے۔ (فقیر) خواجہ محمد افضل سے کیا گلہ کرے کہ وہ آشنائی کے معاملے میں آپ دونوں سے کئی مراحل زیادہ دور رہتے ہیں، بلکہ وہ ہماری آشنائی سے ڈرتے ہیں۔ میر منصور بیگ کے بارے میں (فقیر) کیا کہے کہ وہ ہمیشہ صحبت کی آرزو رکھتے ہیں، لیکن قوت سے (یہ آرزو) عمل میں نہیں لاتے۔ فقہائے عظام کا قول ہے کہ الرَّاضِیُّ بِالضَّرَرِ لَا یَسْتَحِقُّ النَّظَرَ. یعنی: جو شخص اپنے نقصان پر راضی ہو وہ نظر (شفقت) کا مستحق نہیں ہوتا۔

لشکر اگرچہ تاریکیوں کا ایک دریا ہے، لیکن آبِ حیات اسی میں شامل ہے۔ یہاں اللہ سبحانہ کی عنایت سے، خواہ بطور نادر ہی ہو، وہ گوہر ہاتھ آتا ہے جس کا دوسری جگہوں پر اگر اس سے ذرہ بھر ہی میسر آجائے تو غنیمت ہے۔ جس سپاہی نے بھی قدر و قیمت پیدا کی ہے، وہ اسے دشمنوں پر غلبہ پانے کے وقت ہی میسر ہوئی ہے۔ اگرچہ سلامتی گوشہ تنہائی میں ہے، لیکن جہاد و شہادت کی دولت محاذ جنگ میں ہے۔ خلوت گاہ اور گوشہ تنہائی عورتوں اور ضعیفوں کے لیے مناسب ہے۔ حدیث میں آیا ہے:

الْمُؤْمِنُ الْقَوِيُّ خَيْرٌ مِنَ الْمُؤْمِنِ الضَّعِيفِ. یعنی: طاقتور مومن ضعیف مومن سے اچھا ہے۔

زیادہ طاقتور مردوں کا کام جنگ کرنا اور بڑے معرکے میں لڑنا ہے۔ قُلْ كُلٌّ یَعْمَلُ عَلٰی شَاکِلَتِهٖ طَفَرُ بَکُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰی سَبِیْلًا. (سورۃ بنی اسرائیل، ۸۴) یعنی: آپ کہہ دیں کہ ہر شخص اپنے طریقے کے مطابق عمل کرتا ہے، سو تمہارا پروردگار اُس شخص سے خوب واقف ہے جو سب سے زیادہ سیدھے راستے پر ہے۔

(فقیر) رخصت کی مدت گزرنے کے بعد جب لشکر کی جانب متوجہ ہوا تو اپنے فرزند محمد سعید کو ضرورت کے تحت گھر چھوڑ آیا اور جب ان فیوض و برکات اور علوم و معارف کو جو کہ اپنے فرزند سے جدائی کے بعد ظاہر ہوئے تھے، ملاحظہ کیا تو اس کی جدائی سے پشیمان ہوا۔ فرصت کو غنیمت سمجھتے ہوئے (ان کو) طلب کر لیا۔ چھوٹے بڑے سب اس امید پر آگئے ہیں کہ ان برکات سے گدائی کریں۔ عجیب معاملہ ہے کہ گویا ہم فرقہ ملامتیہ میں سے ہیں اور گروہ قلندریہ میں سے۔ باوجود اس کے کہ ہم ان دونوں فریقوں سے الگ ہیں اور علیحدہ کاروبار رکھتے ہیں۔ جدید علوم میں سے تھوڑا ملاحظہ کریں۔ ایک مکتوب (۵۳) دفتر ہذا کا عنوان ہے: ”اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے: هَلْ اَتٰی عَلٰی الْاِنْسَانِ حِیْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ یَكُنْ شَیْنًا مَّذْکُورًا. (سورۃ دھر، ۱) یعنی: بیشک انسان پر زمانے میں ایک ایسا وقت آچکا ہے کہ وہ کوئی چیز قابل ذکر نہ تھی۔“

جی ہاں! میرے پروردگار! یقیناً انسان پر زمانے میں ایک ایسا وقت بھی آیا ہے کہ وہ کوئی قابلِ ذکر چیز نہیں تھا، نہ اس کا عین تھا، نہ اثر تھا، نہ اس کا شہود تھا۔ الی آخر۔“

اور آپ مکتوبات میں دیکھ چکے ہیں کہ میں نے زوال و جودی کو الحاد اور بے دینی میں شمار کیا ہے اور اس جگہ میں نے اس عبارت میں لکھا ہے اور اللہ سبحانہ کے کرم سے اس کا علاج کر دیا ہے:

ع قیاس کن ز گلستان من بہار مرا
یعنی: تو میرے باغ سے میری بہار کا اندازہ کر لے۔

یہ سب دولتیں ان واقعات کی برکات ہیں۔ اگر یہ واقعات نہ ہوتے تو یہ برکات بھی حاصل نہ ہوتیں۔
رَبَّنَا اَتِمِّمْ لَنَا نُورَنَا وَاعْفِرْ لَنَا جِ انِّكَ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ. (سورۃ تحریم، ۸)
یعنی: اے ہمارے پروردگار! ہمارا نور ہمارے لیے پورا کر اور ہمیں معاف فرما۔ بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے۔
مولانا محمد عمر چونکہ اس علاقے میں جانے کے لیے فکر مند تھے، (لہذا) دو کلمات لکھ گئے ہیں۔
الْعَاقِبَةُ بِالْخَيْرِ. یعنی: (خدا کرے) انجام بخیر ہو۔

مکتوب نمبر (۵۷)

مولانا حمید احمدی کو تحریر فرمایا۔ عالم کے حادث ہونے اور عقلِ فعال کے رد (کے بیان) میں۔

الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ.

یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے جو سب جہانوں کا پالنے والا ہے اور درود و سلام ہو سید المرسلین (حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) پر۔

اللہ تعالیٰ اپنی ذاتِ اقدس کے ساتھ موجود ہے اور اللہ سبحانہ کی ہستی بذاتِ خود قائم ہے۔ حق تعالیٰ جس طرح ہے، ہمیشہ اُسی طرح تھا اور ہمیشہ رہے گا۔ عدم سابق اور عدم لاحق کو اللہ سبحانہ کی جنابِ پاک میں کوئی راستہ نہیں ہے، کیونکہ وجوب وجود اس کی درگاہِ پاک کا مکینہ خادم ہے اور سلبِ عدم (نفی عدم) اس کی بارگاہِ محترم کا ادنیٰ خاکروب ہے اور حق تعالیٰ کے ماسوا جو کچھ عالم سے مسکمی ہے، خواہ وہ عنانِ صر سے ہو اور خواہ افلاک سے ہو اور خواہ عقول سے ہو اور خواہ نفوس سے ہو اور خواہ بساط سے ہو اور خواہ مرکبات سے ہو، سب اللہ جلِ سلطانہ کی ایجاد سے موجود ہوئے ہیں اور عدم سے وجود میں آئے ہیں۔ قدمِ ذاتی اور زمانی صرف اس (حق تعالیٰ) کی جنابِ پاک کے لیے ثابت ہے اور حدودِ ذاتی اور زمانی حق سبحانہ کے ماسوا کے لیے ثابت ہے، جیسا کہ اس نے دو دونوں میں زمین کو پیدا فرمایا ہے اور آسمانوں اور ستاروں کو زمین کی تخلیق کے بعد دو دونوں میں عدم سے وجود میں لایا ہے۔ جس طرح کہ (یہ) آیاتِ مبارکہ اس بات کی مصداق ہیں:

خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ. (سورۃ حم سجدہ، ۹) یعنی: جس نے زمین کو دو دن میں پیدا کیا۔

اور: فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمَوَاتٍ فِيْ يَوْمَيْنِ. (سورۃ حم سجدہ، ۱۲) یعنی: پھر دو دن میں سات آسمان بنائے۔

وہ شخص بیوقوف ہوگا، بلکہ نصِ قرآنی کا منکر ہے جو ماسوا میں سے بعض کے قدیم ہونے کے بارے میں لب کشائی

کرے اور آسمانوں اور ستاروں کے قدیم ہونے کا حکم کرے اور بسیط عناصر کو قدیم سمجھے اور عقول اور نفوس کو ازلی اور قدیم تصور کرے۔ اہل ملت کا اجماع ماسوائے حق جل و علا کے حدوث پر قائم ہو چکا ہے اور وہ سب متفق ہیں کہ سب ماسوا (چیزیں) عدم کے بعد وجود میں آئی ہیں۔ جیسا کہ حجۃ الاسلام امام (محمد غزالیؒ) نے رسالہ ”المعقذ عن الضلال“ میں اس بات کی تصریح کی ہے اور جو جماعت عالم کے بعض اجزاء کے قدیم ہونے کی قائل ہوئی ہے، آپ (امام غزالیؒ) رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی وجہ سے اس کی تکفیر فرمائی ہے۔ اس طرح اشیائے ممکنہ میں سے کسی چیز کے قدیم ہونے کا حکم کرنا ملت سے ٹکنا اور فلسفہ میں داخل ہونا ہے۔ جس طرح ماسوائے حق جل و علا کے لیے زمانہ سابق میں معدوم ہونا ثابت ہے، اسی طرح آنے والے زمانے میں معدوم ہونا بھی ان کو دامن گیر ہے۔ ستارے آسمانوں سے گر پڑیں گے اور آسمان ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے اور زمین اور پہاڑ بھی ریزہ ریزہ ہو جائیں گے اور عدم سے مل جائیں گے۔ جیسا کہ نص قرآنی اس پر ناطق ہے اور تمام اسلامی فرقوں کا اس پر اجماع قائم ہے۔ جس طرح حق سبحانہ و تعالیٰ نے کلام مجید میں فرمایا ہے: **فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ نَفْحَةً وَاحِدَةً. وَحُمِلَتِ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَاحِدَةً. فَيَوْمَئِذٍ وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ. وَانْشَقَّتِ السَّمَاءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَاهِيَةٌ.** (سورۃ حاقہ، ۱۳-۱۶) یعنی: تو جب صور میں ایک (بار) پھونک مار دی جائے گی اور زمین اور پہاڑ دونوں اٹھالیے جائیں گے۔ پھر ایک بار توڑ پھوڑ کر برابر کر دیے جائیں گے تو اُس روز ہو پڑنے والی، یعنی قیامت ہو پڑے گی اور آسمان پھٹ جائے گا، تو وہ اُس دن کمزور ہوگا۔

اور فرمایا ہے: **إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ. وَإِذَا النُّجُومُ انْكَدَرَتْ. وَإِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ.** (سورۃ تکویر، ۱-۳) یعنی: جب سورج پلٹ لیا جائے گا اور جب تارے بے نور ہو جائیں گے اور جب پہاڑ چلائے جائیں گے۔

اور فرمایا ہے: **إِذَا السَّمَاءُ انْفَطَرَتْ. وَإِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَشَرَتْ.** (سورۃ انفطار، ۱-۲)

یعنی: جب آسمان پھٹ جائے گا اور جب تارے جھڑ پڑیں گے۔

اور فرمایا ہے: **إِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ.** (سورۃ انشقاق، ۱) یعنی: جب آسمان پھٹ جائے گا۔

اور فرمایا ہے: **كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ لَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ.** (سورۃ قصص، ۸۸)

یعنی: اس کی ذات (پاک) کے سوا ہر چیز فنا ہونے والی ہے۔ اسی کا حکم ہے اور اسی کی طرف تم لوٹ کر جاؤ گے۔

قرآن مجید میں اس طرح کی آیات بہت زیادہ وارد ہوئی ہیں۔ کوئی جاہل ہی ہوگا جو ان کی فنا کا انکار کرے یا وہ ہوگا جو قرآن پر ایمان نہ رکھتا ہو اور فلاسفہ کی ملع سازیوں پر فریفتہ ہو۔ الغرض ممکنات میں عدم سابق کی مانند عدم لاحق کا ثابت کرنا بھی دین کی ضروریات میں سے ہے اور ان پر ایمان لانا ضروری ہے۔

بعض علماء نے جو کہا ہے کہ سات چیزیں: عرشی و کرسی، لوح و قلم، بہشت و دوزخ اور روح فنا نہیں ہوں گی اور (یہ) باقی رہیں گی۔ اس کا معنی یہ نہیں ہے کہ یہ چیزیں فنا قبول نہیں کرتیں اور زوال کی قابلیت نہیں رکھتیں۔ حاشا وکلا، (یعنی ہرگز ایسا نہیں ہے) بلکہ قادر مطلق جل شأنہ اپنی حکمتوں اور مصلحتوں کے لحاظ سے جس کو چاہے وجود کے بعد فنا کرے اور جس کو چاہے باقی رکھے۔ **يَفْعَلُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ وَيَحْكُمُ مَا يُرِيدُ.** یعنی: اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اور جو چاہتا ہے اُس کا حکم کرتا ہے۔

اس بیان سے واضح ہوا کہ عالم اپنے سب اجزاء کے ساتھ واجب تعالیٰ کی طرف منسوب ہے اور وجود و بقا میں حق سبحانہ کا محتاج ہے، کیونکہ بقا سے مراد اسی وجود کے نفس کا دوسرے اور تیسرے زمانے میں جہاں تک اللہ تعالیٰ چاہے برقرار رہنا ہے۔ اس وجود پر کوئی امر زائد نہیں ہے جو کہ بقا سے مستثنیٰ ہو۔ لہذا نفس وجود اور وجود کا برقرار رہنا دونوں حق تعالیٰ کے ارادہ کے سپرد ہیں۔ عقل فعال کون ہے جو چیزوں کو سرانجام دے اور حوادث (مخلوقات) اس کی طرف منسوب ہوں۔ کیونکہ اس کے اپنے وجود اور ثبوت میں بھی ہزاروں تردد ہیں، کیونکہ اس کا ثابت ہونا اور حاصل ہونا بھی فلاسفہ کی ملمع سازیوں اور جھوٹے مقدمات پر مبنی ہے جو اسلام کے اصول حقہ کے لحاظ سے نامکمل اور بہودہ ہیں۔ بیوقوف ہے وہ شخص جو چیزوں کو قادر مطلق جل شانہ سے ہٹا کر اس طرح کے قیاسی معاملہ کی طرف منسوب کرے۔ بلکہ چیزوں کے لیے بھی (یہی بات) ننگ و عار ہے کہ وہ فلاسفہ کے من گھڑت امر کی طرف منسوب ہوں، بلکہ چیزیں خود اپنے عدم پر راضی و خوش ہیں اور وہ ہرگز وجود کی طرف رغبت نہ کریں گی، بجائے اس کے کہ ان کے وجود کی نسبت فلاسفہ کے قیاسی امر کی طرف کی جائے اور وہ قادر مختار جل سلطانہ کی قدرت کے انتساب کی سعادت سے محروم ہو جائیں۔

كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ ط إِنَّ يَقُولُونَ إِلَّا كَذِبًا. (سورۃ کہف، آیت ۵)
یعنی: (یہ) بڑی سخت بات ہے جو ان کے منہ سے نکلتی ہے (اور کچھ شک نہیں کہ) یہ جو کچھ کہتے ہیں محض جھوٹ ہے۔
مکتوب نمبر (۵۸)

خواجہ صلاح الدین احراری کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ وجود ممکنات کا خلق اور نمود مرتبہ وہم اور حس میں ہے جس نے استحکام حاصل کر لیا ہے۔

كَانَ اللَّهُ وَلَمْ يَكُنْ مَعَهُ شَيْءٌ. ^(۱) یعنی: اللہ تعالیٰ تھا اور کوئی چیز اُس کے ساتھ نہ تھی۔
جب اس نے چاہا کہ وہ اپنے مخفی کمالات کو ظاہر فرمائے تو اسمائے الہی جل سلطانہ میں سے ہر اسم نے مظاہر میں سے ایک مظہر طلب فرمایا، تاکہ اپنے کمالات کا اس مظہر میں جلوہ فرمائے۔ وجود اور توابع وجود کا مظہر بننے کے قابل عدم کے سوا کوئی چیز نہیں تھی، کیونکہ کسی چیز کا مظہر اور آئینہ اس چیز کے مابین اور مقابل ہوتا ہے اور وجود کا مابین و مقابل صرف عدم ہے۔ پس حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ نے اپنی قدرت کے کمال سے عدم کے عالم میں اسماء میں سے ہر اسم کے لیے مظاہر میں سے ایک مظہر متعین فرمادیا اور پھر اس کو حس اور وہم کے مرتبہ میں جب چاہا اور جس طور پر چاہا، پیدا فرمادیا۔
خَلَقَ الْأَشْيَاءَ مَتْنِي شَاءَ وَ كَمَا شَاءَ. یعنی: اس نے چیزوں کو جب چاہا اور جیسے چاہا پیدا فرمایا۔
اور (پھر) ابدی معاملے کو اس کے ساتھ وابستہ کر دیا۔

جاننا چاہیے کہ عدم خارجی کے منافی خارجی ثبوت ہے، نہ کہ وہ ثبوت جو حس اور وہم کے مرتبہ میں پیدا ہو، کیونکہ اس میں منافات کی بونہیں اور عالم کا ثبوت وہم اور حس کے مرتبہ میں ہے نہ کہ خارج کے مرتبہ میں، کہ وہ اس کے منافی ہو۔ پس روا ہے کہ عدم حس اور وہم کے مرتبہ میں ثبوت پیدا کر لے اور اللہ جل سلطانہ کی تخلیق سے اس کو وہاں پائیداری اور رسوخ حاصل ہو جائے اور اس مرتبہ میں وہ انعکاس اور ظلیت کے طور پر زندہ اور جاننے والا اور قدرت والا اور ارادہ کرنے والا، دیکھنے والا، سننے

والا اور بولنے والا ہو جائے اور خارج کے مرتبہ میں اس کا کوئی نام و نشان نہ ہو اور خارج میں واجب جل سلطانہ کی ذات و صفات کے سوا کوئی چیز ثابت اور موجود نہ ہو اور اس معنی سے کہا جاسکتا ہے کہ: **الْأَلَانُ كَمَا كَانَ**۔
یعنی: وہ اب بھی ایسا ہی ہے جیسے کہ پہلے تھا۔

اس کی مثال نقطہ جوالہ (تیزی سے گھومنے والا نقطہ) اور دائرہ موہومہ کی مانند ہے کہ موجود وہی نقطہ ہے اور بس۔ اور دائرہ خارج میں معدوم ہے اور خارج میں اس کا کوئی نام و نشان نہیں۔ اس کے باوجود اس دائرہ نے حس اور وہم کے مرتبہ میں ایک ثبوت پیدا کر لیا ہے اور اس مرتبہ میں ظلیت کے طور پر اسے روشنی اور چمک حاصل ہے۔ اس تحقیق کے ذریعے ان مبسوط مقدمات سے استغنا حاصل ہو جاتا ہے جو حضرت شیخ محی الدین (ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ) اور ان کے پیروکاروں نے عالم کی پیدائش کے بارے میں بیان فرمائے ہیں اور تنزلات بیان کیے ہیں اور علمی و خارجی تعینات بنائے ہیں اور حقائق و اعیان ثابتہ کو واجب جل سلطانہ کے مرتبہ علم میں ثابت کیا ہے اور ان کے عکسوں کو خارج میں، جو کہ ظاہری وجود ہے، مقرر رکھا ہے اور ان کے آثار کو خارجی کہا ہے، جیسا کہ ان کے کلام کو دیکھنے والے مصنف پر مخفی نہیں ہے جو ان کی اصطلاح سے آگاہ ہے۔ نیز اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ حق جل و علا کے سوا کوئی چیز خارج میں موجود نہیں ہے، کیا اعیان (ذوات) اور کیا اعیان کے آثار۔ بلکہ ان کا ثبوت حس اور وہم کے مرتبہ میں ہے اور کوئی عذر لازم نہیں آتا، کیونکہ یہ (عالم) کوئی ایسی موہوم چیز نہیں ہے جس نے وہم کے اختراع سے ثبوت پیدا کر لیا ہے، جو وہم کے اٹھ جانے سے زائل ہو جائے گا، بلکہ اس کا ثبوت مرتبہ وہم میں اللہ جل شانہ کی کارگیری سے ہے اور اسے اس مرتبہ میں ثبات و برقراری اور مضبوطی و استحکام حاصل ہے: **صُنِعَ اللَّهُ الْدِّیَ اتَّقَنَ كُلَّ شَیْءٍ**۔ (سورۃ نمل، ۸۸) یعنی: یہ اللہ کی کارگیری ہے جس نے ہر چیز کو مضبوط بنایا۔

اس بیان سے واضح ہو گیا کہ ممکنات کے حقائق عدات ہیں، جنہوں نے واجب تعالیٰ کے مرتبہ علم میں تمیز اور تعین پیدا کر لیا ہے اور اللہ جل سلطانہ کی صنعت سے دوسری بار حس اور وہم کے مرتبہ میں ثابت ہو گئے ہیں۔ ان میں سے بعض اسمائے الہی جل شانہ کے آئینے بن گئے ہیں اور اس مرتبہ میں ظلیت اور انعکاس کے طور پر زندہ اور جاننے والا، اور قدرت والا اور ارادہ کرنے والا، دیکھنے والا، سننے والا اور بولنے والا بن گئے ہیں اور شیخ (محی الدین ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ) اور ان کے پیروکاروں کی تحقیق سے ممکنات کے حقائق اسمائے الہی جل سلطانہ کی علمی صورتیں ہیں جو حضرت (حق تعالیٰ کے) وجود کے چنگانہ تنزلات میں سے ایک ہیں۔

الغرض یہ کہ اس فقیر کی فہم کے مطابق ممکنات کے حقائق عدات ہیں اور حضرت شیخ (محی الدین ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ) کے نزدیک وجودات متزلزلہ ہیں۔ حضرت شیخ (رحمۃ اللہ علیہ) نے کثرت کی نمود کو خارج میں ثابت کیا ہے اور کہا ہے کہ کثیر علمی صورتیں جو کہ ممکنات کے حقائق ہیں اور انہوں نے ان کو اعیان ثابتہ سے تعبیر کیا ہے جو حق تعالیٰ کے ظاہری وجود کے آئینے میں، جس کے سوا خارج میں کوئی موجود نہیں ہے، منعکس ہو کر خارج میں نمودار ہو گئے ہیں اور لگتا ہے کہ وہ خارج میں (موجود) ہیں اور درحقیقت خارج میں حق تعالیٰ کی ایک ذات کے سوا کوئی موجود نہیں ہے۔ (شیخ) فرماتے ہیں کہ علمی صورتوں میں سے ہر صورت کسی ایک وقت میں ظاہر وجود کے ساتھ جو کہ ان صورتوں کے لیے آئینہ کی طرح ہے، ایک نامعلوم کیفیت

پیدا کر لیتی ہے جو کہ خارج میں ان کی نمائندگی کا سبب بن جاتی ہے اور (شیخ) کہتے ہیں کہ یہ نامعلوم کیفیت کسی کو معلوم نہیں، حتیٰ کہ انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کو بھی اس راز کی اطلاع نہیں دی گئی۔ نیز (شیخ نے) خارج میں ان صورتوں کے اظہار کو جو کہ اس نامعلوم کیفیت کے حاصل ہونے کے بعد ہے، خلق کہا ہے اور چیزوں کی ایجاد سمجھا ہے۔ اور وہ پہلی تحقیق جس سے اس فقیر کو راستہ ملا ہے، اس کی رُو سے جس طرح کہ چیزوں کا خارج میں وجود نہیں ہے، اسی طرح ان کا نمود بھی خارج میں اسی اپنی بے رنگی پر ہے۔ اس (خارج) میں نہ غیر کا کوئی وجود ہے اور نہ ہی کوئی نمود۔ اگر اس کا نمود ہے تو وہ مرتبہ وہم میں ہے اور اگر ثبوت ہے تو وہ بھی اللہ جل شانہ کی صنعت سے مرتبہ وہم میں ہے۔ غرض یہ کہ اس کا نمود اور ثبوت ایک ہی مرتبہ میں ہے، یہ نہیں ہے کہ اس کا نمود ایک جگہ ہے اور اس کا ثبوت دوسری جگہ ہے۔ مثلاً دائرہ موہومہ جو نقطہ جوالہ سے پیدا ہے، جیسا کہ اس کا ثبوت مرتبہ وہم میں ہے، اس کا نمود بھی اسی مرتبہ میں ہے، کیونکہ اس کا امتیازی نشان بھی (مرتبہ) وہم میں ہے، نہ کہ خارج میں۔ اور (اس کا) نمود بھی اسی مرتبہ (وہم) میں ہے۔

مختصر یہ کہ نمود وہی کو نمود خارجی خیال کرتے ہیں، اسی طرح جیسے کہ مثالی صورتوں کو عالم مثال میں جاگتے ہوئے باطنی حس سے دیکھتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ وہ ان صورتوں کو عالم شہادت میں اور ظاہری حس کے ساتھ دیکھ رہے ہیں۔ اس قسم کا اشتباہ بہت واقع ہوتا ہے کہ ایک مرتبہ کو دوسرے مرتبہ کے مشابہ پاتے ہیں اور ایک کا حکم دوسرے پر کرتے ہیں۔ لہذا مورد بحث صورت میں وہ دائرہ موہومہ جو کہ خیال میں نقش ہوا ہے، اس کو خیال کی آنکھ سے اسی مرتبہ میں دیکھتے ہیں جس میں وہ نقش ہوا ہے اور خیال کرتے ہیں کہ اس کو سر کی آنکھ سے خارج میں دیکھ رہے ہیں، اس طرح نہیں ہے۔ کیونکہ خارج میں جو کہ نقطہ جوالہ کا کل ہے، اس (دائرہ) کا کوئی نام و نشان نہیں ہے، تاکہ دیکھا جاسکے۔ نیز آدمی کی صورت جو آئینہ میں منعکس ہوتی ہے، وہ بھی اسی طرز پر ہے کہ خارج میں صورت کا نہ ثبوت ہے اور نہ نمود ہے، بلکہ اس کا ثبوت اور نمود ہر دو مرتبہ خیال میں ہیں۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ اَعْلَمُ۔ یعنی: اور اللہ سبحانہ ہی خوب جانتا ہے۔

پس جس کو شیخ (محی الدین ابن العربی) قدس سرہ نے خارج سمجھا ہے اور اس میں انعکاس کے طور پر چیزوں کا نمود ثابت کیا ہے، وہ خارج نہیں ہے، بلکہ مرتبہ وہم ہے، جس نے اللہ جل شانہ کی کارگیری سے قرار و ثبات پیدا کر لیا ہے اور خارج کا وہم ہوتا ہے۔ خارج اس کے علاوہ ہے جو شہود اور احساس سے بالاتر ہے۔ جو کچھ ہمارا مشہود و محسوس اور معقول و متخیل ہوتا ہے، وہ تمام دائرہ وہم میں داخل ہے۔ اللہ جل سلطانہ کا موجود خارجی ہماری سمجھوں سے بہت ہی زیادہ بلند و برتر ہے۔ یہاں آئینہ داری کی کیا گنجائش ہے اور کوئی صورت ہے جس میں حضرت حق سبحانہ منعکس ہو۔ آئینے اور صورتیں سب ظلال کے مراتب میں ہیں جو کہ وہم اور حس کے دائرہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

رَبَّنَا اٰتِنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً وَهِيَ لَنَا مِنْ اَمْرِ نَا رَشَدًا۔ (سورۃ کہف، ۱۰)

یعنی: اے ہمارے پروردگار! ہم پر اپنے ہاں سے رحمت نازل فرما اور ہمارے کام میں درستی (کے سامان) مہیا کر۔

مکتوب نمبر (۵۹)

خواجہ شرف الدین حسین کو تحریر فرمایا۔ روزمرہ کے حوادث کو حق تعالیٰ کے ارادہ کی طرف راجع کرنے اور ان سے لطف

اندوز ہونے (کے بیان) میں۔

حق سبحانہ و تعالیٰ آپ کو شریعتِ مصطفویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والختیہ کی شاہراہ پر استقامت بخش کر پوری طرح اپنی جناب پاک کا گرفتار بنائے۔

اے باتمیز پیارے فرزند! روزمرہ کے حوادث چونکہ واجب الوجود جل سلطانہ کے ارادہ سے ظاہر ہوتے ہیں اور حق تعالیٰ کے فعل سے ثابت ہیں۔ اس لیے اپنے ارادہ کو حق تعالیٰ کے تابع بنا کر ان حوادث کو اپنی مرادیں بنالینا چاہیے اور ان سے لطف اندوز ہونا چاہیے۔ اگر بندگی ہے تو پھر اس نسبت کو پیدا کرنا چاہیے، ورنہ بندگی سے سر باہر نکالنا ہے اور اپنے مولیٰ جل شانہ سے مقابلہ کرنا ہے۔ حدیثِ قدسی میں آیا ہے: مَنْ لَمْ يَرْضَ بِقَضَائِي وَلَمْ يَصْبِرْ عَلَيَّ بَلَائِي فَلْيَطْلُبْ رَبًّا سِوَائِي وَلْيَخْرُجْ مِنْ تَحْتِ سَمَائِي^(۱)۔ یعنی: جو میری قضاء پر راضی نہیں اور میری بلا پر صبر نہیں کرتا۔ پس وہ میرے سوا کوئی اور رب بنالے اور میرے آسمان کے نیچے سے نکل جائے۔

ہاں! فقراء اور مساکین اور کمزور لوگوں کی جماعت آپ کی رعایت و حمایت سے آسودہ اور خوشحال ہو گئی ہے۔ چونکہ وہ بھی ایک صاحب (حق تعالیٰ) رکھتے ہیں جو ان کے لیے کافی ہے، لیکن آپ کی نیک نامی کو بقل گئی ہے۔ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ آپ کو دنیاوی اور اخروی اجر عطا فرمائے۔ والسلام۔

مکتوب نمبر (۶۰)

حضرت عالی (مجدد الف ثانی قدس سرہ) نے اپنے پیر زادہ خواجہ محمد عبداللہ کو تحریر فرمایا۔ انسان کی ذات کی عدمیت اور اس میں واجب تعالیٰ کے اسماء و صفات کے ظلال کے انعکاس کے بیان میں اور اس کا بیان کہ انسان کی ذات اس کا نفس ناطقہ ہے۔ اور نفس و قلب کی فنا اور علم حصولی و حضوری کے زوال کے بیان میں۔

هُوَ الْحَقُّ الْمُبِينُ سُبْحَانَ مَنْ لَا يَنْتَغَيِّرُ بَدَائَتِهِ وَلَا بِصِفَاتِهِ وَلَا فِي أَسْمَائِهِ بِحُدُوثِ الْأَكْوَانِ۔

یعنی: اللہ سبحانہ و تعالیٰ حق و ظاہر ہے۔ پاک ہے وہ ذات جو کون و مکان کے حدوث سے اپنی ذات و صفات اور اسماء میں متغیر نہیں ہوتی۔

کیونکہ موجودات کے حادث ہونے میں جو بھی تغیر اور تلون ہوا ہے وہ عدم کے مراتب میں ہے اور حضرت وجود تعالیٰ و تقدس میں کوئی تنزل اور تبدل خواہ وہ خارج میں ہو اور خواہ علم میں ہو، واقع نہیں ہوا۔ اس کا بیان یہ ہے کہ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ نے جب چاہا کہ اپنے ذاتی و صفاتی اور اسمائی کمالات کو ظاہر کرے اور چیزوں کے مظاہر اور آئینوں میں ان کو جلوہ گر کرے تو اس نے عدم کے مراتب میں ہر ایک کمال کے مقابل کو جو کہ اس کی ضد ہے اور باقی سب اعدام کی اضافت کی نسبت سے متمیز ہے، اس کمال کے آئینہ ہونے کے لیے متعین فرمایا، کیونکہ کسی چیز کا آئینہ اس چیز کا مقابل ہے اور اس چیز کے ظہور کا سبب ہے۔ وَبِضِدِّهَا تَتَبَيَّنُ الْأَشْيَاءُ۔ یعنی: اور چیزیں اپنی ضد سے ظاہر ہوتی ہیں۔

نیز ان اعدام کو جو ان کمالات کی آئینہ داری کی قابلیت رکھتے ہیں، جب چاہا حس اور وہم کے مرتبہ میں ایجاد فرمایا اور ان کو استقرار اور استحکام بخشا اور ان سب کمالات کو ان میں منعکس کیا اور اس انعکاس سے ان اعدام کو اس مرتبہ میں زندہ و دانا،

باقدرت و باارادہ، سننے والا، دیکھنے والا اور بولنے والا بنایا۔ لیکن محسوس ہوا ہے کہ اوّل عدم میں ایک تصرف فرماتے ہیں، بغیر اس کے کہ اس میں کوئی دوسری چیز مخلوط کریں اور اس کو اس تصرف سے نرم اور ملائم بناتے ہیں۔ اس کے بعد اس جگہ کمال کا ظہور کرتے ہیں، جیسے کہ موم کو شروع میں نرم اور ملائم کرتے ہیں اور اس کے بعد اس سے صورتیں اور شکلیں بناتے ہیں۔

جاننا چاہیے کہ یہاں عدم سے مراد عدمِ خارجی ہے جو وجود خارجی کے مقابل ہے۔ پس یہ اس کی ایجاد جو کہ مرتبہ وہم میں واقع ہوتی ہے، کے منافی نہیں ہے اور ثبوت وہی اس سے کوئی مخالفت نہیں رکھتا۔ لہذا ہم کہتے ہیں کہ عدم کے منافی وجود ہے جو اس کی ضد ہے اور عدم وجود نہیں بن سکتا۔ لیکن اگر عدم موجود ہو جائے تو کوئی مشکل لازم نہیں آتی جیسا کہ وجود کے بارے میں حکماء نے کہا ہے کہ یہ معقولاتِ ثانویہ سے ہے جو خارج میں معدوم ہے۔ اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ چیزوں کے حقائق اعدام ہیں، جن میں مرتبہ وجود تعالت و تقدس کے کمالات منعکس ہوئے ہیں اور انہوں نے اللہ جلّ سلطانہ کی ایجاد سے تحقق و ثبوت وہی پیدا کر لیا ہے اور حس و وہم کے مرتبہ میں استقرار حاصل کر لیا ہے۔ گویا چیزوں کی ذات (یعنی اصول) اعدام ہیں اور ان میں کمالات کا انعکاس ان اعدام کے ہاتھ پاؤں کی طرح ہے اور ان قوی اور اعضاء کی مانند ہے۔

(فقیر) ان مقدمات کی تمہید کے بعد چند باتیں اصلی مقصد کے بارے میں، جو کہ ولایتِ خاصہ سے تعلق رکھتی ہیں، بیان کرتا ہے۔ گوشِ ہوش سے سنی چاہئیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو سعادت مند بنائے اور سیدھے راستے کی ہدایت عطا فرمائے۔ جان لیں کہ انسان کی حقیقت اور اس کی ذات عدم ہے جو کہ نفسِ ناطقہ کی حقیقت ہے اور ابتدا میں اس نفس سے نفسِ امارہ مراد لیتے ہیں اور انسان میں سے ہر فرد لفظ ”انا“ سے اس کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ پس انسان کی ذات نفسِ امارہ ہے اور انسان کے باقی لطائف اس کے قوی اور اعضاء کی مانند ہیں۔ چونکہ عدم اپنی ذات کی رو سے محض شر ہے، وہ خیریت کی کوئی بونہیں رکھتا اور نفسِ امارہ بھی محض شر ہے اور اس میں بھی خیریت کی کوئی بونہیں ہے۔ اس کی شرارت و جہل ہی ہے کہ وہ منعکس ہونے والے کمالات کو، جو کہ اس میں ظلیت کے طور پر ظاہر ہوئے ہیں، اپنی جانب سے سمجھتا ہے اور ان کے قیام کو، جو ان کی اصل سے ثابت ہے، اپنے نفس کی طرف منسوب کرتا ہے اور خود کو ان کمالات کی وجہ سے کامل اور اچھا سمجھتا ہے اور اس راستے سے سرداری کا دعویٰ پیدا کرتا ہے اور اپنے اللہ جلّ سلطانہ کو اپنے کمالات میں شریک بناتا ہے اور برائی سے بچنے کی قوت اور اچھائی کرنے کی طاقت کو خود سے تصور کرتا ہے اور خود کو متصرف خیال کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ سب اس کے تابع ہوں اور یہ خود کسی کے تابع نہ ہو اور خود کو سب سے زیادہ دوست رکھتا ہے اور دوسروں کو اپنے لیے دوست رکھتا ہے، نہ کہ ان کے لیے۔ اور ان فاسد خیالات کی وجہ سے اپنے مولیٰ جلّ سلطانہ کے ساتھ ذاتی عداوت پیدا کر لیتا ہے اور حق تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کا گرویدہ (معتقد) نہیں بنتا اور اپنی خواہشات کی پیروی چاہتا ہے اور اپنی خواہش کی پوجا کرتا ہے اور حدیثِ قدسی میں آیا ہے:

عَادِ نَفْسَكَ فَإِنَّهَا اِنْتَصَبَتْ بِمُعَادَاتِي. یعنی: اپنے نفس کو دشمن سمجھ، کیونکہ وہ میری دشمنی میں سرگرم ہے۔

حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ نے اپنی کمال مہربانی اور رحمت سے انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کو بھیجا ہے جو جہان کے لیے رحمت ہیں، تاکہ (خلقت کو) حق جلّ سلطانہ کی جانب دعوت دیں اور اس دشمن کے کارخانہ کو خراب کریں اور اس کو اس کے پیدا کرنے والے اور مولیٰ کی طرف رہنمائی کریں اور اس کو جہالت اور خباثت سے باہر نکالیں اور اس کو اس کے نقص اور

شرارت سے آگاہ کریں۔ جو شخص سعادت ازلی رکھتا تھا، اس نے ان بزرگواروں کی دعوت کو قبول کر لیا اور اپنی جہالت اور خباثت سے رک گیا اور (آسمان سے) نازل ہونے والے احکام کا تابع ہو گیا۔

جاننا چاہیے کہ تزکیہ نفس کا طریقہ دو طرح پر ہے۔ ایک طریقہ وہ ہے جو ریاضتوں اور مجاہدوں سے تعلق رکھتا ہے اور یہ انابت کا طریقہ ہے جو مریدوں کے لیے مخصوص ہے اور دوسرا طریقہ جذب اور محبت کا طریقہ ہے جو برگزیدہ کرنے کا راستہ ہے، (یہ) مرادوں سے تعلق رکھتا ہے، اور ان دونوں راستوں میں بڑا فرق ہے۔ پہلا طریقہ مطلوب کی طرف چل کر جانا ہے اور دوسرا طریقہ مقصود کی جانب لے جانا ہے۔ جانے اور لے جانے میں بہت فرق ہے۔ جب سابقہ کرم سے کسی صاحبِ دل کو چاہتے ہیں کہ برگزیدہ کرنے کے راستے پر لے جائیں تو اس کو جنابِ قدس کا جذب و محبت عطا فرماتے ہیں اور کھینچتے ہوئے لے جاتے ہیں۔ ان کے درمیان کوئی ایسا سعادتمند بھی ہوتا ہے جس کو فنا کی حد تک پہنچا دیتے ہیں اور اس کو ماسوا کی دید و دانش سے رہا کر دیتے ہیں اور آفاق و انفس سے گزار لے جاتے ہیں۔ آفاق کا نسیان قلب کی فنا سے وابستہ ہے اور فناءِ انفس نفسِ امارہ کی فنا پر موقوف ہے۔ پہلی میں حصولِ علم کا زوال ہے اور دوسری میں حضوری علم کا زوال ہے۔ حضوری علم کا زوال اس وقت تک متصور نہیں جب تک کہ نفس حاضر کا زوال ثابت نہ ہو جائے۔ کیونکہ جب تک (نفس) حاضر قائم ہے، حضوری علم بھی قائم ہے، اس لیے کہ علم حضوری سے مراد نفس حاضر ہے، نہ کہ اس پر کوئی زائد امر۔ پس نفس کی فنا میں زوالِ شہودی اس کے زوال و جود کی سے عبارت ہے، بخلاف زوالِ شہودی کے، کہ جس کا اعتبار فناءِ قلب میں کیا جاتا ہے اور وہ قلب کے وجود کے زوال کو لازم نہیں کرتا۔ اس لیے کہ اس جگہ کا شہود شاہد و حاضر پر زائد ہے اور ایک کی فنا کو لازم نہیں کرتی۔ خوب سمجھ لیں، کیونکہ یہ ایک دقیق فرق ہے جس کی جانب رہنمائی کم ہی ملتی ہے۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ الْمُؤَقِّقِ۔

یعنی: اور اللہ سبحانہ ہی توفیق بخشنے والا ہے۔

تنبیہ: کوئی نادان خیال نہ کرے کہ نفس حاضر کا زوال بقا باللہ کے مقام میں جو کہ اربابِ توحید و جود کو میسر ہوتا ہے، بھی حاصل ہے، کیونکہ حاضر اس مقام میں حق سبحانہ ہے، نہ کہ سالک کا نفس جو کہ فنا پا چکا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ حاضر اس مقام میں نفس سالک ہے جس کو حقیقت کے عنوان سے سمجھا ہے، نہ کہ حضرت حق تعالیٰ و تقدس جو اس تعین اور اس حضور سے منزہ اور مبرا ہے۔ یہ بات اسی طرح کی ہے، جیسے کسی نے کہا:

عج بخواہ اندر مگر موشتے اشتر شد

یعنی: خواب میں شاید چوہا اونٹ بن گیا۔

اس جگہ نفس حاضر کے علم کا زوال ہے جو علم حصولی کی قسم سے ہے، نہ کہ نفس حاضر کا زوال، جو کہ علم حضوری کے زوال کو لازم کرتا ہے اور نفس حاضر کے زوال سے مراد اُس کے عین و اثر کا زوال ہے، نہ کہ نفس حاضر کے علم کا زوال۔

شَتَّانَ مَا بَيْنَهُمَا۔ یعنی: ان دونوں میں بہت فرق ہے۔

رَبَّنَا آتِنَا نُورَنَا وَاعْفِرْ لَنَا جِ انِّكَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ۔ (سورۃ تحریم، ۸)

یعنی: اے ہمارے پروردگار! ہمارا نور ہمارے لیے پورا کر اور ہمیں معاف فرما، بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے۔

وَالسَّلَامُ عَلَيَّ مَنِ اتَّبَعَ الْهُدَى. (سورۃ طہ، ۷۷)

یعنی: اور جو شخص ہدایت کی بات مانے، اُس کو سلامتی نصیب ہو۔

مکتوب نمبر (۶۱)

حضرت مخدوم زادہ محمد سعید مدظلہ کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ بعض مظاہر کا دیکھنا کبھی عارف کے لیے عروج کا زینہ بن جاتا ہے۔ نیز اس کے علاوہ (اور بیان)۔

جب عارف کا معاملہ صرف ذاتِ تعالیٰ و تقدس سے متعلق ہو جاتا ہے اور سب نسبتیں اور اعتبارات ساقط ہو جاتے ہیں تو اس مقام میں عروج دشوار ہو جاتا ہے اور کسی رابطے اور تعلق کے بغیر باہر نکلتا مشکل نظر آتا ہے۔ اس وقت کبھی یوں ہوتا ہے کہ النَّظْرَةُ الْأُولَى لَكَ^(۱) (یعنی: پہلی نظر کا دیکھنا تیرے لیے ہے) کے حکم سے پہلی نگاہ جب خوبصورت مظاہر سے تعلق پیدا کرتی ہے تو وہ اس مقام میں مدد کرتی ہے اور تیزی سے اوپر لے جاتی ہے اور مجاز سے، جس کو حقیقت کا پل کہا گیا ہے، حقیقت تک پہنچا دیتی ہے، لیکن اس وقت دوسری نظر جس کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ النَّظْرَةُ الثَّانِيَةُ عَلَيْكَ (یعنی: دوسری نظر تیرے لیے وبال ہے) سے بچنا ضروری ہوتا ہے، کیونکہ وہ مضر اور زہر قاتل ہے، اس سے اعانت اور امداد کہاں متصور ہو سکتی ہے۔ مَا جَعَلَ اللَّهُ سُبْحَانَهُ فِي الْحَرَامِ شِفَاءً۔^(۲) یعنی: اللہ سبحانہ نے حرام میں شفا نہیں رکھی۔

محسوس ہوا ہے کہ اگر دوسری نظر طبعِ خام کی وجہ سے واقع ہوئی ہے تو پھر وہ خالی پڑی ہے اور پتھر اور ڈھیلے کی مانند رہی ہے۔ جن لوگوں نے دوسری، تیسری اور چوتھی نظر کو، جو کہ خوبصورت مظاہر سے تعلق پیدا کرتی ہیں، مفید سمجھا ہے اور اس کو حقیقت کے عروج کے اسباب میں سے خیال کیا ہے، وہ لوگ صاحبانِ استدراج میں سے ہیں اور جس حقیقت کی طرف وہ عروج کرتے ہیں، وہ عالمِ مجاز میں سے ہے۔ ان لوگوں کے رد میں (یہ آیت) کریمہ ہی کافی ہے: قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ۔ (سورۃ نور، ۳۰) یعنی: آپ مومن مردوں سے کہہ دیں کہ اپنی نظریں نیچی رکھا کریں۔

کبھی یوں ہوتا ہے کہ اس وقفہ میں پڑوس کی ظلمتیں نفع بخش ہوتی ہیں اور ہمسایوں کا کفر و فسق امداد کرتا ہے اور یہ ظلمت جس قدر زیادہ ہو، امداد زیادہ کرتی ہے۔ اس معنی میں نہیں کہ جو کہا گیا ہے کہ وہ وارد ہونے والے فیوض ان لوگوں پر جو غفلت کی ظلمت میں غرق ہیں، ان کی ناقابل کی وجہ سے ان تک نہیں پہنچتے، بلکہ وہ (فیوض) اس شخص کی جانب متوجہ ہو جاتے ہیں جو ان کی ہمسائیگی میں باحضور ہوتا ہے اور یہ شخص دوسروں کے فیوض سے ترقیاں حاصل کرتا ہے، کیونکہ اس طرح نہیں ہے۔ اس لیے کہ اس عارف کے مرتبہ کی بلندی کی وجہ سے کہا جاسکتا ہے کہ وہ وارد ہونے والے فیوض اس کے آس پاس نہیں پہنچ سکتے، چہ جائیکہ اس کے عروج میں امداد کریں۔

ان بزرگواروں کا کارخانہ بلند ہے۔ ہر عمل اور ہر فیض وہاں نفع بخش نہیں ہے، بلکہ یہاں ایک دقیق راز ہے جو اس حال کے صاحبان پر منکشف ہے۔ (فقیر) صرف اس قدر ظاہر کرتا ہے کہ کمال نور کے لیے ظلمت بھی ضروری ہے۔ آپ نے سنا ہوگا کہ: وَبِضْءِهَا تَتَبَيَّنُ الْأَشْيَاءُ۔ یعنی: اور چیزیں اپنی ضد سے ظاہر ہوتی ہیں۔

چونکہ ظلمت کا ارتکاب ممنوع ہے، لہذا کمالِ کرم سے ہمسائیگی کی ظلمت کو معتبر سمجھا گیا ہے اور اس کو اس نور کے ظہور میں

جو کہ نور الانوار ہے، نفع بخش بنایا ہے۔ اگر کہیں کہ طاعتوں اور عبادتوں، خاص کر فرضوں کی ادائیگی کا اس مقام میں نفع کیوں نہیں ہوتا اور وہ عروج میں امداد کیوں نہیں دیتیں؟ تو میں کہوں گا کہ نفع بخش کیوں نہیں اور کس طرح عروج کی امداد نہیں کرتیں؟ لیکن کثیر نفع اور امداد جو پہلے ثابت ہوتا تھا، وہ اس وقت حاصل نہیں ہے اور ان اسباب خارجی وغیرہ کی مانند جو اوپر مذکور ہوئے ہیں، ان جیسے اور اسباب نفع بخش نہیں ہیں۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ اَعْلَمُ بِحَقِیْقَةِ الْحَالِ۔ یعنی: اور اللہ سبحانہ ہی حقیقت حال کو خوب جانتا ہے۔

سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ۔ (سورۃ بقرہ، ۳۲)

یعنی: تو پاک ہے۔ جتنا علم تو نے ہمیں بخشا ہے اُس کے سوا ہمیں کچھ معلوم نہیں۔ بیشک تو دانا (اور) حکمت والا ہے۔

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اَتَّبَعَ الْهُدٰی۔ (سورۃ طہ، ۷۷)

یعنی: اور جو شخص ہدایت کی بات مانے، اُس کو سلامتی نصیب ہو۔

مکتوب نمبر (۶۲)

حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد معصوم مدظلہ العالی کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ انسان کے عدم ذاتی کی بنا پر اس کی فنائے وجودی نہیں ہوتی۔

انسان کی حقیقت اور ذات نفس ناطقہ ہے جو لفظ ”اَنَا“ کے ساتھ انسان کا مثلاً الیہ ہے۔ اور نفس ناطقہ کی حقیقت عدم ہے، جس نے وجود اور صفات وجودی کے انعکاس کی وجہ سے خود کو موجود خیال کر لیا ہے اور (خود کو) مستقل طور پر زندہ، دانا اور با قدرت سمجھا ہے اور ان صفات کمال مثلاً حیات و علم وغیرہ کو خود سے تصور کر لیا اور خود سے قائم خیال کر بیٹھا ہے اور اس وہم سے اس نے خود کو کامل اور خیر یقین کر لیا ہے اور اپنی ذاتی شرارت و نقص کو، جو کہ عدم سے پیدا ہے اور شرمحض ہے، بھلا دیا ہے۔ جب اللہ جل سلطانہ کی عنایت اس کے حق میں وارد ہوتی ہے اور وہ اس کو جہل مرکب اور جھوٹی تصدیق سے رہائی دلاتی ہے تو وہ سمجھ جاتا ہے کہ یہ کمالات کسی دوسری جگہ سے ہیں اور یہ صفات کاملہ اس سے نہیں ہیں اور نہ ہی اس سے قائم ہیں اور وہ سمجھ جاتا ہے کہ اس کی حقیقت اور ذات عدم ہے جو شرمحض ہے اور نقص خالص۔ اگر یہ دید حق تعالیٰ کے کرم سے اس پر غالب آگئی اور وہ ان کامل کمالات کو ان کے مالک (اللہ تعالیٰ) کی طرف سے سمجھا اور اس امانت کو بالکل اس کے اہل کے حوالے کر دیا اور خود کو عدم محض پایا اور خیر کی کوئی بوجہ میں نہ دیکھی تو اس وقت اس کا نہ کوئی نام رہا اور نہ نشانی، نہ کوئی عین رہا اور نہ اثر۔ کیونکہ عدم لاشع محض ہے اور مراتب میں سے کسی مرتبہ میں ثبوت نہیں رکھتا۔ اگر بالفرض مراتب کے کسی مرتبہ میں اس کا ثبوت ثابت ہوتا تو پھر سب کمالات اس سے سلب نہ ہوتے، کیونکہ ثبوت خود عین کمال ہے بلکہ ام الکمالات ہے۔

اس تحقیق سے لازم ہوا کہ اس فنا کے حاصل ہونے میں، جو کہ زیادہ کامل اور اکمل ہے، کسی وجود فانی کے زوال کی کوئی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ اس کا وجود ہرگز (موجود) نہیں ہے کہ اس کا زوال متصور کیا جائے، بلکہ وہ ایک عدم تھا جو وہم سے اپنے وجود کو قائم رکھتا تھا اور جب یہ وہم زائل ہو گیا اور زوال شہودی سے متصف ہو گیا تو عدم محض رہ گیا جو کہ نابود اور ناچیز ہے۔ لہذا زوال شہودی کے سوا چارہ نہیں ہے اور زوال وجودی کی کوئی ضرورت نہیں۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ اَعْلَمُ بِحَقِیْقَةِ الْحَالِ۔

یعنی: اور اللہ سبحانہ ہی حقیقت حال کو خوب جانتا ہے۔

مکتوب نمبر (۶۳)

میر منصور کو تحریر فرمایا۔ حق تعالیٰ کے احاطہ و قرب اور معیت کے راز کے کشف اور اس عظیم راز کو کتابِ کریم کے مجمل و مشکل مقامات کی جانب راجع کرنے (کے بیان) میں۔

قرب و معیت، احاطہ و سرِیان، وصل و اتصال، توحید و اتحاد اور اس طرح کی دوسری چیزیں حضرت حق جلِ سلطانہ کی بارگاہ میں متشابہات اور شطیحات کی قسم سے ہیں۔ وہ قرب و معیت اور وہ وصل و اتصال جو ہماری سمجھ میں آتا ہے اور ہماری عقل میں آتا ہے، اللہ جلِ سلطانہ کی جنابِ پاک اس ادراک و معلوم ہونے سے پاک و مبرا ہے، لیکن آخر کار اس قدر معلوم ہوا ہے کہ یہ قرب و غیرہ اس قرب و اتصال کے مشابہ حاصل ہوتا ہے جو کہ آئینہ اور اس صورت کے درمیان واقع ہوتا ہے جو اس آئینہ میں متوہم ہوتی (دکھائی دیتی) ہے، جیسے کہ عالم سے موجود کو موہوم کے ساتھ قرب و اتصال (حاصل) ہے۔ چونکہ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ موجود حقیقی ہے اور عالم حس و وہم کے مرتبہ میں مخلوق ہے، لہذا ناچار واجب تعالیٰ اور ممکن کے درمیان قرب و اتصال، موجود اور موہوم کے درمیان قرب کی قسم سے ہے اور اس قرب و معیت سے حق تعالیٰ کی جنابِ پاک میں کوئی خلل و محذور عائد نہیں ہوتا۔ اگر گھٹیا چیزیں آئینے میں منعکس ہوتی ہیں اور آئینے کو ان کا قرب و احاطہ حاصل ہوتا ہے تو اس سے کوئی نقص آئینہ میں راہ نہیں پاتا اور کوئی گھٹیا پن اس میں سرایت نہیں کرتا، کیونکہ جس مرتبہ میں آئینہ ہے اس میں ان متوہم گھٹیا چیزوں کا کوئی نام و نشان نہیں ہے کہ ان کی صفات اس (آئینہ) میں اثر پیدا کریں۔

مختصر یہ کہ چونکہ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ نے عالم کو جس و وہم کے مرتبہ میں تخلیق فرمایا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ اس مرتبہ کو اثبات و استقامت دے، (لہذا) جو احکام و آثار موجود پر مرتب ہوئے ہیں، (اس نے) وہ موہوم پر جاری کر دیے ہیں اور موجود کے آثار کو موہوم پر مرتب کر دیا ہے۔ اس طرح موہومہ قرب و احاطہ کو موجود قرب و احاطہ کی مانند ثابت فرما دیا ہے اور ان کو احکام صادقہ بنا دیا ہے۔ تم نہیں دیکھتے کہ جس خوبصورت صورت کا خارج میں دیکھنا جس طرح لطف اندوز و گرفتاری کا موجب ہے، اسی طرح جب وہی صورت آئینہ میں منعکس ہو اور وہی صورت پیدا کر لے تو وہ بھی لطف اندوزی و گرفتاری کا موجب ہوتی ہے۔ اس لیے کہ پہلی صورت موجود ہے اور دوسری موہوم ہے اور اثر کے حاصل ہونے میں دونوں مشترک ہیں۔ جب اللہ جلِ سلطانہ کے کرم سے احکام کے مرتب ہونے میں موہوم کو موجود کے ساتھ شراکت پیدا ہو گئی اور موجود کی مانند موہوم پر بھی اثر مرتب ہو گئے تو نامراد موہوم کو موجود سے بڑی امیدیں پیدا ہو گئیں اور موجود کے قرب و اتصال کی دولت سے اس کو بشارتیں حاصل ہو گئیں:

هٰنِيئًا لَا رُبَابَ النَّعِيمِ نَعِيمُهَا وَلِلْعَاشِقِ الْمُسْكِينِ مَا يَتَجَرَّعُ

یعنی: نعمت والوں کو ان کی نعمتیں مبارک ہوں اور عاشقِ مسکین کو خون کے گھونٹ۔

ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ ط وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ. (سورة حدید، ۲۱)

یعنی: یہ اللہ کا فضل ہے، جسے چاہے عطا فرمائے۔ اور اللہ بڑے فضل کا مالک ہے۔

جاننا چاہیے کہ قرب و اتصال اس معنی کے بغیر، جو اوپر مذکور ہوا ہے، جس معنی میں بھی تصور کریں اور عقل میں لائیں، وہ

تشبیہ اور جسم کی آمیزش سے پاک نہیں ہوگا، مگر یہ کہ (اس پر) ایمان لائیں اور (اس کی) کیفیت میں مشغول نہ ہوں اور اس کو حق جل سلطانہ کے علم کے سپرد کریں اور جب ان الفاظ کو ایک قسم کا بیان مل گیا تو پھر اگر ان کو متشابہات سے باہر نکال کر مجمل یا مشکل میں داخل کر لیا جائے تو اس کی گنجائش موجود ہے۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ اَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْحَالِ۔

یعنی: اور اللہ سبحانہ ہی حقیقتِ حال کو خوب جانتا ہے۔

مکتوب نمبر (۶۴)

اکابر مخدوم زادگان جامع الاسرار والعلوم حضرت خواجہ محمد سعید اور (حضرت) خواجہ محمد معصوم سَلَّمَہُمَا اللّٰهُ تَعَالٰی سُبْحَانَهُ وَآبِقَاهُمَا کو تحریر فرمایا۔ اس فنائے اتم (کے بیان) میں جو عین و اثر کے زوال سے وابستہ ہے، اور واجب سبحانہ کے وجود کی تحقیق اور ممکن سے عدم کے زوال اور اس کے ثبوت و عروجات کی بقا اور دوسرے مشکل دقائق کے بیان میں۔

فنائے اتم اس وقت ثابت ہوتی ہے جب فانی سے عین و اثر کا زوال حاصل ہو جائے اور اس کا کوئی نام و نشان نہ رہے۔

سوال: جب ممکنات کی حقیقت اعدام ہیں جو اضافت سے امتیاز پا کر واجب جل سلطانہ کے اسماء و صفات کے آئینے بن گئے ہیں، جیسا کہ ہم نے مکتوبات میں اس معنی کی تحقیق کی ہے۔ اس لیے لازم آتا ہے کہ اس فنا کے حاصل ہونے کی صورت میں عدم کا، جو کہ اس کی حقیقت ہے، ممکن میں کوئی نام و نشان باقی نہ رہے اور وجود محض کے سوا اس میں کوئی شے نہ رہے۔ کیونکہ دو متضاد چیزوں میں سے ایک متضاد چیز کا زوال دوسری کے حاصل ہونے کو لازم کرتا ہے، تاکہ دو متضاد چیزوں کا ارتقاع (زائل ہونا) لازم نہ آئے اور صوفیہ کے نزدیک وجود عین واجب تعالیٰ ہے یا اللہ سبحانہ کی صفات میں سے مخصوص ترین صفت ہے اور ہر صورت میں حقیقت کا اُلٹ لازم آتا ہے اور اس سے الحاد اور بے دینی لازم آتی ہے۔

جواب: عدم کی ضد وہ وجود نہیں ہے جو عین واجب تعالیٰ ہے یا حق سبحانہ کی صفات ذاتیہ میں سے مخصوص ترین ہے، بلکہ عدم کی ضد اس وجود کے ظلال میں سے ایک ظل ہے اور اس کے عکسوں میں سے ایک عکس ہے۔ غرض یہ کہ ہر وجود جس کے مقابل عدم آتا ہے وہ امکان کے گمان کی جگہ سے ہے اور عدم جو اس کی ضد ہے، کے رفع کرنے کی ضرورت رکھتا ہے۔ واجب جل شانہ کی صفات اگرچہ دائرہ امکان سے خارج ہیں، لیکن چونکہ وہ واجب تعالیٰ کی ذات کے ساتھ احتیاج رکھتی ہیں اور ہر ایک کے مقابل اعدام ثابت ہیں، لہذا امکان کی آمیزش سے باہر نہیں ہیں اور ان کو حق تعالیٰ کی ذات کی احتیاج ہمیشہ دامن گیر ہے۔ اگرچہ وہ قدیم ہیں اور واجب تعالیٰ کی ذات سے الگ نہیں ہیں، لیکن نفسِ احتیاج امکان کی دلیل ہے۔ اگر احتیاج غیر کے ساتھ ہے تو نقص و امکان کامل ہے اور امکان کے دائرہ میں داخل ہے اور اگر غیر کی احتیاج نہیں ہے تو بھی امکان کی بُرکھتا ہے، خواہ دائرہ امکان میں داخل نہیں ہے، جس طرح کہ واجب تعالیٰ کی صفات، جن کا کمال حق تعالیٰ و تقدس کی ذات کے کمال سے کمتر ہے۔ لہذا وجوب مطلق حق تعالیٰ و تقدس کی ذات کے لیے ثابت ہوتا ہے جو کہ ہر طرح کے نقص کے گمان اور قصور کے شبہ سے پاک و مبرا ہے۔ واجب تعالیٰ کی صفات اگرچہ دائرہ وجوب میں قدم رکھتی ہیں، لیکن وہ ذات کی محتاج ہیں اور

ان کا وجوب حق تعالیٰ کی ذات کے وجوب سے کمتر ہے، جس طرح کہ ان کا وجود بھی واجب تعالیٰ کی ذات کے وجود سے کمتر ہے۔ کیونکہ ان کا وجود عدم کی نقیض (ضد) رکھتا ہے جو کہ علم کا عدم اور قدرت کا عدم ہے۔ مثلاً حق تعالیٰ و تقدس کی ذات کے وجود کے مقابل کوئی اعدام نہیں ہے اور کوئی نقیض (ضد) متصور نہیں۔ اگر واجب تعالیٰ کے وجود کے لیے اعدام میں سے کوئی عدم نقیض (ضد) ہو تو پھر وہ اس نقیض (ضد) کو رفع کرنے کا محتاج ہوگا اور احتیاج (محتاجی) نقیض کی علامات میں سے ہے، جو کہ امکان کے حال کے مناسب ہے۔ تَعَالٰی اللّٰهُ عَنْ ذٰلِكَ غُلُوًّا كَبِيْرًا۔ یعنی: اللہ تعالیٰ اس سے بہت ہی بلند و بالا تر ہے۔

مخفی نہ رہے کہ واجب جل شانہ کی صفات میں لفظ امکان کے اطلاق سے پرہیز کرنا چاہیے، کیونکہ اس سے حدوث کا وہم ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفات قدیم ہیں۔ اگرچہ واجب صفت واجب میں ذاتی نہیں ہیں، لیکن واجب جل شانہ کی ذات کے لحاظ سے واجب ہیں، کیونکہ وہ ذات سے الگ نہیں ہیں۔ اس معنی کا حاصل اگرچہ امکان کی جانب لے جاتا ہے، لیکن وہ حدوث کے وہم سے خالی ہے۔ واجب تعالیٰ کے وجود کے لیے نقیض یعنی عدم کا نہ ہونا، کشفی اور شہودی ہے، خواہ استدلال کی صورت میں کیا جائے۔ جس طرح کہ کسی بدیہی بات پر استدلال کی صورت میں تنبیہ کرتے ہیں۔

اب ہم اصل بات کی جانب آتے ہیں اور سوال کے جواب میں کہتے ہیں کہ ممکن سے عدم کے زوال کے بعد فنا کی صورت میں وجود کے علاوہ کوئی دوسری چیز اس میں باقی نہیں رہتی اور سوائے ثبوت اور تحقق کے اسے کچھ نصیب نہیں ہوتا، کیونکہ عدم عینِ واثق کے ساتھ اس سے دور ہو چکا ہے، لیکن یہ وہ وجوب اور ثبوت ہے جو ممکن کے لیے وہم و حس کے مرتبہ میں ثابت کیا گیا ہے اور آثار کو اس پر مرتب کیا گیا ہے اور عدم کے زوال کے بعد مرتبہ حضرت وجوب تعالیٰ و تقدس کے کمالات کا آئینہ بن گیا ہے اور عدم زائل کی صورت میں ممکن کی ذات و صفات ہو گیا ہے۔ یہ ثبوت عدم کے زوال سے پہلے عدم کی صفات سے تھا جس کو حس و وہم کے مرتبہ میں ثابت کیا گیا اور اب وہی ثبوت عدم کے زوال کے بعد اس کا نائب مناب بن کر ممکن کی ذات بن گیا ہے اور اس نے صفات کو اپنی جانب منسوب رکھا اور عدم کا کارخانہ اس سے قائم رہا ہے اور یہ کارخانہ جو عدم کی نیابت سے قائم ہوا ہے، اس حد تک قائم ہے کہ اس کے ثبوت کی نقیض (ضد) قائم ہے اور امکان کو بقا ہے۔ جب معاملہ ثبوت کی نقیض (ضد) سے بالا ہوتا ہے اور وجود کا کوئی مقابل نہیں رہتا، بلکہ عدم کو بھی اس کے مقابلے کی مجال نہیں رہتی اور امکان کی ہرگز گنجائش نہیں ہوتی، تو اُس وقت اور کاروبار ہوتا ہے اور دمساز و نمگسار اور ہوتا ہے۔ اَوْ اَذْنٰی (یا اس سے بھی کم۔ سورۃ نجم، ۹) کا راز اس مقام پر تلاش کرنا چاہیے۔ کیونکہ جہاں تک امکان کی آمیزش اور عدم کی مجال ہے، خواہ وہ نقیض (ضد) کی شکل میں ہو، (اس وقت تک) وہ قَابِ قَوْسَيْنِ (دو کمان کے فاصلے پر۔ سورۃ نجم، ۹) میں داخل ہے۔ اور جب امکان و عدم نے کلی طور پر اپنا رختِ سفر باندھ لیا اور کوچ کا نقارہ بجایا تو پھر اَوْ اَذْنٰی (یا اس سے بھی کم) سامنے آتا ہے۔ اس کا یہ معنی نہیں کہ اس وقت ممکن واجب تعالیٰ کی ذات بن جاتا ہے، بلکہ اس کا قائم ہونا ذاتِ محت کے ساتھ ثابت ہو جاتا ہے۔ اور جو قیام ذات کے ظلال میں سے ایک ظل کے ساتھ تھا، وہ زائل ہو جاتا ہے:

ع کسے کو در خدا گم شد خدا نیست

یعنی: جو شخص اللہ میں گم ہوا وہ اللہ نہیں ہے۔

اس عارف کا قیام واجب الوجود کی ذات کے ساتھ یوں ہوتا ہے جس طرح کہ حق تعالیٰ کی صفات کا قیام اس کی ذات کے ساتھ ہے، بلکہ اس کا قیام اس مرتبہ میں ہے جہاں صفات میں سے کوئی چیز ملحوظ نہیں ہے۔ اگرچہ صفات حق تعالیٰ کی ذات سے الگ نہیں ہیں، لیکن صفات کا قیام ازلی وابدی ہے اور وہ قدیمی ہیں۔ اور اس (عارف) کا قیام ازلی نہیں ہے اور یہ حدوث کے داغ سے داغدار ہے۔ لیکن صفات کے لیے نقائص (ضدیں موجود) ہیں جو کہ اعدام ہیں، مثلاً علم کا عدم اور قدرت کا عدم۔ اس عارف کا معاملہ اعدام کے نقیض (ضد) ہونے سے اوپر چلا گیا ہے، جیسا کہ تحقیق کی گئی ہے۔

مخفی نہ رہے کہ معاملہ جب عدم کے نقیض (ضد) ہونے سے اوپر جاتا ہے تو وجوب ثابت ہو جاتا ہے اور ممکن واجب ہو جاتا ہے، اور یہ (چیز) محال ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ واجب اُس وقت ہوتا ہے جب خارجی وجود پیدا کرے اور ممکن کے لیے وہم جس کے مرتبہ کے سوا کوئی ثبوت نہیں ہے تو پھر وجود کا وجوب کہاں سے متصور ہوگا؟ اس بیان سے صفات کے قیام اور عارف کے قیام کے درمیان ایک اور فرق ظاہر ہو گیا کہ صفات کا قیام خارجی وجود کے قیام کے لحاظ سے ہے اور عارف کا قیام وہمی وجود کے اعتبار سے ہے، اگرچہ ثبات و قرار رکھتا ہے اور آثار کا مبداء ہے۔

جاننا چاہیے کہ عارف کے ”اَنَا“ (میں) کی بقا عدم کی بقا تک ہے جو اُس کی حقیقت ہے۔ جب عدم زائل ہو گیا تو ”اَنَا“ کے لیے کوئی محل نہ رہا جس پر اُس کا اطلاق کیا جائے۔ عدم کے زوال کے بعد معاملات ثبوت اگرچہ لمبے چوڑے ہیں اور اگرچہ ثبوت ممکن کی ذات ہو گیا ہے، لیکن کلمہ ”اَنَا“ کا اس جگہ کوئی مورد نہیں ہے۔ گویا لفظ ”اَنَا“ کا وضع کیا جانا حقیقت عدمیہ کے لیے تھا جو حقیقت ثبوتیہ سے نفرت رکھتا ہے۔ ہاں! ممکن میں جزو اعظم عدم ہے اور ممکن عدم ہی سے ممکن بنا ہے اور ممکن کا کارخانہ عدم سے ہی پھیلا ہے۔ جو احتیاج ممکن میں ہے، وہ عدم ہی سے آئی ہے اور جو حدوث امکان کو دامن گیر ہے، وہ بھی عدم سے ظاہر ہوا ہے۔ اگر ممکن میں ایک کثرت ہے تو وہ بھی عدم کے راستے ہی سے آئی ہے اور اگر امتیاز ہے تو بھی اسی کے راستے سے۔ ممکن کے حق میں وجود مستعار ہے اور وہ بھی تخیل اور وہم سے ہے، اگرچہ ثبات و قرار رکھتا ہے۔

جاننا چاہیے کہ جو صفات واجب جل سلطانہ کی ذات کے ساتھ قیام رکھتی ہیں، حق عز شانہ کی ذات پوری طرح ان صفات میں سے ہر صفت کے رنگ میں ظہور فرماتی ہے۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ (حق تعالیٰ کی) ذات میں سے کچھ حصہ کسی صفت سے متصف ہو اور دوسرا حصہ کسی دوسری صفت سے متصف ہو، کیونکہ حضرت حق سبحانہ کی ذات (اقدس) میں حصے اور جزو ہونا نہیں ہے، وہ بسیط حقیقی ہے، وہاں جس حکم کو بھی ثابت کریں، وہ کلیت کے اعتبار سے ہے۔ جیسا کہ کہا گیا ہے:

ذَاتُ اللَّهِ تَعَالَى كُلُّهُ عِلْمٌ وَكُلُّهُ إِرَادَةٌ وَكُلُّهُ قُدْرَةٌ.

یعنی: اللہ کی ذات کلی طور پر علم ہے اور کلی طور پر ارادہ ہے اور کلی طور پر قدرت ہے۔

اور جو قیام عارف کو واجب جل سلطانہ کی ذات کے ساتھ اسماء و صفات کے ملاحظہ کے بغیر پیدا ہو جاتا ہے، وہ بھی اسی قسم سے ہے کہ وہ کلی طور اس (عارف) کے رنگ میں ظہور فرماتا ہے اور دوسرے آئینوں کے برعکس اس کے تشخص (تعیین) سے اپنی آئینہ داری کو ظاہر کرتا ہے۔ فَهَمَّ مَنْ فَهَمَ. یعنی: پس سمجھا جس نے سمجھا۔

قیامتِ مکیں سعدی بدین شیریں سخن گفتن مسلم نیست طوطی را بدورانت شکر خائی
یعنی: اے سعدی! تو یہ شیریں بیانی کر کے غضب ڈھاتا ہے، تیرے زمانے میں طوطی کو شکر خائی کرنا زیب نہیں دیتا۔

ایسا ظہور کہ آئینہ کلی طور پر صورت کے رنگ میں ظاہر ہو جاتا ہے، اگر عارف کو فنائے اتم کے بعد اس ظہور سے بقا پیدا ہو جائے تو وہ اس کے تعینات کا اکمل ہوگا، کیونکہ وجودِ مہوبِ حقانی (حق کا بخشا ہوا) ہے، جو دوسری ولادت سے اس کو میسر ہوا ہے۔ یہ تعین حدود و امکان کے باوجود چونکہ مرتبہ جمع سے پیدا ہوا ہے، لہذا (یہ) ان دوسرے تعینات پر جو اس مرتبہ سے پیدا نہیں ہوئے، برتری اور فضیلت رکھتا ہے۔ اس برتری و فضیلت کی صورت میں جو قرآنی حروف و کلمات کو دوسرے حروف و کلمات پر ہے۔ اگرچہ دونوں حدود و امکان سے داغدار ہیں۔ بہت بیوقوف ہوگا وہ شخص جو ظاہر بینی سے اس تعین کو ان دوسرے تعینات کے برابر سمجھے اور ان قرآنی حروف و کلمات کو ان دوسرے حروف و کلمات کے مساوی جانے۔ اس وجہ سے تو عارف کی فضیلت کو سمجھ لے اور دوسروں پر اس کی برتری کو اللہ عز و جل کے کلام کی دوسرے کلام پر برتری کی مانند قیاس کر۔ شعر:

ہر کس افسانہ بخواند افسانہ است و آنکہ دیدش نقد خود مردانہ است

یعنی: جو اس کو افسانہ کہے وہ خود افسانہ ہے، اور جس نے حقیقت کو دیکھا وہ مرد ہے۔

جن محروم لوگوں نے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بشر کہا ہے اور دوسرے انسانوں کی مانند تصور کیا ہے، وہ ناچار مکر ہو گئے۔ اور جن خوش قسمتوں نے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو رسالت اور سب جہانوں کے لیے رحمت کے لحاظ سے سمجھا ہے اور دوسرے لوگوں سے ممتاز دیکھا ہے، وہ ایمان کی دولت سے مشرف ہو گئے اور نجات پانے والوں سے ہو گئے۔
تبصیہ: بعض دقیق مطالب کی ادائیگی میں جو کہ واجبِ جلِ شأنہ کی ذات و صفات سے تعلق رکھتے ہیں، عبارت کے میدان کی تنگی کی بنا پر ایسے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں جن سے ممکن کی صفات کا وہم گزرتا ہے اور جس سے نقص و قصور لازم آتا ہے۔ ان الفاظ کو ظاہر سے پھیر لینا چاہیے اور اللہ جلِ سلطانہ کی ذات کو تمام صفاتِ نقص اور علاماتِ قصور سے پاک اور مبرا رکھنا چاہیے اور بعض الفاظ جو شرع میں حضرت (حق) جلِ شأنہ کے لیے وارد نہیں ہوئے ہیں، ان کا اطلاق مشائخِ عظام کی تقلید کے طریقہ سے بطور مجاز کیا جاتا ہے، مثلاً مراۃ (آئینہ داری) وغیرہ۔ (فقیر) ان سے ڈرتا اور کانپتا ہے۔

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَسِينَا أَوْ أَخْطَاْنَا. (سورۃ بقرہ، ۲۸۶)

یعنی: اے ہمارے پروردگار! اگر ہم سے بھول یا چوک ہو گئی ہو تو ہم سے مواخذہ نہ فرمانا۔

(سوال:) اگر یہ کہا جائے کہ لفظِ تجلی اور ظہور ظلی وغیرہ جو تیری (حضرت مجددِ قدس سرہ) تحریروں میں آئے ہیں، ان سے ظہورات کے مراتب میں وجود کا تنزل لازم آتا ہے، جیسے کہ دوسرے مشائخ نے کہا ہے، جبکہ تو (حضرت مجددِ قدس سرہ) وجود کے تنزل کا انکار کرتا ہے، اس کی وجہ کیا ہے؟

(جواب:) میں کہتا ہوں کہ تنزل اس صورت میں لازم آتا ہے جبکہ میں مظہر کو عینِ ظاہر کہوں، جس طرح کہ دوسروں نے کہا ہے، لیکن اگر میں عین نہیں کہتا تو پھر تنزل کیوں ہوگا۔ اس فقیر کے نزدیک پسندیدہ یہی ہے کہ مظہر کے ساتھ عینیت کا نہ ہونا ظاہر ہے۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ الْمُؤَفِّقُ. یعنی: اور اللہ سبحانہ، توفیق بخشنے والا ہے۔

مکتوب نمبر (۶۵)

مولانا اصغر رومی کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ بقائے ذات کے بعد عارف پر صفات میں سے ہر صفت اور لطائف میں ہر لطیفہ اس کی ذات کی کلیت میں ظاہر ہوتا ہے۔

کامل معرفت رکھنے والے عارف کامل کو بقائے ذات کے بعد جب کامل صفات و اخلاق عنایت فرماتے ہیں تو ان صفات میں سے ہر صفت اس کی ذات کی کلیت کے لحاظ سے متصف ہو کر ظاہر ہو جاتی ہے، یہ نہیں ہے کہ اس کی ذات کا بعض حصہ ایک صفت سے موصوف ہو اور بعض دوسرا حصہ کسی دوسری صفت سے متصف ہو۔ مثلاً اس کی ذات کلی طور پر علم ہوگی اور پوری کی پوری آنکھ ہوگی اور سب کی سب کان ہوگی۔ جس طرح کہ محقق صوفیہ نے واجب جل شانہ کی صفات کے بارے میں کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات سب کی سب علم ہے، پوری کی پوری قدرت ہے اور کل کی کل کان ہے اور ساری کی ساری آنکھ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مومن حق سبحانہ کو بہشت میں بے جہت دیکھ لیں گے، کیونکہ وہ خود کلی طور پر آنکھ ہوں گے۔ اور جب تمام آنکھ ہوں گے تو جہت کی کیا گنجائش ہوگی۔

کہا گیا ہے کہ جو کچھ عام مومنوں کو چھوٹی بڑی ہر مصیبت جھیلنے کے بعد آخرت میں میسر ہوگا، اولیاء جو کہ خاص مومن ہیں، وہ ان کو دنیا میں نصیب ہوگا، کیونکہ ان کا ادھار ان کا نقد ہے۔ ان کے ادھار کا قیاس اس جگہ سے کرنا چاہیے (کہ وہ کس قدر ہوگا):

ع قیاس کن ز گلستان من بہار مرا
یعنی: تو میرے باغ سے میری بہار کا اندازہ کر لے۔

ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ. (سورة حدید، ۲۱)
یعنی: یہ اللہ کا فضل ہے، جسے چاہے عطا فرمائے۔ اور اللہ بڑے فضل کا مالک ہے۔

اسی طرح عارف کے لطائف میں سے ہر لطیفہ اس وقت اپنی کلیت کے رنگ سے ظاہر ہوتا ہے اور عارف سب کا سب لطیفہ روح بن جاتا ہے اور کل کا کل لطیفہ قلب ہو جاتا ہے اور اسی قیاس پر دوسرے انسانی لطائف میں سے نفس ناطقہ، سر، خفی اور انھی (بن جاتا ہے)۔ نیز اسی طرح اس کے اجزاء میں سے ہر جزو اور عناصر میں سے ہر عنصر کل کا حکم پیدا کر لیتا ہے۔ مثلاً عارف خود کو مکمل طور پر خاک پاتا ہے اور ہمہ تن (خود کو) عنصر آب تصور کرتا ہے۔ جب لطیفہ قلب، جو کہ حقیقت جامعہ ہے، کل کے رنگ میں رنگین بن جاتا ہے تو اس کا جو تعلق گوشت کے ٹکڑے دل سے ہوتا ہے، وہ زائل ہو جاتا ہے اور اس وقت گوشت کا ٹکڑا خالی رہ جاتا ہے اور بے روح جسم کے رنگ میں دکھائی دیتا ہے اور یوں خیال آتا ہے کہ رفت و آمد (فنا و بقا) میں اس راستے کی دھول تک اس کو نہیں پہنچی اور وہ اپنی اصلی خالصیت پر ہے۔ بالکل اس صورت میں جس طرح کچی ہوئی دیگ میں دانہ اپنی اصلی صرافت پر رہ جاتا ہے، نہ آگ کی حرارت اس پر اثر کرتی ہے اور نہ ہی پانی سے کوئی تری اس تک پہنچتی ہے۔ مختصر یہ کہ اس تعلق کے دور ہو جانے کے بعد اور خالی ہونے کے بعد باقی (سب) اجزاء کے رنگ سے رنگین ہو جاتا ہے اور دوسرے اجزاء کی صورت میں کل کا حکم پیدا کر لیتا ہے۔

مکتوب نمبر (۶۶)

محمد مقیم قصوری کو تحریر فرمایا۔ ان کے سوال کہ ”الْمَجَازُ فَنَظَرُهُ الْحَقِيقَةُ“ کے کیا معنی ہیں؟ کے جواب میں۔
میرے بھائی محمد مقیم نے پوچھا تھا کہ الْمَجَازُ فَنَظَرُهُ الْحَقِيقَةُ^(۱) (مجاز حقیقت کا پل ہے) کس معنی میں کہا گیا ہے۔
جاننا چاہیے کہ مجاز حقیقت کا ظل ہے، کیونکہ ظل سے اصل کی جانب ایک کھلی شاہراہ ہے۔ شاید اسی لحاظ سے کہا گیا ہے
کہ مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ^(۲)۔ یعنی: جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا، اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔
کیونکہ ظل کی معرفت اصل کی معرفت کو لازم کرتی ہے۔ اس لیے ظل اپنے اصل کی صورت پر موجود ہے، لہذا وہ اپنے
اصل کے انکشاف کا سبب ہے، کیونکہ شے کی صورت وہی ہے جس سے (اصل) شے کا انکشاف ہو۔

لیکن جاننا چاہیے کہ الْمَجَازُ فَنَظَرُهُ الْحَقِيقَةُ (مجاز حقیقت کا پل ہے) اس صورت میں ہے جب کہ مجاز کی گرفتاری
درمیان میں نہ آئے۔ بلکہ دوسری نظر نہ اٹھائے۔ پہلی نظر ہے جو حقیقت کا پل ہے اور جس کے بارے میں منبر صادق علیہ علی
آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ النَّظَرُ الْأَوَّلِيُّ لَكَ^(۳)۔ یعنی: پہلی نظر کا دیکھنا تیرے لیے ہے۔

گویا آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے لفظ لَكَ (تیرے لیے) میں اس دولت کے حاصل ہونے کا اشارہ فرمایا ہے اور
اگر عِبَادًا بِاللَّهِ سُبْحَانَهُ (اللہ سبحانہ کی پناہ!) مجاز کی گرفتاری درمیان میں آگئی، بلکہ دوسری نظر اٹھانے تک نوبت پہنچ گئی تو
وہی حقیقت کے وصول ہونے کے راستے کی رکاوٹ ہے۔ وہ پل کیسے ہوگا؟ بلکہ وہ تو ایک بت ہے جو اپنی پوجا کی طرف بلاتا
ہے اور ایک شیطان ہے جو حقیقت سے برگشتہ کرتا ہے، لہذا منبر صادق علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے دوسری نظر کو نقصان دہ
سمجھتے ہوئے فرمایا کہ النَّظَرُ الثَّانِيَةُ عَلَيْكَ^(۴)۔ یعنی: دوسری نظر تیرے لیے وبال ہے۔

کوئی چیز اس سے زیادہ نقصان دہ ہوگی جو حق (تعالیٰ) سے روکے اور باطل میں گرفتار کرے۔
جاننا چاہیے کہ پہلی نظر اس وقت نفع دینے والی ہے جب بلا اختیار ہو اور اگر اختیار سے ہو تو دوسری نظر کا حکم رکھتی ہے۔
اس مقصد کے ثبوت کے لیے (یہ آیت) کریمہ ہی کافی ہے: قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ۔ (سورۃ نور، ۳۰)
یعنی: آپ مومن مردوں سے کہہ دیں کہ اپنی نظریں نیچی رکھا کریں۔

نادان ناچختہ صوفیہ اس عبارت کے معنی کو نہ سمجھتے ہوئے غلطی کر کے اپنے لیے خوبصورت شکلوں کی گرفتاریاں پیدا کر
لیتے ہیں اور ان کے ناز و ادا پر فریفتہ ہو جاتے ہیں، اس لالچ سے کہ اس چیز کو حقیقت کے حاصل کرنے کا ذریعہ بنائیں اور
مطلوب تک پہنچنے کا زینہ بنائیں۔ حاشا وکلا! (ہرگز ایسا نہیں!) یہ چیز تو خود مطلوب کے راستے کی رکاوٹ ہے اور مقصود کے
حاصل ہونے میں مضبوط پردہ ہے۔ وہ ایک باطل چیز ہے جو ان کی نظریں آراستہ ہو گئی ہے اور وہ حقیقت کے دھوکے میں پڑ
گئے ہیں۔ ان میں سے کچھ لوگ ان شکلوں کے حسن و جمال کو حق جل شانہ کا حسن سمجھ کر ان کی گرفتاری کو عین حق (تعالیٰ) کی
گرفتاری سمجھ بیٹھے ہیں اور ان کے مشاہدہ کو حق (تعالیٰ) کا مشاہدہ خیال کرتے ہیں۔ ان میں سے بعض نے کہا ہے:

امروز چوں جمال تو بے پردہ ظاہرست در حیرتم کہ وعدہ فردا برائے چیست

یعنی: آج جب تیرا جمال بے پردہ ظاہر ہے تو میں حیران ہوں کہ کل کا وعدہ کس لیے ہے۔

تَعَالَى اللَّهُ عَمَّا يَقُولُونَ عُلُوًّا كَبِيرًا۔ یعنی: اللہ تعالیٰ اُس چیز سے بہت ہی بلند و برتر ہے جو وہ کہتے ہیں۔ ان کوتاہ نظروں نے کیا گمان کیا ہے؟ اور اس (حق تعالیٰ) کے حسن و جمال کو کیا تصور کیا ہے؟ شاید انہوں نے نہیں سنا کہ فرض کریں کہ بہشت کی حور جو حق سبحانہ کی مخلوقات میں سے ہے، اس کا ایک بال بھی زمین پر گر جائے تو اس ایک بال کی روشنی اور چمک سے دنیا میں ہر گز رات نہ ہوگی اور اندھیرا نہیں ہوگا اور حق جل و علا کی اس ایک تجلی سے کوہ طور کا جل جانا اور ریزہ ریزہ ہو جانا اور (حضرت) کلیم اللہ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا اس (بلند) مرتبہ و قرب کے باوجود بے ہوش ہو جانا نص قرآنی سے ثابت ہو چکا ہے اور یہ لوگ اس بے عقلی کے ساتھ ہر وقت حق (تعالیٰ) کو بے پردہ دیکھنے والے ہیں اور کل کے وعدہ سے آخرت میں (اللہ تعالیٰ کے) دیدار پر تعجب کرنے والے ہیں۔ لَقَدْ اسْتَكْبَرُوا فِيْ اَنْفُسِهِمْ وَغَتَوْا عُتُوًّا كَبِيرًا۔ (سورۃ فرقان، ۲۱) یعنی: یہ اپنے خیال میں بڑائی رکھتے ہیں اور (اسی بنا پر) بڑے سرکش ہو رہے ہیں۔

علمائے اہل سنت و جماعت شکر اللہ تعالیٰ سَعِيْهِمْ (اللہ تعالیٰ ان کی کوشش کو مشکور فرمائے) نے بڑی کوششیں کی ہیں اور نقلی دلیلوں کے ساتھ مخالفین کے سامنے آخرت کی رویت کو ثابت کیا ہے، کیونکہ اہل سنت و جماعت کے سوا مخالف فرقوں میں سے کوئی شخص بھی خواہ وہ اہل ملت سے ہو یا غیر اہل ملت سے، وہ حق جل و علا کی رویت کا قائل نہیں ہے، بلکہ وہ اس کو عقلی طور پر محال خیال کرتے ہیں۔ اہل سنت نے اس کو بے کیف کہا ہے اور اس کو اس جہان (آخرت) سے مخصوص رکھا ہے اور ان خواہشات کے بندوں نے اس فانی دنیا میں اس زبردست دولت کے حصول کا تصور کر لیا ہے اور اپنے خواب و خیال پر خوش ہیں۔ رَبَّنَا اٰتِنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً وَهِيَ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا۔ (سورۃ کہف، ۱۰)

یعنی: اے ہمارے پروردگار! ہم پر اپنے ہاں سے رحمت نازل فرما اور ہمارے کام میں درستی (کے سامان) مہیا کر۔ وَالسَّلَامُ مِّنْ اَتْبَعَ الْهُدٰى وَالْتَزَمَ مُتَابِعَةَ الْمُصْطَفٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهِ الصَّلٰوٰتِ وَالتَّسْلِيْمٰتِ اَتَمَّهَا وَاَكْمَلَهَا۔ یعنی: آپ کو اور اُس شخص کو جو ہدایت کی بات مانے اور (حضرت محمد) مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی متابعت کو لازم پکڑے، سلامتی نصیب ہو۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آل (اطہار) پر اتم و کامل درود و سلام ہو۔

مکتوب نمبر (۶۷)

میر منصور کو تحریر فرمایا۔ کائنات کی حقیقت اور حضرت عالی (مجدد الف ثانی قدس سرہ) اور صاحب فتوحات (مکیہ) کے

مکتوب کے درمیان فرق (کے بیان) میں۔

کائنات کا یہ میدان جو معائنہ و مشاہدہ میں آتا ہے اور کشادگی و وسعت اور لمبائی اور چوڑائی میں خیال میں آتا ہے، حضرت شیخ محی الدین ابن العربی (رحمۃ اللہ علیہ) اور ان کے پیروکاروں کے نزدیک (یہ سب کچھ) ”حضرت وجود“ ہے، جس کے سوا کوئی خارج میں موجود نہیں ہے اور وہ وجود حق سبحانہ کی ذات ہے جس کو ظاہر وجود کہتے ہیں جو کہ انعکاس اور کثیر علمی صورتوں کے لباس کے ذریعے کہ جن کو ”باطن وجود“ کہتے ہیں اور ”اعیان ثابتہ“ سے تعبیر کرتے ہیں، وہ وجود جو کہ اپنی وحدت و بساطت پر ہے، کثرت والا، فراخ، طویل اور عریض خیال میں آتا ہے۔ (حضرت شیخ محی الدین ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ)

فرماتے ہیں کہ (یہ سب) مشاہدہ اور احساس کیا عوام اور کیا خواص اس کو نیہ لباس کے صفحہ میں اور مختلف صورتوں اور شکلوں میں حضرت حق سبحانہ ہی ہے جو عوام کو ایک عالم متوہم ہوتا ہے اور عالم ہرگز خانہ علم سے باہر نہیں آیا ہے اور اس نے وجود خارجی کی یونہیں پائی، بلکہ (یہ) ان علمی صورتوں کے عکس ہیں جو حضرت وجود کے آئینے میں ظاہر ہوئے ہیں، اور خارج میں ایک نمود پیدا کی ہے اور عوام کو اپنے وجود خارجی کے وہم میں ڈال دیا ہے۔ مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں، رباعی:

مجموعہ کون را بقانون سبق کردیم تصفح ورقاً بعد ورق
حقا کہ نہ دیدیم نخواندیم درو جز ذات حق و شیون ذاتیہ حق

یعنی: ساری کائنات کے مجموعہ کو ہم نے پہلے قانون کے مطابق ورق ورق تلاش کیا۔

♦ سچ (یہ) ہے کہ ہم نے اس میں سوائے ذات حق اور شیون ذات حق کے نہ کچھ دیکھا اور نہ کچھ پڑھا ہے۔

جو کچھ اس فقیر کا کشف اور اعتقاد ہے، وہ یہ ہے کہ یہ میدان وہم کا میدان ہے اور صورتیں اور شکلیں جو اس میدان میں ہیں، یہ ممکنات کی صورتیں اور شکلیں ہیں جنہوں نے اللہ جل سلطانہ کی کاریگری سے حس وہم کے مرتبہ میں ایک ثبوت پیدا کر لیا ہے اور استحکام پالیا ہے اور اس صفحہ میں جو کچھ مشہود اور محسوس ہے، وہ ممکنات کی قسم سے ہے۔ اگرچہ بعض سالکین کو وہ مشہود واجب متوہم ہوتا ہے اور وہ حقیقت کے عنوان سے ظاہر ہوتا ہے، لیکن درحقیقت وہ افراد عالم میں سے ہے اور حق تعالیٰ وراء الراء (بہت ہی زیادہ بلند تر) ہے اور ہماری دید و دانش سے جدا ہے اور ہمارے کشف و شہود سے پاک اور مبرا ہے:

خلق را وجہ کے نماید او در کدام آئینہ در آید او
یعنی: خلقت کو وہ اپنا چہرہ کب دکھاتا ہے! (اور) وہ کونسے آئینے میں سما سکتا ہے!

مختصر یہ کہ یہ وہم کا میدان اس خارجی میدان کا ظل ہے جو کہ مرتبہ حضرت وجود تعالیٰ و تقدس کے شایان شان ہے، جیسا کہ اس مرتبہ کا وجود، اس مرتبہ کے وجود کا ظل ہے۔ اس مرتبہ وہم کو اگر اس اعتبار سے کہ وہ مرتبہ خارج کا ظل ہے، خارج کہیں تو یہ اس کی گنجائش رکھتا ہے۔ جس طرح کہ وجود ظلی کے اعتبار سے اس کو موجود بھی کہتے ہیں۔ یہ وہم کا میدان خارجی میدان کی صورت میں نفس الامری ہے اور احکام صادقہ رکھتا ہے اور ابدی معاملہ اسی سے متعلق ہے، جیسا کہ مخرصادق (حضرت محمد مصطفیٰ) علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کے بارے میں خبر دی ہے۔

لہذا ملاحظہ کرنا چاہیے کہ ان دو کشف میں سے کونسا کشف اللہ جل سلطانہ کے تنزیہ و تقدیس کے زیادہ قریب اور زیادہ لائق ہے اور حق تعالیٰ کی جناب پاک میں زیادہ بہتر اور زیادہ مناسب ہے اور ان دونوں میں سے کونسا حال کی ابتدا و توسط سے مناسبت رکھتا ہے اور کونسا حال کی انتہا کے مناسب ہے۔ کئی سال تک یہ فقیر پہلے مکشوف کا معتقد رہا ہے اور عجیب حالات اور انوکھے مشاہدات اس مقام میں گزرے ہیں اور اس مقام میں بہت سے لطف حاصل کیے ہیں۔ آخر کار محض اللہ جل شانہ کے فضل سے معلوم ہوا کہ جو کچھ دیکھا گیا اور سمجھا گیا ہے، وہ سب حق سبحانہ کے علاوہ ہے، جس کی نفی کرنا لازم ہے اور ہر حال اللہ جل شانہ کے کرم سے معاملہ نفی سے نیست و نابود ہونے تک پہنچ گیا اور وہ باطل جس نے خود کو حق ظاہر کیا تھا، وہ بھی دید و دانش سے گر گیا اور غیب الغیب سے گرفتاری حاصل ہو گئی اور موہوم موجود سے الگ ہو گیا اور قدیم حادث سے جدا ہو گیا، جو دوسرے

مکشوف کا حاصل ہے۔ مؤلف^(۱) کے بقول، رباعی:

در عرصہ کائنات با دقت فہم بسیار گذشتیم بسرعت چون سہم
کشتیم ہمہ چشم ندیدیم درو جز ظل صفات آمدہ ثابت در وہم
یعنی: ہم بڑی سمجھداری کے ساتھ کائنات کے میدان میں تیر کی پھرتی سے خوب گھومے ہیں۔

♦ ہم ہمہ تن آنکھ بن گئے لیکن اس میں ظل صفات کے سوا وہم میں کچھ نہیں دیکھا۔

الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي هَدَانَا لِهٰذَا قَدْ وَهَبْنَا لِنَهْتَدِيْ لَوْلَا اَنْ هَدَانَا اللّٰهُ لَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ.
(سورۃ اعراف، ۴۳) یعنی: اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جس نے ہمیں اس طرف کا راستہ دکھایا۔ اگر وہ ہم کو ہدایت نہ بخشا تو ہم ہرگز راستہ نہ پاتے۔ بیشک ہمارے پروردگار کے رسول حق کے ساتھ آئے ہیں۔

والسلام۔

مکتوب نمبر (۶۸)

فقیر محمد ہاشم کشمی کو تحریر فرمایا۔ اس مرتبہ وہم کی تحقیق میں کہ جس میں عالم مرتبہ نمود و وجود رکھتا ہے اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کے بیان میں)۔

عالم کو جو ہم موہوم کہتے ہیں، (یہ) اس معنی میں نہیں ہے کہ عالم وہم کا تراشا ہوا اور بنایا ہوا ہے۔ وہم کا تراشا ہوا کس طرح ہو سکتا ہے؟ کیونکہ وہم بھی عالم میں سے ہے۔ بلکہ اس معنی میں ہے کہ عالم کو حضرت حق سبحانہ نے مرتبہ وہم میں پیدا فرمایا ہے۔ اگرچہ وہم اس وقت وجود میں نہیں آیا تھا، لیکن اللہ سبحانہ کے علم میں تھا اور مرتبہ وہم سے مراد بے بود نمود ہے، اس دائرہ کی صورت میں جو نقطہ جوالہ سے وہم میں پیدا ہوا ہے جو بے بود نمود رکھتا ہے۔ حکیم مطلق جل سلطانہ نے عالم کو اس درجہ میں پیدا فرما کر نمود محض کو ثبوت و ثبات بخشا اور غلط سے درستگی کی جانب لایا اور جھوٹ سے سچائی کی طرف کھینچا اور نفس الامر واقعی بنایا: فَأُولَٰئِكَ يَبْذُلُ اللّٰهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ. (سورۃ فرقان، ۷۰) یعنی: تو ایسے لوگوں کے گناہوں کو اللہ نیکوں سے بدل دے گا۔

مرتبہ موہوم عجیب مرتبہ ہے جس کو موجود کے ساتھ کوئی مزاحمت اور کوئی مدافعت نہیں ہے اور جہات میں کوئی جہت اس کے ساتھ ثابت نہیں ہوتی اور کوئی حد اور کوئی نہایت اس کے لیے پیدا نہیں۔ دائرہ موہومہ کی نقطہ جوالہ موجودہ کے ساتھ کوئی جنگ نہیں اور اس کو اس کے ساتھ جہتوں میں سے کوئی جہت ثابت نہیں اور نہ ہی اس دائرہ کے حدوث سے اس نقطہ کی کوئی نہایت پیدا ہے۔ یہ نہیں کہہ سکتے کہ نقطہ دائرہ کے دائیں طرف ہے یا بائیں جانب، سامنے ہے یا پیچھے، اوپر ہے یا نیچے۔ اس دائرے کے لیے ان جہتوں کا ثبوت ان چیزوں کی نسبت سے ہے جو اس کے مرتبہ میں ثبوت رکھتی ہیں، لیکن جو چیز دوسرے مرتبہ میں موجود ہے۔ دائرہ کو اس کے ساتھ ان جہتوں میں سے کوئی جہت ثابت نہیں اور نیز اس نقطہ کی اس دائرہ کے حدوث سے کوئی حد اور نہایت پیدا نہیں ہوئی ہے اور وہ اپنی پہلی خالص حالت پر ہے۔ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْأَعْلٰی. (سورۃ نحل، ۶۰) یعنی: اور اللہ کو صفتِ اعلیٰ (زیب دیتی) ہے۔

اس بیان اور اس تمثیل سے عالم کے حال کو صانعِ جل شانہ کے ساتھ پالیں کہ اس عالم کی ایجاد سے حق تعالیٰ کو کوئی حد اور نہایت حاصل نہیں ہوئی ہے اور جہتوں میں کوئی جہت ظاہر نہیں ہوئی۔ یہ نسبت وہاں کس طرح متصور ہو سکتی ہے جبکہ اس بلند مرتبہ میں اس کا کوئی نام و نشان نہیں ہے، جس سے نسبت کا تصور کیا جاسکے۔ چند بے نصیبوں نے اپنی کوتاہ نظری کی وجہ سے عالم اور صانعِ عالم جل شانہ کے بارے میں اس نسبت کے حاصل ہونے اور ان جہتوں کے ثابت ہونے کا تصور کر کے واجب تعالیٰ کی رویت کی نفی کی ہے اور اس کو محال خیال کیا ہے اور اپنی انتہائی نادانی اور جھوٹی تصدیق کو کتاب و سنت پر مقدم کر کے گمان کر بیٹھے ہیں کہ اگر حق جل و علا دیکھا جانے والا ہو تو یقیناً دیکھنے والے کی جہتوں میں سے ایک جہت میں ہوگا اور اس سے حد و نہایت لازم آتی ہے۔

پہلی تحقیق سے معلوم ہوا کہ حق سبحانہ کے لیے عالم کے ساتھ اس قسم کی کوئی نسبت بھی ثابت نہیں ہے۔ رویت کو ثابت کریں یا نہ کریں، رویت (موجود) ہے اور جہت کوئی نہیں۔ چنانچہ اس کی تحقیق کی جائے گی۔

کیا ان (بے نصیبوں) نے نہیں سمجھا کہ یہ اشکال تو عالم کے وجود کے وقت بھی ثابت ہے، کیونکہ اس وقت صانع تعالیٰ عالم کی جہتوں میں سے کسی جہت میں ہوگا اور نیز یہ کہ ورائے عالم ہوگا اور اس سے بھی حد و نہایت لازم آتی ہے۔ اگر عالم کی سب جہتوں میں کہیں تو اس حد و نہایت کو کیا کہیں گے؟ جو روایت کو لازم کرتی ہے۔ نیز جہت کا فساد نہایت کے لازم آنے کی وجہ سے ہے اور وہ خود لازم ہے۔ اس تنگی سے چھٹکارا صوفیہ کے اس قول کو اختیار کر لینے میں ہے جو عالم کو موہوم کہتے ہیں اور جہت و نہایت کے اشکال سے رہائی پاتے ہیں اور موہوم کہنے میں کوئی اشکال بھی لازم نہیں آتا، کیونکہ وہ موجود کی طرح احکام صادقہ رکھتا ہے اور ابدی معاملہ، ہمیشہ کی راحتیں اور دائمی عذاب اسی سے متعلق ہیں۔ وہ دوسرا موہوم ہے جس کے قائل نادان سوفسطائی ہیں، کیونکہ وہ وہم کی ایجاد اور خیال کا تراشا ہوا ہے۔ شَتَّانَ مَا بَيْنَهُمَا۔ یعنی: ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔

اب ہم اصل بات کی جانب آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دائرہ موہومہ، جو کہ نقطہ جوالہ سے پیدا ہوتا ہے، اس کی اس نقطہ کے ساتھ کوئی جہت ثابت نہیں ہے اور وہ نقطہ اس کی جہتوں سے باہر ہے، کیونکہ اگر فرض کریں کہ وہ دائرہ سب کا سب بصر (آنکھ) بن جائے تو یقیناً وہ اس نقطہ کو جہت کے بغیر دیکھے گا، کیونکہ جہت ان کے درمیان مفقود ہے۔ جو موضوع ہمارے زیر بحث ہے وہ یہ ہے کہ اگر دیکھنے والا تمام بصر بن جائے اور حق جل و علا کو جہت کے بغیر دیکھے تو اس سے کیا اشکال لازم آتا ہے۔ بہشت میں مومن ہمہ تن بصر بن کر دیدار کریں گے اور کوئی جہت ثابت نہیں ہوگی۔ اولیاء کو تَخَلَّقُوا بِأَخْلَاقِ اللَّهِ^(۱) (یعنی: خود کو اللہ کے اخلاق سے آراستہ کرو) کے حکم سے دنیا میں یہ دولت حاصل ہو جاتی ہے اور تمام بصر بن جاتے ہیں۔ اگرچہ (یہ) وہ رویت نہیں ہے جو آخرت سے مخصوص ہے، لیکن رویت کا حکم رکھتی ہے۔ میں نے جو یہ کہا ہے کہ تَخَلَّقُوا بِأَخْلَاقِ اللَّهِ (خود کو اللہ کے اخلاق سے آراستہ کرو)، یہ اس لیے کہ (صوفیہ نے) واجب تعالیٰ کے بارے میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کل کی کل بصر (آنکھ) ہے اور سب کی سب سمع (کان) ہے اور تمام کی تمام علم ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اخلاق سے آراستہ لوگوں کو یقیناً اس اخلاق سے حصہ نصیب ہے۔ اس مقام میں ان کی ہر صفت ان کی کلیت کی صورت میں ظاہر ہو جاتی ہے (اور) وہ بصر (آنکھ) بن جاتے ہیں۔ اور باقی تمام مومنوں کو آخرت میں یہ نسبت کرامت فرما کر رویت (دیدار) کی دولت

سے مشرف فرمائیں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ اور کوئی اشکال اور شبہ اس صورت میں لازم نہیں آتا۔
وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ اَعْلَمُ بِحَقِیْقَةِ الْحَالِ. یعنی: اور اللہ سبحانہ ہی حقیقت حال کو خوب جانتا ہے۔

مکتوب نمبر (۶۹)

قاضی موسیٰ شوچین کو تحریر فرمایا۔ شریعت کو لازم پکڑنے اور ارباب جمعیت کی صحبت کی ترغیب (کے بیان) میں۔

بَعْدَ الْحَمْدِ وَالصَّلَاةِ وَتَبْلِیْغِ الدَّعَوَاتِ.

یعنی: اللہ تعالیٰ کی تعریف کرنے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجنے اور سلام و دعا پیش کرنے کے بعد۔
واضح ہو کہ اس علاقے کے فقراء کے احوال حمد کے لائق ہیں۔ جو مکتوب شریف آپ نے درویش رحم علی کے ذریعے ارسال کیا تھا، وہ پہنچا (اور) اس نے خوش وقت بنایا۔ آپ سلامتی اور استقامت کے ساتھ رہیں۔ آپ نے نصیحتوں کی طلب میں لکھا تھا۔

میرے مخدوم! النَّصِيْحَةُ هِيَ الدِّیْنُ وَمُتَابَعَةُ سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمُ الصَّلَاةُ وَالتَّسْلِيْمَاتُ.

یعنی: نصیحت یہی ہے کہ دین اور سید المرسلین علیہ وسلم علیہم الصلوٰات والتسلیمات کی متابعت کو لازم پکڑیں۔

مختصر یہ کہ متابعت کی کئی اقسام ہیں۔ ان میں سے ایک قسم شرعی احکام کی بجا آوری ہے اور باقی قسموں کو فقیر نے اس مکتوب (دفتر ۲: ۵۴)، بنام سید شاہ محمد) میں تفصیل سے بیان کیا ہے جو مجبین میں سے ایک کو لکھا ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ میں (ان سے) کہوں گا کہ اس کی نقل آپ کو بھیج دیں۔

الغرض اس طریقہ (نقشبندیہ) کا فائدہ حاصل کرنے اور فائدہ پہنچانے کا انحصار صحبت پر ہے، کہنا اور لکھنا کفایت نہیں کرتا۔ حضرت خواجہ (بہاء الدین) نقشبند قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ ہمارا طریقہ صحبت ہے اور صحابہ کرام حضرت خیر البشر علیہ وسلم الصلوٰات والتسلیمات کی صحبت کی بدولت امت کے سب اولیاء سے افضل ہوئے ہیں کہ کوئی ولی کسی صحابی کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا، خواہ (حضرت) اولیس قرنی (رضی اللہ عنہ) ہی ہوں۔ دوستوں سے درخواست ہے کہ سلامتی ایمان کی دعا کریں۔
رَبَّنَا اٰتِنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً وَهِيَءْ لَنَا مِنْ اَمْرٍ نَا رَشْدًا. (سورۃ کہف، ۱۰)

یعنی: اے ہمارے پروردگار! ہم پر اپنے ہاں سے رحمت نازل فرما اور ہمارے کام میں درستی (کے سامان) مہیا کر۔

رحمت علی نے (اپنی زندگی کے) ورق کو پلٹ لیا ہے اور اصلاح کر لی ہے، حضرت حق سبحانہ اسے استقامت عنایت فرمائے۔ والسلام۔

مکتوب نمبر (۷۰)

مولانا قاضی اسحاق ولد قاضی موسیٰ کو تحریر فرمایا۔ ارباب جمعیت کی صحبت کی ترغیب (کے بیان) میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰی. (سورۃ نمل، ۵۹)

یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے ان بندوں پر سلام ہو، جن کو اس نے منتخب فرمایا۔

آپ نے جو مکتوب شریف رحم علی درویش کے ذریعے ارسال کیا تھا، وہ پہنچا۔ چونکہ ذوق و شوق پڑی تھا، لہذا اس نے

مسرت بخشی۔

آپ نے علیحدہ کاغذ پر وہ واقعہ جو آپ کو پیش آیا، لکھا تھا، اس کے مطالعہ سے خوشی پر خوشی ہوئی۔ اس طرح کے واقعات مبشرات ہیں۔ کوشش کرنی چاہیے کہ قوت سے فعل میں آئیں اور گوش سے آغوش میں آجائیں۔ آج تقصیر کا تدارک ممکن ہے۔ فرصت کو غنیمت شمار کرنا چاہیے اور التوا اور تاخیر میں نہیں ڈالنا چاہیے۔

حضرت خواجہ (عبید اللہ) احرار قدس سرہ نے فرمایا کہ ہم کچھ درویش (ایک جگہ موجود) تھے۔ بات اس ساعت کے متعلق درمیان میں آئی جو روز جمعہ دعا کی قبولیت کے لیے مقرر ہوئی ہے کہ اگر میسر ہو جائے تو اس ساعت میں حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ سے کیا طلب کیا جائے؟ ہر شخص نے ایک چیز بتائی۔ جب میری باری آئی تو میں نے کہا کہ ارباب جمعیت کی صحبت طلب کرنی چاہیے، کیونکہ اس کے اندر سب سعادتیں میسر ہیں۔ (فقیر نے) بعض مکتوبات کی نقل کر کے حامل ہذا کے ساتھ بھیجی ہے۔ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ (اس سے) نفع حاصل کرنے والا بنائے۔

دوسرا یہ کہ کچھ عرصہ ہوا ہے شیخ کریم الدین آئے ہوئے ہیں، شاید وہ اپنے احوال سے خود آپ کو کچھ لکھیں۔ دوستوں سے دعا کی توقع ہے۔ رَبَّنَا اَتِمِّمْ لَنَا نُورَنَا وَاعْفِرْ لَنَا اِنَّكَ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ۔ (سورۃ تحریم، ۱۰) یعنی: اے ہمارے پروردگار! ہمارا نور ہمارے لیے پورا کر اور ہمیں معاف فرما، بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اَتَّبَعَ الْهُدٰی۔ (سورۃ طہ، ۴۷) وَالْتَزَمَ مُتَابِعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْہِ وَآلِہِ الصَّلٰوٰتِ وَالتَّسْلِیْمٰتِ۔ یعنی: اور جو شخص ہدایت کی بات مانے اور (حضرت محمد) مصطفیٰ علیہ و علی آلہ الصلوٰت والتسلیمات کی متابعت کو لازم پکڑے، اس کو سلامتی نصیب ہو۔

مکتوب نمبر (۷۱)

جناب پیرزادہ خواجہ محمد عبداللہ کو تحریر فرمایا۔ حقائق موہوم، جو کہ عالم ہے، اور ”موجود حقیقی“ جو کہ عالم کا صانع (بنانے

والا) ہے، کے درمیان فرق (کے بیان) میں۔

وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی۔ (سورۃ نحل، ۶۰) یعنی: اور اللہ کو صفت اعلیٰ (زیب دیتی) ہے۔

وہ نقطہ جوالہ جس سے دائرہ وہم میں پیدا ہوا ہے، جیسا کہ وہ خارج میں موجود ہے، وہم میں بھی موجود ہے۔ لیکن وہاں دائرہ کا پردہ کے بغیر ظہور ہے اور یہاں اس پردہ کے ساتھ ہے۔ خارج میں اور وہم میں موجود اس معنی میں نہیں ہے کہ ہر مرتبہ میں الگ وجود رکھتا ہے۔ ہرگز ایسا نہیں ہے، بلکہ ایک ہی موجود خارج میں بھی ہے اور وہم میں بھی جو وہاں دائرہ کے پردہ کے بغیر ہے اور یہاں پردہ کے ساتھ ہے۔ یہ دائرہ موہومہ جو وہم میں ایک بے بود نمود رکھتا ہے اور حس کی غلطی سے پیدا ہوا ہے۔ اگر اس کو اس مرتبہ میں موجود بنائیں اور ثبات اور قرار دیں اور با بود نمود بنائیں تو یقیناً وہ حس کی غلطی سے باہر نکل جائے گا اور امر واقعی ہو جائے گا اور احکام صادقہ پیدا کر لے گا۔ اس طرح اس دائرہ کی وہم میں ایک حقیقت ہے اور ایک صورت ہے۔ اس کی حقیقت وہی نقطہ جوالہ ہے جو اس سے قائم ہے اور اس کی صورت وہی دائرہ ہے جس نے ثبوت اور ثبات پیدا کر لیا ہے۔

یہ صورت اگرچہ اس حقیقت کا عین نہیں ہے، کیونکہ وہ الگ صفات و احکام رکھتی ہے، لیکن حقیقت سے دور نہیں ہے اور جدائی نہیں رکھتی۔ یہ حقیقت ہی ہے جس نے خود کو اس نمود میں متخیل کیا ہے:

خوشتر آن باشد کہ سر دلبراں گفتہ آید در حدیث دیگران

یعنی: زیادہ اچھا طریقہ یہ ہے کہ دوستوں کا راز دوسروں کی بات میں ڈال کر بیان کر دیا جائے۔

حضرت شیخ محی الدین ابن العربی قدس سرہ اس مقام میں کہتے ہیں: اِنْ شِئْتَ قُلْتَ اِنَّهُ حَقٌّ وَاِنْ شِئْتَ قُلْتَ اِنَّهُ خَلْقٌ وَاِنْ شِئْتَ قُلْتَ اِنَّهُ حَقٌّ مِنْ وَجْهِ وَخَلْقٌ مِنْ وَجْهِ وَاِنْ شِئْتَ قُلْتَ بِالتَّحْيِيرِ لِعَدَمِ التَّمْيِيزِ بَيْنَهُمَا۔

یعنی: اگر تو چاہے تو اس (عالم) کو حق کہہ دے اور اگر چاہے تو اسے مخلوق کہہ دے اور اگر چاہے تو کہہ دے کہ وہ ایک لحاظ سے حق ہے اور ایک اعتبار سے خلق ہے تو بھی درست ہے۔ اور اگر تو دونوں میں فرق نہ ہونے کی وجہ سے حیرت میں آجائے تو بھی بجا ہے۔

لیکن جاننا چاہیے کہ صورت اور حقیقت کے درمیان یہ فرق اگرچہ وہم میں ہے، مگر چونکہ صورت اس مرتبہ میں اللہ جل سلطانہ کی ایجاد سے موجود ہوئی ہے اور اس نے ثبات و قرار پیدا کر لیا ہے تو یقیناً وہ امر واقع ہو گیا ہے اور اس نے امر واقعی کا فرق حاصل کر لیا ہے، بلکہ وہ ظلیت کے طور پر موجود خارجی ہو گیا ہے۔ کیونکہ صورت کا وجود جیسا کہ وجود کا ظل حقیقت ہے، ایسے ہی مرتبہ نمود میں وجود کے حاصل ہونے کے بعد خارج کا ظل ہوا ہے۔ لہذا حقیقت اور صورت کے درمیان فرق چونکہ امر واقعی، بلکہ خارجی ہو چکا ہے تو ایک کو دوسرے پر حمل کرنا محال ہو گیا اور ایک دوسرے کا عین نہیں ہوا۔ اور جس کسی نے عین کہا ہے، اس نے وہی فرق سے زیادہ کچھ نہیں سمجھا اور علمی امتیاز کے علاوہ کچھ نہیں جانا۔ سبحان اللہ! مرتبہ وہم جو اللہ جل شانہ کی ایجاد کے ذریعہ سے اس مرتبہ میں واقع ہوا ہے، وہ خارج ہو گیا ہے اور امر واقعی بن گیا ہے۔ اور اس علم و خارج سے جو کہ متعارف ہیں، بلند تر ہو گیا ہے۔ چونکہ یہ مرتبہ خارج میں آیا ہے، لہذا ناچار اس میں مرتبہ وہم کو الگ کر دیا ہے اور نقطہ جوالہ موجود خارجی بن گیا ہے۔ اور جو دائرہ اس سے پیدا ہوا ہے، اس نے موہوم کا نام پایا ہے۔

عجیب معاملہ ہے، جو صورت حقیقت سے پیدا ہے اور وہ جو کچھ رکھتی ہے، حقیقت ہی سے رکھتی ہے اور اس کو حقیقت سے کوئی جدائی (حاصل) نہیں ہے۔ اس کو زبردستی حقیقت سے جدا کیا گیا ہے اور وہم سے ثابت کیا گیا ہے اور تمیز وہمی کو خارجی بنایا گیا ہے۔ اس جگہ (آیت) کریمہ: صُنِعَ اللّٰهُ الَّذِیْ اَتَقَفْنَ کُلَّ شَیْءٍ (یعنی: یہ اللہ کی کاریگری ہے جس نے ہر چیز کو مضبوط بنایا۔ سورہ نمل، ۸۸) کو ملاحظہ کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے ناچیز محض کو اپنی قدرت کا ملہ سے شے بنا دیا ہے اور دانا و بینا اور با قدرت اور بارادہ بنا دیا ہے۔ ایک بزرگ کہتے ہیں:

چونکہ او شد گوش و چشم و دست و پا خیرہ ام در چشم بندی خدا

یعنی: چونکہ وہ کان، آنکھ، ہاتھ اور پاؤں بن گیا ہے، میں اللہ کی چشم بندی سے حیران ہوں۔

چشم بندی کی کیا گنجائش ہے؟ کیونکہ چشم بندی اس جگہ ثابت ہے، جہاں غیر واقع کو واقع ظاہر کیا جائے۔ یہاں اللہ جل شانہ کی قدرت نے غیر واقع کو واقع بنا دیا ہے اور احکام کا ذبہ کو، جو کہ اس مرتبہ میں موجود تھے، صادق بنا ڈالا ہے۔ شیخ (محی

الدین ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں کہ لَعْدَمَ غَيْرَ بَيْنَهُمَا. (یعنی: دونوں کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے)۔ جب کہ بندے اور رب کے درمیان پچاس ہزار سال کا راستہ ہے، جس کی جانب اس (آیت) کریمہ میں اشارہ ہے:

تَعْرِجُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ. (سورۃ معارج، ۴)

یعنی: روح اور فرشتے چڑھتے ہیں اس دن میں جس کا اندازہ پچاس ہزار سال ہوگا۔

اور شیخ (ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ) خود اس دوری کے معترف ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ حیرت کے قائل ہو گئے ہیں۔ کوئی نادان شخص راستے کی اس دوری کی بنا پر حق سبحانہ کو دور نہ خیال کرے اور خود سے دور نہ سمجھے۔

فَإِنَّهُ سُبْحَانَهُ قَرِيبٌ بَلْ أَقْرَبُ إِلَى الْعَبْدِ مِنْ نَفْسِ الْعَبْدِ.

یعنی: پس بیشک اللہ سبحانہ بندہ سے اس کے نفس سے بھی زیادہ قریب ہے، بلکہ بہت ہی زیادہ قریب ہے۔

بلکہ یہ دوری درک اور معرفت کے اعتبار سے ہے، مکان اور مسافت کے لحاظ سے نہیں ہے۔ دائرے کا آخری نقطہ ان سب نقطوں کی نسبت دائرہ کے مبدأ کے زیادہ نزدیک ہے، لیکن چونکہ اس کی پشت کو مبدأ کی طرف کیا گیا ہے اور اس کا منہ دوسری طرف پھیر دیا گیا ہے، لہذا ناچار اس کی یافت قریب ہونے کے باوجود دور ہو گئی ہے اور وہ تمام نقطوں کو طے کرنے کے بعد وابستہ ہوئی ہے:

اے کمان و تیر ہا پُر ساختہ صید نزدیک تو دور انداختہ

ہر کہ دور اندازتر او دورتر از چنیں صید است او مجورتر

یعنی: اے کمان اور تیر کو پُر بنانے والے! تیرا شکار نزدیک ہے، لیکن تو تیر زیادہ دور پھینک رہا ہے۔

♦ جو آدمی زیادہ دور پھینکنے والا ہے، وہ زیادہ دور ہے، وہ اس طرح کے شکار سے زیادہ مجبور ہے۔

جی ہاں! جب تک دوری کی تکلیفیں برداشت نہ کرے گا، قرب کی دولت کی قدر نہیں کرے گا۔

صَنَعَ اللَّهُ سُبْحَانَهُ فَهُوَ خَيْرٌ. یعنی: جو اللہ سبحانہ کرے وہی بہتر ہے۔

وَالسَّلَامُ عَلَى مَنْ اتَّبَعَ الْهُدَى. (سورۃ طہ، ۴۷)

یعنی: اور جو شخص ہدایت کی بات مانے، اُس کو سلامتی نصیب ہو۔

مکتوب نمبر (۷۲)

جناب خواجہ حسام الدین احمد کو تحریر فرمایا۔ اس (بیان) میں کہ لشکر کی مصروفیات میں بھی ارباب جمعیت کے لیے تمکین

(اطمینان) ہے۔ اس سوال کے جواب میں جو انہوں نے مولود خوانی کے بارے میں پوچھا تھا۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ وَسَلَامٌ عَلَى عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَى. (سورۃ نمل، ۵۹)

یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے ان بندوں پر سلام ہو، جن کو اس نے منتخب فرمایا۔

آپ کا مکتوب شریف اور بلند شفقت نامہ، جو آپ نے کرم و شفقت کرتے ہوئے اس فقیر کے نام لکھا تھا، (فقیر) اس

کے مطالعہ سے مشرف ہوا۔ لِلّٰهِ سُبْحَانَهُ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ (اللہ سبحانہ کی حمد اور احسان ہے) کہ آپ صحت و سلامتی سے ہیں

اور دور پڑے ہوئے دوستوں کے حالات کو دریافت کرنے سے غافل نہیں ہیں۔ اس علاقے کے فقراء کے احوال و کیفیات حمد کے لائق ہیں کہ عین بلا میں عافیت ہے اور تفرقہ کے گمان کی جگہ بھی جمعیت (نصیب) ہے۔ فرزند اور دوست جو ہمراہ ہیں ان کے اوقات بھی جمعیت سے گزر رہے ہیں اور ان کے احوال میں ترقی و اضافہ ہو رہا ہے۔ لشکران کے حق میں خانقاہ کا درجہ رکھتا ہے، کیونکہ لشکریوں کی عین گوناگوں مصروفیات میں بھی ان کو تمکین (اطمینان) نصیب ہے اور عین مختلف گرفتاریوں میں، جو کہ اس مقام کے لوازمات میں سے ہیں، بھی وہ ایک ہی مطلب کے گرفتار ہیں، نہ کسی کو ان سے کوئی کام ہے اور نہ ان کو کسی سے کوئی تکلیف ہے۔ اس کے باوجود کوئی اختیار نہیں رکھتے اور جس و قید کی دولت میں گرفتار ہیں۔ عجیب قید ہے کہ جس کی رہائی کو وہ جو عوض بھی نہیں خریدتے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ سُبْحَانَهُ وَالْمِنَّۃُ عَلٰی ذٰلِکَ وَعَلٰی جَمِیْعِ نِعْمَہِ الْعِظَام۔

یعنی: اس نعمت پر اور دوسری عظیم نعمتوں پر اللہ سبحانہ کی حمد اور احسان ہے۔

میرے مخدوم! قرۃ العینین (حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کے دونوں فرزندوں) کی جانب خط بھیجنے کا مقصد بعض ایسی نعمتوں کے فوت ہو جانے پر افسوس کا اظہار کرنا تھا، جن کے حاصل ہونے کی وطن میں امید تھی۔ اور ان کا لشکر میں آنا اور صحبت رکھنا آپ کی صوابدید پر ہے، کیونکہ آپ لشکر اور لشکریوں کی کیفیات کو بہتر جانتے ہیں اور اس مقام کے نفع و نقصان کو زیادہ پہچانتے ہیں۔

آپ نے لکھا تھا کہ اگر آپ فرمائیں کہ وہ آفات سے محفوظ رہیں گے تو آجائیں۔ اَلْغِیْبُ عِنْدَ اللّٰہِ تَعَالٰی۔

یعنی: غیب کا حال اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے۔

لیکن اللہ سبحانہ کی حمد ہے کہ ہمراہیوں میں سے کسی شخص کو بھی اللہ سبحانہ کے کرم سے اب تک ارباب تفرقہ کے ساتھ کثرت سے میل جول کے باوجود (تفرقہ کی) آفت نہیں پہنچی اور اس نے مطلب سے باز نہیں رکھا۔

دوسری بات یہ کہ آپ نے مولود خوانی کے بارے میں لکھا تھا۔ اچھی آواز سے قرآن پڑھنے اور نعت و منقبت کے قصائد پڑھنے میں کیا مضائقہ ہے۔ (دراصل) قرآن کے حروف کی تحریف اور تبدیلی کرنا، نغمہ کے مقامات کی رعایت کو لازم جاننا، خوش الحانی کے طریقہ سے آواز پھیرنا اور تالی بجانا، جوشعر میں بھی ناجائز ہے، ممنوع ہے۔ اگر اس طریقہ سے پڑھیں کہ قرآنی کلمات میں کوئی تحریف واقع نہ ہو اور قصائد پڑھنے میں مذکورہ شرائط ثابت نہ ہوں اور اس کو بھی صحیح غرض کے لیے تجویز کریں تو کیا ممانعت ہے؟

میرے مخدوم! فقیر کے دل میں آتا ہے کہ جب تک آپ اس دروازے کو بند نہ کریں گے (اُس وقت تک) بوالہوس لوگ نہیں رکیں گے۔ اگر آپ ذرا ساجاز کریں گے تو وہ زیادہ تک پہنچ جائے گا۔ مشہور مقولہ ہے کہ: فَلْيَلْئِلْهُ يُفْضِیْ اِلٰی کَثِیْرٍ ہ۔ یعنی: تھوڑا زیادہ کی جانب لے جاتا ہے۔

والسلام۔

مکتوب نمبر (۷۳)

حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد سعید کو تحریر فرمایا۔ صفتِ حیات کے اسرار میں جو علم سے بالاتر ہے، اور اس بیان میں کہ علم

جس طرح صفاتِ زائدہ میں سے ہے (اسی طرح) شیون غیر زائدہ سے بھی ہے اور ایسے ہی دوسری صفات ہیں۔
حضرت شیخ محی الدین ابن العربی قدس سرہ اور ان کے پیروکار، جنہوں نے تنزلاتِ خمس (پانچ تنزلات) لکھے ہیں، انہوں نے تعینِ اول حضرت علم کے اجمال سے اختیار کیا ہے اور اس کو حقیقتِ محمدی علیہ علی آلہ الصلوٰات والتسلیمات کہا ہے اور اس تعین کے کشف کو تجلی ذات سمجھا ہے اور اس تعین کے اوپر لا تعین سمجھتے ہیں جو مرتبہ ذاتِ صحت ہے اور سب نسبتوں اور اعتبارات سے خالی احدیت مجردہ کا مرتبہ ہے۔

پوشیدہ نہ رہے کہ شانِ العلم کے اوپر شانِ الحیات ہے، کہ علم اس کے تابع ہے اور وہ تمام صفات کی اصل ہے۔ خواہ علم ہو اور خواہ غیر علم ہو اور خواہ علم حصولی ہو اور خواہ علم حضوری ہو۔ یہ شانِ الحیات ایک عظیم الشان شان ہے۔ دوسری شیون و صفات اس کے پہلو میں وہ حکم رکھتے ہیں جیسے کہ نہروں کو دریائے محیط کے ساتھ نسبت ہے۔

عجیب بات یہ ہے کہ شیخ بزرگوار نے اس وسیع مملکت کی سیر نہیں فرمائی ہے اور (اس کے) باغات سے علوم و معارف کے پھول نہیں چنے۔ اگرچہ یہ شانِ حضرت (حق) عز شائے کی ذات کے بہت زیادہ قریب ہے اور جہالت و عدم ادراک کے بہت زیادہ مناسب ہے، لیکن چونکہ تنزل اور ظلیت کی آمیزش رکھتی ہے، لہذا تھوڑا بہت علم و معرفت کے مقام سے ہے۔

جس وقت اللہ سبحانہ کے کرم سے اس فقیر کی اس عظیم الشان شان میں سیر واقع ہوئی تھی تو اس مقام کی تہ میں بہت زیادہ مسافت طے کرنے کے بعد مشہود ہوا تھا کہ شیخ (ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ) وہاں ایک جھونپڑی رکھتے ہیں جس میں وہ مقیم رہے ہیں۔ شاید آخری ادوار میں اس مقام سے بہرہ حاصل کیا ہوگا۔ اس طرح کے بے مثال بُعدوں (دوریوں) کو دو اعتبار سے بُعدِ مسافت کہا جاسکتا ہے۔ عبارت کے میدان کی تنگی کے موجب یا اس بے مثال بُعد کی مثالی صورت کی وجہ سے جو عالم مثال میں بُعدِ بے مثالی کی شکل میں بُعدِ مسافت کے طور پر مشہود ہوئی ہے۔

سُبْحَنَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ. (سورۃ بقرہ، ۳۲)

یعنی: تو پاک ہے، جتنا علم تو نے ہمیں بخشا ہے، اس کے سوا ہمیں کچھ معلوم نہیں۔ بیشک تو دانا (اور) حکمت والا ہے۔

وَالسَّلَامُ عَلَيَّ مَنْ اتَّبَعَ الْهُدَى. (سورۃ طہ، ۴۷)

یعنی: اور جو شخص ہدایت کی بات مانے، اُس کو سلامتی نصیب ہو۔

فصل بالخیر (خوبی کے ساتھ وضاحت کرنا)

اس بیان سے لازم ہوا کہ علم مرتبہ حیات میں، جو کہ اس سے اوپر ہے، ثابت نہیں ہوتا، خواہ علم حصولی ہو اور خواہ علم حضوری۔ اور جب مرتبہ حیات میں علم ثابت نہیں تو پھر حضرت (حق) عز شائے کی ذات کے مرتبہ میں کیسے ثابت ہوگا جو کہ اوپر سے بھی اوپر ہے۔ جب علم ثابت نہیں ہوگا تو پھر اس کی نقیض (ضد) ثابت ہوگی۔ تَعَالَى اللَّهُ سُبْحَانَهُ عَلَى ذَلِكَ غُلُوًّا۔
یعنی: اللہ سبحانہ اس سے بہت بلند تر ہے۔

اس اشکال سے رہائی ایک دقیق نکتہ کی معرفت پر مبنی ہے جس کی طرف اولیاء اللہ میں سے کسی نے کم ہی لب کشائی کی ہے۔
جاننا چاہیے کہ واجب جل شائے کا علم مثلاً جیسا کہ صفاتِ ثنائیہ حقیقیہ زائدہ (حیات و علم، قدرت و ارادہ، سمع و بصر اور

کلام و تکوین) سے ہے، جس طرح کہ اہل حق نے فرمایا ہے، اسی طرح شیون و اعتبارات ذاتیہ غیر زائدہ سے بھی ہے۔ چونکہ پہلی قسم حق تعالیٰ کی ذات پر صفات زائدہ سے ہے، لہذا اس کا متعلق بھی حق سبحانہ کی ذات کے ماسوا ہے اور وہ ماسوا خواہ عالم ہو یا واجب جل سلطانہ کی صفات زائدہ ہوں، کیونکہ جو کچھ ظلیت کے داغ سے داغدار ہو گیا ہے اور اس نے اسم زیادتی پیدا کر لیا ہے، لہذا وہ حضرت تعالیٰ و تقدس کے مرتبہ مقدسہ کے شایان شان نہیں ہے اور وہ (حق تعالیٰ) کی جناب پاک سے کوئی تعلق پیدا نہیں کرتا، وہ علم حصولی ہو یا حضوری ہو۔ اگر حضوری ہے تو وہ بھی حضرت (حق) تعالیٰ کی ذات کے ظلال میں سے ایک ظل سے متعلق ہے۔ اگرچہ اس نے علم و عالم اور معلوم کے درمیان ایک اتحاد پیدا کر لیا ہے۔ کیونکہ یہ مرتبہ اتحاد بھی اس مرتبہ مقدسہ کے ظلال میں سے ایک ظل ہے، نہ کہ اس کا عین۔ اگرچہ کچھ لوگوں نے اس کی عینیت کا گمان کیا ہے۔ دوسری قسم جو شیون ذاتیہ غیر زائدہ سے ہے، وہ حضرت (حق) تعالیٰ و تقدس کی ذات سے متعلق ہے اور بس۔ اور حق عز سلطانہ کی ذات اس سے بلند مرتبہ ہے کہ وہ ماسوا سے تعلق پیدا کرے۔

الغرض جو علم زائد ہے اس کا تعلق حق تعالیٰ و تقدس کی ذات کے ماسوا سے وابستہ ہے۔ اور جو علم زائد نہیں ہے اور مجرد اعتبار ہے، اس کا تعلق حضرت (حق) تعالیٰ و تقدس کی ذات سے وابستہ ہے۔ اور جو علم حضرت (حق) تعالیٰ کی ذات کے مرتبہ میں معدوم ہے، وہی علم زائد ہے، جو اس مرتبہ مقدسہ کے شایان شان نہیں ہے۔ کیونکہ وہ شان علم غیر زائد کا ظل ہے۔ اس علم کے نیست ہو جانے کی وجہ سے اس کی نقیض (ضد) جو کہ جہل ہے، ثبوت لازم نہیں آتا۔ جب علم، جو کہ صفات کاملہ میں سے ہے، وہاں گنجائش نہیں رکھتا تو پھر اس کی نقیض (ضد) کی، جو سراسر نقص ہے، گنجائش کہاں ہوگی کہ وہ اس بارگاہ میں دخل پاسکے۔

مختصر یہ کہ یہ دونوں نقیض (ضدیں) حضرت (حق تعالیٰ کی) بارگاہ سے مسلوب ہیں اور کوئی اشکال نہیں ہے۔ ایک عارف کہتے ہیں: عَرَفْتُ رَبِّي بِجَمْعِ الْأَضْدَادِ۔ یعنی: میں نے اپنے پروردگار کو ضدوں کے جمع ہونے سے پہچانا۔ گویا اس مقام اقدس کے مرتبہ کی بلندی کی وجہ سے ان دو نقیض (ضدوں) میں سے کوئی ایک بھی وہاں نہیں پہنچ سکتی۔ جب تمام نسبتیں اور اعتبارات حضرت (حق تعالیٰ) کی بارگاہ میں مسلوب ہیں تو پھر علم اور عدم علم، جو کہ سب نسبتوں میں سے ہیں، وہ بھی مسلوب ہوں گے۔ وہ ممکن ہی ہے جس کو نسبتوں اور اعتبارات کے سوا چارہ نہیں ہوتا اور اس میں نقیض (ضد) جمع اور رفع نہیں ہوتی۔ نسبتوں اور اعتبارات کا پیدا کرنے والا ان تمام نسبتوں اور اعتبارات سے منزہ (پاک) ہے اور اس مقام میں غائب کا حاضر پر قیاس کرنا ناممکن ہے۔ یا ہم یہ کہتے ہیں کہ علم خاص کے عدم سے علم مطلق کا عدم لازم نہیں آتا، بلکہ (یہ) علم خاص کے عدم کو لازم کرتا ہے جو کہ ظلیت کی آمیزش رکھتا ہے۔ اس صورت میں کوئی اشکال لازم نہیں آتا اور دو نقیض رفع نہیں ہوتے۔ خوب سمجھ لو۔

جاننا چاہیے کہ جو علم حق تعالیٰ کی ذات کے شیون سے ہے، وہ صفات زائدہ کے علم سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا۔ اگرچہ اس علم کی اصل وہی علم ہے، کیونکہ صفت زائدہ شان ذات کا ظل ہے، اس جگہ سب انکشاف ہی انکشاف ہے اور عین حضور میں حصول ہے۔ اس (علم) کے درجہ کی بلندی کی وجہ سے جہل اس کے مقابل میں نہیں آ سکتا اور اس کی نقیض (ضد) نہیں بن سکتا، بخلاف صفت علم کے کہ جہل اس کی نقیض (ضد) کے طور پر قائم ہے۔ اگرچہ اس کا واقع ہونا ناجائز اور خطا ہے۔ اس میں نقیض

(ضد) کا یہ احتمال اس کی پستی کا موجب بنا ہے اور اس نے اس کو حق تعالیٰ کی جناب پاک کے تعلق سے باز رکھا ہے، کیونکہ حضرت حق تعالیٰ کی بارگاہ میں کسی کمال کی نفیض (ضد) کے احتمال کی گنجائش نہیں ہے۔ جو قدرت اس مرتبہ مقدسہ میں ثابت کی گئی ہے، وہ وہی قدرت ہے جس کی دوسری جانب عجز نہیں ہے، بخلاف صفت قدرت کے جو کہ نفیض (ضد) کا احتمال رکھتی ہے، اگرچہ وہ واقع نہیں ہے۔ حضرت حق تعالیٰ و تقدس کے تمام شیون اور صفات واجبہ اسی قیاس پر ہیں۔

جب شان العلم کو صفت العلم کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں ہے تو پھر مخلوقات کے علم کو اس عظیم الشان شان کے ساتھ کیا نسبت ہو سکتی ہے اور کونسی مناسبت ہوگی اور اس کا تعلق اس مرتبہ مقدسہ کے ساتھ کس طرح متصور ہو سکتا ہے، مگر یہ کہ بندہ نوازی فرمائیں اور مخلوق کے ناقص انکشاف کو اپنے انکشاف سے منور کریں اور فائز اتم کے بعد اپنے پاس سے اسے بقائے اتم بخشیں۔ اس وقت ہو سکتا ہے کہ اس مرتبہ مقدسہ کے ساتھ بے مثل تعلق پیدا کرے اور ایسی جگہ پہنچ جائے جہاں تک کہ اصل بھی نہ پہنچ پائے اور اصل کے زینہ سے اصل الاصل سے واصل ہو جائے۔ یہ ایک ایسی خصوصیت ہے جو بنی آدم کو مرحمت ہوئی ہے اور ان پر ترقی کا راستہ کھولا گیا ہے۔ وہ اصل سے بھی گزر جاتے ہیں اور اصل الاصل سے بھی، اور ایک ایسی جگہ پہنچتے ہیں کہ جہاں اصل بھی ظل کی صورت میں راستے ہی میں رہ جاتا ہے۔ ذَلِکَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ ط وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ. (سورۃ حدید، ۲۱) یعنی: یہ اللہ کا فضل ہے، جسے چاہے عطا فرمائے۔ اور اللہ بڑے فضل کا مالک ہے۔

مکتوب نمبر (۷۴)

حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد معصوم کو تحریر فرمایا۔ صاحبِ فصوص کے کلام کی شرح میں اور تجلی ذات کے بیان میں اور حضرت عالی (مجدد الف ثانی قدس سرہ) کی اس بارے میں خاص تحقیق اور رائے۔ اتفاق سے یہ مکتوب مکمل نہیں ہوا۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَىٰ. (سورۃ نمل، ۵۹)

یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے ان بندوں پر سلام ہو، جن کو اس نے منتخب فرمایا۔ شیخ محی الدین ابن العربی قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ ”اور تجلی ذات اس شخص کی صورت میں ہوتی ہے جس پر وہ تجلی ہوئی ہے، لہذا جس پر تجلی ہوئی ہے وہ حق تعالیٰ کے آئینے میں اپنی صورت کے سوا اور کچھ نہیں دیکھتا اور وہ حق سبحانہ کو نہیں دیکھتا اور نہ ہی اس کو دیکھنا ممکن ہے۔“ حق کے آئینے سے مراد وہی شان ذاتی ہے جس کا ظل وہ اسم زائد ہے جو کہ متجلی لہ (جس پر تجلی ہوئی ہے) کا مبداء تعین ہے۔ کیونکہ ہر اسم زائد کے لیے جو کہ مخلوقات کے تعینات میں سے کسی تعین کا مبداء ہے، مرتبہ ذاتیہ میں ایک اصل ثابت ہے اور وہ اصل وہی شان ہے جو ذات میں اعتبار سے خالی ہے، جس طرح کہ میں نے متعدد جگہوں پر اس کی تحقیق کی ہے۔

حق تعالیٰ کے آئینے سے مراد ذاتِ مطلق نہیں ہے، کیونکہ مطلق آئینہ کا مقید نہیں ہو سکتا۔ جب آئینہ اس صورت کی مانند، جو کہ اس میں موجود ہے، مقید ہو گیا اور اس صورت کا اصل الاصل ہو گیا تو ناچار آئینہ متجلی لہ (جس پر تجلی ہوتی ہے) کی نظر میں اس کی صورت میں جو کہ اس میں موجود ہے، بغیر کسی زیادتی و نقصان کے جلوہ گر ہوتا ہے، کیونکہ تجلی اور اس شان کا ظہور اس مرتبہ میں سوائے اس صورت کے نہیں ہوتا جس میں وہ تجلی واقع ہوئی ہے، لیکن اس شان کا اس صورت میں ظہور عالم سے استغناء

اور عدم تعلق کے سبب سے مشروط ہے اور اس اسم ظلی کے توسط سے مشروط ہے جو کہ متجلی لہ (جس پر تجلی ہوتی ہے) کی صورت کا مبداء تعین ہے اور یہ مقدس آئینہ دوسرے آئینوں کے برخلاف ہے، کیونکہ ان آئینوں میں صورتوں کا ظہور ان کے اجزاء میں سے کسی جزو میں ہوتا ہے اور وہ آئینے ان صورتوں کے اعیان سے ظاہر نہیں ہوتے جو ان میں حلول کیے ہوئے ہیں، اس فرق کی وجہ سے جو ان کے درمیان واقع ہے، بخلاف اس مقدس آئینے کے کہ نہ اس میں صورت حلول کرتی ہے اور نہ ہی اس کے اجزاء میں سے کسی جزو میں وہ حاصل ہے۔ کیونکہ اس بارگاہ میں حالت اور محلیت کا فقدان ہے، خواہ وہ ظاہری جس کے لحاظ سے ہو۔ نیز اس مرتبہ مقدسہ میں تبعض اور تجزی بھی نہیں ہے، خواہ وہ وہم و خیال کے لحاظ سے ہو، بلکہ یہ آئینہ مقدسہ کلی طور پر متجلی لہ (جس پر تجلی ہوتی ہے) کی صورت پر ظہور کرتا ہے۔ پس اس وقت وہ آئینہ مقدسہ آئینہ بھی ہوتا ہے اور صورت بھی۔ لہذا متجلی لہ (جس پر تجلی ہوتی ہے) شخص نے حق تعالیٰ کے آئینے میں اپنی صورت کو ہی دیکھا ہے، کیونکہ وہی اس کی ذاتی شان ہے جو متجلی لہ (جس پر تجلی ہوتی ہے) کی صورت میں ظاہر ہوئی ہے اور اس نے حق مطلق کو نہیں دیکھا اور نہ ہی اس کی شان خاص کو تنزیہی طور پر اور تقدیسی طریقہ سے (دیکھا ہے) اور نہ ہی یہ ممکن ہے کہ وہ اس کو دیکھ سکے۔

یہ (بیان) شیخ (محی الدین ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ) کی رائے پر مبنی ہے جس میں انہوں نے مرتبہ تنزیہ رویت کے امکان کی نفی کی ہے اور ان تشبیہی ظہورات میں جو جامعہ لطیفہ کی طرح ہیں، مثل و مثال کے طریقہ سے رویت کو ثابت کیا ہے اور شیخ کی یہ رائے، جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو، اس کے مخالف ہے جس پر علمائے اہل سنت و جماعت شکر اللہ تعالیٰ سَعِیْہُمْ (اللہ تعالیٰ ان کی کوشش کو مشکور فرمائے) نے اتفاق کیا ہے کہ ”حق تعالیٰ کی رویت دنیا میں جائز ہے، لیکن غیر واقع ہے اور آخرت میں بلا کیف حق ہے، اور واقع ہے، مثل و مثال کے طور پر نہیں ہوگی۔“ جیسا کہ بدء الامالی میں آیا ہے:

يَرَاهُ الْمُؤْمِنُونَ بِغَيْرِ كَيْفٍ وَادْرَاكِ وَضَرْبٍ مِّنْ مِّثَالٍ

یعنی: مومن (جنت میں) اللہ تعالیٰ کو بے کیف و ادراک اور بے شبہ و مثال دیکھیں گے۔

کیونکہ مثل کی رویت کیف کی رویت ہے، حق تعالیٰ کی رویت نہیں ہے، بلکہ وہ مخلوق کی رویت ہے جس کو حق تعالیٰ نے ایجاد فرمایا ہے اور مثل کے طور پر ظاہر کیا ہے اور حق تعالیٰ مثل اور مثال سے بلند تر ہے اور وہم و خیال سے بھی بہت بلند ہے اور یہ سب حق تعالیٰ کی مخلوق ہیں۔ تعجب ہے ان اکابر عرفا پر جو تنزیہ کو چھوڑ کر تشبیہ کے ساتھ اور قدیم سے ہٹ کر حادثات کے ساتھ خوش ہیں اور مثال پر اکتفا کر بیٹھے ہیں اور مثل پر قائم ہو گئے ہیں۔

میرا گمان یہ ہے کہ یہ سب ان میں اس بیماری کی وجہ سے پیدا ہوا ہے جو انہیں ان کے توحید و اتحاد کے قول اور ان کے اپنے اس حکم پر اصرار کرنے کی وجہ سے لاحق ہوئی ہے کہ ”عالم ہی حق سبحاء ہے اور بس۔“ لہذا مجبوراً ان کے نزدیک افراد عالم میں سے ہر فرد کی رویت، حق تعالیٰ کی رویت ہے، اس اتحاد کی بدولت جو ان کے نزدیک ان دونوں (حق تعالیٰ اور عالم) میں واقع ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان میں سے بعض نے یہ فارسی شعر کہا ہے:

امروز چوں جمالِ تو بے پردہ ظاہرست در حیرتم کہ وعدہ فردا برائے چیست

یعنی: آج جب تیرا جمال بے پردہ ظاہر ہے تو میں حیران ہوں کہ کل کا وعدہ کس لیے ہے۔

مگر یہ کہ شیخ (محی الدین ابن العربی) قدس سرہ نے افراد عالم میں سے ایک خاص جامع فرد کو جو مثل کے طور پر اپنے حصول تک پہنچ چکا ہے (اس برتری سے) مخصوص کر لیا ہو اور یہ تخصیص اس کو کوئی نفع نہیں بخشتی۔ گویا کہ شیخ قدس سرہ نے کتاب و سنت کے کمال علم اور علماء کے اقوال کی وجہ سے رویت کو مطلق طور پر حق تعالیٰ کی رویت کہنے کی برائی اور اس کا حکم کرنے، کہ ان (افراد عالم) کی رویت مطلق طور پر حق سبحانہ کی رویت ہے، کی خرابی سے آگاہی پائی ہے اور اس کے باوجود انہوں نے سکر کے غلبہ اور توحید کے حال کی قوت کی بنا پر تشبیہ کی تنگی سے کلی طور پر رہائی نہیں پائی اور خالص تنزیہ کے کمالات حاصل کرنے کے لیے فارغ نہیں ہوئے، بلکہ انہوں نے گمان کر لیا ہے کہ خالص تنزیہ کا قائل قاصر اور ناقص ہے اور وہ حق تعالیٰ کو تشبیہ کے قائل کی مانند محدود کرنے والا ہے۔ پس انہوں نے خالص تنزیہ سے گریز کیا ہے اور یقین کر لیا ہے کہ تشبیہ و تنزیہ کو جمع کرنے اور یہ حکم کرنے میں کہ یہ دونوں ایک دوسرے کا عین ہیں، ہی کمال ہے، تاکہ تحدید اور تنقید کلی طور پر ختم ہو جائے۔

نیز تم پر یہ بات مخفی نہیں ہے کہ ان کے نزدیک تشبیہ خارج میں مفقود ہے اور خارج میں یہی خالص تنزیہ موجود ہے۔ اس طرح ان میں سے ایک دوسرے کا محدّد اور مقید نہیں ہوگا، جس طرح کہ وجود خارجی اور عدم خارجی، کہ نہ تو عدم وجود کا محدّد ہے اور نہ ہی وجود عدم کا محدّد ہے، بلکہ وجود عدم سمیت اپنے اطلاق پر ہے اور عدم وجود سمیت بھی اپنے اطلاق پر ہے اور ان میں سے کوئی ایک دوسرے کا مقید نہیں ہے۔ اگر عدم وجود کا محدّد دھوتا تو اس کے لائق ہوتا کہ یہ حکم کیا جائے کہ کمال وجود اور عدم کے جمع کرنے میں ہے اور ان میں سے ایک دوسرے کا عین ہونے میں ہے اور (اس چیز) کا باطل ہونا ظاہر (واضح) ہے۔ پس خالص تنزیہ کا قول حق تعالیٰ کے لیے تحدید نہیں ہے اور نہ ہی تنزیہ و تشبیہ کو جمع کرنے میں کوئی کمال ہوگا، بلکہ (یہ) نقص ہے اور کامل کو ناقص کے ساتھ ملحق کرنا ہے اور معلوم ہے کہ ناقص و کامل کا مرکب ناقص ہوتا ہے۔

باقی رہ گئی یہ بات کہ وہ علمی صورتیں جن کو اعیان ثابتہ کہتے ہیں۔ شیخ (ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ) کے نزدیک وہ حق تعالیٰ کے علم میں ثابت ہیں اور اس سے موجود خارجی کی تحدید لازم نہیں آتی، تاکہ ان کے درمیان اور حق تعالیٰ کے درمیان اتحاد و عینیت کا حکم کیا جائے اور سوائے اس کے نہیں کہ موجود خارجی کی تحدید اس جیسا موجود خارجی ہی کر سکتا ہے۔ لیکن موجود علمی تو نہ موجود خارجی کی تحدید کر سکتا ہے اور نہ ہی اس کے مزاحم بن سکتا ہے، کیونکہ ان دونوں میں اختلاف ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ باری تعالیٰ کے شریک کا تصور اور علم میں اس کا ثبوت تاکہ اس پر محال ہونے کا حکم لگایا جائے، یہ خارج میں موجود باری تعالیٰ پر ہرگز مزاحم نہیں ہوتا اور نہ ہی اس کی تحدید کرتا ہے اور نہ ہی اس کی تنقید کرتا ہے تاکہ اس کے دفع کرنے کے لیے نامناسب حیلے کیے جائیں کہ ان میں سے ایک دوسرے کا عین ہے۔ اسی طرح ہے۔

اب ہمیں شیخ کے اس کلام کی جانب رجوع کرنا چاہیے جو انہوں نے تجلی ذاتی اور جو کچھ اس کے مناسب ہے، کے ضمن میں کہا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ شیخ نے اس تجلی کے ذکر کے بعد جو کچھ بیان کیا ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ یقیناً یہ تجلی تجلیات کی انتہا ہے اور عروج و جات کی نہایت ہے اور اس کے بعد عدم محض ہے۔ پس (اے سالک!) تو اس سے اوپر عروج حاصل کرنے اور اس سے اوپر وصول کے لیے لالچ نہ کر اور خود کو مشقت میں مت ڈال، کیونکہ اس مرتبہ تجلی ذاتی سے بالاتر کوئی مقام موجود نہیں ہے۔

مکتوب نمبر (۷۵)

اس حقیر محمد ہاشم کشمی کو تحریر فرمایا۔ تجلی افعال اور تجلی صفات اور تجلی ذات سبحانہ (کے بیان) میں۔
میرے بھائی خواجہ محمد ہاشم کشمی سمجھ لیں کہ تجلی افعال سے مراد حق سبحانہ کے فعل کا سالک پر اس طرح ظاہر ہونا ہے کہ اس (سالک) کو بندوں کے افعال اس فعل کے ظلال دکھائی دیں اور وہ اس فعل کو ان افعال کا اصل معلوم کرے اور ان افعال کے قیام کو اس فعل واحد سے پہچان لے۔ اس تجلی کا کمال یہ ہے کہ اس (سالک) کی نظر سے یہ ظلال مکمل طور پر پوشیدہ ہو کر اپنے اصل سے مل جائیں اور وہ ان افعال کے فاعل کو جمادات کی مانند بے حس و حرکت سمجھے۔ توحید و جود والے، جو کہ اشیاء کی عینیت کے قائل ہیں اور ہمہ اوست (سب کچھ وہی ہے) کہتے ہیں، انہوں نے اس مقام میں کہا ہے اور بندوں کے کثیر افعال کو ایک ہی فاعل (اللہ) جل شانہ کا فعل سمجھا ہے۔ اس مقام میں افعال کا اپنے کرنے والوں کی طرف منسوب ہونا پوشیدہ ہے اور ان افعال کے حدوث کا انتساب فاعل واحد کی طرف ہے، نہ کہ نفس افعال کا پوشیدہ کرنا اور ان کا اصل کے ساتھ ملحق ہونا۔ شَتَّانَ مَا بَيْنَهُمَا وَإِنْ كَادَ أَنْ يَخْفَى عَلَى الْبَعْضِ۔ یعنی: ان دونوں میں بڑا فرق ہے، اور ہو سکتا ہے کہ یہ بعض پر پوشیدہ رہے۔

تجلی صفات سے مراد ہے کہ حق سبحانہ کی صفات کا سالک پر ظہور اس طرح ہو کہ وہ بندوں کی صفات کو واجب جل سلطانہ کی صفات کا ظلال سمجھے اور ان کے قیام کو ان کے اصول کے ساتھ معلوم کرے۔ مثلاً ممکن کے علم کو واجب تعالیٰ کے علم کا ظل جانے اور اس کے ساتھ قائم سمجھے۔ اسی طرح اس کی قدرت کو حق تعالیٰ کی قدرت کا ظل سمجھے اور اس کے قیام کو اس کے ساتھ تصور کرے۔ اس تجلی کا کمال یہ ہے کہ یہ سب صفات سالک کی نظر سے پوشیدہ ہو کر اپنے اصول کے ساتھ مل جائیں اور خود کو، جو کہ ان صفات سے موصوف ہے، جمادات کی مانند مردہ بے حیات و بے علم سمجھے اور وجود اور وجود کے کمالات و توابع کا کوئی اثر خود میں نہ پائے۔ وہاں نہ کوئی ذکر ہے اور نہ کوئی توجہ، نہ کوئی حضور ہے اور نہ کوئی شہود۔ اصل کے ساتھ مل جانے کے بعد اگر توجہ ہے تو خود بخود متوجہ ہے۔ اگر حضور ہے تو خود بخود حاضر ہے۔

اس مقام سے سالک کو جو نصیب ہے وہ فنا و نیستی کی حقیقت کا حاصل ہونا ہے اور کمالات کے انتساب کی نفی ہو جانا ہے جو وہ اپنے گمان سے ان کمالات کو اپنی طرف منسوب کرتا تھا اور اس امانت کی ادائیگی اہل امانت کو کرنا ہے، جس امانت کو وہ تہمت اور جھوٹ سے اپنی طرف سے خیال کرتا تھا۔ نیز کلمہ ”اَنَا“ کے مورد کا اس حد تک زائل ہو جانا ہے کہ اگر (سالک) کو بقا باللہ سے مشرف فرمادیں تو پھر بھی ہرگز ”اَنَا“ کے لیے کوئی مورد نہ ہو اور (سالک) خود کو ”اَنَا“ سے تعبیر نہ کر سکے۔ خواہ وہ خود کو وہی اپنی اصل پائے تو پھر بھی کلمہ ”اَنَا“ کی گنجائش اس اصل پر میسر نہ ہو اور وہ خود کو اپنی اصل کا عین نہیں کہہ سکتا، کیونکہ خودی اس سے برطرف ہو چکی ہے اور انا نیت زائل ہو چکی ہے۔

اَنَا الْحَقُّ کہنا اس نسبت کے حاصل نہ ہونے کی وجہ ہے اور سُبْحَانِي زبان پر لانا اس دولت تک نہ پہنچنے کی بنا پر ہے۔ لیکن اس طرح کے الفاظ جو اکابر (صوفیہ) سے جاری ہوئے ہیں، ان کو ان کے احوال کی وساطت پر محمول کرنا چاہیے اور ان کے شانِ کمال کو اس گفتگو کے علاوہ اعتبار فرمانا چاہیے۔ یہ دولت فنا و نیستی کی حقیقت ہے، اگرچہ تجلی صفات کی انتہا ہے،

لیکن اس کا حاصل ہونا تجلی ذات کے پرتو سے ہے اور جب تک ذات متجلی نہ ہو، فنا کی یہ دولت میسر نہیں ہوتی، بلکہ تجلی صفات بھی انجام تک نہیں پہنچتی۔ جب تک تو نہیں پاتا، رہا نہیں ہوتا۔ تجلی ذات ہی ہے جس سے عارف کا جو بقیہ اس کی نگاہ میں جمادات کی مانند مردہ دکھائی دیتا تھا، وہ بھی زائل ہو جاتا ہے اور وہ ایک عدم تھا جو ہر ممکن کی اصل تھا جس میں حضرت وجوب تعالیٰ و تقدس کی صفاتِ کاملہ نے انعکاس کے طور پر ایک امتیاز اور تشخص پیدا کر لیا تھا اور وہ اس آئینہ داری کی وجہ سے دوسرے اعدام سے الگ ہو گیا اور جب یہ منعکس ہونے والے ظلال اپنے اصول سے مل گئے تو ان اعدام میں بھی کوئی امتیاز کی صورت نہ رہی اور یہ عدم بھی عدم مطلق سے مل گیا۔ اس وقت عارف کا نہ کوئی نام رہا اور نہ کوئی نشان، نہ اس کا کوئی اسم رہا اور نہ کوئی رسم رہی۔ لَا تَبْقَى وَلَا تَذَرُ (سورۃ مدثر، ۲۸) یعنی: نہ باقی رکھے گا اور نہ چھوڑے گا۔

لہذا جس طرح وجود اور توالیع وجود اس سے رخصت ہو کر چلے گئے اُسی طرح عدم بھی اس سے الگ ہو کر اپنی اصل سے مل گیا۔

جاننا چاہیے کہ جو امتیاز اس عدم کو دوسرے اعدام سے صفاتِ ظلال کے حصول سے حاصل ہوا تھا، وہ تو ہم کے اعتبار سے ہوا تھا اور درحقیقت اس میں کوئی ظل موجود نہیں تھا، جیسا کہ دوسرے آئینوں میں صورتوں کا حاصل ہونا تو ہم کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ جب اس میں ظلال کا حاصل ہونا تو ہم کے اعتبار سے تھا تو پھر اس کا امتیاز بھی وہی تھا۔ پس ممکن کا وجود جس طرح تو ہم کے اعتبار سے ہے، اس کا عدم بھی وہم کے اعتبار سے ہوگا۔ اسی طرح دائرہ کے باہر اس کو قدم گاہ نہیں دی گئی ہے۔ کیونکہ درحقیقت وجود اپنے اطلاق کی صرافت پر ہے اور عدم اپنے اطلاق کی صرافت پر۔ نہ اس کو کوئی تنزل ہوا ہے اور نہ اس کو ترقی ہوئی ہے۔ کمال صانع تعالیٰ کی قدرت کو ہے جس نے مرتبہ وہم میں اس (وجود) سے اور اس (عدم) سے ایک عالم کو تخلیق فرمایا ہے اور اس کو کامل استحکام عطا کیا ہے اور ابدی معاملہ اور ہمیشہ کے عذاب و ثواب کو اس سے وابستہ کیا ہے۔ وَمَا ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ بَعِزٌ (سورۃ ابراہیم، ۲۰) یعنی: اور یہ اللہ کو کچھ بھی مشکل نہیں۔

اور یہ جو ہم نے اوپر کہا ہے کہ اس دولت فنا کا حاصل ہونا تجلی ذات کے پرتو سے ہے، یعنی نفس تجلی ذات کا حاصل ہونا اس دولت فنا کے حاصل ہونے کے بعد ہے۔ جب تک تو رہا نہیں ہوتا، نہیں پاسکتا۔ تم پرتو تجلی اور نفس تجلی کے درمیان فرق کو صبح کی سفیدی اور سورج کے طلوع ہونے کی صورت میں سمجھو۔ صبح کی سفیدی کے وقت سورج کی تجلی کا پرتو ہوتا ہے اور طلوع ہونے کے بعد نفس تجلی کا ظہور ہے۔ اکثر یوں ہوتا ہے کہ تجلی کا پرتو ڈالنے کے بعد بعض کونفس تجلی سے مشرف نہیں کرتے اور بعض عوارض کے پیش آنے کی وجہ سے اس بلند دولت تک نہیں پہنچاتے۔ وہ سفیدی کو پاتے ہیں اور آسمانی یا زمینی سبب کے پیش آنے کی وجہ سے سورج کے طلوع کی جانب راہ یاب نہیں ہوتے۔ نیز صبح کی سفیدی کے شہود میں قوتِ باصرہ کا کمال درکار نہیں ہے۔ یہ شہود آفتاب ہے جو قوتِ باصرہ کا کمال طلب کرتا ہے اور نظر کی تیزی چاہتا ہے۔ مسکین چمکاؤ سفیدی کے ادراک پر قادر ہے، لیکن سورج کو دیکھنے سے عاجز ہے۔ دوسری آنکھ چاہیے کہ جس کی نظر سے سورج کو دیکھے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ تجلی ذات کے پرتو کی استعداد ہوتی ہے، لیکن اس نفس تجلی کی استعداد نہیں ہوتی (جیسے کہ) چمکاؤ کو تجلی آفتاب کے پرتو کی استعداد تو ہے لیکن تجلی سورج کی استعداد نہیں ہے۔ میں پوشیدہ طور پر بات کر رہا ہوں، شاید نفع بخشے۔

تجلی صفات کے سرانجام پانے کے بعد اور صفات و ذات کی فنا حاصل ہونے کے بعد عارف کے لیے ایک ایسی تجلی ظاہر ہوتی ہے کہ گویا وہ تجلی ذات کی دہلیز ہے اور گویا وہ تجلی صفات اور تجلی ذات کے درمیان برزخ ہے۔ جس صاحب دولت کو اس تجلی سے گزار کر آگے لے جاتے ہیں، اس کو استعداد کے مطابق تجلی ذات سے (حصہ) نصیب ہوتا ہے۔ یہ تجلی برزخی اس فقیر کے گمان میں اس تجلی ذات کا اصل ہے جس کے بارے میں شیخ محی الدین ابن العربی قدس سرہ نے اس تجلی کی تعبیر اس عبارت میں فرمائی ہے: التَّجَلِّيُّ مِنَ الذَّاتِ لَا يَكُونُ إِلَّا بِصُورَةِ الْمُتَجَلِّيِّ لَهُ فَالْمُتَجَلِّيُّ لَهُ مَا رَأَى سِوَى صُورَتِهِ فِي مِرَاةِ الْحَقِّ وَمَا رَأَى الْحَقَّ وَلَا يُمْكِنُ أَنْ يَرَاهُ. یعنی: تجلی ذات متجلی لہ (جس پر تجلی ہوتی ہے) کی ذات کے سوا (کچھ) نہیں ہوتی، کیونکہ تجلی لہ نے خود کو حق تعالیٰ کے آئینہ میں دیکھا ہے، نہ کہ حق تعالیٰ کو کہ جس کا دیکھنا ناممکن ہے۔

نیز شیخ (محی الدین ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ) نے اس تجلی کو تجلیات کی انتہا کہا ہے اور انہوں نے اس سے اوپر کوئی مقام نہیں خیال کیا اور کہا ہے: وَمَا بَعْدَ هَذَا التَّجَلِّيِّ إِلَّا الْعَدَمُ الْمُحْضُ فَلَا تَطْمَعُ وَلَا تَتَعَبُ فِي أَنْ تَرَفِّي مِنْ هَذِهِ الدَّرَجَةِ مِنَ التَّجَلِّيِّ الذَّاتِيِّ. یعنی: اس تجلی کے بعد عدم محض ہے۔ تجلی ذات سے آگے ترقی کرنے کا لالچ نہ کر اور خود کو تکلیف میں مت ڈال، کیونکہ اس تجلی ذاتی سے اوپر ترقی کے لیے کوئی درجہ نہیں۔

یہ عجیب معاملہ ہے کہ مطلوب حقیقی تک پہنچنا اس تجلی سے بالاتر (آگے) ہے اور شیخ (محی الدین ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ) اس مقام سے ڈرا رہے ہیں اور (اس آیت) کریمہ کی رو سے ڈرا اور تنبیہ فرما رہے ہیں کہ: وَيُحَذِّرُكُمُ اللَّهُ نَفْسَهُ. (سورۃ آل عمران، ۲۸) یعنی: اور اللہ تمہیں اپنے نفس سے ڈراتا ہے۔

ہم آوارہ اگر اس کا طمع نہ کریں اور اس کے حاصل کرنے میں تکلیف برداشت نہ کریں تو پھر ہم نے کیا کام سرانجام دیا ہوگا؟ گویا ہم جو ہر نفس کو چھوڑ کر بیکار ٹھیکریوں پر مطمئن ہو گئے ہیں۔

مختصر یہ کہ ہر مرتبہ سے اس مرتبہ کے مناسب (حصہ) نصیب ہوتا ہے۔ جو (حصہ) بے مثل (ذات) سے نصیب ہوگا وہ بے مثل ہی ہوگا، کیونکہ مثل کو بے مثال (ذات) کی طرف کوئی راستہ نہیں ہے۔ لہذا جو معرفت بھی اس مرتبہ کے ساتھ تعلق رکھتی ہے، وہ اس معرفت کی مانند نہیں ہے کہ بے مثال (ذات) اس سے متعلق ہو جائے، کیونکہ اس معرفت کی وہاں گنجائش نہیں ہے۔ اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ اَلْعِلْمُ فِي ذَاتِ اللَّهِ سُبْحَانَهُ جَهْلٌ أَيْ لَيْسَ عِلْمًا مِنْ جِنْسِ الْعِلْمِ الْمُتَعَلِّقِ بِعِلْمِ الْمُمُمْكِنِ فَإِنَّهُ مِنْ قَوْلَةِ الْكَيْفِ وَلَا كَيْفَ ثَمَّةً.

یعنی: اللہ تعالیٰ کی ذات میں علم سراسر جہل ہے۔ یعنی اس علم کی قسم سے نہیں ہے جو ممکن کے علم سے تعلق رکھتا ہو، کیونکہ یہ مقولہ کیف میں سے ہے اور اس بارگاہ میں کوئی کیف نہیں ہے۔

اور اللہ تعالیٰ سبحانہ کی ذات میں تفکر کرنے سے جو منع کیا گیا ہے، وہ اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ تفکر و تخیل سے بالاتر ہے اور حق سبحانہ کو اسی سے ہی پایا جاسکتا ہے، نہ کہ فکر و خیال سے۔

رَبَّنَا آتِنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً وَهِيَ لَنَا مِنْ أَمْرِنَا رَشَدًا. (سورۃ کہف، ۱۰)

یعنی: اے ہمارے پروردگار! ہم پر اپنے ہاں سے رحمت نازل فرما اور ہمارے کام میں درستی (کے سامان) مہیا کر۔

شیخ (محمی الدین ابن العربی) قدس سرہ کو اس طرح کہنا چاہیے تھا کہ: وَمَا بَعْدَ هَذَا التَّجَلِّي إِلَّا الصَّرْفُ وَالتَّوَرُّ الْمَحْضُ. یعنی: اور اس تجلی کے بعد وجود صرف اور نور محض ہے۔

بظاہر یوں لگتا ہے کہ انہوں نے اس تجلی کے بعد جو عدم کہا ہے، وہ اس اعتبار سے کہا ہے کہ عالم صفات کا ظل ہے اور صفات سے اوپر گزرنا اپنے عدم میں کوشش کرنا ہے، جبکہ ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ وہ عارف جو اپنی صفات سے، جو کہ اس کی اصل ہے، اوپر نہ جائے اور شیون و اعتبارات ذاتیہ سے بالانہ گزرے تو اس نے کیا کام کیا اور وہ کس لیے آیا ہے؟ جو فنا و بقا سے ہر مرتبہ میں حاصل ہوئی ہے، اس نے اس کو اپنی اصل سے اوپر جانے کے لیے دلیر بنا ڈالا ہے اور وہ اصل کی بقا کے ساتھ گزر کر اصل الاصل تک جا پہنچا ہے:

يُحَرِّقُ بِالنَّارِ مَنْ يَمَسُّ بِهَا وَمَنْ هُوَ النَّارُ كَيْفَ يَحْتَرِقُ

یعنی: آگ اسے جلا دیتی ہے جو اُس کو چھوتا ہے اور جو خود آگ ہو، وہ اسے کس طرح جلائے۔ اگر شیخ قدس سرہ اس ظل کی اصل تک پہنچ جاتے تو اس سے اوپر کی ترقی سے نہ ڈرتے اور نہ ہی ڈراتے، لیکن حسن ظن اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ اللہ جل سلطانہ نے اپنے فضل سے ان بزرگوار کو اس مقام سے ترقی (نصیب) فرمائی ہوگی اور انہوں نے معاملے کی حقیقت کو پالیا ہوگا۔ لہذا ان بزرگ کے حال کو ان کی قال سے نہیں تولنا چاہیے، شاید انہوں نے اس بات کو (اپنے حال کی) ابتدا اور وسط میں کہا ہوگا اور (بعد ازاں) اس مقام سے کئی منازل (آگے) ترقی کر لی ہوگی۔

مَنْ اسْتَوَى يَوْمَئِذٍ فَهُوَ مَغْبُورٌ. (۱) یعنی: جس کے دودن برابر ہیں وہ خسارے والا ہے۔

وَاللَّهُ سُبْحَانَهُ الْمُؤَفَّقُ. یعنی: اور اللہ سبحانہ ہی توفیق بخشنے والا ہے۔

(فقیر) تجلی ذات سے کیا لکھے اور کیا لکھا جاسکتا ہے، کیونکہ یہ ذوقی (چیز) ہے، جس کو نصیب ہو اوہ پالے گا:

وَمَنْ لَمْ يَذُقْ لَمْ يَذُرْ. (۲) یعنی: جس نے نہیں چکھا، وہ نہیں جانتا۔

ع قلم اینجا رسید و سر بشکست

یعنی: قلم یہاں پہنچا اور (اس کا) سر ٹوٹ گیا۔

(فقیر) اس قدر ظاہر کرتا ہے کہ تجلی ذات اس عارف کے حق میں جس کی فنا کا ذکر اوپر بیان ہوا ہے، دائمی ہے اور جو تجلی دوسروں کے لیے برق کی (چمک کی) مانند ہے، وہ اس کے لیے دائمی ہے، بلکہ تجلی برقی بھی درحقیقت تجلی ذات نہیں ہے، اگرچہ (اسے) تجلی ذات کہا گیا ہے۔ بلکہ (یہ) شیون ذات میں سے کسی شان کی تجلی ہے جو کہ جلد پوشیدہ ہو جانے والی ہے۔ جس جگہ تجلی ذات ہے، وہ شیون و اعتبارات کے ملاحظہ کے بغیر ہے۔ اس کے لیے دوام لازم ہے۔ وہاں پوشیدہ ہونا متصور نہیں۔ تجلیات کی تلوینات صفات و شیون کا نشان بتلاتی ہیں۔ حضرت حق تعالیٰ و تقدس کی ذات وہ ہے جو تلوینات سے منزہ اور پاک ہے اور اس جگہ پوشیدہ ہونے کی گنجائش نہیں ہے۔ ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ ط وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ. (سورۃ حدید، ۲۱) یعنی: یہ اللہ کا فضل ہے، جسے چاہے عطا فرمائے۔ اور اللہ بڑے فضل کا مالک ہے۔

والسلام۔

مکتوب نمبر (۷۶)

حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد معصوم کو تحریر فرمایا۔ شان العلم کی بلندی اور اس سے اوپر مرتبہ مقدسہ، جس کی تعبیر نور صرف سے کی جاتی ہے (کے بیان) میں۔

شان العلم اگرچہ شان الحیات کے تابع ہے، لیکن علم کو حضرت ذات تعالیٰ و تقدس کے مرتبہ ذات میں صفات و شیون کے اعتبار کے زوال کے بعد ایک شان ہے اور ایک گنجائش ہے جو حیات کے لیے نہیں ہے۔ پھر دوسری صفات و شیون کا کیا ذکر ہے۔ یہ ایک ایسا بلند مرتبہ ہے جو سب نسبتوں سے مجرد ہے اور نور کے اطلاق کے سوا اپنے اوپر کچھ تجویز نہیں فرماتا۔ میں خیال کرتا ہوں کہ علم کو بھی وہاں گنجائش ہے، لیکن وہ علم نہیں کہ جس کو حصولی یا حضوری کہتے ہیں، کیونکہ وہ اپنی دونوں اقسام کے ساتھ خود حیات کے تابع ہے۔ بلکہ وہ علم حضرت ذات تعالیٰ و تقدس کی مانند بے مثل اور بے مثال ہے اور سب بے مثل شعور ہے، عالم اور معلوم کے اعتبار کے بغیر ہے۔ اس مرتبہ کے اوپر ایک مرتبہ ہے کہ علم کی بھی اس مقام میں دوسرے شیون کی مانند گنجائش نہیں ہے۔ وہاں سب نور ہے جس کی اصل شعور ہے جو بے مثل و بے مثال ہے۔ چونکہ اس حضرت نور کا ظل بھی بے مثل و بے مثال ہے، لہذا (فقیر) اصل کی بے مثلی، جو کہ عین نور ہے، کے بارے میں کیا کہے اور کیا کہا جاسکتا ہے؟ سب کمالات خواہ وہ وجودی ہوں اور خواہ امکانی نور کے ظلال ہیں اور نور کے ساتھ قائم ہیں۔ وجود بھی اسی نور سے وجود میں آیا ہے اور آثار کا مبداء بن گیا ہے۔ مرتبہ اولیٰ چونکہ حضرت نور صرف کے مرتبہ سے زوال کی بورکھتا ہے اور جامع شعور و نور ہے، لہذا مخبر صادق علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کو مخلوق فرمایا ہے اور اس کی تعبیر کبھی عقل سے فرمائی ہے، جیسا کہ ایک جگہ فرمایا ہے: **أَوَّلُ مَا خَلَقَ اللَّهُ الْعَقْلُ**۔^(۱) یعنی: سب سے پہلے جو چیز اللہ تعالیٰ نے پیدا کی وہ عقل ہے۔

اور کبھی آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس کو نور سے یاد فرمایا ہے اور کہا ہے: **أَوَّلُ مَا خَلَقَ اللَّهُ نُورِي**۔^(۲) یعنی: سب سے پہلے جو چیز اللہ تعالیٰ نے پیدا کی وہ میرا نور ہے۔

دونوں کا مطلب ایک ہی ہے، (یہ) نور بھی ہے اور عقل و شعور بھی۔ چونکہ آنسور علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے اس مرتبہ نور کو اپنے ساتھ نسبت دی ہے اور میرا نور فرمایا ہے، لہذا کہا جاسکتا ہے کہ یہ مرتبہ حقیقت محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے اور تعین اول ہے، وہ حقیقت اور تعین اول نہیں ہے جو (صوفیہ کے درمیان) متعارف ہے۔ وہ (متعارف) تعین اس تعین کے ظلال میں سے ایک ظل ہو تو بھی غنیمت ہے۔ جیسا کہ اس عقل سے وہ عقل مراد نہیں ہے جس کو فلاسفہ نے ایجاب کے طریقہ سے واجب تعالیٰ سے صادر اول (عقل فعال) کہا ہے اور اس کو کثرت کے صدور کا مصدر بنایا ہے۔

جاننا چاہیے کہ جس جگہ تعین ہے، وہ امکان کی بورکھتا ہے اور عدم کی آمیزش اس کے ہمراہ ہے جو وجود تعالیٰ کے تعین و تمیز کا باعث ہوا ہے۔ **وَبَضِئُهَا تَتَبَيَّنُ الْأَشْيَاءُ**۔ یعنی: اور چیزیں اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہیں۔

واجب جل شانہ کی صفات، جنہوں نے تعین و تمیز پیدا کر لی ہے، باوجود قدیم ہونے کے وہ اس کی ذات کے ساتھ واجب نہیں ہیں، بلکہ وہ واجب تعالیٰ کی ذات کے ساتھ واجب ہیں، جس کا حاصل غیر کے ساتھ واجب ہونا ہے جو امکان کی قسموں میں سے ہے۔ اگرچہ صفات قدیمہ میں لفظ امکان کے اطلاق سے پرہیز لازم ہے، کیونکہ اس سے حدوث کا وہم ہوتا

ہے اور وہاں وجوب کا اطلاق مناسب ہے جو کہ حضرت ذاتِ واجب تعالیٰ کی جانب سے آیا ہے، لیکن درحقیقت وہاں امکان کی گنجائش ہے، کیونکہ ان کا وجوب ان کی ذات سے نہیں ہے اور وہ غیر کی طرف سے آیا ہے۔ اگرچہ اس کو غیر نہیں کہتے اور غیر سے اصطلاحی طور پر غیر مراد لیتے ہیں، لیکن دوئی غیر کا تقاضا کرتی ہے۔ ارباب معقول کا مقرر کردہ اصول ہے کہ:

الْإِثْنَانِ مُتَعَاثِرَانِ۔ یعنی: دو چیزیں ایک دوسرے کی غیر ہوتی ہیں۔

عجیب بات ہے کہ شیخ محی الدین ابن العربی (رحمۃ اللہ علیہ) نے دو تعین کو وجوبی کہا ہے اور تین تعین کو امکانی۔ درحقیقت سب تعینات ظلیت کا داغ اور امکان کی بُو رکھتے ہیں۔ اگرچہ (ایک) ممکن سے (دوسرے) تک بڑا فرق ہے۔ ایک قدیم ہے اور دوسرا حادث ہے۔ لیکن سب امکان کے دائرے سے خارج نہیں ہیں اور عدم سے ایک بُو رکھتے ہیں۔ دوسرا مرتبہ جو نورِ صرف ہے اور لا تعین سے متعین ہے، اس کو بھی دوسروں کی مانند ذاتِ تحت اور احدیتِ محرّہ خیال نہ کریں، کیونکہ وہ بھی نورانیتِ صرف کے حجابات میں سے ایک پردہ ہے، جیسے (آیا ہے): إِنَّ لِلَّهِ سَبْعِينَ حِجَابًا مِّنْ نُورٍ وَظُلْمَةٍ۔^(۳) یعنی: بیشک اللہ تعالیٰ کے لیے نو اور ظلمت کے ستر ہزار پردے ہیں۔

اگرچہ تعین نہیں ہے لیکن مطلوبِ حقیقی کا حجاب ہے۔ اگرچہ (یہ) آخری حجاب ہے اور حق تعالیٰ وراء الراء ہے۔ چونکہ یہ نور صرف دائرہ تعین میں داخل نہیں ہے، لہذا عدم کی ظلمت سے منزہ اور پاک ہے۔

وَلِلَّهِ الْمَثَلُ الْأَعْلَىٰ۔ (سورۃ نحل، ۶۰) یعنی: اور اللہ کو صفتِ اعلیٰ (زیب دیتی) ہے۔

اس کی مثال سورج کے نور کی شعاعوں کی مانند ہے جو اس کی نکیہ کا پردہ ہے اور عین اس کی نکیہ سے منتشر ہو کر اس کا حجاب بن گئی ہیں۔ حدیث میں آیا ہے کہ: حِجَابُهُ النُّورُ۔^(۴) یعنی: اللہ تعالیٰ کا حجاب نور ہے۔

اور یہ بلند مرتبہ تجلیاتِ ذاتیہ سے بالاتر ہے، لہذا (فقیر) فعل و صفت کی تجلیات میں سے کیا بیان کرے، کیونکہ تجلی تعین کی آمیزش کے بغیر متصور نہیں ہے اور یہ مقام سب تعینات سے اوپر ہے، لیکن ان تجلیاتِ ذاتیہ کا منشاء وہی نور صرف ہے اور تجلی اس کی وساطت سے صورت پکڑتی ہے۔ وَلَوْلَاهُ لِمَا حَصَلَ التَّجَلُّیٰ۔ یعنی: اگر وہ نہ ہوتا تو تجلی بھی حاصل نہ ہوتی۔

میں خیال کرتا ہوں کہ حقیقتِ کعبہ ربانی یہی نور ہے جو کہ سب کا مسجود بنا ہے اور تمام تعینات کی اصل ہو گیا ہے۔ جب تجلیاتِ ذاتیہ کا بلجا و ماویٰ یہی نور ہے تو پھر (فقیر) دوسروں کے مسجود ہونے سے اس کی کیا تعریف کرے۔ جب اللہ جل سلطانہ کے فضل و عنایت کا کمال ہزاروں میں سے کسی ایک عارف کو اس دولت کے وصول سے مشرف بناتا ہے اور اس مقام میں ایک فنا و بقا سے سرفراز فرماتا ہے تو ممکن ہے کہ اس نور سے بقا پا کر بالا اور بالا سے بالاتر سے بھی بہت زیادہ حصہ حاصل کرے اور اس نور کے ساتھ نور سے گزر کر اصل نور تک جا پہنچے۔ ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ ط وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ۔ (سورۃ حدید، ۲۱) یعنی: یہ اللہ کا فضل ہے، جسے چاہے عطا فرمائے۔ اور اللہ بڑے فضل کا مالک ہے۔

یہ معارف جیسا کہ نظر و فکر کے لحاظ سے بالا ہیں، ایسے ہی کشف و شہود کے طور سے بھی بالا ہے۔ ارباب کشف و شہود ان علوم کے سمجھنے میں ارباب علم و عقل کی مانند ہیں۔ لہذا نبوت کی فراست کا نور چاہیے، تاکہ وہ انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کی متابعت کی دولت سے ان حقائق کے ادراک کی ہدایت فرمائے اور ان علوم و معارف کے حاصل کرنے میں رہنمائی کرے۔

جاننا چاہیے کہ یہ نور دوسرے انوار کی مانند ہرگز امکان کا شائبہ نہیں رکھتا اور نہ ہی ممکن ہے اور نہ ہی یہ جو ہر وعرض کی قسم میں سے ہے، بلکہ یہ ایک ایسا مرتبہ ہے جس پر نور کے علاوہ کسی چیز کا اطلاق نہیں کیا جاسکتا، خواہ وہ وجود کا وجوب ہو، کیونکہ وجوب بھی اس سے کمتر ہے۔

تنبیہ: اس بیان سے کوئی شخص یہ وہم نہ کرے کہ اس عارف کے حق میں ذات (حق) تعالیٰ کے سب حجابات کا اٹھ جانا ثابت ہوتا ہے، کیونکہ سب حجابات کا آخری (حجاب) یہی نور کہا گیا ہے اور اس حدیث کی رو سے اس کا اٹھنا ممکن ہے: اِنَّ لِلّٰهِ سَبْعِيْنَ اَلْفَ حِجَابٍ مِّنْ نُورٍ وَظُلْمَةٍ لَّوْ كُشِفَ لَا حَرَقَتْ سُبْحَاتٌ وَجْهَهُ مَا اَنْتَهَى اِلَيْهِ بَصَرُهُ مِنْ خَلْقِهِ۔^(۵) یعنی: اللہ تعالیٰ کے لیے نور و ظلمت کے ستر ہزار پردے ہیں، اگر وہ اٹھا دیے جائیں تو اس کی ذات کے انوار سب مخلوق کو جہاں تک اُس کی نظر جائے، جلا ڈالیں۔

کیونکہ اس مقام میں حجابات کے ذریعے ہی تحقیق اور بقا ہے جو ایک دوسرے کو آمادہ کرنے والے ہیں، نہ کہ حجابات کا اٹھ جانا۔ شَتَّانَ مَا بَيْنَهُمَا۔ یعنی: ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔

رَبَّنَا اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَهَيِّءْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا۔ (سورۃ کہف، ۱۰)

یعنی: اے ہمارے پروردگار! ہم پر اپنے ہاں سے رحمت نازل فرما اور ہمارے کام میں درستی (کے سامان) مہیا کر۔

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اَتَّبَعَ الْهُدٰی۔ (سورۃ طہ، ۴۷)

یعنی: اور جو شخص ہدایت کی بات مانے، اُس کو سلامتی نصیب ہو۔

مکتوب نمبر (۷۷)

حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد سعید کو تحریر فرمایا۔ حقیقت کعبہ ربانی کے اسرار اور عجز و معرفت کے دقائق اور حقیقتِ صلوٰۃ

اور کلمہ طیبہ کی نفی و اثبات کے بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰنَا لِهٰذَا قَدْ وَفَّیْنا لِنَهْتَدِیْ لَوْلَا اَنْ هَدٰنَا اللّٰهُ جَ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلٌ رَبَّنَا بِالْحَقِّ۔ (سورۃ اعراف، ۴۳) یعنی: اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جس نے ہمیں اس طرف کا راستہ دکھایا۔ اگر وہ ہم کو ہدایت نہ بخشا تو ہم ہرگز راستہ نہ پاتے۔ بیشک ہمارے پروردگار کے رسول حق کے ساتھ آئے ہیں۔

نور صرف کے بلند مرتبہ کے بعد جس کو اس فقیر نے حقیقت کعبہ ربانی پایا ہے اور لکھا ہے کہ (یہ) ایک انتہائی بلند مرتبہ ہے جو کہ حقیقت قرآن مجید سبحانی جل سلطانہ ہے۔ کعبہ معظمہ قرآن کے حکم سے آفاق کا قبلہ بنا ہے اور سب کا مجہود ہونے کی دولت سے مشرف ہوا ہے۔ امام قرآن ہے اور مقتدی پیش قدم کعبہ معظمہ ہے۔ یہ مرتبہ مقدسہ حضرت ذات تعالیٰ و تقدس کی بے مثال وسعت کا مبداء ہے۔ نیز اس بارگاہ کی بے مثالی اور بے مثالی کے امتیاز کا مبداء بھی یہی بلند درجہ ہے۔ اس مقدس درجہ کی وسعت طول و عرض کی لمبائی اور چوڑائی کی وجہ سے نہیں ہے، کیونکہ یہ نقص اور امکان کی علامات میں سے ہیں۔ (یہ) ایک ایسا معاملہ ہے کہ جب تک (سائل) اس سے متصف نہ ہو، اس کو پا نہیں سکتا۔ ایسے ہی اس مرتبہ مقدسہ کا امتیاز بھی مزا مکت و مباحثت (زائل و جدا کرنے) کے لحاظ سے نہیں ہے جو بعض و تجزی (ٹکڑے اور جزو ہونے) کو لازم کرتا ہے جو جسم و جسمانی

ہونے کے لوازمات میں سے ہیں۔ تَعَالَى اللَّهُ مُبْهِنًا عَنْ ذَلِكَ. یعنی: اللہ سبحانہ اس سے بالاتر ہے۔

اس مقام میں شے کا غیر شے فرض کرنا متصور نہیں ہے، کیونکہ غیریت مغایرت اور دوئی پر مبنی ہے، بلکہ فرض کی گنجائش ہی نہیں ہے، کیونکہ وہ فرض محال کی قسم سے ہے۔ مَنْ لَمْ يَذُقْ لَمْ يَذُرْ. (۱) یعنی: جس نے نہیں چکھا، اس نے نہیں پایا۔

چہ گویم با تو از مرغے نشانہ کہ با عنقا بود ہم آشیانہ

ز عنقا هست نامے پیش مردم ز مرغ من بود آن نام ہم گم

یعنی: میں تجھے اس پرندے کا نشان کیا بتاؤں جو عنقا کے ساتھ گھونسلارکھتا ہے۔

♦ عنقا کا نام تو لوگ جانتے ہیں، لیکن میرے اس پرندے کا تو نام بھی نہیں ہے۔

اس مقام میں جو چیز بھی فرض کی جائے، خواہ وہ فرض محال ہی ہو اور اس چیز میں جس قدر دور دور جایا جائے، خواہ کچھ بھی چلے نہ ہوں، ہرگز کوئی امر اس جگہ پیدا نہیں ہوتا جو اس چیز کے ساتھ خصوصیت رکھتا ہو اور دوسری چیز میں مفروض نہ ہو۔ اس کے علاوہ ان دو مفروضہ چیزوں میں امتیاز موجود و ثابت ہوتا ہے اور ایک کے احکام دوسری سے ممتاز ہوتے ہیں۔

فَسُبْحَانَ مَنْ لَمْ يَجْعَلْ لِلْخَلْقِ إِلَيْهِ سَبِيلًا إِلَّا بِالْعِزِّ عَنْ مَعْرِفَتِهِ. یعنی: سو پاک ہے وہ ذات جس نے اپنی معرفت سے عاجز ہونے کے سوا اپنی مخلوق کے لیے اپنی جانب کوئی راستہ نہیں بنایا۔

معرفت سے عاجز ہونا اکابر اولیاء کا نصیب ہے۔ عدم معرفت اور چیز ہے اور معرفت سے عاجز ہونا دوسری چیز ہے۔ مثلاً اس مقدس مقام میں عدم امتیاز کا حکم کرنا اور ہر کمال ذاتی کو دوسرے کا عین پانا۔ جیسا کہ کہا گیا ہے کہ علم قدرت کا عین ہے اور قدرت ارادہ کی عین ہے۔ اس جگہ اس مقام کے امتیاز کا عدم (نہ ہونا) معرفت ہے اور اس مقام کے امتیاز کا حکم کرنا اور اس امتیاز کی حقیقت کے عدم (نہ پانے) کا اعتراف کرنا، اس مقام کے امتیاز کی معرفت سے عاجز ہونا ہے۔ البتہ عدم معرفت جہل ہے اور معرفت سے عاجز ہونا علم ہے، بلکہ عجز میں دو علم شامل ہیں۔ ایک چیز کا علم اور دوسرا اُس چیز کی حقیقت کو نہ پانے کا علم، اس چیز کی عظمت و کبریائی کے کمال کی وجہ سے۔ اگر ہم تیسرے علم کو بھی درج کریں تو اس کی گنجائش ہے اور وہ اپنے عجز و قصور کا علم ہے جو کہ اپنی عبدیت و عبودیت کے مقام کی تائید کرتا ہے۔ عدم معرفت میں، جو کہ جہل ہے، اکثر یوں ہوتا ہے کہ وہ (سالک) جہل مرکب بن جاتا ہے اور اپنے جہل کو جہل نہیں سمجھتا اور اس کو علم خیال کرتا ہے۔ لیکن معرفت سے عاجز ہونے میں اس مرض سے مکمل نجات مل جاتی ہے، بلکہ اس مرض کی وہاں گنجائش نہیں ہوتی، کیونکہ وہ (سالک) اپنے عجز کا اعتراف کرتا ہے۔ اگر عدم معرفت اور معرفت سے عاجز ہونا (دونوں) ایک ہوتے تو پھر سب نادان عارف ہوتے اور ان کا جہل ان کے کمال کا ذریعہ ہوتا، بلکہ اس مقام میں جو زیادہ جاہل ہوتا، وہ زیادہ عارف ہوتا۔ کیونکہ اس مقام میں معرفت نہ ہونا ہی معرفت کہلاتا ہے اور معرفت سے عاجز ہونے میں یہ معاملہ صادق ہے کہ جو شخص معرفت سے زیادہ عاجز ہے، وہ معارف میں زیادہ عارف ہے۔ معرفت سے عاجز ہونا ایک ایسی ستائش ہے جو مذمت سے مشابہت رکھتی ہے اور عدم معرفت (معرفت کا نہ ہونا) ایک ایسی خالص مذمت ہے جس میں ستائش کی بُو نہیں ہے۔ رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا بِكَمَالِ الْعِزِّ عَنْ مَعْرِفَتِكَ سُبْحَانَكَ. یعنی: اے میرے رب! اپنی معرفت کے کمال عجز کا علم مجھے زیادہ عطا فرما۔ تو پاک ہے میرے اللہ!

شیخ محی الدین ابن العربی قدس سرہ اگر اس فرق کو ملاحظہ فرما لیتے جس کی جانب اس فقیر نے رہنمائی پائی ہے تو وہ ہرگز معرفت سے عاجز ہونے کو جہل سے یاد نہ کرتے اور اس کو عدم علم (علم کا نہ ہونا) شمار نہ کرتے، جیسا کہ انہوں نے اس جگہ کہا ہے: فَمِمَّا مَنْ عِلْمٍ وَمِمَّا مَنْ جَهْلٍ فَقَالَ الْعَجْزُ عَنْ دَرْكِ الْأَذْرَاكِ إِذْرَاكِ۔

یعنی: ہم میں سے بعض نے جان لیا اور بعض جاہل رہے۔ پھر کہا کہ ادراک کے درک سے عاجز ہونا بھی ادراک ہے۔ اس کے بعد انہوں نے پہلی شق کے علوم بیان کیے ہیں اور ان پر بڑے فخر فرمائے ہیں اور ان علوم کو اپنے ساتھ مخصوص سمجھا ہے اور کہا ہے کہ خاتم الانبیاء (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی ان علوم کو خاتم الاولیاء سے اخذ کرتے ہیں۔ نیز انہوں نے خود کو خاتم ولایت محمدیہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہا ہے اور اسی وجہ سے وہ خلقت کے طعن و تشنیع کا مورد بنے ہیں۔ فصوص کے شارحین نے اس کی توجیہات میں ہمتیں صرف کی ہیں۔

اس فقیر کے نزدیک، بلکہ کہا جاسکتا ہے کہ درحقیقت یہ علوم جو شیخ (محی الدین ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ) نے بیان کیے ہیں، یہ اس عجز سے کئی مراتب نیچے ہیں، بلکہ اس عجز سے (کوئی) نسبت ہی نہیں رکھتے، کیونکہ (وہ) غلال سے وابستہ ہیں اور عجز اس مقام میں اصل ہے۔ سبحان اللہ! اس قول کے کہنے والے حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جس طرح کہ کہا گیا ہے اور اس عجز کے ظہور کا مصدر بھی آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جو عارفوں کے سردار اور صدیقیوں کے رئیس ہیں۔ علم کی کیا حقیقت ہے کہ وہ اس عجز پر سمبقت لے جائے اور کونسا زور آور ہے جو اس عاجز سے آگے بڑھ جائے۔ ہاں! جب وہ (شیخ) حضرت صدیق (رضی اللہ عنہ) کے خواجہ (سرور کائنات حضرت محمد) علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں اس طرح کہہ سکتے ہیں تو پھر اگر وہ (حضرت) صدیق (رضی اللہ عنہ) کو ایسا کہہ دیں تو کیا کہا جاسکتا ہے؟ عجیب معاملہ ہے کہ شیخ (محی الدین ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ) اس گفتگو کے باوجود اور ان خلاف جواز شط کے باوجود مقبولوں میں شامل نظر آتے ہیں اور اولیاء میں شمار دکھائی دیتے ہیں:

ع با کریموں کا رہا دشوار نیست
یعنی: کریم لوگوں کے لیے کام مشکل نہیں ہیں۔

جی ہاں! کبھی یوں ہوتا ہے کہ دعا سے ناراض ہوتے ہیں اور کبھی گالی دینے سے ہنستے ہیں۔ شیخ (محی الدین ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ) کا رد کرنے والا خطرے میں ہے اور ان کو ان کی باتوں کے ساتھ قبول کرنے والا بھی خطرے میں ہے۔ شیخ (محی الدین ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ) کو قبول کرنا چاہیے اور ان کی اختلافی باتوں کو قبول نہیں کرنا چاہیے۔ شیخ (محی الدین ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ) کو قبول کرنے اور قبول نہ کرنے کے بارے میں یہ درمیانی راستہ ہے جو اس فقیر نے اختیار کیا ہے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْحَالِ۔ یعنی: اور حقیقت حال کو اللہ ہی خوب جانتا ہے۔

اب ہم اصل بات کی جانب آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ مرتبہ مقدسہ کہ جس کو ہم نے قرآن مجید کی حقیقت کہا ہے، اس مرتبہ میں نور کے اطلاق کی بھی گنجائش نہیں ہے اور دوسرے کمالات ذاتیہ کی مانند نور بھی راستے میں رہ گیا ہے، اس مقام میں بے مثل کی وسعت اور بے مثال کے امتیاز کے سوا کسی چیز کی گنجائش نہیں رہتی اور (آیت) کریمہ: قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللّٰهِ نُورٌ

(بیشک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور آچکا۔ سورۃ مائدہ، ۱۵) میں اگر نور سے مراد قرآن ہے تو ہو سکتا ہے کہ وہ انزال اور تنزل کے اعتبار سے ہو، جس طرح کہ کلمہ قَدْ جَاءَ کُمْ میں اس کی جانب اشارہ ہے۔ اس مرتبہ مقدسہ کے اوپر ایک اور انتہائی بلند مرتبہ ہے جو حقیقتِ صلوٰۃ ہے جس کی صورت عالم شہادت میں ان نمازیوں کے ساتھ قائم ہے جو باب نہایت (منتہی) ہیں۔ ممکن ہے کہ اس میں حقیقتِ صلوٰۃ کی جانب ایک اشارہ ہو جو کہ معراج کے واقعہ میں آیا ہے کہ: قَفْ يَا مُحَمَّدُ فَإِنَّ اللَّهَ يُصَلِّي. (۲) یعنی: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! ٹھہریں کہ اللہ صلوٰۃ پڑھ رہا ہے۔

ہاں! جو عبادت مرتبہ تجرّد و تنزہ کے شایانِ شان ہے، شاید مراتب و جوب سے صادر ہوتی ہے اور قدم کے طور پر ہی ظہور میں آتی ہے۔ فَالْعِبَادَةُ اللَّائِقَةُ بِجَنَابِ قُدْسِهِ تَعَالَى هِيَ الصَّادِرَةُ مِنْ مَرَاتِبِ الْوُجُوبِ لَا غَيْرُ فَهُوَ الْعَابِدُ وَالْمَعْبُودُ. یعنی: سو وہ عبادت جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ مقدس کے لائق ہے وہ مراتب و جوب ہی سے صادر ہوتی ہے، اور کسی غیر سے نہیں۔ اس طرح وہی عابد ہے اور وہی معبود ہے۔

اس مرتبہ مقدسہ میں کمال و وسعت اور امتیاز بے مثل ہے، کیونکہ اگر حقیقتِ کعبہ ہے تو وہ اسی کا جزو ہے اور اگر حقیقتِ قرآن ہے تو بھی اسی کا حصہ ہے۔ اس لیے کہ نماز عبادات کے مراتب کے ان سب کمالات کی جامع ہے جو اصل الاصل کی نسبت میں موجود ہیں، کیونکہ معبودیت صرف اس کے لیے ثابت ہے۔ حقیقتِ صلوٰۃ جو سب عبادتوں کی جامع ہے، وہ اس مرتبہ مقدس کی عبادت ہے جو اس سے اوپر ہے۔ کیونکہ معبودیت صرف کا حق بھی اس مرتبہ فوق کے لیے ثابت ہے جو کل کا اصل ہے اور سب کی پناہ گاہ ہے۔ اس مقام میں وسعت بھی کوتاہی کرتی ہے اور امتیاز بھی راستے میں رہ جاتا ہے، خواہ وہ بے مثل و بے مثال ہو۔ کامل انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات اولاً و آخراً اور اکابر اولیاء کے اقدام کی نہایت حقیقتِ صلوٰۃ کے مقام کی انتہا تک ہے جو عابدوں کی عبادت کے مرتبہ کی انتہا ہے اور اس کے اوپر معبودیت صرف کا مقام ہے، جہاں اس دولت میں کسی کو کسی طرح بھی شرکت نہیں ہے، تاکہ وہ اس سے بالاتر قدم رکھے۔ کیونکہ ہر وہ مقام جہاں تک عبادت اور عابدیت کی آمیزش ہے، وہاں قدم کے لیے نظر کی مانند گنجائش ہے اور جب معاملہ معبودیت صرف تک پہنچتا ہے تو قدم کوتاہی کرتا ہے اور سیر بھی مکمل ہو جاتی ہے، لیکن اللہ سبحانہ کا شکر ہے کہ نظر کو اس جگہ سے منع نہیں فرمایا گیا اور اسے اس کی استعداد کے مطابق گنجائش عطا فرمائی گئی ہے:

ع بلا بودے اگر ایں ہم نبودے

یعنی: اگر یہ بھی نہ ہوتا تو مصیبت ہوتی۔

گنجائش ہے کہ قَفْ يَا مُحَمَّدُ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حکم میں اسی کوتاہی قدم کی جانب اشارہ ہو۔ یعنی اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! ٹھہر جائیں اور آگے قدم نہ رکھیں کہ مرتبہ صلوٰۃ سے اوپر، جو کہ مرتبہ و جوب سے صادر ہے، حضرت ذاتِ تقدس و تعالیٰ کے تجرّد و تنزہ کا مرتبہ ہے، جہاں قدم رکھنے کے لیے کوئی جگہ نہیں اور نہ ہی اس کی گنجائش ہے۔ کلمہ طیبہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کی حقیقت اس مقام میں ثابت ہوتی ہے اور غیر مستحق معبودوں کی عبادت کی نفی اس مقام میں صورت پکڑتی ہے اور معبودِ حقیقی جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے، کا اثبات اسی مقام میں حاصل ہوتا ہے اور عابدیت و معبودیت کے درمیان

کا مل امتیاز اسی جگہ ظاہر ہوتا ہے اور عابد معبود سے کما حقہ الگ ہو جاتا ہے اور معلوم ہو جاتا ہے کہ لا اِلهَ اِلَّا اللّٰہ کے معنی منتہی حضرات کے حال کے مطابق لَا مَعْبُودَ اِلَّا اللّٰہ (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں) ہیں، جس طرح کہ شرع میں اس کلمہ کے معنی قرار پائے ہیں۔ لَا مَوْجُودَ وَلَا وَجُودَ وَلَا مَقْصُودَ (کوئی موجود نہیں اور کوئی وجود نہیں اور کوئی مقصود نہیں) کہنا مبتدیوں اور وسط والے (درجہ کے سالکین) کے لیے مناسب ہے اور لَا مَقْصُودَ کا مرتبہ لَا مَوْجُودَ اور لَا وَجُودَ کے مرتبہ سے بالاتر ہے جو لَا مَعْبُودَ اِلَّا اللّٰہ (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں) کی کھڑکی ہے۔

جاننا چاہیے کہ اس مقام میں نظر کی ترقی اور بینائی کی تیزی نماز کی عبادت سے وابستہ ہے جو منتہی حضرات کا کام ہے۔ دوسری عبادتیں تو نماز کی تکمیل میں مدد فرماتی ہیں اور اس کے نقص کی تلافی کرتی ہیں۔ شاید اسی وجہ سے نماز کو ایمان کی مانند اپنی ذات کے لحاظ سے حسن (خوب و بہتر) کہا گیا ہے، جبکہ دوسری عبادتیں اپنی ذات میں حسن نہیں ہیں۔

مکتوب نمبر (۷۸)

حضرت مخدوم زادگان عالی مرتبت خواجہ محمد سعید اور خواجہ محمد معصوم کو تحریر فرمایا۔^(۱) ان کے اشتیاق اور (ان پر) شفقت کے اظہار اور لشکر کے ثمرات (کے بیان) میں۔

الْحَمْدُ لِلّٰہِ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ.

یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر (درود و) سلام ہو۔

فرزندان گرامی اگرچہ ہماری دائمی صحبت کے مشتاق اور چاہنے والے ہیں اور ہم بھی ان کی حاضری اور ملاقات کے آرزو مند ہیں، لیکن کیا کیا جائے کہ سب آرزوئیں پوری نہیں ہوا کرتیں:

عَجَّزَی الرِّیَاحُ بِمَا لَا تَشْتَهٰی السُّفُنُ

یعنی: ہوائیں کشتی کے مخالف چلا کرتی ہیں۔

(فقیر) لشکر میں اس طرح بے اختیار اور رغبت کے بغیر رہنے کو بہت غنیمت سمجھتا ہے اور اس عرصہ کی ایک ساعت کو دوسری جگہوں کی بہت سی ساعتوں سے بہتر تصور کرتا ہے۔ یہاں وہ کچھ میسر ہے جو دوسری جگہوں پر معلوم نہیں کہ اس کی مثال میسر ہو سکے۔ اس مقام کے علوم و معارف الگ ہیں اور اس اجتماع کے احوال و مقامات علیحدہ ہیں۔ بادشاہ کی جانب سے جو ممانعت ہے (فقیر) اس کو اپنے مولیٰ جل شانہ کی مہربانی و رضا مندی کے کمال کی کھڑکی سمجھتا ہے اور اپنی سعادت اسی قید میں خیال کرتا ہے۔

خاص کر کے ان اختلاف کے دنوں میں عجیب معاملہ ہے اور ان پر گندہ اوقات میں عجیب ناز و کرشمے ظاہر ہو رہے ہیں۔ لیکن ہر تازہ و عجیب جو دولت بھی روز بروز پہنچتی ہے، دل فرزندوں کی یاد میں تڑپتا ہے اور ان کی جدائی اور نہ پانے کی وجہ سے جگر بیقرار ہوتا ہے۔ خیال کرتا ہوں کہ میرا شوق تمہارے شوق سے زیادہ اور غالب ہے اور یہ (بات) مقرر ہے کہ جس قدر باپ بیٹے کو چاہنے والا ہوتا ہے، بیٹا اُس قدر باپ کو چاہنے والا نہیں ہوتا، اگرچہ اصل اور فرع کا تقاضا اس معنی کے برعکس ہوتا ہے، کیونکہ اصل کو کوئی احتیاج نہیں ہوتی اور فرع سراسر اصل کی محتاج ہوتی ہے۔ لیکن شروع سے ایسے ہی ہوتا آیا ہے اور زیادہ

شوقِ اصل کے لیے ثابت ہے:

ع در خانہ بکدخدائے ماند ہمہ چیز
یعنی: گھر میں ہر چیز گھر کے مالک کی ہوا کرتی ہے۔

اگر (فقیر) دہلی میں ہے تو تمہارا ہمساہی ہے اور اگر آگرہ میں ہے تو اللہ سبحانہ کے کرم سے قریب ہے۔ والسلام۔

مکتوب نمبر (۷۹)

حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد معصوم کو تحریر فرمایا۔ عارف کو بخشی ہوئی ذاتِ بے مثلی کے رازوں اور تجلی ذات اور آخرت میں رویت (الہی) کی تحقیق (کے بیان) میں۔

جب عارف کا معاملہ شیون و صفات سے بالا ہوتا ہے اور ذاتِ حق تعالیٰ و تقدس کے وجوہ و اعتبارات (کی معرفت) سے بلند و اوپر پہنچتا ہے اور اس مقام سے کہ جس کو ہم نے حقیقتِ صلوٰۃ سے تعبیر کیا ہے، برتری پیدا کر لیتا ہے تو اس مقام میں توجہ اور متوجہ بھی متوجہ الیہ کی مانند بے مثل ہو جاتے ہیں، کیونکہ بے مثل کی جانب کوئی راستہ نہیں۔ اور وہ متوجہ، عارف کی ذات ہے، جس سے سب وجوہ اور اعتبارات دور ہو چکے ہیں اور گنہ (حقیقت) سے مراد وہی ذاتِ مجرد ہے جو اپنی ذات سے بغیر کسی وجہ و اعتبار کے اپنی مطلوب و معروف ذات کی جانب متوجہ ہے۔ اور ہم نے جو یہ کہا ہے کہ گنہ (حقیقت) سے مراد ذاتِ مجرد ہے، یہ اس لیے کہا ہے کہ شے کی حقیقت وہ ہے جو شے کے سب وجوہات و اعتبارات کے ماوراء ہے اور شے کی ذات بھی وہی ہے جو شے کے تمام وجوہات و اعتبارات کے ماوراء ہے۔ کیونکہ شے کے وجوہات و اعتبارات میں سے جو کچھ بھی اعتبار کیا جائے تو شے کی ذات ان تمام سے ماوراء ہے۔ مرتبہ ذات میں کسی امر کے اثبات کی گنجائش نہیں ہے اور جو کچھ وہاں ثابت کیا جائے گا وہ وجوہات و اعتبارات میں داخل ہے اور ذات اس کے ماوراء الراء ہے۔ نفی و سلب کے علاوہ کوئی امر اس مقام میں متصور نہیں ہے۔ اگر امتیاز کے ساتھ علم ہے تو بھی وہاں سلب کے ساتھ ہے اور اگر تعبیر اور تفسیر ہے تو بھی سلب سے ہے۔ ہر وہ چیز جس میں اثبات کی گنجائش نہ ہو اور وہ سلب کے بغیر تعبیر میں نہ آئے، وہ بے مثلی سے نصیب رکھتی ہے اور نامعلوم کیفیت والی ہے اور جو توجہ مرتبہ ذات میں ثابت کی جاتی ہے، وہ متوجہ کی عین ذات ہوگی، نہ کہ ذات کی وجہ و اعتبار۔ کیونکہ سب وجوہات و اعتبارات اس مرتبہ میں منفی ہو گئے ہیں اور ایک ذات کے سوا کچھ بھی نہیں رہا۔ پس ناچار وہ توجہ جو کہ عین ذات ہے، وہ بھی بے مثلی سے ایک نصیب رکھے گی۔ لہذا ثابت ہوا کہ توجہ اور متوجہ بھی متوجہ الیہ کی مانند بے مثل ہوں گے۔ اگرچہ ایک بے مثل سے دوسرے بے مثل تک بڑا فرق ہے:

ع مَا لِلتُّرَابِ وَرَبِّ الْأَرَبَابِ

یعنی: خاک کو عالمِ پاک کے ساتھ کیا نسبت ہے۔

لہذا توجہ اور متوجہ میں بے مثلی سے ایک حصہ ثابت کیا گیا ہے، کیونکہ بے مثل حقیقی ہی متوجہ الیہ ہے۔ اور جب ممکن کی ذات اور گنہ (حقیقت) نامعلوم کیفیت والی اور بے مثل ہو اور کچھ بھی ثابت نہ ہو تو پھر واجب تعالیٰ کی ذات، جو لطافت اور تقدس و تنزہ میں کمال رکھتی ہے، وہ کس طرح ادراک میں آسکتی ہے اور اس کا کون سا حاصل ہاتھ آسکتا ہے:

آگہ از خویشتن چو نیست جنین چہ خبر دارد از چنانا و چنین
یعنی: پیٹ کا بچہ جب اپنے آپ کی خبر نہیں رکھتا تو وہ اس طرح اور اس طرح کی کیا خبر رکھے گا۔
اس سب مہربانوں سے بڑے مہربان (باری تعالیٰ) نے شفقت و مہربانی کے کمال سے ممکن کو، جو کہ سراسر مثل ہے،
بے مثلی سے ایک حصہ عطا فرمایا، تاکہ وہ بے مثل حقیقی سے آگاہی پیدا کر لے اور اس کے ساتھ گرفتاری حاصل کر لے:

ع وَ لِلْأَرْضِ مِنْ كَأْسِ الْكِرَامِ نَصِيبٌ

یعنی: اور کریم لوگوں کے پیالے سے زمین کو بھی حصہ نصیب ہوتا ہے۔

جن لوگوں نے ذات کی گُنہ (حقیقت) کی معرفت کو محال کہا ہے، (یہ) متعارف معرفت ہوگی جو کہ عالم کیف و مثل
میں سے ہے اور اس کا تعلق بے مثل کے ساتھ محال ہے۔ لیکن جو امر عالم بے مثل میں سے ہو اور بے مثل کے اتصال سے
بے مثل کے ساتھ واصل ہو جائے اور اس دولتِ عظمیٰ سے ایک حصہ حاصل کر لے۔ (یہ) کیوں محال ہوگا۔
مَعْرِفَةُ غَرِيبَةٍ وَمَسْئَلَةُ عَجِيبَةٍ فَلَمَّا ظَهَرَ إِلَى الْإِنِّ مِنْ أَهْلِ الْكُشْفِ.

یعنی: (یہ) ایک انتہائی عجیب معرفت ہے اور غریب مسئلہ ہے جو آج تک اہل کشف و عرفان پر بہت کم ظاہر ہوا ہے۔
یہ ذات مجرد جو بے مثلی سے ایک حصہ رکھتی ہے اور تفصیل کے ساتھ بیان ہوئی ہے، یہ اس کامل معرفت والے عارف
کے ساتھ مخصوص ہے جو حضرت ذات مجرد تعالیٰ و تقدس سے واصل ہو گیا ہے اور اس نے اس بلند درجہ میں ایک فنا اور ایک بقا
حاصل کر لی ہے اور یہ دولت بھی اس ذات کی بقا کا ایک اثر ہے۔ تمام ممکنات، جو کہ اس عارف کے علاوہ ہیں، ان کو ذات سے
کچھ نصیب نہیں ہوتا اور اصلاً ایسی ذات نہیں رکھتے کہ جس سے ان کی صفات قائم ہوں۔ ان کا تمام وجود اسماء و صفات کے
ظلال ہیں اور شیون و اعتبارات کے عکس ہیں جو اپنی اصل سے قائم ہیں، جو کہ اسماء و صفات ہی ہیں، نہ کہ کسی ایسے امر سے جس
کو ذات سے تعبیر کیا جاتا ہو۔ انسان کے سات لطائف، جو کہ سب ممکنات میں سے جامع ترین ہیں، خواہ وہ خفی ہے اور اخفی
ہے، سب صفات ہی کا اثر ہیں اور انسان کے جسمانی و روحانی لطائف ذات تعالیٰ و تقدس کے اسماء و صفات کے عکس ہیں، لیکن
اس میں نفس ذات کو تیار و آمادہ نہیں فرمایا گیا اور ان کو اس ذات کے ساتھ قیام نہیں بخشا گیا۔

سوال: جب اسماء و صفات کا قیام خود بخود نہیں ہے، بلکہ ان کا قیام ذات تعالیٰ و تقدس کے ساتھ ہے تو پھر دوسری چیز ان
کے ساتھ کیسے قائم ہو سکتی ہے؟

جواب: میں کہتا ہوں کہ دوسری چیز ان کے ساتھ اس وقت قائم نہیں ہو سکتی جب وہ موجود ہو اور اگر اس دوسری چیز نے
مرتبہ و ہم میں ثبوت و قرار پیدا کر لیا ہو تو پھر وہ ان کے ساتھ کیونکر قائم نہیں ہو سکتی، کیونکہ وہ انتہائی ضعیف ہے۔
اور ہم نے جو یہ کہا ہے اور لکھا ہے کہ ممکن کی ذات عدم ہے۔ یہ اس صورت میں ہے کہ جیسے کہیں کہ ممکن کی کوئی ذات
نہیں ہے: ذَاتُهُ عَدَمٌ وَلَا ذَاتٌ لَهُ. یعنی: اس کی ذات عدم ہے اور اس کی کوئی ذات نہیں۔

دونوں کے معنی ایک ہی ہیں۔ اگرچہ فلسفیانہ تحقیق ان دونوں کے مفہوم کے درمیان فرق پیدا کرتی ہے، لیکن اس کا کوئی
فائدہ نہیں اور درحقیقت ان کا مرجع ایک ہی ہے۔ عدم جب اپنے لیے نہیں ہے تو وہ دوسروں کے کس کام آ سکتا ہے۔ وہ خود کو

نہیں اٹھا سکتا تو دوسروں کو کس طرح اٹھا سکتا ہے۔

اس بحث کی تحقیق یہ ہے کہ چونکہ اسماء و صفات کے عکس عدم کے آئینے میں ظاہر ہوئے ہیں، لہذا ظاہری طور پر ان کا قیام اس آئینے میں نظر آتا ہے اور وہ آئینہ ان کی ذات کی مانند، ان کے قیام کے اعتبار سے خیال میں آتا ہے، لیکن درحقیقت ان کا قیام اپنے اصول کے ساتھ ہے، آئینے سے ان کا کوئی تعلق نہیں اور وہم کے علاوہ ان کو عدم کے آئینے کے ساتھ کوئی کام نہیں ہے۔ لہذا اس آئینے کے جوہر ہونے یا ذات ہونے کی یہاں کیا گنجائش ہے۔ عدم عرض ہونے کی قابلیت نہیں رکھتا، وہ جو ہر کس طرح ہو سکتا ہے۔

یہ کامل معرفت والا عارف جو حضرت ذات تعالیٰ و تقدس کے مرتبہ سے واصل ہے اور اس نے ذات کے ساتھ بقا پالی ہے اور ہر وقت (ملک) مغرب کے عنقا کا حکم رکھتا ہے، کیونکہ وہ گرامی وجود اور نادر و کمیاب ہے۔ فنا و بقا کے بعد اسے ایک ایسی ذات کرامت فرمائی گئی ہے کہ اسماء و صفات کے یہ ظلال و عکس جو اس کی حقیقت ہیں، ان کا قیام اس ذات کے ساتھ ہے، جیسا کہ ان کے اصول جو کہ اسماء ہیں، کا قیام حضرت ذات تعالیٰ کے ساتھ ہے۔ ان اسماء کے ظلال کا قیام اس ذات کے پرتو سے ہے جو عارف کو عطا فرمائی گئی ہے۔ لہذا یہ عارف جو ہر و عرض سے مرکب ہے اور ممکن کے باقی تمام افراد صرف اعراض ہوتے ہیں، جن میں جو ہریت کی کوئی آمیزش نہیں ہوتی۔ صاحب فتوحاتِ مکیہ نے خوب کہا ہے کہ عالم عین واحد میں اعراض کا مجموعہ ہے، یعنی اعراض کا مجتمعہ (انبار) ہے جو ذات واحد کے ساتھ قیام رکھتا ہے۔ لیکن شیخ (محی الدین ابن العربی) قدس سرہ دو نکتے یہاں بھول گئے ہیں۔ ایک یہ کہ عارف کامل کو اس حکم سے مستثنیٰ نہیں فرمایا گیا۔ دوسرا یہ کہ اس کا قیام ذات احد تعالیٰ کے ساتھ رکھا ہے، جبکہ اس کا قیام اپنی اصل کے ساتھ ہے جو کہ اسماء و صفات ہیں، نہ کہ ذات تعالیٰ کے ساتھ ہے۔ اگرچہ اسماء و صفات کا قیام ذات کے ساتھ ہے، کیونکہ حضرت ذات کو عالم کے ساتھ ذاتی استغناء ہے، عالم کا قیام اس بلند درجہ کے ساتھ کیسے ہو سکتا ہے اور عالم کیا ہے جو اس درجہ عالی کے ساتھ قیام کی ہوس رکھے:

ما تماشا کنان کو تہ دست تو درخت بلند و بالائی

یعنی: ہم تماشا دیکھنے والے کوتاہ دست ہیں (اور) تو ایک بلند و بالا درخت ہے۔

اس عارف کا معاملہ عالم سے الگ ہے اور اس کا حکم عالم کے احکام سے مستثنیٰ ہے۔ اس نے الْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ^(۱) (یعنی: آدمی اس کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت کرتا ہے) کے حکم سے ذاتی محبت کے ساتھ اپنے اصل سے گزر کر اپنے اصل اصول سے معیت پیدا کر لی ہے اور خود کو اس اصل اصول میں فانی کر دیا ہے۔ سب کریموں سے زیادہ کریم نے (آیت) کریمہ: هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ (یعنی: نیکی کا بدلہ نیکی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ سورہ رحمن، ۶۰) کے تقاضا سے اس کی فنا کے بدلے میں اسے بقا عطا فرمائی ہے اور جس چیز میں وہ فانی ہوا تھا، اس کے ساتھ اسے باقی بنا دیا ہے۔ اور اپنی ذات اور اسماء و صفات کا مظہر بنایا ہے اور جامع آئینہ بنایا ہے۔ پس کاش کہ تمام افراد عالم اس عارف کی جامعیت کے مقابلے میں وہ حکم رکھتے جو مناسبت قطرہ کو دریائے محیط کے ساتھ حاصل ہے۔ کیونکہ اسماء و صفات کی حضرت ذات تعالیٰ کے مقابلے میں کوئی قدر اور مقدار نہیں ہے۔ قطرے کی بھی دریا کے مقابلے ایک قدر ہے، لیکن کہا جاسکتا ہے کہ ان کو اس کے مقابلے میں

یہ بھی حاصل نہیں ہے۔ اس جگہ سے اس عارف کے علم و معرفت اور درک و ادراک کو دوسروں کے مقابلے میں قیاس کرنا چاہیے اور اس کی عظمت اور بلندی کو اس مقام میں سمجھنا چاہیے۔ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَّشَاءُ ط وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ. (سورۃ بقرہ، ۱۰۵)

یعنی: اللہ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ خاص کر لیتا ہے اور اللہ بڑے فضل کا مالک ہے۔ اس صاحبِ دولت کو بقائے ذاتی سے مشرف کیا گیا ہے اور ایک ایسی ذات عطا کی گئی ہے کہ اس کی صفات مثلاً علم و قدرت وغیرہ اس ذات سے قائم ہیں، جس طرح کہ پہلے ان کا قیام باقی سب افراد عالم کی مانند ان کے اصول کے ساتھ تھا۔ اس کامل تر بقا کے باوجود کلمہ انا کا اطلاق، جو اس سے زائل ہو چکا تھا، وہ عود نہیں کرتا اور وہ بقا کے مراتب میں سے کسی مرتبہ میں بھی خود پر انا کا اطلاق نہیں کر سکتا، کیونکہ کامل ترین بقا اس کامل تر فنا سے متعلق ہے جس نے کلمہ انا کے اطلاق کا نشان اس سے مٹا دیا ہے اور عود کی گنجائش بھی نہیں چھوڑی۔ کیونکہ مشہور بات ہے کہ: الزَّائِلُ لَا يَعُودُ۔ یعنی: زائل ہونے والی چیز دوبارہ واپس نہیں آتی۔

اور جو چیز عود کرتی ہے، وہ زائل نہیں ہوئی، بلکہ مغلوب اور پوشیدہ ہو گئی تھی، جس نے کسی عارض کے پیش آنے پر سر نکال لیا ہے اور غالب آگئی ہے: فَإِنَّ الْمَغْلُوبَ قَدْ يَغْلِبُ۔ یعنی: کیونکہ کبھی مغلوب بھی غالب آ جاتا ہے۔ جانا چاہیے کہ حضرت ذات تعالیٰ و تقدس کے بلند مرتبہ سے اس صاحبِ دولت کے لیے حصہ مخصوص ہے جو ذات کے حصول سے باقی ہو گیا ہے اور صفات نے اس کے ساتھ قیام پالیا ہے۔ اس کے علاوہ فنا و بقا کی جو قسم بھی پیدا کرے، اس کا نصیب اسماء و صفات ہی سے ہوگا، نہ کہ ذات تعالیٰ و تقدس سے۔ اگرچہ اسماء و صفات ذات تعالیٰ سے جدا نہیں ہیں، لیکن ذات سے ایک اور چیز نصیب ہے اور صفات سے ایک دوسری شے نصیب ہے۔ اگرچہ یہی صفات سے الگ نہ ہونا ایک گروہ کو وہم میں ڈالتا ہے اور صفات کے نصیب کو ذات کا نصیب ظاہر کرتا ہے۔ لیکن ہر ایک کی علامتیں اور نشانیاں اور ہیں اور علوم و معارف الگ ہیں جو کہ اس دولتِ عظمیٰ کے پانے والوں پر مخفی نہیں ہیں۔ لیکن پوشیدہ نہ رہے کہ تجلی ذاتی اس عارف کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، بلکہ روا ہے کہ اس کے علاوہ کسی اور پر بھی تجلی ذاتی ہو، لیکن نفس ذات تعالیٰ سے نصیب حاصل نہ ہو۔ کیونکہ تجلی ایک قسم کی ظلیت طلب کرتی ہے جو مرتبہ دوم کا ظہور ہے۔ نفس ذات کا نصیب جو بیان ہوا ہے، یہ ظلیت کی آمیزش کی تاب نہیں لاسکتا اور نفس تجلی و ظہور سے بھی روپوش ہو جاتا ہے۔ ذات کا ظہور، جو صفات میں سے کسی صفت کے ساتھ موجود ہو، وہ بھی مرتبہ دوم میں ذات ہی کا ظہور ہے، لیکن تجلی ذات نہیں ہے، بلکہ وہ ذات تعالیٰ و تقدس کے اعتبارات میں سے ایک اعتبار کی تجلی ہے، کیونکہ ذات عز شائے سب اعتبارات کی جامع ہے، بلکہ سب سے منزہ ہے۔ اس طرح وہ تجلی جو اعتبارات میں سے کسی اعتبار سے ہوگی وہ تجلی ذات نہیں ہوتی۔

سوال: شیخ محی الدین ابن العربی اور ان کے تابعین قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم نے تعینِ اول کو تجلی ذات کہا ہے اور وہ تعین علمی جملی میں ظہور ذات ہے جو ذات کے اعتبارات میں سے ایک اعتبار ہے، اگرچہ وہ جامعیت رکھتا ہے؟

جواب: جو کچھ اس درویش (حضرت مجدد قدس سرہ) کا عقیدہ ہے، وہ یہ ہے کہ وہ ظہور علمی جملی جس کو تعینِ اول سے

تعبیر کیا گیا ہے، وہ بھی تجلی ذات نہیں ہے، کیونکہ یہ ذات کے شیونات میں سے ایک شان سے ماخوذ ہے اور تجلی ذات سب شیون و اعتبارات کی جامع ہے، بلکہ تمام شیون و اعتبارات سے بالاتر ہیں۔ اس جگہ میں علم کا اعتبار ان سب ذاتی اعتبارات کی مانند ہے جن کے وصول کا ہاتھ اس مرتبہ مقدسہ کے دامنِ غنا سے کوتاہ ہے۔ اگر یہ کہیں کہ مرتبہ دوم میں ظہور علم پر منحصر ہے، کیونکہ خارج میں نفس ذات تعالیٰ ہے، لہذا اس کا ظہور مرتبہ دوم میں علم کے خانہ میں ہوگا، کیونکہ ظہور یا تو علم میں ہے یا خارج میں ہے۔ تیسری شق واضح نہیں ہوئی ہے، تاکہ وہاں ظہور ثابت کیا جائے۔ میں کہتا ہوں کہ قادر جس نے شانِ علم کے ساتھ، جو کہ ذات کے اعتبارات میں سے ایک اعتبار ہے، ظہور فرمایا ہے، وہ اس چیز پر بھی قادر ہے کہ اس طرح ظہور فرمائے کہ ظہور علم کا اعتبار اس ظہور جامع کا بعض حصہ ہو، بلکہ وہ اس طور سے ظہور کرے کہ وہاں علم کے اعتبار اور باقی سب اعتبارات کی گنجائش ہی نہ ہو اور یہ ظہور جامع کا مرتبہ، مرتبہ خارج اور مرتبہ علم سے، جو کہ خارج کا ظل ہے، بالاتر ہو اور علم سے کوئی کام نہ رکھتا ہو اور تجلی ذات کو تعین علم میں قید کرنا دریا کو کوزے میں بند کرنا ہے، بلکہ پانی کو سراب میں تلاش کرنا ہے۔ ایک شاعر کہتا ہے:

کسے در صحن کاچی قلّیہ جوید اضاع العُمر فی طلبِ المَحال

یعنی: جو شخص مفلس کے صحن میں بھٹنا ہوا گوشت تلاش کرتا ہے وہ گویا محال چیز کی طلب میں عمر کو ضائع کر رہا ہے۔

ہاں! علم کا اعتبار ذات کے سب اعتبارات میں سے جامع ترین ہے، جس قدر ذات کے کمالات اس میں شامل ہیں، کسی اور اعتبار میں نہیں ہیں۔ اگر بطور مجاز ظہور علمی کو ظہور ذات کہیں اور اس پر تجلی ذات کا اطلاق کریں تو اس کی گنجائش ہے۔ اگرچہ (یہ چیز) ان کے اطلاقات سے بعید ہے اور ان کے ذوق سے بھی دور ہے۔ کَمَا لَا يَخْفَى فِي كَلَامِهِمْ۔ یعنی: جیسا کہ ان کے کلام میں نگاہ کرنے والے پر مخفی نہیں ہے۔

سوال: شیخ محی الدین ابن العربی قدس سرہ نے آخرت کی رویت کو لطیفہ جامعہ مثالیہ کی صورت میں مقرر کیا ہے۔ اس

مسئلہ میں تمہارا عقیدہ کیا ہے؟

جواب: صورت جامعہ مذکورہ کی رویت، حق جل و علا کی رویت نہیں ہے، بلکہ یہ حق سبحانہ کے کمالات کے مظاہر میں سے ایک مظہر کی رویت ہے، جس نے عالم مثال میں حصول پیدا کر لیا ہے:

يَرَاهُ الْمُؤْمِنُونَ بِغَيْرِ كَيْفٍ وَإِذْرَاكِ وَضَرْبٍ مِّنْ مِّثَالٍ

یعنی: مومن (بہشت) میں اللہ تعالیٰ کو بے کیف و ادراک اور بے شبہ و بے مثال دیکھیں گے۔

حق سبحانہ کی رویت کو ایک صورت کی رویت قرار دینا درحقیقت حق جل و علا کی رویت کی نفی کرنا ہے۔ اسی طرح جو صورت عالم مثال میں حاصل ہوتی ہے، خواہ وہ کتنی جامع ہو تو بھی عالم مثال کے اندازہ سے ہوگی اور عالم مثال جس قدر بھی وسعت رکھتا ہے، وہ حق تعالیٰ کے پیدا کیے ہوئے عالموں سے ایک عالم ہے۔ لہذا اس صورت کی جامعیت جو کہ اس میں ہو، کیا گنجائش رکھتی ہے کہ وہ تمام کمالات و جوہر ذاتیہ کی جامع ہو اور سب کو ضبط کرے، تاکہ اس مرتبہ مقدسہ کا آئینہ بن جائے اور اس کی رویت حق تعالیٰ کی رویت ہو جائے۔

جب صفتِ علم، جو کہ صفات و جوہر میں سے ہے اور سب صفات ذاتیہ میں سے جامع ترین ہے، وہ گنجائش نہیں رکھتی

کہ تمام صفات و اعتبارات ذاتیہ کی جامع ہو۔ جیسا کہ اس کی تحقیق اوپر گزر چکی ہے، تو پھر عالم مثال جو کہ ممکن اور مخلوق ہے، کیسے ہو سکتا ہے کہ تمام کمالات و جویہ کی ایک جامع صورت اس میں (ظاہر) ہو اور اگر بالفرض اور اندازہ لگاتے ہوئے میں اس کو جامع بھی کہوں تو بھی یہ اس مرتبہ مقدسہ کے ظلال میں سے ایک ظل ہی ہوگی اور ظل کی رویت درحقیقت اصل کی رویت نہیں ہوتی۔

مخبر صادق (حضرت محمد مصطفیٰ) علیہ و آلہ الصلوٰۃ والسلام نے آخرت کی رویت کی تشبیہ چودھویں کے چاند سے فرمائی ہے اور کوئی پردہ نہیں چھوڑا۔

ظل کی رویت پانی کے لگن میں چاند کو دیکھنے کی مانند ہے جس کو بلند فطرت والے حضرات پسند نہیں کرتے۔ بس اتنی بات سمجھ میں آتی ہے کہ ہو سکتا ہے کہ اس مرتبہ مقدسہ کا ظہور خانہ علم کے باہر حاصل ہو جائے اور مرتبہ خارج کے ظل میں ثبوت پیدا کر لے، جیسا کہ (اوپر) بیان ہوا ہے۔ اس ظہور جامع کا خانہ علم میں ایک جامع ظل ہے جس کی تعبیر تعینِ اوّل سے کرتے ہیں اس جامع ظل کا ایک اور جامع ظل عالم مثال میں ہے جو ظل جامع علمی کی آئینہ داری کرتا ہے اور یہ ظل جامع مثالی جو کہ لطیفہ کی صورت میں عالم مثال میں ظاہر ہوتا ہے، انسانی صورت میں موجود ہے جو کہ مخلوقات میں سب سے زیادہ جامع ہے:

إِنَّ اللَّهَ خَلَقَ آدَمَ عَلَى صُورَتِهِ. (یعنی: بیشک اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا فرمایا۔)

ممکن ہے کہ (یہ ارشاد) اسی اعتبار سے ہوا ہو، لیکن حق جل و علا کی رویت وہ ہے جو ظہورات اور صورتوں سے بالاتر ہے اور وہ عالم بے کیف و بے مثل میں سے ہے۔ آخرت کی رویت پر ایمان لانا چاہیے اور کسی کیف اور کتنا اور کیسے میں نہ پڑھنا چاہیے۔ آخرت کے خلق اور وجود کو دنیا کے خلق اور وجود سے کوئی نسبت نہیں ہے، تا کہ ایک کے احکام کو دوسرے پر قیاس کیا جا سکے۔ وہاں کی آنکھ اور ہے اور وہاں کا فہم و ادراک اور ہے۔ اس کے لیے ابدی دوام ہے اور اس کے پیچھے زوال و فنا لگا ہے۔ اسے سراسر نظافت و لطافت حاصل ہے اور اس کو خبث و کثافت۔ شیخ (محی الدین ابن العربی) قدس سرہ خانہ علم کے باہر حق جل و علا کے لیے کوئی ظہور ثابت نہیں کرتے اور جلوہ گاہ اور مظاہر کے علاوہ شہود و مشاہدہ اور رویت تجویز نہیں کرتے:

ع آں ایشانند و من چنینم یارب

یعنی: وہ ایسے ہیں اور میں ایسا ہوں یارب!

کیا کیا جائے کہ اس میدان میں شیخ (محی الدین ابن العربی) قدس سرہ ہی ہیں کہ جن کے ساتھ کبھی جنگ ہے اور کبھی صلح ہے، کیونکہ انہوں نے ہی معرفت و عرفان کی گفتگو کی بنیاد رکھی ہے اور اس کو شرح و تفصیل بخشی ہے۔ وہی ہیں جنہوں نے توحید و اتحاد کے بارے میں مفصل گفتگو کی ہے اور تعدد و کثرت کا منشا بیان فرمایا ہے۔ نیز وہی ہیں جنہوں نے وجود کو مکمل طور پر حق جل و علا کی جانب منسوب کیا ہے اور عالم کو موہوم اور متخیل قرار دیا ہے اور وہی ہیں جنہوں نے وجود کے لیے تنزلات ثابت کیے ہیں اور ہر مرتبہ کے احکام کو الگ کیا ہے۔ نیز وہی ہیں جنہوں نے عالم کو عین حق جل شانہ جانا ہے اور ”ہمہ اوست“ (سب کچھ وہی ہے) کہا ہے اور اس کے باوجود انہوں نے حق سبحانہ کے مرتبہ تنزیہ کو عالم سے وراء الوراہ سمجھا ہے اور سب کی دید و دانش سے حق سبحانہ کو منزہ اور پاک جانا ہے۔ جو مشائخ شیخ (محی الدین ابن العربی) قدس سرہ سے پہلے ہیں، اگر انہوں نے

اس بارے میں گفتگو کی ہے تو اشارہ و رموز سے کی ہے اور اس کی شرح و تفصیل میں نہیں پڑے ہیں۔ اس گروہ (صوفیہ) کے جو لوگ شیخ (محی الدین ابن العربی قدس سرہ) کے بعد آئے ہیں، ان میں سے اکثر نے شیخ (قدس سرہ) کی تقلید اختیار کی ہے اور ان کی اصطلاح کے مطابق گفتگو کی ہے۔ ہم عاجزوں نے بھی ان بزرگوار (شیخ قدس سرہ) کی برکات سے فیض حاصل کیے ہیں اور ان کے علوم و معارف سے فائدے حاصل کیے ہیں۔ جَزَاهُ اللَّهُ سُبْحَانَهُ عَنَّا خَيْرَ الْجَزَاءِ۔

یعنی: اللہ سبحانہ ہماری طرف سے ان کو جزائے خیر دے۔

مختصر یہ کہ چونکہ بشریت کی رو سے خطا و صواب کے گمان و مقام ایک دوسرے کے ساتھ ملے جلتے ہیں اور انسان احکام میں کبھی خطا کار ہے اور کبھی صحیح کام کرنے والا ہوتا ہے، لہذا یقیناً ہمیں اہل حق کے سوا اعظم کے احکام کی موافقت کو صواب کا مصداق بنانا چاہیے اور ان کی مخالفت کو خطا کی دلیل سمجھنا چاہیے، خواہ کہنے والا کوئی ہو اور جو کچھ بھی کہا جائے۔ مخبر صادق علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے: عَلَيكُمْ بِالسَّوَادِ الْأَعْظَمِ۔^(۳)

یعنی: تم پر (اہل اسلام) کے بڑے گروہ کی تابعداری لازم ہے۔

نیز مقررہ قاعدہ ہے کہ صنعت (پیشہ) کی تکمیل افکار کے ملاپ اور نظری اختلاف پر موقوف ہے۔ اگرچہ کہا جاسکتا ہے کہ سیبویہ علم نحو کے احکام کا بانی ہے، لیکن نحو نے متاخرین کے افکار کے ملاپ اور ان کے نظری اختلاف سے جو کمال و پاکیزگی پیدا کر لی ہے، وہ ایک دوسری چیز ہے اور اس نے ایک اور زیب و زینت حاصل کر لی ہے۔ کہا جاسکتا ہے کہ وہ ایک اور قسم کا بن گیا ہے اور اس نے الگ احکام حاصل کر لیے ہیں۔

رَبَّنَا آتِنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً وَهَيِّءْ لَنَا مِنْ أَمْرِنَا رَشَدًا۔ (سورۃ کہف، ۱۰)

یعنی: اے ہمارے پروردگار! ہم پر اپنے ہاں سے رحمت نازل فرما اور ہمارے کام میں درستی (کے سامان) مہیا کر۔
والسلام۔

مکتوب نمبر (۸۰)

یہ بھی حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد معصوم سلمہ اللہ سبحانہ کو تحریر فرمایا۔ عارف کو بخشی ہوئی ذات کی جانب چیزوں کے منسوب ہونے (کے بیان) میں۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هَدَانَا لِهَذَا قَفْ وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا أَنْ هَدَانَا اللَّهُ ج لَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ۔
(سورۃ اعراف، ۴۳) عَلَيهِمُ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيمَاتُ۔

یعنی: اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جس نے ہمیں اس طرف کا راستہ دکھایا۔ اگر وہ ہم کو ہدایت نہ بخشا تو ہم ہرگز راستہ نہ پاتے۔
بیشک ہمارے پروردگار کے رسول (علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات) حق کے ساتھ آئے ہیں۔

ہر ظل کے لیے اپنے اصل کی جانب ایک شاہراہ ہے اور کوئی کانٹا اور تنکا ان کے درمیان حائل نہیں ہے۔ اگر کوئی کانٹا اور تنکا ہے تو وہ اس کا اپنی طرف متوجہ ہونا ہے اور اصل سے روگردانی کرنا ہے۔ اور ظل تو صرف اصل کا امانت دار ہے، کیونکہ وہ وجود اور توابع وجود کے حسن و کمال میں سے جو کچھ بھی رکھتا ہے، وہ اصل ہی سے مستفاد ہے۔ شاید عدم ہے جو اس کو اصل کے

توسط کے بغیر نصیب ہوا ہوا اور وہ محض لاشے ہے اور صرف اعتبار ہے۔ اس ظل نے کمال نادانی سے اپنی اصل کو بھلا دیا ہے اور اس کی امانتوں کو اپنی طرف سے خیال کر لیا ہے اور اس نے امانت میں خیانت کی ہے اور باوجود اس ذاتی نقص کے جو وہ عدم سے رکھتا ہے، اس نے خود کو اچھا اور کامل سمجھ رکھا ہے۔ لیکن باوجود اپنی طرف متوجہ ہونے اور اصل سے روگردانی کرنے کے اس میں اپنے اصل کی محبت اور اس کا طبعی میلان موجود ہے، وہ اس کو سمجھے یا نہ سمجھے۔ بلکہ جو محبت وہ اپنے ساتھ رکھتا ہے، وہی محبت درحقیقت اصل سے متعلق ہے۔ کیونکہ جو حسن و کمال محبت سے متعلق ہے، وہ اصل ہی سے ہے، نہ کہ اس کی طرف سے۔ اس لیے کہ وہ عدم اور اپنے نقص کے علاوہ اپنی طرف سے کوئی ایسی چیز نہیں رکھتا جس سے محبت کا تعلق ہو سکے۔ جیسا کہ ایک سے زیادہ بار تحقیق ہو چکی ہے۔ جب اللہ جل سلطانہ کے کرم سے خود بینی کا یہ مرض اس سے زائل ہو جاتا ہے اور جو جہل مرکب وہ رکھتا تھا، اس سے باز آ جاتا ہے اور امانت کو اہل امانت کی طرف سے سمجھتا ہے اور جو توجہ وہ اپنی طرف رکھتا تھا، اس کی بجائے خود سے روگردانی پیدا کر لیتا ہے اور اصل سے جو روگردانی رکھتا تھا، وہ اس کی طرف متوجہ ہونے میں بدل جاتی ہے، تو اس وقت سعادت کی ڈوری اس کے ہاتھ میں آ جاتی ہے اور اصل کے وصول ہونے کی امید حاصل ہو جاتی ہے۔

مختصر یہ کہ چونکہ عالم واجب تعالیٰ کے اسماء و صفات کے ظلال ہیں تو اس کے اصول بھی اسماء و صفات ہی ہوں گے اور یہ ظلال اعراض ہیں جن کا قیام اپنے اصول کے ساتھ ہے جو اسماء و صفات ہیں اور ان کے درمیان کوئی جوہر نہیں ہے کہ جس کے ساتھ وہ قائم ہوں۔ معتزلہ میں سے ”نظام“ نے: اِنَّ الْكَذُّوبَ قَدْ يَصْدُقُ (یعنی: جھوٹا بھی کبھی سچ کہہ دیتا ہے) کی رو سے اس راز سے آگاہ ہو کر کہا ہے کہ ”عالم سارے کا سارا اعراض ہے اور ان کے درمیان کوئی جوہر نہیں ہے جس سے وہ قائم ہوں۔“ لیکن اس نے خطا کی ہے کہ ان اعراض کے قیام کو (ان کے اپنے) نفوس کے ساتھ کہا ہے اور ان کے اصول سے غافل رہا ہے جن کے ساتھ وہ قیام رکھتے ہیں۔

صوفیہ میں سے شیخ محی الدین ابن العربی قدس سرہ نے عالم کو اعراض کا مجتمعہ (انبار) فرمایا ہے اور ان کا قیام ذات حق جل و علا کے ساتھ کہا ہے، نہ کہ اسماء و صفات کے ساتھ جو ان کے اصول ہیں۔ فَيَا لَيْتَ شِعْرِي مَا مَعْنَى الْقِيَامِ بِالذَّاتِ الْمُجَرَّدَةِ عَنْ جَمِيعِ الْوُجُوهِ وَالْإِعْتِبَارَاتِ وَلَا مَعْنَى لِلْقِيَامِ ثُمَّ إِلَّا الْإِخْتِصَاصُ النَّاعِي وَلَا نَعْتَ ثُمَّ فَلَا قِيَامَ وَأَيْضًا اِنَّ الْقِيَامَ مِنْ جُمْلَةِ الْوُجُوهِ وَالْإِعْتِبَارَاتِ الْمَنْفِيَةِ فَلَا مَعْنَى لِإِثْبَاتِهِ فِي تِلْكَ الْمَرْتَبَةِ الْمُقَدَّسَةِ. یعنی: کاش میں جانتا کہ تمام وجوہ و اعتبارات سے مجرد ذات کے ساتھ قیام کے کیا معنی ہیں؟ حالانکہ وہاں اختصاص ناعت کے سوا قیام کے کچھ معنی نہیں، لیکن نہ وہاں نعت ہے، نہ قیام اور نیز وجوہ و اعتبارات منفیہ کی قسم سے ہے، اس لیے اس مرتبہ مقدسہ میں اس کا ثابت کرنا بے معنی ہے۔

چونکہ افراد عالم اسماء و صفات کے ظلال ہیں۔ لہذا ان کا وصول بھی ان کے اصول سے ہوگا، جو کہ اسماء و صفات ہیں۔ اگر وہ اصول کے اصول تک بھی جا پہنچیں تو بھی ذات مجرد مقدس تک منتہی ہوں گے اور اس سے آگے نہیں گزر سکیں گے تو اصالت کو بھی وہاں کوئی گنجائش نہیں ہے، کیونکہ وہاں سب چیزوں سے غنائے ذاتی ہے، خواہ اسم ہو اور خواہ صفت، اور خواہ شان ہو اور خواہ اعتبار ہو۔ پس عالم کو حضرت ذات تعالیٰ کے مرتبہ مقدسہ سے محرومی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا اور وصل و اتصال کی

وہاں گنجائش نہیں ہے، لیکن عادت اللہ جاری ہوئی ہے کہ اپنی رحمت اور مہربانی کے کمال سے طویل صدیوں اور بعید زمانوں کے بعد کسی صاحب دولت کو فنائے اتم کے بعد بقائے اکمل بخشے ہیں اور اس کو ذات قدس سے ایک نمونہ عطا فرماتے ہیں کہ جس طرح کہ پہلے وہ اپنی اصل کے ساتھ تھا جو کہ اسماء و صفات ہیں، اب وہ اس نمونہ کے ساتھ قائم ہوتا ہے اور ان اعراض سابقہ کا مجموعہ جو وہ رکھتا تھا اور یہ ذات موہوب (دونوں) اس کی حقیقت بن جاتی ہیں اور اس کا انسانی کمال تکمیل کو پہنچ جاتا ہے اور اس کے حق میں نعمت مکمل ہو جاتی ہے۔

میں ایک بات کہتا ہوں، تم اس کو خوب غور سے سنو کہ عارف کا قیام اس ذات موہوب کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، بلکہ تمام افراد عالم، جو کہ اعراض کا مجموعہ (انبار) ہیں، جس طرح کہ پہلے وہ اسماء و صفات کے ساتھ قیام رکھتے ہیں، اسی طرح اب ان کا قیام اس ذات موہوب کے ساتھ متعلق کر دیا گیا ہے اور اس ذات کے ساتھ سب کو قائم بنا ڈالا ہے:

ع خاص کند بندہ مصلحت عام را^(۱)

یعنی: اللہ تعالیٰ ایک بندے کو عام لوگوں کی مصلحت کے لیے خاص کر لیتا ہے۔

انسان کی خلافت کا جو راز (اس آیت) کریمہ میں بیان ہوا ہے وہ اس مقام پر ثابت ہوتا ہے کہ: اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً. (سورۃ بقرہ، ۳۰) یعنی: میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں۔

اور اس حدیث کی حقیقت اس مقام میں واضح ہوتی ہے کہ: اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِهٖ. (۲)

یعنی: بیشک اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا فرمایا۔

ہم نے جو یہ کہا ہے کہ اس کو ذات اقدس کا ایک نمونہ عطا فرماتے ہیں، یہ عبارت کے میدان کی تنگی کی وجہ سے ہے، ورنہ نمونے کی وہاں کیا گنجائش ہے اور کونسی چیز ہے جو اس کی صورت اختیار کر سکے اور یہاں صورت کی کیا مجال ہے۔

جاننا چاہیے کہ اس قسم کے بزرگ ایک زمانہ میں متعدد نہیں ہو سکتے۔ جب طویل صدیوں کے بعد اس (بزرگ) کی تعداد ایک میں بند ہے تو پھر (ایک زمانہ میں) متعدد کی صورت کیسے متصور ہو سکتی ہے۔ اگر اس قسم کی دولت کے ظہور کی مدت کا تعین کیا جائے تو شاید بہت کم لوگ اس کا یقین کریں گے۔

رَبَّنَا اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَهَيِّءْ لَنَا مِنْ اَمْرِنا رَشَدًا. (سورۃ کہف، ۱۰)

یعنی: اے ہمارے پروردگار! ہم پر اپنے ہاں سے رحمت نازل فرما اور ہمارے کام میں درستی (کے سامان) مہیا کر۔

جاننا چاہیے کہ جب ایک عارف کو ذات کے بقا سے مشرف کرتے ہیں تو وہ ذات موہوب بے مثلی رکھتی ہوگی اور تمام وجوہ و اعتبارات کے ماوراء ہوگی۔ کیونکہ جو چیز مثل ہے، وہ وجہ و اعتبار کے ساتھ مقید ہے۔ جب تک وہ بے مثل نہ ہو جائے، (اس وقت تک) وجہ و اعتبار سے رہا نہیں ہوتی۔ جو ذات بے مثلی سے نصیب رکھتی ہے، اس کے لیے بے مثل حقیقی جل شانہ کی جانب ایک شاہراہ ہے، جیسے ظل کو وجہ و اعتبار کی جانب راستہ ہے جو کہ اس کی اصل ہے، ایسے ہی ظل کی عطا فرمائی ہوئی ذات مجرد کو بھی ذات مجردہ بے مثلی کی طرف ایک شاہراہ ہے۔ یہ ذات موہوب عارف کی گُنہ (حقیقت) ہے۔ کیونکہ گُنہ (حقیقت) وہ ہے جو تمام وجوہ و اعتبارات سے ماوراء ہو اور یہ ذات سب اعتبارات سے ماوراء ہے اور عالم کے باقی افراد کے

لیے کوئی گنہ (حقیقت) نہیں ہے، کیونکہ ان کے وجود سب کے سب وجوہ و اعتبارات ہیں، اعتبارات کے علاوہ وہاں کوئی ذات نہیں ہے جس کو (حقیقت) کہا جائے۔ سو جب ان میں گنہ (حقیقت) نہیں ہے تو پھر اصل گنہ (حقیقت) سے ان کو کیا نصیب ہوگا۔ کیونکہ گنہ (حقیقت) کو گنہ (حقیقت) تک راستہ حاصل ہے اور وجہ کو گنہ (حقیقت) سے کیا مناسبت ہے۔ گنہ (حقیقت) گویا گنہ (حقیقت) کے مقابل واقع ہوئی ہے اور وجہ کو گنہ (حقیقت) سے انحراف ہے۔ لہذا یہ گنہ (حقیقت) تک کیسے پہنچے۔ وہ جس قدر زیادہ دور جاتا ہے، اسی قدر زیادہ دور چڑھتا ہے:

ترسم نرسی بکعبہ اے اعرابی کیس راہ کہ تومی روی بترکستان است (۳)

یعنی: اے بدو! مجھے ڈر ہے کہ تو کعبہ تک نہیں پہنچ سکے گا، اس لیے کہ جس راستے پر تُو چل رہا ہے یہ ترکستان جاتا ہے۔ گنہ (حقیقت) پر گنہ (حقیقت) کے مقابل ہونے کا اطلاق کرنا عبارت کے میدان کی تنگی کی وجہ سے ہے، ورنہ اس بارگاہ میں محاذات (برابری) کی کیا صورت ہے۔ لیکن بے مثل کے یہ معنی مثالی صورت میں چونکہ محاذات کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں، لہذا محاذات کا اطلاق مجاز کے طور پر کیا جاتا ہے: رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَسِينَا اَوْ اَخْطَاْنَا. (سورۃ بقرہ، ۲۸۶) یعنی: اے ہمارے پروردگار! اگر ہم سے بھول یا چوک ہوگئی ہو تو ہم سے مواخذہ نہ فرما۔

سنو، سنو! جب افراد عالم کو، جو کہ اعراض کا مجموعہ (انبار) ہیں، عارف کی ذاتِ مہبوب کے ساتھ ایک قیام پیدا ہو گیا، جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے تو پھر ان کی ایک نسبت بھی اس عارف کی ذات کے ذریعے ذاتِ اقدس جل شانہ کے ساتھ ظاہر ہو گئی اور ان (افرادِ عالم) میں سے ہر ایک کو اس مرتبہ مقدسہ کے راستے سے ایک نصیب بھی حاصل ہو گیا، کیونکہ ان کی ذات وہی عارف کی ذات ہے، گویا انہوں نے اپنی ذات کے ذریعے بے مثل ذات کے ساتھ بے مثل رابطہ پیدا کر لیا ہے۔ اس کے باوجود ذاتِ اقدس کی جانب ان کا منسوب ہونا اسی عارف کے ذریعے سے ہے، کیونکہ وہ ذاتِ درحقیقت عارف ہی کی ذات ہے۔ ایک عجیب بات سنو! جس شخص کو بذاتِ خود ذاتِ اقدس جل شانہ کے ساتھ ایک انتساب حاصل ہے اور اس کو اس مرتبہ مقدسہ میں بے مثل وصول نصیب ہے۔ یہ شخص اس مرتبہ مقدسہ سے فیوض و برکات کے حاصل کرنے میں اصالت و استقلال رکھتا ہے اور کوئی واسطہ درمیان میں نہیں ہے، کیونکہ واسطے اس مرتبہ پاک سے بہت نیچے ہیں۔ اس مقام کے واصلین میں سے ہر شخص کو اپنی استعداد کے مطابق اصالت کے طور پر حصہ نصیب ہوتا ہے۔

وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ اَعْلَمُ بِحَقَائِقِ الْاُمُوْر كُلِّهَا. یعنی: اور اللہ سبحانہ ہی تمام امور کے حقائق کو خوب جانتا ہے۔

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اَتَّبَعَ الْهُدٰی. (سورۃ طہ، ۴۷)

یعنی: اور جو شخص ہدایت کی بات مانے، اُس کو سلامتی نصیب ہو۔

مکتوب نمبر (۸۱)

خواجہ جمال الدین حسین کو تحریر فرمایا۔ ایک معاملہ کے حل اور واقعہ کی تعبیر (کے بیان) میں۔

بَعْدَ الْحَمْدِ وَالصَّلٰوةِ وَتَبْلِيغِ الدَّعَوَاتِ.

یعنی: اللہ تعالیٰ کی تعریف کرنے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجنے اور سلام و دعا پیش کرنے کے بعد۔

میرے پیارے فرزند کو معلوم ہو کہ جو مکتوب شریف انہوں نے ارسال کیا تھا، وہ پہنچا۔ چونکہ ظاہری و باطنی سلامتی و جمعیت پر مشتمل تھا، لہذا اس نے خوشی بخشی۔ جو واقعہ آپ کو پیش آیا تھا، آپ نے اس کو لکھا تھا اور اس کی تعبیر پوچھی تھی۔

آپ نے لکھا تھا کہ میں وضو کرنے لگا تھا کہ اچانک بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ گویا جان بدن سے نکل گئی اور جب ذرا افاقہ ہوا تو میں نے سورج کی مانند چمکتا ہوا ایک نور دیکھا جس نے لطافت کی زیادتی کی وجہ سے مجھے بے ہوش کر دیا تھا۔ جیسے کہ کوئی شخص ایک محبوب کو دیکھتا ہے اور اس کے جمال کے عکس میں محو ہو جاتا ہے اور اس کا کوئی نام و نشان باقی نہیں رہتا۔

میرے فرزند کو معلوم ہونا چاہیے کہ انسان سات مشہور لطائف سے مرکب ہے اور ہر لطیفہ کا ایک الگ کاروبار ہے اور احوال و مواجید بھی علیحدہ ہیں۔ اس وقت تک میرے فرزند کے احوال و اذواق کا تعلق لطیفہ قلب کے ساتھ تھا اور وہ قلب کی تلویحات سے متلون تھے۔ اب یہ پیش آنے والا مضبوط واقعہ جس نے بے ہوش کر دیا تھا، آپ کے لطیفہ روح پر اتر آیا ہے اور روح کو اپنے تصرف میں لے آیا ہے: اِنَّ الْمَلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْا اَعَزَّةَ اَهْلِهَا اَذِلَّةً۔ (سورۃ نمل، ۳۴) یعنی: بادشاہ جب کسی شہر میں داخل ہوتے ہیں تو اس کو تباہ کر دیتے ہیں اور وہاں کے عزت والوں کو ذلیل کر دیا کرتے ہیں۔

چونکہ دانش و شعور کا منشا روح ہی تھا، لہذا اس وارد (واقعہ) سے مغلوب ہو گیا اور بیہوشی شامل حال ہو گئی۔ اس وقت آپ کا کاروبار لطیفہ روح سے متعلق ہے۔ آج کے حلقہ میں ذرا سی مدد و اعانت (آپ کی) اس نسبت کی تکمیل کے لیے واقع ہوئی ہے اور اس کے اثر کا ظہور بھی مشاہدے میں آیا ہے۔ معلوم ہوا کہ اس نے ایک وسعت پیدا کر لی ہے اور سرایت کرنے میں مصروف ہے۔ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ اسے تکمیل تک پہنچائے۔

آپ نے جو دوسرا واقعہ لکھا تھا کہ ”پروین (ستارہ ثریا) اور بنات العرش (قطب شمالی کے قریب گردش کرنے والے سات سیارے) کی ملاقات اپنی منزل میں معلوم ہوئی ہے“، اس کی تعبیر بھی پہلے واقعہ کی تعبیر کے موافق ہے، کیونکہ نسبت قلبی اور نسبت روحی کے اکٹھا ہونے کو ان دو قسم کے ستاروں کی ملاقات میں دکھایا گیا ہے۔ پروین میں چونکہ ستارے منظم ہیں، لہذا ان کی مناسبت قلب کے ساتھ ہے اور بنات العرش میں چونکہ سیارے منتشر ہیں، لہذا ان کی مناسبت روح کے ساتھ ہے۔ یہ دوسرا واقعہ اگر پہلے واقعہ کے بعد ظاہر ہوا ہے تو بھی درست ہے اور اس نے دو نسبتوں کے حاصل ہونے کو اکٹھا کر دیا ہے۔ اور اگر یہ پہلے رونما ہوا ہے تو بھی درست ہے، کیونکہ اکثر یوں ہوتا ہے کہ ایک نسبت حاصل ہوتی ہے اور وہ ظاہر نہیں ہوتی۔ اس کے حاصل ہونے کو دکھایا گیا ہے اور اس کے بعد دوسرے واقعہ کے ذریعے اس کو ظاہر کیا گیا ہے۔

وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔ یعنی: اور اللہ سبحانہ ہی بہتر جانتا ہے۔

سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا۔ (سورہ بقرہ، ۳۲)

یعنی: تو پاک ہے، جتنا علم تو نے ہمیں بخشا ہے اُس کے سوا ہمیں کچھ معلوم نہیں۔

والسلام۔

مکتوب نمبر (۸۲)

حضرات مخدوم زادگان خواجہ محمد سعید اور خواجہ محمد معصوم مدظلہما کو تحریر فرمایا۔ جدائی کے درد و غم کا اظہار (اور) اس کے ساتھ بعض بشارات (کے بیان) میں۔

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰی. (سورۃ نمل، ۵۹)

یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے ان بندوں پر سلام ہو، جن کو اس نے منتخب فرمایا۔

فرزند ان گرامی ظاہری اور باطنی جمعیت کے ساتھ رہیں۔ ان سفروں اور تکلیفوں میں آپ دو پیارے فرزندوں کی جدائی کے برابر کوئی درد و غم نہیں پاتا اور کم ہی آپ کی یاد سے فارغ ہوتا ہوں۔ جس قدر منع حقیقی جل شانہ سے نعمتیں زیادہ تر پہنچ رہی ہیں، اسی قدر دور رہنے والے احباب کی یاد بھی زیادہ آ رہی ہے۔ ہر روز کے نئے حالات مسودہ میں آتے ہیں اور بیاض میں لکھے جاتے ہیں۔ لیکن جو شخص ان کا ادراک کرے، وہ کون ہو؟ اور جوان سے بہرہ مند ہو وہ کون ہو! خواجہ محمد ہاشم کا وجود بھی غنیمت ہے جو بات سمجھنے کا ذوق رکھتے ہیں اور وہ کچھ نہ کچھ لطف اندوز ہوتے ہیں۔ لیکن اس سفر اجیر میں تکلیفوں کی زیادتی سے پیچھے رہ جانے والوں کے صحیح عذر کی وجہ سے شاید ہی چند روز اور موافقت کریں۔

حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ. (آل عمران، ۱۷۳) یعنی: ہم کو اللہ کافی ہے اور وہ بہت اچھا کار ساز ہے۔

رفیق بھی بہت کم ہیں اور خوراک بھی تھوڑی ہے۔ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهُ. (سورہ زمر، ۳۶)

یعنی: کیا اللہ اپنے بندوں کو کافی نہیں۔

کیوں نہیں!

دوسرا یہ کہ تمہاری جدائی میں دکھی تھا کہ ایک رات نماز تہجد کے بعد کیا دیکھتا ہوں کہ تم دونوں بھائی ان دوستوں میں سے ایک کے ہمراہ شاہی وکیل کے پاس گئے ہو، تا کہ بادشاہ کے نوکر بنو اور تم نے نوکری کی تجویز اس وکیل کے سپرد کی ہے کہ جس کو (نوکری کے) قابل سمجھے، اسے نوکر رکھ لے اور وکیل جس کو نوکری کے لیے تجویز کرتا ہے اس کا حلیہ ایک کاغذ پر لکھ لیتا ہے اور اس کاغذ کے کنارے پر لکھتا ہے کہ نوکر رکھ لیں۔ اس وکیل نے ان تینوں میں سے تم دو (بھائیوں) کا حلیہ لکھ لیا ہے اور نوکری تجویز کر دی ہے اور اس تیسرے دوست کا حلیہ نہیں لکھا اور نوکر نہیں رکھا۔ میں تم سے پوچھتا ہوں کہ (اس وکیل نے) اس تیسرے کا حلیہ کیوں نہیں لکھا۔ تم نے کہا کہ اس (وکیل) نے حلیہ لکھتے وقت اپنے چہرے کو اس کے چہرے کے قریب کیا اور خوب ملاحظہ کیا اور کہا کہ (یہ) سیاہی رکھتا ہے، یا اس لفظ کے قریب کچھ کہا اور نہ لکھا۔ حَمْدًا لِلّٰهِ سُبْحَانَهُ (اللہ سبحانہ کا شکر ہے) کہ تم دونوں کی جانب سے دل مطمئن ہوا کہ تمہیں قبول کر لیا گیا ہے۔ لیکن اس تیسرے دوست کی طرف سے دل دکھی ہوا کہ (اس کا نام) تجویز نہ ہوا۔ کاش کہ اس کو بادشاہ کے نوکروں کی نوکری کے لیے قبول فرمالیں۔^(۱) اَلْعَاقِبَةُ الْخَيْرُ.

یعنی: انجام بخیر ہو۔

مکتوب نمبر (۸۳)

یہ بھی حضرات مخدوم زادگان کبار (حضرت خواجہ محمد سعید اور حضرت محمد معصوم) سلمہما اللہ تعالیٰ کو تحریر فرمایا۔ لشکر کی

برکات (کے بیان) میں کہ اس میں رہنا (اپنے) اختیار میں نہیں ہے۔

فرزندِ گرامی جمعیت کے ساتھ رہیں۔ لوگ ہر وقت ہماری مشقتوں کو نگاہ میں رکھتے ہیں اور اس تنگی سے (قید) خلاصی چاہتے ہیں۔ وہ نہیں سمجھتے کہ نامرادی و بے اختیاری اور ناکامی میں کس بلا کا حسن و جمال ہے؟ اور کونسی نعمت اس کے برابر ہے کہ اس آدمی کو اپنے اختیار سے بے اختیار بنا دیں اور اپنے اختیار کے ساتھ اس کو زندگی عنایت کریں اور اس کے اختیاری امور کو بھی اس کی بے اختیاری کے تابع بنا کر اسے دائرہ اختیار سے باہر لے آئیں اور کَالْمَيِّتِ فِي يَدِ الْغَسَّالِ (یعنی: جیسے کہ مردہ نہلانے والے کے ہاتھ میں ہوتا ہے) کی مانند بنا دیں۔

قید کے دنوں میں جب میں اپنی ناکامی اور بے اختیاری کا مطالعہ کرتا تھا تو عجیب لطف اندوز ہوتا تھا اور عجیب ذوق پاتا تھا۔ جی ہاں! صاحبانِ فراغت مصیبت والوں کے ذوق کو کیسے سمجھیں؟ اور اس کی بلا کے حسن کا ادراک کیسے کریں؟ بچوں کی لذت تو شرابی سے وابستہ ہے اور جس نے تلخی سے لطف اٹھایا ہے وہ شرابی کو ایک جو کے عوض بھی نہیں خریدتا:

ع مرغِ آتشِ خوارہ کے لذت شناسد دانہ را

یعنی: آگ کھانے والا پرندہ دانہ میں کب لذت پاتا ہے۔

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اتَّبَعَ الْهُدٰی. (سورۃ طہ، ۴۷)

یعنی: اور جو شخص ہدایت کی بات مانے، اُس کو سلامتی نصیب ہو۔

مکتوب نمبر (۸۴)

حافظ عبد الغفور کو تحریر فرمایا۔ اس طریقہ عالیہ کے آداب (کے بیان) میں۔

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی. (سورۃ نمل، ۵۹)

یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے ان بندوں پر سلام ہو، جن کو اس نے منتخب فرمایا۔

اس راستے کے طالب کو چاہیے کہ پہلے اپنے عقائد کو اہل حق شکرِ اللہ تعالیٰ سَعِیْہُمْ (اللہ تعالیٰ ان کی کوشش کو مشکور فرمائے) کی صائب آراء کے مطابق درست کرے اور ضروری فقہی احکام کے علم کے بعد اور اس علم کی رو سے عمل کرنے کے بعد اپنے تمام اوقات کو ذکرِ الہی جل شانہ میں مصروف رکھے۔ اس شرط کے ساتھ کہ اس ذکر کو کسی شیخِ کامل مکمل سے اخذ کیا ہو، کیونکہ ناقص سے کامل نہیں بن سکتا۔ نیز اپنے اوقات کو ذکر سے یوں معمور کرے کہ فرضوں اور موکدہ سنتوں کی ادائیگی کے علاوہ کسی چیز میں مشغول نہ ہو، حتیٰ کہ تلاوتِ قرآن اور نفلی عبادتوں کو بھی موقوف کر دے اور با وضو اور بے وضو ذکر کرے اور کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے ہوئے بھی اسی کام میں مشغول رہے اور آنے جانے اور کھانے پینے اور سونے میں ذکر سے خالی نہ رہے:

ذکر گو ذکر تا ترا جان است پاکِ دل ز ذکرِ رحمان است

یعنی: ذکر کر ذکر، جب تک تجھ میں جان ہے (کیونکہ) دل کی پاکیزگی اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ہے۔

اس طرح ہمیشہ ذکر میں مشغول ہو جائے کہ مذکور (اللہ تعالیٰ) کے علاوہ (سب کچھ) سینہ کے صحن سے نکل جائے اور

مذکور (اللہ تعالیٰ) کے ماسوا کا کوئی نام و نشان اس کے باطن میں نہ رہے۔ یہاں تک کہ وسوسہ کے طور پر بھی ماسوا اس کے دل

میں گزرنہ کرے اور اگر غیر کا وسوسہ بطور تکلف بھی دل میں گزرا ناچاہیے تو بھی اس فراموشی کی وجہ سے جو کہ مذکور (اللہ تعالیٰ) کے ماسوا کو حاصل ہوگئی ہے، یہ (چیز) میسر نہ ہو۔ یہ نسیان جو دل کو مطلوب کے علاوہ تمام ماسوا سے حاصل ہوا ہے، مطلوب کے حاصل ہونے کا پیش خیمہ ہے اور اس تک رسائی کی بشارت دینے والا ہے۔ (فقیر) مطلوب کے حاصل ہونے اور مقصود کے حقیقی وصول کے بارے میں کیا لکھے، کیونکہ وہ وراء الورا ہے:

كَيْفَ الْوُصُولُ إِلَى سَعَادَةٍ وَ دُونَهَا قُلُّ الْجِبَالِ وَ دُونَهُنَّ خُيُوفُ

یعنی: سعاد (محبوبہ) تک پہنچنا کیسے ممکن ہے؟ کیونکہ درمیان میں پہاڑ کی چوٹیاں اور خوفناک غار حائل ہیں۔

پیارے بھائی! جب آپ اللہ سبحانہ کی توفیق سے سبق کو انجام تک پہنچالیں تو پھر دوسرے سبق کی طلب کریں۔

وَاللَّهُ سُبْحَانَهُ الْمُؤَفِّقُ. یعنی: اور اللہ سبحانہ ہی توفیق بخشنے والا ہے۔

وَالسَّلَامُ عَلَى مَنْ اتَّبَعَ الْهُدَى. (سورۃ طہ، ۴۷)

یعنی: اور جو شخص ہدایت کی بات مانے، اُس کو سلامتی نصیب ہو۔

مکتوب نمبر (۸۵)

حضرات ذوی البرکات مخدوم زادگان خواجہ محمد سعید اور خواجہ محمد معصوم سلمہما اللہ کو تحریر فرمایا۔ اوقات کی حفاظت کی نصیحت

(کے بیان) میں۔

اس علاقے کے احوال و کیفیات شکر کے لائق ہیں۔ اَلْمَسْئُولُ مِنَ اللَّهِ سُبْحَانَهُ سَلَامَتُكُمْ وَاسْتِقَامَتُكُمْ

بِمَشِيئَةِ اللَّهِ سُبْحَانَهُ. یعنی: اللہ سبحانہ سے اس کی رضا کے مطابق آپ کی سلامتی اور استقامت کے لیے درخواست ہے۔

اگر اجمیر پہنچنا ہوا اور راستے کی ان شدید تکلیفوں اور سخت گرمی سے کچھ نجات میسر ہوئی تو آپ کو لکھوں گا اور بلاؤں گا۔

ان شاء اللہ تعالیٰ۔

جمعیت (اطمینان) سے رہیں اور اپنی ہمت کو مولیٰ جل شانہ کی رضاؤں میں مصروف کریں، ایسا نہ ہو کہ فارغ بیٹھ

جائیں اور نفسانی لذت میں پڑ جائیں اور اپنے اہل و عیال کے ساتھ مکمل انس و محبت پیدا کر لیں اور زیادہ ضروری معاملے میں

سستی کریں، کیونکہ (اس طرح) محرومی و ندامت کے سوا کچھ شامل حال نہیں ہوگا اور کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ اس صحبت اور اس

دولت کو غنیمت سمجھیں اور اہم امور میں مصروف رہیں۔ اطلاع دینا شرط ہے۔

جو نئے معارف لکھے گئے ہیں، وہ تمہارے ایک سبق کے بعد دوسرا سبق ہیں۔ ان سے سرسری طور پر نہ گزر جائیں اور

بڑی جدوجہد سے ان کے مطالعہ میں کوشش کریں، شاید ان کے پوشیدہ اسرار کی کھڑکی کھل جائے اور سعادت کا سرمایہ بن

جائیں۔

میں نے آپ کے حق میں ایک بشارت پائی ہے جو میں نے ایک مکتوب میں لکھ کر خواجہ محمد ہاشم کے سپرد کی ہے، تاکہ

آپ کو پہنچائیں۔ امید ہے کہ حق سبحانہ و تعالیٰ اپنے کرم سے آپ کو ضائع نہیں کرے گا اور قبول فرمائے گا، لیکن ڈرتے اور

لرزتے رہیں اور کھیل و کود میں مصروف نہ ہو جائیں۔ ایسا نہ ہو کہ صحبت کی دوری کوئی اثر کر جائے۔ حضرت حق سبحانہ سے التجا و

زاری کریں اور ضرورت کے مطابق اہل حقوق سے میل جول رکھیں اور ان کی خاطر داری کریں اور خواتین خانہ کی جماعت کے ساتھ وعظ و نصیحت سے زندگی گزاریں اور ان کے حق میں امر معروف اور نہی منکر سے دریغ نہ کریں اور تمام گھر والوں کو نماز و نیکی اور شرعی احکام کی بجا آوری کا شوق دلائیں۔ فَإِنَّكُمْ مَسْئُولُونَ عَنْ رَعِيَّتِكُمْ^(۱)۔

یعنی: (حدیث کی رو سے) تم سب سے اپنی رعیت کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

حق سبحانہ و تعالیٰ نے تم کو علم دیا ہے، اس کے مطابق عمل کرنے کی توفیق بھی کرامت فرمائے اور اس پر استقامت عطا فرمائے۔ آمین۔

مکتوب نمبر (۸۶)

درویش حبیب خادم کو تحریر فرمایا۔ کرامات کے کثرت و قلت سے ظاہر ہونے کے راز (کے بیان) میں۔

جائز چیزوں کا فضول (ضرورت سے زیادہ) استعمال کرامات کے ظہور کی قلت کا موجب ہے۔ خاص کر کے فضول (ضرورت سے زیادہ) چیزوں میں بکثرت مشغول رہنا مشتبہ کی حد تک پہنچا دیتا ہے اور وہاں سے، اللہ سبحانہ کی پناہ! حرام کے قریب پہنچا دیتا ہے۔ کرامات کہاں اور خوارق کہاں؟ جس قدر مباح کے استعمال کا دائرہ زیادہ تنگ کیا جائے اور ضرورت پر اکتفا کیا جائے، کشف و کرامات زیادہ ہوں گی اور خوارق کے ظہور کا راستہ زیادہ کشادہ ہو جائے گا۔ خوارق کا ظہور نبوت کی شرط ہے، ولایت کی شرط نہیں ہے۔ کیونکہ نبوت کا اظہار واجب ہے، نہ کہ ولایت کا اظہار۔ بلکہ اس مرتبہ میں پوشیدہ رکھنا اور چھپانا زیادہ بہتر ہے۔ کیونکہ وہاں (نبوت میں) خلقت کی دعوت ہے اور یہاں (ولایت میں) حق جل شانہ کا قرب ہے۔ معلوم ہے کہ دعوت کا اظہار کرنا لازم ہے اور قرب کا پوشیدہ رکھنا مناسب ہے۔ ولی سے خوارق کا کثرت سے ظاہر ہونا اس امر کی دلیل نہیں ہے کہ وہ دوسروں سے افضل ہے کہ جن سے اس قدر خوارق ظاہر نہیں ہوئے ہیں۔ بلکہ روا ہے کہ ایک ایسا ولی ہو جس سے کوئی کرامت ہرگز ظاہر نہ ہوئی ہو اور وہ ان اولیاء سے افضل ہو جنہوں نے خوارق کا اظہار کیا ہے۔ جس طرح کہ شیخ الشیوخ (شہاب الدین سہروردی قدس سرہ) نے عوارف (المعارف) میں اس معنی کی تحقیق فرمائی ہے۔ جب انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات میں خوارق کے ظہور کی قلت و کثرت، جو کہ نبوت کی شرط ہے، افضلیت و مفضولیت کا سبب نہیں ہے تو پھر ولایت میں، جس کی یہ شرط ہی نہیں، یہ چیز افضلیت کا موجب کیوں ہوگی۔

میں خیال کرتا ہوں کہ انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کی ریاضتوں اور مجاہدوں اور اپنی جانوں پر مباح چیزوں کے استعمال کو تنگ (کم) کرنے کا اصلی مقصد خوارق کے ظہور کو حاصل کرنا یہ تھا جو ان پر واجب اور ان کی نبوت کے لیے شرط تھا، نہ کہ قرب الہی جل سلطانہ کے درجات تک وصول، کیونکہ انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات برگزیدہ (ہستیاں) ہیں جن کو جذب محبت کی کنڈی سے کھینچتے ہوئے لے جاتے ہیں اور ان کو مشقت کے بغیر قرب کے درجات تک پہنچا دیتے ہیں۔ یہ انابت و ارادت ہے جہاں ریاضتیں اور مجاہدے قرب الہی جل شانہ کے درجات تک پہنچنے کے لیے درکار ہوتے ہیں، کیونکہ یہ مریدوں کا راستہ ہے اور اجتہاد (برگزیدہ ہستیوں) کے لیے مرادوں والا راستہ ہے۔ مرید مشقت و محنت سے اپنے پاؤں کے ساتھ جاتے ہیں اور مرادوں کو ناز و نعمت کے ساتھ لے جاتے ہیں اور ان کی محنت کے بغیر ان کو قرب کے درجات تک پہنچاتے ہیں۔

جاننا چاہیے کہ ریاضتیں اور مجاہدے انابت و ارادت کے راستے کی شرط ہیں اور اجتناء (برگزیدہ ہستیوں) کے راستے میں مجاہدے شرط نہیں ہیں۔ اس کے باوجود نفع بخش اور سود مند ہیں۔ مثلاً جس شخص کو کھینچتے ہوئے لے جاتے ہیں اور وہ اس کشتی کے ساتھ اپنی کوشش و مشقت کو بھی کام میں لائے تو زیادہ جلدی مطلب تک پہنچ جاتا ہے اور زیادہ دور تک چلا جاتا ہے، بہ نسبت اُس (آدمی) کے جو اپنی کوشش کو کام میں نہ لائے۔ اگرچہ روا ہے کہ کبھی صرف کوشش ہی، جو کہ زیادہ قوی ہو، اس کشتی مرکب مذکورہ سے بہت زیادہ کام کر جائے۔ لہذا اجتناء (برگزیدہ ہستیوں) کے راستے میں کوشش اور تردد و مشقت وصول کے کمال تک پہنچنے کی شرط بھی نہیں ہے، جیسا کہ وہ نفس وصول کی شرط نہیں ہے۔ ہاں نفع کا احتمال (ضرور) رکھتی ہے، خواہ بعض مقامات میں ہو۔ ریاضتوں اور مجاہدوں کے فائدے، جن سے مراد مباح کی ضرورتوں کو کم کرنا ہے، ارباب اجتناء (برگزیدہ ہستیوں) کو بھی مذکور ہونے والے معنی کے بغیر خوب حاصل ہیں۔ مثلاً دائمی جہاد اکبر (نفس کے ساتھ جہاد) اور کمینی دنیا کی آلودگیوں سے طہارت و پاکیزگی، کیونکہ جتنی ضروری حاجتیں ہیں وہ دنیا میں داخل نہیں ہیں، اور جو فضول (غیر ضروری) ہیں وہ دنیا میں سے ہیں۔ ریاضت اور ضرورتوں میں کمی کرنے سے دوسرا فائدہ آخرت کے حساب کتاب اور مواخذہ میں کمی (آسانی حاصل) ہونا ہے، نیز آخرت کے درجات کی بلندی کا سبب بھی ہے، کیونکہ دنیا میں جس قدر محنت ہے، آخرت میں اس سے دگنی مسرت ہے۔ لہذا اس طرح انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کی ریاضتوں اور مجاہدوں کے لیے جو وجہ اور بیان ہوئی ہے، اس کے علاوہ وجوہات بھی واضح ہو گئی ہیں۔ پس واضح ہوا کہ ریاضت اور مباح ضرورتوں میں کمی کرنا اگرچہ اجتناء (برگزیدہ ہستیوں) کے راستے کی شرط نہیں ہے، لیکن اپنی ذات کی حد تک محمود اور مستحسن ہے، بلکہ مذکورہ فائدوں پر نظر کرتے ہوئے ضروری و لازم ہے۔ رَبَّنَا اٰتِنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً وَهِيَ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشْدًا۔ (سورۃ کہف، ۱۰) یعنی: اے ہمارے پروردگار! ہم پر اپنے ہاں سے رحمت نازل فرما اور ہمارے کام میں درستی (کے سامان) مہیا کر۔

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اَتَّبَعَ الْهُدٰی۔ (سورۃ طہ، ۴۷)

یعنی: اور جو شخص ہدایت کی بات مانے، اُس کو سلامتی نصیب ہو۔

مکتوب نمبر (۸۷)

مولانا صالح کولابی کو تحریر فرمایا۔ حضرت عالی (مجدد الف ثانی) مدظلہ العالی کی مرادی اور مریدی کے اسرار (کے بیان) میں۔^(۱)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ (سورۃ نمل، ۵۹)

یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے ان بندوں پر سلام ہو، جن کو اس نے منتخب فرمایا۔

میں اللہ جل و علا کا مرید بھی ہوں اور اللہ عز شانہ کی مراد بھی ہوں۔ میری ارادت کا سلسلہ اللہ تعالیٰ سے بغیر توسط کے متصل ہے اور میرا ہاتھ اللہ سبحانہ کے ہاتھ کے قائم مقام ہے۔ میری ارادت (حضرت) محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہت سے واسطوں سے ہے۔ طریقہ نقشبندیہ میں اکیس واسطے درمیان میں ہیں اور طریقہ قادریہ میں پچیس اور طریقہ چشتیہ میں ستائیس (واسطے) ہیں۔ میری جو ارادت اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے، وہ واسطے کو قبول نہیں کرتی۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوا

ہے۔ پس میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مرید بھی ہوں اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ہم پیر اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا متبع بھی ہوں۔ میں اس دولت کے دسترخوان پر اگرچہ طفلی ہوں، لیکن بن بلائے نہیں آیا ہوں اور اگرچہ تابع ہوں، لیکن اصالت سے بے بہرہ نہیں ہوں۔ اگرچہ اُمتی ہوں، لیکن دولت میں شریک ہوں۔ یہ ایسی شرکت نہیں جس سے ہمسری کا دعویٰ پیدا ہوتا ہو، کیونکہ وہ کفر ہے، بلکہ ایسی شرکت ہے جو خادم کو مخدوم سے ہے۔ جب تک مجھے طلب نہیں کیا گیا میں اس دولت کے دسترخوان پر حاضر نہیں ہوا ہوں اور جب تک چاہا نہیں گیا میں نے اس دولت کی جانب ہاتھ نہیں بڑھایا۔ اگرچہ او ایسی ہوں، لیکن اپنا مربی (تربیت کرنے والا) حاضر اور ناظر رکھتا ہوں۔ اگرچہ طریقہ نقشبندیہ میں میرے پیر (خواجہ) عبدالباقی (قدس سرہ) ہیں، لیکن میری تربیت کا کفیل خود اللہ الباقی (جل وعلا) ہے۔ میں نے اس کے فضل سے تربیت پائی ہے اور اجتباء کے راستے پر چلا ہوں۔ میرا سلسلہ رحمانی ہے، کیونکہ میں عبد الرحمن ہوں، کیونکہ میرا رب رحمن ہے اور میرا مربی (تربیت کرنے والا) ارحم الراحمین (سب مہربانوں سے بڑا مہربان) ہے اور میرا طریقہ سبحانی ہے، کیونکہ میں تنزیہ کے راستے سے گیا ہوں اور اسم و صفت سے سوائے ذات اقدس تعالیٰ کے کچھ نہیں چاہا۔ یہ سبحانی وہ سبحانی نہیں ہے جس کے قائل (بازید) بسطامی (قدس سرہ) ہوئے ہیں، کیونکہ اس کو اس سے کوئی تعلق نہیں ہے کہ وہ انفس کے دائرے سے باہر نہیں آیا اور یہ انفس و آفاق کے دائرہ سے ماوراء ہے اور وہ تشبیہ ہے جس نے تنزیہ کا لباس پہنا ہے اور یہ تنزیہ ہے جس تک تشبیہ کی کوئی یونہی پہنچی اور اس نے سکر (مستی) کے سرچشمہ سے جوش مارا ہے اور یہ عین صحو (ہوش) سے نکلا ہے۔ ارحم الراحمین (سب مہربانوں سے زیادہ مہربان) نے میرے حق میں تربیت کے اسباب کو موقوف علیہ نہیں رکھا اور میری تربیت میں اپنے فضل کے سوا کسی اور چیز کو علتِ فاعلی نہیں بنایا۔ اپنے کرم کے کمال سے اس اہتمام اور غیرت کی وجہ سے جو کہ حق تعالیٰ و تقدس میرے حق میں رکھتا ہے، وہ پسند نہیں فرماتا کہ میری تربیت میں کسی دوسرے کے فعل کا کوئی دخل ہو یا میں اس چیز میں کسی دوسرے کی جانب متوجہ ہوں۔ میں اللہ جل شانہ کا پروردہ ہوں اور حق تعالیٰ کے بے انتہا فضل و کرم کا برگزیدہ ہوں:

ع با کریمیاں کارہا دشوار نیست

یعنی: کریم لوگوں کے لیے کام مشکل نہیں ہیں۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ ذِي الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ وَالْمِنَّةِ وَالصَّلَوةُ عَلَى رَسُولِهِ وَالتَّحِيَّةُ أَوَّلًا وَآخِرًا.

یعنی: اس بڑے جلال و اکرام والے اللہ کریم کی حمد و احسان ہے اور اس کے رسول (مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر

اول و آخر میں درود و سلام ہو۔

مکتوب نمبر (۸۸)

حضرت مخدوم زادہ عالی مرتبہ خواجہ محمد سعید سلمہ اللہ تعالیٰ کو تحریر فرمایا۔ خلیل کی غلت کے اسرار اور تعین و جودی کے اثبات

(کے بیان) میں۔

حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ جس بندے کو اپنی غلت (دوستی) کی دولت سے، جو کہ اصالت سے حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مخصوص ہے، مشرف فرماتا ہے اور ولایت ابراہیمی (علیہ السلام) سے سرفراز کرتا ہے تو اس کو اپنا

انہیں وندیم بنالیتا ہے اور انس والفت کی نسبت جو کہ خلعت کے لوازمات میں سے ہے، کو درمیان میں لے آتا ہے۔ اور جب خلعت کی وہ نسبت جس کے لوازمات انس والفت ہیں، درمیان میں آگئی تو پھر خلیل (دوست) کے اخلاق و اوصاف کی قباحت و کراہت نظر سے اٹھ گئی۔ کیونکہ اگر قباحت نظر میں رہے تو وہ نفرت اور بے الفتی کا باعث ہوگی جو اس مقام خلعت کے منافی ہے جو سراسر الفت ہے۔

سوال: خلیل کے اوصاف کی قباحت کا نظر سے اٹھنا مجاز میں تو ظاہر ہے، کیونکہ ممکن ہے کہ اس مقام میں خلعت کی نسبت غالب آجائے اور وہ خلیل کے اوصاف کی قباحت کو پوشیدہ کر دے، لیکن مرتبہ حقیقت میں کہ جہاں کسی چیز کا علم کما حقہ اپنی صورت میں ہے۔ وہاں معیوب کو غیر معیوب سمجھنا اور خلعت کی نسبت سے مغلوب ہو جانا جائز نہیں ہے؟

جواب: ہر معیوب میں حسن کی وجوہات میں سے کوئی نہ کوئی وجہ ثابت ہے۔ اس طرح ہو سکتا ہے کہ معیوب کو اس وجہ حسن کی طرف نظر کرتے ہوئے حسن سمجھے اور اس کے حسن ہونے کا حکم فرمائے۔

جاننا چاہیے کہ اگرچہ اس معیوب میں حسن مطلق پیدا نہیں ہوا، لیکن چونکہ اس کی وجہ حسن مولیٰ جل شانہ کو ملحوظ و منظور ہو گئی ہے، لہذا لازمی طور پر فَإِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْغَالِبُونَ (یعنی: تو اللہ کی جماعت ہی غلبہ پانے والی ہے۔ سورہ مائدہ، ۵۶) کے حکم سے وہ اس کی باقی سب وجوہات پر غالب آگئی ہے اور اس نے سب کو اپنے رنگ میں رنگ لیا ہے اور پسندیدہ بنالیا ہے۔ فَأُولَٰئِكَ يَبْدِلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ (سورہ فرقان، ۷۰) یعنی: تو ایسے لوگوں کے گناہوں کو اللہ نیکوں سے بدل دے گا۔

جان لیں اللہ تعالیٰ آپ کو سیدھے راستے کی ہدایت دے کہ خلعت و محبت کے درمیان عوام اور خاص کی نسبت ہے۔ خلعت عام ہے اور محبت اس کا ایک فرد کامل ہے، کیونکہ انس والفت کی زیادتی محبت ہے جو گرفتاری کا باعث بنتی ہے اور بے قراری و بے چینی لاتی ہے۔ خلعت سراسر انس والفت اور چین ہے۔ محبت ہی ہے جو گرفتاری کی صورت پیدا کر کے خلعت کے دوسرے افراد عالم سے ممتاز ہوگئی ہے اور گویا کہ دوسری جنس بن گئی ہے۔ اور جو ہر محبت نے اس امتیاز میں باقی تمام افراد خلعت سے پیدا کر لیا ہے وہ درد اور غم ہے۔ اور نفس خلعت سب عیش ہی عیش اور خوشی ہی خوشی اور انس ہی انس ہے۔ اسی وجہ سے ہو سکتا ہے کہ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے خلیل علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو دنیا میں بھی، جو کہ رنج و محنت کا گھر ہے، عمل کا اجر کرامت فرمایا ہے اور آخرت میں بھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا ہے:

وَأَتَيْنَاهُ أَجْرَهُ فِي الدُّنْيَا وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ (سورہ عنکبوت، ۲۷)

یعنی: اور ان کو دنیا میں بھی ان کا صلہ عنایت کیا اور آخرت میں بھی نیک لوگوں میں ہوں گے۔

چونکہ محبت درد اور غم کا منشا بنی ہے، لہذا جس شخص میں محبت غالب ہوگی، اس میں درد اور غم زیادہ ہوگا۔ اسی وجہ سے کہا گیا

ہے کہ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ مُتَوَاصِلَ الْحَزَنِ وَدَائِمَ الْفُكْرِ^(۱)

یعنی: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ غمگین رہتے اور ہر وقت سوچ میں رہتے تھے۔

آپ علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے: مَا أُذِيَّ نَبِيٍّ مِثْلَ مَا أُذِيْتُ^(۲)

یعنی: کسی نبی کو اتنی تکلیف نہیں پہنچی جتنی مجھے پہنچی۔

کیونکہ انسانی افراد میں سے محبت کے حاصل ہونے میں فرد کامل آپ علیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی تھے اور اگرچہ آپ علیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام محبوب ہوئے ہیں، لیکن چونکہ محبت کی نسبت درمیان میں آگئی تو محبوب بھی محبت کی مانند والہ اور گرفتار ہو گیا۔ حدیث قدسی ہے: **الْأَطَالُ شَوْقُ الْأَبْرَارِ إِلَى لِقَائِي وَأَنَا إِلَيْهِمْ لَا شَدُّ شَوْقًا**۔^(۳)

یعنی: سن لو! میرے دیدار کے لیے نیک لوگوں کا شوق بہت بڑھ گیا ہے اور میں ان سے بھی زیادہ ان کا شوق رکھتا ہوں۔

(سوال:) اس جگہ ایک مشہور سوال یہ ہے کہ شوق تو مفقود ہوتا ہے اور جب حضرت (حق) جل وعلا سے کوئی چیز مفقود

نہیں ہے تو پھر شوق کیا ہوگا اور اس شوق کا زیادہ ہونا کیا ہوگا؟

جواب: میں کہتا ہوں کہ محبت کے کمال کی آرزو دوئی کا اٹھنا اور محبت و محبوب کا اتحاد ہوتی ہے اور چونکہ یہ چیز مفقود ہے، لہذا شوق موجود ہے اور چونکہ اتحاد کی آرزو اصلی طور پر محبوب میں موجود ہے، کیونکہ محبت شاید صرف محبوب کے وصل پر ہی قناعت کرے، لہذا مجبوراً شوق کی زیادتی محبوب کی جانب ہی سے ہوگی اور ہمیشہ غمگین رہنا حبیب کی صفت ہوگی۔

سوال: اگر کہیں کہ حضرت حق سبحانہ تمام امور پر قادر ہے اور جو کچھ چاہے، وہ اسے میسر ہے۔ لہذا کوئی چیز اس کے حق میں مفقود نہیں ہوگی، تا کہ شوق متحقق ہو؟

جواب: تمنا اور چیز ہے اور اس کا ارادہ کرنا اور شے ہے۔ حق تعالیٰ کی مراد حق سبحانہ کے ارادہ کے خلاف نہیں ہوتی، لیکن ہو سکتا ہے کہ تمنا ہو اور اس کے حصول کا ارادہ نہ ہو اور اس کے وجود کو نہ چاہے:

ع در عشق چنین بوالحبیبا باشد

یعنی: عشق میں ایسی عجیب باتیں ہوتی ہیں۔

کبھی ایسے ہوتا ہے کہ عشق میں صرف مطلوب کا درد ہوتا ہے اور وصل کچھ بھی ملحوظ نہیں ہوتا، بلکہ وصل کو نہیں چاہتا اور محبوب کے اتصال سے گریزاں ہوتا ہے۔ یہ (چیز) عشق کی دیوانگیوں میں سے ہے، بلکہ عشق کے ہنروں میں سے ہے:

وَمَنْ لَمْ يَذُقْ لَمْ يَدْرِ۔^(۴) یعنی: جس نے نہیں چکھا اُس نے نہیں پایا۔

اب ہم اصل بات کی طرف آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خلعت (دوستی) بڑا بلند مقام ہے اور بہت زیادہ برکتوں والا ہے۔ عالم مجاز میں جس شخص کو بھی کسی دوسرے کے ساتھ انس و محبت اور سکون و آرام (حاصل) ہے، وہ سب (اسی) مقام خلعت کے ظلال میں سے ہے۔ جو اُلفت باپ کو بیٹے کے ساتھ ہے اور بھائی کو بھائی کے ساتھ اور عورت کو شوہر کے ساتھ ہے، یہ خلعت کی قسم سے ہے۔ اسی طرح ہر لطف و لذت اور ہر آرام جو حسین صورتوں اور خوبصورت مظاہر سے ثابت ہے، وہ مقام خلعت ہی سے ہے۔ محبت اور چیز ہے جو ایک اور منشا رکھتی ہے۔ اور اگر خلعت و انس اور اُلفت درمیان میں نہ ہو تو کوئی مرکب بھی وجود میں نہ آئے اور اس کا کوئی جز بھی دوسرے جزو کے ساتھ، بالخصوص جبکہ وہ تضاد کی نسبت رکھتا ہو، نہ ملے، بلکہ کوئی وجود بھی کسی ماہیت کے ساتھ نہ ملے، بلکہ کوئی عالم بھی واجب تعالیٰ کی ایجاد میں داخل نہ ہو۔ کیونکہ یہ محبت ہی ہے جو ایجاد کے سلسلہ کو حرکت میں لاتی ہے اور چیزوں کے وجود کا باعث بنی ہے۔ حدیث قدسی ہے کہ: **فَأَحْبَبْتُ أَنْ أُعْرِفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ**۔^(۵)

یعنی: سو میں نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں تو میں نے مخلوق کو پیدا کیا۔

اور حبِ خلعت کا فردِ کامل ہے جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا۔

لہذا اگر خلعت نہ ہوتی تو کوئی چیز بھی موجود نہ ہوتی اور کوئی چیز بھی دوسرے کے ساتھ جمع نہ ہوتی اور اُلفت نہ کرتی۔ عالم کا وجود اور اس کا نظام دونوں خلعت سے وابستہ ہیں اور اگر خلعت نہ ہوتی تو پھر وجود کی مانند نظام بھی مفقود ہوتا۔ پس خلعت ہی ایجاد کی اصل ہوئی، موجد (خالق تعالیٰ) کی جانب بھی اور موجود (مخلوق) کی طرف بھی۔ کیونکہ خلعت ہی ہے جس نے ممکن کو وجود کے قبول کرنے پر مانوس بنایا ہے اور ایجاد کی قید میں لائی ہے، بلکہ عدم نے بھی اپنے خلوت خانہ میں خلعت کی بدولت آرام پایا ہے اور اپنی نیستی کے ساتھ موافقت کی ہے، بلکہ اپنی نقیض (ضد) کے ساتھ اُلفت و انس پیدا کر کے اس کے کمالات کا آئینہ بن گیا اور ممکنات کے وجود کا واسطہ بن گیا ہے۔ اس طرح خلعت تمام چیزوں سے زیادہ مبارک ہو گئی اور اس کی برکتیں موجود اور معدوم میں شامل ہو گئیں۔

جب تم نے مقامِ خلعت کے دقیق معارف کو سمجھ لیا اور اس کی عام برکتوں کو معلوم کر لیا اور نیز یہ بھی سمجھ لیا کہ مقامِ خلعت اصالت کے طور پر حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مخصوص ہے اور اس کی ولایت، ولایتِ ابراہیمی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) ہے تو پھر جان لو کہ اب اس فقیر پر ان معارف کی برکتوں کے وسیلے سے ظاہر کیا گیا ہے کہ تعینِ اوّل حضرت وجود میں حضرت ذات تعالیٰ و تقدس کا تعین ہے اور وہ تعینِ اوّل وجودی حضرت خلیل علی نبینا وعلیہ وعلی جمیع الانبیاء و الصلوٰۃ و التحیۃ و البرکۃ کا رب ہے۔ لہذا وہ سب کے امام بنائے گئے: اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا۔ (سورۃ بقرہ، ۱۲۹) یعنی: (اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ) میں تم کو لوگوں کا پیشوا بناؤں گا۔

اور سید البشر (حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان کی ملت کی متابعت کے لیے مامور ہوئے: اَتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰہِیْمَ حَنِیْفًا۔ (سورۃ نحل، ۱۲۳) یعنی: دینِ ابراہیم کی پیروی اختیار کرو، جو ایک طرف کے ہو رہے تھے۔

اور ان (حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے بعد جو پیغمبر مبعوث ہوئے وہ ان (حضرت ابراہیم) علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ و التسلیمات کی متابعت کے لیے مامور ہوئے۔ تمام تعینات اس تعین وجودی کے ضمن میں درج ہیں۔ اگر تعین علمی جملی ہے تو اس کے ضمن میں ہے اور اگر تفصیلی ہے تو بھی اس میں درج ہے۔ شاید اسی وجہ سے ہمارے نبی (کریم) علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کو (اپنا) باپ ہونے کے طور پر یاد کرتے تھے اور باقی تمام انبیاء علیٰ اجمعہم الصلوٰۃ و التسلیمات کو (اپنا) بھائی ہونے کے طور پر یاد فرماتے تھے۔ اور اگر سب انبیاء (علیہم الصلوٰۃ والسلام) کو بیٹا ہونے کے طور پر یاد فرماتے تو اس کی بھی گنجائش تھی۔ کیونکہ ان بزرگواروں کے تعینات آپ علیہ وعلیہم الصلوٰۃ و التسلیمات کے تعین کے ضمن میں، جس کو تعین علمی جملی کہا گیا ہے، درج ہیں اور جو کچھ ماثورہ درود میں آیا ہے: کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرٰہِیْمَ (جیسا کہ تو نے حضرت ابراہیم پر رحمت نازل فرمائی ہے)، ہو سکتا ہے کہ یہ اس وجہ سے ہو کہ حضرت ذات تعالیٰ و تقدس تک وصول (پہنچنا) تعینِ اوّل وجودی کے توسط کے بغیر اور تمام کمالاتِ ابراہیمی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے وسیلہ کے بغیر میسر نہیں ہے، کیونکہ اس مرتبہ مقدسہ کا پہلا پردہ وہی ہے اور وہی ہے جس نے غیب الغیب کی آئینہ داری فرمائی ہے اور

باطنوں کے باطن کو ظاہر کیا ہے۔ لہذا کسی شخص کو اس کے توسط کے بغیر چارہ نہیں۔ خاتم الانبیاء علیہم الصلوٰت والتسلیمات کو ان (حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی متابعت کا حکم اسی لیے فرمایا ہے، تاکہ ان کی تبعیت (پیروی) سے ان کی ولایت تک پہنچیں اور وہاں سے حضرت ذات جل شانہ تک ناز و ادا سے ٹھلے ہوئے چلے جائیں۔ عَلَیْہِ وَعَلٰی جَمِیْعِ الْأَنْبِیَاءِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّحِیَّاتُ۔

سوال: اس بیان سے لازم آتا ہے کہ حضرت ابراہیم (علیہ الصلوٰۃ والسلام) حضرت خاتم الرسل عَلَیْہِ وَعَلٰی جَمِیْعِ الْأَنْبِیَاءِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّحِیَّاتُ سے افضل ہیں اور جبکہ (حضرت) خاتم الرسل علیہم الصلوٰت والتسلیمات کی افضلیت پر اجماع ہے اور نیز لازم آتا ہے کہ تجلی ذات بالاصالت حضرت خلیل (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کو نصیب ہے اور دوسروں کو ان کی متابعت سے حاصل ہے۔ حالانکہ اکابر صوفیہ کے ہاں مقرر ہے کہ تجلی ذات بالاصالت خاتم الرسل علیہم الصلوٰت والتسلیمات کے ساتھ مخصوص ہے اور دوسروں کے لیے آپ علیہم الصلوٰت والسلام کی تبعیت (پیروی) میں ہے۔

جواب: وصول بذات بھی تجلی ذات تعالیٰ و تقدس کی مانند دو قسم پر ہے۔ (ایک) نظر کے اعتبار سے ہے اور (دوسرا) قدم کے اعتبار سے۔ یعنی نظر واصل (پہنچنے والی) ہے یا ناظر (دیکھنے والا) بنفس خود واصل ہے۔ وہ قسم جو وصول نظری ہے، وہ بالا صالت حضرت خلیل (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کو نصیب ہے، کیونکہ سب تعینات میں سے حضرت ذات تعالیٰ کے قریب ترین (تعین)؛ تعینِ اوّل ہے جو کہ ان (حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام) کا ربّ ہے، جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے۔ اور جب تک اس تعین تک نہ پہنچیں، نظر اس سے بالاتر نفوذ نہیں کرتی۔ اور جو قسم قدم کے اعتبار سے ہے، وہ بالا صالت حضرت حبیب (محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ مخصوص ہے جو سارے جہانوں کے رب کے محبوب ہیں۔ محبوبوں کو اس جگہ لے جاتے ہیں جہاں خلیل جانے سے عاجز ہیں، مگر یہ کہ ان (محبوبوں) کی تبعیت (پیروی) میں جائیں۔ کوئی ایسا خلیل ہونا چاہیے جو محبوبوں کے سردار (حضرت محمد مصطفیٰ) علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کے مقام وصول تک پہنچ جائے اور راستے میں بے توجہی نہ کرے۔ الغرض تجلی ذات ایک وجہ سے حضرت خلیل علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ بالا صالت مخصوص ہے اور دوسرے ان کے تابع ہیں اور دوسری وجہ سے تجلی (ذات) بالا صالت حضرت خاتم الرسل علیہم الصلوٰت والتسلیمات کے ساتھ مخصوص ہے اور دوسرے آپ علیہم الصلوٰت والتسلیمات کے تابع ہیں۔ چونکہ (یہ) دوسری وجہ مراتب قرب میں زیادہ قوی اور زیادہ دخل رکھنے والی ہے، لہذا لازمی طور پر تجلی ذات کو حضرت خاتم الرسل (علیہم الصلوٰۃ والسلام) کے ساتھ زیادہ مناسبت حاصل ہوگئی ہے اور اس نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ زیادہ خصوصیت پیدا کر لی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت خلیل (علیہ الصلوٰۃ والسلام) اور باقی سب انبیاء علیہم الصلوٰت والتسلیمات سے افضل ہو گئے ہیں۔ لہذا اس طرح انبیاء (علیہم الصلوٰۃ والسلام) کے درمیان فضل کلی ان دو بزرگواروں (حضرت ابراہیم اور حضرت محمد) علیہما علیہم الصلوٰت والتسلیمات والبرکات کو نصیب ہوا، اگرچہ ان میں سے ہر ایک دوسرے سے افضل ہے۔ حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰت والتسلیمات چونکہ محبوبوں کے سردار ہیں، جیسا کہ ہمارے حضرت پیغمبر علیہم الصلوٰۃ والسلام محبوبوں کے سردار ہیں، لہذا لازمی طور پر ان (حضرت موسیٰ) علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو الْکَمُوْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ^(۱) (یعنی: آدمی اُس کے

ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت کرتا ہے) کی رو سے حضرت ذات تعالیٰ کے ساتھ ایک معیت (حاصل) ہے جو دوسروں کو نہیں اور اس بارگاہ (باری تعالیٰ) میں ان (حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام) کو ایک قدم گاہ (نصیب) ہے جو صرف ان کی محبت کے وسیلہ سے ہے اور دوسروں کو وہاں کوئی دخل (حاصل) نہیں ہے۔ لیکن یہ فضل ایک ایسے جزو کی جانب راجع ہے، جس کو کُل کے برابر کہہ سکتے ہیں، کیونکہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کی ایک بہت بڑی جماعت اس مقام میں ان (حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والتسلیمات) کے تابع ہے۔ اس کے باوجود فضل کلی وہی ہے جو حضرت خلیل اور حضرت حبیب (محمد مصطفیٰ) علیہما الصلوٰۃ والتحیات کو نصیب ہوا ہے۔ اگرچہ ان میں سے ہر ایک، ایک وجہ سے دوسرے کا تابع ہے۔ وصول نظری میں حضرت خلیل علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات اصل ہیں اور حضرت حبیب (محمد مصطفیٰ) علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات ان کے تابع ہیں۔ اور وصول قدیمی حضرت حبیب اصل ہیں اور حضرت خلیل آپ کے تابع ہیں، علیہما الصلوٰۃ والتحیات والبرکات۔ اور حضرت کلیم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے مخصوص کمالات وفضائل اس فقیر پر اتنے ظاہر ہوئے ہیں کہ خیال ہے کہ (فقیر) ان کو ایک الگ کاغذ پر تحریر کرے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

جاننا چاہیے کہ جو انبیاء (علیہم الصلوٰۃ والسلام) کسی بھی نبی علیہ علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے وسیلہ سے حضرت ذات تعالیٰ تک پہنچتے ہیں تو وہ نبی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) حضرت ذات تعالیٰ اور ان انبیاء (علیہم الصلوٰۃ والسلام) کے درمیان حائل نہیں ہوتے اور ان (انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام) کو حضرت ذات تعالیٰ سے بالاصالت نصیب (حاصل) ہوتا ہے۔ مختصر یہ کہ ان (انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام) کا اس درجہ تک پہنچنا اس نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تبعیت (پیروی) سے متعلق ہے، بخلاف کسی نبی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی امت کے جو اس کے وسیلہ سے پہنچتی ہے تو وہ پیغمبر درمیان میں حائل ہوتا ہے۔ مگر اس صورت میں کہ امت کے افراد میں سے ایک فرد کو بالاصالت حضرت ذات تعالیٰ سے (حصہ) نصیب ہوتا ہے تو اس جگہ بھی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حائل ہونا مفقود ہوتا ہے اور اس کی تبعیت (پیروی) موجود ہوتی ہے۔ اور اس طرح کے افراد بہت کم ہیں، بلکہ انتہائی کم ہیں۔

سوال: اس صورت میں امت کے اس فرد اور دوسرے سب انبیاء (علیہم الصلوٰۃ والسلام) میں کیا فرق ہے؟ کہ دونوں میں حائل ہونا مفقود ہے اور تبعیت موجود ہے۔

جواب: امت کے فرد میں تبعیت (پیروی) شریعت کے اعتبار سے ہے کہ جب تک وہ نبی کی شریعت کی متابعت نہ کرے، نہیں پہنچتا اور انبیاء میں تبعیت (پیروی) اس اعتبار سے ہے کہ نبی متبوع (جس کی پیروی کی جائے) کے لیے اس درجہ تک پہنچنا اولاً اور بالذات ہے اور دوسروں کے لیے وصول ثانوی حیثیت میں اور بالعرض ہے۔ کیونکہ دعوت سے مطلوب محبوب ہے۔ دوسروں کو اس کے طفیل بلاتے ہیں اور اس کی تبعیت (پیروی) کے ذریعے طلب کرتے ہیں۔ لیکن (یہ) سب ایک دسترخوان پر بیٹھنے والے ہیں اور ایک مجلس میں اپنے درجات کے فرق سے لذتوں اور نعمتوں کو حاصل فرماتے ہیں۔ یہی وہ امتی ہیں جو ان (انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام) کے حاشیہ بردار ہیں اور ان کا پس خوردہ کھانے والے ہیں۔ شاید ان افراد میں سے ایک فرد اللہ جل شانہ کے کرم کے ساتھ مخصوص ہو جائے اور اکابر کی مجلس کا ہم نشین بن جائے، جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے:

ع با کریمیاں کارہا دشوار نیست
یعنی: کریم لوگوں کے لیے کام مشکل نہیں ہیں۔

اس کے باوجود امت امت ہے۔ اور پیغمبر پیغمبر ہیں۔ امت جس قدر سر بلند ہو جائے اور بہت زیادہ بلندی پیدا کر لے، اگر اس کا سر اس پیغمبر کے پاؤں تک پہنچ جائے تو یہ بہت بڑی دولت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ. إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُورُونَ. وَإِنَّ جُنَدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُونَ. (سورۃ صافات، ۱۷۱-۱۷۳)
یعنی: اور اپنے پیغام پہنچانے والے بندوں سے ہمارا وعدہ ہو چکا ہے کہ وہی (مظفر و) منصور ہیں اور ہمارا لشکر غالب رہے گا۔

سوال: ملتِ ابراہیم (علیہ السلام) کی متابعت جس کے لیے ہمارے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مامور ہوئے ہیں، اس سے کیا مراد ہے؟ اور آپ علیہ وعلیٰ جمیع الانبیاء الصلوٰۃ والتحیّات کی مستقل شریعت کے باوجود ان کی تبعیت (پیروی) کا حکم کس لیے ہوگا؟

جواب: مستقل شریعت ہونا تبعیت (پیروی) کے مخالف نہیں ہے۔ روا ہے کہ ہمارے حضرت نبی کریم علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے شریعت کو بالاصالت اخذ کیا ہو، لیکن کسی امر کے حاصل ہونے میں حضرت خلیل علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت پر مامور ہوئے ہوں، کیونکہ وہ امر متبوع (جس کی پیروی کی جائے) کے خصائص میں سے ہے جس کی متابعت پر مامور ہوئے ہیں اور اس امر کا حاصل ہونا اس متابعت کے حصول سے مربوط ہے۔ مثلاً ایک شخص فرائض میں سے ایک فرض ادا کرتا ہے۔ اس کے ساتھ وہ متابعت کی نیت کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اس فرض کو ہمارے نبی نے بھی ادا کیا ہے، ہم بھی ادا کرتے ہیں تو اس صورت میں امید ہے کہ وہ فرض کی ادائیگی کے ثواب کے علاوہ متابعت کا الگ ثواب بھی پائے گا اور اس نبی کے ساتھ مناسبت پیدا کر کے اس کی برکات سے بھی فائدہ حاصل کرے گا۔

اس امر کی تفتیش کہ ملت کی متابعت سے تمام ملتوں کی متابعت مراد ہے یا بعض کی؟ اگر سب کی ہے تو پھر بعض احکام منسوخ ہو جانے کے باوجود متابعت کل کس طرح درست ہوگی؟ اور اگر بعض مراد ہے تو بھی خدشہ کے بغیر نہیں ہے۔ اس (چیز) کا حل علمائے تفسیر نے نکالا ہے، لہذا اس جگہ رجوع کرنا چاہیے، کیونکہ یہ باب علمائے ظاہر سے تعلق رکھتا ہے۔ صوفیہ کے علوم سے اس کی مناسبت بہت کم ہے۔

سبحان اللہ! جو معارف مجھ سے ظاہر ہوتے ہیں، ان کے تعجب خیز ہونے کی وجہ سے قریب ہے کہ میرے ہم جنس بھی مجھ سے نفرت کرنے لگیں اور ہم راز بھی مخالفت پر اتر آئیں اور مجرم بن جائیں۔ مجھے ان معارف کے حاصل کرنے کا کیا اختیار ہے اور ان کے اظہار سے کیا سروکار ہے؟ مجھے یہ سمجھایا گیا ہے کہ تعینِ اوّل، تعینِ وجودی ہے اور وہ (حضرت) خلیل علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا رب اور ان کا مبداء تعین ہے۔ اس ہزار سال میں کسی نے ہرگز نہیں سنا ہے کہ تعینِ اوّل تعینِ وجودی ہے اور وہ حضرت خلیل الرحمن علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا رب ہے۔ متقدمین میں یہ عبارت متعارف نہ تھی اور تعین و تنزل کی گنجائش نہ تھی۔ متاخرین میں جب اس قسم کی باتیں متعارف ہوئیں تو تعینِ اوّل، تعینِ علمی جملی قرار پایا اور وہ خاتم الرسل علیہ

الصلوٰۃ والسلام کا رتبہ مقرر ہوا۔ آج جب کسی سے اس مقرر کے خلاف ظاہر ہو تو خیال کرنا چاہیے کہ اس کے سر پر کیا گزرے گی اور وہ کس طرح مطعون اور ملامت زدہ ہوگا۔ وہ خیال کرتے ہیں کہ (فقیر) حضرت خلیل (علیہ السلام) کو حضرت حبیب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر فضیلت دیتا ہے اور حضرت حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حضرت خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جزو بناتا ہے، کیونکہ تمام تعینات کو تعینِ اوّل میں درج جانتا ہے۔ اگرچہ (فقیر) نے اوپر ان کے وہم کو دفع کیا ہے اور جواب شافی دیا ہے۔ لیکن معلوم نہیں ہے کہ وہ اس پر اکتفا کریں اور اس وضاحت سے ان کی تسلی ہو جائے۔ کیا کیا جائے کہ جہالت اور دشمنی و تعصب کا علاج نہیں ہے، مگر یہ کہ مقلب القلوب (دلوں کو بدلنے والا رب) اپنی قدرتِ کاملہ سے ان کے دلوں کو بدل ڈالے اور حق بات کو سن کر قبول کرنے کے قابل بنادے۔ حضرت خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بزرگی اور بلندی شانِ اتّبع (یعنی: دینِ ابراہیم کی پیروی اختیار کریں۔ سورۃ نحل، ۱۲۳) کے حکم سے معلوم ہو سکتی ہے جو (اللہ تعالیٰ نے) اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو فرمایا ہے۔ کیونکہ متبوع (جس کی اتباع کی جائے) کو تابع کے ساتھ کیا نسبت ہے، لیکن جو محبوبیتی خاتم الرسل علیہ علیہم الصلوٰۃ والسلام کو نصیب ہوئی ہے وہ قرب کے تمام فضائل و مراتب پر غالب آگئی ہے اور اس نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو سب سے پیش قدم (برتر) بنا دیا ہے۔ قرب کے ہزار مراتب بھی محبوبیت کی ایک نسبت کے برابر نہیں ہو سکتے۔ محبت اپنے محبوب کو اپنی جان سے زیادہ عزیز سمجھتا ہے، دوسروں کو کیا حق ہے کہ وہ اس کے ساتھ مشارکت طلب کریں۔

سوال: تم نے اپنے رسائل میں لکھا ہے کہ حضرت خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کا رتبہ بھی شانِ العلم ہے، جیسا کہ وہ حضرت حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کا رتبہ ہے۔ اتنا فرق ہے کہ وہاں تفصیل سے ہے اور یہاں اجمال سے؟

جواب: یہ معرفت اس ولایتِ خلت کی حقیقت تک پہنچنے سے پہلے تک رہی ہے اور جب (فقیر) اس ولایت کی حقیقت سے متحقق ہوا تو پھر معاملہ جس طرح تھا اسی طرح ظاہر ہو گیا، گویا وہ معرفت اس حقیقت کے ظل سے متعلق تھی۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ الْمُطْلَهُمُ لِلصَّوَابِ۔ یعنی: اور اللہ سبحانہ ہی درست کی جانب الہام کرنے والا ہے۔

ان معارف سے واضح ہو گیا کہ وجودِ عین ذات نہیں ہے، بلکہ ایک ایسا تعین ہے جو حضرت ذاتِ تعالیٰ و تقدس کے تعینات میں سے سب سے زیادہ سابق (پہلا) ہے اور یہ کہ جس نے وجود کو عین ذات کہا ہے تو اُس نے تعین کو لا تعین خیال کیا ہے اور غیر ذات کو ذات سمجھا ہے اور غیریت میں جھگڑنا بے فائدہ ہے، کیونکہ یہ عبارت کی تنگی کی وجہ سے ہے۔

سوال: یہ تعینِ اوّل وجودی جس کو تم نے پایا ہے، اس کو اس تعینِ اوّل علمی جملی کے ساتھ، جو دوسروں نے پایا ہے، کیا نسبت ہے؟ اور ان دو تعین کے درمیان کوئی اور تعین بھی ہے یا نہیں؟

جواب: تعینِ وجودی، تعینِ علمی سے بلند تر ہے اور تعینِ علمی سے اوپر جس کو مرتبہ حضرت ذات اور لا تعین کہا گیا ہے، یہی تعینِ وجودی ہے جس کو (دوسروں نے) عینِ حضرت ذات پایا ہے اور (انہوں نے) وجود کو عین ذات جانا ہے اور ان دو تعین کے درمیان شانِ الحیات ہے جو سب شیونات سے اقدم (قدیم) ہے۔ اس کے بعد شانِ العلم ہے، جو اجمال اور تفصیل کے ساتھ اس کے تابع ہے۔ لیکن اس درمیانی تعین کا کوئی مظہرِ نظر میں نہیں آتا اور یہ حضرت ذاتِ تعالیٰ کے ساتھ سب سے زیادہ مناسب رکھتا ہے اور استغنائے ذاتی اس میں زیادہ جلوہ گر ہے۔ اتنا معلوم ہوتا ہے کہ اس کے فیوض و برکات خصوصیت

کے ساتھ روحانیوں پر برسائے جاتے ہیں۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ اَعْلَمُ بِحَقِیْقَةِ الْحَالِ۔
یعنی: اور اللہ سبحانہ ہی حقیقتِ حال کو خوب جانتا ہے۔

سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ۔ (سورۃ بقرہ، ۳۲)

یعنی: تو پاک ہے، جتنا علم تو نے ہمیں بخشا ہے اُس کے سوا ہمیں کچھ معلوم نہیں، بیشک تو دانا (اور) حکمت والا ہے۔
تنبیہ: جو کچھ اوپر بیان ہوا ہے کہ اصولِ نظری بالا صالت حضرت خلیل علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو نصیب ہے اور وصولِ قدمی بالا صالت حضرت حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نصیب ہے۔ یہ اس معنی سے نہیں ہے کہ وہاں شہود اور مشاہدہ ہے یا قدم کی وہاں گنجائش ہے۔ وہاں تو بال کی بھی گنجائش نہیں، قدم کی کیسے ہو سکتی ہے۔ بلکہ وہاں نامعلوم کیفیت کا ایک وصول ہے۔ اگر صورتِ مثالیہ میں نظر میں منتقل ہو تو اس کو وصولِ نظری کہتے ہیں اور اگر قدم کے طور پر منتقل ہو تو اسے وصولِ قدمی کہتے ہیں، ورنہ نظر اور قدم دونوں اس حضرت جل شانہ کی بارگاہ میں حیران و پریشان ہیں۔

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اَتَّبَعَ الْهُدٰی۔ (سورۃ طہ، ۴۷)

یعنی: اور جو شخص ہدایت کی بات مانے، اُس کو سلامتی نصیب ہو۔

مکتوب نمبر (۸۹)

قاضی اسماعیل فرید آبادی کو تحریر فرمایا۔ شیخ روز بہان بقلی (قدس سرہ) کے کلام کی شرح (کے بیان) میں اور اس کے ساتھ توحید و جود کے بعض دقائق (کا بیان)۔

شیخ ولی روز بہان بقلی قدس سرہ نے متصوفین کی اغلاط کے بارے میں کہا ہے: ”دوسری غلطی یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہمہ اوست (سب کچھ وہی ہے)۔ اور ان سب متفرق جزئیاتِ حادث کے باوجود ایک ہی ذات چاہتے ہیں اور رمز (اشارے) سے ایک دوسرے کو کہتے ہیں کہ ہم خود وہی ہیں۔ پس ان کافروں کے لاکھوں خدا ہوئے اور خداوند عالم تعالیٰ و تقدسِ محدثات کے جمع و تفرقہ سے منزہ ہے۔

وہ ایسا واحد ہے جس کی طرف جزو کو راستہ نہیں ہے۔ وہ حلول کو قبول نہیں کرتا اور متلون نہیں ہوتا۔ وہ اس قول کی وجہ سے کافر ہیں، نہ وہ خود کو جانتے ہیں اور نہ ہی خدا کو، کیونکہ اگر کوئی شخص حق ہوتا تو پھر فنا کیسے ہوتا۔ کچھ لوگ روح کے بارے میں غلطی کا شکار ہوئے اور یہ لوگ جسم کے ضمن میں۔ قَاتِلْهُمْ اللّٰهُ سُبْحَانَهُ۔ یعنی: اللہ سبحانہ ان کو ہلاک کرے۔“
ان (شیخ روز بہان) کا کلام ختم ہوا۔

پوشیدہ نہ رہے کہ عبارت ہمہ اوست (سب کچھ وہی ہے) اگرچہ متقدمینِ صوفیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرار ہم میں متعارف نہ تھی، لیکن اَنَا الْحَقُّ (میں حق ہوں۔ قولِ منصور)، قَوْلِ سُبْحَانِی (میں پاک ہوں۔ قولِ بایزید) اور لَيْسَ فِیْ جَبَّتِیْ سِوٰی اللّٰهِ (میرے چنے میں اللہ کے سوا کچھ نہیں) وغیرہ کی طرح بہت سی باتیں ہوتی رہی ہیں، ان کلمات اور اُن عبارات کا حاصل ایک ہی ہے۔ موزوں مثال مشہور ہے:

ع آب از سر چو گذشتہ است چہ یک نیزہ چہ صد

یعنی: پانی جب سر سے گزر گیا ہے، کیا ایک نیزہ اور کیا سونیزے۔

متاخرین صوفیہ میں بھی یہ عبارت مشہور و عام ہے اور وہ بلا تکلف ہمہ اوست (سب کچھ وہی ہے) کہتے ہیں اور اس قول پر اصرار کرتے ہیں۔ مگر ان میں سے تھوڑے سے لوگ ایسے ہیں جو اس عبارت اور اس طرح کی دوسری عبارات میں تردد کرتے ہیں، بلکہ انکار کی صورت ظاہر کرتے ہیں۔ جو کچھ یہ فقیران کے اطلاقات سے ہمہ اوست (سب کچھ وہی ہے) کا معنی سمجھا ہے، یہ ہے کہ یہ سب متفرق حادث جزئیات ایک ہی ذات تعالیٰ و تقدس کا ظہور ہیں۔ جیسا کہ زید کی صورت، مثلاً کئی آئینوں میں منعکس ہو جائے اور وہاں ظہور پیدا کرے تو کہتے ہیں کہ ہمہ اوست۔ یعنی یہ سب صورتیں جو کئی آئینوں میں نمودار ہو گئی ہیں، زید کی ایک ذات کا ظہور ہیں۔ اس جگہ کوئی جزئیت اور اتحاد ہے اور کونسا حلول اور تلوّن ہے۔ زید کی ذات باوجود ان سب صورتوں کے اپنی اصلی حالت کی صرافت پر ہے اور ان سب صورتوں نے نہ اس میں کوئی اضافہ کیا ہے اور نہ ہی کچھ کمی کی ہے۔ جس جگہ زید کی ذات ہے، وہاں ان سب صورتوں کا کوئی نام و نشان نہیں ہے، تاکہ اس کے ساتھ جزئیت و اتحاد اور حلول و سریان کی نسبتوں میں سے کوئی نسبت پیدا کریں۔ اس مقام میں اَلَا نَ کَمَا کَانَ (وہ اب بھی ویسا ہے جیسا کہ پہلے تھا) کا راز تلاش کرنا چاہیے۔ کیونکہ جس مرتبہ میں حق تعالیٰ ہے، جیسا کہ ظہور سے پہلے عالم کے لیے گنجائش نہ تھی، اسی طرح ظہور کے بعد بھی وہاں اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ فَلَا جَوْمَ یُکُونُ اَلَا نَ کَمَا کَانَ۔ یعنی: پس یقیناً وہ اب بھی ویسا ہی ہے جیسا کہ پہلے تھا۔

عجیب معاملہ ہے کہ متقدمین صوفیہ میں سے بہت سے اکابر اس توحید آمیز عبارت سے حلول و اتحاد کے معنی سمجھتے ہیں اور اس عبارت کے کہنے والوں کو کفر و گمراہی سے منسوب کرتے ہیں۔ ان میں سے بعض نے ان عبارات کی ایسی توجیہات کی ہیں جو کہنے والوں کے مذاق سے کوئی نسبت اور مناسبت نہیں رکھتیں۔ صاحب عوارف (شہاب الدین سہروردی) فرماتے ہیں کہ ”منصورؒ کا اَنَا الْحَقُّ (میں حق ہوں) کہنا اور بایزیدؒ کا سُبْحَانِی (میں پاک ہوں) کہنا حق جل سلطانہ کی طرف سے حکایت کے طور پر تھا اور اگر حکایت کے طور پر نہیں ہے، بلکہ حلول و اتحاد کا شائبہ درمیان میں ہے تو ہم ان اقوال کے کہنے والوں کا رد کرتے ہیں۔ جس طرح کہ ہم نصاریٰ کا رد کرتے ہیں جو حلول و اتحاد کے قائل ہیں۔“

پہلی تحقیق سے واضح ہوا کہ ان طرح نما (خلاف شریعت) عبارتوں میں کوئی حلول و اتحاد نہیں ہے۔ اگر (اس کا) احتمال ہے بھی تو ظہور کے اعتبار سے ہے، وجود کے اعتبار سے نہیں ہے، جیسا کہ انہوں نے سمجھا ہے اور (اس کو) حلول و اتحاد کی جانب لے گئے ہیں۔ شاید توحید کا یہ مسئلہ متقدمین صوفیہ میں خوب صاف و مختصر کر کے لکھا اور بیان نہیں کیا گیا۔ ان میں سے جس شخص پر بھی حال کا غلبہ ہو جاتا تھا تو اس سے اس قسم کا اتحاد نما کلمہ ظاہر ہو جاتا تھا اور وہ غلبہ سکر کی وجہ سے اس کے راز کو نہیں پاتا تھا اور ان عبارات کے ظاہر کو حلول و اتحاد کے شبہ سے پھیر نہیں سکتا تھا۔ جب نوبت شیخ بزرگوار محی الدین ابن العربی قدس سرہ تک پہنچی تو انہوں نے معرفت کے کمال سے اس دقیق مسئلہ کی تشریح اور وضاحت کی اور اس کو ابواب و فصول میں مرتب کیا اور صرف و نحو کی صورت میں اس کی تدوین کی۔ اس کے باوجود اس گروہ (صوفیہ) کے کچھ لوگ ان کی مراد کو نہ سمجھے اور انہوں نے ان کو خطا کا رکھا اور ان پر طعن و ملامت کی۔ اس مسئلہ میں شیخ اکثر تحقیقات میں حق بجانب ہیں اور ان پر طعن زنی کرنے

والے سچی بات سے دور سے ہیں۔ شیخ کی بزرگی اور علم کی زیادتی اس مسئلہ کی تحقیق سے معلوم کرنی چاہیے، ان پر رد و طعن نہیں کرنا چاہیے۔ یہ مسئلہ جس قدر زیر بحث آتا ہے، متاخرین کے افکار کے ملنے سے زیادہ واضح و صاف تر ہو جاتا ہے اور حلول و اتحاد کے شبہات سے زیادہ دور ہو جاتا ہے۔ (علم) نحو جو متاخرین کے افکار کے ملنے سے اس (موجودہ) نحو کی صورت میں واضح و صاف ہو گیا ہے، یہ سبویہ اور انخفش کے زمانے میں ہرگز اس قدر صاف و واضح نہیں تھا، کیونکہ صنعت (وفن) کی تکمیل (مختلف) افکار کے ملنے سے ہوتی ہے۔ امام اعظم اور امام ابی یوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہما چھ ماہ تک خلقِ قرآن کے مسئلہ میں ایک دوسرے کے ساتھ بحث و مباحثہ کرتے رہے اور رد و بدل کرتے رہے اور چھ ماہ کے بعد مشخص ہوا کہ جو شخص قرآن کو مخلوق کہے وہ کافر ہو جاتا ہے اور بحث و مباحثہ کی یہ طوالت اس مسئلہ کے صاف (واضح) نہ ہونے کی وجہ سے تھی۔ اس وقت اور اب جب یہ افکار کے ملنے سے صاف (واضح) ہو چکا ہے تو میں کہتا ہوں کہ جھگڑے کا باعث اگر حروف و کلمات ہیں جو کلامِ نفسی پر دلالت کرتے ہیں تو بلاشبہ وہ حادث اور مخلوق ہیں۔ اور اگر کلام سے مراد معانی ہیں تو وہ قدیم اور غیر مخلوق ہیں۔ یہ وضاحت (مختلف) افکار کے ملنے کی برکت کی وجہ سے ہے۔

اب ہم اصل بات کی طرف آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس عبارت کے اور معنی بھی ہیں جو حلول و اتحاد سے دور ہیں۔ یعنی: ”ہمہ نیستند موجودا و ست تعالیٰ۔“ (سب نہیں ہیں موجود صرف حق تعالیٰ ہے)۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ سب ہیں اور حق تعالیٰ کے ساتھ متحد ہیں۔ ایسی بات تو کوئی نادان بھی نہیں کرتا، پھر بزرگوں سے کس طرح متصور ہو سکتی ہے۔ چونکہ محبت کے غلبہ میں محبوب کے سوا سب کچھ ان بزرگوں کی نظر سے پوشیدہ ہو جاتا ہے اور اس کے سوا ان کے شہود میں کچھ نہیں رہتا، لہذا وہ کہتے ہیں کہ ہمہ اوست (سب کچھ وہی ہے)۔ یعنی یہ سب کچھ جو ثابت اور موجود دکھائی دیتا ہے، یہ وہم و خیال ہی تو ہے اور موجود (صرف) حق تعالیٰ ہی ہے۔ اس صورت میں نہ تو جزئیت و اتحاد کا شبہ ہے اور نہ ہی حلول و تلون کا گمان ہے۔ اس کے باوجود یہ فقیر اس قسم کی عبارتوں کو پسند نہیں کرتا اور اگرچہ یہ عبارتیں اس طرح کے مقاصد سے عاری ہیں، کیونکہ (یہ) اللہ جل سلطانہ کے مرتبہ تقدیس و تنزیہ کے لائق نہیں ہیں۔ یہ چیزیں کیا ہیں جو حق تعالیٰ کے مظاہر بن سکیں:

ع در کدام آئینہ در آید او
یعنی: وہ کونسے آئینے میں سما سکتا ہے۔

ان میں یہ طاقت کہاں ہے کہ وہ ظہور کے اعتبار سے حق تعالیٰ پر محمول ہو سکیں۔ اگر وہ مظہر بھی ہیں تو اس کے کمالات کے ظلال میں سے کسی ظل کا ہی مظہر ہیں۔ اللہ جل سلطانہ کے جس ظل کا مظہر یہ ہیں اس سے لے کر ذاتِ تعالیٰ کے درمیان تک کئی ہزار ظلال ہیں۔ تم نے سنا ہوگا کہ: اِنَّ لِلّٰهِ سَبْعِيْنَ اَلْفَ حِجَابٍ مِّنْ نُورٍ وَّظُلْمَةٍ۔^(۱) یعنی: بیشک اللہ تعالیٰ کے لیے ستر ہزار نور و ظلمت کے پردے ہیں۔

لہذا حق سبحانہ کے کمال کے ظلال میں سے کسی ظل کے مظہر کو بے تحاشا حق تعالیٰ پر محمول کرنا اور ”سب کچھ وہی ہے“ کہنا بے ادبی اور کمالِ جرات ہے، لیکن جب (یہ بات) سکر کے حال کے غلبہ میں ہو تو اتنی مذموم نہیں ہے۔ اسی طرح دوسری توجیہ کے مطابق اپنے مشہود کو عین حق سمجھنا اور اس کے اعتبار سے محمول کرنا بھی بے ادبی ہے، بلکہ خلاف واقع ہے۔ اس لیے

کہ وہ مشہود بھی حق سبحانہ کے کمالات کے ظلال میں سے ایک ظل ہے اور حق تعالیٰ وراء الوراء ہے، پھر وراء الوراء ہے۔ جو کچھ بھی مشہود ہے وہ نفی کے لائق ہے۔ پس وہ حق جل و علا نہیں ہے۔

(حضرت) خواجہ (بہاء الدین) نقشبند قدس سرہ فرماتے ہیں: ”جو کچھ دیکھا گیا اور سنا گیا اور جانا گیا، وہ سب حق سبحانہ کا غیر ہے۔ کلمہ لا کی حقیقت سے اس کی نفی کرنی چاہیے۔“ اس مسئلہ میں جو چیز اس فقیر کے ہاں پسندیدہ ہے اور تقدیس و تنزیہ کی شان کے مناسب ہے، وہ ہمہ ازوست (سب کچھ اسی سے ہے) کی عبارت ہے۔ اس معنی کے لحاظ سے نہیں جس پر علمائے ظاہر کفایت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ سب کا صدور اور خلق اسی سے ہے۔ یقیناً یہ سچ ہے۔ لیکن اس کے ساتھ اس جگہ ایک اور تعلق بھی ہے جس کی جانب علماء نے راستہ نہیں پایا اور صوفیہ اس کی دریافت سے ممتاز ہوئے ہیں اور وہ اصالت اور ظلیت کا رابطہ ہے۔ یعنی اگر ممکن کا وجود ہے تو وہ واجب تعالیٰ کے وجود سے پیدا ہے اور حق سبحانہ کے وجود کا پرتو ہے اور اسی طرح اگر حیات ہے تو وہ حق سبحانہ کی صفت حیات سے پیدا ہے اور اس حیات مقدسہ کا پرتو ہے۔ علم و قدرت اور ارادہ وغیرہ بھی اسی قیاس سے ہیں۔ لہذا صوفیہ کے مطابق عالم حق سبحانہ سے صادر بھی ہے اور اس کے کمالات کا ظل بھی ہے اور اسی کے کمالات منزہ سے پیدا ہے۔ مثلاً جو وجود ممکن کو عطا کیا گیا ہے، وہ ایسا امر نہیں ہے جو خود بخود ہو اور اس کو استقلال حاصل ہو۔ بلکہ وہ وجود واجب تعالیٰ کے وجود کے ظل کا پرتو ہے۔ اسی طرح حیات اور علم وغیرہ جو ممکن کو عطا کیے گئے ہیں، وہ ایسے امور نہیں ہیں کہ جنہوں نے صانع تعالیٰ سے استقلال کا ثبوت پیدا کر لیا ہے، بلکہ صانع تعالیٰ سے صدور ہونے کے باوجود یہ حق سبحانہ کے کمالات کے ظلال ہیں اور ان کمالات کی صورتیں اور مثالیں ہیں۔ اصالت اور ظلیت کا یہی رابطہ جس کی جانب صوفیہ نے راستہ پایا ہے، صوفیہ کے معاملہ کو اعلیٰ علیین تک لے گیا ہے اور اس نے فنا و بقا تک پہنچا کر ان کو ولایت خاصہ سے متحقق بنا ڈالا ہے۔ چونکہ علمائے ظاہر کو یہ دید میسر نہیں ہوئی ہے، لہذا وہ فنا و بقا سے بہرہ مند نہیں ہوئے اور ولایت خاصہ سے متحقق نہیں ہوئے۔ چونکہ صوفیہ نے اپنے کمالات کو واجب تعالیٰ کے کمالات کا ظلال پایا ہے اور وجود اور وجود کے سب توابع کو ان کمالات کا عکس سمجھا ہے، لہذا یقیناً انہوں نے خود کو اس کے کمالات کا امانتدار ہونے سے زیادہ کچھ نہیں سمجھا ہے اور ان کمالات کی آمینہ داری کے سوا اپنے آپ کو کچھ نہیں پایا۔ چونکہ وہ (اس) حکم کی رو سے کہ اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمَانَاتِ اِلٰى اَهْلِهَا (یعنی: اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کی امانتیں ان کے حوالے کر دیا کرو۔ سورۃ نساء، ۵۸) اس امانت کو اہل امانت کے سپرد کر دیتے ہیں اور ان کمالات کو مکمل طور پر ذوق کے ساتھ اصل کے حوالے کرتے ہیں (اور) خود کو معدوم پاتے ہیں اور مردہ سمجھتے ہیں۔ کیونکہ وجود اور حیات جب اصل کی طرف گئے تو پھر معدوم اور میت رہ گیا اور فنا متحقق ہو گئی۔ مولوی (مولانا روم) فرماتے ہیں:

چوں بدانستی تو او را از نخست سوئے آنحضرت نسب کردی درست
وانکہ دانستی کہ ظل کیستی فارغی گر مردی و گر زیستی

یعنی: جب تو نے اس کو پہلے سے جان لیا تو اس بارگاہ کی طرف درست نسبت کر دی۔

♦ اور جب تو نے جان لیا کہ تو اس کا ظل ہے تو تو زندگی اور موت دونوں حالتوں میں فارغ ہے۔

فنا کے بعد اگر اس کو بقا سے مشرف کریں تو دوسری بار اس کو صفات کاملہ سے وجود اور توابع وجود عطا فرمائیں گے اور اس

کو دوسری ولادت سے متحقق بنائیں گے۔ لَنْ يَلِجَ مَلَكُوتَ السَّمَوَاتِ مَنْ لَمْ يُولَدْ مَرَّتَيْنِ۔
یعنی: جو شخص دوبار پیدا نہ ہوا وہ اس کے آسمانوں کی بادشاہت میں داخل نہیں ہوگا۔

هَنِيئًا لِأَرْبَابِ النَّعِيمِ نَعِيمُهَا وَلِلْعَاشِقِ الْمُسْكِينِ مَا يَتَجَرَّعُ
یعنی: نعمت والوں کو اُن کی نعمتیں مبارک ہوں اور عاشقِ مسکین کو خون کے گھونٹ۔

اے اللہ! عبارت کی تنگی سے ایسے الفاظ جن کا اطلاق شرع شریف میں وارد نہیں ہوا ہے (مثلاً) ظلیت کا رنگ وغیرہ کا ہم اطلاق کر رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ ممکن کا وجود واجب تعالیٰ کے وجود کا ظل ہے اور اس کی صفات حق تعالیٰ کی صفات کا ملکہ کے ظلال ہیں، ہم ان اطلاقات سے ڈرتے اور کانپتے ہیں اور چونکہ تیرے اولیاء نے ان اطلاقات میں سبقت کی ہے، لہذا ہم معافی کے امیدوار ہیں۔ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَسِينَا اَوْ اَخْطَاْنَا۔ (سورۃ بقرہ، ۲۸۶)
یعنی: اے ہمارے پروردگار! اگر ہم سے بھول یا چوک ہوگئی تو ہم سے مواخذہ نہ فرما۔

جاننا چاہیے کہ جو تحقیق پہلے کی گئی ہے، اس سے واضح ہوا کہ جو صوفیہ ہمہ اوست (سب کچھ وہی ہے) کے قائل ہیں، وہ عالمِ کو حق جل و علا کے ساتھ متحد نہیں سمجھتے اور حلول و سریان کو ثابت نہیں سمجھتے اور ظہور و ظلیت کے اعتبار سے حمل کرتے ہیں، وجود اور تحقیق کے اعتبار سے نہیں کرتے۔ اگرچہ ان کی عبارات کے ظاہر سے اتحاد و جودی کا وہم ہوتا ہے، لیکن خدا نہ کرے کہ ان کی مراد یہ ہو، کیونکہ یہ کفر اور الحاد ہے۔ جب ایک کا دوسرے پر حمل کرنا ظہور کے اعتبار سے ہوا، نہ کہ وجود کے اعتبار سے۔ تو پھر ہمہ اوست (سب کچھ وہی ہے) کے معنی ہمہ ازوست (سب کچھ اسی سے ہے) ہوئے، کیونکہ چیز کا ظل اس چیز سے پیدا ہوتا ہے اور اگرچہ یہ لوگ (صوفیہ) حال کے غلبہ میں ہمہ اوست (سب کچھ وہی ہے) کہتے ہیں، لیکن درحقیقت اس عبارت سے ان کی مراد ہمہ ازوست (سب کچھ اسی سے ہے) ہوتی ہے۔ اس طرح ان کے کلام پر طعنہ زنی کرنے کی مجال نہیں ہے اور نہ ہی ان کو گمراہ اور کافر قرار دینے کی گنجائش ہے۔

جان لیں کہ چیز کے ظل سے مراد اس چیز کا دوسرے مرتبے یا تیسرے یا چوتھے میں ظہور ہے۔ مثلاً زید کی جو صورت آئینے میں منعکس ہوئی ہے، وہ زید کا ظل ہے اور دوسرے مرتبے میں زید کا ظہور ہے۔ اور زید اپنی ذات کی حد سے اپنے اصلی وجود کے مرتبے میں ہے جس نے اپنے ظل کو آئینہ میں ظاہر کیا ہے، بغیر اس کے کہ اس کی ذات و صفات میں کوئی تلوین اور تبدیلی پیدا ہو، جیسا کہ (اوپر) بیان ہو چکا ہے۔ رَبَّنَا اَتِمِّمْ لَنَا نُورَنَا وَاعْفِرْ لَنَا جِ انَّكَ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ۔ (سورۃ تحریم، ۸)
یعنی: اے ہمارے پروردگار! ہمارا نور ہمارے لیے پورا کر اور ہمیں معاف فرما، بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے۔

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اَتَّبَعَ الْهُدٰی۔ (سورۃ طہ، ۴۷)

یعنی: اور جو شخص ہدایت کی بات مانے، اُس کو سلامتی نصیب ہو۔

مکتوب نمبر (۹۰)

فقیر ہاشم کشمی کو تحریر فرمایا۔ ان کے اس سوال کے جواب میں جو انہوں نے عارفوں کے دل کے حق جل و علا کے مشاہدہ کرنے کی حقیقت کے بارے میں کیا تھا۔

آپ نے پوچھا تھا کہ بعض محققین صوفیہ دنیا میں دل کی آنکھ سے حق تعالیٰ کی رویت اور مشاہدہ کو ثابت فرماتے ہیں، جیسا کہ شیخ عارف (شہاب الدین سہروردی) قدس سرہ نے کتاب عوارف میں فرمایا ہے کہ مَوْضِعُ الْمَشَاهِدَةِ بَصَرُ الْقَلْبِ۔ یعنی: مشاہدہ کا محل دل کی آنکھ ہے۔

شیخ ابواسحاق کلابادی قدس سرہ، جو اس بلند گروہ (صوفیہ) کے متقدمین میں سے ہیں اور ان کے سرداروں میں سے ہیں، وہ کتاب ”تعرف“ میں لکھتے ہیں: وَأَجْمَعُوا عَلَى أَنَّهُ تَعَالَى لَا يُرَى فِي الدُّنْيَا بِأَبْصَارٍ وَلَا بِالْقُلُوبِ إِلَّا مِنْ جِهَةِ الْإِيقَانِ۔ یعنی: اس بات پر اجماع اور اتفاق ہے کہ حق تعالیٰ کو دنیا میں ان آنکھوں سے نہیں دیکھا جاسکتا اور نہ ہی دلوں سے، مگر یقین کی جہت سے دیکھا جاسکتا ہے۔

ان دو تحقیقات میں موافقت کی کیا صورت ہے؟ اور آپ کی رائے کس کی طرف ہے؟ اور اختلاف کے باوجود اجماع کس معنی میں ہے؟

(جواب:) اللہ تعالیٰ آپ کو بہت ہدایت یافتہ بنائے کہ اس مسئلہ میں فقیر کے نزدیک پسندیدہ صاحبِ تعرف قدس سرہ کا قول ہے اور (فقیر) سمجھتا ہے کہ اس دنیا میں دلوں کو حضرت جل سلطانہ (کی رویت) سے سوائے یقین کے کوئی چیز نصیب نہیں ہے۔ اس کو رویت خیال کریں یا مشاہدہ۔ جب دل کو رویت حاصل نہیں ہے تو پھر آنکھوں کو کیسے ہوگی؟ کیونکہ وہ اس دنیا میں اس معاملے میں بیکار اور معطل ہیں۔ مختصر یہ کہ یقین کے جو معنی دل کو حاصل ہوئے ہیں، وہ عالم مثال میں رویت کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں۔ موثق یہ (جس پر یقین لایا گیا) مرئی (نظر آنے والی شے) کی صورت میں ظہور کرتا ہے، کیونکہ عالم مثال میں ہر معنی کی عالم شہادت کے مناسب ایک صورت ہے اور چونکہ عالم شہادت میں رویت میں کمال یقین ہے، لہذا وہ یقین بھی عالم مثال میں رویت کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اور جب یقین رویت کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے تو اس کا متعلق، جو کہ موثق یہ (جس پر یقین لایا گیا) ہے، بھی یقیناً اس مقام کی مرئی (نظر آنے والے شے) کی صورت میں ظاہر ہو گا۔ جب سالک اس کو مثال کے آئینے میں مشاہدہ کرتا ہے تو درمیان میں آئینے کے واسطے سے غافل ہو کر اور صورت کو حقیقت سمجھ کر خیال کرتا ہے کہ اسے حقیقی طور پر رویت حاصل ہو گئی ہے اور مرئی (نظر آنے والی شے) ظاہر ہو گئی ہے۔ وہ نہیں سمجھتا کہ یہ رویت تو اس کے یقین کی صورت ہے اور وہ مرئی (نظر آنے والی شے) اس کے موثق یہ (جس پر یقین لایا گیا ہے) کی صورت ہے۔ یہ صوفیہ کی غلطیوں میں سے ہے اور صورتوں کے حقائق سے مل جانے کی وجہ سے ہے۔ اور یہی دید جب غالب آ جاتی ہے اور باطن سے ظاہر میں ٹپکتی ہے تو سالک کو وہم میں ڈال دیتی ہے کہ رویت بصری بھی حاصل ہو گئی اور مطلوب گوش سے آغوش میں آ گیا۔ وہ نہیں سمجھتے کہ اس معنی کا حاصل ہونا جب اصل میں جو کہ بصیرت ہے، بھی وہم اور تلبس (اشتباہ) پر مبنی ہے تو پھر آنکھ کو، جو اس دنیا میں اس کی فرع ہے، اس تک رسائی کیسے ہو سکتی ہے؟ اور اس کو رویت کہاں سے حاصل ہوگی؟ رویت قلبی کے بارے میں بھی صوفیہ کا ایک بہت بڑا گروہ وہم میں پڑ گیا ہے اور انہوں نے اس کے واقع ہونے کا حکم کیا ہے، لیکن رویت بصری کے معاملے میں اس گروہ میں شاید کوئی ناقص ہی ہوگا جو اس کے واقع ہونے کے وہم میں پڑا ہو، کیونکہ یہ اہل سنت و جماعت شَکَرُ اللّٰہِ تَعَالٰی سَعِیْہُمْ (اللہ تعالیٰ ان کی کوشش کو مشکور فرمائے) کے اجماع کے خلاف ہے۔

سوال: موتن یہ (جس پر یقین لایا گیا) کی جب عالم مثال میں صورت پیدا ہوگئی تو ضروری ہوا کہ حق سبحانہ کی وہاں کوئی صورت ہے؟

جواب: تجویز کیا گیا ہے کہ اگرچہ حق سبحانہ کی کوئی مثل نہیں ہے، لیکن مثال ہے اور کہا گیا ہے کہ جائز ہے کہ وہ مثال میں کسی صورت میں ظہور فرمائے، جس طرح کہ صاحبِ فصوص (شیخ ابن العربی) قدس سرہ نے آخرت کی رویت کو بھی صورت جامعہ کے ساتھ لطیفہ مثالیہ مقرر کیا ہے۔ اس جواب کی تحقیق یہ ہے کہ مثال میں بھی موتن یہ (جس پر یقین لایا گیا) کی وہ صورت حق سبحانہ کی صورت نہیں ہے، بلکہ وہ صاحبِ یقین کے مکشوف کی صورت ہے، جس کے ساتھ اس کے یقین نے تعلق پیدا کر لیا ہے اور وہ مکشوف حق سبحانہ کے بعض وجوہ و اعتبارات میں سے ہے، نہ کہ وہ حق جل و علا کی ذات ہے۔ لہذا جب عارف کا معاملہ حق جل سلطانہ کی ذات تک پہنچتا ہے تو پھر اس قسم کے خیالات پیدا نہیں ہوتے اور کوئی رویت اور مرئی (نظر آنے والی شے) خیال میں نہیں آتی، کیونکہ حق سبحانہ کی ذات اقدس کے لیے مثال میں کوئی صورت موجود نہیں ہے، تاکہ اس کو مرئی کی صورت میں ظاہر کرے اور اس کے یقین کو رویت کی صورت میں جتلائے۔ یا یہ کہ ہم کہیں کہ عالم مثال میں معانی کی صورتیں ہیں، نہ کہ ذات کی صورت۔ چونکہ عالم سب کاسب اسماء و صفات کا مظاہر ہے اور ذاتیت سے بہرہ نہیں رکھتا، جیسا کہ ہم نے کئی جگہوں پر اس کی تحقیق کی ہے۔ پس یقیناً وہ کلی طور پر معانی کی قسم سے ہوگا اور عالم مثال میں اس کی ایک صورت موجود ہے۔ کمالات و جوبی میں جہاں بھی صفت و شان ہے، اس کا قیام ذات سے ہے اور وہ معانی کی قسم سے ہے۔ اگر مثال میں اس کی ایک صورت ہے تو وہ بھی نقص کے ساتھ ہی گنجائش رکھتی ہے۔ لیکن حق سبحانہ کی ذات ہرگز صورت کے مراتب میں سے کسی مرتبہ میں بھی نہیں آسکتی، کیونکہ صورت سے تحدید و تقید لازم ہوتی ہے (اور یہ چیز) جس مرتبہ میں بھی ہو جائز نہیں ہے۔ مراتب، جو حق سبحانہ کی مخلوق ہیں، وہ کہاں گنجائش رکھتے ہیں کہ اپنے خالق کو محدود اور مقید کر سکیں۔ جس شخص نے بھی حضرت جل شانہ کے لیے مثال تجویز کی ہے، وہ وجوہ و اعتبارات کے اعتبار سے ہے، عین ذات تعالیٰ کے اعتبار سے نہیں ہے۔ اگرچہ حضرت ذات تعالیٰ کے لیے وجوہ و اعتبارات میں بھی مثال تجویز کرنا اس فقیر پر گراں ہے، مگر یہ کہ اس کے ظلال میں سے کسی دور کے ظل میں اس کو تجویز کیا جائے۔ اس بیان سے واضح ہوا کہ عالم مثال میں معانی اور صفات کی صورتوں کے نقوش موجود ہیں، نہ کہ ذات تعالیٰ کے۔ لہذا صاحبِ فصوص نے آخرت کی رویت کو جو صورت مثالیہ میں تجویز کیا ہے، جیسا کہ (اوپر) بیان ہوا ہے، وہ حق تعالیٰ کی رویت نہیں ہے، بلکہ وہ حق سبحانہ کی صورت کی رویت بھی نہیں ہے، کیونکہ حق سبحانہ کی کوئی صورت نہیں ہے، جس سے رویت تعلق پیدا کر سکے اور (عالم) مثال میں کوئی صورت ہے تو بھی وہ اس کے ظلال بعیدہ کے کسی ظل میں موجود ہے۔ اس طرح اس کی رویت حق سبحانہ کی رویت کیسے ہو سکتی ہے؟ شیخ (ابن العربی) قدس سرہ حق جل و علا کی رویت کی نفی میں معتزلہ اور فلاسفہ سے کچھ کم نہیں رہے ہیں، بلکہ وہ رویت کا اثبات اس طرح کرتے ہیں جس سے رویت کی نفی لازم آتی ہے اور یہ صریح نفی کے مقابلے میں زیادہ مبالغے کے ساتھ نفی ہے، کیونکہ کنایہ تصریح سے بھی زیادہ بلیغ ہوتا ہے اور یہ مقررہ اصول ہے۔ اتنا فرق ہے کہ اس جماعت (فلاسفہ) کا پیشوا عقل عقیل ہے اور شیخ کا پیشوا ایسا کشف ہے جو صحت سے دور ہے۔ شاید مخالفین کے ناقص دلائل جو شیخ کے تخیل میں سمائے ہوئے تھے، انہوں نے اس مسئلہ میں ان کے کشف کو بھی صحت

سے منحرف کر دیا ہے۔ اور ان کو ان کے مذہب کی جانب مائل بنا دیا ہے۔ اور چونکہ شیخ اہل سنت میں سے ہیں، لہذا اثبات کی صورت اختیار کر لی ہے اور اس پر اکتفا کر لیا ہے اور اسی کو رویت خیال کر بیٹھے ہیں۔ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَسِينَا اَوْ اَخْطَاْنَا۔ (سورۃ بقرہ، ۲۸۶) یعنی: اے ہمارے پروردگار! اگر ہم سے بھول یا چوک ہوگئی ہو تو ہم سے مواخذہ نہ فرما۔ اور اس دقیق مسئلہ کی وہ تحقیق جو کتاب عوارف کے بعض مقامات کے حل میں لکھی ہے، بھی تحریر ہو چکی ہے۔ آپ نے اجماع کے بارے میں جو کچھ پوچھا تھا، ہو سکتا ہے کہ اس وقت تک جو اختلاف اعتبار کے لائق ہو، وہ ظاہر نہ ہوا ہو، یا اس سے اپنے زمانے کے مشائخ کا اجماع مراد ہو۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ اَعْلَمُ بِحَقِیْقَةِ الْحَالِ۔ یعنی: حقیقتِ حال کو اللہ سبحانہ ہی خوب جانتا ہے۔

مکتوب نمبر (۹۱)

مولانا طاہر بدخشی کو تحریر فرمایا۔ ان کے سوالات کے جواب میں جو (انہوں نے) معرفت اور ایمان حقیقی کے درمیان فرق وغیرہ کے بارے میں کیے تھے۔

بَعْدَ الْحَمْدِ وَالصَّلٰوةِ وَتَبْلِیْغِ الدَّعَوَاتِ۔

یعنی: اللہ تعالیٰ کی تعریف کرنے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجنے اور سلام و دعا پیش کرنے کے بعد۔ واضح ہو کہ میرے پیارے بھائی نے جو مکتوب شریف شیخ سجاد کے ذریعے بھیجا تھا، وہ پہنچا۔ اللہ سبحانہ کا شکر ہے کہ آپ سلامتی و عافیت کے ساتھ ہیں۔ آپ نے چند سوالات لکھے تھے، ان کے جواب میں جو کچھ دل میں آیا ہے، وہ لکھا گیا ہے، خوب توجہ کریں۔

پہلا سوال: معرفت اور ایمان حقیقی کے درمیان کیا فرق ہے؟

(جواب:) اس کا جواب یہ ہے کہ معرفت اور چیز ہے اور ایمان اور چیز ہے۔ اس لیے کہ معرفت ”پہچاننا“ ہے اور ایمان ”یقین کرنا“ ہے۔ کبھی پہچان تو ہوتی ہے اور ایمان نہیں ہوتا۔ اہل کتاب کو ہمارے نبی (کریم) علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام کے حق میں معرفت تھی اور وہ پہچانتے تھے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پیغمبر ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: یَعْرِفُوْنَهُ کَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَاءَہُمْ۔ (سورۃ بقرہ، ۱۲۶)

یعنی: وہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔ لیکن چونکہ دشمنی کی وجہ سے گرویدہ نہ ہوئے، لہذا ایمان بھی متحقق نہ ہوا اور معرفت کی بھی ایمان کی طرح دو قسمیں ہیں۔ معرفت کی صورت ایمان کی صورت کی مانند ہے اور معرفت کی حقیقت ایمان کی حقیقت کی طرح ہے۔ ایمان کی صورت وہی ہے جس کو حضرت حق سبحانہ نے اپنی مہربانی و رحمت کے کمال سے شریعت میں آخرت کی نجات کے لیے کافی فرمایا ہے اور قلب نفس المارہ کے انکار اور سرکشی کے باوجود اس پر ایمان لے آیا ہے۔ معرفت کی صورت بھی نفس المارہ کی جہالت کے باوجود اسی لطیفہ (قلب) سے وابستہ ہے۔ معرفت کی حقیقت یہ ہے کہ (نفس) المارہ اپنی جبلی جہالت سے باہر آ جائے اور شناسائی پیدا کرے۔ ایمان کی حقیقت نفس کا شناسائی حاصل کرنے اور مطمئن نہ ہو جانے کے بعد اور اپنی امارگی جو کہ اس کی طبعی چیز تھی، کے

بعد گرویدہ ہو جانا (یقین کر لینا) ہے۔

(سوال:): اگر کہیں کہ شریعت میں قلبی تصدیق کا اعتبار کیا گیا ہے۔ یہ گرویدہ ہونا اس کی تصدیق کا عین ہے یا اس تصدیق کے علاوہ کوئی اور امر ہے۔ اگر تصدیق کے علاوہ ہے تو لازم آتا ہے کہ ایمان میں تین چیزیں معتبر ہیں: اقرار، تصدیق اور گرویدہ ہونا۔ اور یہ علماء کے مقرر کردہ اصول کے خلاف ہے اور بعض علماء نے عمل کو بھی ایمان میں معتبر سمجھا ہے تو (یہ) ایمان کا چوتھا جزو ہو جاتا ہے؟

(جواب:): میں جواب میں کہتا ہوں کہ گرویدہ ہونا عین تصدیق ہے۔ کیونکہ جس تصدیق کا حکم ہے، اس سے مراد ”مان لینا“ ہے، جس کی تعبیر گرویدہ ہونا ہے۔

(سوال:): اگر سوال کریں کہ اہل کتاب ہمارے نبی (کریم) علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کو جب نبوت کے لحاظ سے جانتے تھے تو پھر یقیناً آپ علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کا حکم کرتے تھے اور (اس طرح) ان کا ”مان لینا“ اور گرویدہ ہونا بھی (ان کو) حاصل ہو جاتا تھا، کیونکہ اس صورت میں حکم کرنا عین گرویدہ ہونا ہے۔ پس ان کے حق میں ایمان متحقق کیوں نہیں ہوتا؟ اور وہ کس وجہ سے کفر سے باہر نہیں نکل سکتے؟

(جواب:): میں کہتا ہوں کہ وہ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم) کو نبوت کے عنوان سے جانتے تھے، لیکن تعصب و عناد کی وجہ سے ان کے دل کو اعتراف کر لینا حاصل نہیں ہوتا تھا، تا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نبوت کا حکم کرتے۔ (گویا) معرفت اور تصور تھا، لیکن اعتراف کرنا حاصل نہیں ہوا، تا کہ تصدیق ہو جائے اور ایمان تک پہنچا دے اور کفر سے باہر نکال دے۔ یہ بہت باریک فرق ہے۔ غور سے سنو اور اپنے وجدان سے سمجھو! عناد (دشمنی) کے باوجود یہ تو کہا جاسکتا ہے کہ ”اللہ تعالیٰ کے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے یہ کام کیا۔“ لیکن جب تک اعتراف کر لینا نصیب نہ ہو، یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ”یشک آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں۔“ کیونکہ پہلی صورت میں تصور ہے اور معرفت مشہورہ کا حوالہ ہے، اور دوسری صورت میں تصدیق ہے جو اعتراف کر لینے اور گرویدہ ہونے پر مبنی ہے۔ اور جب تک اعتراف کر لینا (نصیب) نہ ہو تو پھر تصدیق کی صورت کیسے بن سکتی ہے۔ نیز اسی طرح پہلی صورت میں مقصود نبوت کا ثابت کرنا نہیں ہے، بلکہ نبی کے فعل کا ثابت کرنا ہے اور دوسری صورت میں مقصود نبوت کا ثابت کرنا ہے، جس کو عناد برداشت نہیں کرتا، لہذا اعتراف کرنے کی صورت کیسے ہو سکتی ہے۔ اگر بالفرض اعتراف کرنے کے حصول کے بغیر تصدیق اور حکم پیدا ہو جائے تو وہ بھی تصورات میں داخل ہے اور محض تصدیق کی صورت ہی ہے۔ جب تک اعتراف کرنا نصیب نہ ہو (اُس وقت تک) تصدیق کی صورت نہیں بنتی اور ایمان حاصل نہیں ہوتا۔ یہ مسئلہ علم کلام کے اہم مسائل میں سے ہے اور بڑا دقیق ہے۔ ممتاز و بزرگ علماء اس کے حل میں عاجز رہے ہیں۔ ان میں سے بعض نے اضطراری طور پر ایمان میں تیسرے رکن کا اضافہ کیا ہے اور گرویدہ ہونے کو تصدیق پر زیادہ کیا ہے۔ دوسرا گروہ جس نے تصدیق کو عین گرویدہ ہونا کہا ہے، اس نے اس معما کو مکماۃ حل نہیں کیا اور اجمالی صورت میں چھوڑ دیا ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ هَدٰنَا لِہٰذَا وَمَا کُنَّا لِنَهْتَدِیْ لَوْ لَا اَنْ هَدٰنَا اللّٰہُ۔ (سورۃ اعراف، ۴۳)

یعنی: اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جس نے ہمیں اس طرف کا راستہ دکھایا۔ اگر وہ ہم کو ہدایت نہ بخشا تو ہم ہرگز راستہ نہ پاتے۔

سنو، مرکب اضافی اور مرکب توصیفی جیسا کہ نبی اللہ (اللہ کے نبی) اور ہذا النبی (یہ نبی) اگرچہ بآئہ نبی (بیشک آپ نبی ہیں) کے حکم کو شامل ہیں اور اس (نبی) کی معرفت سے نبوت کے عنوان پر مشتمل ہے، لیکن تصدیق کا حاصل ہونا بآئہ نبی (بیشک آپ نبی ہیں) کا اعتراف کر لینے پر موقوف ہے جو کہ ایمان کا ثبوت ہے۔ غلام زید فعل کذا (زید کے غلام نے ایسا کیا) اور رجل صالح حکم بكذا (صالح مرد نے ایسا کیا) دونوں جملے اعتراف کے بغیر ثابت اور درست ہیں اور دونوں کی معرفت غلام ہونے اور صالح ہونے کے عنوان سے ثابت ہے، لیکن (اس میں) اعتراف کر لینا نہیں ہے، جس سے ہر ایک کی غلامی اور نیکی کی تصدیق حاصل ہو سکے۔

(سوال:) اگر (کچھ لوگ) کہیں کہ تم نے نفس کے اذعان (اعتراف) کو دل کے اذعان (اعتراف) کے بعد کہا ہے اور نفس کے اذعان (اعتراف) کو حقیقی ایمان سے تعبیر کیا ہے، جبکہ فلاسفہ اور ارباب معقول نے تصدیق میں مطلق اذعان نفس کو لیا ہے اور انہوں نے دل کے اذعان (اعتراف) کے بارے میں کچھ نہیں کہا؟

(جواب:) ہم کہتے ہیں کہ ارباب معقول کبھی نفس سے روح مراد لیتے ہیں اور کبھی دل مراد لینے کا ارادہ کرتے ہیں۔ الغرض ان کی فلسفیانہ باریک بینیوں کے اغراض مختلف ہیں، جن میں سے اکثر بیکار ہیں۔ یہاں بھی وہ معطل اور بیکار ہیں اور عوام کا حکم رکھتے ہیں۔ تحقیق کی نوبت یہاں صوفیہ تک پہنچی ہے جو کہ ہر لطیفہ کے احکام سے متصف ہوتے ہیں اور سیر و سلوک کے ذریعے تمام لطائف سے بالا گزر جاتے ہیں اور نفس کو قلب سے جدا کرتے ہیں اور روح کو سر سے علیحدہ اور خفی کو انہی سے جدا کرتے ہیں۔ ارباب معقول کو ان کے ناموں کی معرفت کے علاوہ کچھ معلوم ہی نہیں ہے تاکہ کچھ نصیب ہو۔ فلاسفہ نے نفس امارہ کو بزرگ چیز سمجھا ہے اور اس کو مادہ سے شمار کیا ہے اور قلب و روح کا نام تک نہیں لیا اور سر و خفی اور انہی کا کوئی نشان نہیں بتایا۔ اِنَّ لِلّٰهِ سُبْحَانَهُ مَلَكًا يَّسْوِفُ الْاَهْلَ اِلَى الْاَهْلِ۔ یعنی: بلاشبہ اللہ سبحانہ کا ایک فرشتہ ہے جو اہل کو اہل کی طرف لے جاتا ہے۔

(اس کا) ایک دوسرا جواب ہم یہ کہتے ہیں کہ ارباب معقول نے عادی اور عرفی احکام پر نظر کر کے اذعان نفس کو، جو ان کی عقل کے قریب تھا، ذکر کیا ہے اور ہماری تصدیقات ان شرعی احکام کے بارے میں ہیں، جن سے نفس کو ذاتی طور پر انکار ہے۔ اس طرح اذعان (اعتراف) کیسے ہوگا؟ یہ وہ انکار ہے جو منکر کو ان احکام کے صاحب کی عداوت کی حد تک پہنچا دیتا ہے۔ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا۔^(۱)

یعنی: ہم اپنے نفسوں کی شرارتوں اور اپنے اعمال کی برائیوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں۔

حدیث قدسی میں آیا ہے: عَادِ نَفْسَكَ فَإِنَّهَا اِنْتَصَبَتْ بِمُعَادَاتِيْ۔

یعنی: تو اپنے نفس کو دشمن سمجھ، کیونکہ وہ میری دشمنی پر کمر بستہ ہے۔

رحمن الرحیم (سب سے زیادہ رحم فرمانے والے) نے کمال مہربانی سے ابتداءً حال ہی میں نفس کے اذعان (اعتراف) کو منظور نہیں رکھا اور قلب کے اذعان (اعتراف) کے ساتھ نجات کو وابستہ فرما دیا۔ اس کے بعد اگر محض اللہ سبحانہ کے کرم سے نفس کا اذعان (اعتراف) بھی میسر ہو جائے تو یہ نور پر نور ہے اور سرور پر سرور ہے اور یہ ولایت کے درجات تک

پہنچنا اور ایمان کی حقیقت کا حاصل ہونا ہے۔

آپ نے لکھا تھا کہ جواب فقیر کی فہم اور دانش کے مطابق لکھا جائے جس کو میں سمجھ سکوں۔ کیا کیا جائے کہ مسئلہ بہت دقیق ہے اور اس کا حل بھی دقت کے بغیر مشکل ہے، بلکہ حل کی حقیقت بھی دقت طلب کرتی ہے، عبارت کا کیا گناہ ہے؟ چاہیے تو یہ تھا کہ آپ پہلے اس کی فکر کرتے اور اس طرح کے معما کے حل کی جرأت نہ کرتے۔ فَلَا تَلُومُونِي وَلُومُوا أَنْفُسَكُمْ۔ (سورۃ ابراہیم، ۲۲) یعنی: تو آج مجھے ملامت نہ کرو، اپنے آپ ہی کو ملامت کرو۔

سوال: دوسرا سوال یہ تھا کہ زاہد اور عابد (حضرات) ایمان حقیقی سے مشرف ہیں یا نہیں؟

جواب: اگر وہ مقررین کے مرتبہ تک پہنچ جائیں اور ان کے نفوس مطمئنہ بن جائیں تو وہ ایمان حقیقی تک پہنچ جاتے ہیں۔

سوال: تیسرا سوال یہ تھا کہ اجمالی معرفت والے شخص کو، جس کا منشاء کفر حقیقی ہے، عارف کس طرح کہا جاسکتا ہے؟

(جواب:) اس عبارت کا مطلب صحیح طور معلوم نہیں ہو سکا کہ کیا ہے۔ آپ خود پیچیدہ عبارت لکھتے ہیں! اور دوسروں کو منع کرتے ہیں۔ اگر مقصود یہ ہے کہ طریقت کے کافر کو کس معنی میں عارف کہا جاسکتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ طریقت کے کافر نے بھی اللہ جل شانہ کو واحد پہچانا ہے اور اس کے ماسوا کو نابود و ناجیز کہہ دیا ہے، لہذا وہ عارف ہے، لیکن مطلق عارف نہیں ہے، کیونکہ تمیز سے باہر آ گیا ہے۔ جب تمیز میں آجائے گا تو عارف مطلق بن جائے گا اور حقیقی ایمان سے مشرف ہو جائے گا۔ والسلام۔

مکتوب نمبر (۹۲)

فقیر ہاشم کشمی کو تحریر فرمایا ہے۔ ان کے اس سوال کے جواب میں جو انہوں نے صوفیہ کے حق سبحانہ کے کلام کو سننے اور

ان کے حق تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کے بارے میں کیا تھا۔

آپ نے پوچھا تھا کہ بعض عارفوں نے جو یہ فرمایا ہے کہ ہم کلام حق (سبحانہ) کو سنتے ہیں اور یا یہ کہ ہم حق تعالیٰ کے ساتھ ہم کلام ہوتے ہیں۔ جس طرح کہ بلند ہمت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا:

مَا زِلْتُ أُرَدِّدُ الْآيَةَ حَتَّى سَمِعْتُهَا مِنَ الْمُتَكَلِّمِ بِهَا۔

یعنی: میں آیت کو بار بار پڑھتا رہتا تھا، یہاں تک کہ اس کو اس کے بولنے والے (حق تعالیٰ) سے سن لیتا تھا۔

نیز رسالہ غوثیہ، جو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ کی جانب منسوب ہے، سے بھی یہ (چیز) مفہوم ہوتی ہے۔ یہ

کس معنی میں ہے اور آپ کے نزدیک اس کی تحقیق کیا ہے؟

(جواب:) اللہ تعالیٰ آپ کو ہدایت دے، جان لیں کہ حق جل و علا کا کلام بھی حق جل شانہ کی ذات اور اس کی صفات

کی مانند بے مثل و بے مثال ہے اور اس بے مثال کلام کا سننا بھی بے مثل ہی ہے۔ کیونکہ مثل کو بے مثل کی طرف (کوئی) راستہ

نہیں۔ لہذا یہ سننا سننے کی حس سے وابستہ نہیں جو سراسر مثل ہے۔ اس مقام میں اگر بندہ سنتا بھی ہے تو وہ روحانی القا کے طور پر

ہے جو بے مثلی سے حصہ رکھتا ہے اور یہ حروف و کلمات کے واسطے کے بغیر ہے۔ نیز اگر بندہ کی طرف سے بھی کلام ہے تو وہ بھی

روحانی القا کے طور پر ہے جو حروف و کلمات کے بغیر ہے، اور یہ کلام بے مثلی سے حصہ رکھتا ہے اور بے مثل ہی سنا جاتا ہے، یا ہم

یہ کہتے ہیں کہ لفظی کلام جو بندہ سے صادر ہوتا ہے، حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ اس کو بھی بے مثلی کے ساتھ استماع فرماتا ہے اور حروف و کلمات کے واسطے کے بغیر اور تقدم و تاخر کے بغیر اس کو سنتا ہے: اِذْ لَا تَجْرِي عَلَيْهِ تَعَالَى زَمَانٌ يَّسَعُ فِيهِ التَّقْدِيمُ وَالتَّأْخِيرُ. یعنی: کیونکہ حق تعالیٰ پر زمانے کے احکام جاری نہیں ہو سکتے، تا کہ تقدیم و تاخیر کی گنجائش ہو۔

اور اس مقام میں اگر بندہ سے سماع (سننا) ہے تو یہ کلی طور پر سماع (سننے والا) ہے اور اگر کلام ہے تو وہ کلی طور پر متکلم ہے اور پوری طرح گوش (کان) ہے اور سب کا سب زبان ہے۔ میثاق کے روز حضرت آدم علیہ السلام کی پیٹھ سے نکالی گئی اولاد نے قولِ اَلْسُنُ بَرَبِكُمْ (کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں۔ سورۃ اعراف، ۱۷۲) کو کسی واسطے کے بغیر اپنی کلیت کے ساتھ سنا اور اپنی کلیت کے ساتھ جواب میں بلی (کیوں نہیں!) کہا۔ یہ سب ہمہ تن گوش تھے اور یہ سب ہمہ تن زبان تھے۔ کیونکہ اگر گوش (کان) زبان سے جدا ہوتے تو بے مثل کے کلام کا سنا حاصل نہ ہوتا اور مرتبہ بے مثل سے متعلق ہونے کے لائق نہ ہوتے۔ لَا يَحْمِلُ عَطَايَا الْمَلِكِ إِلَّا مَطَايَا^(۱)۔ یعنی: بادشاہ کے عطیوں کو اس کی سواریاں ہی اٹھا سکتی ہیں۔

مختصر یہ کہ وہ القاء کیے گئے معنی جو انہوں نے روحانی طور پر اخذ کیے تھے، دوبارہ عالم خیال میں، جو کہ انسان میں عالم مثال کی تمثیل ہے، حروف و کلمات کی صورت میں مرتب ہو کر متمثل ہوتے ہیں اور وہ خطاب والقا لفظی سماع و کلام کی صورت میں منتقل ہوتا ہے، کیونکہ ہر معنی کی اس عالم میں ایک صورت ہے، خواہ وہ معنی بے مثل ہو، لیکن اس جگہ بے مثل کا نقش بھی مثل کی مانند ہے، کیونکہ فہم و افہام اس سے وابستہ ہے جو کہ اس نقش کا اصلی مقصود ہے۔ جب متوسط سا لک خود میں مترتبہ حروف و کلمات پاتا ہے اور لفظی سماع و کلام کا احساس کرتا ہے تو خیال کرتا ہے کہ اس نے یہ حروف و کلمات اصل سے سنے ہیں اور بغیر کسی تفاوت کے اس جگہ سے اخذ کیے ہیں، وہ نہیں سمجھتا کہ یہ حروف و کلمات اس القا کیے گئے معنی کی خیالی صورتیں ہیں اور یہ لفظی سماع و کلام بے مثلی سماع و کلام کی صورت ہے۔ عارف کامل معرفت والا ہونا چاہیے، تا کہ وہ ہر مرتبہ کے حکم کو الگ کرے اور ایک کو دوسرے کے ساتھ نہ ملائے۔ لہذا ان اکابر کا سماع و کلام جو مرتبہ بے مثلی کے ساتھ وابستہ ہے وہ روحانی تلقین والقا کی قسم سے ہے اور یہ کلمات و حروف جو اس تلقین کیے گئے معنی کی تعبیر کرتے ہیں، وہ عالم مثال کی صورتیں ہیں اور جس گروہ نے گمان کیا ہے کہ ہم یہ حروف و کلمات حضرت حق جل سلطنت سے سنتے ہیں، وہ دو فریق ہیں۔ ان دو فریقوں میں سے ایک جس کا حال بہتر ہے، وہ کہتے ہیں کہ یہ سنے جانے والے حروف و کلمات حادثہ اس قدیم کلام نفسی پر دلالت کرتے ہیں۔ دوسرا فریق حق جل شانہ کے کلام کے سماع پر قول کا اطلاق کرتا ہے اور انہی مترتبہ حروف و کلمات کو حق جل و علا کا کلام سمجھتا ہے اور اس چیز میں کوئی فرق نہیں کرتا کہ کونسا کلام حق تعالیٰ کی شان کے لائق ہے اور کونسا کلام حق سبحانہ کی جناب پاک کے شایانِ شان نہیں ہے۔ وَهُمْ الْجَهَّالُ الْبَطَالُ لَمْ يَعْرِفُوا مَا يَجُوزُ عَلَى اللَّهِ سُبْحَانَهُ عَمَّا لَا يَجُوزُ عَلَيْهِ تَعَالَى.

یعنی: یہ لوگ جاہل جھوٹے ہیں جو نہیں جانتے کہ کس چیز کا اطلاق اللہ سبحانہ کے لیے جائز ہے اور کونسی چیز کا اطلاق حق تعالیٰ کے لیے ناجائز ہے۔

سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ط إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ. (سورۃ بقرہ، ۳۲)

یعنی: تو پاک ہے، جتنا علم تو نے ہمیں بخشا ہے، اس کے سوا ہمیں کچھ معلوم نہیں، بیشک تو دانا (اور) حکمت والا ہے۔

وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى خَيْرِ الْبَشَرِ وَآلِهِ وَأَصْحَابِهِ الْأَطْهَرِ.
یعنی: اور خیر البشر (حضرت محمد مصطفیٰ) صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آل و اصحاب پاک پر درود و سلام ہو۔

مکتوب نمبر (۹۳)

حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد سعید کو تحریر فرمایا۔ تعینِ اوّل وجودی کی تحقیق (کے بیان) میں اور حبیب و خلیل اور کلیم علیہم الصلوٰت والتسلیمات کے مبادی تعینات کے درمیان فرق (کے بیان) میں۔

آخر کار جو کچھ کرم و فضل (الہی) سے اس فقیر پر مکشوف کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت تعالیٰ و تقدس کا تعینِ اوّل تعین حضرت وجود ہے جو سب چیزوں کو محیط ہے اور تمام اضداد کا جامع ہے اور خیر محض ہے اور بہت برکت والا ہے۔ حتیٰ کہ اس بلند گروہ کے اکثر مشائخ نے اسے عین ذات تعالیٰ کہا ہے اور ذات سبحانہ پر اس کی زیادتی کو منع کیا ہے۔ یہ (تعین) نہایت ہی دقیق و لطیف ہے کہ ہر شخص کی آنکھ اس کو نہیں پاسکتی اور اس کو اصل سے جدا نہیں کر سکتی۔ اسی لیے اس کا تعین اب تک مخفی رہا اور متعین سے جدا نہ ہوا اور ایک جم غفیر نے اس کو خدا سمجھ کر اس کی عبادت کی اور اس کے علاوہ کسی کو معبود اور مطلوب نہیں بنایا اور انہوں نے آثار خارجی کا مبداء اسی کو سمجھا اور ہر روز کے حوادث کا خالق اسی کو خیال کیا اور یہ غیر حق سے حق کی تمیز ایک ایسی دولت تھی جو اس مسکین کے لیے پیچھے چھوڑا گیا خزانہ تھا اور یہ معبود حقیقی کے ساتھ غیر معبود کی شراکت کی نفی انبیاء علیہم الصلوٰت والتسلیمات کا پس خوردہ تھا جو ان کے اس ٹکڑے اٹھا کر کھانے والے کے لیے باقی بچا تھا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ هَدٰنَا لِهٰذَا قَدْ وَهَبْنَا لِنَهْتَدٰی لَوْلَا اَنْ هَدٰنَا اللّٰہُ جَلَّ جَلّٰہُ لَقَدْ جَاۤءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ. (سورۃ اعراف، ۴۳)

یعنی: اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جس نے ہمیں اس طرف کا راستہ دکھایا۔ اگر وہ ہم کو ہدایت نہ بخشا تو ہم ہرگز راستہ نہ پاتے۔ بیشک ہمارے پروردگار کے رسول (علیہم الصلوٰت والتسلیمات) حق کے ساتھ آئے ہیں۔

نیز (فقیر پر) ظاہر کیا گیا ہے کہ یہ تعینِ اوّل وجودی (حضرت) خلیل الرحمن علی نبینا وعلیہ الصلوٰت والتحیات کا رب ہے اور ان کا مبداء تعین ہے اور ان کی خلقت کا بھی مبداء تعین ہے۔ نیز (فقیر پر) ظاہر کیا گیا ہے کہ اس تعین کا مرکز جو اس کا اشرف جزو ہے اور دوسرے اجزاء میں اصل کے ساتھ اقربیت کی نسبت رکھتا ہے، وہ حضرت حبیب اللہ علیہ وعلیہ جمیع الانبیاء الصلوٰت والتسلیمات کا رب ہے اور نیز آپ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کا اور آپ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی محبت کا مبداء تعین ہے۔

سوال: تعینِ اوّل جب حضرت خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کا رب ہوا تو پھر ہمارے نبی (کریم) علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کسی معنی میں فرمایا ہے: اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُورِیْ. ^(۱) یعنی: اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے میرے نور کو پیدا فرمایا۔

جواب: چونکہ دائرہ کا مرکز دائرہ کے سب اجزاء سے اسبق (پہلے) ہوتا ہے اور نیز جزو کو کل پر تقدم حاصل ہے۔ پس یقیناً آنسو و علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کا مبداء تعین، جس کو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنا نور فرمایا ہے، سب سے اسبق ہوگا۔ دائرہ کا مرکز اگرچہ دائرہ کا جزو ہے اور دائرہ اس کا کل ہے، لیکن وہ ایسا جزو ہے کہ کل کے باقی تمام اجزاء اس سے پیدا ہوئے

ہیں۔ کیونکہ دائرہ کے محیط کے سب اجزا اس جزو کے ظلال ہیں جو اس دائرہ کا مرکز ہے۔ اگر وہ جزو نہ ہو تو دائرہ کا کوئی نام و نشان نہیں ہوگا۔ اس لیے واضح ہوا کہ حضرت خلیل (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کا رب اور مبداء تعین، تعینِ اوّل ہے اور تعینِ اوّل کا منشا جو کہ اس کا مرکز اور اس کے سب اجزا کا اشرف جزو ہے، وہ حضرت خاتم الرسل علیہ علیہم الصلوٰات والتسلیمات کا رب اور مبداء تعین ہے۔ پس سب سے اسبق (حضرت) خاتم نبوت علیہ علی جمیع الانبیاء الصلوٰات والبرکات کی حقیقت ہے اور دوسروں کے ظہور کا منشاء بھی یہی حقیقت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حدیث قدسی میں (حضرت) حبیب اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شان میں آیا ہے: لَوْلَاكَ لَمَّا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ وَلَمَّا اَظْهَرْتُ الرَّبُّوْبِيَّةَ^(۲)۔

یعنی: اگر آپ نہ ہوتے تو میں آسمانوں کو پیدا نہ کرتا اور اپنی ربوبیت کو ظاہر نہ کرتا۔

چونکہ حضرت خاتم الرسل علیہ علیہم الصلوٰات والتسلیمات کا مبداء تعین، تعینِ اوّل کے دائرہ کا مرکز ہے جو کہ حضرت خلیل علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا مبداء تعین ہے، لہذا لازمی طور پر ولایتِ محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) جس کا منشاء محبت ہے، ولایتِ خلیلی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا مرکز ہے، جس کا منشاء غلت ہے اور ولایتِ خلیلی (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) باوجود اوّلیت کے ولایتِ محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) اور حضرت ذات تعالیٰ و تقدس کے درمیان مانع و حائل نہیں ہے، کیونکہ دائرہ کا مرکز دائرہ سے ذاتی طور پر سبقت رکھتا ہے۔ اس طرح پچھلا پہلے کا حائل نہیں ہے، بلکہ معاملہ اس کے برعکس ہے۔

اس مرکز کی سبقت و قرب کی دوسری وجہ سنو! جب اللہ سبحانہ کی عنایت سے مرکز کے اس نقطہ میں دور دور تک جایا جاتا ہے تو اس نقطہ سے، جس کا حاصل محبت ہے، محبت و محبوب الگ الگ ہو جاتے ہیں اور دائرہ کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اس دائرہ کا مرکز محبوبیت ہے اور اس کا محیط محسیت ہے۔ یہ محسیت ولایتِ موسوی علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا مبداء ہے اور اس مبداء کی محبوبیت ولایتِ محمدی علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام ہے۔ اس طرح محبوبیت کا یہ مرکز اس مرکز محسیت سے، جو کہ دائرہ بن گیا ہے، پیش قدم (پہلے) ہوا اور حضرت ذات تعالیٰ کے زیادہ نزدیک ہے، کیونکہ مرکز کو ایک سبقت و قرب حاصل ہے جو دائرہ کو نہیں ہے اور اسی طرح اس مرکز کو دائرہ کے محیط کی نسبت ایک سبقت و قرب نصیب ہے جو محیط کو نہیں ہے۔ اس لیے ولایتِ محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) ولایتِ موسوی علی صاحبہا الصلوٰات والتحتیات سے بھی اسبق و اقرب ہوئی۔

ولایتِ محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سبقت و قرب کی ایک اور وجہ سنو! جب اللہ سبحانہ کے فضل سے اس مرکز محبوبیت میں دور دور تک جایا جاتا ہے تو وہ مرکز بھی دائرہ کی صورت پیدا کر لیتا ہے، جس کا مرکز محبوبیت صرف دکھائی دیتا ہے اور اس محبوبیت کا محیط محسیت سے ملا ہوا ظاہر ہوتا ہے جو کہ آپ علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی امت کے افراد میں سے کسی ایک فرد کو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیروی سے نصیب ہوتا ہے بلکہ ولایتِ موسوی علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیروی سے بھی (نصیب ہوتا ہے) جو کہ دائرہ کے محیط کے مناسب ہے۔ اسی وجہ سے آیا ہے کہ ولایتِ محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمیشہ کے لیے ایک مرکز ہے اور محسیت کا منشاء بھی اسی ولایت کی برکات سے ہے، جس کے ملنے سے مرکز ثانی دائرہ بن گیا ہے اور اس سے ایک اور مرکز پیدا ہو گیا ہے۔ جاننا چاہیے کہ یہ تیسری مرکزیت کام کو بہت زیادہ آگے لے گئی ہے اور نزدیک سے نزدیک تر بنا دیا ہے:

ع با کریمیاں کارہا دشوار نیست
یعنی: کریم لوگوں کے لیے کام مشکل نہیں ہیں۔

اس سے زیادہ ان دقائق و اسرار سے کیا ظاہر کیا جائے اور تعینِ اوّل کے ماوراء سے اس سے زیادہ کیا بیان کیا جائے۔ اگرچہ تعینِ اوّل سے ماوراء جو کچھ ہے وہ اس کا جزو ہے یا ایک یا دو واسطہ سے اس جزو کا جزو ہے، لیکن یہ نظر کشفی میں تعینِ اوّل سے کئی درجے سبقت رکھتا ہے اور اس سے کئی منازل مطلوب کے نزدیک تر ہے۔

سوال: ہر کمال جو جزو کو میسر ہوتا ہے، وہ کل کو بھی میسر ہے، کیونکہ کل سے مراد وہ جزو یا دوسرے اجزا ہیں۔ اس طرح سبقت و قرب جو جزو میں پیدا ہوتا ہے اور کل میں نہیں ہوتا، اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب: جو کمال جزو میں اصالت کے طریقہ سے پیدا ہوتا ہے، وہ کل میں تبعیت اور جزو کی وساطت کی وجہ سے ہوگا، نہ کہ اصالت کے طریقہ سے۔ اور اس میں شک نہیں ہے کہ اصالت کو ایک سبقت (حاصل) ہے جو تبعیت کو (حاصل) نہیں اور اصل کو ایک قرب (حاصل) ہے جو فرع کو (حاصل) نہیں۔ پس اگر دائرہ کار مرکز اپنے مخصوص کمالات میں دائرہ سے آگے نکل جائے تو وہ اس کی گنجائش رکھتا ہے۔ اور اس جواب کی تحقیق یہ ہے کہ جزو کا کمال کل میں اس وقت سرایت کرتا ہے کہ وہ کمال اس جزو کی اصلی ماہیت سے پیدا ہوا ہو۔ اگر جزو میں ایسا کمال ہو جو جزو کی ماہیت کی تبدیلی کے بعد پیدا ہوا تو پھر لازم نہیں ہے کہ وہ کل میں سرایت کرے، کیونکہ وہ جزو اپنی ماہیت کی تبدیلی کے بعد اس کل کا جزو نہیں رہا، تاکہ اس میں سرایت کرے۔ مثلاً چاندی جس کا ایک جزو عملِ اکسیر سے سونا بن جاتا ہے اور وہ چاندی کی ماہیت سے سونے کی ماہیت میں تبدیل ہو جائے تو نہیں کہا جاسکتا کہ اس جزو کے سونے کے کمالات چاندی میں، جو کہ اس کا کل ہے، سرایت کر جائیں گے، کیونکہ وہ جزو (ماہیت کی) تبدیلی کے بعد اس کا جزو نہیں رہا، تاکہ اس میں سرایت کرے۔ پس اس طرح تم سمجھ لو اور جس مسئلہ کے بارے میں ہم بحث کر رہے ہیں اس کی معرفت حاصل کر لو۔

سوال: تعینِ اوّل وجودی کا وجود خارج میں ہے یا وہ صرف علمی ثبوت رکھتا ہے اور ان دو شقوق میں سے کوئی بھی درست نہیں آتی، کیونکہ ان بزرگواروں کے نزدیک خارج میں ایک ذاتِ احد تعالیٰ کے سوا کوئی اور موجود نہیں ہے اور اس خارج میں تعینات اور تنزلات میں سے کسی کا نام و نشان نہیں۔ اور اگر ہم (اسے) ثبوتِ علمی کہیں تو پھر لازم آتا ہے کہ تعینِ علمی اس سے سابق ہے اور یہ مفروضہ کے خلاف ہے؟

جواب: ہم کہتے ہیں کہ نفسِ امر میں ثابت ہے اور اگر خارجی ثبوت میں بھی کہا جائے کہ اس معنی سے علم کے علاوہ بھی اس کا ایک ثبوت ہے تو اس کی بھی گنجائش ہے۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ الْمُلْهِمُ لِلصَّوَابِ۔
یعنی: اور اللہ سبحانہ ہی درست (بات کا) الہام کرنے والا ہے۔

مکتوب نمبر (۹۴)

حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد معصوم سلمہ اللہ کو تحریر فرمایا۔ کمال و جمال ذاتی کے دقائق اور جو مرتبہ مقدسہ اس سے اوپر ہے، اُس کے بیان میں۔ نیز (حضرت) حبیب، (حضرت) غلیل اور (حضرت) کلیم علیہم السلام کے تعینات کا ان دو

مرتبہ سے جو حصہ ہے اور حضرت عالی (مجدد الف ثانی قدس سرہ) کے تعین کا بہرہ کونسا ہے۔

حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ کی ذات بذات خود جمیل ہے اور حسن و جمال ذاتی اسی کے لیے ثابت ہے، لیکن وہ حسن و جمال نہیں جس کا کشف و ادراک ہمیں ہو سکے اور وہ ہماری عقل و خیال میں آ سکے۔ اس کے باوجود اس کی بارگاہ میں ایک اور مرتبہ مقدس ہے کہ یہ حسن و جمال بھی انتہائی عظمت و کبریائی کے باوجود اس مرتبہ تک نہیں پہنچ سکتا اور اس کے حسن و جمال سے متصف نہیں ہو سکتا۔ تعین اول، جو کہ تعین وجودی ہے، وہ اس کمال و جمال ذاتی کا تعین ہے اور ان کا ظل اول ہے اور اس مرتبہ اقدس، جس میں کمال و جمال کی بھی گنجائش نہیں ہے، سے اس تعین میں کوئی (چیز) موجود نہیں، کیونکہ وہ اپنی انتہائی عظمت و کبریائی کی وجہ سے کسی تعین کے ساتھ متعین نہیں ہو سکتا:

ع در کدام آئینہ در آید او

یعنی: وہ کس آئینے میں سما سکتا ہے۔

اس کے باوجود اس مرتبہ اقدس سے ایک راز و کیفیت اس تعین اول کے دائرہ کے مرکز میں امانت کے طور پر رکھی گئی ہے اور اس بے نشان کا نشان اس میں پنہاں کیا گیا ہے۔ جس طرح کہ تعین اول ولایت خلیلی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کا منشاء ہے (اُسی طرح) وہ راز اور کیفیت جو اس تعین کے مرکز میں رکھی گئی ہے، وہ ولایت محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا منشاء ہے اور وہ حسن و جمال ذاتی جس کا ظل تعین اول ہے، وہ اس صباحت (زیبائی) سے مشابہت رکھتا ہے جو عالم مجاز میں رخسار کے حسن اور تل کے جمال کی قسم میں سے ہے اور وہ راز اور کیفیت جو مرکز میں امانت کے طور پر رکھی گئی ہے، وہ اس ملاححت (دلکشی) سے مناسبت رکھتی ہے جو کہ قد کی خوبی اور رخسار کی صباحت (زیبائی) میں سے ہے اور آنکھ کے حسن اور تل کے جمال سے بھی بالاتر ایک ذوقی معاملہ ہے، جب تک وہ ذوق عطا نہ فرمائیں، وہ سمجھا نہیں جاسکتا۔ ایک شاعر کہتا ہے:

آں دارد آں نگار کہ آنست ہر چہ ہست آں را طلب کنید حریفان کہ آں کجاست

یعنی: وہ محبوب وہ کچھ رکھتا ہے کہ جو کچھ ہے وہی ہے۔ اے دوستو! اسی کو طلب کرو کہ وہ کہاں ہے؟

آپ اس بیان سے ان دو ولایتوں کے درمیانی فرق کو معلوم کر لیں۔ اگرچہ دونوں ہی حضرت حق تعالیٰ و تقدس کی ذات کے قرب سے پیدا ہوتی ہیں۔ ایک کا مرجع ذات کے کمالات ہیں اور دوسرے کا مال صرف ذات تعالیٰ ہے۔ اور چونکہ ملاححت (دلکشی) صباحت (زیبائی) سے برتر ہے، لہذا صباحت کے مراتب طے کرنے کے بعد ملاححت تک پہنچنے کی صورت بنتی ہے۔ جب تک ولایت ابراہیمی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے سب مراتب کا وصول میسر نہ ہو جائے (اُس وقت تک) اس ولایت کی حقیقت کا وصول میسر نہیں ہوتا جو کہ ولایت محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے اعلیٰ درجے کی بلندی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اسی وجہ سے خاتم الرسل علیہ علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ملت کی متابعت پر مامور ہوئے ہوں، تاکہ اس متابعت کے وسیلہ سے ان کی ولایت کی حقیقت تک پہنچ جائیں اور وہاں سے اپنی ولایت کی حقیقت سے متحقق ہو جائیں، جس کی تعبیر ملاححت سے کی گئی ہے۔ چونکہ ہمارے نبی (کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام) کو ولایت خلت کے دائرہ کے مرکز سے ذاتی مناسبت ہے جو کہ حضرت اجمال ذات تعالیٰ کے بہت ہی قریب ہے اور اس دائرہ کے محیط سے بہت کم مناسبت رکھتا

ہے کیونکہ وہ ذات تعالیٰ کے کمالات کی تفصیل کی طرف رخ رکھتا ہے۔ لہذا جب تک اس دائرہ کے محیط کے کمالات سے بھی متحقق نہ ہوں (اُس وقت تک) خلت کی ولایت مکمل نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ درودِ ماثورہ میں آیا ہے کہ کَمَا صَلَّيْتَ عَلَيَّ اِبْرَاهِيْمَ (جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر رحمت نازل فرمائی ہے)، تاکہ ولایت خلت کے تمام کمالات آپ کو میسر آجائیں، جیسا کہ اس ولایت کے صاحب علی نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کو میسر ہوئے تھے۔ چونکہ ولایتِ محمدی علیہ الصلوٰۃ والتحیات کا مکان طبعی ولایتِ خلیلی علیہ الصلوٰۃ والتحیات کے دائرہ کے مرکز کا نقطہ ہے اور اس کی سیر بھی اس دائرہ کی مرکزی سیر پر وابستہ ہے۔ اس طرح یقیناً وہاں سے نکلنا اور اس دائرہ کے محیط میں داخل ہونا اور اس کے کمالات کو کسب کرنا مشکل ہے اور طبیعت کے تقاضا کے خلاف ہے، اس لیے آنحضرت علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی امت کے افراد میں سے کوئی ایسا فرد واسطہ ہونا چاہیے جو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اتباع سے اس مرکز کے عین میں ہو اور دوسرے راستے سے اس دائرہ کے محیط کے ساتھ مناسبت رکھتا ہو، تاکہ وہ اس مرتبہ کے کمالات کسب کرے اور اس مرتبہ کی حقیقت سے متصف ہو جائے اور اس کا پیغمبر متبوع (جس کی اتباع کی جائے) بھی مِّنْ سُنَّةٍ سُنَّةٍ حَسَنَةٍ فَلَهُ اَجْرُهَا وَاجْرَ مَنْ عَمِلَ بِهَا^(۱) (جس نے کوئی نیک سنت جاری کی اُس کے لیے اجر ہے، اور جو اُس پر عمل کرے اُس کے لیے بھی اجر ہے) کے حکم سے اس فرد کے واسطہ سے ان کمالات سے متصف ہو جائے اور ولایتِ خلیلی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے سب مراتب کو مکمل کر لے۔

اس معما کے راز کا بیان جو اس فقیر پر ظاہر کیا گیا ہے، وہ یہ ہے کہ ولایتِ خلت کے دائرہ کے مرکز کا نقطہ جس نے محسبیت کی بنا پر اس کے باقی سب نقاط پر محبت میں امتیاز پالیا ہے، اگرچہ وہ بسیط ہے لیکن چونکہ اعتبارِ محبت اور اعتبارِ محبوبیت پر مشتمل ہے، لہذا وہ دائرہ کی صورت پیدا کر لیتا ہے اور اس مرکز سے ایک اور دائرہ پیدا کرتا ہے جس کا محیط محسبیت کا اعتبار ہے اور اس کا مرکز محبوبیت کا اعتبار ہے۔ ولایتِ موسوی علی نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کا منشاء محبت کا اعتبار ہے جو کہ اس دائرہ کا محیط ہے اور ولایتِ محمدی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کا منشاء محبوبیت کا اعتبار ہے جو کہ اس دائرہ کا مرکز ہے۔ حقیقتِ محمدی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کا حاصل ہونا اس جگہ تصور کرنا چاہیے۔ ہزار سال کے بعد دائرہ ثانی کے مرکز کا یہ نقطہ جس سے حقیقتِ محمدی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) متعلق ہے، اس نے بھی ایک وسعت پیدا کر لی ہے اور دو اعتبار اس میں ظاہر ہو گئے اور وہ دائرہ کی صورت میں سامنے آ گیا جو کہ اس محبوبیت صرف کا مرکز ہے اور اس محبوبیت کا محیط محسبیت سے ملا ہوا ہے۔ ولایتِ احمدی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کا منشاء اس دائرہ کا مرکز ہے اور (حضرت) احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آنسور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دوسرا نام ہے، جس سے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) آسمان والوں میں معروف ہیں، جیسے کہ کہا گیا ہے۔ اسی وجہ سے ہو سکتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علی نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام جو آسمان والوں میں سے ہو چکے ہیں، نے آنسور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تشریف آوری کی بشارت احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نام سے دی ہے۔ اس اسم مبارک کو ذاتِ احمد جل شانہ کے ساتھ بہت زیادہ تقرب (حاصل) ہے اور یہ دوسرے اسم (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) سے ایک منزل حضرت ذاتِ جل سلطانہ سے نزدیک تر ہے، جیسا کہ واضح ہے اور یہ نام اسم مبارک احد سے میم کا ایک حلقہ جدا ہوا ہے جو محبت کا مبداء ہے جو کہ ظہور و اظہار کا باعث بنا ہے۔ اسی طرح میم جو احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں درج ہوئی ہے وہ قرآن کے حروفِ مقطعات میں سے ہے جو کہ سورتوں کے آغاز

میں نازل ہوئے ہیں اور یہ دقیق پوشیدہ رازوں میں سے ہیں۔ میم کے اس مبارک حرف کو آنسور (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے ساتھ ایک خاص خصوصیت حاصل ہے جو کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی محبوبیت کا باعث بنی ہے اور اس نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو سب سے زیادہ فوقیت دی ہے۔

اب ہم اصل بات کی طرف آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس دائرہ کا محیط جس سے مراد محبوبیت ہے، جو محبت سے ملی ہوئی ہے، اس کا منشاء آنسور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت کے افراد میں سے ایک فرد کی ولایت ہے جو ولایت محمدی مرکزی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حاصل ہونے کے باوجود دائرہ کے محیط کے ساتھ بھی مناسبت رکھتا ہے اور اس نے اس کے کمالات بھی حاصل کیے ہیں۔ اور معلوم ہوا کہ یہ دوسری دولت اس کو ولایت موسوی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) سے حاصل ہوئی ہے اور وہ ان دونوں عظیم ولایتوں کے طفیل مرکز اور محیط کے کمالات کا جامع ہوا ہے اور یہ تو مقررہ اصول ہے کہ جو کمال امت کو میسر ہوتا ہے وہ اس امت کے نبی کو بھی حاصل ہے۔ پس مَنْ سَنَّ سُنَّةَ حَسَنَةً (جس نے کوئی نیک سنت جاری کی) کے حکم سے آنسور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی اس فرد کے توسط سے اس دائرہ کے محیط کے کمالات میسر ہوئے اور ولایت خلت آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حق میں بھی کامل ہو گئی اور اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰی اِبْرَاهِيْمَ (اے اللہ! تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر رحمت نازل فرما، جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر رحمت نازل فرمائی ہے) کی دعا ایک ہزار سال کے بعد قبولیت سے مشرف ہوئی اور درخواست قبول ہوئی۔ ولایت خلت کی تکمیل کے بعد آنسور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کاروبار اس راز و کیفیت کے ساتھ ہے جو کہ مرکز میں امانت کے طور پر رکھا گیا ہے اور اس کی تعبیر ملاحظہ (دلکشی) سے کی گئی ہے۔ اس فرد کو امت کی پاسبانی اور نگہبانی کے لیے اس مقام سے عالم کی جانب دوبارہ واپس کر دیا اور خود غیب الغیب کے خلوت خانہ میں محبوب کے ساتھ خلوت اختیار کر لی ہے۔ شعر:

هَنِيئًا لَا رُبَابَ النَّعِيمِ نَعِيمُهَا وَلِلْعَاشِقِ الْمُسْكِينِ مَا يَتَجَرَّعُ

یعنی: نعمت والوں کو ان کی نعمتیں مبارک ہوں اور عاشق مسکین کو خون کے گھونٹ۔

جاننا چاہیے کہ تیسرے مرکز کا محیط اگر چہ تعین اوّل کے مرکز کے محیط کی نسبت چھوٹا نظر آتا ہے، لیکن وہ سب سے زیادہ جامع ہے۔ کیونکہ جو کچھ حضرت ذات جل شانہ کے زیادہ نزدیک ہے وہ زیادہ جامع ہے۔ اس کے چھوٹا ہونے کو انسان کے چھوٹا ہونے کی مانند سمجھنا چاہیے کہ چھوٹا ہونے کے باوجود یہ عالم کی سب اصناف سے زیادہ جامع ہے۔ ایسے ہی جو شخص اس محیط کے کمالات سے متصف ہوا اور مرکز کے اجمال سے محیط کی تفصیل میں آ گیا تو اس کی وہ بے مناسبتی جو وہ محیط و تفصیل کے ساتھ رکھتا تھا، ختم ہو گئی اور وہ بلا تکلف ایک تفصیل سے دوسری تفصیل میں چلا گیا اور اس تفصیل کے کمالات سے بھی متصف ہو گیا۔ سنو! باوجود کمال درجے کے اقتدار کے جب نظام حکومت کو حکمت سے وابستہ کیا گیا ہے تو پھر مجبوروں کی تربیت کے لیے بھی اسباب کے وجود سے چارہ نہیں ہے۔ اگرچہ سب کا وجود بہانہ سے زیادہ کچھ نہیں اور قدرت کے پردہ سے زیادہ کچھ نہیں۔

سُنَّةُ اللَّهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا. (سورۃ فتح ۲۳)

یعنی: (یہی) اللہ کی عادت ہے جو پہلے سے چلی آتی ہے اور تم اللہ کی عادت کبھی بدلتی نہ دیکھو گے۔

تنبیہ: نبی اگرچہ بعض کمالات کو اپنی امت کے افراد میں سے ایک فرد کے توسط سے حاصل کرتا ہے اور اس کے توسط سے بعض مقامات پر پہنچتا ہے، لیکن اس چیز سے نبی کے لیے کوئی نقص لازم نہیں آتا اور اس فرد کو اس توسط سے اس نبی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہوتی، کیونکہ اس فرد نے یہ کمال اس نبی کی متابعت سے پایا ہے اور وہ اس کے طفیل ہی اس دولت تک پہنچا ہے۔ لہذا وہ کمال درحقیقت اس نبی کا کمال ہے اور اس کی متابعت کا نتیجہ ہے اور وہ فرد اس کا خادم ہونے سے زیادہ کچھ بھی نہیں ہے جو اس کے خزانوں سے خرچ کر کے زیبا لباس اور خوبصورت فرش تیار کر کے لاتا ہے جو مخدوم کے مزید حسن و جمال کا باعث بنتے ہیں اور اس کی عظمت و کبریائی میں اضافہ ہوتا ہے۔ اس جگہ مخدوم کا کونسا نقص ہے اور (اس میں) خادم کی کونسی برتری ہے۔ (اپنے) برابر کے لوگوں سے مدد اور اعانت لینا نقص ہے، لیکن خادموں اور غلاموں سے مدد اور اعانت لی جائے تو وہ عین کمال ہے اور جاہ و جلال کی زیادتی کا موجب ہے۔ وہ شخص ناقص ہے جو ایک کو دوسرے سے ملائے اور نقص ہونے کے وہم میں پڑے۔ بادشاہ اپنے خادموں اور نوکروں کی امداد سے ملکوں کو حاصل کرتے ہیں اور قلعوں کو فتح کرتے ہیں اور اس امداد سے سوائے بادشاہوں کی عظمت اور جاہ و جلال کے کچھ معلوم نہیں ہوتا اور خادموں اور نوکروں کے لیے شرف و عزت کے سوا کچھ ظاہر نہیں ہوتا۔ امتیں انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کی خادم اور غلام ہیں۔ اگر ان کی طرف سے ان بزرگواروں کو امدادیں پہنچیں تو اس سے ان کی شان میں نقص کے وہم کی کونسی جگہ ہے۔ اور لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ یہ بزرگوار ہرگز امداد کے محتاج نہیں ہیں اور ان کو کمال کے سبب مراتب حقیقی طور پر حاصل ہیں، یہ چیز صریحاً بے غرضی اور خود پسندی ہے۔ کیونکہ یہ بزرگوار بھی اللہ جل شانہ کے بندے ہیں اور ہمیشہ اس کے فضل و رحمت کے فیض و برکات کے امیدوار ہیں اور ہمیشہ ترقیوں کے طالب ہیں۔ حدیث میں آیا ہے: مَنْ اسْتَوَى يَوْمَهُ فَهُوَ مَغْبُورٌ^(۲) یعنی: جس کے دو دن برابر ہوں وہ خسارے میں ہے۔

نیز آنسور علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی امت کو فرمایا ہے: سَلُّوا لِيَ الْوَسِيلَةَ^(۳)۔

یعنی: میرے لیے وسیلہ طلب کرو۔

نیز صحاح کی حدیث میں آیا ہے کہ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ يَسْتَفْتِحُ بِصَعَالِيكَ

الْمُهَاجِرِينَ^(۴)۔

یعنی: رسول اللہ علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام جنگلوں میں فقیر مہاجرین کے وسیلہ سے فتح کی دعا مانگا کرتے تھے۔ یہ سب امداد و اعانت کی طلب ہے۔ جو لوگ ان بزرگواروں کے حق میں امتوں کی امداد و اعانت کو تجویز نہیں کرتے اور ان بزرگواروں کو ان کی امداد و اعانت کا محتاج نہیں سمجھتے، ان کی نگاہ انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کی بزرگی پر پڑی ہے اور ان کے بلند درجات ان کی نظر میں آگئے ہیں، اس کے ساتھ اگر ان کی نگاہ ان بزرگواروں کی عبودیت پر بھی پڑتی اور وہ جو اپنے مولیٰ جل شانہ سے ضرورتیں رکھتے ہیں، اگر ان کو یہ بھی معلوم ہو جاتیں تو امتوں کی امداد سے انکار نہ کرتے اور ان کے خادموں اور غلاموں کی اعانت سے دوری اختیار نہ کرتے۔ رَبَّنَا اَتْمِمْ لَنَا نُورَنَا وَاعْفِرْ لَنَا جِ انَّكَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ^(۵)۔ (سورۃ تحریم، ۸)

یعنی: اے ہمارے پروردگار! ہمارا نور ہمارے لیے پورا کر اور ہمیں معاف فرما، بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے۔

وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيَّ نَبِيِّنَا وَعَلَىٰ جَمِيعِ الْأَنْبِيَاءِ وَعَلَى الْمَلَائِكَةِ الْكَرَامِ الْعِظَامِ.
یعنی: اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور تمام انبیاء اور ملائکہ کرام عظام پر درود و سلام ہو۔

مکتوب نمبر (۹۵)

مولانا صالح کولابی کو تحریر فرمایا۔ ان اسرار (کے بیان) میں جو حضرت عالی مدظلہ العالی (مجدد الف ثانی قدس سرہ) کی ولایت کے ساتھ مخصوص ہیں۔

اگرچہ اس فقیر کی ولایت، ولایت محمدی اور ولایت موسوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی پروردہ (ترتیب یافتہ) ہے اور ان دو اکابر علیہا الصلوٰۃ والسلام کے طفیل نسبت محبوبی اور نسبت محبی سے مرکب ہے، کیونکہ محبوبوں کے سردار حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور محبین کے سردار حضرت کلیم اللہ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ لیکن حضرت خاتم الرسل علیہ وعلیہم وعلی آل کل الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کے وسیلہ سے میری ولایت کے ساتھ اور ہی کاروبار ہے اور اس کے ساتھ الگ ہی معاملہ متعلق ہے۔ اگرچہ اس ولایت کی اصل ہمارے نبی (کریم) علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی ولایت ہے جو ولایت محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) جس کا منشاء اصالت کے ساتھ محبوبیت صرف کی نسبت ہے، لیکن چونکہ ولایت موسوی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) جو اصالت کے ساتھ محسبیت صرف سے پیدا ہے، بھی اس ولایت میں شامل ہوگئی ہے اور اس کے رنگ میں رنگین ہوگئی ہے، (لہذا) اس نے ایک اور ہیئت پیدا کر لی ہے، بلکہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ ایک دوسری حقیقت بن گئی ہے اور اس نے ایک اور پھل دیا ہے اور ایک دوسرا نتیجہ لائی ہے۔ (کسی نے) خوب کہا ہے:

ازیں انیوں کہ ساقی در مے افگند حریفان را نہ سرماند و نہ دستار

یعنی: اس انیوں سے جو ساقی نے شراب میں ملائی ہے، حریفوں کا نہ سرٹھکانے رہا اور نہ پگڑی (یعنی بے ہوش ہو گئے ہیں)۔

رَبَّنَا آتِنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً وَهَيِّءْ لَنَا مِنْ أَمْرِنَا رَشَدًا. (سورۃ کہف، ۱۰)

یعنی: اے ہمارے پروردگار! ہم پر اپنے ہاں سے رحمت نازل فرما اور ہمارے کام میں درستی (کے سامان) مہیا کر۔

وَالسَّلَامُ عَلَيَّ مَنْ اتَّبَعَ الْهُدَى. (سورۃ طہ، ۴۷)

یعنی: اور جو شخص ہدایت کی بات مانے، اُس کو سلامتی نصیب ہو۔

فصل بالخیر

اگر (فقیر) اس کاروبار سے، جو اس ولایت سے متعلق ہے، تھوڑا سا ظاہر کرے، یا جو معاملات ان دونوں ولایتوں سے وابستہ ہیں، ان کے بارے میں ایک اشارہ کے طور پر ظاہر کرے تَوْفِیْعَ الْبُلْعُومِ وَذُبْحَ الْحُلُقُومِ^(۱)۔
یعنی: نذر خرا کاٹ دیا جائے اور گلا ذبح کر دیا جائے۔

جب (حضرت) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بعض علوم کے ظاہر کرنے پر جو انہوں نے حضرت نبی (کریم) علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام سے حاصل کیے تھے ”نذر خرا کاٹ دیا جائے“ کہتے ہیں تو پھر دوسروں کے بارے میں کیا کہا جائے۔ اللہ جل سلطانہ کے پوشیدہ اسرار جو وہ اپنے خاص الخاص بندوں پر ظاہر فرماتا ہے اور کسی نامحرم کو ان کے آس پاس پھٹکنے نہیں دیتا۔ حضرت خاتم

الرسال علیہ علیہم الصلوٰات والتسلیمات جو کہ سارے جہانوں کے لیے رحمت ہیں، نے کمالِ معرفت اور قدرت کی فراوانی سے وہ اسرارِ حضرت ابو ہریرہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) وغیرہ کے درمیان بیان فرمائے اور سننے والوں میں ان کی قابلیت سمجھتے ہوئے وہ پوشیدہ موتی ان پر ایثار (نچھاور) فرمائے اور مجھ جیسا بے سر و سامان مفلس ان کے ذکر اور ان اسرار کے اظہار سے خوف کھاتا اور کانپتا ہے اور (اپنی) اس خرابی و آوارگی کی وجہ سے اس طرح کے بلند مطالب سے کسی قسم کی مناسبت نہیں رکھتا، لیکن جانتا ہے کہ:

ع با کریموں کا رہا دشوار نیست

یعنی: کریم لوگوں کے لیے کام مشکل نہیں ہیں۔

ہاں! اللہ جل شانہ ایسا ہی (کریم) ہونا چاہیے اور اللہ کے لائق ایسا ہی کرم ہونا چاہیے۔ یہ کرم آج کے ہم لوگوں پر ہی نہیں ہے، بلکہ اس نے ہماری مٹھی بھر خاک کو زمین سے اٹھا کر اپنا خلیفہ بنالیا اور اپنا نائب بنا کر اسے چیزوں کا قیوم (انتظام کرنے والا) بنادیا اور بغیر کسی واسطہ کے اسے تمام چیزوں کے ناموں کی تعلیم فرمائی اور فرشتے جو اس کے کرم بندے ہیں، ان کو اس کا شاگرد بنا ڈالا اور باوجود اس بزرگی کے ان کو اسے سجدہ کرنے کا حکم فرمایا اور ابلیس جو فرشتوں کے معلم کا لقب رکھتا تھا اور طاعت و عبادت میں عظیم شان رکھتا تھا، جب اس نے اس کو سجدہ کرنے سے انکار کیا اور اس نے اس کی تعظیم و توقیر نہ کی تو اس نے اس کو اپنی درگاہ معلّٰی سے نکال کر لعنتی اور مردود بنادیا اور اسے قابلِ ملامت و مطعون بنایا اور اس نے اس مٹھی بھر خاک کو ایک قدرت و ہمت بخشی جس سے اس نے اس کی امانت کا بوجھ اٹھالیا، وہ امانت جس کے اٹھانے سے آسمانوں وزمین اور پہاڑوں نے انکار کر دیا تھا اور ڈر گئے تھے۔ نیز اس نے اس کو ایسی قوت عطا فرمائی کہ اس نے اس قوت سے اپنی مثلی و مثالی کے باوجود آسمانوں وزمین کے بے مثل و بے مثال خالق کی رویت کی قابلیت پیدا کر لی۔ جبکہ پہاڑ اس سخت مضبوطی کے باوجود اس کی ایک تجلی سے ریزہ ریزہ ہو گیا اور خاک بن گیا۔ وہ اللہ جو قدیم سے احسان کرنے والا اور سب مہربانوں سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے، وہ ایسا قادر ہے کہ مجھ جیسے پیچھے رہ جانے والے کو سائقین کے درجات تک پہنچا دے اور ان کے طفیل ان کی دولت میں شریک فرما دے:

اگر بادشاہ بر در پیر زن بیاید تو اے خواجہ سہلت مکن

یعنی: اگر بادشاہ بڑھیا کے دروازے پر آجائے تو اے خواجہ! تو حسد سے اپنی داڑھی مت نوچ۔

تنبیہ: حضرت حق سبحانہ ہمیشہ اپنے تنزیہ و تقدیس پر ہے اور حدوث اور نقص کی علامات سے پاک اور مبرا ہیں۔ تغیر و تبدل کو حضرت جل سلطانہ کی درگاہ میں کوئی گز نہیں اور اتصال و انفصال کی اس کی بارگاہ میں کچھ گنجائش نہیں۔ اس جگہ حالیت (کسی چیز میں حلول ہونا) اور محلیت (کسی چیز کا اس میں حلول ہونا) تجویز کرنا کفر ہے اور اتحاد اور عینیت کا حکم کرنا عین الحاد اور بے دینی ہے۔ حق تعالیٰ کے بندے اس کی بارگاہ میں جس قدر قرب اور وصل پیدا کر لیں، وہ جسم کا جسم کے ساتھ قرب کی قسم سے نہیں ہوگا اور جو ہر سے عرض کے اتصال کی مانند نہیں ہے۔ وہاں اگر قرب ہے تو وہ بے مثل ہے اور اگر وصل ہے تو وہ بھی بے مثل ہے۔ ان بزرگوں کا سب کاروبار حضرت حق جل سلطانہ کی بارگاہ میں عالم بے مثلی سے ہے اور عالم مثل کی عالم بے مثل کے ساتھ نسبت ایسی ہے جیسے قطرے کی دریائے محیط کے ساتھ نسبت ہے، کیونکہ وہ ممکن ہے اور یہ واجب تعالیٰ ہے۔

نیز یہ کہ عالمِ مثل زمان و مکان کی تنگی میں موجود ہے اور عالمِ بے مثل اس تنگی سے آزاد ہے اور زمان و مکان سے فارغ ہے۔ ہاں! عبارت اور تعبیر کا میدان اُس عالم میں وسیع ہے اور اس عالم میں تنگ و تاریک ہے، کیونکہ وہ عبارت سے برتر ہے اور اشارہ سے بعید ہے۔ رحم الراحمین (سب مہربانوں سے زیادہ مہربان) نے اپنے خاص بندوں کو اس بے مثلی سے ایک حصہ نصیب عطا فرما کر ان کو عالمِ بے مثل میں داخل کیا ہے اور ان کو بے مثلی کے معاملات سے مشرف فرمایا ہے۔ بالفرض اگر اس بے مثلی کی تعبیر مثل سے کریں تو یہ اس سے زیادہ بعید ہے، جیسے کہ بالغ آدمی نابالغوں کے سامنے جماع کی لذت کو چھینی اور شکر کی لذت سے تعبیر کریں، کیونکہ یہ دونوں لذتیں ایک ہی عالمِ مثل سے ہیں اور وہ تعبیر و عبارت دو الگ الگ عالموں سے ہیں۔ مجبوراً جب کوئی شخص بے مثل کی تعبیر مثل سے کرے اور بے مثل پر مثل کے احکام جاری کرے تو اس کا موقع ہے کہ وہ طعن و تردید کا مورد بن جائے اور اس پر الحادو بے دینی کی تہمت لگے۔ لہذا ان اسرار کی دقت و پوشیدگی عبارت و تعبیر کے لحاظ سے ہوئی نہ کہ تحقیق اور حصول کی وجہ سے۔ کیونکہ ان اسرار سے متصف ہونا کمالِ ایمان ہے اور اس بے مثل کی مثل کی عبارتوں میں تعبیر کرنا عین کفر اور الحاد ہے۔ اس جگہ اس (ارشاد) کو سامنے رکھنا چاہیے کہ مَنْ عَرَفَ رَبَّهُ كَلَّ لِسَانُهُ^(۲)۔

یعنی: جس نے اللہ کو پہچان لیا، اُس کی زبان گنگ ہو گئی۔

رَبَّنَا آتِنَا نُورًا وَاعْفِرْ لَنَا إِنَّكَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ۔ (سورۃ تحریم، ۸)

یعنی: اے ہمارے پروردگار! ہمارا نور ہمارے لیے پورا کر اور ہمیں معاف فرما، بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ أَوَّلًا وَآخِرًا وَالصَّلَاةُ عَلَى رَسُولِهِ دَائِمًا وَسَرْمَدًا۔

یعنی: اوّل و آخر میں اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے رسول (کریم صلی اللہ علیہ وسلم) پر دائمی وابدی طور پر درود (و)

سلام) ہو۔

مکتوب نمبر (۹۶)

فقیر ہاشم کشمی کو تحریر فرمایا۔ ان اسرار (کے بیان) میں جو آنسور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دو مبارک ناموں

(حضرت) احمد اور (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے متعلق ہیں۔

ہمارے نبی (کریم) علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام دو (مبارک) ناموں سے موسوم ہیں اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم)

کے یہ دونوں مبارک نام قرآن مجید میں مذکور ہیں۔ (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا: مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ۔ (سورۃ فتح، ۹)

یعنی: (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں۔

نیز (اللہ تعالیٰ نے) روح اللہ (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کی بشارت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: اِسْمُهُ أَحْمَدُ۔ (سورۃ

صف، ۶) یعنی: (میرے بعد جو رسول آئیں گے) ان کا نام احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوگا۔

ان دونوں مبارک ناموں میں سے ہر ایک کی ولایت الگ ہے۔ ولایتِ محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) اگرچہ آپ علیہ

الصلوٰۃ والسلام کے مقامِ محبوبیت سے پیدا ہوئی ہے، لیکن اس مقام میں محبوبیت صرف موجود نہیں ہے، بلکہ اس میں محبت کی

کیفیت بھی ملی ہوئی ہے۔ اگرچہ یہ آمیزش اس کے لیے اصالت کے طور پر ثابت نہیں ہے، لیکن یہ مقامِ محبوبیت صرف کی مانع

ہے۔ ولایتِ احمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) محبوبیتِ صرف سے پیدا ہے جس میں محبوبیت کی آمیزش نہیں ہے اور یہ ولایت پہلی ولایت سے پیش قدم (آگے بڑھی ہوئی) ہے اور ایک منزلِ مطلوب کے زیادہ نزدیک ہے اور محبت کو زیادہ مرغوب (پسند) ہے، کیونکہ محبوب جس قدر محبوبیت میں زیادہ کامل ہوتا ہے، اس کا استغنا اور بے نیازی بھی کامل تر ہوتی ہے اور یہ محبت کی نظر میں زیادہ زیبا دکھائی دیتا ہے اور زیادہ رعنا (خوبصورت) نظر آتا ہے اور محبت کو اپنی طرف زیادہ کھینچتا ہے اور اس کو زیادہ فریفتہ و دیوانہ بناتا ہے:

نہ تنہا آفتم زیبائی اوست بلائے من ز ناپروائی اوست

یعنی: اس کی خوبصورتی ہی میرے لیے آفت نہیں ہے، بلکہ اس کی بے پروائی بھی میرے لیے بلا بنی ہے۔

بلا سے مراد عشق کی زیادتی ہے جو عاشق کو مطلوب ہے۔ سبحان اللہ! (حضرت) احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک عجیب بزرگ نام ہے جو مقدس کلمہ ”احد“ اور حرفِ میم کے حلقہ سے مرکب ہے جو عالم بے مثل میں اللہ جل شانہ کے پوشیدہ اسرار میں سے ہے اور اس کی گنجائش نہیں رکھتا کہ عالمِ مثل میں اس کے پوشیدہ راز کی تعبیرِ میم کے حلقہ کے بغیر کی جاسکے اور اگر اس کی گنجائش ہوتی تو حضرت سبحانہ و تعالیٰ اس کی تعبیر فرماتا۔ احدا حد ہے کہ لَا شَرِيكَ لَهُ. (سورۃ انعام، ۱۶۳) یعنی: اس کا کوئی شریک نہیں۔

اور میم کا حلقہ عبودیت (بندگی) کا طوق ہے جس نے بندہ کو مولیٰ سے جدا کر دیا ہے۔ پس بندہ وہی میم کا حلقہ ہے اور لفظ ”احد“ اس کی تعظیم کے لیے آیا ہے اور اس نے آپ علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی خصوصیت کا اظہار کیا ہے:

چو نام این است نام آور چہ باشد مکرّم تر بود از ہر چہ باشد

یعنی: جب نام یہ ہے تو نام والا کیسا ہوگا، وہ ہر ایک سے مکرم تر ہوگا۔

ہزار سال کے بعد بھی اس میں عظیم امور کی تبدیلی کے لیے ایک تاثیر رکھی گئی ہے۔ اس ولایت کا معاملہ اس ولایت تک پہنچ گیا ہے اور ولایتِ محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) ولایتِ احمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) سے انجام پائی ہے اور عبودیت (بندگی) کے دو طوقوں کا معاملہ ایک طوق سے متعلق ہو گیا اور پہلے طوق کی جگہ حرفِ الف، جو کہ اس کے رب کی جانب سے ایک رمز ہے، متمکن ہو گیا، تب ”محمد“، ”احمد“ علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام ہو گیا۔ اس کا بیان یہ ہے کہ عبودیت (بندگی) کے دونوں طوق میم کے دو حلقوں سے عبارت ہیں جو مبارک نام (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں درج ہوئی ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ یہ دونوں طوق آپ علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کے دونوں تعین کی طرف اشارہ ہو۔ ان دو تعین میں سے ایک تعین جسمی بشری ہے اور دوسرا روحی ملکی ہے۔ تعینِ جسمی میں اگرچہ موت کے عارض ہونے سے فتور آ گیا تھا اور تعینِ روحی نے قوت حاصل کر لی تھی، لیکن اس تعین کا اثر باقی رہا تھا۔ اس لیے ہزار سال درکار تھے تاکہ وہ اثر بھی زائل ہو جائے اور اس تعین سے کوئی نشان نہ رہے اور جب ہزار سال آخر کو پہنچے اور اس تعین سے کوئی اثر (باقی) نہ رہا اور عبودیت (بندگی) کے ان دو طوقوں میں سے ایک طوق ٹوٹ گیا اور اس پر ایک زوال اور ایک فنا طاری ہو گئی اور الوہیت کا ”الف“ جس کو بقائے باللہ کے مانند کہا جاسکتا ہے، وہ اس کی جگہ بیٹھ گیا تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بن گیا اور ولایتِ محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے

ولایت احمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) میں انتقال فرمایا۔ پس محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) دو تعین سے عبارت ہوا اور احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) صرف ایک تعین سے (عبارت ہے)۔ لہذا یہ نام حضرت اطلاق کے سب سے زیادہ قریب ہے اور عالم سے زیادہ دور ہے۔

سوال: جو فنا و بقا مشائخ نے مقرر کی ہے اور ولایت کو اس سے متعلق بنایا ہے، وہ کس معنی سے ہے؟ اور جو فنا و بقا تعین محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) میں کہی گئی ہے، یہ کون سے معنی سے ہے؟

جواب: وہ فنا و بقا جس سے ولایت وابستہ ہے، وہ فنا و بقا شہودی ہے۔ اگر فنا و زوال ہے تو نظر کے اعتبار سے ہے اور اگر بقا و ثبات ہے تو وہ بھی نظر کے اعتبار سے ہے۔ اس مقام میں بشری صفات کے لیے پوشیدہ ہونا ہے، زوال نہیں۔ اور یہ تعین (محمدی صلی اللہ علیہ وسلم) اس طرح نہیں ہے، بلکہ اس جگہ بشری صفات کے لیے زوال وجودی تحقیق ہے اور (تعین) جسمی سے نکل کر تعین رومی کی جانب منتقل ہونا ثابت ہے اور اس مقام میں عالم بقا کی طرف بھی۔ اگرچہ بندہ حق (تعالیٰ) نہیں ہو جاتا اور بندگی سے (باہر) نہیں نکل سکتا، لیکن وہ حق کے زیادہ نزدیک ہو جاتا ہے اور زیادہ معیت پیدا کر لیتا ہے اور خود سے زیادہ دور ہو جانے کی وجہ سے بشری احکام اس سے زیادہ مسلوب ہو جاتے ہیں۔

جاننا چاہیے کہ یہ عروج محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) جو بشری صفات کی نفی سے وابستہ ہے، اگرچہ یہ آپ علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کے کاروبار کو بالاتر لے گیا اور بلندی کی چوٹی پر پہنچا دیا اور غیر اور غیریت کی کھینچا تانی سے آزاد کر گیا، لیکن اس سے آپ علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کے امتیوں پر معاملہ زیادہ تنگ ہو گیا اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ہدایت کا نور جو بشریت کی مناسبت سے تھا، وہ کمتر ہو گیا اور جو توجہ ان پیچھے رہ جانے والوں پر رکھتے تھے، اس میں کمی ہو گئی اور کھلی طور پر قبلہ حقیقی کی طرف متوجہ ہو گئے۔ اس رعایا پر افسوس ہے کہ جن کے حال پر بادشاہ توجہ نہ کرے اور وہ کھلی طور پر اپنے محبوب کی طرف متوجہ ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ ہزار سال کے بعد کفر و بدعت کے اندھیرے غالب آ گئے ہیں اور اسلام و سنت کے نور میں کمی پیدا ہو گئی ہے۔ رَبَّنَا اَتِمِّمْ لَنَا نُورَنَا وَاعْفِرْ لَنَا جِ إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ۔ (سورۃ تحریم، ۸)

یعنی: اے ہمارے پروردگار! ہمارا نور ہمارے لیے پورا کر اور ہمیں معاف فرما، بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے۔

مکتوب نمبر (۹۷)

صوفی قربان جدید کو تحریر فرمایا۔ عالم کے سر موہوم ہونے (کے بیان) میں۔

جن صوفیہ نے عالم کو موہوم کہا ہے، وہ اس معنی میں نہیں ہے کہ عالم محض وہم کی ایجاد و تراش ہے، کیونکہ یہ بے عقل سوفسطائی کا مذہب ہے۔ بلکہ یہ موہوم اس معنی میں ہے کہ وہ اللہ جل شانہ کی تخلیق سے مرتبہ وہم میں مخلوق ہوا ہے اور اس نے اس مرتبہ میں حق تعالیٰ کی کاریگری سے ثبوت و قرار پیدا کیا ہے۔ لیکن جو خیر اور کمال اس میں ثابت ہے، وہ حضرت وجود تعالیٰ و تقدس کے مرتبہ سے مستعار ہے اور اس مقدس مرتبہ کے کمالات کے ظلال میں سے ایک ظل ہے۔ اور جو شر و نقص اس میں موجود ہے، وہ عدم سے مستعار ہے اور وہ شر و نقص کے ظلال میں سے ایک ظل ہے جو اس عدم میں خزانہ کیا گیا ہے جو کہ ہر شر و نقص کا منشاء ہے۔ جب سرگرم عمل سالک اللہ جل شانہ کی تربیت کے حکم سے ان امانتوں کو درست طور پر ان امانتوں کے

حقداروں کے حوالے کر دیتا ہے اور خیر و کمال کو ان کے اہل کو دے دیتا ہے اور شر کو اہل شر کے حوالے کر دیتا ہے تو یقیناً وہ دولتِ فنا سے متصف ہو جاتا ہے اور اس سے کوئی نام و نشان (باقی) نہیں رہتا، نہ خیر کا اس میں کوئی اثر رہتا ہے اور نہ ہی شر سے کسی ضرر کی اسے توقع رہتی ہے۔ کیونکہ وہ خیر و شر سے جو کچھ رکھتا تھا، وہ سب وجود اور عدم سے مستعار تھا، وہ اپنے باپ کے گھر سے کوئی چیز نہیں لایا ہے۔ کوئی ہنر بھی اس کے اندر امانت داری کے علاوہ نہیں تھا۔ جب وہ سب امانتوں کو امانت والوں کے سپرد کر دیتا ہے تو یقیناً وہ میری اور میرے (خودی) کی زحمت سے آزاد ہو جاتا ہے اور فنا سے ہمکنار ہو جاتا ہے۔

مکتوب نمبر (۹۸)

حاجی عبداللطیف خوارزمی کو تحریر فرمایا۔ حسنِ صوری سے بہت زیادہ لطف اندوز ہونے کے راز (کے بیان) میں۔
خیر و کمال (اور) حسن و جمال جس جگہ بھی ہے وہ وجود کا اثر ہے جو خیر محض ہے اور واجب الوجود جل سلطانہ کے ساتھ مخصوص ہے۔ ممکن میں جیسے کہ وجود حضرت جل و علا کی بارگاہ سے ظلیت کے طور پر منعکس ہوا ہے، حسن و جمال بھی اسی مقدس مرتبہ سے ظلیت کے طور پر اس میں آیا ہے۔ ممکن کی ذات اس کے عدم ذاتی کی وجہ سے محض شر ہے، لہذا وہ برائی اور نقص ہی ہے، لیکن یہ حسن و جمال جو ممکن میں مشہود ہے، اگرچہ وجود سے آیا ہے، لیکن عدم کے آئینے میں ظاہر ہوا ہے، لہذا آئینے کا حکم حاصل کر کے اس نے برائی سے ایک نصیب پایا ہے اور نقص پیدا کر لیا ہے۔ ممکن چونکہ ذاتی برائی رکھتا ہے، لہذا وہ اس حسن سے جس قدر لطف و لذت پاتا ہے، اس حسنِ خالص سے جو اس حسن کا مبداء ہے، نہیں پاتا، کیونکہ وہ اس حسن کے ساتھ زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔ اس خاکروب کی طرح جس کو پاکیزہ چیزوں کی خوشبو کے مقابلے میں گندگی کی بدبو کی مناسبت سے زیادہ لذت حاصل ہوتی ہے۔

مشہور قصہ ہے کہ ایک خاکروب عطر فروشوں کے محلہ سے گزرا تو وہ خوشبو کی زیادتی کی وجہ سے پریشان ہو کر بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ ایک بزرگ اس راستے سے گزر رہے تھے۔ جب وہ اس کے معاملے کی حقیقت سے آگاہ ہوئے تو فرمایا کہ کوئی گندگی اس کے ناک کے قریب رکھ دو، تاکہ وہ اس کی بدبو سے خوش ہو کر ہوش میں آجائے۔ لہذا لوگوں نے یوں کیا اور وہ ہوش میں آ گیا۔

مکتوب نمبر (۹۹)

جناب سیادت مآب اور ارشاد پناہ میر مومن بلخی کو تحریر فرمایا۔ ان ظاہری و باطنی نعمتوں کے شکر یہ کے اظہار میں جو ماوراء النہر کے اکابر کی برکات سے پہنچی ہیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی. (سورۃ نمل، ۵۹)

یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے ان بندوں پر سلام ہو، جن کو اس نے منتخب فرمایا۔

مَنْ لَّمْ یَشْکُرِ النَّاسَ لَمْ یَشْکُرِ اللّٰہَ. (۱)

یعنی: جس نے لوگوں کا شکر یہ ادا نہیں کیا، اس نے اللہ تعالیٰ کا شکر بھی ادا نہیں کیا۔

ماوراء النہر کے علماء و مشائخ شکر اللہ تعالیٰ سَعَّیْہُمْ (اللہ تعالیٰ ان کی کوشش کو مشکور فرمائے) کے حقوق ہم پیچھے رہ

جانے والوں اور دور پڑے ہوؤں کے ذمہ، بلکہ ہندوستان کے تمام اہل اسلام پر اتنے ہیں کہ وہ بیان کے ضمن میں اور تحریر کے احاطہ میں نہیں آسکتے۔ ہم نے اعتقاد کی اہل سنت و جماعت کثرتِ ہُم اللہ سُبْحَانَهُ فِی الْأَمْصَارِ (اللہ سبحانہ زمانوں میں ان کی کثرت فرمائے) کی صائب آرا کے مطابق درستی ان بزرگواروں کی تحقیقات سے حاصل کی ہے اور عمل کی علمائے حنفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مذہب کے مطابق درستی بھی ہمیں ان کی تدقیقات (باریک بینیوں) سے میسر ہوئی ہے۔ نیز طریقہ عالیہ صوفیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے طریقہ کا سلوک بھی اس ملک (ہندوستان) میں اس مبارک سرزمین کی برکات سے حاصل ہوا ہے اور مقام جذبہ و سلوک، فنا و بقا، سیرالی اللہ اور سیر فی اللہ کی تحقیق، جس کا تعلق ولایتِ خاصہ کے مرتبہ سے ہے، یہ بھی اسی مبارک سرزمین کے اکابر کے فیوض سے نصیب ہوئی ہے۔ الغرض یہ کہ اگر ظاہر ہے تو اس نے بھی اسی جگہ سے اصلاح پائی ہے اور اگر باطن ہے تو اس نے بھی وہاں سے ہی فلاح حاصل کی ہے:

شکرِ فیض تو چمن چوں کند اے ابر بہار کہ اگر خار و اگر گل ہمہ پروردہ تست

یعنی: اے بہار کے بادل! تیرے فیض کا شکریہ چمن کس طرح ادا کرے کہ خواہ کانٹے ہیں اور خواہ پھول ہیں، سب تو نے ہی پالے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سید السادات (حضرت محمد مصطفیٰ) علیہ علی آلہ الصلوٰات والتسلیمات کے صدقے اس علاقے اور وہاں کے رہنے والوں کو آفات اور بلاؤں سے محفوظ رکھے۔ اس کے باوجود جو دوست اپنے کاروبار اور ضرورتوں کے لیے اُس بلند ملک سے اس پست ملک (ہندوستان) میں آتے ہیں، وہ وہاں کے بڑی برکتوں والے حضرات کی مہربانیوں، خاص کر کے ارشاد و ہدایت پناہ، افادہ و افاضہ دستگاہ آنجناب سلمہ اللہ تعالیٰ کی اس حقیر کے بارے میں شفقت و محبت کا اظہار کرتے ہیں کہ ان عالی جناب اور شرافت کے نشان والوں کا آپ کے ساتھ حسن ظن ثابت ہے اور آپ نے جو بعض علوم و معارف تحریر کیے ہیں، انہوں نے ان کا مطالعہ فرمایا ہے اور ان کو پسند کیا ہے۔

بزرگوں سے اس قسم کی بشارتیں امیدواری کی زیادتی کا سبب بنتی ہیں اور وہ بعض اذواق اور مواجید لکھنے کے لیے دلیر بناتی ہیں۔ چونکہ ان دنوں میں شیخ ابوالکارم صوفی نئے نئے آئے ہیں اور انہوں نے آپ کی شفقتوں کا اظہار فرمایا ہے اور آپ کی قسم قسم کی مہربانیوں کا تذکرہ فرمایا ہے، لہذا لازمی طور پر آپ کے کرم پر اعتماد کرتے ہوئے چند کلمات لکھ کر آپ کو زحمت دی ہے اور اپنی یاد فرمائی کی جانب آپ کو متوجہ کیا ہے۔ چونکہ فقیر کے بعض مسودات کی نقل، جو میرے بھائی خواجہ محمد ہاشم کشمی نے، جو کہ مخلص دوستوں میں سے ہیں، صوفی موصوف کے ذریعے ارسال کی ہے۔ لہذا اسی کو کافی سمجھتے ہوئے (فقیر نے) اس خط میں اس بلند گروہ (صوفیہ) کے کلمات میں سے کوئی چیز نہیں لکھی۔ آپ حضرات کی عنایتوں اور شفقتوں سے (فقیر یہ) امید رکھتا ہے کہ آپ مقبول اوقات میں (اس فقیر کو) سلامتی اور خاتمہ بالخیر کی دعا و فاتحہ سے نہیں بھلائیں گے۔

رَبَّنَا آتِنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً وَهَيِّءْ لَنَا مِنْ أَمْرِنَا رَشَدًا. (سورۃ کہف، ۱۰)

یعنی: اے ہمارے پروردگار! ہم پر اپنے ہاں سے رحمت نازل فرما اور ہمارے کام میں درستی (کے سامان) مہیا کر۔ آپ اس حقیر کی فقیرانہ دعائیں (ان) عالی درجات حضرات میں سے ہر ایک کو پہنچا دیں: جناب بزرگوار اور شرافت

کی پناہ والے، اور اہل اللہ کی پناہ سید میرک شاہ اور فائدہ پہنچانے والے مرتبہ کے حامل علامہ جہاں جناب مولانا حسن اور جناب شریعت کے مددگار اور ملت کے حافظ قاضی تو لک اَدَامَ اللّٰهُ تَعَالٰی بَرَکَاتِهِمْ (اللہ تعالیٰ ان کی برکتوں کو قائم رکھے)۔ نیز مخدوم زادوں کو بھی (سلام و دعا پہنچادیں)۔ فقیر زادے دعا کے لیے عرض کرتے ہوئے فاتحہ کی التماس کرتے ہیں۔

مکتوب نمبر (۱۰۰)

شیخ نور الحق کو تحریر فرمایا۔ حضرت یعقوب (علیہ السلام) کی حضرت یوسف (علیہ السلام) کی محبت میں گرفتاری کے راز کے کشف (کے بیان) میں (اور) اس کے ساتھ بعض عجیب اسرار اور نرالے علوم (کا ذکر)۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی. (سورۃ نمل، ۵۹)

یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے ان بندوں پر سلام ہو، جن کو اس نے منتخب فرمایا۔

فضائل و کمالات کے حامل میرے پیارے بھائی شیخ نور الحق نے حضرت یعقوب علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس گرفتاری کے بارے میں جو اُن کو حضرت یوسف علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ تھی، پورے اہتمام اور شوق سے دریافت کیا تھا اور یہ فقیر بھی مدتوں سے اس چیز کے انکشاف کا شوق رکھتا تھا۔ جب اس شوق کے علاوہ آپ کا شوق بھی معلوم ہوا تو فقیر بالکل بے اختیار ہو کر اس نکتہ کے کشف کی جانب متوجہ ہو گیا۔

سرسری طور پر یہ ظاہر کیا گیا کہ آپ (حضرت یوسف) علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی خلقت اور آپ کا حسن و جمال اس دنیا کی خلقت اور حسن و جمال کی قسم میں سے نہیں ہے۔ اور ظاہر ہوا کہ آپ (علیہ السلام) کا جمال بہشت والوں کے جمال کی قسم میں سے ہے اور مشہود ہوا کہ باوجود اس دنیا کے آپ (علیہ السلام) کے حسن کی صباحت (زیبائی) حور و غلمان کے حسن سے مشابہت رکھتی ہے۔ اس کے بعد اللہ جل سلطانہ کے کرم و فضل سے اس بارے میں جو کچھ تفصیل سے فیض کے طور پر حاصل ہوا ہے (فقیر نے) تحریر کر کے ارسال کیا ہے۔ سُبْحٰنَکَ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا. (سورۃ بقرہ، ۳۲)

یعنی: تو پاک ہے، جتنا علم تو نے ہمیں بخشا ہے، اس کے سوا ہمیں کچھ معلوم نہیں۔

در پس آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند آنچه استاد ازل گفت بگو می گویم

یعنی: مجھے آئینے کے پیچھے طوطی کی طرح رکھا گیا ہے، ازل کے استاد نے جو کچھ کہنے کو کہا ہے میں وہی کہتا ہوں۔

سوال: محبت کی یہ سب زیادتی و گرفتاری جو حضرت یعقوب علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو حضرت یوسف علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ تھی، کس راستے سے تھی، جبکہ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ نے ان اور ان کے آبائے کرام علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کی برکات و التحیات کے بارے میں فرماتا ہے: اُولٰٓئِیْ اَلْاَیْدِیْ وَالْاَبْصَارِ. (سورۃ ص، ۴۵)

یعنی: جو ہاتھوں والے اور آنکھوں والے تھے۔

نیز ان کی شان اور ان کے آبائے کرام کی شان میں (اللہ تعالیٰ) فرماتا ہے: اِنَّا اَخْلَصْنٰہُمْ بِخَالِصَۃٍ ذِکْرِی الدَّارِ. وَ اَنھُمْ عِنْدَنَا لِمِنَ الْمُصْطَفٰیْنَ الْاَخِیَارِ. (سورۃ ص، ۴۶-۴۷)

یعنی: ہم نے ان کو ایک (صفت) خاص (آخرت کے) گھر کی یاد سے ممتاز کیا تھا اور وہ ہمارے نزدیک منتخب اور نیک

لوگوں میں سے تھے۔

پس حق جل وعلا کے ماسوا کی گرفتاری اُولی الْأَیْدِی وَالْأَبْصَارِ (ہاتھوں والے اور آنکھوں والے) کی شان رکھنے والے انبیاء (علیہم الصلوٰۃ والسلام) کے لیے کیسے مناسب ہے؟ اور برگزیدہ مخلصین کے لیے کسی مخلوق کے ساتھ اس کی طرح کے سارے تعلق کی گنجائش کیسے ہو سکتی ہے؟ نہ کہا جائے کہ یہ گرفتاری حق تعالیٰ کے ماسوا کی نہ تھی، کیونکہ مخلوق حق سبحانہ کے حسن و جمال کے آئینے سے زیادہ کچھ نہیں ہے، جس طرح کہ صوفیہ نے کہا ہے اور انہوں نے کثرت کے آئینے میں وحدت کے شہود کو تجویز کیا ہے اور آخرت کی رویت کے علاوہ اس دنیا میں ممکنات کی صورتوں کے مظاہر اور آئینوں میں مشاہدہ اور مکاشفہ کو ثابت کیا ہے۔ کیونکہ اس قسم کا کشف اور شہود سا لک صوفیہ کو تو حید کے غلبوں میں اس فانی دنیا میں ہاتھ آتا ہے۔ قریب ہے کہ انبیاء (علیہم الصلوٰۃ والسلام) کے خاص امتیوں کو اس سے انکار ہو اور یہ حضرات اس مکشوف اور مشہود سے علیحدگی و پرہیز کریں۔ جب معاملہ اس طرح کا ہو تو پھر برگزیدہ انبیاء (علیہم الصلوٰۃ والسلام) کے بارے میں اس قسم کے ثبوت کا کیا احتمال ہے، بلکہ اس معنی کا تصور کرنا بھی ان بزرگوں کے حق میں عین وبال ہے۔

جواب: یہ سوال ایک مقدمہ پر مبنی ہے اور وہ یہ ہے کہ آخرت کا حسن و جمال اور اسی طرح اس مقام کی لذتیں اور نعمتیں بھی اس دنیا کے حسن و جمال کی مانند نہیں ہیں اور نہ اس جگہ کی لذتوں اور نعمتوں جیسی ہیں۔ کیونکہ وہ حسن و جمال سب خیر ہی خیر ہے اور وہ لذتیں اور نعمتیں سب مولیٰ جل شانہ کی پسندیدہ اور مقبول ہیں اور یہ حسن و جمال (دنیا) سب شر اور نقص ہے اور یہ لذتیں اور نعمتیں سب نامقبول اور ناپسندیدہ ہیں۔ لہذا آخرت کا گھر رضا کا مقام ہے اور دنیا کا گھر مولیٰ جل شانہ کے غضب کا مقام بنا ہے۔

سوال: ممکن میں حسن و جمال جب مرتبہ حضرت وجوب تعالیٰ سے مستعار ہے اور ممکن اس مرتبہ کے مظہر اور آئینے سے زیادہ کچھ نہیں ہے، کیونکہ ممکن خود سے کچھ نہیں رکھتا اور جو کچھ رکھتا ہے وہ حضرت وجوب تعالیٰ و تقدس سے مستفاد ہے، پھر ان دو مقامات میں فرق کہاں سے آیا کہ ایک پسندیدہ و مقبول اور دوسرا نامقبول و ناپسندیدہ بن گیا؟

جواب: جواب چند مقدمات پر مبنی ہے:

پہلا مقدمہ: یہ ہے کہ عالم سارے کا سارا واجب جل شانہ کے اسماء و صفات کی جلوہ گاہ اور مظاہر ہے اور حق تعالیٰ کے اسمائی و صفاتی کمالات کا آئینہ ہے۔

دوسرا مقدمہ: یہ ہے کہ واجب جل شانہ کی صفات اگرچہ وجوب کے دائرہ میں داخل ہیں، لیکن چونکہ یہ اپنے وجود اور قیام میں حضرت ذات تعالیٰ کی محتاج ہیں، لہذا ان میں امکان کی ایک بوثابت ہے اور ان کے حق میں وجوب ذاتی غیر یقینی ہے، کیونکہ ان کا وجوب خود سے نہیں ہے، بلکہ واجب تعالیٰ کی ذات کے ساتھ ہے اور اگرچہ ان کو غیر ذات نہیں کہتے، لیکن غیریت کے سوا ان کو چارہ نہیں ہے، کیونکہ دوئی ان کے درمیان ثابت ہے۔ ارباب معقول کا مقررہ اصول ہے کہ الْإِثْنَانِ مُتَعَاوِرَانِ۔ یعنی: اور دو چیزیں آپس میں غیر ہوتی ہیں۔

اس کے باوجود ان کے حق میں امکان کا اطلاق بھی نہیں کرنا چاہیے، کیونکہ اس سے حدوث کا وہم ہوتا ہے۔ اس لیے کہ

ان کے نزدیک ہر ممکن حادث ہے۔ وجوب بالغیر بھی اس مقام میں تجویز نہیں کرنا چاہیے، کیونکہ اس سے ان کے حضرت ذاتِ تعالیٰ و تقدس سے الگ ہونے کا وہم ہوتا ہے۔

تیسرا مقدمہ: یہ ہے کہ جس جگہ بھی امکان کی یو ہے، عدم کی اپنی ذات کی حد تک وہاں گنجائش ہے، اگرچہ اس عدم کا حاصل ہونا محال ہو، لیکن اس کا محال ہونا اس کے نفس سے پیدا نہیں ہوا ہے، بلکہ کسی اور جگہ سے آیا ہے۔

چوتھا مقدمہ: یہ ہے کہ واجب جل سلطانہ کے اسماء و صفات کے لیے جیسا کہ ان کے وجود کی جانب میں حسن و جمال موجود ہے، ان کے عدم کے احتمال کی جانب میں بھی حسن و جمال ثابت ہے۔ اگرچہ اس حسن کا ثبوت مرتبہ حس و وہم میں ہو جو کہ عدم کے لیے مناسب ہے اور اگرچہ یہ ہمسائیگی سے مستعار ہے، کیونکہ عدم کو اپنی ذات کی حد تک شر و برائی کے سوا کچھ نصیب نہیں ہے۔ وجود تو سراسر خیر و کمال ہے اور سارے کا سارا حسن و جمال ہے۔ جاننا چاہیے کہ جو حسن عدم میں نمودار ہوتا ہے، وہ ایسے ہے جیسے حظل پر شکر کا غلاف چڑھائیں اور اُسے بیٹھا کر کے بتلائیں۔

پانچواں مقدمہ: یہ ہے کہ اللہ سبحانہ کے کرم سے کشفی نظر کے ذریعے واضح ہو گیا ہے کہ اس دنیا میں ممکن کی جانب عدم کو کمال اقتدار سے تربیت دے کر اس کو مرتبہ حس و وہم میں اپنی کامل کارگیری سے ثبات و قرار بخشا گیا ہے اور اسے صفات کے اس حسن و جمال کا مظہر بنایا گیا ہے جو کہ ان کے عدم کے احتمال کی جانب میں نمودار ہوا تھا۔ نیز واضح ہوا ہے کہ جہانِ آخرت میں ممکن کی جانب وجود کو ترجیح دے کر صفات کے اس حسن و جمال کا مظہر بنائیں گے جو ان کے وجود کی جانب میں ثابت ہے۔

جب یہ پانچ قسم کے مقدمات معلوم ہو گئے تو پھر اس دنیا کے حسن و جمال اور اس جہان کے حسن و جمال کے درمیان فرق بھی واضح ہو گیا اور ایک کی برائی اور دوسرے کی خوبی بھی روشن ہو گئی اور ناپسندیدہ پسندیدہ سے الگ ہو گیا اور ان تحقیقات سے اس سوال کا حل بھی ہو گیا اور مقدمہ کی تشریح بھی ہو گئی، کیونکہ پہلے سوال کا جواب اسی پر مبنی تھا، جیسا کہ غور و خوض کرنے والے سمجھ دار آدمی پر یہ مخفی نہیں ہے۔

جب یہ مقدمہ واضح ہو گیا تو (اب) میں پہلے سوال کا جواب دیتا ہوں کہ اللہ جل شانہ کے فضل سے واضح کشف سے معلوم ہوا ہے کہ حضرت یوسف علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا وجود اگرچہ اس دنیا میں پیدا ہوا ہے، لیکن اس دنیا کے دوسرے تمام موجودات کے برخلاف ان کا وجود جہانِ آخرت میں سے ہے اور ان کے وجود کی جانب کو ترجیح دے کر ان کو اس حسن و جمال کا مظہر بنایا گیا ہے جو اسماء و صفات کے وجود سے تعلق رکھتا ہے اور عدمیت کے شائبہ کو، جو کہ ان کے نفس سے یا ان کی اصل سے تعلق رکھتا ہے، نابود کر دیا گیا ہے اور عدم کی علت، جو ہر برائی و نقص کا منشاء ہے، سے ان کو اور ان کی اصل کو پاک کیا گیا ہے اور اس نور و وجود کے غلبہ کے سوا، جو کہ بہشت اور بہشتیوں کا نصیب ہے، ان میں کچھ نہیں چھوڑا۔ اسی وجہ سے ان کے حسن و جمال کی گرفتاری بہشت اور بہشتیوں کے حسن و جمال کی مانند محمود (قابل تحسین) ہوئی ہے اور کالمین کا نصیب بنی ہے۔ محبت جس قدر کامل ہوتا ہے وہ اتنا ہی زیادہ اُس جہاں (آخرت) کے حسن و جمال میں گرفتار ہوتا ہے اور مولیٰ جل شانہ کی خوشنودی میں قدم زیادہ بڑھاتا ہے، کیونکہ اس جہاں (آخرت) کی گرفتاری، عین اس جہان کے صاحب (حق تعالیٰ) کی گرفتاری ہے، کیونکہ وہ جہاں (آخرت) اللہ جل سلطانہ کی حکمت کے طلسم سے زیادہ کچھ نہیں ہے اور کبریائی کی چادر کی مانند

(حق تعالیٰ کے) نقاب سے زیادہ نہیں ہے۔ نص قاطع ہے کہ: وَاللّٰهُ يَدْعُوْا اِلٰى دَارِ السَّلَامِ. (سورۃ یونس، ۲۵)
یعنی: اور اللہ سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے۔

نیز اس معنی پر (یہ آیت کریمہ) واضح دلیل ہے کہ: وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ. (سورۃ انفال، ۶۷)
یعنی: اور اللہ آخرت (کی بھلائی) چاہتا ہے۔

نیز یہ کہ جس نے آخرت کی گرفتاری کو دنیا کی گرفتاری کی مانند مذموم سمجھا ہے اور مولیٰ جل شانہ کی گرفتاری کے علاوہ بنایا ہے، اس نے آخرت کی حقیقت کو کما حقہ نہیں سمجھا اور واضح فرق کے باوجود غائب کو حاضر پر قیاس کیا ہے۔ (حضرت) رابعہ (رحمۃ اللہ علیہا) بچاری اگر بہشت کی حقیقت کو پوری طرح جانتی تو اس کے جلانے کا فکر نہ کرتی اور اس کی گرفتاری کو مولیٰ جل سلطانہ کی گرفتاری کے علاوہ نہ سمجھتی۔ ایک اور نے کہا ہے کہ (اس آیت) کریمہ میں دونوں فریق سے شکایت ہے:

مِنْكُمْ مَّنْ يُرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ. (سورۃ آل عمران، ۱۵۲)
یعنی: بعض تو تم میں سے دنیا کے خواستگار تھے اور بعض آخرت کے طالب تھے۔

حق (تعالیٰ) اس (شخص) کو انصاف (کی توفیق) دے کہ کس طرح متصور ہو سکتا ہے کہ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ بہشت کی دعوت فرماتا ہے اور دعوت کے بعد جو شخص قبول کرے، اس سے شکایت کرے۔ اگر اس مقدس مقام (بہشت) کی گرفتاری مذموم ہوتی یا مذمت کا شائبہ رکھتی تو پھر بہشت رضا کا گھر نہ بنتی، کیونکہ رضا قبولیت کے مراتب کی انتہا ہے۔ اور وہ بھی دنیا کی طرح غضب کا موجب ہوتی۔ غضب کا سبب اور مذمت کی وجہ عدم ہے جو ہر برائی و نقص کی جڑ ہے اور وہ دنیا کے نصیب میں آئی ہے اور دنیا کی لعنت کا سبب بن گیا ہے۔ جب عدم سے بیزاری حاصل ہوگئی تو مذمت اور برائی کا شبہ بھی زائل ہو گیا اور نارضا مندی اور نامقبولی دشمنوں کو نصیب ہوئی اور رضا کے سوا اور وجود نور کے قبول اور وصل و وصول اور راحت و سرور کے علاوہ کچھ (باقی) نہ رہا۔ مخبر صادق علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ تسبیح و تہلیل اور تحمید سے بہشت میں درخت لگاؤ۔ یعنی سبحان اللہ کہو اور بہشت میں ایک درخت لگاؤ۔ یعنی وہ تنزیہی (پاک) جو اس جگہ (دنیا) میں ان حروف و کلمات کے لباس میں پیدا ہوئی ہے، وہ وہاں (جنت) میں ایک درخت کی شکل اختیار کر جائے گی اور اس درخت کی گرفتاری اور اس درخت سے لطف اندوزی عین تنزیہی معنی کی گرفتاری و لطف اندوزی ہے۔ اسی قیاس پر ہے۔ بلند صوفیہ کہ جنہوں نے توحید و اتحاد کے بارے میں یہ سب دقائق و اسرار (بیان) فرمائے ہیں اور ان کو اس دنیا کے خوبصورت مظاہر پر نیچے لے آئے ہیں اور انہوں نے عاشقیوں کی ہیں اور ان کے درمیان شہود اور مشاہدہ کو ثابت کیا ہے اور ان کے حسن و جمال کو مولیٰ جل شانہ کا حسن و جمال سمجھا ہے۔ ان میں سے ایک نے کہا ہے: دُقْتُكَ فِيْ كُلِّ طَعَامٍ لَّذِيْدٍ. یعنی: میں نے ہر لذیذ کھانے میں تیرا ذائقہ پایا ہے۔
اور دوسرا کہتا ہے:

امروز چوں جمال تو بے پردہ ظاہر ست در حیرتم کہ وعدہ فردا برائے چیت
یعنی: آج جب تیرا جمال بے پردہ ظاہر ہے، میں حیران ہوں کہ پھر کل کا وعدہ کس لیے ہے۔
اور تیسرا کہتا ہے:

از عطش گر در قدح آبے خورند در درون آب حق را ناظرند

یعنی: پیاس (کی وجہ) سے اگر وہ پیالے میں پانی پیتے ہیں تو پانی کے اندر حق (تعالیٰ) کو دیکھ لیتے ہیں۔

اس دنیا میں اس طرح کی باتوں کی سچائی اس فقیر کی سمجھ اور دریافت سے دور ہے، کیونکہ وہ اس دنیا میں ایسی نازک باتوں کے تحمل کی طاقت نہیں پاتا اور وہ اس قسم کی دولت کو قابل قبول نہیں سمجھتا۔ اگر یہ (دنیا) قبولیت کی طاقت رکھتی تو مولیٰ جل شانہ کے غضب کا موجب نہ بنتی اور نبی (کریم) علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام نہ فرماتے کہ: **الدُّنْيَا مَلْعُونَةٌ**۔^(۱) یعنی: دنیا ملعون ہے۔

بہشت ہی ہے جو ان کرامات کے لائق ہے اور ان مقامات کے قابل ہے۔ **ذُفْنُكَ فِي كُلِّ طَعَامٍ لَذِيذٌ** (یعنی: میں نے ہر لذیذ کھانے میں تیرا ذائقہ پایا) کا قول بہشت کے کھانوں پر سچ آتا ہے، نہ کہ دنیا کے کھانوں پر، جن میں عدم کا زہریلا پانی بھی ملا ہوا ہے۔ لہذا اس کا اختیار کرنا مستحسن نہیں ہے۔ اس فقیر کے نزدیک ہر شخص کی بہشت سے مراد اس اسم الہی جل شانہ کا ظہور ہے جو اس شخص کا مبداءُ تعین ہے اور اس اسم نے درختوں اور نہروں کی صورت میں اور حور و قصور کی صورت میں اور لڑکوں اور غلاموں کے لباس میں ظہور فرمایا ہے۔ جیسا کہ اسمائے الہی جل سلطانہ میں بلندی و پستی کے اعتبار سے اور جامعیت و عدم جامعیت کے اعتبار سے فرق ہے، اسی طرح جنتوں میں ان کے اندازے کے مطابق فرق ہے۔ اگر اس ظہور کے ضمن میں شہود اور مشاہدے کو ثابت کیا جائے تو مستحسن و زیبا ہے اور (یہ) ہر چیز کو اس کی اپنی جگہ پر رکھنا ہے، لیکن اس جگہ کے علاوہ اس طرح کی باتوں کا اطلاق کرنا جرات ہے اور (یہ) کسی چیز کو اس کی غیر موزوں جگہ پر رکھنا ہے۔ شاید کہ بلند صوفیہ نے محبت کی زیادتی اور اس شوق کے کمال کی وجہ سے، جو وہ اپنے مطلوب کے ساتھ رکھتے ہیں، جس قدر مطلوب کی خوشبو اُن کے دماغ میں پہنچتی ہے، اس کو غنیمت سمجھ کر انہوں نے اس کو محبت کے سکر (مستی) کے غلبہ کی وجہ سے عین مطلوب و مقصود خیال کر لیا ہے اور عاشقیاں، جو اُن کو نفسِ مطلوب کے ساتھ کرنی چاہیے تھیں، وہ ان کو اس کے ساتھ درمیان میں لے آئے ہیں اور ان سے لطف اندوز ہوئے ہیں اور انہوں نے مشاہدہ و مکاشفہ کو ثابت کیا ہے۔ ایک بزرگ کہتے ہیں:

بہوئے تو از جاج ہم مست و بیخود ز ہر سو کہ آواز پائے بر آید

یعنی: جس طرف بھی (تیرے) قدموں کے اٹھنے کی آواز آتی ہے، تیری خوشبو سے شیشے بھی مست و بیخود ہیں۔

ہاں! عاشقیوں میں اور محبت کی بیقراریوں میں اس قسم کے معاملات جائز ہیں، بلکہ مستحسن ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں اور بے مثل مطلوب کی ملاقات کے شوق میں ہیں۔ ان کی خطا صواب (درست ہونے) کا حکم رکھتی ہے اور ان کا سکر (مستی) صحو (ہوش) کا حکم رکھتا ہے۔ حدیث میں آیا ہے: **سَيِّئُ بِلَالٍ عِنْدَ اللَّهِ شَيْنٌ**۔ یعنی: بلال (رضی اللہ عنہ) کا سین اللہ کے نزدیک شین ہے۔

ع براشہد تو خندہ زند اسہد بلالؓ

یعنی: تیرے اشہد پر (حضرت) بلال (رضی اللہ عنہ) کا اسہد ہنستا ہے۔

جاننا چاہیے کہ اس فقیر کا مکشوف یہ ہے کہ بہشت میں ہر بہشتی شخص کی رویت بھی اس اسم الہی جل سلطانہ کے اندازے

کے مطابق ہوگی جو اس (شخص) کا مبداءُ تعین اور تشخص ہے اور اس نے درختوں، نہروں اور حور و غلمان کے لباس میں ظہور فرمایا ہے۔ اس معنی میں کہ کچھ مدت کے بعد اللہ جل شانہ کے کرم سے یہ درخت اور نہریں وغیرہ جو کہ اس مقدس اسم کے مظاہر ہوئے ہیں، کچھ وقت کے لیے عینک کا حکم پیدا کر لیتے ہیں اور اس شخص کے لیے بے کیف رویت کی دولت کا وسیلہ بن جاتے ہیں اور پھر اپنی اصلی حالت پر آ جاتے ہیں اور اس کو اپنی طرف مشغول رکھتے ہیں اور اسی طرح ابدال آباد تک تجلی ذاتی برقی کی صورت میں رہیں گے جس کو اس دنیا میں صوفیہ نے ثابت کیا ہے کہ حضرت ذات جل شانہ کی تجلی اس دولت کے سعادت مندوں کے لیے اسماء و صفات کے پردے میں ہمیشہ ہوتی ہے۔ لیکن کچھ مدت کے بعد تھوڑی دیر کے لیے ان اسماء و صفات کا پردہ دور ہو جاتا ہے اور حضرت ذات اسماء و صفات کے پردہ کے بغیر جلوہ گر ہوتی ہے۔ چونکہ وہ اسم الہی جل سلطانہ حضرت ذات تعالیٰ کے اعتبارات میں سے ایک اعتبار ہے، لہذا یقیناً ہر شخص کی رویت بھی اسی اعتبار ذاتی سے متعلق ہوگی جو اُس شخص کا رب ہے۔ اس چیز سے کوئی شخص (ذات حق تعالیٰ کے بارے میں) ٹکڑے ٹکڑے اور جزو جزو ہونے کا وہم نہ کرے، کیونکہ ذات عز شانہ مکمل طور پر اسی اعتبار میں ہے، یہ نہیں ہے کہ ذات کا بعض حصہ تو اسی اعتبار میں ہے اور بعض دوسرا حصہ کسی اور اعتبار میں ہے، کیونکہ یہ نقص اور حدوث کی علامت ہے۔ تَعَالٰی اللّٰهُ سُبْحَانَهُ عَنْ ذَلِکَ۔ یعنی: اللہ سبحانہ ان باتوں سے پاک و برتر ہے۔

کہا گیا ہے کہ ”اللہ تعالیٰ کی ذات سب کی سب علم ہے اور کل کی کل قدرت ہے اور سارے کی ساری ارادہ ہے۔“ اگرچہ ہر اعتبار مکمل طور پر ذات ہی ہے، لیکن مرئی (نظر آنے والا) وہی اعتبار ہے، نہ کہ دوسرے اعتبارات۔ لَا تُدْرِکُہُ الْاَبْصَارُ (وہ ایسا نہیں کہ نگاہیں اُس کا ادراک کر سکتیں۔ سورۃ النعام، ۱۰۳) کے راز کو اس جگہ سے تلاش کرنا چاہیے۔

(سوال:) یہ نہیں کہا جاسکتا کہ چونکہ اعتبارات میں تمیز نہیں ہے اور ہر ایک عین ذات تعالیٰ ہے، لہذا رویت کے متعلق کثیر اعتبارات میں سے ایک اعتبار بنالینا کس معنی میں ہوگا؟

(جواب:) کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ یہ اعتبارات اگرچہ عین ذات ہیں، بلکہ ایک دوسرے کے عین بھی ہیں اور وہ مثلی امتیاز جو کہ عالم مثل کے گرفتاروں کے ہاں معتبر ہے، یہ نہیں رکھتے، لیکن ان کے درمیان بے مثلی امتیاز موجود ہے اور جو صاحبِ دولت عالم مثل سے عالم بے مثل کے ساتھ پیوستہ ہو گئے ہیں، ان پر اس بے مثل پیوستگی کا بے مثل امتیاز واضح ہے اور اس کو وہ کان اور آنکھ کے امتیاز کی طرح پاتے ہیں۔ ہاں! وہ صاحبِ دولت جس کا مبداءُ تعین اسم جامع ہو، اس کو اعتدال کے طور پر درجات کے فرق سے خواہ وہ اجمال کے طور پر ہی ہو، ذات تعالیٰ و تقدس کے سب اعتبارات سے حصہ نصیب ہے اور اس کی رویت ان سب کے ساتھ متعلق ہے، لیکن چونکہ اجمال کی جامعیت کی تنگی جو کہ اس کو نصیب ہے، ہر وقت اس کو دامن گیر ہے، لہذا احاطہ و ادراک بھی اس کے حق میں مفقود ہے اور (یہ آیت) کریمہ اس پر صادق ہے کہ:

لَا تُدْرِکُہُ الْاَبْصَارُ۔ (سورۃ النعام، ۱۰۳) یعنی: وہ (اللہ تعالیٰ) ایسا نہیں کہ نگاہیں اس کا ادراک کر سکتیں۔

اور: وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِیْثًا۔ (سورۃ نساء، ۸۷) یعنی: اور اللہ سے بڑھ کر بات کا سچا کون ہے؟

جاننا چاہیے کہ جب بندے کو حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ اپنے کرم سے مخصوص کر کے کامل تر فنا کی دولت سے مشرف بناتا

ہے اور عدم کی قید سے، جو کہ اس کی ماہیت ہو گئی ہے، اسے آزاد کرتا ہے اور اس سے عینِ واثر (باقی) نہیں چھوڑتا تو اس کو اس طرح کی فنا کے بعد ایک ایسا وجود بخشتا ہے جو آخرت کے جہان کے وجود کے مشابہ ہوتا ہے اور جو ممکن کے وجود کی ترجیح کی جانب تعلق رکھتا ہے اور اسماء و صفات الہی جل شانہ کے وجود کی جانب کمالات کا مظہر ہوتا ہے۔ جیسا کہ اس کی تحقیق پہلے مذکور ہوئی ہے۔ حضرت یوسف علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام پہلے وجود ہی سے اس دولت سے مشرف ہو گئے تھے اور یہ عارف دوسرے وجود سے دوسری ولادت میں اس سے مشرف ہوتا ہے۔ چونکہ وہ دولت پیدائشی تھی، لہذا ان کو ظاہری حسن بھی عطا فرمایا اور یہ چونکہ کسب کے بعد حاصل ہوئی، لہذا باطن کے نور پر ہی کفایت کی اور اس کے ظاہری حسن کو آخرت کے لیے ذخیرہ رکھا۔ اس طرح کا دولت مند انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد عزیز الوجود ہے اور بہت ہی کمیاب ہے۔ یہ بزرگوار اگر چہ نبی نہیں ہے، لیکن انبیاء کی اتباع سے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تسلیمت کی دولت خاصہ میں شریک ہے۔ اگرچہ طفیلی ہے، لیکن ان کی نعمت کے دسترخوان پر بیٹھنے والا ہے۔ اگرچہ خادم ہے، لیکن مخدوموں کا ہم نشین ہے اور وہ ایسا تابع ہے جو متبوعان (جن کی اتباع کی جائے) کا مصاحب اور ہمراز ہے۔ کبھی یوں ہوتا ہے کہ کوئی ایسا راز اس سے بیان کرتے ہیں کہ جس پر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام بھی رشک کرتے ہیں اور اس کی شرکت چاہتے ہیں، جیسا کہ مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی اس کی خبر دی ہے۔ (۲) لیکن اس قسم کا معاملہ جزئی فضیلت میں داخل ہے، کئی فضیلت انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی فضیلت کو حاصل ہے۔ یہ فضیلت بھی اس کو چونکہ ان (انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام) کی متابعت کی دولت سے میسر ہوئی ہے، لہذا یہ (فضیلت) انہی کی طرف سے ہے اور وہ ان کے امانت دار سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔ (یہ آیت) کریمہ نص قرآنی ہے: وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ. إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُورُونَ. وَإِنَّ جُنَدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُونَ. (یعنی: اور اپنے پیغام پہنچانے والے بندوں سے ہمارا وعدہ ہو چکا ہے کہ وہی مظفر و منصور ہیں اور ہمارا لشکر غالب رہے گا۔ سورۃ صافات، ۱۷۱-۱۷۳) جس نے ان بزرگواروں کی شان کو سب سے آگے بڑھایا ہے اور اس نے ان کو سب پر نصرت دی ہے اور غالب بنایا ہے۔

سوال: یہ وجود جو کامل فنا والے عارف کو بخشا گیا ہے، کیا وہ اس وجود کے ساتھ اس دنیا کی تمام موجودات کی مانند حس و وہم کے مرتبہ میں ہے، یا وہ اس مرتبہ سے باہر نکل آیا ہے۔ اور اگر باہر نکل آیا ہے تو اس نے وجود خارجی پیدا کر لیا ہے یا نہیں؟ اور جبکہ صوفیہ کے ہاں مقرر ہے کہ خارج میں حق سبحانہ و تعالیٰ کے سوا کوئی چیز موجود نہیں ہے؟

جواب: جو کچھ آخر میں معلوم ہوا ہے، میں کہتا ہوں کہ وہ (وہم کے مرتبہ سے) باہر نکل آیا ہے اور نفس امری بن گیا ہے۔ مرتبہ وہم نے اگرچہ ثبات و تقرر کے اعتبار سے نفس امر کا حکم پیدا کر لیا تھا، لیکن درحقیقت وہ نفس امر نہ تھا، کیونکہ نفس امر اس مرتبہ کے اوپر ہے، گویا یہ مرتبہ وہم اور خارج کے درمیان برزخ ہے۔ آخرت کے جہان کی موجودات بھی نفس امر کے مرتبہ میں ہیں، بلکہ صفاتِ ثمانیہ حقیقیہ کے علاوہ سب صفاتِ واجبی جل شانہ بھی اسی مرتبہ میں ہیں اور مرتبہ خارج میں ذات اقدس واجبی جل شانہ کے سوا اور حق تعالیٰ کی صفاتِ ثمانیہ کے علاوہ کوئی چیز موجود نہیں ہے۔ لہذا موجودات کے لیے تین مرتبے ظاہر ہوئے۔ (پہلا) مرتبہ وہم ہے جو اس دنیا کے اکثر افراد کو نصیب ہے۔ سب انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ایسی ہستیاں ہیں جو اس مرتبہ سے باہر نکل چکے ہیں اور اسی طرح ملائکہ کرام علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام بھی، کہ جن کا وجود جہانِ آخرت

کے مناسب ہے اور اولیائے کرام میں سے بھی تھوڑے سے اس دولت سے مشرف ہوئے ہیں اور وہ (مرتبہ) وہم سے نفس امر سے مل گئے ہیں۔ دوسرا مرتبہ نفس امر کا ہے کہ صفات و افعال واجبی جل شانہ وہاں موجود ہیں اور ملائکہ کرام بھی اس مرتبہ میں موجود ہیں اور آخرت کی پیدائش کا وجود بھی اسی مرتبہ میں ثابت ہے۔ نیز اسی طرح انبیاء علیہم علی التسلیمات اور اولیاء میں سے بھی اس مرتبہ میں گئے ہیں۔ لیکن اس قدر ہے کہ صفات واجبی جل شانہ اس مقام کے مرکز میں ہیں جو اس کے اشرف اجزاء میں سے ہے اور باقی سب موجودات اپنی استعداد کے مطابق اس مرکز کے اطراف و اکناف میں ہیں۔ تیسرا مرتبہ خارج کا ہے اور اس میں واجب الوجود تعالیٰ و تقدس کی ذات اور صفات ثنائیہ موجود ہیں۔ اگر فرق ہے تو مرکز اور غیر مرکز کے اعتبار سے ہے، کیونکہ اشرف اقدس کے زیادہ مناسب ہے۔

سوال: مرتبہ وہم سے نکل کر مرتبہ نفس امر میں جانا کونسی فضیلت رکھتا ہے؟ اور کونسا قرب اس سے متعلق ہے؟

جواب: ہر خیر و کمال اور حسن و جمال کا منشاء وجود ہے اور وجود میں جس قدر قوت و استقرا زیادہ پیدا ہوگا ان صفات کا ظہور زیادہ کامل ہوگا۔ اور اس میں شک نہیں ہے کہ وجود نفس امری، وجود وہمی سے زیادہ قوی اور زیادہ ثابت ہے، لہذا یقیناً اس میں خیر و کمال تمام تر اور کامل تر ہے۔ قرب کے بارے میں کیا کلام ہے جو حق تعالیٰ کے افعال کی صفات کے مرتبہ میں موجود ہو گیا ہے اور اس نے حق تعالیٰ کی خالقیت اور رازقیت کی صفات کے ساتھ ہمسائیگی پیدا کر لی ہے۔

جاننا چاہیے کہ عدم کا ثبوت اور اسی طرح ان کمالات کا ثبوت جن میں عدم کا شائبہ ملحوظ ہے۔ اگرچہ کمالات صفاتیہ میں سے ہوں، سب حس و وہم کے مرتبہ میں ہیں اور جب تک عدم سے بالکل پاک نہ ہو جائیں اور عدم کا عین و اثر زائل نہ ہو جائے، اس وقت وہ مرتبہ نفس امر تک پہنچنے کے لائق نہیں ہو سکتے۔ اگرچہ ثبوت وہمی میں عدم کی قوت و ضعف کے اعتبار سے کئی درجات ہیں۔ جس قدر عدم زیادہ قوی ہوگا، مرتبہ وہم کی گرفتاری زیادہ کامل ہوگی۔ اور جب زیادہ ضعیف ہوگا تو گرفتاری زیادہ کم ہوگی۔ اولیاء میں سے بہت سے حضرات، جو سیر و سلوک کے ذریعے عدم کے مراتب سے گزر گئے ہیں اور ان میں عدم کے اثر کے علاوہ کوئی چیز باقی نہیں رہی، اگرچہ جب تک یہ اثر باقی ہے، وہ مرتبہ نفس امر میں داخل نہیں ہو سکتے۔ لیکن مرتبہ وہم سے گزر کر اس کی انتہا کے نقطہ تک پہنچ جاتے ہیں اور مرتبہ نفس امر کا نظارہ کرنے والے بن جاتے ہیں اور اس مقام سے ایک نصیب حاصل کرتے ہیں۔ محسوس ہوتا ہے کہ انبیاء کرام اور ملائکہ عظام علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات درجات کے فرق سے اور ایسے ہی انبیاء (علیہم الصلوٰۃ والسلام) کے بعض پیروکار، خواہ بہت کم ہوں، وہ مرتبہ نفس امر کے مقام کی انتہا تک پہنچ گئے ہیں اور ہر ایک کے لیے وہاں درجات کے فرق سے ایک خاص وطن ہے اور ایک الگ مقام ہے۔ وہاں حروف و کلمات قرآنی بھی مشہود ہوتے ہیں اور نظر آتا ہے کہ ان کا مقام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے مقام سے فوق (اوپر) ہے، گویا اس مقام سے نکل آئے ہیں اور فوق کے مقام تک نہ پہنچتے ہوئے درمیان میں برزخ بن کر مقیم ہو گئے ہیں، کیونکہ فوق کا مقام حضرت واجب الوجود تعالیٰ کی ذات و صفات مقدسہ کے ساتھ مخصوص ہے اور خارج میں حق سبحانہ کے علاوہ کوئی اور چیز موجود نہیں ہے۔ یہ حروف و کلمات چونکہ حدوث کے نشانات رکھتے ہیں، لہذا اس مقام تک پہنچنے کی قابلیت نہیں رکھتے، لیکن اس مرتبہ کی سب موجودات سے پیش قدم (آگے) ہیں اور انہوں نے اپنے معنی و مرادات کے دامن میں پنچے گاڑے ہوئے ہیں اور جن

بزرگوں نے مرتبہ نفسِ امر کی انتہا میں اقامت کی ہے وہ مرتبہ فوق کا نظارہ کرنے والے ہیں اور کمالِ گرفتاری کی وجہ سے نرگس کی مانند آنکھ بن کر اس جنابِ قدس کی جانب دیکھتے ہیں۔ عجیب معاملہ ہے کہ یہی بزرگوار اس مقام میں وطن و اقامت اختیار کرنے کے باوجود: **الْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ** ^(۳) (آدمی اُس کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت کرتا ہے) کے حکم سے اپنے محبوب کے ساتھ نامعلوم کیفیت کی معیت رکھتے ہیں اور اس کے ساتھ بخود ہیں اور بغیر اتحاد اور بغیر دوئی کے اپنے مطلوب کے ساتھ انس اور الفت رکھتے ہیں۔

اس اثناء میں جب حروف و کلمات قرآنی کی معیت کو اس مقدس مرتبہ میں ملاحظہ کیا گیا تو معلوم ہوا کہ اس معیت کی دوسروں کی معیت کے ساتھ کوئی نسبت ہی نہیں ہے۔ یہ معیت بہت ہی بلند ہے۔ کچھ بھی ادراک میں نہیں آسکتی، کیونکہ باطنوں کے باطن سے متعلق ہے۔ مخلوق کی سمجھ کی وہاں گنجائش کہاں! اور مذکور ہے کہ: **الْقُرْآنُ كَلَامُ اللَّهِ غَيْرُ مَخْلُوقٍ** ^(۴) یعنی: قرآن اللہ کا کلام ہے اور غیر مخلوق ہے۔

ان حروف و کلمات مقدسہ کی شان کی بلندی سے معلوم ہوتا ہے کہ کلامِ نفسی بھی یہی حروف و کلمات ہیں، جیسا کہ قاضی عضد الدینؒ نے اس کی تحقیق کی ہے اور بغیر تقدیم و تاخیر کے انہی کو کلامِ قدیمِ نفسی کہا ہے اور ان کی تقدیم و تاخیر کو اپنے آلہ حادثہ (یعنی زبان) کے قصور پر راجع رکھا ہے۔

سوال: اگر یہی حروف و کلمات کلامِ نفسی ہوں تو پھر چاہیے کہ مرتبہ خارج میں داخل ہوں اور پہلے گزر چکا ہے کہ اس مقام میں داخل نہیں ہو سکتے، اس کی وجہ کیا ہے؟

جواب: یہ حروف و کلمات چونکہ ذہنوں میں تقدیم و تاخیر سے مذکور ہوئے ہیں، لہذا لازمی طور پر نظر کشنی سے ملاحظہ کرنے سے ان کا مرتبہ خارج میں داخل نہ ہونا ظاہر ہوتا ہے اور جب دوسری بار تقدیم و تاخیر کے ملاحظہ کے بغیر دیکھا گیا تو مشہود ہوا کہ وہ (خارج میں) داخل ہیں اور اپنی اصل سے ملتی، بلکہ متحد ہیں۔ پھر ان کی معیت دوسروں کی معیت کے ساتھ کیا نسبت رکھتی ہے، کیونکہ وہاں اتحاد ہے اور دوسروں کی معیت میں اتحاد گنجائش نہیں رکھتا۔ سبحان اللہ! یہی حروف و کلمات قرآنی جب اللہ سبحانہ کا قدیم کلام ہیں تو پھر اس دنیا میں ان کا ظہور باقی سب قدیم صفات کے برخلاف اپنے نفس سے ہی ہوگا، کیونکہ حروف و کلمات اس صورت میں اسی کا نفس ہیں اور تقدیم و تاخیر عارضی کے علاوہ، جو کہ آلہ تکلم (زبان) کے قصور کی وجہ سے پیش آیا ہے، اس کا نقاب بنے ہیں اور اس کا کوئی نقاب نہیں ہے۔ پس اللہ جلِ سلطانہ کی جناب پاک میں سب چیزوں سے زیادہ قریب قرآن مجید ہے اور واجبِ جلِ سلطانہ کی صفات میں سے بھی ظاہر ترین یہی (صفت) ہے، جس تک ظلیت کی گرد بھی نہیں پہنچی ہے اور وہ تقدیم و تاخیر کے گھاس پوس کو مجبوبات کی آنکھوں میں ڈال کر اپنی اصالت کے ساتھ عالمِ ظلال میں جلوہ گر ہوا ہے، لہذا عبادتوں میں سے افضل عبادت قرآن مجید کی تلاوت ہوئی اور اس کی شفاعت دوسروں کی شفاعت سے زیادہ مقبول ہوئی۔ خواہ کسی مقرب فرشتے کی شفاعت ہو یا نبی مرسل کی شفاعت ہو۔ جو نتائج و ثمرات قرآن کی تلاوت پر مرتب ہوتے ہیں (فقیر) ان کی تفصیل کیا (بیان) کر سکتا ہے۔ اکثر یوں ہوا ہے کہ تلاوت کرنے والے کو اٹھا کر ایسے درجات تک لے گئے ہیں کہ جہاں بال کی بھی گنجائش متصور نہ تھی۔

سوال: کیا قرآن کے حروف و کلمات اس دولت سے مخصوص ہوئے ہیں یا باقی سب آسمان سے نازل ہونے والی کتابوں کے حروف و کلمات بھی اس دولت میں شرکت رکھتے ہیں اور وہ سب کلام قدیم نفسی ہیں؟

جواب: سب اس دولت میں شرکت رکھتے ہیں۔ نظر کشنی میں صرف اس قدر فرق معلوم ہوتا ہے کہ گویا قرآن مجید دائرہ کا مرکز ہے اور آسمان سے نازل ہونے والی باقی کتابیں، بلکہ وہ سب کچھ جس کے ساتھ ازل سے ابد تک تکلم واقع ہوگا، وہ سب گویا اس دائرہ کا محیط ہیں۔ پس قرآن سب کا اصل ہوا اور تمام کتابوں سے اشرف ہوا، کیونکہ دائرہ کے اجزاء میں سب سے اشرف مرکز ہے اور وہ دائرہ کے تمام نقطوں کا اصل ہے، گویا تمام نقطے اس کی تفصیل ہیں اور وہ سب کا اجمال ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی شان میں فرماتا ہے: **وَإِنَّهُ لَفِي زُبُرِ الْأَوَّلِينَ**۔ (سورۃ شعراء، ۱۹۶)

یعنی: اور اس کی خبر پہلے پیغمبروں کی کتابوں میں (لکھی ہوئی) ہے۔

سوال: پہلی تحقیق سے معلوم ہوا کہ اس دنیا میں خوبصورت مظاہر کے ضمن میں جو شہود و مشاہدہ کہا گیا ہے، وہ واقع نہیں ہے اور ان کو اس مقدس مرتبہ کا مظہر ہونے کی قابلیت حاصل نہیں۔ کیا ان مظاہر کے علاوہ بھی اس دنیا میں نفسِ شہود و مشاہدہ متحقق ہے یا نہیں؟

جواب: جو چیز اس فقیر کا اعتقاد ہے، وہ یہ ہے کہ اس دنیا کا نصیب صرف یقین ہے، کیونکہ رویتِ بصری و مشاہدہ کہ جس سے مراد رویتِ قلبی ہے، وہ درجات کے فرق کے لحاظ سے اسی (یقین) کا نتیجہ اور ثمرہ ہے جو کہ آخرت سے متعلق ہے۔ صاحبِ تعرف جو اس بلند گروہ (صوفیہ) کے اکابرین میں سے ہیں، اس بارے میں مشائخ کے اجماع کو اپنی کتاب میں نقل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ (مشائخ نے) اس پر اجماع کیا ہے کہ اس دنیا میں حق جل و علا کی رویت واقع نہیں ہے، نہ آنکھ سے اور نہ دل سے اور یقین کے علاوہ کوئی امر اس جگہ ثابت نہیں ہے۔

سوال: اس بلند گروہ (صوفیہ) کے ہاں مقرر ہے کہ یقین کے تین درجے ہیں: علمِ یقین، عینِ یقین اور حقِ یقین۔ علمِ یقین سے مراد ہے اثر سے مؤثر کی طرف استدلال کرنا، جیسا کہ آگ کے وجود کا یقین، جو استدلال کے راستے سے دھوئیں کے وجود کا علم ہونے سے حاصل ہوتا ہے۔ عینِ یقین سے مراد آگ کو آنکھوں سے دیکھنا ہے اور حقِ یقین آگ کو آنکھ سے دیکھ لینے کے بعد متحقق ہونے سے عبارت ہے۔ جب رویتِ قلبی ہی نہ ہو تو پھر عینِ یقین کس معنی میں درست ہوگا؟ اور عدمِ رویت پر کا مطلقاً اجماع کس طرح صادق آئے گا؟

جواب: ممکن ہے کہ اجماع سے مراد پہلے مشائخ کا اجماع ہو اور متاخرین نے اس کے برخلاف حکم کیا ہو اور رویتِ قلبی کو تجویز کیا ہو۔ اس فقیر کے نزدیک یہ حکم ثابت نہیں ہوا ہے اور یہ تجویز ثبوت کو نہیں پہنچی۔ یقین کے جو یہ تین درجات کہے گئے ہیں، سب علمِ یقین میں داخل ہیں اور استدلال سے باہر نہیں نکلے ہیں اور علم سے عین تک نہیں پہنچے اور جسے عینِ یقین میں آگ کی رویت کہا گیا ہے، وہ دھوئیں کی رویت ہے جس کی وجہ سے آگ کے وجود پر استدلال کیا گیا ہے نہ کہ آگ کی رویت پر۔ جیسا کہ علمِ یقین میں دھوئیں کے علم سے آگ کے وجود پر استدلال کیا گیا ہے۔ ایسے ہی دھوئیں کے دیکھنے سے آگ کے وجود پر استدلال ہے۔ یہ دوسرا یقین اپنی دلیل کی قوت کی وجہ سے پہلے یقین سے زیادہ کامل ہے، کیونکہ اس جگہ علمِ دلیل ہے

اور یہاں رویت دلیل ہے۔ اسی طرح حق الیقین میں بھی دھوئیں کے ساتھ متصف ہونا ہے، نہ کہ آگ کے ساتھ۔ اور پھر اس جگہ سے آگ پر استدلال کرنا ہے۔ یہ یقین پہلے دونوں یقین سے زیادہ کامل اور اکمل ہے، کیونکہ وہ اپنے نفس سے جو کہ دھواں بن گیا ہے، آگ کے وجود پر استدلال کرتا ہے اور نفس سے آفاق تک فرق واضح ہے۔ جیسا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے: سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ. (سورۃ حم سجدہ، ۵۳)

یعنی: ہم عنقریب ان کو اطراف (عالم) میں بھی اور خود ان کی ذات میں بھی نشانیاں دکھائیں گے، یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہو جائے گا کہ (یہ) حق ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِلْمُوقِنِينَ. وَفِي أَنْفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ. (سورۃ زاریات، ۲۰-۲۱) یعنی: اور یقین کرنے والوں کے لیے زمین میں (بہت سی) نشانیاں ہیں اور خود تمہارے نفوس میں، تو کیا تم دیکھتے نہیں؟

جو کچھ آفاق اور نفس میں دیکھا جاتا ہے، وہ سب مطلوب کی نشانیاں ہیں، نہ کہ نفس مطلوب۔ پس آفاق و نفس میں مرنی (نظر آنے والی چیز) دھواں ہے جو آگ کی نشانی ہے، نہ کہ آگ۔ اس طرح آفاق و نفس میں معاملہ استدلالی ہوتا ہے جو علم الیقین کی حقیقت ہے اور عین الیقین اور حق الیقین کو آفاق و نفس کے علاوہ تشخیص کرنا چاہیے۔ سبحان اللہ! بزرگوں نے مطلوب کی یافت (پانے) کو نفس میں مقرر کیا ہے اور نفس کے باہر کو بے حاصل سمجھا ہے۔ ایک (بزرگ) فرماتے ہیں:

ہم چو نابینا مبر ہر سوئے دست با تو در زیرِ گلیم ست آنچہ ہست
یعنی: اندھے کی طرح ہر طرف ہاتھ نہ مار، جو کچھ ہے وہ گودڑی کے نیچے تیرے ساتھ ہے۔
ایک دوسرے کہتے ہیں:

چوں جلوہ آں جمال بیروں ز تو نیست پا در دامان و سر بجیب اندر کش
یعنی: جب اس جمال کا جلوہ تجھ سے باہر نہیں ہے تو پھر پاؤں کو دامن میں سمیٹ اور سر کو جیب میں ڈال۔
ایک تیسرے کہتے ہیں:

ذرہ گر بس نیک و ر بس بد بود گرچہ عمرے تگ زند در خور بود
یعنی: ذرہ خواہ اچھا ہو اور خواہ برا ہو، خواہ عمر بھر کوشش کرے، وہ ذرہ ہی رہتا ہے۔
صاحبِ فصوص فرماتے ہیں: التَّجَلَّى مِنَ الذَّاتِ لَا يَكُونُ إِلَّا بِصُورَةِ الْمُتَجَلَّى لَهُ.
یعنی: ذات کی تجلی، جس پر تجلی ڈالی گئی ہو، اُس کی صورت پر ہی ہوتی ہے۔

ایک دوسرے بزرگ فرماتے ہیں: اہل اللہ فنا و بقا کے بعد جو کچھ دیکھتے ہیں وہ اپنے آپ میں دیکھتے ہیں، اور جو کچھ پہچانتے ہیں وہ اپنے اندر ہی پہچانتے ہیں اور ان کی حیرت اپنے وجود ہی میں ہے: وَفِي أَنْفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ. (سورۃ زاریات، ۲۱) یعنی: اور خود تمہارے نفوس میں بھی نشانیاں ہیں، تو کیا تم دیکھتے نہیں۔
(اس) فقیر کے نزدیک نفس بھی آفاق کی مانند لا حاصل ہے اور مطلوب کی یافت (پانے) سے خالی اور بے نصیب

ہے۔ جو ہنر آفاق و انفس میں ہے، وہ مطلوب کی جانب استدلال اور مقصود کی طرف دلالت ہے۔ مطلوب تک پہنچنا آفاق و انفس کے ماوراء پر وابستہ ہے اور جذبہ و سلوک کے ماسوا پر منحصر ہے، کیونکہ سلوک سیر آفاقی ہے اور جذبہ (سیر) انفسی ہے۔ پس سلوک و جذبہ اور سیر آفاقی و انفسی سب سیر الی اللہ میں داخل ہیں، نہ کہ جو کچھ کہا گیا کہ سیر و سلوک آفاقی تو سیر الی اللہ ہے اور جذبہ و سیر انفسی، سیر فی اللہ ہے۔ کیا کہا جاسکتا ہے، ان کو اس طرح ہی سمجھایا گیا ہے اور مجھے اس طرح۔ سُبْحَنَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا۔ (سورۃ بقرہ، ۳۲) یعنی: تو پاک ہے، جتنا علم تو نے ہمیں بخشا ہے، اس کے سوا ہمیں کچھ معلوم نہیں۔

ان کا پس خوردہ کھانے والے مجھ مسکین کی کیا طاقت ہے کہ وہ ان کے مذاق کے خلاف بات کرے، لیکن چونکہ معاملہ تقلید سے گزر چکا ہے، لہذا مجبوراً (فقیر) جو کچھ پاتا ہے، وہ کہتا ہے، خواہ صوفیہ کے مخالف ہو یا موافق۔ (امام) ابو یوسف (رحمۃ اللہ علیہ) کے لیے تقلید سے گزر جانے کے بعد (حضرت) ابو حنیفہ (رحمۃ اللہ علیہ)، جو کہ اُن کے استاد ہیں، کی تقلید کی موافقت کا التزام کرنا خطا ہے۔ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَسِينَا أَوْ أَخْطَاْنَا۔ (سورۃ بقرہ، ۲۸۶) یعنی: اے ہمارے پروردگار! اگر ہم سے بھول یا چوک ہو گئی ہو تو ہم سے مواخذہ نہ فرما۔

سوال: یقین کے یہ تین درجے جب علم الیقین میں داخل ہوئے تو پھر تمہارے نزدیک عین الیقین کیا ہوا؟

جواب: عین الیقین سے مراد وہ حالت ہے جو نفس دھواں کی آگ کے ساتھ ثابت ہے۔ اور جب استدلال کرنے والا دلیل کے انتہائی درجہ تک پہنچ جائے جو کہ دھواں ہے تو اس کے لیے بھی آگ کے ساتھ ایک حالت پیدا ہو جائے گی جو کہ دھوئیں کی آگ کے ساتھ ثابت ہے۔ فقیر کے نزدیک اس حالت کی تعبیر عین الیقین ہے جو کہ استدلال کے علم سے برتر ہے اور آفاق و انفس سے باہر ہے اور چونکہ استدلال کا پردہ درمیان سے اٹھ گیا ہے جو کہ مرتبہ علم کی انتہا ہے تو مجبوراً وہ علم سے کشف میں آ گیا ہے اور غیب سے شہود و حضور تک پہنچ گیا ہے۔

جاننا چاہیے کہ شہود و حضور اور چیز ہے اور رؤیت و احساس اور۔ کمزور نظر والے لٹھخص کے لیے سورج کی روشنی کے غلبہ کے وقت میں سورج کا شہود و حضور ثابت ہے اور اس کی رؤیت و احساس متحقق نہیں ہے۔

تنبیہ: دھوئیں کے ساتھ متحقق ہونے کے دو درجے ہیں اور علم الیقین اور عین الیقین کو شامل ہیں، جیسا کہ اس کی تحقیق اوپر بیان ہوئی ہے۔ جب تک دھوئیں کی تحقیق میں اس کے تمام نقطوں کو طے کر کے اس کے آخری نقطے تک نہ پہنچا جائے، اُس وقت تک وہ علم الیقین ہے، کیونکہ جو نقطہ (باقی) رہ گیا ہے، وہ اس کا پردہ ہے جو کہ استدلال کو لازم کرتا ہے اور جب تمام نقطوں سے متحقق ہو کر اس کے آخری نقطہ تک پہنچ جائے تو استدلال سے باہر نکل آیا، کیونکہ سب پردے پوری طرح اٹھ گئے ہیں اور نفس دھواں کی مانند عین الیقین اس کو ثابت ہو گیا ہے۔ خوب سمجھ لو۔ حق الیقین کے ضمن میں کیا لکھا جائے، کیونکہ اس کے ساتھ مکمل طور پر متحقق ہونا آخرت کے جہان سے متعلق ہے اور اگر اس دولت سے دنیا میں کچھ نصیب ہونا ثابت ہے تو وہ خاص الخاص (حضرات) کے ساتھ مخصوص ہے، کیونکہ سیر انفسی، جو حق الیقین سے مشابہت رکھتی ہے، ان کے ہاں وہ علم الیقین میں داخل ہو گئی ہے اور ان کے انفس نے آفاق کا حکم حاصل کر لیا ہے۔ اور ان کا علم حضوری، جو انفس کے ساتھ تھا، وہ علم حصولی بن گیا ہے اور ان کے حق میں عین الیقین آفاق و انفس کے ماوراء میں حاصل ہو گیا ہے اور ایسے لوگ بہت کم ہیں۔

خاتمہ حسنہ: اس حسن و جمال محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے بیان میں جو سب جہانوں کے پروردگار جل شانہ کی محبت کے متعلق ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس جمال کی بدولت رب العالمین کے محبوب بنے ہیں۔ حضرت یوسف علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والتسلیمات اگرچہ اس صباحت (زیبائی) سے جو کہ رکھتے تھے، حضرت یعقوب علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کے محبوب ہوئے ہیں، لیکن ہمارے نبی (کریم) خاتم الرسل علیہ وسلم الصلوٰۃ والتسلیمات والتحتیات اس ملاحضہ (دکشی) سے جو کہ رکھتے تھے، زمین و آسمان کے خالق کے محبوب ہیں اور زمین و آسمان کو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے طفیل پیدا فرمایا گیا ہے، جیسا کہ وارد ہوا ہے۔

جاننا چاہیے کہ تخلیق محمدی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) باقی تمام افراد انسانی کی تخلیق کی مانند نہیں ہے، بلکہ جہان کے افراد میں سے کسی فرد کی تخلیق کے ساتھ مناسبت نہیں رکھتی، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عنصری پیدائش کے باوجود حق جل و علا کے نور سے پیدا ہوئے ہیں، جیسا کہ آپ علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے: خُلِقْتُ مِنْ نُورِ اللَّهِ. (۵) یعنی: میں اللہ تعالیٰ کے نور سے پیدا ہوا ہوں۔

اور دوسروں کو یہ دولت میسر نہیں ہوئی ہے۔ اس نکتے کا بیان وہ ہے جو اس سے پہلے گزر چکا ہے کہ حضرت واجب الوجود جل سلطانہ کی صفات ثمانیہ حقیقیہ اگرچہ دائرہ وجوب میں داخل ہیں، لیکن ان کو جو احتیاج حضرت ذات تعالیٰ کے ساتھ ہے، اس کی وجہ سے امکان کی بُرائی میں ثابت ہے۔ اور جب صفات حقیقیہ قدیمہ میں امکان کی بوکی گنجائش ہے تو پھر حضرت واجب الوجود تعالیٰ کی صفات اضافیہ میں امکان کا ثبوت بطریق اولیٰ ہوگا اور ان کا قدیم نہ ہونا ان کے امکان پر بھی بہت بڑی دلیل ہوگا۔ واضح کشف سے معلوم ہوا ہے کہ آنسور علیہ وآلہ الصلوٰۃ والتسلیمات کی تخلیق اس امکان سے پیدا ہوئی ہے جو صفات اضافیہ سے تعلق رکھتا ہے، نہ کہ اس امکان سے جو عالم کے سب ممکنات میں ثابت ہے۔ جس قدر دقت نظر سے عالم کے ممکنات کے صحیفہ کا مطالعہ کیا جاتا ہے، آنسور علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام کا وجود (مبارک) وہاں مشہود نہیں ہوتا، بلکہ آپ علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام کی تخلیق و امکان کا منشاء صفات اضافیہ کا وجود اور ان کا امکان محسوس ہوتا ہے۔ چونکہ آنسور علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام کا وجود (مبارک) عالم ممکنات میں نہیں ہے، بلکہ اس عالم سے برتر ہے، لہذا آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا سایہ نہ تھا۔ نیز عالم شہادت میں آدمی کا سایہ آدمی سے زیادہ لطیف ہے اور چونکہ عالم میں آپ علیہ وآلہ الصلوٰۃ والتسلیمات سے زیادہ کوئی لطیف نہیں ہے، اس لیے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے سایہ کی صورت کیسے ہو سکتی ہے۔

سنو، سنو! صفتِ علم صفات حقیقیہ میں سے ہے اور موجود خارجی کے دائرہ میں داخل ہے۔ اور جب اس صفت کو کوئی اضافت عارض ہو اور وہ اس سے تقسیم ہو جائے تو اس کی علم اجمالی اور علم تفصیلی جیسی اقسام صفات اضافیہ میں سے ہوں گی اور دائرہ ثبوت نفس الامری میں داخل ہوں گی جو صفات اضافیہ کا مقررہ مقام ہے، جیسا کہ (پہلے) گزر چکا ہے۔ نیز مشہود ہوتا ہے کہ علم جملی، جو کہ صفات اضافیہ میں سے ہے، یہ ایک ایسا نور ہے جس نے عنصری پیدائش میں بہت سے صلبوں سے رحموں میں منتقل ہونے کے بعد حکمتوں اور مصلحتوں کی رُو سے انسانی صورت میں، جو کہ احسن تقویم (بہت ہی اچھی صورت) ہے، ظہور فرمایا ہے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے موسوم ہوا ہے۔

اچھی طرح سننا چاہیے کہ اجمال کی اس قید نے اگرچہ علم مطلق کو پابند بنایا ہے اور حقیقت سے اضافت میں لائی ہے، لیکن اس نے علم میں کوئی اضافہ پیدا نہیں کیا ہے اور کسی چیز نے اس کو مقید نہیں کیا، کیونکہ اجمال علم سے مراد نفس علم ہے، نہ کہ امر زائد، جو علم سے ملا ہو، بخلاف تفصیل علم کے جو بہت ہی زیادہ جزئیات کا تقاضا کرتا ہے، تاکہ تفصیل متصور ہو جائے۔ ایک عجیب قید ہے جو اطلاق کی مظہر ہے اور اچھی مقید ہے جو نفس مطلق ہے۔ اسی طرح کی نزاکت مطلق علم میں ذات عالم جل سلطانہ کی نسبت ملاحظہ کرنی چاہیے، جہاں نفس عالم اور نفس معلوم کا علم ہو سکتا ہے، جیسا کہ علم حضوری میں ثابت ہے، بخلاف دوسری صفات کے جو یہ قابلیت نہیں رکھتیں۔ (یہ) نہیں کہا جاسکتا کہ قدرت عین قادر اور عین مقدور ہے اور ارادہ عین مرید اور عین مراد ہے۔ پس علم کو ذات عالم کے ساتھ ایک اتحاد ہے اور ایک نیستی (حاصل) ہے جو غیر کو (حاصل) نہیں ہے۔ یہاں سے احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا قرب جو احد کے ساتھ ہے، اس کو سمجھنا چاہیے کہ یہ کونسا واسطہ درمیان میں رکھتا ہے اور وہ صفت علم ہے۔ وہ ایک ایسا امر ہے جو مطلوب کے ساتھ اتحاد رکھتا ہے۔ اس لیے وہاں پردہ داری کی کیا گنجائش ہے۔ نیز اسی طرح علم کے لیے ایک ذاتی حسن ہے جو صفات میں سے اس کے علاوہ کسی اور کے لیے ثابت نہیں ہے۔ لہذا اس فقیر کے گمان سے حق جل و علا کے ہاں صفات واجبی میں سے محبوب ترین صفت علم ہے۔ اور چونکہ اس کا حسن بے مثلی کا شائبہ رکھتا ہے، لہذا حس اس کے ادراک سے قاصر ہے۔ اس حسن کا مکمل ادراک آخرت کے جہان سے متعلق ہے جو رویت کا مقام ہے۔ جب اللہ عز وجل کو دیکھیں گے تو (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے جمال کو بھی پالیں گے۔ اگرچہ اس جہان میں دو تہائی حسن حضرت یوسف (علیہ السلام) کے لیے مسلم ہوا اور باقی تیسرا حصہ سب میں تقسیم ہوا ہے، لیکن اس جہان (آخرت) میں حسن، صرف حسن محمدی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہے اور جمال، صرف جمال محمدی علیہ الصلوٰات والتسلیمات ہے، جو اللہ جل سلطانہ کے محبوب ہیں۔ کسی دوسرے کے حسن کو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے حسن کے ساتھ کیسے شرکت ہو سکتی ہے، کیونکہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا حسن مطلوب کے ساتھ اتحادیت کی وجہ سے عین مطلوب کا حسن ہے اور دوسروں کے لیے چونکہ (اس طرح کا) اتحاد نہیں ہے، لہذا ایسا حسن بھی (حاصل) نہیں۔ پس تخلیق محمدی علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام باوجود حادث ہونے کے ذات (حق) تعالیٰ کے قدم کی جانب منسوب ہے اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا امکان بھی ذات (حق) تعالیٰ کے وجود کے ساتھ منتهی ہوا اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا حسن، حسن ذات تعالیٰ ہوا، کیونکہ اس میں غیر کے حسن کا شائبہ موجود نہیں ہے۔ جب اس طرح ہوا تو پھر یقیناً آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ جمیل مطلق کی محبت کا تعلق ہو گیا اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) حق سبحانہ کے محبوب قرار پائے۔ فَإِنَّ اللَّهَ تَعَالَى جَمِيلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ۔^(۱) یعنی: بیشک اللہ تعالیٰ جمیل ہے اور جمال کو دوست رکھتا ہے۔

سوال: (آیت) کریمہ: يُحِبُّهُمْ (اللہ تعالیٰ اُن سے محبت کرتا ہے۔ سورۃ مائدہ، ۵۴) اس چیز پر دلالت کرتی ہے کہ حضرت حق سبحانہ کی محبت کا تعلق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ دوسروں کے ساتھ بھی ہے اور دوسرے بھی حق تعالیٰ کے محبوب ہیں۔ اس تخصیص کی کیا وجہ ہے جو دوسروں میں موجود نہیں ہے؟

جواب: محبت دو قسم کی ہے۔ ایک وہ محبت ہے جس کا تعلق محبت کی ذات سے ہے اور ایک وہ محبت ہے جو اس کی ذات

کے غیر سے تعلق رکھتی ہے۔ پہلی قسم کی محبت ذاتی ہے اور وہ محبت کی اقسام میں سے اعلیٰ قسم ہے۔ کیونکہ ہر شخص کسی چیز کو اتنا دوست نہیں رکھتا جتنا کہ خود کو۔ نیز اس طرح کی محبت سب سے محکم اور سب سے مضبوط ہے جو کسی اتفاقی عارضہ سے زوال پذیر نہیں ہوتی۔ نیز اس محبت کا تعلق محبوب صرف سے ہوتا ہے جو محبت کی آمیزش نہیں رکھتی۔ بخلاف دوسری قسم کی محبت کے جو کہ عارضی اور زوال پذیر ہے اور اگرچہ ایک وجہ سے اس کا تعلق بھی محبوب سے ہے، لیکن متعدد وجوہات سے محبت بھی رکھتی ہے۔ چونکہ (حضرت خاتم الرسل علیہ علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کا حسن و جمال حضرت ذات تعالیٰ کے حسن و جمال کی جانب منسوب ہے، جیسا کہ (اوپر) گزر چکا ہے، لہذا یقیناً پہلی قسم کی محبت جو کہ ذات (حق) جل شانہ سے متعلق ہے، وہ آپ علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام سے متعلق ہوئی اور ذات (حق) سبحانہ کی طرح اس محبت کے تعلق کی بدولت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی محبوب صرف ہیں اور دوسروں کو چونکہ یہ دولت میسر نہیں ہوئی ہے اور وہ حسن ذات سے کم نصیب (رکھتے) ہیں، اس لیے محبت کی دوسری قسم ان سے متعلق ہے اور یہ ایک وجہ سے ان کو محبوب بناتی ہے۔ اس طرح محبوب مطلق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں جو محبت کی ذات کے رنگ میں ہمیشہ محبوب ہیں۔

یوں محسوس ہوتا ہے کہ اس قسم کا غلبہ محبت جو حضرت موسیٰ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کو حضرت حق سبحانہ کے ساتھ ہے اور وہ اس محبت کے سبب سے محبوب کے سردار اور رئیس ہوئے ہیں، اسی طرح کی بہت ہی زیادہ محبت حضرت حق سبحانہ کو حضرت خاتم الرسل علیہ علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے ساتھ ہے۔ اگرچہ یہ فقیرانہ و محبتوں کے دریا میں غوطہ زنی کرتا ہے، تا کہ ان دو محبتوں کے درمیان قوت و ضعف کے اعتبار سے ایک فرق پیدا کرے اور وہ محبت جو خالق کو ہے، اُس کو مخلوق سے زیادہ شدید پائے، (لیکن آیت) کریمہ: فَإِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْغَالِبُونَ (بیشک اللہ کی جماعت ہی غلبہ پانے والی ہے۔ سورۃ مائدہ، ۵۶) کی رُو سے کوئی فرق ظاہر نہیں ہوتا۔ گویا ان دو محبتوں کو انصاف کے ترازو میں برابر تو لایا گیا ہے اور بال بھر کی دیشی تجویز نہیں کی گئی۔

سوال: بلند صوفیہ نے عالم کے سب افراد کو اسمائے الہی جل سلطانہ کے مظاہر اور جلوہ گاہیں قرار دیا ہے اور چیزوں کے حقائق کو بھی یہی اسماء پایا ہے اور چیزوں کو ان کے ظلال سمجھا ہے۔ اس لیے تمام عالم اسمائے الہی جل و علا کا ظہور ہے اور تم نے بعض اسماء کے ظہور کی جو تخصیص آنسور علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی تخلیق کے ساتھ کی ہے، جیسا کہ (اوپر) گزرا ہے، اس کی وجہ کیا ہے؟

جواب: صوفیہ کے نزدیک چیزوں کے حقائق اعیانِ ثابتہ ہیں جو کہ اسمائے الہی جل سلطانہ کی علمی صورتیں ہیں، نہ کہ اسمائے الہی اپنے نفس کے ساتھ۔ اور انہوں نے اس عالم کو ان علمی صورتوں کا ظہور کہا ہے۔ اگرچہ بطور مجاز اس کو ظہور اسماء بھی کہتے ہیں، بلکہ کسی چیز کی علمی صورت بھی ان کے ہاں اس چیز کا عین ہے، نہ کہ اس چیز کی خیالی شبیہ اور مثال۔ اس فقیر نے جو کچھ آنسور (علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام) کی تخلیق کے بارے میں کہا ہے، وہ اسم الہی جل سلطانہ کے نفس کا ظہور ہے، نہ کہ اس اسم کی علمی صورت کا ظہور۔ کسی چیز کے نفس اور اس کی علمی صورت کے درمیان بڑا فرق ہے۔ آگ کو جب علمی صورت میں تصور کرتے ہیں تو وہ روشنی اور چمک کہاں ہے جو کہ آگ کے کمال و جمال کا باعث تھی اور صورت علمی میں وہ آگ کی شبیہ اور مثال سے زیادہ ثابت نہیں ہوتی۔ ارباب معقول اس کو پسند کریں یا نہ کریں، خواہ وہ اس کو عین آگ کہیں۔ لیکن ہمارا واضح

کشفِ عینیت کی تکذیب کرتا ہے۔ آگ کی علمی صورت آگ کی شبیہ کے سوا کچھ نہیں ہے جو کہ خارج میں موجود ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ جو کچھ اسماء کی علمی صورتوں کا ظہور ہے، اس کا امکان اور وجود امکانِ عالم کی قسم میں سے ہے اور عالم کا وجود جس نے مرتبہ وہم میں اللہ جلِ سلطانہ کی کاریگری سے ثبات اور قرار پیدا کر لیا ہے اور جو کچھ اسم الہی جلِ سلطانہ کا ظہور ہے۔ جیسا کہ آنسور علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی تخلیق میں گزرا ہے، اس کا امکان صفاتِ اضافی کے امکان کی قسم میں سے ہے اور ان کا وجود بھی ان صفات کی مانند مرتبہ نفسِ امر میں مقرر ہے اور آنسور علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کے علاوہ کوئی شخصیت نظر میں نہیں آتی جو نفسِ اسم الہی تعالیٰ کا ظہور ہو، مگر قرآن مجید، کیونکہ وہ بھی نفسِ اسم الہی جلِ سلطانہ کا ظہور ہے۔ جیسا کہ اس سے تھوڑا سا اوپر بیان ہو چکا ہے۔

مختصر یہ کہ ظہور قرآنی کا منشاء صفاتِ حقیقیہ سے ہے اور ظہور محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا منشاء صفاتِ اضافیہ میں سے ہے، لہذا یقیناً اس کو قدیم اور غیر مخلوق کہا گیا ہے اور اس کو حادث اور مخلوق۔ کعبہ ربانی کا معاملہ ان دو اسی ظہور سے بھی زیادہ عجیب ہے، کیونکہ وہاں صورتوں اور شکلوں کے لباس کے بغیر معنی تزیینی کا ظہور ہے، اس لیے کہ کعبہ جو خلّاق کا مَسْجودِ الیہ ہے، اس سے مراد پتھر اور ڈھیلانہیں ہے اور اسی طرح دیواریں اور چھت نہیں ہے، کیونکہ اگر یہ نہ ہوں تو بھی کعبہ، کعبہ ہے اور مَسْجودِ الیہ ہے۔ پس وہاں ظہور تو ہے، لیکن (اس کی) کوئی صورت نہیں ہے اور یہ عجائبات میں سے بڑی عجیب بات ہے۔

سنو، سنو! اگرچہ اس دولتِ خاصہ محمدی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں کوئی اور شریک نہیں ہے، لیکن (فقیر) اس قدر محسوس کرتا ہے کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس دولتِ خاصہ سے آپ علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی تخلیق و تکمیل کے بعد کچھ حصہ باقی رہ گیا تھا، جیسا کہ کریم لوگوں کی دولتِ ضیافت کے دسترخوان پر (نعمتوں کی) کثرت ہونا لازم ہے، تاکہ پس خوردہ کی طرح خادموں کو نصیب ہو جائے۔ لہذا وہ بقیہ آپ علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی امت کے دولت مندوں میں سے ایک کو پس خوردہ کی مانند عطا فرمایا گیا ہے۔ اور اس کو خمیر کا مادہ بنا کر اس کی خاک کو اس سے گوندھا ہے اور آپ علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی تبعیت (پیروی) اور وراثت کے طور پر اس کو آپ (علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام) کی دولتِ خاصہ میں شریک بنایا گیا ہے:

ع با کریموں کا رہا دشوار نیست

یعنی: کریم لوگوں کے لیے کام مشکل نہیں ہیں۔

یہ بقیہ حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی طینت کے اس بقیہ کی مانند ہے جو کھجور کے درخت کی تخلیق میں نصیب بنا ہے، جیسا کہ آپ علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے: اَکْرَمُوا عَمَّتْکُمُ النَّخْلَةُ فَانْهَاجَتْ مِنْ بَقِيَّةِ طِينَةِ آدَمَ (۷) یعنی: تم اپنی پھوپھی کھجور کا اکرام کرو کہ یہ (حضرت) آدم (علیہ السلام) کی بقیہ خاک سے پیدا کی گئی ہے۔

جی ہاں!

ع وَ لِلْأَرْضِ مِنْ كَأْسِ الْكِرَامِ نَصِيبٌ

یعنی: اور کریم لوگوں کے پیالہ سے زمین کو بھی حصہ نصیب ہو جاتا ہے۔

سوال: حضرت شیخ محی الدین ابن العربی (رحمۃ اللہ علیہ) اور ان کے تابعین نے حقیقتِ محمدی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے مراد حضرت اجمالِ علم لی ہے اور اس کو تعینِ اوّل کہا ہے اور تجلی ذات سمجھا ہے اور اس کے اوپر مرتبہ لاتعین تصور کیا ہے جو کہ حضرت ذاتِ محض جل شانہ کا مرتبہ ہے اور تم نے اس کو علم کی قسم سمجھ کر صفاتِ اضافیہ میں داخل کیا ہے جو صفاتِ حقیقیہ سے نیچے ہیں، اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب: شیخ محی الدین (ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ) خارج میں ذاتِ احدیت مجردہ کے سوا کسی کو موجود نہیں سمجھتے اور وجود صفات کو بھی، خواہ وہ حقیقی ہوں علم کے سوا ثابت نہیں کرتے۔ پس یقیناً ان کے ہاں تعینِ اوّل علم جملی ہے اور صفات کا ثبوت اس کے بعد صورت پکڑتا ہے، کیونکہ ان کا ثبوت علم کی فرع ہے، اس لیے کہ وہ ان کا علم کے سوا کوئی ثبوت نہیں جانتے۔ پس علم سب سے زیادہ سابق ہے اور سب کمالات کا جامع ہے۔ اس فقیر کے نزدیک جو کچھ مکشوف ہوا ہے، وہ یہ ہے کہ صفات حقیقیہ ثنائیہ ذاتِ واجبی جل شانہ کی مانند خارج میں موجود ہیں۔ اگر فرق ہے تو وہ مرکزیت اور عدم مرکزیت کے اعتبار سے ہے، جیسا کہ (اوپر) گزرا ہے اور یہ قول علمائے اہل سنت و جماعت شکر اللہ تعالیٰ سَعِیْہُمْ (اللہ تعالیٰ ان کی کوشش کو مشکور فرمائے) کی آراء کے مطابق ہے، جنہوں نے صفات وجود کو ذاتِ تعالیٰ کے وجود پر زائد فرمایا ہے، اس صورت میں علم جملی کو تعینِ اوّل کہنا کوئی معنی نہیں رکھتا، بلکہ تعین کے اطلاق کرنے کی گنجائش بھی نہیں رکھتا۔ سب صفات سے زیادہ سابق صفتِ حیات ہے، کیونکہ صفتِ علم بھی اس کے تابع ہے۔ علم کو اس پر سبقت دینے کی کوئی صورت نہیں ہے۔ خاص کر کے جب علم کے ساتھ ایک قید بھی لگی ہو۔ وہ مطلق علم سے زیادہ نیچے ہے اور اضافات میں داخل ہے۔ جیسا کہ (اوپر) گزرا ہے۔ ہاں! اگر علم جملی کو علم کا تعینِ اوّل کہیں تو پھر اس کی گنجائش ہے، کیونکہ اس کا تعین ثانی علم تفصیلی ہے۔

سوال: شیخ محی الدین (ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ) نے جو علم جملی کو حقیقتِ محمدی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کہا ہے اور اس عنصری پیدائش کو اس کا ظہور سمجھا ہے، اس سے ان کی مراد نفسِ اسم کا ظہور ہے، جیسا کہ تم نے کہا ہے یا اس اسم کی صورت کا ظہور ہے جیسا کہ باقی سب ممکنات میں ہے؟

جواب: (اس سے مراد) صورتِ اسم کا ظہور ہے، کیونکہ شیخ قدس سرہ کے ہاں تعینِ اوّل، تعینِ علمی ہے، اس لیے انہوں نے پہلے دو تعین کو علمی کہا ہے اور آخری تین تعین کو تعینِ خارجی کہا ہے۔ تعینِ علمی شانِ العلم کی صورت ہے، کیونکہ خارج میں اس کو تعینِ ذات کہا ہے اور علم میں اس کی صورت کو ثابت کیا ہے۔ وہ صورت جو کہ حقیقتِ محمدی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہے، اس نے عالم عنصری میں صورتِ انسانی محمدی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں ظہور کیا ہے۔ الغرض یہ کہ شیخ (قدس سرہ) کے ہاں جس جگہ بھی ظہور ہے وہ علمی صورت کا ظہور ہے، خواہ وہ صفاتِ واجبی جل سلطانہ ہی ہوں، کیونکہ ان کے ہاں صفات کو بھی علم کے سوا کوئی ثبوت نہیں ہے اور خارج میں ذاتِ محض کے علاوہ ان کے نزدیک کوئی چیز موجود نہیں۔

سوال: اس مرتبہ میں علم و عالم اور معلوم کا اتحاد ہے، جس کا حاصل علم حضوری ہے۔ پس صورتِ اسم کی وہاں کیا گنجائش ہوگی، کیونکہ صورت کا حصول علم حصولی میں ہے اور علم حضوری میں نفسِ معلوم حاضر ہے، نہ کہ صورتِ معلوم؟

جواب: وہ مرتبہ، مرتبہ ذاتِ محض جل سلطانہ نہیں ہے، لہذا اس کو تعین اور تنزل کہا گیا ہے۔ پس وہ خارج میں موجود نہیں

ہے اور جب خارج میں موجود نہیں ہوا تو پھر ثبوتِ علمی سے چارہ نہیں رکھتا۔ لہذا انہوں نے اس کو تعینِ علمی کہا ہے، کیونکہ ثبوتِ علمی کو معلوم کی صورت سے چارہ نہیں ہے۔ اس بیان سے لازم ہوا کہ علم حضوری میں بھی معلوم کی صورت نفس معلوم کے حضور کے باوجود موجود ہے، کیونکہ نفس معلوم بطورِ خالص حاضر نہیں ہے، بلکہ ایک اعتبار نے اس کے اندر راستہ پالیا ہے جو اس کو نفس سے صورت میں لے آیا ہے۔ ہر شخص کی سمجھ اس نکتے تک نہیں پہنچتی اور جب تک ذاتِ محض جلِ سلطانہ سے واصل نہ ہو جائے (اس وقت تک) اس نکتہ کی بے مثلی کے وصول کو حاصل نہیں کر سکتا۔ سبحان اللہ! مجھ جیسے حقیر پیچھے گرے پڑے ہوئے عاجز کی کیا طاقت ہے کہ (حضرت) خاتم الرسل علیہ علیہم الصلوٰات والتسلیمات کی بعثت کے ہزار سال بعد اکابر اولو العزم انبیاء علیہم الصلوٰات والتحیات والبرکات کے معارف و اسرار کی بات زبان پر لے آؤں اور معاد کے دامن میں داخل ہو کر مبداء کے کمالات کے دقائق کو بیان کروں:

وَلے چوں شہ مرا برداشت از خاک سزد گر بگذرانم سر از افلاک

من آں خاتم کہ ابر نو بہاری کند از لطف بر من قطرہ باری

اگر بر روید از تن صد زبانم چو سبزہ شکر لطفش کے توانم

یعنی: لیکن جب بادشاہ نے مجھ کو خاک سے اٹھایا ہے تو مجھے حق حاصل ہے کہ میں اپنا سر آسمان سے بھی بلند کروں۔

♦ میں وہ خاک ہوں کہ نو بہاری کا بادل لطف و مہربانی سے مجھ پر قطرہ باری کرتا ہے۔

♦ اگر میرے جسم پر سو زباناں بھی آگ آئیں تو سبزے کی طرح میں اس کے لطف کا شکریہ کیسے ادا کر سکتا ہوں۔

الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰنَا لِهٰذَا قَفْ وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیْ لَوْلَا اَنْ هَدٰنَا اللّٰهُ ۚ لَقَدْ جَاۤءَتْ رُسُلٌۭ رَبَّنَا بِالْحَقِّۙ

(سورۃ اعراف، ۴۳) عَلَیْہِمُ الصَّلٰوٰتُ وَالتَّسْلِیْمٰتُ۔

یعنی: اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جس نے ہمیں اس طرف کا راستہ دکھایا۔ اگر وہ ہم کو ہدایت نہ بخشا تو ہم ہرگز راستہ نہ پاتے۔

بیشک ہمارے پروردگار کے رسول (علیہم الصلوٰات والتسلیمات) حق کے ساتھ آئے ہیں۔

خیال تھا کہ (فقیر) حدیثِ نبوی: اَخِیْ یُوْسُفُ اَصْبَحَ وَاَنَا اَمْلَحُ^(۸) (یعنی: میرے بھائی یوسف صبحت والے

تھے اور میں ملاحت والا ہوں) سے تھوڑا سا رمز و اشارہ میں بیان کرے، لیکن دیکھا کہ رمز و اشارہ اس مقصد کے ادا کرنے سے

قاصر ہے اور سننے والے اس کے سمجھنے سے عاجز ہیں۔ قرآن کے حروف مقطعات سب ان احوال کے حقائق اور اسرار کے

دقائق کے رموز و اشارات ہیں جو کہ محبت اور محبوب کے درمیان ثابت ہیں، لیکن کون ہے جو ان کو پاسکے۔ راسخ علماء جو سارے

جہانوں کے پروردگار کے حبیب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے خادموں اور غلاموں کا درجہ رکھتے ہیں اور خادموں کے لیے جائز

ہے کہ وہ مخدوم کے بعض پوشیدہ رازوں سے آگاہ ہوں، بلکہ مخدوم کی پیروی کرنے کی وجہ سے خادم کے لیے جائز ہے کہ بعض

معاملات اس کے درمیان بھی آئیں اور پس خوردہ کھانے والوں کی مانند وہ بھی مخدوم کی دولتِ خاصہ میں شریک ہو جائے،

لیکن اگر وہ اس حقیقت سے کچھ اظہار کرے گا تو خیانت کا رہوگا اور اپنے سر کو برباد کرے گا اور قُطِعَ الْبَلْعُومُ^(۹) (گلا کاٹ دیا

جائے) جو (حضرت) ابو ہریرہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے فرمایا ہے، اس کے حق میں صادق آئے گا۔ یَصْنِقُ صَدْرِیْ وَلَا

يَنْطَلِقُ لِسَانِي. (سورة شعراء، ۱۳) یعنی: میرا دل تنگ ہوتا ہے اور میری زبان رکتی ہے۔

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَاسْرَافَنَا فِيْ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ. (سورة آل عمران، ۱۳۷) یعنی: اے ہمارے پروردگار! ہمارے گناہ اور زیادتیاں جو ہم اپنے کاموں میں کرتے رہے ہیں، معاف فرما اور ہم کو ثابت قدم رکھ اور کافروں پر فتح عنایت فرما۔

وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَعَلَىٰ سَائِرِ مَنْ اتَّبَعَ الْهُدَىٰ وَالْتَزَمَ مُتَابِعَةَ الْمُصْطَفَىٰ عَلَيْهِ وَعَلَىٰ آلِهِ وَأَصْحَابِهِ الْبَرَّةِ الثَّقَىٰ. یعنی: اور آپ کو اور ان سب کو جنہوں نے ہدایت کی بات کو مانا اور (حضرت محمد) مصطفیٰ علیہ وعلی آلہ واصحابہ البرۃ الثقی کی متابعت کو لازم پکڑا، سلامتی نصیب ہو۔

مکتوب نمبر (۱۰۱)

شیخ عبداللہ کو تحریر فرمایا۔ فلاسفہ کے ذوق کے مطابق قرآن کی آیات کی تفسیر و تاویل کرنے سے منع کرنے (کے بیان) میں۔
سَلِّمَکُمُ اللّٰهُ سُبْحَانَهُ وَعَافَاکُمْ عَنِ الْبَلِيَّاتِ.

یعنی: اللہ سبحانہ! آپ کو سلامت رکھے اور آپ کو بلاؤں سے محفوظ فرمائے۔

آپ نے جو کتاب ”تبصیر الرحمن“،^(۱) بھیجی تھی، اس کے بعض مقامات مطالعہ کر کے واپس بھیج دی ہے۔

میرے مکرم! اس کتاب کا مصنف فلاسفہ کے مذہب کی طرف بہت میلان رکھتا ہے اور قریب ہے کہ وہ حکماء (فلاسفہ) کو انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کے برابر بنا ڈالے۔ سورہ ہود کی ایک آیت نظر آئی، جس کا بیان (تفسیر) حکماء (فلاسفہ) کے طرز پر ہے جو کہ انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کے طریقہ کے خلاف کیا گیا ہے اور اس میں انبیاء و حکماء کے قول کے درمیان مطابقت پیدا کی ہے اور کہا ہے کہ اس آیت کریمہ: اُولَٰئِكَ الَّذِیْنَ لَیْسَ لَهُمْ فِی الْآخِرَةِ (یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے آخرت میں آتش جہنم کے سوا اور کچھ نہیں۔ سورہ ہود، ۱۶) میں انبیاء و حکماء کے اتفاق سے اس آگ سے مراد حسی آگ ہے یا عقلی آگ ہے، الخ۔

انبیاء علیہم الصلوٰات والتحیات کے اجماع کے باوجود حکماء کا اتفاق کیا گنجائش رکھتا ہے اور آخرت کے عذاب کے بارے میں ان کے قول کا کیا اعتبار ہو سکتا ہے؟ خاص کر کے انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کے قول کے مخالف ہونے کی صورت میں۔ فلاسفہ جو عقلی عذاب ثابت کرتے ہیں، ان کا مقصد حسی عذاب کو دور کرنا ہے جس کے ثبوت پر انبیاء (علیہم الصلوٰة والسلام) کا اجماع واقع ہوا ہے۔

مصنف دوسری جگہوں پر قرآنی آیات (کی تفسیر) کو حکماء (فلاسفہ) کے ذوق کے مطابق بیان کرتا ہے۔ اگرچہ وہ اہل ملل (انبیاء کے متابعین) کے مذہب کے خلاف ہی ہو۔ اس لیے اس کتاب کا مطالعہ پوشیدہ بلکہ واضح نقصانوں سے خالی نہیں ہے۔ (فقیر نے) اس چیز کا اظہار لازمی سمجھتے ہوئے چند کلمات لکھ کر آپ کو زحمت دی ہے۔ والسلام۔

مکتوب نمبر (۱۰۲)

جناب میر محمد نعمان کو تحریر فرمایا۔ مجاہدات اور یکسوئی کی ترغیب اور طالبانِ حق جل و علا کی تربیت (کے بیان) میں۔

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰی. (سورۃ نمل، ۵۹)

یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے ان بندوں پر سلام ہو، جن کو اس نے منتخب فرمایا۔
اس علاقے کے فقراء کے احوال و کیفیات (اللہ تعالیٰ کی) حمد کے لائق ہیں۔ لِلّٰهِ سُبْحَانَهُ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ دَائِمًا
وَعَلٰی كُلِّ حَالٍ. یعنی: ہمیشہ اور ہر حال میں اللہ سبحانہ کا شکر و احسان ہے۔

مدت ہوئی ہے کہ آپ نے اپنے نیک انجام حالات کی اطلاع نہیں دی ہے۔ امید ہے کہ آپ نے اس ورق کو اٹالیا ہو
گا اور سستی سے (نکل کر) عمل کی جانب آگئے ہوں گے اور فراغت سے مجاہدہ کی طرف رخ کر لیا ہوگا۔ وقت کاشت کاری کا
ہے، نہ کہ کھانے اور سونے کا موسم! آدھی رات سونے کے لیے مقرر کریں اور دوسری آدھی کو طاعت و عبادت کے لیے۔ اگر
اس کی ہمت نہیں کر سکتے تو پھر رات کا تیسرا حصہ، جو کہ نصف سے چھٹے حصے تک ہے، بیدار رہنا لازم پکڑیں اور کوشش فرمائیں
کہ اس دولت کے حاصل کرنے کی ہیشگی میں فتور نہ آئے۔ لوگوں کے ساتھ صرف اسی قدر میل جول اور کشادہ دلی کریں جس
سے ان کے حقوق ادا ہو جائیں۔ الضَّرُورَةُ تَقْدَرُ بِقَدَرِهَا. یعنی: ضرورت اپنے اندازے کے مطابق ہوتی ہے۔

خلقت کے ساتھ ضرورت سے زیادہ کشادہ دلی کرنا ایک فضول چیز ہے اور لایعنی میں داخل ہے اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ
اس سے عظیم نقصان ہو جاتے ہیں اور آدمی شریعت و طریقت کے ممنوعات میں داخل ہو جاتا ہے۔ جوشخ مریدوں کے ساتھ
کشادہ دلی میں کثرت کرتا ہے تو وہ یقیناً مریدوں کو ارادت سے باہر نکال دیتا ہے اور ان کی طلب میں فتور ڈالتا ہے۔
عِيَاذًا بِاللّٰهِ سُبْحَانَهُ مِنْ ذٰلِكَ. یعنی: ہم اس سے اللہ سبحانہ کی پناہ مانگتے ہیں۔

اس چیز کی برائی کو خوب سمجھ کر طالبوں کے ساتھ اس طرح کا سلوک کریں جو ان کی انس و الفت کا سبب ہو، نہ کہ ان کی
نا آشنائی و نفرت کا موجب بنے۔ لوگوں سے یکسوئی ضروری ہے کیونکہ ضرورت سے زیادہ ان کے ساتھ آشنائی رکھنا زہر قاتل
ہے۔ آپ کو اللہ سبحانہ کی توفیق سے یہ چیز سہولت سے میسر ہے۔ آزمائش میں مبتلا لوگ کیا کریں جو ہمیشہ اہل تفرقہ کے ساتھی
ہیں۔ آپ اس نعت کی قدر کریں اور اس کے تقاضا کے مطابق عمل کریں اور طالبین کے حال سے خوب باخبر رہیں اور ان کے
ظاہر و باطن کی تربیت میں متوجہ ہو جائیں۔ (فقیر اس سے) زیادہ کیا لکھے؟

مکتوب نمبر (۱۰۳)

شیخ حمید جمیری کو تحریر فرمایا۔ کمال و تکمیل کے حاصل کرنے کی ترغیب (کے بیان) میں۔

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰی. (سورۃ نمل، ۵۹)

یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے ان بندوں پر سلام ہو، جن کو اس نے منتخب فرمایا۔
میرے پیارے بھائی شیخ حمید کے مکتوب شریف نے پہنچ کر خوش وقت بنایا۔ کتنی بڑی نعمت ہے کہ اس پر فتن زمانے میں
ایک شخص کی صحبت میں لوگوں کو اللہ جل سلطانہ کی جناب پاک سے ایک رغبت پیدا ہو جائے اور حق تعالیٰ کے ماسوا سے ان کے
دل سرد ہو جائیں۔ اس کے باوجود وہ بھائی اس دولت پر مغرور نہ ہو اور اپنے کام سے فارغ نہ ہو۔ کیونکہ مثل مشہور ہے کہ ”ابھی
دہلی دور ہے۔“ معلوم نہیں کہ سو میں سے ایک مکمل ہوا ہوگا۔

نیز یہ احوال جو طالبین کو ابتدا میں پیش آتے ہیں اور ان کو ذوق و لذت بخشتے ہیں، اس طرح ہیں جیسے بچوں کو پہلے الف اور با سکھاتے ہیں۔ اصل کام یہ ہے کہ حروفِ تہجی سے مولویت تک پہنچ جائیں اور اذواق اور لذتوں سے ولایتِ خاصہ کے درجہ میں داخل ہو جائیں:

ہنوز ایوانِ استغنا بلند ست مرا فکر رسیدن ناپسند ست

یعنی: ابھی بے نیازی کا محل (بہت) بلند ہے، مجھے وہاں پہنچنے کی فکر کرنا ناپسند ہے۔

چاہیے کہ اپنے اوقات کو معمور رکھیں اور اپنے ظاہر و باطن کو شریعت و طریقت سے آراستہ کریں۔ دوسروں کی تکمیل خود اس کے کمال کی فرع ہے جو ولایتِ خاصہ کا درجہ ہے، لیکن جب آپ کی صحبت میں طالبین میں رشد پیدا ہوتی ہے اور ان میں احوال و مواجید ظاہر ہوتے ہیں، خواہ وہ فنا و بقا کی حد تک نہ پہنچیں تو بھی یہ چیز غنیمت ہے اور اس زمانے میں سرخ گندھک کا حکم رکھتی ہے، لہذا اس کام کو بھی کرتے رہیں۔ لیکن استخاروں اور توجہات کے بعد جس کسی کو طریقت کی تعلیم دیں، یہ مناسب ہے بلکہ لازم ہے۔ اور اس عمل (کے کرنے) سے ڈرتے اور کانپتے رہیں کہ ایسا نہ ہو کہ اس راستے سے شیطان کو آپ پر غلبہ حاصل ہو جائے۔ اَعَاذَنَا اللَّهُ سُبْحَانَهُ مِنْ شَرِّهِ۔ یعنی: اللہ سبحانہ، ہمیں اس کے شر سے محفوظ فرمائے۔

وہ تعداد جو میں نے آپ کو بتائی تھی، اگر آپ نے پوری کر لی ہے تو پھر اس سے دو گنا تعداد کو عمل میں لائیں۔ اس کے بعد اطلاع دیں، تاکہ حال کے مطابق آگاہ کیا جائے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

جو دوست آپ سے وابستہ ہیں، ان کو دعا پہنچائیں۔ جو مکتوب شریف سید یحییٰ نے لکھا تھا، وہ بھی پہنچ گیا۔ اللہ سبحانہ کا شکر ہے کہ اس زمانے میں، جو کہ قرب قیامت کا کمال رکھتا ہے، اور حدیث میں آیا ہے کہ: وَتَقُومُ السَّاعَةُ عَلَى أَشْرَارِ النَّاسِ۔^(۱) یعنی: قیامت برے لوگوں پر پیدا ہوگی۔

لوگوں کے دل حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ کی جانب کھینچے ہوئے ہیں۔ اللہ جل سلطانہ کی درگاہ پاک کے فریفتہ و شیدا ہیں۔ دوستوں سے غائبانہ دعا اور خاتمہ بالخیر کے فاتحہ کی امید ہے۔

رَبَّنَا آتِنَا نُورًا وَاعْفِرْ لَنَا جِ انِّكَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ۔ (سورۃ تحریم، ۸)

یعنی: اے ہمارے پروردگار! ہمارا نور ہمارے لیے پورا کر اور ہمیں معاف فرما، بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے۔

وَالسَّلَامُ أَوَّلًا وَآخِرًا۔ یعنی: اور اول و آخر میں سلام ہو۔

مکتوب نمبر (۱۰۴)

حضرات ذوی البرکات حضرت مخدوم زادہ گرامی خواجہ محمد سعید اور خواجہ محمد معصوم کو تحریر فرمایا۔ ان کو بعض اعلیٰ مقامات حاصل ہونے کی بشارت (کے بیان) میں۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ وَسَلَامٌ عَلَى عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَى۔ (سورۃ نمل، ۵۹)

یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے ان بندوں پر سلام ہو، جن کو اس نے منتخب فرمایا۔

ایک مدت ہوئی کہ فرزند ان گرامی نے اپنے ظاہری و باطنی حالات کے بارے میں کچھ نہیں لکھا۔ شاید جدائی کے دنوں

کے بڑھ جانے کی وجہ سے ہم دور پڑے ہوؤں کے حال کے بارے میں آپ پر فراموشی پر طاری ہو گئی ہوگی۔ ہم بھی اَرْحَمُ الرَّحِمِیْنَ (سب مہربانوں سے زیادہ مہربان) رکھتے ہیں۔ (آیت) کریمہ: اَلْیَسَّ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهُ (کیا اللہ اپنے بندوں کو کافی نہیں۔ سورۃ زمر، ۳۶) ہم نامراد غریبوں کو تسلی دینے والی ہے۔

عجیب معاملہ ہے کہ آپ کی اس سب پیپر وائی کے باوجود دل ہمیشہ آپ کے حالات کی جانب متوجہ رہتا ہے اور آپ کے کمال کا طلب گار ہے۔ کل نماز فجر کے بعد میں مجلس سکوت (مراقبہ) میں تھا۔ ظاہر ہوا کہ ایک خلعت، جو کہ میں رکھتا تھا، وہ مجھ سے جدا ہو گئی اور دوسری خلعت میری طرف متوجہ ہوئی کہ وہ اس خلعت کی جگہ پکڑے۔ میرے دل میں خیال آیا کہ یہ زائل ہونے والی خلعت کسی کو دیں گے یا نہیں؟ اور اس چیز کی آرزو ہوئی کہ اگر وہ کسی کو دیں تو میرے فرزند ارشد محمد معصوم کو دیں۔ (فقیر نے) ایک لمحہ کے بعد دیکھا کہ وہ میرے فرزند کو مرحمت فرمائی گئی اور وہ خلعت پوری طرح ان کو پہنادی گئی۔ یہ زائل ہونے والی خلعت معاملہ قیومیت کی طرف اشارہ تھا جو کہ تربیت و تکمیل سے تعلق رکھتا ہے اور اس عرصہ مجتمعه میں ارتباط کا موجب بنا ہے اور نئی خلعت کا معاملہ جب انجام کو پہنچے گا اور وہ اتارے جانے کی حقدار ہوگی تو اُمید ہے کہ کمال کرم سے اس کو میرے پیارے فرزند محمد سعید کو عطا فرمائیں گے۔ یہ فقیر ہمیشہ زاری سے یہ سوال کرتا ہے اور اس کی قبولیت کا اثر بھی محسوس کرتا ہے اور اپنے فرزند کو اس دولت کا مستحق پاتا ہے:

ع با کریمیاں کارہا دشوار نیست

یعنی: کریم لوگوں کے لیے کام مشکل نہیں ہیں۔

اگر استعداد ہے تو وہ بھی حق تعالیٰ کی عطا کی ہوئی ہے:

نیاوردم از خانہ چیزے نخست تو دادی ہمہ چیز من چیز تست

یعنی: میں گھر سے پہلے کوئی چیز نہیں لایا تو نے سب کچھ دیا ہے (اور) میں خود بھی تیری ہی چیز ہوں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اَعْمَلُوا اِلٰی دَاوُدَ شُكْرًا ط وَ قَلِیْلٌ مِّنْ عِبَادِی الشُّكُوْرُ۔ (سورۃ سبأ، ۱۳)

یعنی: اے داؤد کی اولاد! (میرا) شکر کرو اور میرے بندوں میں شکر گزرا تھوڑے ہیں۔

آپ جانتے ہی ہیں کہ شکر سے مراد یہ ہے کہ بندہ سب ظاہری و باطنی اعضاء و جوارح کو اسی غرض کے لیے صرف کرے جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو بنایا ہے اور بندے کو عطا فرمایا ہے۔ اگر ایسا نہ کیا جائے تو شکر بھی حاصل نہیں ہو سکتا۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ الْمُؤَفَّقِ۔ یعنی: اور اللہ سبحانہ ہی توفیق بخشنے والا ہے۔

اس قسم کے علوم پوشیدہ اسرار میں سے ہیں۔ خواہ وہ احتیاط سے بیان کیے جاتے ہیں، لیکن ان کا پوشیدہ رکھنا ضروری ہے، تاکہ لوگ فتنہ میں مبتلا نہ ہو جائیں۔

دوسرا یہ ہے کہ جو مشکل مجھے درپیش تھی کہ شاید وہ معاملہ عالم مثال سے ہو، یہ ان دنوں میں حل ہو گئی ہے اور کوئی چیز مخفی نہیں رہی۔ شاید اس بارے میں خواجہ معین الدین (چشتی قدس سرہ) کی روحانیت کا دخل بھی ہو۔ اور شاید محمد معصوم اس مشکل کو دل میں رکھتا ہوگا۔ والسلام۔

مکتوب نمبر (۱۰۵)

شیخ حسن برکی کو تحریر فرمایا۔ ان کے خط کے جواب میں جو انہوں نے اپنے حالات کے بارے میں لکھا تھا۔ نیز سنت کو زندہ کرنے کی ترغیب اور بدعت سے ڈرانے (کے بیان) میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی. (سورۃ نمل، ۵۹)

یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے ان بندوں پر سلام ہو، جن کو اس نے منتخب فرمایا۔ میرے پیارے بھائی شیخ حسن احسن اللہ مالہ (اللہ تعالیٰ ان کا انجام بخیر کرے) کے مکتوب گرامی نے پہنچ کر خوش وقت بنایا۔ جو علوم و معارف درج کیے گئے تھے، ان کے مطالعہ نے خوشی پر خوشی بڑھائی۔ اللہ سبحانہ کا شکر ہے کہ (یہ) صحیح علوم ہیں اور سچے معارف ہیں اور کتاب و سنت کے مطابق ہیں اور فرقہ ناجیہ (اہل سنت) کے عقائد حقہ کے موافق ہیں۔ حضرت حق سبحانہ استقامت کرامت فرمائے اور اعلیٰ مقاصد کی انتہا تک پہنچائے۔

آپ نے بدعتوں کے دور کرنے کے ضمن میں تھوڑا سا لکھا تھا۔ کتنی بڑی نعمت ہے کہ بدعت کی ایسی ظلمتوں میں کوئی صاحب دولت بدعتوں میں سے کسی بدعت کو دور کرنے کی توفیق پالے اور سنتوں میں سے کسی سنت کو زندہ کر لے۔ صحیح احادیث میں آیا ہے کہ جو شخص کسی ایسی سنت کو زندہ کرے جس پر عمل کرنا چھوڑ دیا گیا ہو تو اس شخص کے لیے سو شہیدوں کا ثواب ہے۔^(۱) اس حدیث سے اس عمل کی بزرگی کو سمجھیں۔ لیکن اس نکتے کی اس قدر رعایت کریں کہ اس معاملہ سے کوئی فتنہ بیدار نہ ہو اور ایک نیکی بہت سے گناہوں کا موجب نہ بن جائے، کیونکہ آخری زمانہ ہے اور اسلام کی کمزوری کا وقت ہے۔

جو رسالہ آپ نے بھیجا تھا، اس کے مطالعہ سے بھی خوشیاں نصیب ہوئیں۔ اللہ سبحانہ کی حمد ہے کہ علوم میں اس فقیر کے ساتھ بہت موافقت ہے اور کشف میں بھی مطابقت ہی ہوئی ہے اور آپ کی نگاہیں خوب بلند ہوئی ہیں۔ آپ کا جو خط حالات و علوم اور سوالات پر مشتمل تھا، وہ ہم نے اپنے بھائی خواجہ محمد ہاشم کشمی کے سپرد کیا تھا، تاکہ جواب لکھنے کے وقت اس کو پیش کریں۔ اتفاق سے یہ انہوں نے گم کر دیا۔ اس وجہ سے جوابات کی تفصیل میں توقف واقع ہوا۔ جو کچھ خیال میں رہ گیا تھا، (فقیر) اس کا جواب لکھ رہا ہے۔ مختصر یہ کہ یہ احوال پسندیدہ ہیں اور ان علوم کی صحت ثابت ہے۔ دوسرا یہ کہ مغفرت پناہ مولانا احمد کے فرزندوں کی تربیت و تعلیم میں کامل کوشش کا لحاظ رکھیں اور ظاہری و باطنی آداب میں ان کی رہنمائی کریں۔ تمام مخلص دوستوں، بلکہ اس سرزمین کے تمام مسلمانوں کی شریعت (پر چلنے) اور سنت کو لازم پکڑنے میں رہنمائی کریں اور بدعت کا ارتکاب کرنے سے انہیں ڈرائیں اور دھمکائیں۔ وَاللّٰہُ سُبْحَانَهُ الْمُؤَفِّقُ. یعنی: اور اللہ سبحانہ ہی توفیق بخشنے والا ہے۔

تیسری جلد کے بعض مکاتیب خواجہ محمد ہاشم نے لکھوا کر آپ کو بھیجے ہیں، ان سے فائدہ اٹھائیں۔ فقیر کے اوقات مختلف ہیں۔ بعض اوقات علوم و معارف کے لکھنے کی بے اختیار رغبت پیدا ہو جاتی ہے اور دوسرے اوقات میں باوجود اس کے کہ عجیب اسرار کا فیض نصیب فرماتے ہیں، لکھنے سے نفرت پیدا ہو جاتی ہے، یہاں تک ہاتھ میں قلم پکڑنا بھی اچھا نہیں لگتا۔ اسی وجہ سے آپ کے پہنچنے والے خطوط کے جواب کی تفصیل (لکھنے میں) فوراً آ جاتا ہے اور میں تکلف سے بھی کوئی چیز نہیں لکھ سکتا۔ باقی حالات لائق حمد ہیں۔ اللہ سبحانہ کی عنایت سے لشکر کی ہمارا ہی سے خلاصی میسر ہو گئی ہے۔ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ استقامت سے رکھے اور وہاں کے سب دوستوں کے لیے مخصوص دعائیں ہیں۔

مکتوب نمبر (۱۰۶)

حضرات مخدوم زادگان سلمہم اللہ سبحانہ کو تحریر فرمایا۔ اس واقعہ کے بیان میں کہ جس میں آپ (حضرت مجدد قدس سرہ)

نے آنسرو صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے بشارتیں پائی ہیں۔

فرزند ان گرامی کا مکتوب شریف پہنچا۔ اللہ سبحانہ کا شکر ہے کہ آپ صحت و عافیت سے ہیں۔ تازہ معاملہ جو آج ہی ظاہر ہوا ہے میں وہ لکھتا ہوں۔ خوب (غور سے) سنیں۔ آج رات جو ہفتہ کی تھی اور میں بادشاہی مجلس میں گیا ہوا تھا، ایک پہر رات گزرنے کے بعد میں واپس آیا اور تین پارے حافظ سے سنے۔ رات دو پہر سے زیادہ گزر چکی تھی کہ نیند میسر ہوئی۔ صبح کے حلقے کے بعد چونکہ رات کی تھکن رکھتا تھا، لہذا سو گیا۔ رات دیکھتا ہوں کہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فقیر کے لیے اجازت نامہ لکھا ہے، جیسا کہ مشائخ کی عادت ہے کہ وہ خلفاء کے لیے لکھتے ہیں اور میرے مخلص دوستوں میں سے ایک ساتھی بھی اس معاملہ میں ہمراہ ہے۔ اسی اثناء میں گویا ظاہر ہوا کہ اس اجازت نامہ کے اجرا میں ایک قسم کا فتور ہے اور فتور کی وجہ خاص بھی اس وقت معلوم ہے۔ وہ دوست جو اس خدمت کے لیے پیش کار (مقرر) ہے، وہ دوسری بار گویا اس اجازت نامہ کو آنسرو علیہ علی آلہ الصلوٰات والتسلیمات کی خدمت میں لے گیا ہے اور آنسرو (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس کی پشت پر دوسرا اجازت نامہ تحریر فرمایا ہے یا تحریر کرایا ہے۔ اس کی تشخیص نہیں ہوئی، لیکن آنسرو (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی جانب اس کی نسبت معلوم ہے اور لکھنے کے بعد آپ علیہ علی آلہ الصلوٰة والسلام نے اپنی مہر سے اس کو مزین فرمایا ہے۔ اس اجازت نامہ کا مضمون یہ ہے کہ ”دنیا کے اجازت نامہ کے بدلے میں آخرت کا اجازت نامہ دیا گیا ہے اور مقام شفاعت سے بھی حصہ عنایت فرمایا ہے۔“ کاغذ بھی لمبا ہے اور بہت سی سطریں لکھی گئی ہیں۔ میں اس دوست سے پوچھتا ہوں کہ پہلا اجازت نامہ کونسا ہے؟ اور دوسرا جو تحریر فرمایا ہے، وہ کونسا ہے؟ اور میں اس وقت محسوس کرتا ہوں کہ میں آنسرو علیہ علی آلہ الصلوٰة والسلام کے ساتھ ایک ہی جگہ میں ہوں اور باپ کے ساتھ بیٹے کے ہونے کی مانند زندگی بسر کر رہا ہوں۔ آنسرو (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا حضور اور آنسرو علیہ علی آلہ الصلوٰات والتسلیمات کے اہل بیت میرے لیے اجنبی نہیں ہیں اور میں اس کاغذ کو پلیٹ کر اپنے ہاتھ میں رکھے ہوئے محرم فرزندوں کی مانند آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے حرم شریف میں داخل ہو گیا ہوں۔ امہات المؤمنین (مومنوں کی ماؤں) میں سے سب سے بڑی ماں (حضرت سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا) آنسرو (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی موجودگی میں بعض خدمات کے لیے بڑے اہتمام سے مجھے حکم فرماتی ہیں اور فرماتی ہیں کہ ہم تیرا انتظار کر رہے تھے اس طرح سے اور ایسے کرنا چاہیے۔ اسی اثناء میں میں خواب سے بیدار ہو گیا (اور) دل سے نکل گیا کہ اس فتور کی وجہ کیا تھی جو معلوم ہوتی تھی۔ جس قدر آنکھ کھلتی جاتی تھی اس واقعہ کی خصوصیات دل سے نکل رہی تھیں۔

آپ کو یاد ہوگا کہ ہم اس بارے میں پہلے بھی آپ سے ذکر کیا کرتے تھے کہ یہ اعلیٰ نسبت عجیب ہے جو اپنے اندازے کے مطابق ظہور نہیں کرتی۔ دل میں خیال آتا تھا کہ بظاہر اس کا ظہور آخرت کے لیے ذخیرہ ہے اور نعم البدل میسر آئے گا۔ اس واقعہ سے ان ترددات سے تشفی حاصل ہوئی۔ قیامت قریب ہے اور اندھیروں کا جہوم ہے۔ کونسی خیریت؟ اور کیسی نورانیت؟ شاید حضرت مہدی علیہ الرضوان خلافت کے ظہور کی تائید پا کر اس کی ترویج کریں گے۔ اس نعمت کے شکر یہ میں ہم نے آج

(حکم) فرمایا ہے کہ آنسور علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی روحانیت کے لیے قسم قسم کے کھانے پکائیں اور خوشی کی مجلس قائم کریں۔ اس مکتوب کے لے جانے والے بھی شاید ان کھانوں میں سے تناول کریں۔

دوسری بات یہ ہے کہ ہم نے ایک مکتوب (۸۲:۳) میں ایک واقعہ کے بارے میں لکھا تھا جس میں ظاہر ہوا تھا کہ تیسرے دوست کو نوکری کے لیے قبول نہیں کیا گیا۔ کچھ وقت کے بعد ظاہر ہوا کہ محض کرم سے اس کو بھی قبول فرمالیا گیا ہے اور قبولیت کے آثار ظاہر ہو گئے۔ لِلّٰہِ سُبْحَانَهُ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ عَلٰی ذٰلِکَ وَعَلٰی جَمِیْعِ النِّعَمَآءِ۔

یعنی: اس پر اور دوسری سب نعمتوں پر اللہ سبحانہ کا شکر اور احسان ہے۔

ان دنوں میں انوکھے معارف اور عجیب علوم ظاہر ہو رہے ہیں۔ گویا کہ وہ ورق قوم (صوفیہ) کے لیے مقرر ہو گیا ہے اور معاملہ ایک دوسرے پر ظاہر ہو گیا ہے۔ فرزند دور ہیں اور زندگی کا معاملہ قریب ہے، دیکھئے کیا ہوتا ہے۔ میں اَلْخَیْرُ فِیْمَا صَنَعَ اللّٰہُ تَعَالٰی (یعنی: خیر اُسی میں ہے جو اللہ تعالیٰ کرے) کہتا ہوں اور صبر کرتا ہوں۔

رَبَّنَا اٰتِنَا مِنْ لَدُنْکَ رَحْمَةً وَهَيِّءْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا۔ (سورۃ کہف، ۱۰)

یعنی: اے ہمارے پروردگار! ہم پر اپنے ہاں سے رحمت نازل فرما اور ہمارے کام میں درستی (کے سامان) مہیا کر۔

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اَتْبَعَ الْهُدٰی۔ (سورۃ طہ، ۴۷)

یعنی: اور جو شخص ہدایت کی بات مانے، اُس کو سلامتی نصیب ہو۔

مکتوب نمبر (۱۰۷)

خواجہ محمد اشرف کو تحریر فرمایا۔ نسبتِ رابطہ اور عبادتوں کی لذت میں فتور آنے کے سبب کے بیان میں۔

بَعْدَ الْحَمْدِ وَالصَّلٰوةِ وَتَبْلِیْغِ الدَّعَوَاتِ۔

یعنی: اللہ تعالیٰ کی تعریف کرنے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجنے اور سلام و دعا پیش کرنے کے بعد۔

واضح ہو کہ میرے پیارے بھائی کا مکتوب شریف پہنچا۔ اللہ سبحانہ کا شکر ہے کہ آپ صحت اور سلامتی سے ہیں۔

آپ نے پوچھا تھا کہ اس کا سبب کیا ہے کہ جب نسبتِ رابطہ میں فتور آ جاتا ہے تو بندہ سب عبادتوں میں لذت نہیں

پاتا؟

(جواب:) جاننا چاہیے کہ جو وجہ رابطہ کے فتور کا سبب بنی ہے، وہی لذت کی مانع ہے۔ کبھی ایسے ہوتا ہے کہ اس فتور کا

سبب قبض ہوتی ہے اور کبھی یوں ہوتا ہے کہ لغزشوں کے ارتکاب کی وجہ سے ایک کدورت طاری ہو جاتی ہے، خواہ وہ کم ہی ہو۔

پہلی وجہ مذموم نہیں ہے، بلکہ یہ سلوکِ طریقہ کے لوازمات میں سے ہے اور دوسری وجہ کے عارض ہونے کا تدارک توبہ و استغفار

سے کرنا چاہیے، تاکہ اللہ سبحانہ کے کرم سے اس کا اثر زائل ہو جائے۔ چونکہ قبض اور کدورت کے درمیان فرق کرنا دقت طلب

کرتا ہے، لہذا ہر حال میں توبہ و استغفار مفید ہے، حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ استقامت کے ساتھ رکھے۔ والسلام۔

مکتوب نمبر (۱۰۸)

ملاطہر خادم کو تحریر فرمایا۔ ان معاملات کے بیان میں جو اصل الاصل سے تعلق رکھتے ہیں اور یہ معرفت معنی سے منقول ہے۔

جو معاملات اصل الاصل سے تعلق رکھتے ہیں، وہ دو قسم کے ہیں۔ ایک قسم ایسی ہے جن کو مثالی صورتوں یا کسی اور امر کے طور پر اس جگہ سے معلوم کیا جاسکتا ہے اور یہ معاملہ اس وقت تک ہے جب تک کہ سیر ایسے مقامات میں ہے جن کو عالم کے ساتھ ایک مناسبت یا ایک مشارکت حاصل ہے۔ خواہ یہ کسی وجہ اور اسم کے طور پر ہی ہو اور یہ سیر مقام رضا کی انتہا تک ہے۔ جب ایک شخص کو مقام رضا سے اوپر سیر میسر ہوگی تو اس کو وہاں سے کچھ معلوم نہیں ہوگا، نہ مثالی صورتوں کے طور پر اور نہ ہی کسی اور امر کے طور پر۔ اس وقت اس عارف کو محض اوپر کے مقامات کے حاصل ہونے کا علم ہوتا ہے، بغیر اس کے کہ ان میں سے کوئی چیز اس کو معلوم ہو اور ان مقامات میں نبوت و رسالت وغیرہ کا نام بھی مفقود ہے۔ میں خیال کرتا ہوں کہ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ کل کو بہشت میں ان کا علم نصیب کرے گا۔ اور اس سیر کی انتہا ایک مخصوص مرتبہ تک ہے جو روبرو بیان کیا جا چکا ہے۔ والسلام۔

مکتوب نمبر (۱۰۹)

حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد معصوم سلمہ اللہ سبحانہ کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ عالم کی ایجاد مرتبہ وہم میں ہے، لیکن ایجاد کے استقرار اور تعلق کی وجہ سے یہ نفس امری ہو گیا ہے اور یہ مرتبہ علم و خارج کے مرتبہ سے ماوراء ہے۔ نیز اس بیان میں کہ وحدت بھی نفس امری ہے اور کثرت بھی۔ اور اس چیز کی تحقیق میں کہ سالک کی فنا اس کے ثبات و استقرار کے باوجود کس معنی میں ہے۔ یہ مکتوب زمانے کے حادثات کی وجہ سے نامکمل رہ گیا ہے۔

مرتبہ وہم سے مراد وہ مرتبہ ہے کہ جہاں نمود بے بود ہے۔ جس طرح کہ زید کی صورت۔ مثلاً اگر وہ آئینہ میں متوہم ہوتی ہے تو وہاں نمود بے بود ہے، کیونکہ آئینہ میں اصلاً کوئی صورت موجود نہیں ہے اور یہ وہاں نمود وہمی سے زیادہ کوئی ثبوت نہیں رکھتی۔ صحیح کشف اور سچے شہود سے واضح ہوا ہے کہ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ نے اپنی قدرت کے کمال سے عالم کو اس مرتبہ میں تخلیق فرمایا ہے اور اپنی کامل کارگیری سے نمود محض کو ہستی بخشی ہے۔ اس مرتبہ میں اگرچہ نمود بے بود ہے، لیکن چونکہ عالم اس مرتبہ میں تخلیق ہوا ہے، لہذا وہ بابود نمود بنا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ایجاد بود اور وجود کا اثبات کرنے والی ہے اور جب نمود بابود ہوا تو نفس امری ہو گیا ہے اور احکام و آثار صادقہ اس پر مرتب ہو گئے ہیں۔ یہ مرتبہ وہم، مرتبہ علم اور مرتبہ خارج سے ماوراء ہے اور یہ مرتبہ، مرتبہ علم سے زیادہ مرتبہ خارج کے ساتھ مشابہت اور مناسبت رکھتا ہے اور اس کا ثبوت، خارجی ثبوت کے مشابہ ہے، بخلاف ثبوت علمی کے، جس کو وجود ذہنی کہتے ہیں (اور) جس کے بالمقابل وجود خارجی ہے۔ جو ظہور مرتبہ وہم میں ہے وہ بھی ظہور خارجی کے ساتھ کامل مشابہت رکھتا ہے، بخلاف مرتبہ علم کے کہ جہاں بطون و کمون (پوشیدہ و پنہاں ہونا) ہے۔ گویا اس نے مرتبہ وہم میں مرتبہ خارج کا ایک ظل ڈال کر وہاں عالم کی ایجاد فرمائی ہے اور وجود خارجی کے ظل سے عالم کو خارج کے ظل کے مرتبہ میں موجود بنایا ہے۔ پس نفس خارج میں ایک ذات احدیت جل سلطانہ کے علاوہ کوئی چیز موجود نہیں ہے اور خارج کے ظل میں وجود ظلی کے ساتھ عالم اس تعداد و کثرت کے باوجود اللہ جل سلطانہ کی ایجاد سے موجود ہے۔ پس خارج میں نفس امر وحدت ہے اور خارج کے ظل میں نفس امر کثرت ہے۔ جس طرح کہ علم میں بھی نفس امر کثرت ہی ہے۔ پس وحدت نفس امری بھی ہے اور کثرت بھی ہے اور ہر ایک کا اعتبار علیحدہ ہے اور اس میں کوئی مشکل نہیں ہے۔ جیسا کہ یہ خارج اور وجود عالم

کے لیے ایک ظل ہے، ایسے ہی اس کی باقی سب صفات مثلاً حیات و علم اور قدرت وغیرہ بھی اس میں صفاتِ واجبی جلِ سلطانیہ کے ظلال ہیں، بلکہ نفسِ امر، جس کو عالم کے ثبوت میں ثابت کیا جاتا ہے، یہ بھی مرتبہ خارج کے نفسِ امر کا ظل ہی ہے:

نیاوردم از خانہ چیزے نخست تو دادی ہمہ چیز و من چیز تست
یعنی: میں گھر سے پہلے کوئی چیز نہیں لایا، تو نے سب کچھ دیا ہے (اور) میں خود بھی تیری ہی چیز ہوں۔

اللہ تعالیٰ و تقدس نے فرمایا ہے: اَلَمْ تَرَ اِلٰی رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ. (سورۃ فرقان، ۴۵)

یعنی: تم نے اپنے پروردگار (کی قدرت) کو نہیں دیکھا کہ وہ سائے کو کس طرح دراز کر (کے پھیلا) دیتا ہے۔

سوال: تم نے اپنے رسائل میں لکھا ہے کہ ”ظل جو کچھ رکھتا ہے وہ اپنے اصل سے رکھتا ہے اور ظل میں اصل کی امانت داری سے زیادہ کوئی ہنر پیدا نہیں ہے۔ اگر سالک مستعدِ ظلیت کے حکم سے جو کچھ خیر و کمال سے رکھتا ہے جو کہ وجود اور توابع وجود کے کمالات ہیں، ان (سب) کو اپنے اصل کو دے دے اور خود کو تمام کمالات سے خالی پائے تو یقیناً وہ فنا اور نیستی کے ساتھ متصف ہو جائے گا اور اس کا کوئی نام اور کوئی نشان نہیں رہے گا۔“ اس کلام کا حاصل کیا ہے؟ اور کمالات کو اصل کے حوالے کرنے کے کیا معنی ہیں؟ اور سالک کے ثبوت و استقرار کے باوجود فنا اور نیستی کس اعتبار سے ہے؟

جواب: یہ فنا اس رنگ میں ہے جیسے کہ کسی شخص نے ادھار کے کپڑے پہن رکھے ہوں اور وہ جانتا ہو کہ یہ کپڑے اس کے نہیں ہیں، بلکہ کسی اور کے ہیں جو اُس نے ادھار لے کر پہن رکھے ہیں۔ جب یہ دید غالب آتی ہے اور مکمل غلبہ پیدا کر لیتی ہے تو ہو سکتا ہے کہ کپڑے پہننے کے باوجود وہ ان کپڑوں کو پوری طرح کپڑے کے مالک کو دے دے اور خود کو برہنہ اور ننگا پائے، یہاں تک کہ اپنے ہم نشینوں میں اپنی عریانی پر شرمندگی اٹھانے لگے اور حیا کی وجہ سے خود گوشہ نشین ہو جائے۔ چونکہ سالک کا وجود وہم و تخیل کے مرتبہ میں تخلیق ہوا ہے، لہذا اُس کے لیے خیالی فنا ہی کافی ہے، کیونکہ اس تخیل کا غلبہ اسے قلبی یقین تک پہنچا دیتا ہے اور اسے ذوقی اور وجدانی بنا دیتا ہے اور جو کچھ فنا و نیستی سے مقصود ہے وہ اس کو وجود میں لے آتا ہے۔ کیونکہ فنا سے مقصود ظل کی گرفتاری کا زائل ہونا اور اصل کی گرفتاری کا حاصل ہونا ہے اور جب ظل کا رجوع اصل کی جانب یقینی ہو گیا اور وجدانی اور ذوقی بن گیا تو یقیناً ظل کے ساتھ گرفتاری زائل ہو گئی اور اس کی جگہ اصل کی گرفتاری آ گئی۔ اگر یہ تخیل حاصل نہ ہوتا تو ظل کی گرفتاری کے زوال کی دولت میسر نہ آتی۔ بلکہ اس راستے کے سلوک کا مدار وہم و خیال پر ہے۔ احوال و مواجید جو اس راستے کے جزئی معانی (امور) ہیں، ان کا ادراک وہم ہی سے ہوتا ہے اور سالکوں کی تجلیات اور تلوینات خیال کے آئینہ میں مشہود ہوتی ہیں۔ فَلَوْلَا الْوَهْمُ لَقَصُرَ الْفَهْمُ وَلَوْلَا الْخَيَالُ لَسُتِرَ الْحَالُ۔

یعنی: پس اگر وہم نہ ہوتا تو فہم قاصر رہتی اور اگر خیال نہ ہوتا تو حال پوشیدہ رہتا۔

اس راستے میں وہم و خیال سے زیادہ مفید کوئی چیز نہیں پائی گئی اور ان کا اکثر ادراک و انکشاف واقع کے مطابق ہی ہوا ہے۔ یہ وہم ہی ہے جو پچاس ہزار سال کا وہ راستہ جو بندے اور رب کے درمیان ہے، اللہ تعالیٰ کے کرم سے کم وقت میں طے کر لیتا ہے اور وصول کے درجات تک پہنچا دیتا ہے اور خیال ہی ہے جو غیب الغیب کے دقائق و اسرار کو اپنے آئینے میں ظاہر کرتا ہے اور سالک مستعد کو آگاہ کرتا ہے۔ یہ وہم کی شرافت کی بدولت ہی ہے کہ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ نے عالم کی تخلیق کو اس

مرتبہ میں اختیار فرمایا ہے اور اس کو اپنے کمالات کے ظہور کا محل بنایا ہے۔ نیز یہ خیال ہی کی بزرگی میں سے ہے کہ حضرت واجب الوجود نے اس کو عالم مثال کا نمونہ بنایا ہے جو کہ سب عالموں سے زیادہ وسیع ہے، یہاں تک کہ مرتبہ وجوب جل شانہ کی ایک صورت بھی اس عالم میں بیان کی گئی ہے اور حکم کیا گیا ہے کہ حق جل شانہ کی مثل نہیں ہے، لیکن مثال ہے:

وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْأَعْلٰی. (سورہ نحل، ۶۰) یعنی: اور اللہ کو صفتِ اعلیٰ (زیب دینی) ہے۔

یہ احکام وجوبیہ کی صورتیں ہیں جن کو عارف اپنے خیال کے آئینہ میں محسوس کرتا ہے اور ان کی دریافت کے ذوق سے ترقی فرماتا ہے۔

سوال: پہلی تحقیق سے واضح ہوا کہ فنا اور نیستی تخیل کے اعتبار سے ہے، اگرچہ وہ قلبی یقین تک پہنچا دیتا ہے اور وجدانی اور ذوقی بنا دیتا ہے اور احکام صادقہ اس پر مرتب ہوتے ہیں، گو وہ تحقق اور وجود کے اعتبار سے نہیں ہوتے۔ تم نے اپنے بعض رسائل میں لکھا ہے کہ یہ فنا وجود کے لحاظ سے ہے اور اس میں عین و اثر کا زوال ہے۔ اس معاملے کی حقیقت کیا ہے؟

جواب: چونکہ ظل کے وجود کا رجوع اصل کی جانب یقین سے مل گیا اور وجدانی و ذوقی بن گیا، لہذا یقیناً وجود کے زوال کا حکم بھی کیا گیا ہے اور عین و اثر کا اٹھنا بھی کہا گیا ہے۔

سوال: فنا وجودی کا یہ حکم فانی کے ثبوت و استقرار کے باوجود صادق ہے یا کاذب؟

مکتوب نمبر (۱۱۰)

حضرت مخدوم زادہ محمد معصوم سلمہ اللہ تعالیٰ کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ عارف کا معاملہ یہاں تک پہنچ جاتا ہے کہ کسی معلوم کی صورت اس میں حاصل نہیں ہوتی۔ اس وقت ذرات میں سے ہر ذرہ اس کے لیے مطلوب کی جانب ایک شاہراہ ہوتا ہے۔ نیز اس کا بیان کہ اس عارف کی محبت حق سبحانہ کی محبت تک پہنچا دیتی ہے اور اس کا بغض حق تعالیٰ کے بغض تک لے جاتا ہے اور ایسے ہی اس کی تعظیم اور اہانت (کا معاملہ ہے)۔ اور آنسو و رعلیہ و علیہم الصلوٰۃ والسلام کی آل و اصحابؑ کو بھی آنسو و رعلیہ و علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ یہی نسبت ہے۔ یہ معارف معنی سے نقل کیے گئے ہیں۔

جب ایک عارف مقاماتِ ظل کو طے کر کے معاملے کو اصل الاصل تک پہنچا دیتا ہے تو اُس وقت اس کا علم جو چیزوں کے ساتھ تعلق (پیدا) کر لے گا، وہ ظلیت کی قید سے مبرا ہوگا۔ یعنی اشیاء کو معلوم ہوں گی، اس طرح کہ ان میں سے کچھ بھی اس کو حاصل نہیں ہوتا۔ کیونکہ شے میں سے جو کچھ بھی اس کو حاصل ہوگا، وہ اس شے کا ظل اور صورت ہوگی، نہ کہ اس شے کا عین ہوگا۔ جس طرح کہ علم کی تعریف میں کہا گیا ہے کہ وہ عقل میں کسی شے کی صورت کا حصول ہے۔ کیونکہ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ شے کی وہ صورت جو عقل میں حاصل ہے، وہ اس شے کی خیالی شبیہ اور مثال ہے، نہ کہ اس کا عین۔ جس طرح کہ واضح کشف اور صحیح الہام اس پر گواہ ہے۔

اس وقت عارف عالم کی حق سبحانہ کے ساتھ صانعیت اور مصنوعیت کی نسبت کے سوا کوئی شے ثابت نہیں کرے گا اور وہ ظلیت و عینیت اور مراتب سے بیزاری کرے گا، کیونکہ یہ معاملہ کمالات ذاتیہ سے تعلق رکھتا ہے اور حق سبحانہ کی ذات کو عالم سے غنائے ذاتی ہے: اِنَّ اللّٰهَ لَغَنّٰی عَنِ الْعٰلَمِیْنَ. (سورہ عنکبوت، ۶)

یعنی: بیشک اللہ تعالیٰ سارے جہانوں سے بے پروا ہے۔

بخلاف بعض اسماء و صفات کے مراتب کے کہ ان میں یہ نسبت متصور ہے۔ پس جب تک (عارف) ان مقامات سے نہ گزرے اور اصل الاصل تک نہ پہنچے، اُس وقت تک وہ اس نسبت سے بے نصیب ہے۔ اس مقام میں عارف کے لیے ذرات میں سے ہر ذرہ اللہ جل شانہ کی جناب پاک کی جانب ایک شاہراہ بن جاتا ہے۔ بخلاف علم حصولی کے کہ اس صورت میں عالم ہر چیز کو اپنی طرف کھینچتا ہے اور خود تمام چیزوں کا آئینہ بن جاتا ہے۔ ایسے ہی ظلیت و مراتب کی صورت میں ہر چیز اس صاحب علم کو اپنی جانب کھینچتی ہے اور اس کی بصیرت کی نگاہ کو اپنے سے باہر نہیں چھوڑتی اور جب (سالم) اللہ سبحانہ کے فضل سے ظلیت کے حصول کی قید سے رہا ہوتا ہے تو اس وقت موجودات کے ذرات میں سے ہر ذرہ خواہ عرض ہو اور خواہ جوہر اور خواہ آفاق ہو اور خواہ نفس، اس کے لیے غیب الغیب کا دروازہ بن جاتا ہے۔

جاننا چاہیے کہ جس طرح پہلے وہ شخص تمام چیزوں کا آئینہ تھا اور جو کچھ کرتا تھا، وہ اپنے لیے کرتا تھا اور جو کچھ اس سے صادر ہوتا تھا، وہ یقیناً اُسی شخص کی جانب راجع ہوتا تھا، خواہ (اس کی) نیت کرتا تھا یا نہیں۔ اب جب اس نے اپنے آئینہ کو آئینہ داری سے روک لیا ہے اور ظل کی قید سے بچ نکلا ہے اور پرنا لہ کی مانند ہو گیا ہے کہ جو کچھ اس میں گرتا ہے وہ نہیں رہتا اور اس کو خود سے باہر پھینک دیتا ہے۔ لہذا یقیناً وہ جو کچھ کرے گا اپنے لیے نہیں کرے گا، بلکہ حق کے لیے کرے گا، خواہ اس کی نیت کرے یا نہ کرے۔ کیونکہ نیت تو احتمال میں ہوتی ہے، نہ کہ یقین میں۔ اس وقت اس عارف کی محبت حق تعالیٰ کی محبت کی جانب کھینچتی ہے اور اس کا بغض حق سبحانہ کے بغض کی طرف (لے جاتا ہے)۔ ایسے ہی اس کی تعظیم و توقیر ہوتی ہے اور اس کی اہانت و بے ادبی حق تعالیٰ کی اہانت و بے ادبی تک لے جاتی ہے۔ آنسو و رعلیہ و علیہم الصلوٰات والتحيات کے صحابہ کرام کو یہی نسبت آنسو و رعلیہ و علیہم الصلوٰات والتحيات کے ساتھ اپنے درجہ کے فرق سے (حاصل) تھی، کیونکہ ان کی محبت و بغض آنسو و رعلیہ و علیہم الصلوٰات والتحيات کی محبت و بغض تک لے جاتی ہے، جیسا کہ آپ علیہ الصلوٰة والسلام نے فرمایا ہے: مَنْ أَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّي أَحَبَّهُمْ وَمَنْ أَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِي أَبْغَضَهُمْ^(۱)۔

یعنی: جس نے ان سے محبت کی، اُس نے میرے ساتھ محبت رکھنے کی وجہ سے ان سے محبت کی۔ اور جس نے ان سے بغض رکھا، اس نے میرے ساتھ بغض رکھنے کی وجہ سے ان سے بغض رکھا۔

نیز آنسو و رعلیہ و علیہم الصلوٰة والسلام کے اہل بیت کو بھی آنسو و رعلیہ و علیہم الصلوٰة والسلام کے ساتھ یہی نسبت (حاصل) ہے۔ لیکن اس نسبت اعلیٰ کا ظہور حضرت مرتضیٰ، (حضرت) فاطمہ الزہرا اور (حضرات) حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں کامل تر ہے اور باقی بارہ اماموں (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) میں بھی اس (نسبت) کا اثر مشہود ہوتا ہے اور ان کے علاوہ میں یہ نسبت محسوس نہیں ہوتی۔ والسلام۔

مکتوب نمبر (۱۱۱)

شیخ نور محمد تھاری کو تحریر فرمایا۔ مقام قَابِ قَوْسَيْنِ اَوْ اَذْنَىٰ کے بعض عجیب اسرار (کے بیان) میں اور اس کا راز جو عارف اپنے کاتبِ شمال (بائیں جانب نامہ اعمال لکھنے والے فرشتے) کو نہیں پاتا۔ یہ معارف بھی معنی سے منقول ہیں۔

قَابِ قَوْسَيْنِ (یعنی: پس دو کمان کے فاصلے پر۔ سورۃ نجم، ۹) کے معاملے میں بظاہر مظہر کا ایک رنگ ظاہر ہے کہ سالک سے عینِ واثر کا زائل ہونا حاصل نہیں ہوا ہے، بخلاف اَوَاذُنِي (یا اس سے بھی کم) کا معاملہ، کہ وہاں مظہر کا کوئی حکم واثر باقی نہیں رہا۔ اس لیے اس دوسرے مرتبے میں لازمی طور پر مظہر ایک ایسا امر ہے جو مرتبہ وجوب سے مستفاد ہے اور وہ ایک خاص خلعت ہے جو عارف کو معاملہ کی تکمیل کے بعد اصل سے عنایت فرمائی گئی ہے اور اس کو افاضہ صورت سے بھی تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ یہ ایک انتہائی دقیق و پوشیدہ راز ہے۔ اس کی تفصیل کسی دوسری جگہ تحریر کی جائے گی۔ ان شاء اللہ سبحانہ۔ اس لیے اس معاملہ میں مظہر ایک ایسا امر ہوتا ہے کہ جس میں عدم کی کوئی بونہیں ہوتی اور جہاں امکان کے شائبہ کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ پس اگر ہم اس مرتبہ میں کسی انفعال (اثر کے قبول کرنے) کو ثابت کریں تو وہ اپنے آپ سے ہوگا، نہ کہ غیر کی جانب سے۔ کیونکہ غیر کا کوئی نشان واثر باقی نہیں رہا ہے:

وَلَوْ جُهِبَ مِنْ وَجْهِهِ قَمَرٌ وَلَعَيْنَهُ مِنْ عَيْنِهِ كُحُلٌ

یعنی: اس کے چہرے کے لیے اس کا اپنا چہرہ ہی چاند ہے اور اس کی آنکھ کے لیے اس کی آنکھ ہی کا سرمہ ہے۔

اگرچہ وہ انفعال جو مرتبہ قَابِ قَوْسَيْنِ (دو کمان کے فاصلے پر) میں ثابت کیا جاتا ہے، وہ بھی حق ہے اور جو ظہور اس مرتبہ میں ہے وہ اصل کا ظہور ہے، لیکن یہ ظلیت کے شائبہ کے بغیر نہیں ہے اور اس بلند مرتبہ کے شایانِ شان نہیں ہے۔ جو انفعال اس مرتبہ مقدسہ کے شایانِ شان ہے، وہ ایسا ہے کہ ظلیت کی کسی بونہیں اس میں راستہ نہیں پایا اور کسی غیر کا کسی وجہ سے بھی درمیان میں کوئی دخل نہیں ہے، کیونکہ غیر عدم کی آلودگی سے خالی نہیں ہے اور امکان کے نقص سے باہر نہیں ہے۔ ہاں! اگر ظلال کے مراتب کے انفعالات (اثرات کے قبول کرنے) سے ایسا ہو تو اس کی گنجائش ہے۔

جاننا چاہیے کہ اَوَاذُنِي (یا اس سے بھی کم) کے اس معاملہ میں جس کا تھوڑا سا بیان اوپر ہوا ہے کہ عارف اپنے کا تبِ شمال (بائیں جانب نامہ اعمال لکھنے والے فرشتے) کو نہیں پاتا۔ اس کا راز یہ ہے کہ اس وقت اس کے شمال (بایاں) نے یمین (دایاں) کا حکم حاصل کر لیا ہے، کیونکہ شمال (بایاں) عدم کے تقاضوں میں سے ہے۔ جب عدم کے احکام زائل ہو گئے تو پھر وجود صرف باقی رہ گیا اور اب وہاں کوئی شمال نہیں۔ بلکہ اللہ سبحانہ کے دونوں ہاتھ یمین (دائیں) ہیں۔ پس سمجھ لیں اور بے دینی میں نہ پڑیں۔ جب تم نے یہ پوشیدہ راز اور عجیب معارف حاصل کر لیے تو سن لیں کہ اللہ سبحانہ نے فرمایا ہے:

ثُمَّ دَنَا فَتَدَلَّى. (سورۃ نجم، ۸) یعنی: پھر قریب ہوئے اور آگے بڑھے۔

جان لو کہ اس دُنُو (قرب) کا تحقق اَوَاذُنِي کے اسرار کے ثابت ہونے کے بعد ہے جس کا ذکر اوپر ہوا ہے۔ اس لیے کہ جب تک عارف کا کوئی حکم واثر باقی ہے اور وہ عدم کی آلائش سے پاک نہیں ہوا تو اس کو اس دُنُو (قرب) کی لیاقت نہیں ہے۔ دُنُو (قرب) کے ساتھ متصف ہونے کے بعد تَدَلَّى (اور قریب ہونا) ہے جو نزول کی جانب رخ رکھتا ہے۔ لیکن جب تَدَلَّى (اور قریب ہونا) ثابت ہو جاتا ہے اور عارف کو خلقت کی جانب لاتے ہیں تو اس وقت قَوْسَيْنِ (دو کمان) کی صورت ظاہر ہوتی ہے۔ اگرچہ پہلی قوس (کمان) کا کوئی اثر و حکم باقی نہیں رہتا، لیکن جب اس کو تَدَلَّى (اور قریب ہونا) سے مشرف فرماتے ہیں تو اس وقت قَابِ قَوْسَيْنِ (دو کمان) کی صورت متوہم ہوتی ہے۔ پس تَدَلَّى (اور قریب ہونا) کے بعد فَكَّانِ

قَابَ قَوْسَيْنِ (پس دو کمان کے فاصلے پر) اس اعتبار سے فرمایا ہے کہ اس وقت قَوْسَيْنِ (دو کمان) کی صورت ثابت ہے، نہ کہ اس کی حقیقت۔ اَوَاذُنِي (یا اس سے بھی کم)، یعنی اس مقام میں دوسری قوس (کمان) کا کوئی اثر و حکم باقی نہیں رہا، لہذا وہاں حقیقی طور پر دو قوس (دو کمانیں) نہیں ہیں۔ یہ معارف اللہ سبحانہ کے ان اسرار میں سے ہیں، جن کو وہ اپنے خاص الخاص بندوں پر ظاہر فرماتا ہے۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اتَّبَعَ الْهُدٰی. (سورۃ طہ، ۴۷) وَالنَّزَمَ مُتَابِعَةً الْمُصْطَفٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہِ وَاَصْحَابِہِ الصَّلٰوٰتِ وَالتَّسْلِیْمٰتِ اَتَمَّہَا وَاَكْمَلُہَا.

یعنی: اور جو شخص ہدایت کی بات مانے اور (حضرت محمد) مصطفیٰ علیہ وعلی آلہ الصلوٰات والبرکات العلوی کی مطابقت کو لازم پکڑے، اُس کو سلامتی نصیب ہو۔

مکتوب نمبر (۱۱۲)

شریعت پناہ قاضی اسلم کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ حق تعالیٰ کی صفات حقیقیہ نہ اس کی ذات کا عین ہیں اور نہ ہی حق سبحانہ کی ذات کا غیر ہیں۔

الْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی. (سورۃ نمل، ۵۹)

یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے ان بندوں پر سلام ہو، جن کو اس نے منتخب فرمایا۔

علمائے اہل سنت شکر اللہ تعالیٰ سَعِیْہُمْ (اللہ تعالیٰ ان کی کوشش کو مشکور فرمائے) نے واجب الوجود تعالیٰ کی صفات ثنائیہ حقیقیہ کے متعلق کیا خوب کہا ہے کہ لَا هُوَ وَلَا غَیْرُہُ. یعنی: نہ یہ حق تعالیٰ کی ذات ہیں اور نہ ہی اس کا غیر ہیں۔ یہ معرفت عقل کے طریقہ سے بالاتر ہے جو انہوں نے نورِ فراست اور انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کی متابعت کی برکت سے حاصل کی ہے۔ عقلاً اس عبارت سے دو تقیضوں (ضدوں) کا رفع ہونا سمجھتے ہیں اور انہوں نے نہیں سمجھا کہ تناقض کے حصول میں اتحادِ مکان اور اتحادِ زمان شرط ہے اور جب کہ حضرت جل سلطانہ کی بارگاہ میں مکان و زمان کی گنجائش ہی نہیں تو تناقض کس طرح متصور ہو سکتا ہے۔ اور علماء نے تناقض کو دور کرنے کے لیے لفظ غیر میں جو تصرف کیا ہے اور غیر سے ایک خاص معنی مراد لیے ہیں، اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے، بلکہ نظر کشفی اس خصوصیت سے منع کرتی ہے اور غیر کی نفی جس معنی میں بھی ہو، اس کو ثابت کرتی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ صفاتِ واجبی جل شانہ جس طرح کہ حق تعالیٰ کی ذاتِ اقدس کا عین نہیں ہیں، کیونکہ زائد ہیں، اسی طرح یہ حق سبحانہ کی ذات کا غیر بھی نہیں ہیں، اگرچہ ذات تعالیٰ و تقدس سے زائد ہیں اور انہوں نے دوئی کی نسبت پیدا کر لی ہے۔

اس جگہ اربابِ معقول کا مقرر کردہ یہ قانون کہ الْاِثْنَانِ مُتَعَاوِرَانِ (یعنی: دو چیزیں ایک دوسرے کا غیر ہوتی ہیں) غلط ثابت ہوتا ہے اور ان کے اصول کے خلاف دکھائی دیتا ہے۔ نیز جو یہ کہا گیا ہے کہ ”عقل کے طریقہ سے بالاتر ہے“، یہ اس معنی میں ہے کہ عقل کی وہاں تک پہنچ نہیں اور وہ اس کے سمجھنے سے قاصر ہے۔ یہ نہیں کہ عقل اس کے خلاف حکم کرتی ہے۔ اس کے خلاف کیسے حکم کرے؟ جب عقل نے اس کا تصور ہی نہیں کیا، بلکہ وہ اس کے ادراک کے احاطے سے باہر ہے۔ پھر اس کے اثبات و نفی کے حکم کی صورت کیسے بن سکتی ہے۔ رَبَّنَا اٰتِنَا مِنْ لَدُنْکَ رَحْمَةً وَہِیْءْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا. (سورۃ کہف، ۱۰)

یعنی: اے ہمارے پروردگار! ہم پر اپنے ہاں سے رحمت نازل فرما اور ہمارے کام میں درستی (کے سامان) مہیا کر۔

مکتوب نمبر (۱۱۳)

ملاسلطان سرہندی کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ حق تعالیٰ کی صفات حیات و علم اور باقی سب کمالات کے ساتھ متصف

ہیں اور صفات کے اس قیام کے معنی کی تحقیق (کے بیان) میں جو وہ ذات جل سلطانہ کے ساتھ رکھتی ہیں۔

واجب الوجود جل سلطانہ کی صفات جو کہ اس کی ذات تعالیٰ و تقدس کے ساتھ قیام رکھتی ہیں، مثلاً حیات و قدرت اور علم وغیرہ، وہ اپنے تقدس و تنزہ کے کمال کی وجہ سے ممکن کی صفات کے ساتھ کوئی نسبت بھی نہیں رکھتیں، کیونکہ ممکن کی صفات اعراض ہیں جو جواہر کے ساتھ ایک قیام رکھتی ہیں اور صفاتِ واجبی جل سلطانہ جواہر کو قائم رکھنے والی ہیں، کیونکہ جواہر کا قیام انہی سے ہے۔ اسی طرح ممکن کی صفات میت کا حکم رکھتی ہیں اور وہ جماد محض ہیں اور وہ حیات اور علم وغیرہ سے بے نصیب ہیں۔ صرف اتنا کہ ممکن ان کے ذریعے جی (زندہ)، عالم اور قادر بن جاتا ہے، لیکن وہ اپنی ذوات کے لحاظ سے جی (زندہ) اور عالم نہیں ہیں، بخلاف واجب الوجود تعالیٰ و تقدس کی مقدس صفات کے۔ کیونکہ وہ بھی اس حقیر کی نظر کشفی میں اپنے موصوف (حق) سبحانہ کی مانند جی (زندہ) اور عالم ہیں اور اپنے مندرجہ کمالات کی تفصیل سے آگاہ ہیں اور (ان پر) فریفتہ ہیں، لیکن ان کا علم حضوری کی قسم سے مفہوم ہوتا ہے، نہ کہ علم حصولی کی قسم سے۔ ایسے ہی ہر صفت و شان جو مرتبہ وجوب تعالیٰ و تقدس میں ثابت کی جاتی ہے، وہ سب حیات و علم سے ظاہر ہوتی ہیں اور نور محض دکھائی دیتی ہیں۔ گویا وہ نور سب کا سب حیات ہے اور سب کا سب علم اور انکشاف ہے۔ یہ دونوں صفات کمال اس جگہ ظاہر اور عیاں ہیں، بخلاف دوسری صفات کے، مثلاً قدرت و ارادت وغیرہ کے، جو اس وضاحت کے ساتھ وہاں ظاہر نہیں ہوتیں۔ ہاں! جو چیز اس مقام میں درکار ہے، وہ کمالات کا انکشاف ہے جو کہ صفتِ علم سے تعلق رکھتا ہے۔ اور چونکہ علم حیات کے تابع ہے، لہذا صفتِ حیات سے بھی چارہ نہیں ہے اور قدرت و ارادہ مقدور و مراد سے وابستہ ہیں اور سمع و بصر سے علم کے ساتھ اکثفا کر سکتے ہیں اور کلام سے مقصود فائدہ دینا ہے اور تکوین مخلوقات کے حصول کے لیے ہے۔ اس کے باوجود چونکہ ہر صفت جامع ہے، لہذا یقیناً کمالات کی یہ صفات اس میں موجود ہیں، خواہ ظاہر ہوں یا نہ ظاہر ہوں۔ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس بیان سے معنی کا معنی کے ساتھ قیام لازم آتا ہے، کیونکہ صفات جب جی (زندہ) اور عالم ہیں تو ان کے ساتھ حیات اور علم کے قیام کے سوا چارہ نہیں ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ ہر دو (صفات) ذات واجب تعالیٰ کے ساتھ قائم ہیں۔ ایک اصالت کے لحاظ سے اور دوسری تبعیت کے طور پر۔ جس طرح کہ علماء نے اعراض کی بقا میں کہا ہے کہ عرض اور بقائے عرض دونوں عرض کے محل سے قائم ہیں۔

اس بحث کی تحقیق یہ ہے کہ صفاتِ واجبی جل سلطانہ کا حق تعالیٰ کی ذات اقدس کے ساتھ قیام اس طرح نہیں ہے، جس طرح عرض کا قیام جوہر کے ساتھ ہے۔ ایسا ہرگز نہیں! بلکہ یہ قیام ایسا ہے جیسا کہ مصنوع کا قیام صانع کے ساتھ ہے۔ اگرچہ وہاں اتصاف (کسی صفت سے موصوف ہونا) ہے اور یہاں اتصاف نہیں ہے۔ بلکہ وہ قیام اس چیز کی مانند ہے جو اپنی ذات کے ساتھ قائم ہے۔ صرف اتنا فرق ہے کہ وہاں زیادتی ثابت ہے اور یہاں زیادتی متصور نہیں ہے۔ لیکن یہ زیادتی اس غیریت کی حد تک نہیں پہنچتی جس کو لا غبیوہ (اس کا غیر نہیں) فرمایا گیا ہے۔ دونوں جگہ تغائر اعتباری ثابت ہوا اور قیام متحقق

ہوا۔ اس جگہ اتصاف کا حاصل ہونا انسان کے انسانیت کے ساتھ اتصاف کی طرح ہے اور جوہر کے جوہریت کے ساتھ اتصاف کی مانند ہے۔ بلکہ ہم کہتے ہیں کہ اس مقام میں جہاں ذات اقدس اور صفات حقیقیہ مقدسہ ہیں جو کہ حضرت ذات سے قائم ہیں، وہاں صفت و اتصاف کا کوئی ملاحظہ ثابت نہیں۔ نہ ہی حضرت ذات میں موصوفیت کا ملاحظہ ہے اور نہ ہی صفات مقدسہ میں صفاتیت ملحوظ ہے۔ جب وجود اور وجوب وجود کی اس بارگاہ میں کوئی گنجائش نہیں تو صفت اور اتصاف کی کیا مجال ہے جو کہ وجود کی فرع ہیں اور اس مقام مقدس میں نور کے علاوہ کسی اور چیز کی گنجائش نہیں ہے اور وہ بھی بے مثل ہے۔ اگر حیات ہے تو وہ نور ہے اور اگر علم ہے تو وہ بھی نور ہے۔ وَعَلَى هَذَا الْقِيَاسِ۔ اگر اس نور اقدس بے مثل کا ظہور مرتبہ ثانی میں تغیر و انتقال کے بغیر ثابت کیا جائے تو یقیناً وجود کے سوا کوئی اور چیز اس کا مظہر ہونے کے قابل نہیں ہوگی۔ لہذا اس حقیر کے نزدیک تعینِ اول، تعین وجود ہی ہے اور باقی سب تعینات اس تعینِ اول کے تابع ہیں۔ اگرچہ اس فقیر کے علوم کے مطابق یہاں لفظ تعین کا اطلاق بھی گنجائش نہیں رکھتا، لیکن چونکہ صوفیہ میں یہ لفظ متعارف ہو چکا ہے، لہذا ہم بھی اس کے اطلاق میں نرمی کر رہے ہیں۔ رَبَّنَا اَتَمِّمْ لَنَا نُورَنَا وَاعْفِرْ لَنَا اِنَّكَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ۔ (سورۃ تحریم، ۸)

یعنی: اے ہمارے پروردگار! ہمارا نور ہمارے لیے پورا کر اور ہمیں معاف فرما، بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے۔

مکتوب نمبر (۱۱۴)

صفاتِ واجبی تعالیٰ کی تحقیق اور اپنے کمالات کے ساتھ حق تعالیٰ کے علم کے تعلق کی کیفیت (کے بیان) میں اور اس بیان میں کہ معنی کو عین کے ساتھ قیام کے سوا چارہ نہیں، لیکن اس کے لیے محل کو ثابت کرنا ضروری نہیں ہے۔ نیز تعین وجودی اور انبیائے متبعین، انبیائے تابعین اور ملائکہ کرام علی الانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مبادی تعینات اور اولیاء و عوامِ مومنین، کفار اور عالمِ آخرت کی موجودات کے مبادی تعینات کے بیان میں۔

وہ صفاتِ حقیقیہ جن کو ہم مرتبہ حضرت ذات تعالیٰ و تقدس میں ثابت کرتے ہیں، اس اثبات سے اللہ جل سلطانہ کی بارگاہ میں کوئی تعین و تنزل پیدا نہیں ہوتا اور مرتبہ اولیٰ کے علاوہ کوئی دوسرا مرتبہ ثابت نہیں ہوتا اور ان سے الگ ہونے کی وجوہات میں سے کوئی وجہ نہیں بنتی۔ جب تک دوسرا مرتبہ ثابت نہ ہو جائے اور ان سے الگ ہونے کی وجوہات میں سے کوئی وجہ حاصل نہ ہو جائے، اُس وقت تک تعین و تنزل کی کوئی صورت نہیں بنتی۔ حضرت ذات اور حق سبحانہ کی صفاتِ حقیقیہ گویا کہ ایک مرتبہ میں ثابت ہیں اور زیادتی کے باوجود گویا عین ذات تعالیٰ و تقدس ہیں۔ اگرچہ یہ صفاتِ مقدسہ حضرت ذات سبحانہ کے مندرجہ کمالات کی تفصیل ہیں، لیکن ان کا حکم باقی سب اجمال و تفصیل کے حکم سے الگ ہے۔ اس لیے کہ اجمال اس مرتبہ میں ہے جس مرتبہ میں تفصیل ثابت نہیں ہے، بلکہ مرتبہ تفصیل مرتبہ اجمال سے نیچے ہے اور حضرت جل سلطانہ کی بارگاہ میں یہ معنی مفقود ہے اور تفصیل عین مرتبہ اجمال میں ہے۔ اور یہ معرفت عقل کے طور سے بلند تر ہے جس کی جانب نظر کشفی نے ہدایت پائی ہے۔ اس مرتبہ میں واجب جل سلطانہ کا علم، جو ان صفات سے متعلق ہو گیا ہے، یہ اپنی ذات کے علم اور اپنی ذات کے مندرجہ کمالات کے علم کی مانند علم حضوری ہے اور یہ (صفات) زیادتی کے باوجود گویا عین عالم ہیں اور ان کا حضور نفسِ عالم کے حضور کی مانند ہے۔ ان کے حضرت ذات تعالیٰ کے ساتھ کمالِ اتحاد کی وجہ سے صوفیہ کی ایک بہت بڑی جماعت نے صفات

کو عین ذات کہا ہے اور انہوں نے صفات کی زیادتی کا انکار کیا ہے اور لاهو کے لفظ سے منع کرتے ہوئے لَا غَيْرُہ کا اثبات فرمایا ہے۔ کمال یہ ہے کہ لاهو کی تصدیق کے باوجود لَا غَيْرُہ کا اثبات کیا جائے اور زیادتی کے باوجود غیریت کی نفی کی جائے۔ یہ کمال انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کے علوم کے ذوق کے موافق ہے اور فرقہ ناجیہ اہل سنت و جماعت شکر اللہ تعالیٰ سَعِيْهِمْ (اللہ تعالیٰ ان کی کوشش کو مشکور فرمائے) کی صائب آراء کے مطابق ہے۔

جاننا چاہیے کہ انکشاف ذاتی، جو اس مرتبہ میں حضرت ذات تعالیٰ اور حق سبحانہ کی صفات مقدسہ سے تعلق رکھتا ہے، وہ علم حضوری کی قسم میں سے ہے، کیونکہ صفات مقدسہ بھی حضرت ذات تعالیٰ و تقدس کا حکم رکھتی ہیں۔ جیسا کہ (اوپر) بیان ہوا ہے۔ ہم نے جو یہ کہا ہے کہ وہ علم حضوری کی قسم سے ہے، اس لیے کہ علم حضوری سے مراد نفس عالم کا حضور ہے اور چونکہ صفات نفس عالم نہیں ہے، لہذا ضروری ہے کہ ان کا علم، علم حضوری نہ ہو، لیکن چونکہ ان سے کوئی صورت جدا نہیں ہوتی اور ان کے نفس کا حضور ثابت ہے، اس لیے وہ علم حضوری کی قسم میں سے ہے۔ اور جو انکشاف صفت علم سے تعلق رکھتا ہے وہ علم حصولی کی قسم میں سے ہے۔ ہم نے جو یہ کہا ہے کہ وہ علم حصولی کی قسم میں سے ہے۔ اس لیے کہ علم حصولی سے مراد علم میں معلوم کے ذریعے حاصل ہونے والی صورت ہے۔ اس فقیر کے ہاں محقق اور مکشوف ہوا ہے کہ علم واجب جل شانہ میں کسی معلوم کی صورت منقش نہیں ہے اور حق تعالیٰ کا علم کسی صورت معلومہ کا محل نہیں ہے تو پھر عالم تعالیٰ کی ذات میں صورت کا حاصل ہونا کس طرح ممکن ہو سکتا ہے، بلکہ حق تعالیٰ کے علم کو معلوم کے ساتھ ایک قسم کا تعلق ہے اور اس کے ساتھ ایک انکشاف ہے، بغیر اس کے کہ معلوم کی کوئی صورت علم میں ثابت ہو جائے اور علم کا خانہ سب نقوش اور علمی صورتوں سے خالی اور صاف ہے۔ اس کے باوجود زمین و آسمان میں ایک ذرہ بھی اس کے علم سے مخفی نہیں ہے۔ اس قدر مکشوف ہوتا ہے کہ چونکہ حق تعالیٰ کا علم کسی معلوم سے تعلق اختیار کر لیتا ہے اور اس تعلق کے ذریعے معلوم کی ایک صورت الگ ہو جاتی ہے اور اس علم کے ساتھ ایک قیام پیدا کرتی ہے، بغیر اس کے کہ علم میں کوئی حلول و حصول پیدا کرے اور جب علم کے تعلق سے معلوم کی ایک صورت علیحدہ ہو جاتی ہے اور علم، بلکہ عالم کے ساتھ ایک قیام پیدا کرتی ہے تو یہ چیز درست ہو جاتی ہے کہ وہ علم حصولی کی قسم میں سے ہے۔ جب صفت علم حق تعالیٰ کی ذات کے مندرجہ کمالات سے تعلق پیدا کرے گی تو ناچار اس تعلق کی بدولت علمی صورتیں ان کمالات سے الگ ہو جائیں گی اور علم کے ساتھ ایک قیام پیدا کر لیں گی، اگرچہ علم میں ان کا کوئی حلول و حصول ثابت نہیں ہوتا۔

سوال: تم نے ان علمی صورتوں کا صفت علم کے ساتھ ایک قیام پیدا کیا ہے، لیکن معلوم نہیں ہوا کہ ان صورتوں کے ثبوت کا محل کونسا ہے؟ جس طرح کہ معنی کے لیے عین کے ساتھ قیام کے بغیر چارہ نہیں ہے، اسی طرح عین کی محلیت کے سوا بھی اس کے لیے چارہ نہیں ہے؟

جواب: ہاں! معنی کے لیے عین کے ساتھ قیام کے بغیر چارہ نہیں ہے، لیکن اس کے لیے محل کے اثبات کی کوئی ضرورت نہیں۔ کیونکہ معنی کے لیے اثبات محل سے مقصود اس کے ساتھ قیام کو ثابت کرنا ہے، نہ کہ قیام پر کوئی اور امر زائد۔ جبکہ ممکن کے جواہر مجردہ میں، جو کہ ان علمی صورتوں کے ظلال کی مانند ہیں، اور یہ صورتیں ان جواہر کے مبادی تعینات ہیں، فلاسفہ یہ کہتے ہیں کہ ان کے لیے کوئی محل و مکان ثابت نہیں ہے، بلکہ (اس کی) کوئی ضرورت ہی نہیں ہے۔ اگر ان جواہر مجردہ کے اصول

کے لیے کوئی محل نہیں ہے تو پھر تعجب کی کیا گنجائش ہے۔ بس آپ ان علمی صورتوں کو اعراض کی مانند تصور نہ کریں جو کہ غیر کے ساتھ قیام رکھتی ہیں اور اعراض پر قیاس کرتے ہوئے ان کے محل کے اثبات کے درپے نہ ہوں، کیونکہ یہ علمی صورتیں اصول بلکہ جواہر کے مبادی تعینات ہیں، جن کے ساتھ اعراض کا قیام ہے۔ پھر اعراض کی ان کے ساتھ کیا نسبت ہے۔ بلکہ اعراض کے متعلق بھی ہم یہ کہتے ہیں کہ اثبات محل سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ ان کا محل کے ساتھ قیام ثابت ہو جائے، نہ یہ کہ محل مستقل طور پر مقصود ہو۔ (اس کی) تحقیق یہ ہے کہ یہ علمی صورتیں مرتبہ وجوب میں ثابت ہیں جہاں محل و مکان کی کوئی گنجائش نہیں ہے اور قیام کے سوا اس جگہ کچھ متصور نہیں۔ واجب الوجود تعالیٰ کی صفاتِ حقیقیہ، جو کہ حضرت ذاتِ اقدس کے ساتھ قیام رکھتی ہیں، وہاں کوئی حالت اور محلیت موجود نہیں ہے۔ ثبوتِ ذہنی و خارجی جو کہا گیا ہے، وہ مرتبہ امکان میں تقسیم ہوا ہے۔ کیونکہ اس بارگاہ میں نہ خارج کی گنجائش ہے اور نہ علم کی۔ جب وجود کو حضرت جل سلطانہ کی بارگاہ میں دخل نہیں ہے تو وجودِ ذہنی و خارجی کو، جو کہ اس کی اقسام ہیں، وہاں ان کی کیا مجال ہوگی۔ اور وجود کے لیے وہاں علم و خارج کی ظرفیت کی کیا گنجائش ہوگی۔ پس یہ علمی صورتیں ثابت ہیں اور علم کی صفت کے ساتھ قائم ہیں اور ان میں کوئی ثبوت علمی و خارجی متحقق نہیں ہوتا، بلکہ علمی و خارجی وجود ان کے لیے عار ہے، کیونکہ وہ امکان کی صفات اور حدوث کی علامات میں سے ہے۔ فَإِنَّ كُلَّ مُمَكِّنٍ حَادِثٍ عِنْدَهُمْ۔

یعنی: کیونکہ ان کے نزدیک ہر ممکن حادث ہے۔

وجود کے وجوب کے مرتبہ میں اگرچہ وجود ثابت ہو گیا ہے، لیکن اس وجود کے لیے خارج و علم کی ظرفیت پیدا نہیں ہوئی، کیونکہ ظرفیت و مظروفیت کی وہاں مجال نہیں ہے۔ خوب سن لو کہ صورت معلوم سے مراد نفس علم ہے، لہذا اس کا حصول و حلول علم میں کس معنی میں ہوگا۔ متاخرین صوفیہ عالیہ نے کہا ہے کہ علمی صورتیں جن سے مراد اعیان ثابتہ ہیں اور جو ممکنات کے حقائق ہیں، ان کا ثبوت صرف خانہ علم میں ہے اور خارج علم میں وجود کی کوئی بُو ان تک نہیں پہنچی ہے، لیکن چونکہ ان علمی صورتوں کے عکس ظاہر وجود کے آئینہ میں کہ جس کے سوا خارج میں کوئی موجود نہیں ہے، پڑے ہیں، لہذا وہم ہوتا ہے کہ وہ صورتیں خارج میں موجود ہیں۔ اس صورت کی مانند کہ جب وہ آئینے میں منعکس ہوتی ہے تو وہم ہوتا ہے کہ وہ صورت آئینہ میں ہے۔ اے کاش کہ میں سمجھ سکتا کہ ان بزرگواروں کی کیا مراد ہے اور علم میں صورتوں کے حصول سے ان کا مقصد کیا ہے؟ جبکہ (عالم) شہادت میں صورتیں نفس علم ہیں اور غائب میں حق تعالیٰ کا علم ازلی قدیم، بسیط و وحدانی ہے، جس کا تعلق بی شمار معلومات سے ہے اور اس تعلق سے کئی صورتیں حاصل ہوتی ہیں جو ان معلومات کو ایک دوسرے سے جدا کرتی ہیں، بغیر اس کے کہ اس کے علم ازلی میں ان کا حصول و حلول ثابت ہو اور اس میں متعدد صورتیں کس طرح حلول کر سکتی ہیں، جبکہ ان سے حصہ حصہ ہونا اور پارہ پارہ ہونا اور محل کی تقسیم لازم آتی ہے۔ نیز اس میں شے کا غیر شے کے ساتھ فرض کرنا پایا جاتا ہے اور یہ امر ترکیب کا باعث ہے جو کہ قدم و ازلیت کے خلاف ہے۔

عجیب معاملہ ہے کہ فلاسفہ نے صورتِ حاصلہ معلوم کو ذہن میں ثابت کیا ہے اور اس کے حلول کو ذہن میں سمجھا ہے، نہ کہ علم میں۔ کیونکہ یہ صورت ان کے نزدیک عین علم ہے، نہ کہ علم میں حلول کرنے والی۔ اور متاخرین صوفیہ کی عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ اس صورت کا حصول علم میں ہے جس کو باطن وجود کہتے ہیں۔ وَهُوَ سُبْحَانَهُ اَعْلَمُ۔

یعنی: اور اللہ سبحانہ ہی خوب جانتا ہے۔

جاننا چاہیے کہ یہ علمی صورتیں، جو صفتِ علم کے تعلق سے حق تعالیٰ کے مندرجہ ذاتی کمالات سے ثابت ہوتی ہیں، نظر کشی سے واضح ہوتا ہے کہ ان کے لیے حیات و علم ثابت ہے اور جو انکشافِ علم حضوری کے مناسب ہے، اس کے مطابق ان کے لیے ان کمالات کی نسبت ثابت ہے جو ان میں داخل ہیں۔ جیسے کہ اس بحث کی تحقیق ایک مکتوب (۱۱۳: ۳) میں تفصیل سے بیان کی گئی ہے۔ اگر اس معرفت کی پیچیدگی کی وجہ سے کوئی چیز پوشیدہ رہ جائے اور کوئی ضرورت پیش آئے تو وہاں رجوع کرنا چاہیے۔

چونکہ پہلے بیان سے واضح ہو گیا ہے کہ حق تعالیٰ کی ذاتِ اقدس اور حق سبحانہ کی صفاتِ مقدسہ ایک ہی مرتبہ میں ثابت ہیں اور صفات کی زیادتی کے ثبوت سے حضرت جلِ سلطانہ کی بارگاہ میں کوئی تعین و تنزل پیدا نہیں ہوا ہے، لہذا جاننا چاہیے کہ اس مرتبہ مقدسہ کا، جو کہ حضرت ذاتِ تعالیٰ مع (اس کی) صفات کا مرتبہ ہے، دوسرے مرتبہ میں بغیر تغیر و تبدل کے پہلا ظہور ہے اور یہ اس فقیر کے نزدیک کشف و شہود کی رُو سے یقیناً حضرت وجود (کا مرتبہ) ہے جو کہ خیر محض اور کمالِ صرف ہے اور یہ ظلیت کے طور پر سب کمالات کے ظہور کی قابلیت رکھتا ہے اور وجود کے علاوہ کسی اور کو یہ دولت میسر نہیں ہوئی ہے، لہذا کوئی علم اگر اس مقدس مرتبہ سے متعلق ہو جائے اور اس کے کمالات کو جدا کر دے، جیسا کہ (پہلے) بیان ہو چکا ہے، تو یقیناً پہلی چیز جو حضرت جلِ سلطانہ سے جدا ہوگی، وہ حضرت وجود ہی ہوگا اور دوسرے کمالات اس کے توابع ہوں گے۔ اسی وجہ سے صوفیہ وغیرہ کی ایک بہت بڑی جماعت نے وجود کو حق سبحانہ کی ذات کا عین تصور کیا ہے اور تعین و حدود کا لائق خیال کیا ہے۔ اس سب سے پہلے تعین کا ثبوت علم و خارج کے ماسوا ہے، جیسا کہ اس مقصد کی تحقیق بہت سی جگہوں پر بیان ہو چکی ہے۔ یہ حضرت وجودِ ظلیت کے طریقہ سے اجمالی طور پر سب کمالاتِ ذاتیہ و صفاتیہ کا جامع ہے اور اس مرتبہ جامع اجمالیہ کی ایک تفصیل ہے جس کو تعین ثانی کہا جاسکتا ہے۔ پہلی چیز جس نے مرتبہ تفصیل میں ایک ثبوت پیدا کیا، وہ صفتِ حیات ہے جو تمام صفات کی اصل ہے۔ یہ صفتِ حیات گویا اس صفتِ حیات کا ظل ہے جو کہ حضرت ذاتِ تعالیٰ کے مرتبہ میں ثابت ہے۔ لَہُوَ وَ لَا غَيْرُهُ (نہ یہ حق تعالیٰ کی ذات ہے اور نہ ہی اس کا غیر ہے) اس کے حق میں ثابت ہے۔ یہ ظل چونکہ اس مرتبہ میں پیدا ہوا ہے جو حضرت ذاتِ تعالیٰ کے مرتبہ کے علاوہ ہے، لہذا یقیناً لَا غَيْرُهُ (نہ اس کا غیر ہے) اس کے حق میں ثابت نہیں ہے اور وہ غیریت کے داغ سے داغدار ہے۔ صفتِ حیات کے بعد صفتِ علم ظلیت کے طریقہ سے، جیسا کہ صفتِ حیات میں گزرا ہے، ثابت ہے اور یہ صفت سب صفات کی جامع ہے۔ صفتِ قدرت و ارادہ وغیرہ استقلال کے باوجود گویا اس کے اجزا ہیں، کیونکہ اس صفت کا حضرت ذاتِ تعالیٰ و تقدس سے ایک قسم کا اتحاد ہے جو کہ اس کے غیر کو حاصل نہیں ہے۔ اس لیے کہ علم حضوری میں علم، عالم اور معلوم کا اتحاد ہے اور قدرت ہرگز قادر اور مقدور کے ساتھ متحد نہیں ہوئی ہے اور ارادت جو دو مقدوروں میں سے ایک کی تخصیص رکھتی ہے، میں بھی یہ اتحاد ثابت نہیں ہے۔ عَلٰی هٰذَا الْقِيَاسُ .

اس فقیر کے نزدیک حضرت خلیل علی نبینا وعلیہم الصلوٰت والتسلیمات کا مبداء تعین بالاصالت تعینِ اول ہے جو کہ تعین وجودی ہے اور اس تعین کا مرکز جو اس کے سب اجزا میں سے اشرف ہے وہ بالاصالت حضرت خاتم الرسل علیہ وعلیہم الصلوٰت

والتسليمات کا مبداء تعین ہے۔ جیسا کہ ایک مکتوب میں اس بحث کی تفصیل (پہلے) بیان ہو چکی ہے۔ چونکہ حضرت خلیل علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام ہے، اس لیے حضرت اسرافیل علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولایت، ولایت اسرافیل علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا مبداء تعین بھی یہی تعین وجودی ہے اور ہر پیغمبر اور ہر رسول کا مبداء تعین بالاصالت اس تعینِ اوّل وجودی کے حصوں میں سے ایک حصہ ہے اور امتیوں میں سے بھی اگر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسليمات کی متابعت کی برکت سے کسی کو کوئی (حصہ) نصیب ہے اور اس تعین وجودی کے حصوں اور نقطوں میں سے کوئی حصہ یا نقطہ اس شخص کا مبداء تعین ہو تو (بھی) جائز ہے، بلکہ واقع ہے۔ اور جب تک اس تعین میں مبداء تعین پیدا نہ ہو تو حضرت ذات تعالیٰ تک بالاصالت پہنچنے کی کوئی گنجائش نہیں اور ملائکہ ملائ علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والتسليمات، جو حضرت (حق تعالیٰ) کے مقررین ہیں، ان کے مبادی تعینات بھی اسی تعین وجودی میں ہیں، کیونکہ حضرت ذات تعالیٰ تک رسائی اسی پر وابستہ ہے۔

جاننا چاہیے کہ یہ صفتِ علم جو مرتبہ تفصیل میں تعین وجودی سے پیدا ہوئی ہے، اگرچہ یہ اس تعین وجودی کے حصوں میں سے ایک حصہ ہے، لیکن چونکہ جامعیت رکھتی ہے، گویا یہ نفس وجودی مانند اس تعین کے سب حصوں کی جامع ہے اور اس کا ایک اجمال بھی ہے اور ایک تفصیل بھی۔ اجمال دائرہ کے مرکز کا حکم رکھتا ہے اور تفصیل محیط کا حکم رکھتی ہے۔ پس اس تعین علمی کا مرکز جو اجمال ہے، وہ ایسے ہے جیسے کہ اس تعینِ اوّل وجودی کے مرکز کا ظل ہے۔ اس تعلق کی بنا پر ایک گروہ نے یقین کر لیا ہے کہ حضرت خاتم الرسل علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والتسليمات کا مبداء تعین حضرت علم کا اجمال ہے۔ ایسا نہیں ہے، بلکہ یہ اجمال آپ علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کے مبداء تعین کا ظل ہے جو تعینِ اوّل وجودی کا مرکز ہے، جیسا کہ (پہلے) گزر چکا ہے۔ نیز اس اجمال علم کو تعینِ اوّل بھی کہا گیا ہے اور مرتبہ فوق کو لا تعین سمجھا گیا ہے اور اس کو عین حضرت وجود خیال کیا گیا ہے، ہاں! عین وجود ہے، لیکن تعین کے ساتھ منسوب ہے، جیسا کہ (اوپر) گزرا ہے۔

پوشیدہ نہ رہے کہ تعینِ اوّل کے مندرجہ حصے اگرچہ انبیائے کرام اور ملائکہ عظام ملائ علیہم الصلوٰۃ والتسليمات کے مبادی تعینات ہیں، لیکن اس مرتبہ میں چونکہ اجمال ثابت ہے، لہذا ہر ایک کا مبادی تفصیل کے ساتھ علیحدہ معلوم نہیں ہوتا اور اسم کے ساتھ موسوم نہیں کیا جاسکتا۔ اور جب اس نے تفصیل پائی تو ہر ایک کا مبادی الگ ہو گیا اور اس نے الگ نام پایا۔ مثلاً اس تعین وجودی کا ایک حصہ اسم الحیات ہے اور دوسرا حصہ اسم العلم ہے۔ علیٰ ہذا القیاس۔ اور یوں مشہود ہوتا ہے کہ اسم الحیات، جو جامعیت رکھتا ہے، اس کے اعتبار سے وہ ملائکہ عظام ملائ علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والتسليمات کا مبداء تعین ہے۔ اور نیز حضرت روح اللہ علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والتسليمات، جو ملائ علی سے مناسبت رکھتے ہیں، کو بھی اس مقام سے (حصہ) نصیب ہے اور حضرت مہدی علیہ الرضوان چونکہ حضرت روح اللہ علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والتسليمات سے خاص مناسبت رکھتے ہیں، لہذا وہ بھی اسی مقام کے امیدوار ہیں۔

جاننا چاہیے کہ صفاتِ ثمانیہ (آٹھ صفات) میں سے جس صفت نے بھی مرتبہ تعین ثانی میں تفصیل پائی ہے، وہ ہر ایک بزرگ پیغمبر مقتدا کا مبداء ہے۔ چنانچہ مثلاً علم حضرت خاتم الرسل علیہم الصلوٰۃ والتسليمات کا مبداء تعین ہے اور قدرت حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والتسليمات کا مبداء تعین ہے اور تکوین حضرت آدم علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والتسليمات کا مبداء تعین

ہے اور ان اسماءِ کلیہ مقدسہ کی جزئیات باقی سب انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کے مبادی تعینات ہیں۔ ان بزرگواروں میں سے ہر گروہ جو کسی خاص اسم کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے اور کسی خاص نبی مقتدا کے ساتھ بھی ان کو مناسبت ہے، اس اسم کی جزئیات ان کے مبادی تعینات ہیں اور وہ اولیاء جو مقتدا انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات میں سے کسی پیغمبر کے قدم پر ثابت ہیں، ان کے مبادی تعینات اس اسم کے جزئیات کی جزئیات ہیں جو اس پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مبداء تعین ہے۔ اسی طرح باقی سب مومنوں کے تعینات اس اسم کے جزئیات کی جزئیات ہیں جو اس پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مبداء تعین ہے (اور) جس کے قدم پر وہ ہیں۔ کافروں کے مبادی تعینات اسم المصطل سے تعلق رکھتے ہیں اور ان مذکورہ بالا مبادی سے الگ ہیں۔ جب ممکنات کے مبادی تعینات معلوم ہو گئے تو جاننا چاہیے کہ دائرہ وجوب کی تکمیل ان تعینات کی انتہا تک ہے۔ اس سے گزرنے کے بعد دائرہ ممکنات کا آغاز ہوتا ہے۔

حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ نے جب چاہا کہ اپنے کرم و احسان کے کمال سے اپنے فیوض و انعامات دوسروں کو عطا فرمائے اور گنج بخشی کرے تو اس نے خلقت کو پیدا کیا اور اپنے وجود اور توابع وجود کے کمالات ان کو بخش دیے، بغیر اس کے کہ وہاں سے کوئی چیز جدا ہو اور یہاں (مخلوق کے ساتھ) مل جائے، کیونکہ یہ نقص کی علامات میں سے ہے۔ تَعَالٰی اللّٰهُ عَنْ ذٰلِكَ عُلُوًّا کَبِیْرًا۔ یعنی: اللہ تعالیٰ اس سے بہت بلند اور برتر ہے۔

(مخلوق کی) تخلیق سے مقصود انعام و احسان کے ذریعے ان کو فائدہ پہنچانا ہے، نہ کہ ان کے ذریعے (اپنے) اسمائی و صفاتی کمالات کو مکمل اور پورا کرنا۔ ہر گز ایسا نہیں ہے۔ اسماء و صفات اپنی حد میں کامل ہیں اور ان کو ظہور اور مظہر کی کوئی ضرورت نہیں۔ حضرت جل شانہ کی بارگاہ میں سب کمالات بالفعل حاصل ہیں، بالقوہ نہیں کہ ان کا حصول کسی اور امر سے وابستہ ہو۔ اگر شہود و مشاہدہ ہے تو وہ حضرت جل شانہ کی بارگاہ میں خود بخود ہے، اور اگر علم و معلوم ہے تو بھی وہ خود ہی عالم ہے اور خود ہی معلوم ہے۔ اسی طرح وہ خود متکلم ہے اور خود ہی سامع ہے۔ اس جگہ تمام کمالات مفصل اور متمیز ہیں، لیکن بے مثلی کے عنوان سے ہیں، کیونکہ مثل کو بے مثل کی جانب کوئی راستہ نہیں۔ مخلوق کی کیا حیثیت ہے کہ وہ حق سبحانہ کے کمالات کا آئینہ بن سکے:

ع در کدام آئینہ در آید او

یعنی: وہ کونسے آئینے میں سما سکتا ہے۔

اور عالم کی کیا مجال ہے کہ وہ اس اجمال کی تفصیل کرے، کیونکہ حضرت جل شانہ کی بارگاہ میں عین اجمال میں تفصیل ہے اور عین تنگی میں وسعت ہے۔ کیونکہ تفصیل اور وسعت وہاں بے مثلی ہے، لہذا وہم ہوتا ہے کہ اجمال کو تفصیل کی ضرورت ہے جو کہ عالم کی تخلیق سے وابستہ ہے اور اس اجمال کی تکمیل اس تفصیل سے ہے اور حق یہ ہے کہ وہاں اجمال بھی ہے اور تفصیل بھی ہے، جیسا کہ (اوپر) گزرا ہے: وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ۔ (سورۃ قمرہ، ۲۴) یعنی: اور اللہ بڑا کشاکش والا اور دانا ہے۔

جاننا چاہیے کہ اس عالم کی تخلیق اس مرتبہ میں واقع ہوئی ہے جس کو اس مرتبہ مقدسہ کے ساتھ کوئی مزاحمت و مدافعت نہیں ہے۔ دو موجودوں میں سے ایک کا وجود اگرچہ دوسرے کے وجود کی حد بندی کا تقاضا کرتا ہے لیکن یہ قاعدہ یہاں مفقود

ہے، کیونکہ عالم کے وجود نے اس وجود اقدس کے ساتھ کوئی حد و نہایت پیدا نہیں کی ہے اور کوئی نسبت و جہت ثابت نہیں کی ہے۔ وہ صورت جو آئینہ میں متوہم ہوتی ہے، اس کا ثبوت مرتبہ و ہم میں ثابت ہوتا ہے اور اس ثبوت کو زید کے ثبوت کے ساتھ کوئی مزاحمت و مدافعت حاصل نہیں ہے جو کہ اس صورت کا اصل ہے اور اس صورت کے ثبوت نے اپنی اصل کے ثبوت میں کوئی حد و نہایت پیدا نہیں کی ہے اور کوئی نسبت و جہت حاصل نہیں کی۔ عالم کا وجود اس صورت کے وجود کی مانند ہے جو مرتبہ و ہم میں ثابت ہے (اور) وہ اپنے اصل کے ساتھ کوئی مزاحمت نہیں رکھتا جو خارج میں موجود ہے اور اس صورت کے ثبوت وہی سے کوئی حد و نہایت اور کوئی جہت اس ثبوت خارجی میں، جو کہ اس صورت کا اصل ہے، پیدا نہیں ہوئی ہے:

وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْأَعْلٰی. (سورۃ نحل، ۶۰) یعنی: اور اللہ کو صفتِ اعلیٰ (زیب دینی) ہے۔

اس تحقیق سے اس بات کی حقیقت سمجھ میں آگئی جو کہا گیا ہے کہ ”عالم مرتبہ و ہم میں ثابت ہے۔“ یعنی عالم اس مرتبہ میں تخلیق ہوا ہے جو مرتبہ، مرتبہ و ہم سے مشابہ ہے، جو کہ آئینے میں منعکس ہونے والی صورت میں اپنی اصل کی اُس نسبت سے ثابت ہے جو خارج میں موجود ہے، بلکہ کہا جاسکتا ہے کہ اس مرتبہ مقدسہ میں وجود خارجی کا اطلاق تشبیہ و مثال کی قسم سے ہے، کیونکہ خارج کی وہاں گنجائش نہیں ہے۔ جب وجود بھی اس مرتبہ اقدس سے کوتاہ ہے تو پھر خارج کیا چیز ہے جو وجود کی فرع اور اس کی قسم ہے۔

خاتمہ حسنہ: یہ سب مبادی تعینات جن کا ذکر ہوا ہے، خواہ وہ تعین وجودی جہلی سے ہوں یا تفصیلی سے، وہ اس دنیاوی پیدائش کی موجودات ممکنہ کے ساتھ نسبت رکھتے ہیں۔ اس دنیا کی موجودات کا وجود و تشخص ان مبادی عالیہ سے وابستہ ہے، لیکن مشہود ہوتا ہے کہ آخرت کی موجودات مذکورہ مبادی کے ساتھ وابستہ نہیں ہیں، بلکہ ان کے مبادی تعینات دوسرے امور ہیں اور اس فقیر کے نزدیک وہ امور کمالات ذاتیہ ہیں جن کے دامن پاک تک ظلیت کی گرد بھی نہیں پہنچی ہے اور وہ اس مرتبہ اقدس میں درج ہیں، بلکہ وہ اس مرتبہ مقدسہ میں تفصیل و تمیز بے مثلی کے ساتھ مفصل و متمیز ہیں۔ ان کمالات مفصلہ ذاتیہ میں سے ہر ایک کمال عالم آخرت کی موجودات میں سے ہر ایک موجود کا مبداء تعین ہے۔ اہل بہشت کے وجود کا گویا ان تعینات وجودی کے ساتھ، خواہ وہ اجمالی ہوں یا تفصیلی جو کہ دنیاوی پیدائش سے تعلق رکھتے ہیں، کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس جہان (آخرت) کی موجودات گویا اس مرتبہ مقدسہ کے مقابل ہیں، بخلاف اس دنیا کی موجودات کے، جن کو اس مقابلہ و مواجہ سے بہت کم حصہ نصیب ہے۔ (فقیر) اس دائمی عالم (آخرت) کی موجودات سے کیا بیان کرے کہ وہ اس مرتبہ مقدسہ سے کس قسم کے نصیب اور حصے رکھتی ہیں۔

ع ھٰیئِنَا لِاَرْبَابِ النِّعَمِ نَعِیْمُهَا

یعنی: نعمت والوں کو ان کی نعمتیں مبارک ہوں۔

وَ مِنْ بَعْدِ هٰذَا مَا يَدِقُّ صِفَاتِہٖ وَ مَا كَتَمْتُمْہٗ اَحْطٰی لَدَیْہٖ وَ اَجْمَلُ

یعنی: اور اس کے بعد وہ ہے جس کی صفات دقیق ہیں اور جس کا چھپانا ہی اس کے نزدیک زیادہ بہتر ہے۔

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَسِیْنَا اَوْ اَخْطَاْنَا. (سورۃ بقرہ، ۲۸۶)

یعنی: اے ہمارے پروردگار! اگر ہم سے بھول یا چوک ہوگئی ہو تو ہم سے مواخذہ نہ فرما۔
وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اَتَّبَعَ الْهُدٰی. (سورۃ طہ، ۴۷)
یعنی: اور جو شخص ہدایت کی بات مانے، اُس کو سلامتی نصیب ہو۔

مکتوب نمبر (۱۱۵)

عرفان پناہ مرزا احسام الدین احمد کو تحریر فرمایا، ان کے سوالات کے جواب میں۔
اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی. (سورۃ نمل، ۵۹)
یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے ان بندوں پر سلام ہو، جن کو اس نے منتخب فرمایا۔
اس علاقے کے فقراء کے احوال و کیفیات شکر کے لائق ہیں۔ اَلْمَسْئُوْلُ مِنَ اللّٰہِ سُبْحَانَهُ سَلَامَتُکُمْ وَعَافِیَتُکُمْ۔
یعنی: اللہ سبحانہ سے آپ کی سلامتی اور عافیت کا سوال ہے۔
جو مکتوب شریف آپ نے شفقت و مہربانی سے اس فقیر کے نام تحریر کیا تھا، (فقیر) اس کے مطالعہ سے مشرف ہوا۔
آپ نے اس بات کا اشتیاق ظاہر فرمایا تھا کہ اپنے متعلقین کے ہمراہ حرمین شریفین میں سے کسی ایک جگہ کو اپنا وطن بنائیں اور (وہیں) دفن ہوں۔

میرے مخدوم مکرم! متعلقین کا جانا تو نظر نہیں آتا، بلکہ قریب ہے کہ (اس کی) ممانعت معلوم ہوتی ہے۔ اگر آپ تنہا جائیں تو مستحسن دکھائی دیتا ہے اور اُمید ہے کہ آپ سلامتی کے ساتھ پہنچ جائیں گے۔ وَالْاَمْرُ اِلٰی اللّٰہِ سُبْحَانَهُ۔
یعنی: اور معاملہ اللہ سبحانہ کے اختیار میں ہے۔

آپ نے سیادت مآب کے بارے میں لکھا تھا کہ طبیب ان کے ضرر کا حکم کر رہے ہیں۔ میرے مخدوم اور میرے مشفق و مہربان! اگرچہ (فقیر نے) بڑا غور و تامل کیا ہے، لیکن اس بارے میں کوئی ضرر نظر نہیں آتا، سوائے اس کے کہ وہاں ایک تاریکی محسوس ہوتی ہے جو اس ضرر کی ظلمت کے علاوہ ہے، معلوم نہیں کہ اس کی وجہ کیا ہے۔ مختصر یہ کہ طبیبوں کے ضرر کا حکم کرنا مفقود ہے اور جو ظلمت ہے وہ کسی اور وجہ سے ہے۔ وَالْاَمْرُ اِلٰی اللّٰہِ سُبْحَانَهُ۔ (اور معاملہ اللہ سبحانہ کے اختیار میں ہے)۔
دوسری بات یہ ہے کہ میرے فرزند محمد سعید بہت ضعیف ہو گئے تھے۔ اللہ سبحانہ کی حمد اور احسان ہے کہ (اب) صحت مند ہیں اور عافیت نصیب ہوگئی ہے۔ (آپ سے) دعا کی درخواست ہے۔

قرۃ العین (آنکھوں کی ٹھنڈک) خواجہ جمال الدین حسین اپنے بھائیوں اور بہنوں کے ہمراہ آخری زمانے کے صدمات سے محفوظ رہیں اور حضرات مخدوم زادگان کرام (اولاد حضرت خواجہ محمد باقی قدس سرہ) ظاہری و باطنی جمعیت سے آراستہ رہیں۔

مکتوب نمبر (۱۱۶)

خواجہ ابوالکرام کو تحریر فرمایا، اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی خدمتگاری کی ترغیب میں۔
حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ آپ کو اعتدال کی حد اور عدالت کے مرکز پر استقامت کرامت فرمائے۔ کتنی بڑی دولت ہے

مولانا شیخ غلام محمد کو تحریر فرمایا۔ آیت کریمہ: اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرًا کے معنی کے بیان میں اور دوسرے اعتراضات کے بیان میں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ. الْحَمْدُ لِلَّهِ وَسَلَامٌ عَلَى عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَى. (سورۃ نمل، ۵۹)

یعنی: شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔ سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے ان بندوں پر سلام ہو، جن کو اس نے منتخب فرمایا۔

شیخ اجل (شہاب الدین سہروردی) قدس سرہ نے اپنی کتاب عوارف کے دوسرے باب میں آیت کریمہ: اِنَّ فِيْ
ذٰلِكَ لَذِكْرًا لِّمَنْ كَانَ لَهُ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ (یعنی: جو شخص دل رکھتا ہے یا دل سے متوجہ ہو کر سننا
ہے، اس کے لیے اس میں نصیحت ہے۔ سورۃ ق، ۳۷) کے معنی کے بیان میں فرمایا ہے کہ (ابوبکر) واسطیؓ نے کہا ہے کہ یہ ایک
مخصوص قوم کے لیے نصیحت ہے، سب لوگوں کے لیے نہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اَوْ مَنْ
كَانَ مَيِّتًا فَاحْيَيْنَاهُ. (سورۃ انعام، ۱۲۲) یعنی: بھلا جو پہلے مردہ تھا، پھر ہم نے اُس کو زندہ کیا۔

شیخ (شہاب الدین سہروردیؒ) نے کہا ہے کہ جو کچھ واسطیؒ نے کہا ہے یہ بعض لوگوں کے حق میں صحیح ہے، جبکہ یہ آیت اس معاملے کے برخلاف دوسرے لوگوں کے لیے حکم کرتی ہے اور وہ ارباب تمکین ہیں، جن کے لیے مشاہدہ اور فہم دونوں جمع ہو جاتے ہیں۔

پوشیدہ نہ رہے کہ واسطیٰؑ نے جو کچھ اوّل کہا ہے، وہ اس چیز پر دلالت کرتا ہے کہ نصیحت اہل تمکین کے لیے مخصوص ہے، کیونکہ یہی وہ لوگ ہیں جن کو اللہ سبحانہ نے موت کے بعد زندہ کیا ہے۔ یعنی ان کو فنا کے بعد بقا بخشی ہے۔ اہل تلوین وہ لوگ ہیں جن کے لیے نہ فنا ہے اور نہ بقا اور نہ ہی ان کو دوسری حیات دی گئی ہے، کیونکہ وہ راستے کے وسط میں ہیں اور فنا و بقا منتہیوں کے حالات سے تعلق رکھتی ہے۔ ان کا دوسرا قول جو اس کے بیان میں مذکور ہے، وہ اس چیز پر دلالت کرتا ہے کہ اہل تلوین کے لیے نصیحت پردہ اور حجاب کی حالت میں آنے کے بعد ہے، نہ کہ مشاہدہ اور مکاشفہ کے وقت، کیونکہ یہ نسیان کا وقت ہے۔ پس یہ قول پہلے قول کے منافی ہے۔ اگر انہوں نے اس معرفت کو دوسری جگہ ان کے توسط حال میں ذکر کیا ہے اور اس آیت کے

بیان میں ذکر نہیں کیا تو پھر کوئی منافات (تضاد) نہیں اور نہ ہی شیخ (شہاب الدین سہروردی) کا اس پر اعتراض ہوگا جو واسطیؒ نے کہا ہے کہ یہ بعض لوگوں کے حق میں صحیح ہے، یعنی اہل تلوین کے حق میں۔ اور یہ آیت اس معاملے کے برخلاف دوسرے لوگوں کے لیے حکم کرتی ہے اور وہ ارباب تمکین ہیں۔ اس لیے کہ واسطیؒ نے اس آیت کے معنی میں بیان کیا ہے کہ نصیحت ارباب تمکین کے لیے مخصوص ہے، کیونکہ یہی لوگ موت کے بعد زندہ ہیں، نہ کہ اہل تلوین۔ مختصر یہ کہ انہوں نے دوسرے مرتبہ میں ایک مستقل معرفت اہل تلوین کے حالات کے بیان میں ذکر کی ہے جس کا اس آیت کے بیان سے کوئی تعلق نہیں۔ لہذا اس پر کوئی اعتراض نہیں، کیونکہ یہ آیت کے حکم کے خلاف ہے۔ اس لیے کہ آیت ایک قوم کے حق میں وارد ہوئی ہے اور یہ معرفت ایک دوسری قوم کے حالات کے بیان میں ہے اور اگر واسطیؒ نصیحت کو پہلے اہل تمکین کے ساتھ مخصوص نہ کرتے اور نصیحت کو اہل تلوین کے لیے ثابت کرتے، جیسا کہ ان کے دوسرے قول میں ان (اہل تلوین) کے حالتِ حجاب میں آنے کے بعد مذکور ہے تو پھر ان کے دونوں اقوال میں کوئی منافات (تضاد) نہ ہوتا اور نہ ہی شیخ (شہاب الدین سہروردی) کا ان پر اعتراض وارد ہوتا۔

میرے نزدیک جو کچھ ظاہر ہوا ہے وہ یہ ہے کہ یہ آیت کریمہ دونوں فریقوں کا حال بیان کرتی ہے۔ یعنی: مَنْ كَانَ لَهُ قَلْبٌ (جو شخص دل رکھتا ہے) میں ان لوگوں کا بیان ہے جو اربابِ قلوب ہیں (اور) جن کے حالات بدلتے رہتے ہیں اور یہی اصحابِ تلوین ہیں اور اللہ تعالیٰ کے قول: اَوَّلَقِيَ السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ (یادل سے متوجہ ہو کر سنتا ہے، اس کے لیے اس میں نصیحت ہے) میں اہل تمکین کے حال کا بیان ہے۔ اس لیے کہ یہ ایسے لوگ ہیں جنہوں نے اپنے کانوں کو عین شہود کی حالت میں سمجھنے کے لیے لگا رکھا ہے۔ صرف اتنا فرق ہے کہ پہلی قوم کے لیے بعض اوقات میں نصیحت ہے اور دوسری قوم کے لیے سب حالات میں نصیحت ہے، جیسا کہ واضح ہے۔ اگر شیخ قدس سرہ اس طرح کہتے ہیں کہ یہ آیت اس معاملے کے خلاف ایک دوسری قوم کے لیے بھی حکم کرتی ہے تو زیادہ مناسب ہوتا اور کلمہ اَوْ مَنَعَ خَلْوِکَہِ کے لیے ہے، لہذا وہ نصیحت میں فریقین کے جمع ہونے کے مخالف نہیں ہے۔ اس کے بعد شیخؒ پھر فرماتے ہیں کہ فہم کا مقام گفتگو اور کلام کا محل ہے اور وہ دل سے سننا ہے اور مشاہدہ کا مقام دل سے دیکھنا ہے۔ لہذا جو شخص سکر کے حال میں ہے اُس کے کان اُس کی آنکھوں میں گم ہوتے ہیں۔ اور جو شخص صحو و تمکین کی حالت میں ہے، اُس کے کان اُس کی آنکھوں میں گم نہیں ہوتے، کیونکہ وہ اپنے حال کا مالک ہے اور وجودی آلہ (کان) جو کلام کو سمجھنے کے لیے مستعد رہتا ہے، وہ اس کو سمجھتا ہے کیونکہ فہم الہام و سماع کا محل ہے اور وجودی آلہ کا طلب گار ہے۔ اور یہ وجود مہوب اس شخص کو، جو کہ فنا کے راستے سے گزر کر بقا کے محل تک پہنچا ہو، مقامِ صحو میں متمکن ہونے کے لیے دوسری بار بخشا جاتا ہے اور یہ وجود اس وجود کے علاوہ ہے جو نور مشاہدہ کے چمکنے کے وقت نابود ہو جاتا ہے۔ (شیخ کا کلام ختم ہو گیا)۔

پس فہم کا مقام اللہ عز وجل کے ساتھ گفتگو اور کلام کا مقام ہے اور اس کے کان کے آنکھوں میں گم ہو جانے کے معنی یہ ہیں کہ وہ مشاہدے کے وقت نہیں سمجھتا اور یہ اہل تلوین کا حال ہے جو مشاہدہ کے وقت خود کو بھلا دیتے ہیں، جیسا کہ واسطیؒ نے کہا ہے کہ ”اس کا سمع کے کان اس کی آنکھوں میں گم نہیں ہوتے۔“ یعنی وہ عین مشاہدہ کی حالت میں بھی سمجھتا ہے اور یہ اہل

تمکین کا حال ہے جو مشاہدہ اور فہم کو جمع کر دیتے ہیں، جیسے کہ پہلے گزر چکا ہے۔ اور لَمَنْ جَازَ (جو اس کو جائز رکھے) یہ آپ کے قول مَوْهُوبًا (عطا کیا ہوا) سے متعلق ہے۔ یعنی اس شخص کو عطا کیا جاتا ہے جو فنا سے گزر کر بقا تک پہنچ جائے۔

یہ پوشیدہ نہیں ہے کہ اہلِ تلوین میں مشاہدہ کے کیا معنی ہیں اور مشاہدہ ذات میں ہوتا ہے، جیسا کہ انہوں نے کہا ہے اور وہ ابھی ذات تک نہیں پہنچا۔ پس اس کے حق میں صفاتِ متخیلہ متلونہ کا مکاشفہ بہتر ہے اور جو مکاشفہ ذات میں ہے، میں اس کے لیے تلوین نہیں اور نہ ہی اس بارگاہِ مقدسہ میں تغیر ہے کہ کبھی نسیان و فراموشی ہو اور کبھی شعور ہو، بلکہ وہاں عینِ نسیان و فراموشی میں بھی شعور ہے اور نفسِ شہود میں بھی فہم ہے۔ شیخِ قدس سرہ کے کلام سے دنیا میں دل کی آنکھ سے مشاہدہ کے واقع ہونے کا جواز ظاہر ہوتا ہے اور صاحبِ تعرفِ قدس سرہ، جو صوفیہ کے گروہ کے امام ہیں، نے دنیا میں آنکھ اور دل سے بھی حق تعالیٰ کی رویت کو ناممکن کہا ہے اور اس پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ مشائخ کا اس بات پر اجماع ہے کہ دنیا میں حق تعالیٰ کو آنکھوں اور دلوں سے نہیں دیکھا جاسکتا، مگر یہ کہ ایقان (یقین) کی جہت سے۔ صاحبِ تعرف نے جو کچھ کہا ہے میرے نزدیک وہ صواب کے زیادہ قریب ہے، بلکہ یہی صواب (صحیح) ہے۔ کیونکہ (صوفیہ) جس کو اللہ سبحانہ کی رویت خیال کرتے ہیں، یقیناً وہ خیالی رویت ہے۔ یعنی خیال میں اس یقین کی صورت کا کشف ہے جو دل کو حاصل ہوتا ہے اور مقنن بہ (جس کا یقین کیا گیا) کی ایک صورت ہے، جس کا کشف دل کو ہوتا ہے، کیونکہ صوفیہ نے حق سبحانہ کے لیے مثال کو جائز رکھا ہے، اگرچہ اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی مثل نہیں۔ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْأَعْلٰی۔ (سورہ نحل، ۶۰) یعنی: اور اللہ کو صفتِ اعلیٰ (زیب دیتی) ہے۔

اور خیال میں یقین کی صورت اور مقنن بہ (جس کا یقین کیا گیا) کی صورت نقش ہو جاتی ہے۔ اگرچہ واقعی حق تعالیٰ کی کوئی صورت نہیں ہے، کیونکہ قلب اور دوسرے لطائف کو حاصل ہونے والے معانی، بلکہ ہر اُس چیز کے لیے جو موجود ہے اور جو موجود ہوگی، ان سب کے خیال میں ایک صورت ہے، جو اس عالمِ مثال کی تمثیل ہے (اور) وہ تمام عالموں سے زیادہ وسیع ہے۔ پس یہاں دل کو یقین کے سوا کچھ حاصل نہیں، بلکہ یقین کی صورت ہے اور مقنن بہ (جس کا یقین کیا گیا) کی رویت کی صورت جو خیالی صورت اور مرئی (آئینے میں دیکھی ہوئی چیز) کی صورت میں متمثل ہوتی ہے۔ اور حقیقت میں قلب کے لیے رویت نہیں ہوتی۔ حق تعالیٰ اس سے بزرگ و برتر ہے کہ اس کو دیکھا جاسکے اور یقیناً یہ دل کے لیے ایک مثالی رویت ہے جو کہ اس کے یقین میں رویت کی صورت میں متمثل ہو گئی ہے اور مقنن بہ (جس کا یقین کیا گیا) مرئی (آئینے میں دیکھی ہوئی چیز) کی صورت میں متمثل ہو گیا ہے۔ پس اس سے گمان ہوتا ہے کہ اس نے حقیقت میں حق تعالیٰ کو دیکھا ہے اور یہ صرف ایک خیالی رویت ہے۔ بلکہ ہم کہتے ہیں کہ مقنن بہ (جس کا یقین کیا گیا) کی صورت حق سبحانہ کی صورتِ مثالیہ نہیں ہے، بلکہ یہ ایک کشفی صورت ہے، جس کا تعلق اس یقین کے ساتھ ہے جو خیال میں ظاہر ہوا ہے اور ہرگز حق تعالیٰ کی کوئی صورت نہیں ہے، خواہ وہ خیال ہی میں ہو، بلکہ وہ ان بعض مکشوفات کی صورت ہے، جن کا کشف سالک کے دل پر بعض وجوہات اور اعتبارات کی وجہ سے ہو گیا ہے جن کا تعلق حق تعالیٰ کی ذات کے ساتھ ہے۔ لہذا یہی وجہ ہے کہ جب عارف حق تعالیٰ کی ذات سے واصل ہو جاتا ہے تو اس کے لیے اس طرح کی خیالی صورتیں متمثل نہیں ہوتیں۔ پس حق تعالیٰ کے لیے کوئی صورت نہیں، نہ خیال میں اور نہ مثال میں۔ اور میرے نزدیک حق تعالیٰ کی مثالی صورت بھی نہیں ہے، جیسا کہ حق سبحانہ کی مثل بھی نہیں۔ کیونکہ صورت

مراتب کے خواہ کسی مرتبہ میں ہو، وہ حد اور نہایت کو لازم کرتی ہے اور حق سبحانہ تحدید و تقید سے منزہ اور پاک ہے اور یہ سب مراتب حق تعالیٰ کی مخلوق ہیں۔ اس کو خوب سمجھ لو۔ اللہ سبحانہ کی حمد ہے کہ اس نے ہمیں سلطان خیال عطا فرمایا اور اسے کمال کے معانی کی صورتوں کو حاصل کرنے کا آئینہ بنایا۔ اگر خیال نہ ہوتا تو ہم اتصال کے درجات کو انفصال کے درکات سے نہ پا سکتے اور نہ ہی ہم کو احوال کی واردات کا علم ہوتا، کیونکہ اس میں ہر معنی اور حال کی ایک صورت ہے۔ اگر وہ صورت مکشوف ہو جائے تو اس سے معنی و حال کا ادراک ہو جاتا ہے۔ پس سات لطائف کی شان سیر و سلوک اور ایک حال سے دوسرے حال میں منتقل ہونا ہے اور خیال کی شان سا لک کو اپنی منقوش صورتوں میں سیر و سلوک اور انتقال کے درجات کا دکھانا ہے اور اس کا دکھانا یہ ہے کہ فوق کی جانب رغبت زیادہ ہو جائے۔ اسی طرح اس کے دکھانے سے سیر بصیرت پر حاصل ہو جاتی ہے اور معرفت کی جانب سلوک آسان ہو جاتا ہے اور اس کے غلبہ سے سا لک جہل سے نکل جاتا ہے اور اہل علم میں سے ہو جاتا ہے۔

فَلِلّٰهِ سُبْحَانَهُ دَرُّهُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اَتْبَعَ الْهُدٰی۔ یعنی: پس اس کی خوبی اللہ سبحانہ کی طرف سے ہے اور اس شخص پر سلام ہو جو ہدایت کی بات مانے۔

مکتوب نمبر (۱۱۸)

مولانا عبدالقادر انبالی کو تحریر فرمایا۔

شیخ (شہاب الدین سہروردی) رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی کتاب عوارف کے دوسرے باب میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی (اس) مرفوع حدیث کے بارے میں بیان کیا ہے:

مَا نَزَلَ مِنَ الْقُرْآنِ آيَةٌ اِلَّا وَلَهَا ظَهْرٌ وَبَطْنٌ وَلِكُلِّ حَرْفٍ حَدٌّ وَلِكُلِّ حَدٍّ مُطْلَعٌ۔

یعنی: قرآن مجید کی ہر آیت کے لیے ایک ظاہر ہے اور ایک باطن ہے اور ہر حرف کے لیے ایک حد ہے اور ہر حد کے لیے ایک مطلع ہے۔

میرے دل میں یہ بات آتی ہے کہ مطلع سے یہ مراد نہیں ہے کہ صفائے فہم سے آیت کے دقیق معنی اور پوشیدہ اسرار سے آگاہی حاصل ہو جائے، بلکہ مطلع سے مراد یہ ہے کہ ہر آیت کی تلاوت کے وقت (تلاوت کرنے والا) اس آیت کے متکلم (حق تعالیٰ) کے شہود سے آگاہ ہو، کیونکہ (ہر آیت) اس کے (متکلم) کے اوصاف میں سے کسی وصف کی اور صفت میں سے کسی صفت کی امانت گاہ ہے۔ لہذا آیات کی تلاوت سے اور ان کے سننے سے نئی نئی تجلیات ظاہر ہوتی ہیں اور وہ اس کے لیے حق تعالیٰ کی عظمت و جلال کے آئینے بن جاتے ہیں۔ آخر کلام تک شیخؒ نے اس توجیہ و تشریح کی تائید میں جو کچھ کہا ہے وہ یہی ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کے کرم سے جو خیال میرے دل میں گزرتا ہے وہ یہ ہے کہ ظہر سے مراد قرآن مجید کا نظم ہے جو اعجاز کی حد تک پہنچا ہوا ہے اور بطن سے مراد صفائے فہم کے اختلاف کی وجہ سے دقیق معانی اور پوشیدہ اسرار پر اس کی تفسیر و تاویل ہے۔ اور حد سے مراد کلام کے مراتب کی انتہا ہے اور وہ متکلم کا شہود ہے اور وہ تجلی نعتی (توصیفی تجلی) ہے جو حق تعالیٰ کی عظمت و جلال کی خبر دیتی ہے اور مطلع وہ ہے جو اس تجلی نعتی (توصیفی تجلی) سے برتر ہے اور یہ تجلی ذاتی ہے جو نسبتوں اور اعتبارات سے خالی

ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کلام کی حد اور اس کی نہایت کے لیے ایک مطلع ثابت کیا ہے جو کلام کے مطلع اور اس کی نہایت سے ماوراء ہے اور کلام حق تعالیٰ کی صفت ہے اور متکلم کا شہود اس صفت کے آئینے میں اس صفت کی تجلی ہے اور اس کے کمال کے مراتب کی انتہا ہے۔ اس تجلی کے ماوراء کی اطلاع تب ہوتی ہے جب اس تجلی سے تجلی ذاتی کی جانب ترقی کی جائے۔ لہذا لازمی طور پر اس جگہ ذات تک رسائی صفت کلام کے ذریعے اور نظم قرآنی کی تلاوت کے وسیلے سے (نصیب) ہو گی جو اس صفت پر دلالت کرتی ہے۔ پس لازمی طور پر (یہاں) دو قدم ہیں۔ ایک قدم نظم قرآنی کا جو مدلول (صفت) کی جانب دلالت کرنے والا ہے اور دوسرا قدم صفت کا اپنے موصوف کی طرف ہے۔ عارف (شعرانی) قدس سرہ نے فرمایا ہے: مَشَيْتُ خُطُوتَانِ وَقَدْ وَصَلْتُ. یعنی: میں دو قدم چلا اور واصل ہو گیا۔ لیکن شیخ قدس سرہ نے صرف پہلے قدم کا ذکر کیا ہے اور سیر کو اسی کے ساتھ تمام کیا ہے اور تلاوت کے فائدے کو اسی کے ساتھ مقید کیا ہے اور اس کے علاوہ کچھ اور بیان نہیں کیا۔ سُبْحَنَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ط إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ. (سورۃ بقرہ، ۳۲)

یعنی: تو پاک ہے، جتنا علم تو نے ہمیں بخشا ہے اُس کے سوا ہمیں کچھ معلوم نہیں۔ بیشک تو دانا (اور) حکمت والا ہے۔ اس کے بعد شیخ (شہاب الدین سہروردی) نے فرمایا ہے کہ (امام) جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپ کے آبائے کرامؑ سے میں بھی اسی طرح منقول ہے کہ آپ نماز میں تھے کہ بیہوش ہو کر گر پڑے۔ جب آپ سے اس بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا کہ ”میں ایک آیت کا تکرار کرتا رہا، یہاں تک کہ میں نے اس کو اس کے متکلم سے سنا۔“ اس لیے جب صوفی کی پیشانی میں توحید کا نور چمکتا ہے اور وہ وعدہ و وعید سننے کے وقت اپنے کانوں کو اُس جانب لگاتا ہے اور اس کا قلب ماسوا اللہ تعالیٰ سے آزاد ہو جاتا ہے تو وہ حق تعالیٰ کے حضور حاضر (اور) موجود ہو جاتا ہے۔ پھر وہ اپنی زبان کو اور دوسرے کی زبان کو (حضرت) موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے درخت کی مانند پاتا ہے، جس سے اللہ تعالیٰ نے اپنا خطاب اِنِّیْ اَنَا اللّٰہُ (بیشک میں اللہ ہوں۔ سورۃ قصص، ۳۰) سنایا تھا۔ پھر جب اس کا سننا بھی اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہو جاتا ہے اور اس کا سننا بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو جاتا ہے تو اس کے کان اس کی آنکھ بن جاتے ہیں اور اس کی آنکھ اس کے کان ہو جاتے ہیں اور اس کا علم عمل بن جاتا ہے اور اس کا عمل علم ہو جاتا ہے اور اس کا آخر اس کا اوّل بن جاتا ہے اور اس کا اوّل اُس کا آخر ہو جاتا ہے، یہاں تک کہ انہوں نے کہا ہے کہ ”جب صوفی اس وصف سے متصف ہو جاتا ہے تو اُس کا وقت ابدی، اس کا شہود دائمی اور اُس کا سننا متواتر (اور) نئے سے نیا ہوتا ہے۔“ (شیخ کا کلام ختم ہوا۔)

شیخ کا یہ کہنا کہ ”جب صوفی کی پیشانی میں توحید کا نور چمکتا ہے“، یہ حضرت امام (جعفر صادق) رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول کا بیان ہے اور متکلم سے سننے کی تشریح ہے کہ جب صوفی پر توحید کے حال کا غلبہ ہوتا ہے اور غیر کا شہود اس کی نظر سے دور ہو جاتا ہے تو وہ اللہ سبحانہ کے حضور حاضر (اور) موجود ہو جاتا ہے۔ پھر جب وہ خود سے یا غیر سے کوئی کلام سنتا ہے تو (یوں سمجھتا ہے کہ) گویا وہ اس کو اللہ سبحانہ سے سنتا ہے اور (اُس وقت وہ) اپنی زبان کو اور دوسرے کی زبان کو (حضرت) موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے درخت کی مانند دیکھتا ہے۔ پس جب امام (جعفر صادق رضی اللہ عنہ) آیت کا تکرار فرماتے رہے تو اس کو اپنے نفس کی جانب سے اور اپنی زبان سے سنتے رہے اور جب تکرار کے دوران آپ پر توحید کا حال طاری ہوا تو (اُس

وقت) آپ نے اس کو متکلم سے سنا۔ اگرچہ اس کا صدور خود آپ کے نفس سے اور آپ کی زبان سے ہوا تھا، لیکن اُس وقت آپ نے اپنی زبان کو درخت موسوی کی مانند پایا اور اُس وقت زبان سے ادا ہونے والا کلام یوں محسوس ہوا کہ جیسے کہ وہ درخت سے ظاہر ہونے والا کلام اللہ سبحانہ کی طرف سے تھا۔

میں حق سبحانہ کی عصمت و توفیق سے کہتا ہوں کہ درخت موسوی سے جو کلام سنا گیا تھا، بلاشبہ وہ اللہ سبحانہ ہی کا کلام تھا، لہذا جب کوئی اس کا انکار کرتا ہے تو وہ کافر ہو جاتا ہے اور جو کلام زبانوں سے سنا جاتا ہے، درحقیقت وہ اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں ہے۔ اگرچہ صوفی توحید کے غلبہ سے خیال کرے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ اگر کوئی شخص اس کا انکار کرے تو وہ کافر نہیں ہوگا، بلکہ وہ حق اور سچ ہوگا، کیونکہ یہ (کلام) زبان کی حرکت اور مخارج کے اعتماد سے حاصل ہوا ہے اور درخت (کے کلام) میں ایسا نہیں تھا۔ اس طرح ان دو کلاموں میں بڑا فرق ہے، کیونکہ پہلا تحقیقی ہے اور دوسرا تخیلی۔

تعب ہے کہ شیخ اجلؒ نے توحید کے بارے میں اتنا مبالغہ کیا ہے کہ انہوں نے تخیلی کو تحقیقی بنا ڈالا ہے اور حال کے غلبہ میں بندے سے صادر ہونے والے کلام کو حق سبحانہ سے صادر ہونے والا کلام بنا دیا ہے۔ جبکہ انہوں نے دوسری جگہ اپنی کتاب میں ارباب توحید سے توحید کے غلبہ میں صادر ہونے والے اقوال کا انکار کیا ہے اور حلول و اتحاد کے شائبہ سے ڈر کر ان کو اللہ سبحانہ کی جانب سے حکایت پر محمول کیا ہے، لیکن اس مقام پر انہوں نے حلول کے شائبہ سے گریز نہیں کیا، بلکہ (یہاں) اتحاد اور عینیت کا حکم لگا دیا ہے۔ اس مقام پر حق بات یہ ہے کہ غلبہ حال میں اتحاد اور عینیت کا حکم لگانا تخیلی ہے، تحقیقی نہیں ہے۔ اتحاد خواہ ذات میں ہو، یا صفات میں ہو اور یا افعال میں ہو، وہ برابر ہے۔

فَسُبْحَانَ مَنْ لَا يَتَغَيَّرُ بِذَاتِهِ وَلَا بِصِفَاتِهِ وَلَا فِي أَعْمَالِهِ بِحُدُوثِ الْأَكْوَانِ.

یعنی: پاک ہے وہ ذات جو موجودات کے پیدا کرنے سے ذات و صفات اور افعال میں متغیر نہیں ہوتی۔

حق سبحانہ کی ذات و صفات اور افعال کسی کی ذات و صفات اور افعال کے ساتھ متحد نہیں ہو سکتے۔ پس وہ پاک ہے۔ وہ ویسا ہی ہے جیسا کہ ہے اور ممکن تو ممکن ہی ہے اور یہ اپنی ذات و صفات اور افعال میں حادث ہے۔ قدیم اور حادث کے درمیان اتحاد کا حکم کرنا عشق کی تلوینات اور محبت و سکر کے غلبات کی وجہ سے ہے اور حلول کے شائبہ اور اتحاد کے گمان کی وجہ سے ہے، جس سے کفر اور الحاد لازم آتا ہے۔ ان (صوفیہ) کا کوئی مواخذہ نہیں ہے۔ اس لیے کہ ان کی مراد یہ نہیں ہے اور جو امر حق تعالیٰ کی جناب پاک کے لائق نہ ہو، وہ ہرگز ان کی مراد نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وہ اللہ کے دوست اور حق سبحانہ کے محب ہیں اور ایسی نازیبا باتوں سے محفوظ ہیں جو حق تعالیٰ نے جائز نہیں کی ہیں۔ جن لوگوں نے حال اور صدق کے بغیر ان کی مشابہت کی اور ان کے کلام کی مانند کلام کیا اور ان کی مراد کے علاوہ کچھ اور سمجھا تو وہ الحاد اور بے دینی میں گر پڑے، یہاں تک کہ انہوں نے حق سبحانہ کے ساتھ حلول و اتحاد ثابت کر دیا اور ممکن کے واجب ہونے کا حکم کر دیا۔ لہذا یہی لوگ زندیق ہیں اور وہ اس بحث سے خارج ہیں۔ قَتَلَهُمُ اللَّهُ اَنِّي يُؤْفَكُونَ. (سورۃ توبہ، ۳۰) یعنی: اللہ ان کو ہلاک کرے، یہ کہاں بہکے پھرتے ہیں۔

مخفی نہ رہے کہ شیخ قدس سرہؒ نے جو کچھ امام (جعفر صادق) رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول کے بارے میں بیان کیا ہے اور خواہ وہ اہل تلوین میں سے ان لوگوں کے حق میں صادق آتا ہے جن پر سکر کا غلبہ ہے اور جن پر توحید کا حال غالب ہے۔ کیونکہ

میں امام (جعفر صادق رضی اللہ عنہ) کی شان کے بارے میں حسن ظن رکھتا ہوں، لہذا میں آپ رضی اللہ عنہ کے حق میں اس معاملے کو صادق نہیں سمجھتا۔ کیونکہ آپ رضی اللہ عنہ میرے نزدیک بزرگ ارباب تمکین و صحو میں سے ہیں اور آپ پر خیالی کیفیت متحقق ہو کر غلبہ نہیں کر سکتی اور نہ ہی آپ غیر سے سننے ہوئے کلام کو حق سبحانہ سے سنا ہوا کلام سمجھ سکتے ہیں۔ اس لیے آپ کے لیے اس توجیہ کے علاوہ آپ کے حال کے مناسب اچھی توجیہ تلاش کرنی چاہیے اور وہ یہ ہے کہ ممکن ہے کہ بندہ اپنے رب تعالیٰ کے کلام کو بے کیف سنے، جیسے کہ (حضرت) موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے طور پر سنا تھا۔

(سوال:) اگر آپ پوچھیں کہ اللہ تعالیٰ سے کلام سننے کے کیا معنی ہیں، کیونکہ جو کچھ سنا جاتا ہے وہ حرف و آواز ہوتا ہے؟
(جواب:) میں کہتا ہوں کہ (یہ) ممنوع ہے۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کلام کو حرف و آواز کے بغیر سنتا ہے۔ پس بندہ بھی جب حق تعالیٰ کے اخلاق سے آراستہ ہو جاتا ہے تو وہ بھی حرف و آواز کے بغیر سنتا ہے، لیکن بظاہر وہم میں جو فرق ہونے کے باوجود غائب کو حاضر پر قیاس کرنے سے پیدا ہوتا ہے، یہ محال نظر آتا ہے۔ بھلا حاضر پر غائب کا قیاس کیسے کیا جائے، جبکہ حاضر زمانہ کی تنگی میں ہے جو ترتیب اور تقدم و تاخر کا تقاضا کرتا ہے اور غائب پر زمانے اور تقدم و تاخر اور ترتیب کے احکام لاگو نہیں ہوتے۔ اس لیے غائب میں ایسی چیزوں کا ثبوت جائز ہے جن کا ثبوت حاضر میں نہ ہو۔ اس طرح خوب سمجھ لو۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔ (یعنی: اور اللہ سبحانہ ہی خوب جانتا ہے)۔

نیز تحقیق یہ ہے کہ اگر سننا کان کی حس کے ساتھ ہو تو ضروری ہے کہ سنا جانے والا کلام حرف و آواز کی صورت میں ہو، لیکن جب سننا سننے والے کے اجزاء میں سے ہر جزو کے ساتھ ہو تو وہ حس کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ پھر اس وقت جائز ہے کہ سنا جانے والا (کلام) حرف و آواز کے بغیر حاصل ہو۔ اس لیے کہ ہم اس کلام کو اپنے تمام جسم سے اور اپنے اجزاء میں سے ہر جزو کے ساتھ سنتے ہیں، جو حروف اور آوازوں کی قسم میں سے نہیں ہوتا۔ خواہ وہ خیالی حروف اور آوازوں کے ساتھ ہی تخیل میں آتا ہو۔ لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ جو کلام ہمارے پورے جسم سے سنا گیا ہے، وہ پہلے حروف اور آوازوں سے خالی تھا۔ پھر دوسری بار تخیل میں اس نے خیالی حرف و آواز کا لباس پہنا، تاکہ سمجھنے اور سمجھانے کے قریب ہو جائے۔

اس کے علاوہ ہم ایک اور بات کہتے ہیں جو اس سے بھی زیادہ عجیب ہے کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہمارے کلام کو سنتا ہے جو مترتب اور متقدم و متاخر حروف و کلمات سے مرکب ہے، لیکن حق تعالیٰ کا سننا حرف و کلمہ کے واسطے کے بغیر اور ترتیب و تقدم و تاخر کے بغیر ہوتا ہے، کیونکہ مرکب و مترتب اور متقدم و متاخر کلام زمانے کا تقاضا کرتا ہے اور حق سبحانہ پر زمانہ جاری نہیں ہوتا اور حق تعالیٰ زمانے کا خالق ہے۔ پس جب حروف و کلمات سے مرکب کلام کو حرف و کلمہ کے واسطے کے بغیر سننا جائز ہے تو ایسے کلام کا سننا جو حروف اور آوازوں کی جنس میں سے نہیں ہے، بطریق اولیٰ جائز ہوگا۔ پس تم سمجھ لو اور کم عقل اور غافل و جاہل لوگوں میں سے نہ بنو۔

وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ اَعْلَمُ لِلصَّوَابِ۔ (اور اللہ سبحانہ ہی درست بات کی طرف الہام کرنے والا ہے)۔
ان سطور کے لکھنے کے بعد اس مقام کی تحقیق میں جو کچھ دوبارہ مجھ پر الہام ہوا، وہ یہ ہے کہ مستعد بندے کا حق تعالیٰ کے خطاب کو سننا اور حق سبحانہ سے اخذ کرنا پہلے حرف و کلمہ کے واسطے کے بغیر اور آواز و ندا کے وسیلے کے بغیر ایک روحانی القا سے

ہوتا ہے اور پھر یہ معنی سلطان خیال میں، جہاں سب چیزوں کی صورتیں منتقل ہیں، حرف و آواز کی صورت اختیار کر لیتا ہے، کیونکہ عالم شہادت میں افادہ اور استفادہ الفاظ و حروف کے ذریعے ہی سے ہوتا ہے۔ اس (روحانی) التقا پر بے کیف سماع کا اطلاق کرنا بھی جائز ہے، اس لیے کہ کلام بے کیف ہے، لہذا ضروری ہے کہ سننا بھی بے کیف ہی ہو۔ یعنی کیف کے لیے اس کی طرف کوئی راستہ نہیں ہے جو بے کیف ہے۔ لہذا ثابت ہوا کہ حق تعالیٰ کا کلام، جو حرف و آواز سے خالی ہے، اس کا بے کیف سننا جائز ہے۔ پھر اس کے بعد یہ کلام خیال میں حرف و کلمہ کی صورت اختیار کر لیتا ہے، تاکہ عالم اجسام میں بھی اس سے افادہ و استفادہ ممکن ہو سکے۔ جن لوگوں نے اس دقیق نکتہ سے آگاہی نہیں پائی، ان میں سے بعض تو اچھے حال والے ہیں جن کا گمان یہ ہے کہ وہ حق تعالیٰ کے کلام کو ان حروف و کلمات سے سنتے ہیں جو کہ حادث ہیں اور کلام پر دلالت کرتے ہیں۔ اور بعض یہ کہتے ہیں کہ وہ حق تعالیٰ کے کلام کو سنتے ہیں اور اس چیز کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتے کہ حق تعالیٰ کی شان کے لائق کیا بات ہے اور کونسی بات اُس کے لائق نہیں ہے۔ یہ لوگ جاہل اور جھوٹے ہیں جو نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ کے حق میں کونسی بات جائز ہے اور کونسی جائز نہیں۔ حق بات وہی ہے جس کی میں نے اللہ سبحانہ کے فضل اور اس کے احسان سے تحقیق کی ہے۔

شیخ قدس سرہ کا یہ کہنا کہ ”اس کا کان اس کی آنکھ بن جاتا ہے اور اس کی آنکھ اس کا کان بن جاتی ہے اور اُس کا آخر اُس کا اوّل بن جاتا ہے اور اُس کا اوّل اُس کا آخر بن جاتا ہے۔“ یعنی اُس کے کان اُس کی آنکھوں کا حکم اور اُس کی آنکھیں اُس کے کانوں کا حکم حاصل کر لیتی ہیں۔ وہ ہمہ تن سنتا ہے اور ہمہ تن دیکھتا ہے اور ہمہ تن جانتا ہے۔ ایسا نہیں ہوتا کہ وہ اپنے بعض حصے سے سنتا ہے اور اپنے بعض دوسرے حصے سے دیکھتا ہے۔ کیونکہ جب وہ اپنے بعض سے سنے اور بعض سے دیکھے تو اس صورت میں سمع عین بصر نہ ہوگا۔ پھر انہوں نے اپنے قول کی مزید وضاحت کی ہے کہ ”اس کا آخر اس کا اوّل بن جاتا ہے اور اس کا اوّل اس کا آخر ہو جاتا ہے۔“ چونکہ اس بات میں ایک طرح کی پوشیدگی تھی، اس لیے اس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ سبحانہ نے جب ذرات کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ اَلْکُتُبُ بِرَبِّکُمْ (یعنی: کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں۔ سورۃ اعراف، ۱۷۲) تو انہوں نے انتہائی صاف طور پر بغیر کسی واسطے کے اس آواز کو سنا۔ پھر وہ ذرات مختلف صلبوں میں منتقل ہوتے رہے اور رحموں میں منتقل ہوئے، یہاں تک کہ اپنے جسموں (کی صورت) میں ظاہر ہو گئے۔ پھر وہ (روحیں حق تعالیٰ) کی حکمت و قدرت سے پوشیدہ ہو گئیں اور مختلف اطوار میں بدلنے کی وجہ سے ان پر ظلمتیں چھا گئیں۔ پس جب اللہ تعالیٰ (اپنے) بندے سے حسنِ استماع کا ارادہ فرماتا ہے کہ اس کو صوفی صافی بنائے تو اسے ہمیشہ تزکیہ و تجلیہ کے مرتبہ میں ترقی بخشتا ہے، یہاں تک کہ وہ فضائے قدرت کی جانب آزاد ہو جاتا ہے اور اس کی گمشدہ بصیرت سے حکمت کا حجاب دور ہو جاتا ہے۔ اس وقت اس کا اَلْکُتُبُ بِرَبِّکُمْ (کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں) کو سننا کشف و عیاں کے طور پر ہوتا ہے اور اس کی توحید اور عرفان بیان و دلیل کے طور پر ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ اس کی زبان اور غیر کی زبان اس کے حق میں درختِ موسوی کا حکم حاصل کر لیتی ہے جس سے وہ حق تعالیٰ کا کلام سنتا ہے۔ جس طرح کہ حضرت موسیٰ (علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام) نے اس درخت سے سنا تھا۔ پس درست ٹھہرا کہ اس کا آخر اس کا اوّل بن جاتا ہے اور اس کا اوّل اس کا آخر ہو جاتا ہے۔ کیونکہ وہ حق تعالیٰ کا کلام آخر میں بھی ایسے ہی سنتا ہے جیسے کہ اس نے اوّل میں سنا تھا۔ شیخ نے بعض کے قول کو اسی پر محمول کیا ہے، جس نے کہا ہے کہ مجھے

اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ (کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں) کا خطاب یاد ہے۔ یعنی وہ پہلا خطاب بھی اسی خطاب کی مانند تھا جو میں اب حق تعالیٰ کا کلام مختلف زبانوں پر سن رہا ہوں۔

آپ پر مخفی نہ رہے کہ حق تعالیٰ کا پہلا خطاب تحقیقی تھا اور ذرات کا حق تعالیٰ سے اس کو سننا بھی حقیقی طور پر تھا، لیکن یہ خطاب جو زبانوں سے ماخوذ ہے اور سنا جاتا ہے، جب اس کی نسبت حق تعالیٰ کی جانب کی جائے گی تو یہ تخیل اور توہم کے طور پر ہوگا، جیسا کہ (اوپر) گزرا ہے۔ پھر یہ کس طرح ایک دوسرے کا عین ہو سکتا ہے۔ پس عجیب ہے، بہت ہی عجیب کہ شیخ قدس سرہ نے باوجود اپنی جلالت شان کے ایک کو دوسرے کا عین بنا ڈالا ہے اور تحقیق و تخیل کے درمیان کچھ فرق نہیں کیا، جبکہ وہ عین سکر اور محض توحید ہے اور اس کی مثال بالکل اَنَا الْحَقُّ، سُبْحَانِیْ اور مَا لَیْسَ فِیْ جُبَّتِیْ سِوَاِیِ اللّٰهِ وغیرہ کے قول کی مانند ہے۔ اور اس سے بھی زیادہ عجیب یہ ہے جو شیخؒ نے اس کے بعد کہا ہے کہ جب صوفی اس وصف سے متصف ہو جاتا ہے تو اس کا وقت ابدی، اس کا شہود دائمی اور اس کا سننا متواتر (اور) نئے سے نیا ہو جاتا ہے۔ جبکہ صاف ظاہر ہے کہ اس مقام میں صوفی صرف تجلی معنوی صفاتی سے متصف ہوتا ہے، جیسا کہ (اوپر) گزرا ہے اور یہ مقام تلوین ہے، اس کے علاوہ کچھ نہیں۔ پھر کس طرح اس کا وقت ابدی اور شہود دائمی بن گیا؟ کیونکہ وقت کا دائمی و ابدی ہونا تو تب ہوتا ہے جب حق تعالیٰ کی ذات تک وصول حاصل ہو جائے اور تجلی ذاتی نصیب ہو جائے۔ اور ایسے ہی شہود و مشاہدہ بھی تب حاصل ہوتا ہے جب حق تعالیٰ کی ذات تک وصول نصیب ہو جائے، جیسا کہ کہا گیا ہے۔ اور جو کچھ مرتبہ صفات میں حاصل ہوتا ہے، اسے مکاشفہ کا نام دیتے ہیں اور شہود اور اس کا دوام تو اربابِ تمکین کو نصیب ہے جو ذات تک واصل ہوتے ہیں، نہ کہ اہلِ تلوین جو صفات میں مقید ہوتے ہیں۔ اس لیے کہ یہ حضرات اربابِ قلوب اور اصحابِ تقلب ہیں۔ سُبْحَانَکَ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّکَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ۔ (سورۃ بقرہ، ۳۲)

یعنی: تو پاک ہے، جتنا علم تو نے ہمیں بخشا ہے، اس کے سوا ہمیں کچھ معلوم نہیں۔ بیشک تو دانایان (اور) حکمت والا ہے۔

مکتوب نمبر (۱۱۹)

مولانا شیخ محمود کوثری فرمایا۔

شیخ (شہاب الدین سہروردی) قدس سرہ نے اپنی کتاب عوارف کے نویں باب میں ان لوگوں کے بارے میں، جو صوفیہ کی جانب منسوب ہیں، بیان کیا ہے کہ ”ان میں بعض وہ لوگ ہیں جو حلول کے قائل ہیں۔ خَذَلَهُمُ اللّٰهُ سُبْحَانَهُ (اللہ سبحانہ ان کو رسوا کرے) اور وہ خیال کرتے ہیں کہ یقیناً اللہ تعالیٰ ان میں حلول کیسے ہوئے ہے اور ان اجسام میں حلول کرتا ہے جن کو وہ دوست رکھتا ہے اور نصاریٰ کے قول لا ہوت اور ناسوت کے معنی ان کے ذہنوں میں سبقت کیے ہوئے ہیں۔ نیز ان میں بعض وہ لوگ ہیں جو اسی وہم کی وجہ سے حسین عورتوں کی جانب نظر کرنا جائز جانتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ جن لوگوں نے اپنے (حال کے) بعض غلبات کے دوران جو کلمات کہے ہیں، ان میں بھی یہی چیز پوشیدہ ہے جس کا انہوں نے گمان کیا ہے۔ مثلاً حلاجؒ کے قول اَنَا الْحَقُّ (میں حق ہوں) میں اور جو بایزیدؒ نے اپنے قول سُبْحَانِیْ (میں پاک ہوں) میں کہی ہے۔ ایسا ہرگز نہیں کہ ہم بایزیدؒ کے بارے میں یہ عقیدہ رکھیں کہ انہوں نے حق تعالیٰ سے سوائے حکایت کے

کوئی بات کہی ہو اور ہمیں حلاج کے قول کے بارے میں بھی اسی طرح کا اعتقاد رکھنا چاہیے۔ اور اگر ہم یہ جانتے ہیں کہ اس طرح کے قول میں حلول کی کوئی چیز پوشیدہ ہے تو اس کی تردید بھی اسی طرح کرتے ہیں جس طرح کہ حلول والوں کا رد کرتے ہیں۔“ (شیخ کا کلام ختم ہوا)۔

کاش ہمیں معلوم ہوتا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکایت کرنے کے کیا معنی ہیں اور اربابِ سکر کو معنی حکایت کے طور پر اس قسم کے قول کے ساتھ مخصوص کرنے کی کیا وجہ ہے۔ سوائے اس کے کہا جائے کہ شیخ قدس سرہ کی مراد یہ ہے کہ اس طرح کی گفتگو کرنے والا اگرچہ بندہ ہے جس طرح کہ اکثر کے ہاں ظاہر ہے تو ضروری ہے کہ یہ قول رب تعالیٰ کی طرف سے حکایت کے طور پر ہو، کیونکہ بندہ رب نہیں ہو سکتا۔ لیکن اس قول کا کہنے والا حقیقت میں رب سبحانہ ہے اور درخت موسوی کی مانند زبان بندے کی ہے۔ پس اس صورت میں حلاج پر کوئی اعتراض نہیں اور نہ ہی بایزید پر کوئی اعتراض ہے، قدس اللہ تعالیٰ اسرار بہا۔ شیخ کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ بلاشبہ اگر وہ اس قول کو حکایت کے معنی پر محمول نہ کرتے تو اس سے حلول کے معنی سمجھے جاتے، جبکہ ایسا ہی نہیں۔ اس لیے کہ ممکن ہے کہ توحید کے غلبوں اور شہود کا نور چمکنے کے دوران حلول و اتحاد کے شائبہ کے بغیر ایک مشہود کے سوا ہر چیز پوشیدہ ہو جانے کے باعث ایسا ہوا ہو۔ اس طرح اَنَا الْحَقُّ کے قول کے معنی یہ ہوئے کہ ”میں کچھ نہیں ہوں اور موجود حق تعالیٰ ہے۔“ انہوں نے یہ نہیں کہا کہ میں حق تعالیٰ سے متحد ہوں یا میں حق تعالیٰ میں حلول کیے ہوئے ہوں۔ کیونکہ یہ کفر ہے اور توحید شہودی کے خلاف ہے۔ اس میں شہود صرف واحد احد کے سوا کچھ اور نہیں ہے اور حلول و اتحاد کی صورت میں مشہود متعدد ہو جاتے ہیں، خواہ وہ اتحاد اور حالات کی صفت ہی میں ہوں۔

شیخ کا یہ قول کہ ”ان میں بعض وہ لوگ ہیں جو اسی وہم یعنی حلول کی وجہ سے حسین عورتوں کی جانب نظر کرنا جائز جانتے ہیں۔“ شیخ اجلؒ کی اس بات پر تعجب ہے کہ انہوں نے اس طرح کی عبارات سے اتحاد و حلول سمجھا ہے، جبکہ ان اقوال سے جو چیز ذہن میں آتی ہے وہ ظہور ہے اور وہ حلول سے ماوراء ہے، کیونکہ حلول کسی چیز کا بنفسہ دوسری چیز میں داخل ہو جانا ہے، جس طرح کہ زید کا بنفسہ گھر میں داخل ہونا ہے۔ اور ظہور کا مطلب ہے کسی چیز کا عکس دوسری چیز میں موجود ہو، جیسا کہ زید کا عکس آئینے میں ہونا۔ پہلی بات (حلول) مرتبہ وجوب (حق تعالیٰ) میں محال ہے اور اس مرتبہ مقدسہ کے لیے نقص ہے۔ اور دوسری بات (ظہور) اپنے ثبوت کی وجہ سے جائز ہے اور اس کے حصول میں کوئی نقص نہیں۔ کیونکہ پہلی بات (حلول) سے تغیر لازم آتا ہے جو قدم کے منافی ہے اور دوسری بات (ظہور) سے یہ لازم نہیں آتا۔ جیسا کہ پوشیدہ نہیں ہے۔

اگر وجوبی کمالات امکانی عدم کے آئینوں میں ظاہر ہوں تو اس سے ان کمالات کا ان آئینوں میں حلول و تغیر اور انتقال، جو قدم کے منافی ہے، لازم نہیں آتا۔ اس لیے کہ یہ تو (حق تعالیٰ کے) کمالات کا ظہور اور اراءت (یعنی دکھاوا یا نمود) ہے، جس طرح کہ آئینے میں ہوتا ہے۔ لہذا امکانی آئینوں میں حق تعالیٰ کے کمالات کا شہود تجویز کرنا ان میں ان کمالات کے حلول کا تجویز کرنا نہیں ہے۔ بلکہ یہ آئینے میں کمالات کے ظہور کا تجویز کرنا ہے اور اس میں کوئی نقص نہیں ہے، خواہ اس طرح کے شہود کو جائز سمجھنے والا صاحبِ نقص اور راستے پر چلنے میں غیر مستقیم ہی ہو۔ مقصد یہ ہے کہ اس سے حلول کی تہمت دور ہو جائے، نہ کہ اس کا کمال ثابت ہو کہ وہ بھی کچھ ہے۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ اَعْلَمُ بِحَقَائِقِ الْاُمُوْر كُلِّهَا۔

یعنی: اور سب امور کے حقائق کو اللہ سبحانہ خوب جانتا ہے۔

مکتوب نمبر (۱۲۰)

میر منصور کو تحریر فرمایا، گوشہ نشینی کے اختیار کرنے کے بیان میں۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَىٰ. (سورۃ نمل، ۵۹)

یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے ان بندوں پر سلام ہو، جن کو اس نے منتخب فرمایا۔

میرے پیارے بھائی کے مکتوبات گرامی نے ایک دوسرے کے بعد پہنچ کر خوش وقت بنایا۔ اللہ سبحانہ کی حمد ہے کہ آپ بے مناسبتی کے اسباب کے باوجود فقراء کے ساتھ جو محبت و تعلق رکھتے تھے، اس میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی ہے اور اس کے منافی اور فتور کا سبب نہیں بنی، بلکہ اس نے اس تعلق کو قوت بخشی ہے۔ حضرت حق سبحانہ اس گروہ (صوفیہ) کی محبت میں استقامت کرامت فرمائے، کیونکہ یہ سعادت کا سرمایہ ہے:

اے شفقت کے نشان والے! اس فرصت میں گوشہ نشینی کے شوق سے مغلوب ہو کر گوشہ نشینی اختیار کر لی ہے اور جمعہ کے بغیر مسجد میں نہیں جاتا اور نماز پنجگانہ اسی گوشہ میں منعقد ہوتی ہے اور لوگوں سے ملاقات کا راستہ بند ہو چکا ہے۔ اکثر اوقات جمعیت کے ساتھ بسر ہو رہے ہیں اور عمر بھر کی آرزو گویا اب میسر آگئی ہے۔

حَمْدًا لِلَّهِ سُبْحَانَهُ عَلَىٰ ذَٰلِكَ. یعنی: اس پر اللہ سبحانہ کا شکر ہے۔

باقی ظاہری حالات بھی عافیت کے ساتھ ہیں اور سب فرزند اور متعلقین جمعیت کے ساتھ (زندگی) بسر کر رہے ہیں۔ جناب خواجہ عبداللہ ماہ مبارک رمضان سے پہلے دہلی تشریف لے گئے۔ اللہ سبحانہ کا شکر ہے کہ خواجہ (صاحب) نے اس آنے میں بہت فوائد حاصل کیے اور ورق (حال) کو کامل بدل لیا اور توحید کے غلبوں سے تنزیہ کے دریا میں غوطہ لگایا اور گہرائی کی طرف متوجہ ہیں اور ظاہر سے باطن، بلکہ باطنوں کے باطن کی جانب جا رہے ہیں۔ چونکہ حافظ بہاء الدین وہاں آرہے ہیں، باقی حالات کی تفصیل شاید وہ اس سے زیادہ مفصل بیان کریں گے۔

مکتوب نمبر (۱۲۱)

میرزا حسام الدین احمد کو تحریر فرمایا۔ اس مکتوب کی عبارات کے حل میں جو اسرار پر مشتمل ہے۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَىٰ. (سورۃ نمل، ۵۹)

یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے ان بندوں پر سلام ہو، جن کو اس نے منتخب فرمایا۔

جو گرامی نامہ آپ نے شفقت و مہربانی سے اس فقیر کے نام ارسال کیا تھا، (فقیر) اُس کے مطالعہ سے مشرف ہوا۔ لکھا گیا تھا کہ ایک عزیز نے اس مکتوب^(۱) کی عبارت پر، جو تم نے اجیر میں لکھا تھا، اعتراض کیے ہیں۔ اس کے حل میں کچھ لکھنا چاہیے۔ چونکہ بعض دوستوں نے اس (مکتوب) کے اشتباہ کے مقامات کی نشاندہی کی تھی، لہذا ان کے اندازے سے اس اشتباہ کے حل میں اللہ سبحانہ کی مدد سے چند مقدمات لکھے گئے ہیں۔ وَاللَّهُ سُبْحَانَهُ الْهَادِي إِلَىٰ سَبِيلِ الرَّشَادِ.

یعنی: اور اللہ سبحانہ ہی سیدھے راستے کی جانب رہنمائی کرنے والا ہے۔

میرے مخدوم مکرم! سیر مرادی اور سیر مریدی ایک ایسا امر ہے جو اس سیر کے صاحب کے وجدان سے تعلق رکھتا ہے اور یہ کسی ایسے امر کا التزام نہیں جو غیر سے تعلق رکھتا ہو۔ لہذا اس کے ثبوت میں حجت اور برہان طلب کرنے کی گنجائش نہیں۔ اس کے باوجود جس شخص کو حضرت حق سبحانہ نے قوتِ حدسیہ عطا کی ہے، اگر وہ اس صاحب سیر کے احوال و کیفیات کو خوب ملاحظہ کرے اور جن فیوض و برکات اور علوم و معارف الہی جل شانہ سے وہ ممتاز ہے، ان کو مشاہدہ کرے تو ممکن ہے کہ اس پر سیر مرادی کا حکم لگائے اور کسی دلیل کا محتاج نہ ہو، جیسا کہ وہ شخص جو اس قرب و بُعد اور مقابلہ و اجتماع کے ملاحظہ کے بعد، جو چاند کو سورج کے ساتھ حاصل ہے، حکم کرے کہ چاند کا نور سورج کے نور سے حاصل ہوا ہے۔ اگرچہ یہ چیز اربابِ حدس کے سوا کسی اور پر حجت نہیں ہے۔ نیز ہمارے حضرت خواجہ (باقی باللہ) قدس سرہ نے حال کے اوائل میں اس فقیر کی سیر کو سیر مرادی مقرر فرمایا تھا۔ شاید دوستوں نے بھی اس چیز کو ان سے سنا ہوگا اور (ہمارے حضرت خواجہ قدس سرہ) مثنوی کے ان اشعار کو (اس) فقیر کے حال کے مطابق سمجھتے ہوئے پڑھا کرتے تھے:

عشق معشوقاں نہاں است و سیر عشق عاشق باد و صد طبل و نفیر
لیک عشق عاشقاں تن زہ کند عشق معشوقاں خوش و فرہ کند^(۲)

یعنی: معشوقوں کا عشق پوشیدہ مخفی ہوتا ہے اور عاشق کا عشق دھوم دھام اور بانگِ دہل سے ہوتا ہے۔

♦ لیکن عاشقوں کا عشق تن کو لاغر کرتا ہے اور معشوقوں کا عشق بدن کو خوش اور موٹا کرتا ہے۔

مرادوں میں سے جو بھی واصل ہوا ہے وہ اجتناب (برگزیدہ حضرات) کے راستے پر چلا ہے۔ اجتناب (برگزیدہ حضرات) کا راستہ انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کے ساتھ مخصوص ہے۔ صاحب عوارف قدس سرہ نے مجذوب سالک اور سالک مجذوب کے بیان میں اس معنی کی وضاحت فرمائی ہے اور مریدوں کے راستے کو انابت کا راستہ اور مرادوں کے راستے کو اجتناب (برگزیدہ حضرات) کا راستہ کہا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اللّٰهُ يَجْتَبِيْ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَاءُ وَيَهْدِيْ اِلَيْهِ مَنْ يُنِيبُ. (سورۃ شوریٰ، ۱۳)

یعنی: اللہ جس کو چاہتا ہے اپنی بارگاہ کا برگزیدہ کر لیتا ہے اور جو اس کی طرف رجوع کرے اُسے اپنی طرف راستہ دکھا دیتا ہے۔

ہاں! اجتناب (برگزیدہ حضرات) کا راستہ بالاصالت انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کے ساتھ مخصوص ہے اور اُمتوں کو دوسرے کمالات کی مانند ان کی تبعیت (پیروی) کی وجہ سے حصہ نصیب ہے، نہ یہ کہ اجتناب (برگزیدہ حضرات) کا راستہ مطلق طور پر انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کے ساتھ مخصوص ہے اور اُمتوں کو اس سے ہرگز کوئی حصہ حاصل نہیں ہے، کیونکہ یہ بات غیر واقع ہے۔

میرے مخدوم! سالک کو (حضرت) خیر البشر علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کے واسطے اور حیلوت (پردہ) سے فیوض کا پہنچنا اس وقت تک ہے جب تک اس سالک محمدی مشرب کی حقیقت، حقیقت محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ منطبق نہیں ہوئی اور متحد نہیں ہوئی۔ جب کمالِ متابعت، بلکہ محض فضلِ الہی سے مقاماتِ عروج میں اس حقیقت کو اس حقیقت کے

ساتھ ایک اتحاد حاصل ہو گیا تو واسطہ اٹھ گیا، کیونکہ واسطہ اور حیولیت (پردہ) مغایرت میں ہے اور اتحاد میں توسط و متوسط اور حاجب و محبوب نہیں ہوتے۔ جہاں اتحاد ہے وہاں معاملہ شرکت کے ساتھ ہے، لیکن چونکہ سالک تابع والحاقی اور طفیلی ہے، لہذا یہ خادم کی مخدوم کے ساتھ شرکت کی قسم سے ہوگی۔

نیز ہم نے جو یہ کہا ہے کہ اس کی حقیقت کو آنسور علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی حقیقت کے ساتھ ایک انطباق اور اتحاد پیدا ہو جاتا ہے، اس کا بیان یہ ہے کہ حقیقت محمدی علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام سب حقائق کی جامع ہے اور اس کو حقیقت الحقائق کہتے ہیں اور دوسروں کے حقائق اس کے اجزاء کی مانند ہیں یا جزئیات کی طرح ہیں۔ کیونکہ اگر (سالک) محمدی المشرّب ہے تو سالک کی حقیقت اس کٹی کے لیے جزئی کی مانند ہے اور اس پر محمول ہے اور غیر محمدی المشرّب کی حقیقت اس کل کے لیے جزوی کی مانند ہے اور اس پر غیر محمول ہے۔ غیر محمدی المشرّب کی اس حقیقت کو اگر عروج میں اتحاد پیدا ہو جائے تو یہ اس پیغمبر کی حقیقت کے ساتھ ہوگا جس کے قدم پر وہ ہے اور اسی حقیقت پر محمول ہوگا اور اس کے کمالات مناسبت میں ایک شرکت پیدا کر لے گا، لیکن یہ خادم کی مخدوم کے ساتھ شرکت کی قسم سے ہوگی۔ جیسا کہ (پہلے) بیان ہوا ہے۔ جب اس جزئی کو کمال متابعت کے تعلق سے، بلکہ محض فضل الہی سے اپنے کلی کے ساتھ محبت خاص پیدا ہو جاتی ہے اور اس تک پہنچنے کا شوق اسے دامن گیر ہو جاتا ہے اور وہ قید جو کلی کو جزئی تک لائی تھی اللہ جل شانہ کے فضل سے زوال پذیر ہو جاتی ہے تو آہستہ آہستہ زوال کے بعد اس جزئی کو اس کلی کے ساتھ ایک انطباق و اتحاد حاصل ہو جاتا ہے۔

نیز ہم نے جو یہ کہا ہے کہ محبت خاص پیدا ہو جاتی ہے یہ اس طرح ہے کہ جس طرح محض فضل (الہی) سے اس فقیر کو پیدا ہو گئی تھی اور اس محبت کے غلبوں میں کہتا تھا کہ ”حضرت حق سبحانہ کے ساتھ میری محبت اس لیے ہے کہ حق تعالیٰ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رب ہے۔“ اور میاں شیخ تاج اور دوسرے دوست اس بات پر تعجب کرتے تھے۔ میرا خیال ہے کہ شاید آپ کو بھی یہ بات یاد ہوگی۔ جب تک اس قسم کی محبت پیدا نہ ہو جائے، الحاق اور اتحاد کس طرح متصور ہو سکتا ہے۔

ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ ط وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ. (سورة حدید، ۲۱)

یعنی: یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے عطا فرمائے۔ اور اللہ بڑے فضل کا مالک ہے۔

(فقیر) توسط اور عدم توسط کی حقیقت کو بیان کرتا ہے۔ خوب توجہ سے سماعت فرمائیں۔ جذبہ کے طریقے میں چونکہ مطلوب کی طرف سے کشش ہے اور اللہ جل شانہ کی عنایت طالب کے حال کی کفیل ہے، لہذا لازمی طور پر وہ واسطہ اور وسیلہ کو قبول نہیں کرتا اور سلوک کے طریقے میں انابت چونکہ طالب کی جانب سے ہے، لہذا ذرائع کے وجود سے چارہ نہیں ہے اور نفس جذبہ میں اگرچہ ذرائع کی ضرورت نہیں ہے، لیکن جذبہ کی تکمیل سلوک کے ساتھ وابستہ ہے، کیونکہ سلوک جس سے مراد شریعت کی بجا آوری (اور) توبہ و زہد وغیرہ ہے، اگر وہ جذبہ کے ساتھ شامل نہ ہو تو جذبہ نامکمل اور ابتر ہے۔ ہم نے بہت سارے ہندو اور ملحد دیکھے ہیں جو جذبہ رکھتے ہیں، چونکہ وہ صاحب شریعت علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت سے آراستہ نہیں ہوئے ہیں، لہذا خراب اور ابتر ہیں اور ان کو جذبہ کی صورت کے علاوہ کچھ نصیب نہیں ہے۔

سوال: جذبے کا حصول ایک قسم کی محبوبیت طلب کرتا ہے۔ اس طرح کفار جو کہ اللہ کے دشمن ہیں، ان کے لیے جذبہ

سے ایک حصہ کس طرح تجویز کیا جاسکتا ہے؟

جواب: ہو سکتا ہے کہ بعض کفار کے حقائق ایک طرح کی محبوبیت کے معنی رکھتے ہوں جو ان کے جذبہ کے حصول کا سبب بنی ہو اور چونکہ ان کو صاحب شریعت علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت سے آراستہ نہیں کیا گیا، لہذا وہ نقصان اٹھانے والے اور خوار رہے ہیں اور اس جذبہ نے سوائے حجت قائم کرنے کے ان کے لیے کچھ نہیں کیا، کیونکہ اس نے ان کی اس استعداد کی خبر دے دی ہے، جس کو وہ جہالت و دشمنی کی وجہ سے پوری طرح بروئے کار نہیں لاسکے۔ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللَّهُ وَلَكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ۔ (سورۃ نحل، ۳۳) یعنی: اور اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا، بلکہ وہ خود اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں۔

جذبہ کے طریقہ میں اگر صاحب شریعت علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کے توسط سے، جس سے مراد سلوک ہے، مطلوب تک پہنچنا میسر ہو جائے تو یہ کسی امر کے واسطے اور پردہ کے بغیر ہوگا۔ کہا گیا ہے: لَوْ دَلَّيْتُمْ بِدَلْوٍ لَوْ قَعْتُمْ عَلَى اللَّهِ۔ یعنی: اگر تم ڈول کو کنویں میں نیچے لٹکاتے ہی جاؤ تو وہ اللہ تعالیٰ تک پہنچ جائے گا۔ یعنی اگر تم حضرت حق سبحانہ کی طرف کھینچے جاؤ تو باطنوں کے باطن تک پہنچا دیے جاؤ گے تو یقیناً تمہارے اور حق جل و علا کے درمیان کوئی امر حائل اور پردہ نہیں ہوگا۔ شاید آپ کی یاد مبارک میں بھی یہ چیز باقی ہوگی کہ ہمارے حضرت خواجہ (باقی باللہ) قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ اس معیت کے راستے سے جو حق جل سلطانہ کو بندے کے ساتھ ہے، اگر وصول میسر ہو جائے تو یہ لازمی طور پر کسی امر کے توسط کے بغیر ہوگا کیونکہ یہ معیت کے مناسب ہے۔ اور اگر واسطہ ہے تو وہ اس تربیت کے سلسلے میں ہے، جس سے مراد سلوک ہے۔ اور معیت کا راستہ جذبہ کے راستوں میں سے ایک ہے اور حدیث علی صَاحِبِهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ الْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ^(۳) (یعنی: آدمی اس کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت کرتا ہے) بھی اس معنی کی تائید فرماتی ہے۔ کیونکہ جب آدمی کی اپنے محبوب کے ساتھ حب ثبوت کو پہنچ گئی تو واسطہ درمیان سے اٹھ گیا۔

غور سے سماعت فرمائیں۔ ہر ظل کے لیے اپنے اصل کی جانب ایک شاہراہ ہے اور ان کے درمیان کوئی چیز حائل نہیں ہے۔ اگر اللہ جل شانہ کی عنایت سے ایک ظل کو اپنے اصل کی طرف کوئی میلان پیدا ہو جائے اور اس کی جانب ایک کشش ظاہر ہو جائے اور صاحب شریعت علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کی بدولت اس ظل کو اس اصل کے ساتھ ایک وصول و الحاق حاصل ہو جائے تو بلاشبہ وہ کسی امر کے حائل ہونے کے بغیر ہوگا۔ چونکہ وہ اصل اللہ جل شانہ کے اسماء میں سے ایک اسم ہے، لہذا لازمی طور پر اسم اور اسم کے مستثنیٰ کے درمیان کوئی حائل نہیں ہوگا اور اس راستے سے ظل کا اپنے اصل الاصل، جو کہ اس اسم کا مستثنیٰ ہے، تک پہنچنا کسی امر کے توسط کے بغیر ہوگا۔ نیز اسی طرح جو شخص بے مثلی وصول کے ساتھ حضرت ذات تعالیٰ سے واصل ہے، اس کے حق میں کسی امر کا واسطہ اور حائل ہونا مفقود ہے۔ جب حضرت ذات سبحانہ کے وصول کی صورت میں صفات واجبی جل شانہ کی حیلولت اور حجابیت اٹھ جاتی ہے تو پھر غیر صفات کی حیلولت اور حجابیت کی کیا گنجائش ہو سکتی ہے۔

سوال: جب صفات واجبی جل شانہ کا حضرت ذات تعالیٰ سے جدا ہونا جائز نہیں ہے تو پھر واصل اور موصول الیہ کے درمیان سے صفات کی حیلولت (پردے) کے اٹھ جانے کا مطلب کیا ہے؟

جواب: جب سالک کو اپنے اصل کے ساتھ جو کہ اسمائے الہی میں سے ایک اسم ہے اور وہ سالک اس کا ظل ہے، وصول

اور تحقیق حاصل ہو جائے تو بلاشبہ اس کے اور حضرت ذات تعالیٰ کے درمیان کوئی واسطہ اور حیلوت (پردہ) نہیں ہوگا۔ جس طرح کہ اسم اور اس کے مُسَمًی کے درمیان کسی امر کا حائل ہونا ثابت نہیں ہے۔ لہذا نہ (حیلوت کا) اٹھنا لازم آتا ہے اور نہ جدا ہونا۔ جیسا کہ اس کی تحقیق حقیقت محمدی علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام اور سالک کی حقیقت کے درمیان اتحاد کے بیان میں اوپر گزر چکی ہے۔ اور اس کا تھوڑا سا بیان اپنی اصل سے وصول کے بیان میں بھی گزر چکا ہے۔

تنبیہ: اس عدم توسط سے جو کہ جذبہ کے طریقہ وغیرہ میں کہا گیا ہے، کوئی نادان خیال نہ کرے کہ حضرت خیر البشر علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کی کوئی ضرورت نہیں، خواہ یہ بعض لوگوں کی نسبت سے ہی ہو اور آپ علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت اور پیروی کی ضرورت نہ ہونے کا گمان بھی نہ کرے، کیونکہ یہ کفر والحاد اور بے دینی ہے اور آپ علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی شریعت حقہ کا انکار ہے۔ اور اوپر گزر چکا ہے کہ جذبہ سلوک کے واسطے کے بغیر، جس سے مراد شریعت علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی بجا آوری ہے، خراب اور نامکمل ہے اور عذاب ہے جو نعمت کی صورت میں ظاہر ہوا ہے اور اس نے نامکمل جذبہ کے صاحب پر حجت کو پورا کر دیا ہے۔ الغرض یہ کہ صحیح کشف اور واضح الہام سے بھی یہ چیز یقین تک پہنچ گئی ہے کہ اس راستے کے دقائق میں سے کوئی نکتہ اور اس گروہ (صوفیہ) کے معارف میں سے کوئی معرفت آپ علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کے واسطے کے بغیر میسر نہیں ہے اور منتہی کو بھی مبتدی اور متوسط کی مانند اس راستے کے فیوض و برکات آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی پیروی اور وسیلہ کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتے:

محال است سعدی کہ راہ صفا توں رفت جز در پئے مصطفیٰ (۴)

یعنی: سعدی محال ہے کہ (حضرت محمد) مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیروی کے بغیر راہ صفا طے کیا جاسکے۔

افلاطون نے اس صفائی کی نادانی کی وجہ سے، جو اس نے ریاضتوں اور مجاہدوں سے اپنے نفس کے اندر پائی تھی، خود کو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بعثت سے بے نیاز سمجھا اور کہا کہ: نَحْنُ قَوْمٌ مُّهْتَدُونَ لَا حَاجَةَ بِنَا إِلَیْ مَنْ یُّهْدِیْنَا۔

یعنی: ہم ایک مہذب قوم ہیں، لہذا ہمیں کسی تہذیب سکھانے والے کی ضرورت نہیں۔

وہ نہ سمجھا کہ جو صفائی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تسلیمات کی متابعت کے واسطے کے بغیر ریاضتوں سے اس نے حاصل کی ہے، اس کی حقیقت ایسے ہے جیسے سیاہ تانبے پر سونے کی ملمع سازی کی جائے یا زہر کو شکر میں لپیٹ دیا جائے۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تسلیمات کی متابعت ایسی دولت ہے جو تانبے کی حقیقت کو تبدیل کر کے اسے خالص سونا بنا ڈالتی ہے اور نفس کو امارگی سے اطمینان کی جانب لے آتی ہے۔ حکیم مطلق جل شانہ نے انبیاء علیہم کی بعثت اور ان کی شریعتوں کو (نفس) امارہ کو عاجز اور خراب کرنے کے لیے مقرر فرمایا ہے اور اس (نفس امارہ) کی خرابی، بلکہ اصلاح کو ان بزرگواروں علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تسلیمات کی متابعت کے سوا کسی اور چیز میں نہیں رکھا۔ اگر ان بزرگواروں علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تسلیمات کی متابعت کے بغیر ہزاروں ریاضتیں اور مجاہدے کیے جائیں تو بھی اس (نفس) کی امارگی میں بال برابر کمی نہیں آتی، بلکہ یہ اس کی سرکشی میں اضافہ کر دیتے ہیں:

ہر چہ گیرد علتی علت شود

ع

یعنی: بیمار جو کچھ لیتا ہے وہ بیماری بن جاتا ہے۔

اس کی ذاتی بیماری کا خاتمہ انبیاء علیہم الصلوٰات والتحیات کی شریعتوں سے وابستہ ہے۔

وَبَدْوُنْهِ خَرُطُ الْقَتَادِ۔ یعنی: اور اس کے بغیر بے فائدہ رنج اٹھانا ہے۔

جاننا چاہیے کہ جذبہ کو اگرچہ سلوک کے سوا چارہ نہیں ہے، خواہ جذبہ سلوک پر مقدم ہو یا مؤخر، لیکن فضیلت جذبہ کی تقدیم کو حاصل ہے، اس لیے کہ سلوک اس کا خادم ہے اور جذبہ کی تاخیر میں سلوک اس کا مخدوم ہے، کیونکہ سلوک کی بدولت اسے جذبہ میسر ہوا ہے۔ جذبہ کی تقدیم میں اس طرح نہیں ہے، کیونکہ وہ بالذات مطلوب اور مدعو ہے، لہذا یہ (صاحب جذبہ) مراد ہوا وہ (صاحب سلوک) مرید۔ مرادوں کے سردار اور محبوبوں کے رئیس (حضرت) محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہیں، کیونکہ اس دعوت سے مقصود ذاتی اور پہلے مدعو (بلائے ہوئے) آپ علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام ہی ہیں اور دوسروں کو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے طفیل طلب کیا گیا ہے، خواہ وہ مراد ہوں یا مرید ہوں۔ جیسا کہ وارد ہوا ہے:

لَوْلَا لَمَّْا خَلَقَ اللَّهُ الْخَلْقَ وَلَمَّْا أَظْهَرَ الرُّبُوبِيَّةَ۔^(۵)

یعنی: اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ خلقت کو پیدا نہ فرماتا اور اپنی ربوبیت کو ظاہر نہ کرتا۔

چونکہ دوسرے سب آپ علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل ہیں اور اس دعوت میں مقصود اعلیٰ آپ علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام ہیں، لہذا یقیناً سب آپ علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل و محتاج ہیں اور آپ علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام کے واسطے سے فیوض و برکات اخذ کرتے ہیں، اور اس معنی سے اگر سب کو آپ علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام کی آل کہیں تو (اس کی) گنجائش ہے، کیونکہ سب آپ علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام کے پیروکار ہیں اور آپ علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام کے واسطے کے بغیر کمال حاصل نہیں کر سکتے۔ جب ان سب کا وجود آپ علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام کے واسطے کے بغیر صورت پذیر نہیں ہو سکتا تو پھر دوسرے کمالات جو وجود کے تابع ہیں، وہ کس طرح آپ علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام کے وسیلہ کے بغیر صورت پذیر ہو سکتے ہیں۔ جی ہاں! سارے جہانوں کے پروردگار کا محبوب ایسا ہی ہونا چاہیے۔ غور سے سماعت فرمائیں کہ مشکوف ہوا ہے کہ آپ علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام کی محبوبیت واجب جل شانہ کی اس محبت کے ساتھ ثابت ہے جو شیون و اعتبارات کے ملاحظہ کے بغیر حق تعالیٰ کی ذات محض کے ساتھ تعلق رکھتی ہے اور حضرت حق تعالیٰ کی ذات اس محبت کی وجہ سے محبوب ہوئی ہے، بخلاف دوسروں کی محبوبیت کے کہ وہ اس محبت سے ثابت ہے جس کا تعلق شیون و اعتبارات سے ہے، یا اسماء و صفات سے متعلق ہے، یا اسماء و صفات کے ظلال سے درجات کے فرق سے تعلق رکھتی ہے:

فَإِنَّ فَضْلَ رَسُولِ اللَّهِ لَيْسَ لَهُ حَدٌّ فَيُعْرَبُ عَنْهُ نَاطِقٌ بِفَمٍ

یعنی: بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فضیلت کی کوئی حد نہیں ہے، زبان میں اس کے بیان کی طاقت کہاں

ہے۔

عَلَيْهِ وَعَلَى جَمِيعِ إِخْوَانِهِ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِينَ وَالْمَلَائِكَةِ الْمُقَرَّبِينَ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيمَاتُ وَالتَّحِيَّاتُ وَالْبَرَكَاتُ۔ یعنی: آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور تمام انبیاء اور مرسلین اور مقربین فرشتوں پر درود و سلام اور

تحتیات و برکات ہوں۔

اس مقام کی تحقیق یہ ہے کہ سرور کائنات علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کا واسطہ دو طرح سے ہو سکتا ہے۔ ایک یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سالک اور اس کے مطلوب کے درمیان حائل و حاجب ہوں اور دوسری صورت یہ ہے کہ سالک آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے طفیل اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی پیروی اور متابعت کے واسطے سے مطلوب سے واصل ہو۔ سلوک کے طریقہ میں حقیقت محمدی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تک پہنچنے سے پہلے دونوں طرح کا واسطہ ثابت ہے، بلکہ میرا خیال ہے کہ اس طریقہ میں شیوخ میں سے جو شخص درمیان آیا ہے وہ سالک کے شہود کا متوسط اور حاجب ہے۔ اگر آخر حال میں جذبہ اس کا تذکرہ نہ کرے اور معاملہ کو پردہ سے بے پردگی میں نہ لائے تو اس پر افسوس ہے۔ کیونکہ جذبہ کے طریقہ میں اور حقیقت الحقائق (حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تک پہنچنے کے بعد توسط دوسری وجہ سے ہے جو طفیل اور پیروی ہے، نہ کہ حیلوت و حجاب جو شہود و مشاہدہ اور اس طرح کی دوسری چیزوں کے لیے پردہ ہے۔ یہ بات ہرگز نہیں کہی جاسکتی کہ اس واسطے کے نہ ہونے کی وجہ سے اگرچہ ایک ہی معنی میں ہو، حضرت خاتمیت علیہ الصلوٰۃ والسلام والختیہ کی جناب پاک میں قصور لازم آتا ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ یہ واسطے کا نہ ہونا آئینہ علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کے کمال کو لازم کرتا ہے، نہ کہ قصور کو، کیونکہ قصور تو واسطہ کے وجود میں ہے۔ اس لیے کہ متبوع (جس کی پیروی کی جائے) کا کمال یہ ہے کہ اس کا تابع اس کے طفیل اور اس کی پیروی سے کمال کے سب درجات تک پہنچ جائے اور کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہ کرے۔ اور یہ معنی واسطہ کے نہ ہونے میں ثابت ہے، نہ کہ واسطہ کے ہونے میں۔ کیونکہ وہاں شہود بے پردہ ہے جو کمال کے درجات کی انتہا ہے اور یہاں وہ پردہ میں ہے۔ لہذا کمال واسطہ کے نہ ہونے میں ہے اور قصور واسطہ (کے ہونے) میں ہے۔ مخدوم کی شوکت و عظمت میں سے ہے کہ اس کا خادم کسی مقام میں بھی اس سے پیچھے نہ رہے اور اس کی پیروی سے ہمسروں کی دولت میں شریک ہو۔ یہی وجہ ہے کہ آنسور علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے: عَلَمَاءُ أُمَّتِي كَأَنْبِيَاءِ بَنِي إِسْرَآئِيلَ (۶)۔

یعنی: میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی مانند ہیں۔

آخرت کی رویت کسی امر کے واسطے اور حیلوت (پردہ) کے بغیر ہوگی۔ صحیح حدیث علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں آیا ہے کہ ”بندہ جب نماز میں داخل ہوتا ہے تو بندے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان جو پردہ ہے، وہ اٹھ جاتا ہے۔“ اسی وجہ سے نماز مومن کی معراج ہوئی اور اس سے بہت زیادہ حصہ منتہی واصل کو نصیب ہوا، کیونکہ پردے کا اٹھنا واصل منتہی کے ساتھ مخصوص ہے۔ پس واسطہ اور حیلوت (پردہ) کا اٹھنا ثابت ہو گیا۔ یہ معرفت اس فقیر کے معارف لدنیہ کے خواص میں سے ہے جس کو محض فضل و کرم سے (فقیر کو) عطا فرمایا گیا ہے اور اس کی حقیقت سے متحقق کیا گیا ہے:

من آں خاکم کہ ابرِ نو بہاری کند از لطف بر من قطرہ باری

یعنی: میں وہ خاک ہوں کہ نئی بہار کا بادل لطف و مہربانی سے مجھ پر قطرے برساتا ہے۔

کسی نے خوب کہا ہے:

اگر بادشاہ بر درِ پیر زن بیاید تو اے خواجہ سبقت مکن
یعنی: اگر بادشاہ بڑھیا کے دروازے پر آجائے تو اے خواجہ! تو حسد سے اپنی داڑھی مت نوچ۔

مشائخ طریقت قدس اسرار ہم آنسور علیہم وعلیہم الصلوٰات والتسلیمات کے توسط اور عدم توسط میں اختلاف رکھتے ہیں۔ ایک جماعت توسط کی جانب گئی ہے اور دوسرا گروہ عدم توسط کی طرف۔ ان میں سے کسی نے بھی توسط اور عدم توسط کی تحقیق نہیں کی ہے اور ان کے کمال اور قصور کے بارے میں کوئی بات نہیں کی۔ قریب ہے کہ علمائے ظاہر عدم توسط، جو ایمان کا کمال ہے، کو کفر سمجھیں اور اس کے قائل کو ناجحی سے گمراہ کہہ دیں اور توسط کو ایمان کے کمال میں سے خیال کریں اور اس کے قائل کو کامل تابعداروں میں سے سمجھیں۔ جبکہ عدم توسط کمال متابعت کی خبر دیتا ہے اور توسط قصور متابعت کو ظاہر کرتا ہے۔ جیسا کہ (اوپر) گزر چکا ہے۔ اس لیے کہ ان کا یہ کہنا حقیقتِ حال سے ناواقف ہونے کی بنا پر ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے: **بَلْ كَذَّبُوا بِمَا لَمْ يُحِيطُوا بِعِلْمِهِ وَلَمَّا يَأْتِهِمْ تَأْوِيلُهُ كَذَلِكَ كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ**۔ (سورۃ یونس، ۳۹) یعنی: حقیقت یہ ہے کہ جس چیز کے علم پر یہ قابو نہیں پاسکے اُس کو نادانی سے جھٹلادیا اور ابھی اس کی حقیقت ان پر کھلی نہیں ہے۔ اسی طرح جو لوگ ان سے پہلے تھے انہوں نے تکذیب کی تھی۔

میرے مخدوم! اولیٰی کہنے میں ظاہری پیر کا انکار نہیں ہے۔ کیونکہ اولیٰی وہ آدمی ہے جس کی تربیت میں روحانیوں کو ایک دخل ہو۔ حضرت خواجہ احرار قدس سرہ نے (اپنے) ظاہری پیر کے باوجود چونکہ حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ کی روحانیت سے ایک امداد پائی تھی، لہذا (خود کو) اولیٰی کہتے تھے۔ اسی طرح حضرت نقشبند قدس سرہ نے (اپنے) ظاہری پیر کے باوجود چونکہ حضرت خواجہ عبدالخالق (عجد وانی) قدس سرہ کی روحانیت سے امدادیں حاصل کی تھیں، (لہذا) اولیٰی تھے۔ خاص کر کے ایسا شخص جو اولیٰی ہونے کے باوجود (اپنے) ظاہری پیر کا اقرار بھی رکھتا ہے، اس کے ذمے زبردستی پیر کا انکار کرنا لگا دینا عجیب انصاف ہے؟

میرے مخدوم! لفظ عبدالباقی کی ترکیب سے مراد اضافی معنی ہے، نہ کہ علمی معنی۔ اگرچہ بلیغ وجوہات سے علمی معنی بھی اس سے ظاہر ہوتے ہیں۔ یعنی میرا پیر اگرچہ باقی کا بندہ ہے، لیکن میری تربیت کا متکفل (ذمہ دار) اللہ باقی ہے۔ یہاں کوئی تحریف ہے؟ اور کیا بے ادبی ہے؟ اللہ تعالیٰ انصاف (کی توفیق) عطا کرے۔

میرے مخدوم! جو قصور (لفظ) **سُبْحَانِي** جو کہ (حضرت) بایزید بسطامی قدس سرہ سے سکر کے غلبوں میں صادر ہوا ہے، کے معنی میں کہا جائے گا، اس سے لازم نہیں آتا کہ یہ قصور اس کے کہنے والے میں دائمی اور ہمیشہ کے لیے (وارد) ہو جائے اور دوسرے اس سے افضل ہو جائیں۔ کیونکہ اکثر معارف ایسے ہیں جو کسی وقت میں اس وقت کے حال کے تقاضا سے صادر ہوئے ہیں اور دوسرے وقت میں اللہ جل شانہ کی عنایت سے جب اس معرفت کا قصور ان کو معلوم ہو گیا ہے تو وہ ان سے گزر کر مقام فوق پر جا پہنچے ہیں۔

(سوال:) آپ کے مکتوب شریف میں لکھا تھا کہ اگر ارباب سکر اس طرح کی شط آئیں باتیں لکھیں تو (اس کی) گنجائش ہے، لیکن ارباب صحو سے ایسی باتوں کا اظہار بہت بعید ہے؟

(جواب:) میرے مخدوم! جس شخص نے اس قسم کی باتیں لکھی ہیں، اس کا منشا سکر ہے اور سکر کی آمیزش کے بغیر اس نے اس بارے میں قلم نہیں پکڑا۔ مختصر یہ کہ سکر کے بہت سے مراتب ہیں۔ اگرچہ سکر جس قدر زیادہ ہوگا، اتنا ہی شطح کا زیادہ غلبہ ہوگا۔ (بایزید) بسطامی کا سکر ہی چاہیے جس سے بے تحاشہ قولِ لَوَائِي اَرْفَعُ مِنْ لَوَاءِ مُحَمَّدٍ (یعنی: میرا جھنڈا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جھنڈے سے بلند ہے) صادر ہوتا ہے۔ لہذا جو شخص صحو رکھتا ہے، گمان نہ کریں اس کے ہمراہ سکر نہیں ہے، کیونکہ وہ عینِ تصور ہے۔ خالص صحو عوام کو نصیب ہے۔ جس شخص نے صحو کو ترجیح دی ہے، اس کی مراد صحو کا غلبہ ہے، نہ کہ صحو صرف۔ اسی طرح جو شخص سکر کو ترجیح دیتا ہے، اس کی مراد سکر کا غلبہ ہے، نہ کہ سکر خالص۔ کیونکہ وہ آفت ہے۔ (حضرت) جنید (بغدادی) قدس سرہ، جو اربابِ صحو کے سردار ہیں اور صحو کو سکر پر ترجیح دیتے ہیں، وہ اس قدر سکر آمیز عبارتیں رکھتے ہیں کہ (فقیر) ان کو شمار نہیں کر سکتا۔ (مثلاً انہوں نے کہا ہے): هُوَ الْعَارِفُ وَالْمَعْرُوفُ (یعنی: وہی عارف ہے اور وہی معروف ہے)۔ نیز انہوں نے فرمایا: لَوْنُ الْمَاءِ لَوْنُ اِنَائِهِ۔ (یعنی: پانی کا رنگ اس کے برتن کا رنگ ہے)۔ نیز فرمایا: اَلْمُحَدِّثُ اِذْ فُوِرَ بِالْفَدِيمِ لَمْ يَنْقُ لَهُ اَثَرٌ۔ (یعنی: حادث جب قدیم کے ساتھ مل جاتا ہے تو اس کا اپنا کوئی اثر باقی نہیں رہتا)۔

صاحبِ عوارف جو کہ اربابِ صحو کے کالمین میں سے ہیں، ان کی کتاب میں اس قدر سکر کے معارف ہیں کہ (فقیر) ان کی کیا تشریح کرے اور اس فقیر نے ایک ورق میں ان قدس سرہ کے بعض معارف سکر یہ جمع کیے ہیں۔ وہ سکر ہی کی باقیات میں سے ہیں کہ انہوں نے اسرار کا ظاہر کرنا جائز رکھا ہے اور سکر ہی ہے کہ وہ فخر و افتخار کرتے ہیں۔ اور یہ سکر ہی ہے کہ دوسروں پر اپنی برتری کا اظہار کیا جائے۔ اگر صحو خالص ہو تو وہاں اسرار کا ظاہر کرنا کفر ہوتا ہے اور خود کو دوسروں سے بہتر سمجھنا شرک ہے۔ صحو میں سکر کا بقیہ نمک کی مانند ہے جو طعام کی اصلاح کرنے والا ہے۔ اگر نمک نہ ہو تو کھانا بے فائدہ و بیکار ہوتا ہے:

گر عشق نبودے و غم عشق نبودے چندیں سخن نگر گو کہ گفتے کہ شنودے

یعنی: اگر عشق نہ ہوتا اور غم عشق نہ ہوتا تو اتنی عمدہ باتیں کون کہتا (اور) کون سنتا۔

صاحبِ عوارف قدس سرہ نے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ سے صادر ہونے والے اس قول: قَدَمِيْ هٰذِهِ عَلَى رَقِيَّةٍ كُلِّ وَلِيٍّ۔ (یعنی: میرا یہ قدم ہر ولی کی گردن پر ہے) کو سکر کے بقیہ پر ہی محمول کیا ہے۔ ان کی مراد اس قول کا قصور نہیں ہے، جیسا کہ وہم ہوتا ہے، کیونکہ قولِ مذکور ان کی عینِ تعریف ہے، بلکہ انہوں نے بیان واقع کیا ہے۔ یعنی اس قسم کی باتوں کا صادر ہونا جو فخر و افتخارات پر مبنی ہیں، سکر کے بقیہ کے بغیر ثابت نہیں ہے، کیونکہ صحو خالص میں اس طرح کی باتوں کا کرنا دشوار ہے۔ اس فقیر نے یہ سب دفاتر، جو اس بلند گروہ (صوفیہ) کے علوم و اسرار میں لکھے ہیں، بظاہر آپ کی خاطر شریف میں خیال گزرا ہوگا کہ فقیر نے صحو خالص کی رو سے سکر کی آمیزش کے بغیر لکھے ہیں۔ ایسا ہرگز نہیں! کیونکہ اس طرح یہ حرام و منکر اور فضول ہے اور باتیں بنانا ہے۔ باتیں بنانے والے جو صحو خالص سے متصف ہیں، وہ بہت ہیں، وہ اس طرح کی باتیں کیوں نہیں بناتے اور لوگوں کے دلوں کو بیقرار کیوں نہیں کرتے:

فریاد حافظ ایں ہمہ آخر بہر زہ نیست ہم قصہ غریب و حدیث عجیب ہست (۷)

یعنی: حافظ کی فریاد یہ سب کچھ بیہودہ نہیں ہے، عجیب و غریب کہانی اور زالی باتیں ہیں۔

میرے مخدوم! اس قسم کی باتیں، جو اسرار کے ظاہر کرنے پر مبنی ہیں اور ظاہر سے موڑی ہوئی ہیں، ہر وقت مشائخ طریقت قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم سے ظاہر ہوئی ہیں اور ان بزرگواروں کی دائمی عادت بنی ہیں۔ یہ ایسا معاملہ نہیں ہے جس کی ابتدا اس فقیر نے کی ہے اور اس کی اختراع کی ہے۔ لَيْسَ أَوَّلَ قَارِؤَرَةِ كُحْسِرَتْ فِي الْإِسْلَامِ۔
یعنی: یہ ایسا شیشہ نہیں ہے جو اسلام میں پہلی بار توڑا گیا۔

لہذا یہ سب شور و غل کیسا ہے؟ اگر کوئی لفظ صادر ہو گیا ہے، جس کا ظاہر شرعی علوم سے مطابقت نہیں رکھتا تو اس کو تھوڑی سی توجہ سے ظاہر سے موڑ کر (شریعت کے) مطابق کر لینا چاہیے اور ایک مسلمان پر تہمت نہیں لگانی چاہیے۔ فاحشہ کو رسوا کرنا اور فاسق کو ذلیل کرنا جب شریعت میں حرام اور منکر ہے تو ایک مسلمان کو محض شبہ کی بنا پر ذلیل کرنا کیسے مناسب ہے؟ اور شہر بہ شہر اس کی منادی کرنا کہاں کی دینداری ہے؟ مسلمانی اور مہربانی کا طریقہ تو یہ ہے کہ جس کلمہ کا ظاہر شرعی علوم کے خلاف ہے، اگر وہ ایک شخص سے صادر ہو جائے تو دیکھنا چاہیے کہ اس کا کہنے والا کون ہے؟ اگر وہ ملحد اور بے دین ہو تو اس کا رد کرنا چاہیے اور اس کی اصلاح کی کوشش نہیں کرنی چاہیے اور اگر اس کلمے کا کہنے والا مسلمانوں میں سے ہے اور اللہ اور رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر ایمان رکھتا ہے تو اس کی بات کی اصلاح میں کوشش کرنی چاہیے اور اس کے لیے صحیح معنی پیدا کرنا چاہیے اور اس کے کہنے والے سے اس کا حل طلب کرنا چاہیے۔ اگر وہ اس کے حل کرنے میں عاجز ہو جائے تو اس کو نصیحت کرنی چاہیے اور امر معروف اور نہی منکر نرمی سے کرنا بہتر ہے، کیونکہ یہ قبولیت کے نزدیک ہے۔ اگر مقصود تسلیم کرانا نہ ہو اور ذلیل کرنا مطلوب ہو تو پھر دوسرا معاملہ ہے۔ اللہ تعالیٰ توفیق بخشنے۔

زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ (آپ کے) مکتوب شریف سے مفہوم ہوتا ہے کہ اس عزیز سے فقیر کے مکتوب کو سننے کے بعد آپ کے خادموں میں بھی ایک اشتباہ اور انحراف طاری ہو گیا تھا، شاید یہ ایک عکس ہی ہو۔ لہذا ضروری تھا کہ آپ اشتباہ کے مقامات کو خود ہی حل کر دیتے اور اس فقیر پر نہ ڈالتے اور فتنہ کو ختم فرما دیتے۔ (فقیر) دوستوں سے کیا گلہ کرے جن میں سے بعض نے اشتباہ کے دفع کرنے کی قدرت رکھنے کے باوجود خود کو معاف رکھا اور خاموشی اختیار کی:

ع ماز یاراں چشم یاری داشتیم
یعنی: ہم دوستوں سے دوستی کی امید رکھتے تھے۔

رَبَّنَا آتِنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً وَهِيَ لَنَا مِنْ أَمْرِنَا رَشْدًا۔ (سورۃ کہف، ۱۰)

یعنی: اے ہمارے پروردگار! ہم پر اپنے ہاں سے رحمت نازل فرما اور ہمارے کام میں درستی (کے سامان) مہیا کر۔
وَالسَّلَامُ أَوَّلًا وَآخِرًا۔ یعنی: اور اول و آخر میں سلام ہو۔

مکتوب نمبر (۱۲۲)

مولانا حسن دہلوی کو تحریر فرمایا۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ. الْحَمْدُ لِلَّهِ وَسَلَامٌ عَلَى عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَى. (سورۃ نمل، ۵۹)

یعنی: شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔ سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اس

کے ان بندوں پر سلام ہو، جن کو اس نے منتخب فرمایا۔

حقیقتِ محمدی علیہ من الصلوٰات افضلہا ومن التسلیمات اکملہا، جو ظہورِ اوّل ہے اور حقیقتِ الحقائق ہے، اس معنی میں کہ دوسرے حقائق خواہ وہ انبیاء کرام کے حقائق ہوں یا ملائکہ عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے حقائق ہوں، سب اس کے ظلال کی مانند ہیں اور وہ حقائق کی اصل ہے۔ آپ علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُورِیْ۔^(۱) یعنی: سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرا نور پیدا کیا ہے۔

نیز آپ علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ خُلِفْتُ مِنْ نُورِ اللّٰهِ وَالْمُؤْمِنُونَ مِنْ نُورِیْ۔^(۲)

یعنی: میں اللہ تعالیٰ کے نور سے پیدا ہوا ہوں اور مومن میرے نور سے پیدا ہوئے ہیں۔

لہذا لازمی طور پر یہ حقیقت باقی سب حقائق اور حق جل و علا کے درمیان واسطہ ہے اور آپ علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کے واسطے کے بغیر کسی کو بھی مطلوب تک پہنچنا محال ہے۔ پس آپ علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام سب انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰات والتسلیمات کے نبی ہیں اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا بھیجنا سب جہانوں کے لیے رحمت ہے۔ اسی وجہ سے اولوالعزم انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات والتحیات باوجود اصالت کے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اتباع کے طالب ہیں اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی امت میں داخل ہونے کی آرزو رکھتے ہیں، جیسا کہ (حدیث میں) وارد ہوا ہے۔

سوال: وہ کونسا کمال ہے جو آپ علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی امت ہونے سے وابستہ ہے اور انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کو دولتِ نبوت کے باوجود میسر نہیں ہوا؟

جواب: یہ کمال اس حقیقتِ الحقائق سے وصول و اتحاد ہے جو جمعیت (پیروی) و وراثت سے وابستہ ہے، بلکہ حق تعالیٰ کے کمالِ فضل پر موقوف ہے، جو آپ علیہ علی اتباع الصلوٰۃ والسلام کے امتیوں میں سے خاص الخاص کو نصیب ہے۔ اور جب تک کوئی امتی نہ بنے، اس وقت تک وہ اس دولت تک نہیں پہنچ سکتا اور واسطہ کا حجاب دور نہیں ہو سکتا جو کہ اتحاد کے وسیلہ سے میسر ہے۔ شاید حق جل شانہ نے اسی لیے فرمایا ہے: کُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ۔ (سورۃ آل عمران، ۱۱۰)

یعنی: (مومنو!) تم سب سے بہتر امت ہو۔

پس آپ علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام جس طرح انبیائے کرام اور ملائکہ عظام علیہم الصلوٰات والتسلیمات کے ہر ایک فرد سے افضل ہیں، اسی طرح کل ہونے کی حیثیت میں کل سے افضل ہیں، کیونکہ اصل کو اپنی ظل پر فضیلت ہے، اگرچہ وہ ظل ہزاروں ظلال پر مشتمل ہو۔ اس لیے کہ حضرت جل شانہ (کی بارگاہ) سے فیوض کا پہنچنا اس (اصل) کے واسطے اور طفیل سے ہے۔

اس فقیر نے اپنے رسائل میں تحقیق کی ہے کہ اوپر کے نقطہ کو نیچے کے سب نقطوں پر، جو کہ اس کے ظلال کی مانند ہیں، فضیلت حاصل ہے اور عارف کا اس نقطہ فوق کو طے کرنا، جو اس کی اصل کی مانند ہے، ان سب نقطوں کے طے کرنے سے زیادہ درجہ رکھتا ہے، جو اس سے نیچے ہیں اور اس کے ظلال کی مانند ہیں۔

سوال: اس بیان سے اس امت کے خواص کی انبیاء علی نبیّنا وعلیہم الصلوٰات والتسلیمات پر فضیلت لازم آتی ہے؟

جواب: بالکل (کوئی فضیلت) لازم نہیں آتی۔ صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ اس امت کے خواص اس دولت میں انبیاء علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے ساتھ شریک ہیں۔ اس کے باوجود دوسرے کمالات بہت زیادہ ہیں، جن کی وجہ سے انبیاء علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کو برتری اور خصوصیت حاصل ہے۔ اس امت کا خاص الخاص اگر بہت ترقی کرے تو اس کا سر بھی اس نبی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے پاؤں (مبارک) تک نہیں پہنچ سکتا۔ جو پیغمبروں میں سب سے کم مرتبہ کے حامل ہیں، لہذا مساوات اور برتری کی گنجائش کیسے ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ (سورۃ صافات، ۱۷۱) یعنی: اور اپنے پیغام پہنچانے والے بندوں (علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات) سے ہمارا وعدہ ہو چکا ہے۔

اگر امتیوں میں سے کوئی فرد اپنے پیغمبر (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے طفیل اور پیروی سے بعض پیغمبروں سے بالا چلا جائے تو وہ خادمیت اور تابعداری کے طور پر ہوگا اور معلوم ہے کہ خادم کو اپنے مخدوم کے ہمسروں کے ساتھ خادمیت اور تابعداری کے سوا کیا نسبت ہو سکتی ہے، کیونکہ خادم اور طفیل ہر وقت طفیلی ہی ہوتا ہے۔ حقیقت محمدی علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام، جو کہ حقیقتہ الحقائق ہے، یہ اس فقیر پر آخر کار میں مراتبِ ظلال کے طے کرنے کے بعد منکشف ہوا ہے کہ وہ اس حب کا تعین اور ظہور ہے جو ظہورات کا مبداء اور مخلوقات کی تخلیق کا منشاء ہے۔ مشہور حدیثِ قدسی ہے کہ کُنْتُ كَنْزًا مَخْفِيًّا فَأَحْبَبْتُ أَنْ أُعْرَفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ لِأُعْرَفَ^(۳) یعنی: میں ایک پوشیدہ خزانہ تھا، میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں، پس میں نے مخلوق کو پیدا کیا۔ اس مخفی خزانہ سے پہلی چیز جو منصہ ظہور پر آئی، وہ حب (محبت) تھی۔ اگر یہ حب نہ ہوتی تو ایجاد (تخلیق) کا دروازہ نہ کھلتا اور عالم عدم میں مستقل طور پر اپنا ٹھکانا رکھتا۔ حدیثِ قدسی لَوْلَاكَ لَمَّا خَلَقْتُ إِلَّا فَلَآكَ^(۴) (اگر تو نہ ہوتا تو میں آسمانوں کو پیدا نہ کرتا) جو خاتم الرسل علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کی شان میں وارد ہے، اس کا راز اس جگہ تلاش کرنا چاہیے۔ اور لَوْلَاكَ لَمَّا أَظْهَرْتُ الرُّبُوبِيَّةَ (اگر تو نہ ہوتا تو میں ربوبیت کو ظاہر نہ کرتا) کی حقیقت اس مقام میں طلب کرنی چاہیے۔

سوال: صاحب فتوحات مکیہ نے تعینِ اول، جو حقیقتِ محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے، کو حضرت اجمال علم کہا ہے اور تم نے اپنے رسائل میں تعینِ اول، تعینِ وجودی کو کہا ہے اور اس کے مرکز کو، جو اس کے اجزاء سے اشرف و اسبق ہے، حقیقتِ محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) قرار دیا ہے اور تعینِ حضرت اجمال کو اس تعینِ وجودی کا ظل خیال کیا ہے اور تم یہاں لکھ رہے ہو کہ تعینِ اول، تعینِ جی ہے اور وہ حقیقتِ محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے۔ ان اقوال کے درمیان موافقت کی صورت کیا ہے؟

جواب: اکثر اوقات یوں ہوتا ہے کہ چیز کا ظل خود کو چیز کی اصل کے طور پر ظاہر کرتا ہے اور سالک کو اپنے ساتھ گرفتار کر لیتا ہے، لہذا وہ دونوں تعین، تعینِ اول کے ظلال ہیں جو عروج کے وقت میں عارف پر تعینِ اول کے اصل، جو کہ تعینِ جی ہے، کی مانند ظاہر ہوتے ہیں۔

سوال: تعینِ وجودی کو تعینِ جی کا ظل کہنا کس طرح درست ہو سکتا ہے؟ جبکہ وجود کو حب (محبت) پر سبقت حاصل ہے، کیونکہ حب وجود کی فرع ہے۔

جواب: اس فقیر نے اپنے رسائل میں تحقیق کی ہے کہ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ اپنی ذات سے موجود ہے، نہ کہ اپنے وجود سے۔ اسی طرح حق تعالیٰ کی صفات ثنائیہ (آٹھ صفات) واجب جل شانہ کی ذات سے موجود ہیں، نہ کہ وجود سے۔ کیونکہ وجود، بلکہ وجوب کو بھی اس مرتبہ میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اس لیے کہ وجوب اور وجود دونوں اعتبارات میں سے ہیں۔ عالم کی ایجاد کے لیے جو پہلا اعتبار پیدا ہوا وہ حب ہے۔ اس کے بعد وجود کا اعتبار ہے جو ایجاد کا مقدمہ ہے۔ کیونکہ حضرت حق سبحانہ کی ذات جل شانہ اس حب کے اعتبار کے بغیر اور اس وجود کے اعتبار کے بغیر عالم سے اور عالم کی ایجاد سے مستغنی ہے۔ نص قاطع ہے کہ: اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ. (سورۃ عنکبوت، ۶) یعنی: بیشک اللہ تو سارے جہانوں سے بے پروا ہے۔

تعیین علمی جملی کو ان دو تعین کا ظل کہنا اس اعتبار سے ہے کہ وہ دو تعین صفات کے ملاحظہ کے بغیر حضرت ذات تعالیٰ کے اعتبار سے ہیں اور اس تعین میں صفت ملحوظ ہے جو ذات عز شانہ کے لیے ظل کی مانند ہے۔

جاننا چاہیے کہ تعین اول میں، جو کہ تعین جی ہے، جب دقیق نظر کی جاتی ہے تو اللہ سبحانہ کے فضل سے معلوم ہوتا ہے کہ اس تعین کا مرکز حب ہے جو حقیقت محمدی علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام ہے اور اس کا محیط جو مثال کی صورت میں دائرہ کی مانند ہے اور وہ محیط اس مرکز کے لیے ظل کی طرح ہے۔ غلت ہے جو کہ حقیقت ابراہیمی علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام ہے۔ پس حب اصل ہوئی اور غلت اس کے لیے ظل کی مانند ہوئی اور یہ مرکز و محیط کا مجموعہ جو کہ ایک دائرہ ہے، تعین اول ہے اور یہ اس کے اشرف و اسبق اجزاء کے نام سے موسوم ہے جو مرکز ہے اور جس سے مراد حب ہے۔ نظر کشفی میں بھی اصالت کے اعتبار سے اور اس جزو کے غلبہ سے تعین جی ظاہر ہوتا ہے۔ چونکہ دائرہ کا محیط اس مرکز کے لیے ظل کی طرح ہے اور اسی سے پیدا ہوا ہے اور وہ مرکز اس کا اصل اور منشا ہے، لہذا اس محیط کو اگر تعین ثانی کہیں تو گنجائش ہے۔ لیکن کشفی نظر میں دو تعین نہیں ہیں، بلکہ ایک تعین ہے جو حب و غلت پر مشتمل ہے جو کہ ایک دائرہ کا مرکز و محیط ہیں۔ نظر کشفی میں تعین ثانی تعین وجودی ہے جو اس تعین اول کے لیے ظل کی مانند ہے، جیسا کہ (اوپر) گزرا ہے۔ چونکہ مرکز محیط کا اصل ہے، لہذا لازمی طور پر محیط کے لیے مطلوب تک پہنچنے میں مرکز کا واسطہ ضروری ہے، کیونکہ مطلوب تک پہنچنا مرکز ہی کے راستے سے ہے جو دائرہ کا اصل و جمال ہے۔ اس بیان سے حضرت حبیب اللہ علیہ وعلیٰ جمیع الانبیاء والمرسلین الصلوٰۃ والتسلیمات کے ساتھ حضرت خلیل علیہ وعلیٰ جمیع الانبیاء الصلوٰۃ والتحیات اتمہا واکملہا کی مناسبت و اتحاد کو معلوم کرنا چاہیے۔ چونکہ مطلوب کے ظل تک پہنچنے میں اصل واسطہ ہے، لہذا یقیناً حضرت خلیل اللہ علیہ وعلیٰ جمیع الانبیاء الصلوٰۃ والتحیات اتمہا واکملہا نے حضرت حبیب اللہ علیہ وعلیٰ جمیع الانبیاء الصلوٰۃ والتحیات اتمہا واکملہا کا واسطہ طلب کیا ہے اور اس کی آرزو فرمائی کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی امت میں داخل ہوں، جیسا کہ (حدیث میں) وارد ہوا ہے۔

سوال: جب معاملہ اس طرح ہے تو پھر حضرت حبیب اللہ علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کو حضرت خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کی ملت کی متابعت کا امر کرنا کس معنی میں ہے؟ اور آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات نے اپنے اوپر صلوٰۃ و سلام کے بیان میں کَمَا صَلَّيْتُ اور کَمَا سَلَّمْتُ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ کیوں فرمایا ہے؟

جواب: چیز کی حقیقت جس قدر زیادہ بلند ہوتی ہے اور تنزیہ کے زیادہ قریب ہوتی ہے، اسی قدر عالم عناصر میں اس حقیقت کا مظہر زیادہ پست ہوتا ہے اور بشری صفات سے زیادہ متعلق ہوتا ہے۔ لہذا اس مظہر کے عروج کے راستے سے اس حقیقت تک پہنچنا بہت دشوار ہوتا ہے اور جہولت حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو عطا ہوئی ہے، وہ حقیقت ابراہیمی تک پہنچنے کے لیے شاہراہ ہے جو حقیقت محمدی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پڑوس میں واقع ہوئی ہے، جیسا کہ (اوپر) گزرا ہے۔ اور حضرت ابراہیم (علیہ الصلوٰۃ والسلام) اسی راستے سے اس مقام میں پہنچے ہیں، اس وجہ سے حکم ہوا ہے کہ اس ملت کی متابعت کر کے حقیقت الحقائق تک وصول فرمائیں اور آنسور علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے کَمَا صَلَّيْتُ فرمایا ہے کہ آپ علیہ السلام پر صلوٰۃ ورحمت ہو اور یہ وصول حقیقت کی دولت کے بعد ہے۔ اس لیے ہم کہتے ہیں کہ کبھی یوں ہوتا ہے کہ افضل کو مفضول کی متابعت کا حکم کرتے ہیں اور متابعت کے اس حکم میں اس کی افضلیت میں کوئی قصور لازم نہیں آتا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی (کریم) علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کو فرمایا ہے کہ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ (سورۃ آل عمران، ۱۵۹) یعنی: اور اپنے کاموں میں ان سے مشورت لیا کریں۔

صحابہ (کرامؓ) سے مشورہ کرنے کا حکم ان کی متابعت کرنے کے حکم سے خالی نہیں ہے، ورنہ مشورہ کا کیا فائدہ ہے۔ جانا چاہیے کہ حضرت صدیق (رضی اللہ عنہ) کی حقیقت، یعنی اسمائے الہی جل شانہ میں سے ان کا رب، جو ان کا مبدأ تعین ہے، وہ کسی امر کے توسط کے بغیر حقیقت محمدی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا ظل ہے، اس طریقہ سے کہ جو کچھ اس حقیقت میں موجود ہے، وہ پیروی اور وراثت کے طور پر اس ظل میں بھی ثابت ہے۔ اسی وجہ سے آپ (حضرت صدیق) رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس امت کے وارثین میں سب سے اکمل و افضل قرار پائے ہیں۔ آنحضرت علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ: مَا صَبَّ اللَّهُ شَيْئًا فِي صَدْرِي إِلَّا وَقَدْ صَبَّبْتُهُ فِي صَدْرِ أَبِي بَكْرٍ (۵)۔

یعنی: جو کچھ اللہ تعالیٰ نے میرے سینے میں ڈالا ہے، وہ میں نے ابوبکر کے سینے میں ڈال دیا ہے۔ نیز واضح ہو گیا کہ حقیقت اسرافیلی علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام بھی وہی حقیقت محمدی علیہ علیہ وعلی جمیع اخوانہ الصلوٰۃ والسلام ہے، نہ کہ اصالت و ظلیت کے طریقہ پر جیسے کہ حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حقیقت اس حقیقت کا ظل ہے، بلکہ یہاں دونوں اصالت رکھتے ہیں، درمیان میں کوئی ظلیت حائل نہیں ہے۔ اگر فرق ہے تو وہ کلیت و جزئییت کا ہے، کیونکہ آنسور علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام مکمل ہیں۔ لہذا وہ حقیقت آپ علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کے نام (مبارک) سے موسوم ہے اور ملائکہ کرام علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کے حقائق اسی حقیقت اسرافیلی علی نبینا وعلیہ علی جمیع اخوانہ الکرام الصلوٰۃ والسلام سے پیدا ہیں۔

سوال: عارف کو اپنی حقیقت سے، جو کہ اسم الہی جل شانہ سے عبارت ہے، جو اس کا رب ہے، اس حقیقت تک پہنچنے کے بعد ترقی جائز ہے یا نہیں؟

جواب: اس حقیقت تک پہنچنا سلوک کے مراتب طے کرنے کے بعد، جس سے مراد سیر الی اللہ کی تکمیل ہے، دو قسم پر ہے۔ ایک قسم وہ ہے جس میں اس اسم کے ظلال میں سے ایک ظل تک پہنچنا ہے، جس نے خود مظاہر و جوبہ میں اپنی حقیقت

میں ظاہر کیا ہے اور اصل کے رنگ میں رونما ہو گیا ہے اور یہ اشتباہ اس راستے میں زیادہ ہے اور سالک کے لیے ایک اور عظیم گھاٹی ہے۔ لیکن محض فضل (الہی) سے اس گھاٹی سے نجات میسر ہوتی ہے۔ نیز شک نہیں ہے کہ اس حقیقتِ نماطل سے ترقی جائز ہے، بلکہ واقع ہے۔ اگر اپنے نفسِ حقیقت تک وصول واقع ہو گیا تو دوسرے کے طفیل اور پیروی کے بغیر اس سے ترقی کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ وہ حقیقت اس کی ذاتی استعداد کے مراتب کی نہایت ہے۔ لیکن اگر اس کو کسی کے طفیل دوسرے کی حقیقت تک، جو کہ اس کی حقیقت سے اوپر ہے، پہنچائیں تو جائز ہے، بلکہ واقع ہے۔ یہ سیر گویا سیرِ قسری (ذات سے خارج سیر) ہے جو سیرِ طبعی اور (سیر) استعدادی کے علاوہ ہے۔ جیسا کہ اس سے تھوڑا سا حقیقتِ محمدی علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کے وصول کے بیان میں پہلے مذکور ہو چکا ہے۔

سوال: حقیقتِ محمدی (علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام) جو حقیقتِ الحقائق ہے اور اس سے اوپر ممکنات کے حقائق میں سے کوئی حقیقت نہیں ہے، ترقی جائز ہے یا نہیں؟ اور تم نے اپنے رسائل میں لکھا ہے کہ حقیقتِ محمدی (علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام) سے ترقی واقع ہوئی۔ اس معاملے کی حقیقت کیا ہے؟

جواب: جائز نہیں ہے، کیونکہ اس مرتبہ سے اوپر مرتبہ لائقین ہے جس کے ساتھ متعین کا وصول اور الحاق محال ہے اور بے کیف وصول اور الحاق کہنا صرف ایک زبانی بات ہے جس سے حقیقتِ معاملہ تک پہنچنے سے پہلے تسلی کی جاتی ہے، لیکن معاملہ کی حقیقت تک پہنچنے کے بعد وصول اور الحاق کے نہ ہونے کا حکم لگانا لازم ہے، اس لیے کہ اس مقام میں شک کی کوئی آمیزش نہیں ہے۔ نیز میں نے جو لکھا ہے کہ ”حقیقتِ محمدی (علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام) سے ترقی واقع ہوئی“ اس حقیقت سے مراد اس حقیقت کا ظل تھا جو اجمالِ حضرت علم سے عبارت ہے اور جسے وحدت سے تعبیر کیا ہے۔ اس وقت (اس فقیر پر) ظل اپنی اصل کے ساتھ مشتبہ ہوا تھا۔ جب محض اللہ جل سلطانہ کے فضل سے اس ظل اور باقی دوسرے ظلال سے نجات میسر ہو گئی تو (فقیر نے) سمجھا کہ اس حقیقتِ الحقائق سے ترقی واقع نہیں ہے، بلکہ جائز نہیں ہے، کیونکہ وہاں سے قدم اٹھانا اور قدم آگے رکھنا وجوب میں رہنا ہے اور امکان سے باہر نکلنا ہے، جو عقلی اور شرعی طور پر محال ہے۔

سوال: اس تحقیق سے لازم آتا ہے کہ حضرت خاتم الرسل علیہ علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بھی اس حقیقت سے ترقی واقع نہیں ہوئی؟

جواب: آنحضرت علیہ علیہم الصلوٰۃ والسلام بھی علو شان اور جاہ و جلال کے باوجود ہمیشہ ممکن ہی ہیں اور ہرگز امکان سے باہر نہیں نکلیں گے اور وجوب کے ساتھ نہیں ملیں گے، کیونکہ (یہ امر) الوہیت کے ساتھ تحقیق ہونے کو لازم کرتا ہے۔ تَعَالٰی اللّٰہُ اَنْ یَّکُوْنَ لَهُ نِدْوٌ شَرِیْکٌ۔ یعنی: اللہ تعالیٰ اس سے بلند و برتر ہے کہ اس کا کوئی ہمسر اور شریک ہو۔
دُعَا مَا ادَّعَتْهُ النَّصَارَیْ فِیْ نَبِیِّہُمْ... الخ۔

یعنی: نصاریٰ نے اپنے نبی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے بارے میں جو دعویٰ کیا ہے، تم اس کو چھوڑ دو۔
سوال: پہلی تحقیق سے واضح ہوا کہ دوسروں کے لیے بھی آپ علیہ علیہم الصلوٰۃ والسلام والتسلیمات کے طفیل اور وراثت سے حقیقتِ الحقائق کے ساتھ ایک وصول و الحاق اور اتحاد ثابت ہے اور آپ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے خاص کمال میں (ان کی)

ایک شرکت موجود ہے۔ پس اس صورت میں متبوع و تابع اور اصلی و طفیلی کے درمیان اس کمال میں فرق، جو کہ حجاب کے اٹھنے اور واسطے کے رفع ہونے پر شامل ہے اور سب کمالات سے برتر ہے، وہ کیا ہے؟ اور متبوع اور اصل میں کوئی برتری ہے جو تابع اور طفیلی میں نہیں ہے؟

جواب: دوسروں کا اس حقیقت کے ساتھ وصول و الحاق اس قسم کا ہے جیسا کہ خادم کا مخدوم کے ساتھ ہے اور طفیلی کا اصل کے ساتھ وصول ہے۔ اگر واصل خاص الخاص میں سے ہے جو کہ انتہائی قلیل ہیں تو وہ بھی خادم ہی ہے اور اگر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام میں سے ہے تو بھی وہ طفیلی ہی ہے جو پس خوردہ کھانے والا ہے۔ اس کی مخدوم کے ساتھ کیسی شرکت ہو سکتی ہے؟ اور اس کی مخدوم کے مقابلے میں کوئی عزت و آبرو ہے؟ اور طفیلی اگرچہ ہم نشین اور ہم لقمہ ہے، لیکن طفیلی طفیلی ہی ہے جو خادم اپنے مخدوم کی پیروی سے عالی شان مقامات میں پہنچتے ہیں اور ان کے مخصوص کھانوں میں سے پس خوردہ کھاتے ہیں اور عزت و احترام حاصل کرتے ہیں، یہ سب مخدوم کی بزرگی کی بدولت ہے اور اس کی متابعت کی بلندی کی وجہ سے ہے۔ گویا کہ مخدوم کو اپنی ذاتی عزت کے باوجود ایک اور عزت خادموں کے الحاق کی وجہ سے حاصل ہو جاتی ہے اور ان کی شان اور زیادہ بلند ہو جاتی ہے۔ خوب غور سے سنیں کہ حدیث نبوی علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام میں آیا ہے کہ:

مَنْ سَنَّ سُنَّةَ حَسَنَةً فَلَهُ أَجْرُهَا وَأَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا. (۶)

یعنی: جس نے کوئی اچھا طریقہ جاری کیا اُس کے لیے اس کا اجر ہے اور اس شخص کا اجر بھی جس نے اس پر عمل کیا۔ پس سنتِ حسنہ (کے اجرا) میں متبوع کے جس قدر زیادہ پیروی کرنے والے ہوں گے تو اُس کے لیے ان کے اجر کی طرح اتنا ہی زیادہ اجر ہوگا اور یہ اس کی منزلت و مرتبہ کی زیادتی کا موجب ہوگا۔ پس تابعین کو اپنے متبوع سے کیا شرکت ہوگی اور کوئی مساوات کا وہم ہوگا۔ سنیں! (خوب غور سے) سنیں! جائز ہے کہ ایک جماعت ایک مقام میں ہو اور ایک ہی دولت میں شریک ہو۔ لیکن ان میں سے ہر ایک کے ساتھ الگ معاملہ ہو اور کسی ایک کو دوسرے کی اطلاع نہ ہو۔ ازواجِ مطہراتِ بہشت میں آنسور و علیہ علی اہل بیتہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ایک مقام میں ہوں گی اور ایک ہی کھانا اور مشروب تناول فرمائیں گے، لیکن جو معاملہ آنسور (علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام) کے ساتھ ہوگا، وہ ان کے ساتھ نہ ہوگا۔ اور جولذت و سرور آپ (علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام) کو حاصل ہوگا، وہ ان کو حاصل نہ ہوگا۔ اگر ان کو تمام امور میں آپ (علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام) کے ساتھ شرکت ہو تو آپ علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی طرح ان کی افضلیت بھی سب پر لازم آتی ہے، کیونکہ اس جگہ افضلیت کا مطلب اللہ تعالیٰ کے ہاں ثواب کی کثرت ہے۔

سوال: یہ تعین جی جو تعینِ اوّل ہے اور حقیقتِ محمدی علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام ہے، (یہ) ممکن ہے یا واجب؟ اور حادث ہے یا قدیم؟ صاحبِ فصوص نے تعینِ اوّل کو جو حقیقتِ محمدی علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کہا ہے اور اس کو وحدت سے تعبیر کیا ہے، نیز اسی طرح تعینِ ثانی کو جو وحدت کہا ہے اور اعیانِ ثابتہ جن کو حقائقِ ممکنات کہا ہے، (ان کو) اس مرتبہ میں ثابت کیا ہے اور وہ دونوں تعین کو تعینِ وجوبی کہتے ہیں اور قدیم سمجھتے ہیں۔ اور تین دوسرے تنزلات کو جو کہ روحی، مثالی اور جسدی ہیں، تعینِ امکانی تصور کرتے ہیں۔ اس مسئلہ میں تمہارا عقیدہ کیا ہے؟

جواب: اس فقیر کے نزدیک کوئی تعین اور کوئی متعین نہیں ہے۔ وہ کونسا تعین ہے جو لایعین کو متعین بنائے؟ یہ الفاظ حضرت شیخ محی الدین (ابن العربی) قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم اور ان کے تابعین کے ذوق کے مطابق ہیں۔ فقیر کی عبارت میں اگر کہیں اس قسم کے الفاظ آجائیں تو ان کو صنعت مشاکلہ کی قسم سے سمجھنا چاہیے۔ بہر حال ہم کہتے ہیں کہ وہ تعین، تعین امکانی ہے اور مخلوق اور حادث ہے۔ آپ علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ: **أَوَّلُ مَا خَلَقَ اللَّهُ نُورِي**۔^(۷) یعنی: اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے میرے نور کو پیدا کیا۔

دوسری حدیثوں میں اس نور کے پیدا ہونے کے وقت کا تعین بھی آیا ہے، جیسا کہ فرمایا کہ **قَبْلَ خَلْقِ السَّمَوَاتِ بِأَلْفِي عَامٍ**۔ یعنی: آسمانوں کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے۔

نیز اس روایت کی طرح دوسری روایات بھی آئی ہیں۔ اور جو کچھ مخلوق ہے اور عدم کے ساتھ مسبوق ہے، وہ ممکن اور حادث ہے۔ جب حقیقۃ الحقائق، جو سب سے پہلی حقیقت ہے، مخلوق ممکن ہوئی تو دوسروں کی حقیقتیں بطریق اولیٰ مخلوق ہوں گی اور وہ امکان و حدوث رکھتی ہوں گی۔ عجیب ہے کہ شیخ (محی الدین ابن العربی) قدس سرہ نے حقیقتِ محمدی (علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام) کو، بلکہ سب ممکنات کی حقیقتوں کو جو اعیان ثابتہ کہا ہے، وہ ان کے وجوب کا حکم کہاں سے کرتے ہیں؟ اور ان کو قدیم کیوں سمجھتے ہیں؟ اور نبی (کریم) علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کے قول کے خلاف کیسے التزام کرتے ہیں۔ ممکن اپنے اجزاء کے ساتھ ممکن ہے اور اپنی صورت و حقیقت سے بھی ممکن ہے۔ تعین و جوبی ممکن کی حقیقت کس طرح ہو سکتا ہے۔ ممکن کی حقیقت البتہ ممکن ہی ہونی چاہیے، کیونکہ ممکن کی واجب تعالیٰ کے ساتھ سوائے اس کے کوئی شرکت و مناسبت نہیں ہے کہ ممکن اس کی مخلوق ہے اور حق تعالیٰ اس کا خالق ہے۔ شیخ چونکہ واجب اور ممکن کے درمیان تمیز نہیں کرتے اور خود فرماتے ہیں کہ ”ان دونوں کے درمیان کوئی تمیز نہیں ہے، اگر کوئی واجب کو ممکن اور ممکن کو واجب کہے تو کوئی حرج نہیں۔“ اگر (حق تعالیٰ) ان کو معذور سمجھے اور معاف فرمادے تو اس کے کرم و عفو کا کمال ہے۔ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَسِينَا أَوْ أَخْطَاْنَا۔ (سورۃ بقرہ، ۲۸۶) یعنی: اے ہمارے پروردگار! اگر ہم سے بھول یا چوک ہوگئی ہو تو ہم سے مواخذہ نہ کرنا۔

سوال: تم نے اپنے رسائل میں واجب تعالیٰ اور ممکن کے درمیان اصالت و ظلیت کی نسبت ثابت کی ہے اور ممکن کو واجب تعالیٰ کا ظل کہا ہے اور واجب تعالیٰ کو اصالت کے لحاظ سے ممکن کی حقیقت کہا ہے جو اس کے ظل کی طرح ہے۔ نیز بہت سے معارف اس سے متعلق کیے ہیں۔ اگر اس اعتبار سے شیخ قدس سرہ بھی واجب تعالیٰ کو ممکن کی حقیقت کہتے ہیں تو اس سے کیا مشکل لازم آتی ہے اور کس لیے قابلِ ملامت ہے؟

جواب: اس طرح کے علوم جو واجب تعالیٰ اور ممکن کے درمیان کسی قسم کی نسبت ثابت کرتے ہیں اور شرع میں ان کا ثبوت وارد نہیں ہوا، یہ سب سکر یہ معارف میں سے ہیں اور معاملے کی حقیقت تک نہ پہنچنے کی وجہ سے ہیں:

ع ممکن چہ بود کہ ظل واجب باشد

یعنی: ممکن کی کیا حیثیت ہے کہ واجب تعالیٰ کا ظل ہو۔

اور یہ واجب تعالیٰ کا ظل کس طرح ہو سکتا ہے، کیونکہ ظل سے مثل کے پیدا ہونے کا وہم ہوتا ہے اور اصل میں کمال

اطافت کے نہ ہونے کا شبہ پیدا کرتا ہے۔ جبکہ (حضرت) محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا کمال لطافت کے سبب سایہ نہ تھا تو پھر (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے خدا کا ظل (سایہ) کس طرح ہوگا؟ خارج میں موجود بالذات اور بالاستقلال صرف حضرت ذات تعالیٰ ہے اور حق تعالیٰ و تقدس کی صفات ثنائیہ حقیقیہ (آٹھ حقیقی صفات) ہیں اور اس کے سوا جو کچھ ہے وہ حق تعالیٰ کی ایجاد سے موجود ہوا ہے اور وہ ممکن و مخلوق اور حادث ہے اور کوئی مخلوق اپنے خالق کا ظل نہیں ہے اور مخلوقیت کے علاوہ خالق تعالیٰ کے ساتھ کوئی نسبت سوائے اس نسبت کے جس کو شرع نے ثابت کیا ہو، نہیں رکھتا۔ عالم کی ظلیت کا یہ علم سا لک کو اس راستے میں بہت کام آتا ہے اور اسے کھینچ کھینچتے اصل تک لے جاتا ہے۔ جب (سا لک) کمال عنایت سے ظلال کی منزلوں کو طے کر کے اصل تک پہنچ جاتا ہے تو محض حق تعالیٰ کے فضل سے سمجھ جاتا ہے کہ یہ اصل بھی ظل کا حکم رکھتا ہے اور مطلوبیت کے شایانِ شان نہیں ہے، کیونکہ (یہ) امکان کے داغ سے داغدار ہے اور مطلوب ادراک کے احاطہ اور وصل و اتصال سے برتر ہے۔ رَبَّنَا اٰتِنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً وَهِيَ لَنَا مِنْ اَمْرِ نَا رَشْدًا۔ (سورۃ کہف، ۱۰)

یعنی: اے ہمارے پروردگار! ہم پر اپنے ہاں سے رحمت نازل فرما اور ہمارے کام میں درستی (کے سامان) مہیا کر۔

فصل

فضائل مآب، کمالات دستگاہ مولانا حسن کشمیری دہلوی حَسَنَ اللّٰهُ سُبْحَانَهُ اَحْوَالَهُ وَحَصَلَ اَمَالُهُ (اللہ سبحانہ ان کے احوال کو بھلا بنائے اور ان کی آرزوؤں کو پورا کرے) نے ایک رسالہ لکھ کر فقیر کو بھیجا تھا اور اس میں چند سوالات درج کر کے ان کا حل طلب کیا تھا چونکہ ان کا حل بعض اسرار کے اظہار پر مشتمل تھا، بعض دوسری رکاوٹوں کے پیش نظر بھی فقیر ان کے جواب کی جرأت نہیں کر رہا تھا اور اسے معرض التوا میں ڈال رہا تھا۔ چونکہ موصوف کا فقیر پر بہت بڑا حق ہے، کیونکہ ان کے حسن رہنمائی سے ہی (فقیر) ولایت پناہ، ابتدا میں انتہا کے درج ہونے کے طریقہ کے ہادی کے حضور کی دولت سے مشرف ہوا تھا اور اس طریقہ کے الفباء کا سبق ان سے اخذ کیا اور ان کی خدمت میں بے انداز فیوض و برکات سے مستفید ہوا۔ لہذا مجبوراً بعض سوالات کا حل جو اس رسالہ کے علوم کے مطابق ہے، اس رسالہ کے ذیل میں درج کیے ہیں۔

وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ الْهَادِيْ اِلَى سَبِيْلِ الرَّشَادِ۔ یعنی: اللہ سبحانہ ہی سیدھے راستے کی ہدایت دینے والا ہے۔

(سوال:) آپ نے پوچھا تھا کہ جب کمالات صوری و معنوی، ظاہری و باطنی، علمی و عملی اور دنیاوی و اخروی جو کچھ بنی نوع انسان میں ممکن ہیں، وہ تمام حضرت خیر البشر علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ والسلام اِلَى يَوْمِ الْحَشْرِ کو بالفعل حاصل و متمکن ہیں، جیسا کہ اس حدیث نفیس اور اس جیسی دوسری روایات سے سمجھا جاتا ہے کہ اَنَا سَيِّدُ اٰدَمَ وَلَا فَخْرَ۔^(۸)

یعنی: میں آدم کی اولاد کا سردار ہوں اور مجھے اس پر کوئی فخر ہے۔

نیز (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے) فرمایا ہے کہ اَدَمُ وَمَنْ ذُوْنَهُ تَحْتَ لَوَائِيْ۔^(۹)

یعنی: آدم اور ان کے علاوہ سب قیامت کے روز میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔

نیز (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے) فرمایا ہے کہ فَعَلِمْتُ عِلْمَ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ۔

یعنی: مجھے سب اولین و آخرین کا علم دیا گیا ہے۔

اور جو کچھ کسی چیز سے مشروط یا کسی وقت پر موقوف ہوگا، وہ بھی احسن وجوہ کے ساتھ جلوہ دکھائے گا، لہذا اس صورت میں آنسور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی غمگینی، جو دوام اور کثرت کے ساتھ موصوف اور معروف ہے، وہ کس لیے ہے؟ اور اس کا سبب کیا ہے؟ کیونکہ غم و دکھ کا سبب یقیناً ایسی چیز کے گم ہونے پر ہوتا ہے جس کو وہ چاہتا ہے۔

(جواب:) میرے مخدوم! جب حضرت محمد علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والتحیۃ کے جاہ و جلال پر نظر ڈالی جائے اور اللہ جل سلطانہ کی اس عنایت پر نظر ڈالی جائے جو کہ آپ علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کے نیک انجام کو شامل ہے تو حضرت خاتمیت علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام سے غم و دکھ کا بعید نظر آنا اور کمال کا گم ہونا مسلم اور مستحسن دکھائی دیتا ہے۔ اور جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی عبدیت و عبودیت اور عجز و بشریت پر نظر ڈالی جائے اور حق تعالیٰ کی عزت و جلال، عظمت و کبریائی اور استغنائے ذاتی کو ملاحظہ کیا جائے تو آنسور علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کے حق میں بھی حق تعالیٰ کے بے انتہا کمالات میں سے کسی کا گم ہونا اور غم کا حاصل ہونا کچھ بعید نہیں ہے، بلکہ بندگی کے حال کے شایانِ شان ہے۔ (آیت) کریمہ: وَلَا يُحِيطُونَ بِهِ عِلْمًا (یعنی: اور وہ اپنے علم سے اللہ کے علم پر احاطہ نہیں کر سکتے۔ سورۃ طہ، ۱۱۰) اور (آیت) کریمہ: لَا تَدْرِيهُ إِلَّا بَصَارُ (یعنی: وہ ایسا ہے کہ نگاہیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں۔ سورۃ انعام، ۱۰۳) دونوں اس معنی پر عادل گواہ ہیں اور سب کے حق میں فقدانِ ثابت کرتی ہیں۔ ہاں! ممکن جس قدر بلند درجات پر پہنچ جائے وہ واجب کی حقیقت کو کیسے پاسکتا ہے اور حادث قدیم سے کیا لے سکتا ہے اور متناہی غیر متناہی کا احاطہ کس طرح کر سکتا ہے؟

آپ نے جو یہ لکھا ہے کہ جو کمال بنی نوع انسان میں ممکن ہیں، وہ حضرت خاتمیت علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کو بالفعل حاصل ہیں۔ ہاں! کل پر کلی فضیلت آنسور علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مخصوص ہے۔ لیکن ایک کمال ہے جو جزئی فضیلت کی طرف راجع ہے۔ جائز ہے کہ وہ بعض انبیائے کرام اور ملائکہ عظام علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے ساتھ مخصوص ہو اور وہ آپ علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی کلی فضیلت میں کوئی کمی نہ کرے۔ صحیح احادیث میں آیا ہے کہ امتیوں کے افراد میں بعض ایسے کمالات ہیں کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام بھی ان پر رشک کرتے ہیں اور جبکہ امتوں کے سب افراد پر کلی فضیلت انبیاء (علیہم الصلوٰۃ والسلام) کو حاصل ہے۔ نیز حدیث میں آیا ہے کہ اللہ کے راستے میں شہید ہونے والے چند چیزوں میں انبیاء (علیہم الصلوٰۃ والسلام) پر فضیلت رکھتے ہیں۔ مثلاً شہداء کو غسل کی ضرورت نہیں اور انبیاء (علیہم الصلوٰۃ والسلام) کو غسل دینا چاہیے۔ اور شہداء کے لیے نماز جنازہ نہیں ہے، جیسا کہ امام شافعی کا مذہب ہے اور انبیاء (علیہم الصلوٰۃ والسلام) پر نماز جنازہ پڑھنی چاہیے۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے کہ تم شہداء کو مردہ مت سمجھو، کیونکہ وہ زندہ ہیں اور انبیاء (علیہم الصلوٰۃ والسلام) کو مردہ فرمایا ہے۔ یہ سب جزئی فضائل ہیں جو انبیاء (علیہم الصلوٰۃ والسلام) کی کلی فضیلت میں کوئی کمی پیدا نہیں کرتے۔ پس ہو سکتا ہے کہ ان جزئی فضائل میں سے بعض کے گم ہونے کی وجہ سے آنسور علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام پر ایک غم و دکھ طاری ہو، جو ان فضائل کی استعداد کے حاصل ہونے اور وہاں تک پہنچنے کا سبب بن جائے۔ مثلاً نبوت کے ساتھ درجہ شہادت جمع ہو جائے۔ اگر ہم یہ بھی تسلیم کر لیں کہ تمام افراد انسانی کے سب کمالات آنحضرت علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کو بالفعل حاصل ہیں تو ہم کہتے ہیں کہ چونکہ آنسور علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی ہمتِ عالی بلند واقع ہوئی ہے، لہذا ان کمالات

پر اکتفا نہیں فرماتے۔ هَلْ مِنْ مَّزِيدٍ (کچھ اور بھی ہے۔ سورۃ ق، ۳۰) کہتے ہوئے بلندی و برتری کا شوق (ظاہر) فرماتے ہیں اور چونکہ فوق کے کمالات کا حصول امکانِ بشری سے خارج ہے، لہذا لازمی طور پر دائمی غم اور دکھ کی کثرت شاملِ حال ہے۔ اس بحث کی تحقیق وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ اَعْلَمُ بِحَقِیْقَةِ الْحَالِ (اللہ سبحانہ ہی حقیقتِ حال کو خوب جانتا ہے) یہ ہے کہ طریقت و حقیقت میں اور قربت و معرفت میں سب کاموں کا دار و مدار فنا پر اور بشری صفات اور احکام امکان کے زائل ہو جانے پر ہے:

ہیچ کس را تا نگرود او فنا نیست رہ در بارگاہ کبریا (۱۰)

یعنی: کسی آدمی کو بھی، جب تک کہ وہ فنا نہ ہو جائے، باری تعالیٰ کی بارگاہ میں راستہ نہیں ملتا۔ جس قدر بشریت کی وجوہات باقی ہے، اسی قدر راستے کا حجاب ہے اور کل میں صفاتِ بشریت کا کلی طور پر اٹھ جانا ممکن نہیں ہے، خواہ وہ خواص ہوں اور خواہ خاص الخاص ہوں۔ شیخ عطارؒ فرماتے ہیں:

نئے بنی کہ شاہے چوں پیمبر نیافت او فقر کل تو رنج کم بر

یعنی: تو نہیں دیکھتا کہ پیغمبر جیسے بادشاہ نے بھی فقر کل نہیں پایا لہذا تو اس کا غم تھوڑا کر۔

فقر کل سے بشری صفات اور امکان کا کلی طور پر زوال چاہا گیا ہے، جس کا حاصل ہونا متصور نہیں ہے، کیونکہ اس سے حقائق کا بدل جانا لازم آتا ہے۔ اس لیے اگر ممکن ترقی کر کے اپنے امکان سے الگ ہو جائے تو یقیناً وہ واجب ہو جاتا ہے اور یہ عقلی اور شرعی طور پر محال ہے اور ایک بزرگ نے جو کہا ہے کہ:

چو ممکن گرد امکان بر فشانند بجز واجب درو چیزے نماوند

یعنی: جب ممکن امکان کی گرد کو جھاڑ دے تو اس میں واجب کے سوا کوئی چیز باقی نہیں رہتی۔

یہ تمثیل اور تشبیہ پر محمول ہے، نہ کہ تحقیق و تقریر پر محمول ہے، کیونکہ وہ غیر واقع ہے۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں:

سیہ روئی ز ممکن در دو عالم جدا ہرگز نشد واللہ اعلم

یعنی: ممکن سے سیاہ روئی دو جہاں میں ہرگز دور نہیں ہو سکتی اور اللہ ہی خوب جانتا ہے۔

سوال: امکان کے آثار اور احکام کا باقی رہنا قَابِ قَوْسَیْن کے مقام میں ظاہر ہے، کیونکہ وہاں قوسِ امکان اور قولِ وجوب برپا ہے، لیکن اَوَّاذْنِی کے مقام میں، جو کہ آنسور علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ بالاصالت مخصوص ہے، امکان کے احکام کا باقی رہنا کس طرح ہے؟

جواب: وجوب اور امکان کے درمیان جس چیز سے امتیاز ہو سکتا ہے، وہ عدم ہے جو امکان سے ایک طرف ہے، کیونکہ امکان کی دوسری طرف وجود ہے جو وجوب اور امکان کے درمیان قدر مشترک ہے اور یہ اَوَّاذْنِی (یا اس سے بھی کم۔ سورۃ نجم، ۹) کے مقام میں اس عدم کے احکام کو زوال پذیر کرتا ہے اور قوسین کے امتیاز کو زائل کر دیتا ہے۔ یہ نہیں ہے کہ امکان بالکل زائل ہو جاتا ہے اور وجوب کو بدل ڈالتا ہے، کیونکہ یہ محال ہے جیسا کہ (اوپر) گزرا ہے۔ صرف اس قدر ہے کہ یہ قَابِ قَوْسَیْن (دو کمان کے فاصلے پر۔ سورۃ نجم، ۹) کے مقام میں ظلمانی حجابات سے نہیں آتا، کیونکہ وہ عدم کے آثار میں

سے ہیں اور اُو اَذُنِی کے مقام میں اگر حجابات ہیں تو وہ نورانی ہیں اور یہ امکان کی طرف وجود کے راستے سے آئے ہیں۔ اور ان بزرگ کے شعر کے معنی کو، جو کہ اوپر گزرا ہے، ہم اسی توجیہ پر محمول کر سکتے ہیں اور امکان کی گرد کے جھاڑنے سے مراد عدم کے ان احکام کا زوال ہے جو کہ سراسر کدورت ہے۔

سوال: جب امکان کی طرف عدم زائل ہوگئی اور امکان وجوب کے درمیان جواستیاز کا سبب تھا، وہ دور ہو گیا اور وجود کے علاوہ جو امکان کی دوسری طرف ہے اور وجوب و امکان کے درمیان قدر مشترک ہے، وہ اس جگہ نہ رہا تو یہ بات درست ہوگئی کہ امکان اپنی حقیقت سے الگ ہو کر وجوب جو وجود صرف ہے، کے ساتھ ملحق ہو گیا اور حقیقت کی تبدیلی لازمی ہوگئی اور ان بزرگ کے شعر کے جو معنی (اوپر) بیان ہوئے ہیں کہ ”سوائے واجب کے اس میں کوئی چیز باقی نہیں رہتی“ حقیقت پر محمول ہو گئے۔

جواب: یہ وجود جو ممکن کی جانب میں ثابت ہے، اس وجود کا ظل ہے جو وجوب میں ثابت ہے، نہ کہ اس وجود کا عین۔ اور یہ وجوب جو عدم کی طرف کے زوال سے ممکن میں پیدا ہوا ہے، وجوب بالغیر ہے، جو ممکن کی ایک قسم ہے، نہ کہ وجوب بالذات، جس سے حقیقت کی تبدیلی لازم آئے۔ کیونکہ اس عدم کا رفع ہونا ممکن کی ذات کے راستے سے نہیں آیا ہے، تاکہ وہ واجب بالذات ہو جائے اور محال لازم آجائے، بلکہ ممکن میں اس عدم کا رفع ہونا حضرت واجب الوجود کے غلبہ کی بدولت ہے اور ممکن کی ذات پر حضرت وجوب تعالیٰ و تقدس کی حکومت کی وجہ سے ہے۔ اور جو مصرعہ پہلے آیا ہے اس سے وجوب کے بارے میں جو چیز اچانک ذہن میں آتی ہے، وہ وجوب ذاتی ہے، نہ کہ وجوب بالغیر۔ اور وجود کو وجوب اور امکان کے درمیان قدر مشترک کہنا لفظی اشتراک کی قسم میں سے ہے، نہ کہ معنوی لحاظ سے۔ اگرچہ اس کو کلی طور پر شک دار کہتے ہیں، کیونکہ ممکن کے وجود کو واجب تعالیٰ کے وجود کے ساتھ حقیقت میں کوئی شرکت حاصل نہیں ہے، تاکہ کلی وجہی کا ہونا متصور ہو۔

سوال: وہ فنا و بقا جو بلند صوفیہ نے کہی ہے اور اس سے مراد ولایت لی ہے، یہ کس معنی میں ہے؟ جب بشری صفات کا رفع ہونا متصور نہیں ہے تو فنا کی کیا گنجائش ہے؟

جواب: وہ فنا جو ولایت میں معتبر ہے، وہ شعور اور شہود کے اعتبار سے ہے، کیونکہ اس سے مراد حق سبحانہ کے ماسوا کا نسیان ہے، نہ کہ ماسوا کا رفع ہونا۔ مختصر یہ کہ اس فنا کا صاحب سکر کے غلبوں میں چیزوں کے عدم شعور کو چیزوں کا نہ ہونا خیال کرتا ہے اور اس کو ماسوا کا رفع ہونا سمجھتا ہے اور اس سے تسلی پاتا ہے۔ اور اگر محض فضل الہی سے اس کو ترقی دے کر صحو کی دولت سے مشرف فرمائیں اور صاحب تمیز بنائیں تو سمجھتا ہے کہ وہ فنا چیزوں کا نسیان تھا، نہ کہ چیزوں کا نہ ہونا۔ اور اگر اس نسیان سے کوئی شے زائل ہوگئی ہے تو وہ چیزوں کی گرفتاری ہی ہے جو ثابت و برقرار اور مذموم تھی، نہ کہ چیزوں کا نفس، کیونکہ چیزیں اسی صرافت پر قائم اور موجود ہیں اور اس کی نفی و اعدام سے ان کی نفی نہیں ہو سکتی:

ع سیاهی از حبشی کے رود کہ خود رنگ ست

یعنی: حبشی سے سیاہی کیسے دور ہو سکتی ہے کہ یہ خود اس کا رنگ ہے۔

جب فضل (الہی) سے یہ دید اور یہ تمیز حاصل ہوگئی تو وہ تسلی زائل ہوگئی اور اس کی جگہ غم و دکھ اور بے آرامی آ بیٹھی اور اس نے سمجھ لیا ہے کہ ”اس کی بود (ہونا) ایک ایسی بیماری ہے جو اس کی کوشش اور اہتمام سے نابود (معدوم) نہیں ہوتی اور یافت

(پانا) جو کہ مور کے دو پاؤں کی طرح ہمیشہ اس کے لیے اذیت کا سبب ہے، اسی طرح امکان کا نقص اور حدوث کا قصور بھی ہمیشہ اس کو اذیت دینے والا ہے۔

عجیب معاملہ ہے کہ عارف جس قدر بالاتر جاتا ہے اور جس قدر بیشتر ترقیاں اور عروج حاصل کرتا ہے، اُسی قدر یہ دید نقص اس میں اور زیادہ ہوتی جاتی ہے اور قصور بیشتر اس کی نظر میں آتا ہے اور اس کو بیقرار اور بے آرام بنا دیتا ہے۔ وہی رسی بٹنے والے کے شاگرد کا قصہ ہے، جس نے حیران ہو کر اپنے استاد سے کہا تھا کہ میں جس قدر کام زیادہ کرتا ہوں، اتنا زیادہ دور ہوتا جاتا ہوں۔ شاید اسی لیے آنسور علی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے، جیسا کہ (روایت) میں آیا ہے:

يَا لَيْتَ رَبُّ مُحَمَّدٍ لَمْ يَخْلُقْ مُحَمَّدًا.

یعنی: اے کا ش محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا رب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو پیدا نہ فرماتا۔

نیز آپ علیہ علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے: مَا أُؤْذَى نَبِيٌّ مِثْلَ مَا أُؤْذِيْتُ. ^(۱۱)

یعنی: جتنی اذیت مجھے پہنچی ہے، اتنی کسی نبی کو نہیں پہنچی۔

شاید اس اذیت سے مراد اُسی نقص و قصور کی دید کی اذیت ہو، جو غم و دکھ کے کمال کا موجب ہے، کیونکہ کہا جاسکتا ہے کہ دوسری اذیتیں دوسرے انبیاء علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کو بہت زیادہ پہنچی ہوں۔ حضرت نوح علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نو سو پچاس سال (اپنی) قوم کے درمیان رہے اور ان کو دعوت دیتے رہے اور طرح طرح کی اذیتیں برداشت کیں۔ نیز منقول ہے کہ آپ علیہ السلام کی قوم دعوت کے وقت آپ علیہ السلام پر اس قدر پتھر برسائی کہ آپ علیہ السلام سنگ باری کی کثرت سے بیہوش ہو کر تڑپنے لگتے اور گر پڑتے اور پتھروں کے نیچے دب جاتے تھے۔ جب ہوش میں آتے تو پھر دعوت فرماتے اور قوم آپ (علیہ السلام) کے ساتھ اسی قسم کے معاملے میں اضافہ کر دیتی۔ اِلٰی اَنْ يَّبْلُغَ الْكِتَابُ اَجَلَهُ. یعنی: یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا لکھا ہوا اپنے وقت تک پہنچ گیا۔

جاننا چاہیے کہ نقص و قصور کی یہ دید دوری کی وجہ سے نہیں ہے، بلکہ قرب و حضوری کے سبب سے ہے۔ کیونکہ صاف و نورانی محل میں تھوڑی سی کدورت بھی بہت زیادہ نظر آتی ہے اور بہت زیادہ کدورت بھی کدورت والی اور تاریک جگہ میں تھوڑی دکھائی دیتی ہے۔ یہ جو پہلے بیان ہوا ہے کہ قربت و معرفت کے معاملے کا مدافنا پر ہے، کیونکہ سالک جب تک خود سے فانی نہ ہو جائے اور اپنی بشریت اور امکان کی صفات سے بالکل باہر نہ نکل آئے (اس وقت تک) مطلوب تک نہیں پہنچ سکتا، کیونکہ اس کا مطلوب کے ساتھ جمع ہونا دو ضدوں کے جمع ہونے کی طرح ہے، کیونکہ امکان میں عدم کا ثبوت ضروری ہے اور وجوب میں عدم کا سلب ضروری ہے۔ اور جب تک (سالک) مطلوب تک نہ پہنچے، وہ مطلوب کے کمالات سے کیا حاصل کر سکتا ہے اور اس کے کمال کو اپنے کمالات جیسا سمجھنے کے علاوہ کیا سمجھ سکتا ہے، کیونکہ ”کسی چیز کا ادراک اس کی ضد اور غیر کے سوا نہیں کیا جاسکتا۔“ (یہ) ارباب معقول کا مقررہ اصول ہے۔ جو بچہ ابھی جماع کی لذت تک نہیں پہنچا ہے، اگر وہ جماع کی لذت کا کمال بیان کرے تو وہ اس کو میٹھا کہے گا نہ کڑوا۔ اور اس کی مٹھاس کو چینی کی مٹھاس کی طرح سمجھے گا، کیونکہ اس کے وجدان میں اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے اور یہ کمال اس (جماع) کا کمال نہیں ہے، بلکہ ایک ایسا کمال ہے جو ایک بچے کا بنایا ہوا اور ایجاد

کیا ہوا ہے جو حقیقت میں اس (بچے) کی جانب راجع ہے، نہ کہ اس (جماع) کی طرف۔ پس (سالک) جو کچھ مطلوب کے بارے میں اس کے آگاہ کرنے کے بغیر اپنی طرف سے کہے گا، وہ اس کا اپنا کہا ہوا ہوگا اور جو کچھ اس کی تعریف میں کہے گا، یہ اس کی اپنی ہی (بیان کردہ) تعریف ہوگی۔ اس مقام میں ایک عارف فرماتے ہیں کہ ”ہوسکتا ہے کہ اس (آیت) کریمہ: **وَأَنَّ مِّنْ شَيْءٍ إِلَّا يَسْبِغُ بِحَمْدِهِ** (اور مخلوقات میں سے کوئی چیز نہیں مگر اُس کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرتی ہے۔ بنی اسرائیل، ۴۴) میں **حَمْدِهِ** کی ضمیر چیز کی جانب راجع ہو۔ یعنی کوئی چیز تسبیح اور ستائش نہیں کرتی مگر خود اپنی۔ شاید اسی لیے (بایزید) بسطامی نے **سُبْحَانِي** کہا ہو، تاکہ تسبیح کا اعادہ ان کی اپنی طرف سے ہو۔ کسی (شاعر) نے خوب کہا ہے:

اے شدہ ہم در جمالِ خوشستن مے پرستی ہم خیالِ خوشستن
قسم خلاقاں ز اں جمال و ز اں کمال ہست گر برہم نہی مشیتِ خیال
گر ز معشوق خیالے در سرست نیست معشوق آں خیالِ دیگرست

یعنی: اے وہ شخص جو جمال میں محو ہو گیا ہے، بس تو اپنے خیال ہی کی پوجا کر رہا ہے۔

♦ اس جمال اور کمال کی جو اصلی صورت ہے، اُس کو مخلوق پاسکے، یہ تو وہم و خیال ہی ہے۔

♦ اگر تیرے سر میں اپنے معشوق کا خیال ہے تو وہ معشوق نہیں ہے، کوئی اور خیال ہے۔

صاحبِ فصوص فرماتے ہیں: **وَالْتَجَلَّى مِنَ الذَّاتِ لَا يَكُونُ إِلَّا بِصُورَةِ الْمُتَجَلَّى لَهُ فَالْمُتَجَلَّى لَهُ مَا رَأَى سِوَى صُورَتِهِ فِي مِرَاتِ الْحَقِّ وَمَا رَأَى الْحَقُّ وَلَا يُمْكِنُ أَنْ يَرَاهُ**۔

یعنی: اور تجلی ذات صرف متجلی لہ کی صورت میں ہوتی ہے، کیونکہ وہ حق کے آئینے میں اپنی صورت کو دیکھتا ہے، نہ کہ حق تعالیٰ کو اور یہ ممکن بھی نہیں کہ وہ اس کو دیکھ سکے۔

(اس عبارت میں) رویت کے عدم امکان کو مبالغہ کے طور پر کہا گیا ہے نہ کہ تحقیق کے طور پر۔ کیونکہ رویت دنیا میں جائز ہے اور آخرت میں واقع ہے اور چونکہ سالک کا کلی طور پر فانی ہونا ناممکن ہے اور مطلوب کا وصول اور اتصال اس کے بغیر ممنوع ہوا اور معرفت بغیر وصول کے صورت اختیار نہیں کرتی، لہذا مجبوراً معرفت سے عاجز ہونا لازم ہوا اور معرفت سے عاجز ہونا عین معرفت قرار پایا۔ کوئی یوں نہ کہے کہ معرفت سے عاجز ہونا معرفت کیسے ہوسکتی ہے، جو کہ معرفت کی ضد ہے، کیونکہ معرفت سے عاجز ہونا ہی معرفت ہے: **بِأَنَّهُ لَا يُعْرَفُ**۔ (وہ پہچانا نہیں جاسکتا)۔ (حضرت) صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے: **الْعَجْزُ عَنْ دَرَكِ الْأَدْرَاكِ إِدْرَاكٌ**۔ یعنی: ادراک کے پانے سے عاجز ہونا ہی ادراک ہے۔

فَسُبْحَانَ مَنْ لَّمْ يَجْعَلْ لِلْخَلْقِ إِلَيْهِ سَبِيلًا إِلَّا بِالْعَجْزِ عَنْ مَعْرِفَتِهِ۔

یعنی: پس پاک ہے وہ ذات جس نے اپنی معرفت سے عاجزی کے سوا خلقت کے لیے اپنی طرف کوئی راستہ نہیں بنایا۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں:

سبحانِ خالقِ کہ صفاتِ ز کبریا بر خاکِ عجزِ مے گلند عقلِ انبیاء

یعنی: پاک ہے وہ خالق جس کی اعلیٰ صفات کی کبریائی سے انبیاء کی عقل بھی عاجزی کی خاک پر گر پڑتی ہے۔

جب انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات صفات کبریا کی معرفت میں عاجز ہیں اور ملائکہ کرام علی نبینا وعلیہم الصلوٰات والتسلیمات کہیں کہ: سُبْحَنَكَ مَا عَرَفْنَاكَ حَقَّ مَعْرِفَتِكَ۔

یعنی: (اے اللہ!) تو پاک ہے اور ہم نے تجھے نہیں پہچانا جیسا کہ تجھے پہچاننے کا حق ہے۔

جب (حضرت) صدیق اکبر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)، جو خیر الامم کے رئیس اور سردار ہیں، اپنی عاجزی کا اعتراف کرتے ہیں تو پھر اور کون ہے جو معرفت کا دم مارے، مگر یہ کہ وہ اپنی انتہائی جہالت کو معرفت خیال کرے اور غیر حق کو حق سمجھے اور یہ معرفت سے عاجز ہونا عروج کے مراتب کی انتہا کی انتہا ہے اور قرب کے درجات کی انتہا کی انتہا ہے۔ اور (سالمک) جب تک آخری نقطے تک نہ پہنچ جائے اور تجلیات و ظہورات کے مراتب طے نہ کرے اور وصل و اتصال کو کہ جس پر وہ مدتوں سے خوش تھا، اس کو عین فصل و انفصال نہ جانے، اُس وقت تک وہ اس عجز کی دولت سے مشرف نہیں ہو سکتا اور خدا کی بے معرفتی سے نجات نہیں پاسکتا اور غیر حق اور حق میں تمیز نہیں کر سکتا۔

سوال: پھر حق جل شانہ کی معرفت کا وجوب کس معنی میں ہے؟

جواب: معرفت کا وجوب اس معنی میں ہے کہ واجب جل شانہ کی ذات و صفات کی معرفت میں جو کچھ شرع میں وارد ہوا ہے، اس کا پہچانا واجب ہے۔ اور جو معرفت شریعت کے بغیر حاصل ہوتی ہے، فقیر کے نزدیک اُس کو خدا کی معرفت کہنا جرات ہے۔ اور گمان و تخمینے سے حق پر حکم لگانا ہے: اتَّقُوا لَوْ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ۔ (سورۃ اعراف، ۲۸) یعنی: بھلا تم اللہ کی نسبت ایسی بات کیوں کہتے ہو جس کا تمہیں علم نہیں۔

شاید اسی وجہ سے سراج امت اور امام ائمہ امام اعظم کو فی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ سُبْحَنَكَ مَا عَبَدْنَاكَ حَقَّ عِبَادَتِكَ وَلَكِنْ عَرَفْنَاكَ حَقَّ مَعْرِفَتِكَ۔

یعنی: (اے اللہ!) تو پاک ہے، ہم نے تیری عبادت اُس طرح نہیں کی جیسا کہ تیری عبادت کا حق تھا۔ لیکن ہم نے تجھے پہچان لیا، جیسا کہ تجھے پہچاننے کا حق ہے۔

اگرچہ یہ قول اکثر لوگوں پر گراں گزرتا ہے، لیکن معقول توجیہ کے لائق ہے، کیونکہ معرفت کا حق یہ ہے کہ حق سبحانہ کو ان سب کمالات و تنزیہات اور تقدیسات وغیرہ کے ساتھ پہچانا جائے جن کو شریعت نے بیان کیا ہے، کیونکہ اس کے علاوہ کسی چیز کی معرفت نہیں رہتی جو حق معرفت کے مانع ہو۔

سوال: اس معرفت میں عوام اور خواص شرکت رکھتے ہیں، بلکہ مساوات رکھتے ہیں، اور لازم آتا ہے کہ عام مومنوں کی معرفت خواص انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کی معرفت جیسی ہو، کیونکہ معرفت کا حق سب کو حاصل ہے۔ یہ مسئلہ اس مسئلے کی مانند ہے جو حضرت امام اعظم (رحمۃ اللہ علیہ) نے فرمایا ہے کہ اَلَا يُؤْمِنُ لَا يَزِيدُ وَلَا يَنْقُصُ۔ (یعنی: ایمان نہ زیادہ ہوتا ہے اور نہ کم)۔ اور اسی جگہ کہا گیا ہے کہ اس عبارت سے لازم آتا ہے کہ عام مومنوں کا ایمان انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کے ایمان کی مانند ہے۔

جواب: اس قوی شبہ کا حل ایک نکتے پر مبنی ہے کہ اس فقیر کو محض فضل و کرم سے اس کی ہدایت عطا کی گئی ہے اور وہ نکتہ یہ

ہے کہ معرفت کا حق یہ ہے کہ ان شرعی معارف کی وجہ سے عارف کو معرفت سے محروم نصیب ہو جائے۔ مثلاً شریعت میں وارد ہوا ہے کہ واجبِ تعالیٰ کے لیے صفتِ علم ثابت ہے اور یہ علم واجبِ تعالیٰ کی ذات کی مانند بے مثل اور بے مثال ہے اور ہمارے ادراک کے احاطے سے باہر ہے۔ اگر (سالم) اس علم کو اپنے علم پر قیاس کر کے پہچانے تو اس نے نہیں پہچانا، بلکہ اس جگہ اس کی یہ (پہچان) اپنی بنائی ہوئی اور گھڑی ہوئی ہے، نہ کہ حق تعالیٰ کے علم کی وہ معرفت جو حق سبحانہ کے کمال کی صفت ہے۔ لہذا اس صورت میں جب نفس معرفت ہی حاصل نہیں تو پھر معرفت کا حق کیسے حاصل ہوگا۔ اور اگر اس کا معاملہ قیاس و تخمینہ سے نکل کر عجز میں آجائے اور (سالم) وجدان و حال سے یہ محسوس کرے کہ وہ اس کو نہیں پہچان سکتا اور سمجھے کہ اس صفتِ کمال کے ثبوت پر ایمان لانے کے سوا کچھ اور حاصل نہیں ہے تو اس وقت معرفت حاصل ہوگئی اور حق معرفت بھی حاصل ہو گیا۔ لہذا حقیقت میں اصل معرفت یہی حق معرفت ہے اور جو چیز حق معرفت نہیں ہے، وہ اصل معرفت بھی نہیں ہے۔ پس جب عوام کو حق معرفت میں خواص کے ساتھ شرکت ہی حاصل نہیں ہوئی تو پھر مساوات کی گنجائش کیسے ہو سکتی ہے۔

سوال: جب حق معرفت نفس معرفت ہے تو پھر چاہیے کہ عوام کو نفس معرفت بھی حاصل نہ ہو، کیونکہ ان کو حق معرفت

بھی (حاصل) نہیں۔

جواب: معرفت کی ایک صورت ہے اور ایک حقیقت ہے۔ وہ معرفت جو عین حق معرفت ہے، وہ معرفت کی حقیقت ہے جو کہ معرفت سے عجز پر وابستہ ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ وہ اس عجز کی حد تک نہ پہنچے اور امکان کی صفات کے قیاس کرنے کی آمیزش سے رہا نہ ہو، جیسا کہ (اوپر) گزرا ہے۔ یہ کمالِ فضل میں سے ہے کہ معرفت کی صورت کو بھی نفسِ ایمان میں اعتبار کیا ہے اور نجات کو اس سے وابستہ بنایا ہے۔ جیسا کہ صورتِ ایمان کو بھی معتبر رکھا گیا ہے اور جنت میں داخل ہونا اس پر مترتب کیا ہے۔ صورتِ ایمان میں صورتِ معرفت کافی ہے اور حقیقتِ ایمان میں حقیقتِ معرفت کے سوا چارہ نہیں ہے۔ لہذا اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ ایمان کے بھی دو فرد ہیں، صورت اور حقیقت۔ اور جو چیز عوام کا نصیب ہے وہ صورت ہے اور جو چیز خواص کو عطا ہوئی ہے، وہ حقیقت ہے۔ پس عوام کا ایمان انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کے ایمان کی طرح نہ ہوا جو کہ خاص الخاص ہیں۔ کیونکہ وہ ایمان اور ہے اور یہ ایمان اور ہے۔ اور یہ (دونوں) ایک دوسرے کے ساتھ مماثلت نہیں رکھتے۔ ایمان کی حقیقت میں چونکہ معرفت کا عجز حاصل ہے اور بَائِئَہ لَا یُعْرِفُ (وہ نہیں پہچانا جاتا) کی معرفت موجود ہے، لہذا یقیناً زیادتی اور نقصان وہاں مفقود ہے، کیونکہ سلبِ معرفت کی معرفت میں درجات کے فرق کا احتمال نہیں ہے، اور ثابت ہے کہ وہاں درجات کا فرق ہے۔ لہذا ایمان کی حقیقت میں زیادتی اور نقصان کا احتمال نہیں ہے۔

وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ اَعْلَمُ بِحَقِیْقَةِ الْحَالِ۔ یعنی: اور اللہ سبحانہ ہی حقیقتِ حال کو خوب جانتا ہے۔

سوال: اس تقریر سے لازم آتا ہے کہ بلند صوفیہ کے کشفی علوم و معارف اعتبار کے مقام سے ساقط ہیں اور حقِ جل و علا کی معرفت کا ان سے کوئی تعلق نہیں ہے، کیونکہ معرفت کا حق شرعی علوم و معارف سے حاصل ہوا اور کوئی ایسی معرفت نہ رہی جس کو صوفیہ تلاش سے حاصل کریں۔ لہذا حقِ جل شائے کی معرفت میں صوفیہ کے لیے علماء پر کوئی برتری ثابت نہ ہوئی۔

جواب: صوفیہ کے کشفی علوم و معارف اس عجز کے لیے وسائل ہیں جو کہ صوفیہ میں سے منتهی حضرات کو ان کی انتہا کی انتہا

میں میسر ہوتا ہے اور یہ بزرگوار ان کشفی معارف کے زینوں سے اس عجز کی دولت سے مشرف ہوتے ہیں، لہذا ان بزرگزیہ حضرات کے معارف معتبر ہیں جو کہ حق معرفت کے حاصل کرنے کا وسیلہ ہیں اور ایمان حقیقی تک پہنچنے کا ذریعہ ہیں۔

سوال: جب معرفت سے عجز ثابت ہوا اور کمال عجز میں منحصر ہوا تو پھر بلند صوفیہ نے جو تین طرح کے مراتب کا اعتبار کیا ہے، وہ کس معنی میں ہے؟ اور علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین سے کیا مراد ہے؟

جواب: اس فقیر کو اس مسئلہ میں صوفیہ کے ساتھ اختلاف ہے۔ ان بزرگواروں نے ان تین طرح کے مراتب کا حق جل و علا کی ذات کی نسبت سے اعتبار کیا ہے اور علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین کو حضرت جل سلطانہ کی بارگاہ میں ثابت کیا ہے۔ وہ اس کی مثال آگ کے اس علم سے لائے ہیں جو دھوئیں کے استدلال سے حاصل ہوتا ہے اور انہوں نے اس کو آگ کی نسبت سے علم الیقین کہا ہے اور آگ کے دیکھنے کو عین الیقین تصور کیا ہے اور آگ سے متصف ہونے کو حق الیقین کہا ہے۔ یہ فقیر ان تین طرح کے مراتب کو ان نشانیوں میں نیچے لایا ہے جو کہ حضرت واجب جل سلطانہ کی ذات پر دلالت کرتی ہیں اور علم، عین اور حق کو دلالت کرنے والے نشانات کہا ہے، نہ کہ مدلول (یعنی حق جل و علا)، کیونکہ وہ علم، عین اور حق سب سے برتر ہے اور مثال میں علم، عین اور حق کو دھوئیں کی نسبت جانا ہے، نہ کہ آگ کی نسبت۔ کیونکہ اگر دھوئیں کا علم استدلال سے حاصل ہوا ہے تو علم الیقین دھوئیں کی نسبت سے ہے جو آگ کو لازم کرتا ہے۔ اور اگر دھوئیں کو دیکھا ہے اور وہاں سے آگ کے وجود پر استدلال کیا ہے تو وہ دھوئیں کی نسبت سے عین الیقین ہے۔ اور اگر وہ دھوئیں سے متصف ہو گیا ہے اور وہاں سے آگ کے وجود کا استدلال کیا ہے تو وہ دھوئیں کی نسبت سے حق الیقین ہے اور یہ استدلال پہلے استدلال سے زیادہ کامل ہے، اس لیے کہ وہ استدلال آفاق سے ہے اور یہ استدلال انفس سے ہے جو کہ دھوئیں سے متصف ہوا ہے۔ نیز اسی طرح عین الیقین میں دھواں ایک واسطہ ہے اور حق الیقین میں واسطہ نہیں ہے، بلکہ وہی نسبت جو دھوئیں کو آگ سے ثابت ہے، اس کو بھی وہی نسبت حاصل ہو جاتی ہے اور وہ قرب کے ان اعلیٰ درجات تک جا پہنچتا ہے جو علم، یقین اور حق سے ماوراء ہے۔ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ جب واسطہ اٹھ گیا تو وہ رویت ثابت ہو گئی جو کہ حق الیقین ہے۔ کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ واسطے کا اٹھ جانا رویت کے ثبوت میں کفایت نہیں کرتا، کئی دوسری چیزیں درکار ہیں جن کا وجود مفقود ہے۔ جب یقین کے سب مراتب آیات (دلائل) کی جانب راجع ہو گئے اور کوئی ایسی معرفت نہ رہی جو مدلول کی طرف راجع ہو تو مدلول کی معرفت میں عجز لازم ہو گیا اور سلب معرفت کے سوا وہاں کوئی معرفت ثابت نہ ہوئی اور اگر یقین کے ان تین طرح کے مراتب کو آیات (دلائل) کی جانب راجع نہ کیا جائے اور مدلول کی طرف راجع ہوں تو پھر معرفت سے عجز کی صورت کیا ہوگی اور سلب معرفت کے کیا معنی ہوں گے۔

مکتوب نمبر (۱۲۳)

نور محمد تہاری کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ جو راستے جناب قدس کی طرف پہنچانے والے ہیں، وہ دو ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ. الْحَمْدُ لِلَّهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَىٰ. (سورۃ نمل، ۵۹)

یعنی: شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔ سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اس

کے ان بندوں پر سلام ہو، جن کو اس نے منتخب فرمایا۔

وہ راستے جو جنابِ قدس کی طرف پہنچانے والے ہیں، دو ہیں۔ ایک راستہ وہ ہے جو قربِ نبوت علیٰ ابراہیم الصلوٰۃ والسلام سے تعلق رکھتا ہے اور اصل الاصل تک پہنچانے والا ہے۔ اس راستے کے بالا صالت واصل انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات اور ان کے صحابہؓ ہیں اور باقی امتوں میں سے جس کو چاہتے ہیں اس دولت سے نوازتے ہیں، اگرچہ وہ کم ہیں، بلکہ بہت ہی کم ہیں۔ اس راستے میں واسطہ اور حیلولت (پردہ) نہیں ہے۔ جو شخص بھی ان واصلین سے فیض حاصل کرتا ہے، وہ کسی واسطے کے بغیر اصل سے حاصل کرتا ہے اور کوئی بھی ایک دوسرے کے لیے حائل نہیں ہوتا۔ دوسرا راستہ وہ ہے جو قربِ ولایت سے تعلق رکھتا ہے۔ اقطاب و اوتاد، ابدال و نجباء اور عام اولیاء اللہ اسی راستے سے واصل ہیں اور راہِ سلوک سے مراد یہی راستہ ہے، بلکہ متعارف جذبہ بھی اسی میں داخل ہے اور اس راستے میں واسطہ اور حیلولت (پردہ) ثابت ہے۔ اس راستے کے واصلین کے پیشوا اور اس گروہ کے سردار اور ان بزرگواروں کے فیض کا سرچشمہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم ہیں اور یہ عظیم الشان منصب آپ کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ اس مقام میں گویا آنسور علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کے ہر دو قدم مبارک آپ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے سر مبارک پر ہیں۔ حضرت فاطمہ اور حضراتِ حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس مقام میں آپ (کرم اللہ تعالیٰ وجہہ) کے ساتھ شریک ہیں۔ میں یہ خیال کرتا ہوں کہ حضرت امیر (علی کرم اللہ وجہہ) وجودِ غرضی (پیدائش) سے پہلے بھی اس مقام کے بجا و ماویٰ رہے ہیں، جیسا کہ وجودِ غرضی کے بعد۔ اور جس شخص کو اس راستے سے فیض و ہدایت پہنچتی ہے، آپؑ کے واسطے سے پہنچتی ہے، کیونکہ آپؑ اس راستے کی انتہا کے نقطہ کے نزدیک ہیں اور اس مقام کا مرکز آپؑ سے تعلق رکھتا ہے۔ جب حضرت امیر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کا دور ختم ہو گیا تو یہ منصب بالترتیب حضراتِ حسنین (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کے سپرد (اور ان کے لیے) مسلم (ثابت) ہو گیا۔ ان کے بعد یہی منصب بارہ اماموں (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) میں سے ہر ایک کے لیے بالترتیب و تفصیل مقرر ہوا اور ان بزرگواروں کے زمانے میں اور اسی طرح ان (بزرگواروں) کے وصال کے بعد بھی جس کسی کو فیض و ہدایت پہنچتی رہی، وہ ان بزرگواروں کے واسطے اور حیلولت سے پہنچتی رہی، خواہ (فیض پانے والے) وقت کے اقطاب و نجباء ہی ہوئے ہوں اور سب کے بجا و ماویٰ یہی بزرگوار رہے ہیں، کیونکہ اطراف کو مرکز سے ملحق ہونے کے سوا چارہ نہیں ہے۔ یہاں تک نوبت حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ تک پہنچ گئی اور جب ان بزرگوار کی باری آئی تو مذکورہ منصب ان کے سپرد ہوا اور مذکورہ بالا ائمہؓ (گرامی) اور حضرت شیخؒ کے درمیان کوئی اور شخص اس مرکز پر مشہود نہیں ہوتا اور اس راستے میں اقطاب و نجباء میں سے ہر ایک کو ان فیوض و برکات کا پہنچنا ان (حضرت شیخؒ) ہی کے واسطے شریف سے پہنچنا مفہوم ہوتا ہے، کیونکہ یہ مرکز ان کے علاوہ کسی اور کو میسر نہیں ہوا۔ اسی وجہ سے حضرت شیخؒ نے فرمایا ہے کہ:

أَفَلَتْ شَمُوسُ الْأَوَّلِينَ وَشَمْسُنَا أَبَدًا عَلَى أَفْقِ الْعَالِي لَا تَغْرُبُ

یعنی: پہلوں کے سورج غروب ہو گئے اور ہمارا سورج ابد تک افقِ اعلیٰ پر غروب نہیں ہوگا۔

شمس سے مراد ہدایت و ارشاد کے فیضان کا سورج ہے اور اس کے غروب ہونے سے مراد مذکورہ فیضان کا نہ ہونا ہے۔ چونکہ حضرت شیخؒ کے وجود سے جو معاملہ پہلوں سے تعلق رکھتا تھا، وہ آپ سے متعلق ہو گیا اور آپ رشد و ہدایت کے وصول کا واسطہ بن گئے۔ جیسا کہ آپ سے پہلے حضرات ہوئے ہیں۔ اور نیز جب تک فیضان کے واسطہ کا معاملہ قائم ہے، وہ آپ ہی

کے وسیلہ سے ہے۔ لہذا ناچار درست ہوا کہ اَفَلَتَ شَمُسُ الْأَوَّلِينَ وَشَمْسُنَا... الخ
سوال: یہ حکم مجدد الف ثانی میں نقص پیدا کرتا ہے، کیونکہ مکتوبات کی دوسری جلد میں ایک مکتوب (نمبر ۴) میں مجدد الف
ثانی کے معنی کے بیان میں لکھا گیا ہے کہ ”اس مدت میں جس قسم کا فیض بھی امتیوں کو پہنچتا ہے وہ اسی کے واسطہ سے پہنچتا ہے،
خواہ (فیض پانے والے) وقت کے اقطاب و اوتاد اور ابدال و نجباء ہی ہوں۔“

جواب: ہم کہتے ہیں کہ مجدد الف ثانی اس مقام میں حضرت شیخؒ کے نائب مناب ہیں اور حضرت شیخؒ کی نیابت سے یہ
معاملہ ان کے ساتھ وابستہ ہے، جیسا کہ کہا گیا ہے کہ نُورُ الْقَمَرِ مُسْتَفَادٌ مِّنْ نُورِ الشَّمْسِ۔
یعنی: چاند کا نور سورج کے نور سے حاصل ہے۔

لہذا اس (معاملے) میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

سوال: مجدد الف ثانی کے جو معنی اوپر نقل ہوئے ہیں، وہ مشکل ہیں۔ کیونکہ اس مذکورہ مدت میں حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا
وعلیہ الصلوٰۃ والسلام م نزول فرمائیں گے اور حضرت مہدی علیہ الرضوان بھی ظہور کریں گے اور ان بزرگواروں کا معاملہ اس سے
برتر ہے کہ کسی کے واسطہ سے فیوض اخذ کریں۔

جواب: ہم کہتے ہیں کہ واسطہ کا معاملہ مذکورہ دور استوں میں سے دوسرے راستے کے ساتھ وابستہ ہے، جس سے مراد
قرب ولایت ہے اور پہلا راستہ جس سے مراد قرب نبوت ہے، اس میں واسطہ کا معاملہ مفقود ہے۔ جو شخص بھی اس راستہ سے
واصل ہوا ہے، وہ کوئی حائل و واسطہ درمیان میں نہیں رکھتا اور کسی کے واسطے کے بغیر فیوض و برکات اخذ کرتا ہے۔ واسطہ و
حیلوت (حائل) صرف دوسرے راستے میں ہے۔ اس مقام کا معاملہ جدا ہے جیسا کہ (پہلے) گزرا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا
وعلیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت مہدی علیہ الرضوان پہلے راستے سے واصل ہیں، جیسا کہ حضرات شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما پہلے
راستے سے اور آنسور علیہ آله الصلوٰۃ والسلام کے ضمن میں واصل ہوئے ہیں اور اپنے درجات کے فرق سے اس مقام میں
ایک خاص شان رکھتے ہیں۔

تنبیہ: جاننا چاہیے کہ روا ہے کہ ایک شخص قرب ولایت کے راستے سے قرب نبوت تک پہنچ جائے اور ہر دو معاملات
میں شریک ہو اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے طفیل اس کو اس مقام میں بھی جگہ دیں اور کارخانہ کو اس سے وابستہ کریں
اور اس جگہ بھی معاملہ اس سے متعلق کر دیں:

ع خاص کند بندہ مصلحت عام را^(۱)

یعنی: اللہ تعالیٰ ایک بندے کو مصلحت عام کے لیے خاص کر لیتا ہے۔

ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَاءُ ط وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ. (سورة حدید، ۲۱) سُبْحَنَ رَبِّكَ رَبِّ
الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ. وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ. وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ. (سورة صافات، ۱۸۰-۱۸۲)

یعنی: یہ اللہ کا فضل ہے، جسے چاہے عطا فرمائے اور اللہ بڑے فضل کا مالک ہے۔ یہ جو کچھ بیان کرتے ہیں تمہارا پروردگار
جو صاحب عزت ہے، اس سے پاک ہے اور پیغمبروں پر سلام ہو، اور سب تعریف سارے جہانوں کے پروردگار کو سزاوار ہے۔

مکتوب نمبر (۱۲۴)

شیخ محمد طاہر بدخشی کو تحریر فرمایا۔

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَىٰ. (سورۃ نمل، ۵۹)

یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے ان بندوں پر سلام ہو، جن کو اس نے منتخب فرمایا۔

میرے بھائی شیخ محمد طاہر بدخشی نے دریافت کیا تھا کہ رسالہ مبداء و معاد میں مذکور ہے کہ صورتِ کعبہ جس طرح صورتِ محمدی (علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام) کی مسجود ہے اُسی طرح حقیقتِ کعبہ بھی حقیقتِ محمدی (علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام) کی مسجود ہے۔ اس عبارت سے حقیقتِ محمدی علی مظہرِ با الصلوٰۃ والسلام والختیہ سے حقیقتِ کعبہ معظمہ کی افضلیت لازم آتی ہے اور جبکہ مقرر ہے کہ عالم کی تخلیق کا مقصود آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں اور (حضرت) آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور سب آدمی آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طفلی ہیں۔ جیسا کہ وارد ہوا ہے کہ: لَوْلَاهُ لَمَّا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ وَلَمَّا اَظْهَرْتُ الرَّبُّوْبِيَّةَ^(۱)۔

یعنی: اگر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نہ ہوتے تو میں آسمانوں کو پیدا نہ کرتا اور اپنی ربوبیت کو ظاہر نہ کرتا۔

(جواب:) جاننا چاہیے کہ صورتِ کعبہ سے مراد پتھر اور ڈھیلا نہیں ہے، کیونکہ اگر بالفرض یہ پتھر اور ڈھیلا درمیان میں موجود نہ بھی ہوں تو بھی کعبہ کعبہ ہے اور مخلوق کا مسجود ہے، بلکہ صورتِ کعبہ اس کے باوجود کہ عالم خلق سے ہے، لیکن اور چیزوں کی تخلیق کی مانند نہیں ہے، بلکہ ایک ایسا پوشیدہ امر ہے جو حس و خیال کے احاطہ سے باہر ہے۔ (یہ) عالم محسوسات سے ہے اور کچھ بھی محسوس نہیں ہے اور سب چیزوں کا متوجہ الیہا (جس کی طرف توجہ کی جائے) ہے، لیکن کچھ بھی توجہ نہیں ہے۔ وہ ایک ایسی ہستی ہے جس نے نیستی کا لباس پہنا ہے، اور ایسی نیستی ہے جس نے خود کو ہستی کے لباس میں ظاہر کیا ہے اور جہت میں بے جہت ہے اور سمت میں بے سمت ہے۔

الغرض یہ کہ صورتِ حقیقت نما ایک عجیب چیز ہے جس کی تشخیص میں عقل عاجز ہے اور عقلمند اس کے تعین میں حیران ہیں، گویا عالم بے مثالی اور بے مثالی کا نمونہ رکھتا ہے اور بے شبہی اور بے نمونی کا نشان اس میں پوشیدہ ہے۔ ہاں! اگر ایسا نہ ہوتا تو مسجودیت کے لائق نہ ہوتا اور بہترین موجودات (حضرت محمد) علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام و التسلیمات شوق و آرزو سے اس کو اپنا قبلہ اختیار نہ فرماتے۔ فِيْهِ اٰيٰتٌ بَيِّنٰتٌ (اس میں کھلی ہوئی نشانیاں ہیں۔ سورۃ آل عمران، ۹۷) اس کی شان میں نصِ قاطع ہے اور مَنْ دَخَلَهُ كَانَ اٰمِنًا (جو شخص اس مبارک گھر میں داخل ہوا اُس نے امن پالیا۔ سورۃ آل عمران، ۹۷) اس کے بارے میں قرآن مجید میں مدح آئی ہے۔ بیت اللہ ہی ہے جس میں صاحبِ خانہ جل شانہ کی بے کیف بود و باش ہے اور بے مثل و بے مثال کا نامعلوم کیفیت کا اتصال اور نسبت اسی کے ساتھ ثابت ہے۔ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی. (سورۃ نحل، ۶۰) یعنی: اور اللہ کو صفتِ اعلیٰ (زیب دیتی) ہے۔

اور عالم مجاز میں جو کہ حقیقت کا پل ہے، گھر اُسی بیوت (آرام کرنے کی جگہ) کی خبر دیتا ہے، کیونکہ وہ صاحبِ خانہ کی جائے قرار اور آرام گاہ ہے۔ اہلِ دولت کے لیے اگرچہ بہت زیادہ نشست گاہیں ہیں اور اٹھنے بیٹھنے کے بیشمار مقامات ہیں، لیکن گھر گھر ہی ہے جو غیروں کی مزاحمت سے بیگانہ ہے اور معشوق (حقیقی) کی جائے قرار، مکان اور آرام گاہ ہے۔

اگرچہ اس حدیث قدسی کے حکم سے: وَلَٰكِنْ يَّسْعَيْنِي قَلْبُ عَبْدِي الْمُؤْمِنِ^(۲) (لیکن میں اپنے مومن بندے کے دل میں سما سکتا ہوں) مومن بندے کے دل میں بے مثلی ظہور کی گنجائش پیدا کرتا ہے، لیکن گھر ہونے کی جو نسبت بیتوت (آرام کرنے کی جگہ) کی خبر دیتی ہے، وہ کہاں سے پیدا کرے اور غیروں کی مزاحمت کو، جو کہ گھر کے لوازمات میں سے ہے، کس طرح روک سکے۔ اور جب غیر اور غیریت کو اس مقام میں دخل نہ ہو تو یقیناً وہ مخلوق کی سجدہ گاہ ہوگا، کیونکہ غیر کے لیے سجدہ نہیں ہے اور غیریت مسجودیت کے منافی ہے۔ (حضرت) محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنے لیے سجدہ تجویز نہیں فرمایا اور بیت اللہ کی طرف شوق و رغبت سے سجدہ کیا ہے۔ تم فرق کارا اس جگہ سے سمجھ لو کہ ساجد اور مسجود کے درمیان بہت بڑا فرق ہے۔

اے بھائی! جب آپ نے صورتِ کعبہ کا تھوڑا سا بیان سن لیا ہے تو اب ذرا حقیقتِ کعبہ کے بارے میں بھی سن لو۔ حقیقتِ کعبہ سے مراد واجب الوجود کی بے مثل ذات ہے جس تک ظہور اور ظلیت کی کسی گردنے راستہ نہیں پایا ہے اور وہ مسجودیت اور معبودیت کے شایانِ شان ہے۔ اس حقیقتِ جلِ سلطانہا کو اگر حقیقتِ محمدی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا مسجود کہیں تو اس میں کیا مشکل لازم آتی ہے اور آپ کی افضلیت میں اس سے کیا نقص آتا ہے۔ ہاں! حقیقتِ محمدی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) عالم کے باقی تمام افراد کے حقائق سے افضل ہے، لیکن کعبہ معظمہ کی حقیقت عالم کی جنس سے نہیں ہے، تاکہ اس کی جانب یہ نسبت کی جائے اور اس کی افضلیت میں توقف کیا جائے۔ عجیب ہے کہ ان دونوں صاحبِ دولت کی صورتوں کا فرق ساجد اور مسجود ہونے کے لحاظ سے ہے۔ صاحبِ ہنر عقلمند بھی ان حقائق کے فرق کا سراغ نہیں لگا سکے، اس لیے کہ وہ اعراض و انکار کے مقام پر پڑے رہے ہیں اور طعن و تشنیع میں زبانِ درازی کی ہے۔ حضرت حق سبحانہ انصاف کی توفیق دے، تاکہ ناہمی میں ملامت نہ کریں۔ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَاسْرَفَانَا فِيْ اَمْرِنَا وَتَبِّثْ اَقْدَامَنَا وَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ۔ (سورۃ آل عمران، ۱۴۷)

یعنی: اے ہمارے پروردگار! ہمارے گناہ اور زیادتیاں جو ہم اپنے کاموں میں کرتے رہے ہیں، معاف فرما اور ہم کو ثابت قدم رکھ اور کافروں پر فتح عنایت فرما۔

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اَتْبَعَ الْهُدٰی۔ (سورۃ طہ، ۴۷)

یعنی: اور جو شخص ہدایت کی بات مانے، اُس کو سلامتی نصیب ہو۔



حواشی و تعلیقات دفتر دوّم

مکتوب نمبر (۱)

- ۱۔ التوسل ۱۰۶، تذکرہ ۸۶، کشف الخفاء ۲: ۲۳۲، فوائد المجموعہ ۳۶۶، اسرار المرفوعہ ۲۹۵، السلسلۃ الضعیفہ ۲۸۲
- ۲۔ درالمنثور فی الاحادیث المشتملہ ۱۲۶، تنزیہ الشریعہ ۲: ۳۴۱، کشف الخفاء ۲: ۱۹۱، اسرار المرفوعہ ۲: ۲۷۲، نیز مشکوٰۃ و شرح السنۃ
- ۳۔ کنز العمال ۱۶۶۳۳، ۳۲۰۳۹، المستدرک ۲: ۶۰۴۔ صحیح البخاری ۸: ۱۵۹، مسند احمد ۲: ۲۳۹، صحیح مسلم ۵۸۵
- ۵۔ صحیح مسلم الفضائل ۲۲، سنن الترمذی ۲۲۱۹۔ جامع الترمذی ۳۱۴۸، سنن النسائی ۴۳۰۸، مسند احمد ۱: ۲۸۱
- ۷۔ مشکوٰۃ ۵۷۶، الدر المنثور ۶: ۳۰۱، مجمع الزوائد ۸: ۲۵۴
- ۸۔ مسند احمد ۲: ۲۴۸، ۳۷۶، ۴۱۴، ۴۲۷، جامع صغیر ۲: ۸۱، احیاء العلوم ۱: ۳۴، نیز دیکھئے، صحیح مسلم ۸: ۳۴
- ۹۔ الفاظ کی کمی و بیشی کے ساتھ: اتحاف ۹: ۳۲۰، المغنی عن حمل الاسفار ۲: ۳۶۶، ۲۱۳

مکتوب نمبر (۲)

- ۱۔ گلستان سعدی، ص ۲۱

مکتوب نمبر (۶)

- ۱۔ رواہ شیخ عبدالحق دہلوی فی مدارج النبوة

مکتوب نمبر (۷)

- ۱۔ کشف الخفاء ۲: ۲۴۴، اسرار المرفوعہ، ص ۲۹۹، نیز اسے علامہ بکریؒ نے تاریخ الخمیس میں روایت کیا ہے۔
- ۲۔ اتحاف ۹: ۶۵۱، اتحافات ۵۶: ۲۳۵، نیز کنز العمال ۶۰۷

مکتوب نمبر (۹)

- ۱۔ جامع الترمذی ۳۳۸۳، سنن ابن ماجہ ۳۸۰۰، مستدرک الحاکم ۱: ۴۹۸، ۵۰۳، موارد الطمان ۲۳۲۶، الترغیب والترہیب ۲: ۴۱۵، شرح السنۃ ۴: ۱۹۰، فتح الباری ۱۱: ۲۰۷، مشکوٰۃ ۲۳۰۶، اتحاف ۵: ۲۵، کنز العمال ۱۷۴۸، التہذیب ۶: ۴۳، المغنی ۴: ۸۰، تفسیر ابن کثیر ۱: ۲۸، الدر المنثور ۱۱: ۱۵۵، ۶: ۶۲

- ۲۔ مسند احمد ۲: ۱۷۱، ۱۸۶، ۲۲۰، نیز شرح السنۃ

مکتوب نمبر (۱۱)

- ۱۔ صحیح البخاری ادب ۹۶، صحیح مسلم ۱۹۶

مکتوب نمبر (۱۲)

- ۱۔ مشکوٰۃ ۵۱۱۹، مجمع الزوائد ۸: ۸۲، کنز العمال ۵۷۳۰، اتحاف ۱: ۲۹۵

مکتوب نمبر (۱۳)

- ۱۔ سنن ابن ماجہ ۲۲۳، تلخیص الحجیر ۳: ۱۶۴، اتحاف ۱: ۷۱، ۳۳۸، ۴۵۰، کنز العمال ۲۸۶۷۹، تفسیر القرطبی ۴: ۴۱، ۱۶۴، ۱۳: ۱۶، المغنی ۱: ۶، التاريخ الصغیر ۸: ۳۳۷، تذکرہ ۲۰، کشف الخفاء ۲: ۲۲، ۸۳، تاریخ جرجان ۳۳۶، الکاف الشاف ۱۲۴، درر المنثور فی الاحادیث المشتملہ ۱۱۴، اسرار المرفوعہ ۲۳۰، ۲۴۷

مکتوب نمبر (۱۵)

۱۔ سنن ابی داؤد

تفسیر ابن کثیر ۸: ۵۳، المغنی ۱: ۲۷۰، ارواء الغلیل ۵: ۱۰۹، تاریخ اصحابان ۱: ۱۲۹

۲۔ اتحاف ۷: ۳۸۳، کشف الخفاء ۱: ۴۵، الفوائد ۲۵

٣- جامع الترمذي ٣٨٦٢، مسند احمد ٥: ٥٣، ٥٤، كنز العمال ٣٢٨٨٣، ٣٢٥٣٠، حلية الاولياء ٨: ٢٨٤، اتحاف ٢: ٢٢٣، ٢٢٤، شرح السنة ٦:

١٢٦٩:٣، ان ١٤:٢١، جمع الجوامع ٩٦٥٨، مشكاة ٦٠٠٥، ميزان الاعتدال ٣٣١٢، لسان المميز ان ١٢٦٩:٣

۴۔ یعنی: فرقہ مہدویہ جس کے لوگ سید محمد مہدی جو چوہری (م ۹۱۰ھ/ ۱۵۰۵ء) کے پیروکار ہیں۔ سید محمد مہدی جو چوہری نے دعویٰ کیا تھا کہ وہ مہدی موعود ہے۔ (دیکھئے: انسائیکلو پیڈیا آف اسلام ۵: ۱۳۳۰، نزہۃ الخواطر ۴: ۳۲۲-۳۲۶)

مکتوب نمبر (۱۸)

۱۔ بخاری علم ۱۰ (فی الترجمة)، سنن ابی داؤد و علم، سنن ابن ماجہ مقدمہ ۱، سنن الدارمی مقدمہ ۳۲، مسند احمد ۱۹۶: ۵

۲۔ یہ شعر مولانا رومی کا ہے۔

مکتوب نمبر (۲۱)

١- اتحاف ٤: ٢٢٣، كشف الخفاء ٢: ٢٤٣، مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح ٩: ٣٩٢

٢- صحيح البخاري ٢٠:١٠٣، السنن الكبرى ٥:٢٦٣، اتحاف ٦:٢٥٣، ١٠:١٤١، المغني ٣:٣٥٦.

٣- مستدرک الحاكم ٢: ٢٨٨، ٢٨٩، ٣: ٣٢١، الادب المفرد ١١٤، ٦٨٣، الاسماء والصفات ١٢٨، مالفاظ علیٰ دینک: سنن الترمذی ٢١٣،

۳۵۲۲، مسند احمد ۳: ۱۱۲، ۲۵۷، ۹۱: ۶، ۲۵۱، ۲۹۴، ۳۱۵، مجمع الزوائد ۷: ۲۱۰

۴۔ شہاکل ترمذی، ص ۱۶۶، باب کف کان کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، عن حسن بن علی

٥- صحيح مسلم الذكر ٢١، سنن ابى داود ١٥١٥٥٥، مسند احمد ٢١١، ٢٦٠، السنن الكبرى ٥٢: ٤، المعجم الكبير ٢٨٠: ١، مشكاة ٢٣٢٢، اتحاف ٥: ٥٤، ٨:

٢٩٩، ٥١٤، ٥٩: ٩، ٦٢٨، التاريخ الكبير: ٢، ٣٢، شرح السنة: ٦، ١٨٠، الدر المنثور: ٦، ٦٣، فتح الباري: ١١، ١٠١، كنز العمال: ٢٠٤

مکتوب نمبر (۲۳)

۱۔ اشارہ بہ حدیث: لَا تَقُومُ السَّاعَةُ إِلَّا عَلَى شَرِّ أَرْبَابِ النَّاسِ.. دیکھئے: صحیح مسلم الفتن ۲۷، نمبر ۱۳۱، سنن ابن ماجہ ۳۹۳۹، مسند احمد: ۳۹۴۴،

٢٣٥، مستدرک الحاکم ٢: ٢٣١، ٢٣٢، ٩٢٢، مجمع الکبیر ١: ١٢٤، ١٩، ٣٥٤، مجمع الزوائد ٤: ٢٨٥، ٨، ١٢، کنز العمال ٣٨٢٨٦

٢- اتحاف: ١٩٦: ٦، مشكاة: ١٨٩، كنز العمال ١١٠٢، المغني ٢: ٨٨، تفسير القرطبي ٤: ١٣، حلة الاولاء ٥: ٢١٨، تهذيب تاريخ دمشق ٢: ٢٨٣، ٤:

٢٤٦، الكابل ٢: ٢٣٦

٣- صحيح مسلم الجمعة ١٣/١٣، سنن ابن ماجه ٢٢٢، مسند احمد ٣١٠، السنن الكبرى ٣: ٢٠٤، ٢١٣، ٢١٤، موارد الاطمان ١٠٢، الدر المنثور ٣:

١٢٧، شرح النسبة: ٢٠٦: ٢٥٣، اتحاف: ٢٥٣: ١، مجمع الزوائد: ١: ١٤١، الطرق الكبرلى: ١: ٩٨، الاسماء والصفات: ٨٢، ١٨٩

۴۔ دیوان حافظ، ص ۸۸

۶۔ شعر مولانا حامی رحمۃ ا

مکتوب نمبر (۳۲)

۱۔ ترجمہ: گناہوں

ترجمہ: سنا ہوں سے پچھلے ملک اور یہ کہ اگر سے ان کو اللہ بنیں ان سر سے ہے جو علمیں سناں اور میت والا ہے۔ دیکھئے۔

البخاری: ۵: ۱۲۰، ۸: ۱۰۲، ۹: ۱۵۶، ۱۴۳: ۱، صحیح مسلم الذکر والدعاء ۱۳، نمبر ۴۴، ۴۵، ۴۷

مکتوب نمبر (۳۶)

- ۱۔ صحیح البخاری ادب، ۶، صحیح مسلم بر ۱۶۵، جامع الترمذی زہد، ۵۰، دعوات، ۹۸، سنن الدارمی رقائق، ۷، مسند احمد، ۱: ۲۹۲، ۴: ۱۰۴، ۱۱: ۱۰۷، ۱۰۷: ۱۰۷
- ۲۔ جامع الترمذی ۳۸۶۲، مسند احمد ۵: ۵۴، ۵۷، کنز العمال ۳۲۸۸۳، ۳۲۵۳۰، اتحاف، ۲: ۲۲۳، ۲۲۳: ۲۲۳
- ۳۔ المعجم الکبیر ۲: ۹۳، مجمع الزوائد ۷: ۲۰۲، ۲۲۳: ۲۲۳، احادیث صحیحہ ۳۲، الدر المنثور ۳: ۳۵، اتحاف، ۲: ۴۲، ۵۱، ۲۲۳: ۸، ۵۵: ۹، ۴۰۲: ۹، المغنی ۱: ۳۰، ۹۳: ۴، ۱۱۴: ۱۱۴، کنز العمال ۹۰۱، التہذیب ۶: ۶۸، الکامل ۶: ۲۱۷
- ۴۔ جامع الترمذی ۳۸۶۲، مسند احمد ۵: ۵۴، ۵۷، کنز العمال ۳۲۸۸۳، ۳۲۵۳۰، حلیۃ الاولیاء ۸: ۲۸، اتحاف، ۲: ۴۲، ۲۲۳: ۲۲۳، شرح السنہ: ۶: ۱۲، ۱۲: ۱۲، مجمع الجوامع ۷: ۹۶۵، ۹۶۵: ۶، مشکاة ۵: ۶۰۰، میزان الاعتدال ۴: ۱۲، لسان المیزان ۳: ۱۲۶۹
- ۵۔ میزان الاعتدال ۱۵۱۱، ۲۲۹۹، لسان المیزان ۲: ۴۸۸، ۵۹۴، کشف الخفاء: ۱۴، اتحاف، ۲: ۲۲۳، تلخیص الخیر ۴: ۱۹۰، الکاف الشاف فی تخریج احادیث الکشاف ۹۴
- ۶۔ موارد الظمآن ۱۵۳۱، فتح الباری ۸: ۱۲، ۷: ۱۲، ۲۸: ۱۳، ۲۱۲: ۱۳، اتحاف، ۲: ۲۱۰، ۲۲۵، مشکل الآثار ۴: ۳۱۳، تفسیر ابن کثیر ۶: ۸۵، تفسیر القرطبی ۱۲: ۲۹۷، ۲۹۷: ۲، کشف ۱۲۰، البدایہ والنہایہ ۳: ۲۱۹، ۶: ۲۸۲، ۷: ۲۰۶، ۸: ۱۶، ۴: ۱۳۵، تہذیب تاریخ دمشق ۴: ۲۲۲۔ نیز الفاظ کی کمی بیشی کے ساتھ دیکھئے: جامع الترمذی ۲۲۲۶، مسند احمد ۵: ۲۲۱، المعجم الکبیر ۵: ۴۵، ۷: ۹۷، ۹۸، کنز العمال ۱۴۹۱۱
- ۷۔ صحیح البخاری ۹: ۱۳۳، مسند احمد ۲: ۲۴۰، مسند الحمیدی ۱۱۴۲، فتح الباری ۱۳: ۳۲۱
- ۸۔ جامع الترمذی ۳۸۶۲، مسند احمد ۵: ۵۴، ۵۷، کنز العمال ۳۲۸۸۳
- ۹۔ کنز العمال ۳۱۶۵۴
- ۱۰۔ مسند احمد ۱: ۳۳۶، مسند الحمیدی ۵۲۶
- ۱۱۔ مسند احمد ۱: ۳۳۶
- ۱۲۔ ایضاً
- ۱۳۔ ایضاً
- ۱۴۔ الاستیعاب، نیز دیکھئے: احادیث صحیحہ ۱۲۹۹، ۳: ۲۸۸
- ۱۵۔ جامع الترمذی ۳۷۱۸، سنن ابی ماجہ ۱۴۹، مستدرک الحاکم ۳: ۱۳۰، جامع الجوامع ۸: ۴۷، التاریخ الکبیر ۳۱: ۹
- ۱۶۔ رواہ الطبرانی والحاکم واسنادہ حسن
- ۱۷۔ بخاری ۵: ۳۳، ۷: ۲۰۵، مسلم ۱۸۸۲، جامع الترمذی ۷: ۸۳، سنن ابن ماجہ ۱۴۲، مسند احمد ۲: ۲۹۲، ۲۹۲: ۴، ۵۳۲، ۴۹۲: ۴، مستدرک الحاکم ۳: ۱۶۹، ۷: ۱۷، السنن الکبریٰ ۱۰: ۲۳۳، المطالب العالیہ ۳۹۸۸، ادب المفرد ۸۶: ۱۱۱۳، المعجم الکبیر ۳: ۱۹، مجمع الجوامع ۶: ۹۷، مشکاة ۳۳۳، کنز العمال ۳۴۳۱۱، مصنف ابن ابی شیبہ ۱۲: ۱۰۱، مسند الحمیدی ۱۰۴، البدایہ والنہایہ ۸: ۴۳
- ۱۸۔ بخاری ۴: ۲۴۹، ۵: ۳۲، مسند احمد ۵: ۴۹، تاریخ بغداد ۳: ۲۱۵، فتح الباری ۵: ۳۰۶، ۷: ۹۴، ۱۳: ۶۱، التاریخ الصغیر: ۹۶، دلائل النبوة ۶: ۲۲۲
- ۱۹۔ صحیح البخاری ۵: ۳۲، جامع الترمذی ۷: ۸۲، مجمع الکبیر ۲: ۲۴۲، ۳: ۲۴۲، مسند احمد ۲: ۴۴۶، السنن الکبریٰ ۱۰: ۲۳۳، فتح الباری ۷: ۹۴، الشفا ۲: ۸۹، ۱۰۸، جامع الجوامع ۶: ۹۷، کنز العمال ۳۴۲۵۵، ۳۴۲۷۹، تہذیب تاریخ دمشق ۲: ۳۳۵، ۴: ۲۰۵، ۷: ۲۰۷، المعجم الکبیر ۳: ۳۹، مصنف ابن ابی شیبہ ۱۲: ۹۸، ۹۶
- ۲۰۔ بخاری ۵: ۳۶، ۶: ۶۴، ۱۰: ۲۰۱، مستدرک الحاکم ۳: ۱۵۸، تہذیب تاریخ دمشق ۳: ۳۴، تفسیر ابن کثیر ۵: ۴۸۹، تہذیب خصائص علی النسائی ۶۴، مسند احمد ۴: ۳۳۲، فتح الباری ۹: ۳۲۸
- ۲۱۔ مجمع الزوائد ۳: ۲۰۲، کنز العمال ۳۴۲۲۵، ۳۶۷۵۵، تاریخ بغداد ۹: ۶۲، تہذیب تاریخ دمشق ۲: ۳۹۶، ۵: ۳۶۰
- ۲۲۔ صحیح البخاری ۳: ۲۰۵، ۵: ۳۷، سنن النسائی عشرة النساء ۳: ۷، ۶۸، مسند احمد ۶: ۲۹۳، السنن الکبریٰ ۶: ۷، مشکاة ۵: ۳۷، فتح الباری ۱۳۱: ۱۳۱، فتح الباری ۵: ۲۰۵، الطبقات الکبریٰ ۸: ۱۷، مشکاة ۵: ۶۱۸، اتحاف، ۵: ۳۵۴، ۳۲۴
- ۲۳۔ ادب المفرد ۵۵۹، مسلم فضائل الصحابة ۸۳، مسند احمد ۶: ۸۸، سنن النسائی ۷: ۶۵، فتح الباری ۵: ۲۰۵، اتحاف، ۸: ۳۶

۲۴۔ جامع الترمذی ۳: ۳۷۵، مستدرک الحاکم ۳: ۳۲۵، مشکاة ۶: ۱۲۸، کنز العمال ۳۳۳۸۳، ۳۳۴۰۶، ۳۳۴۰۷، ۳۳۴۰۸، ۳۳۴۰۹، تہذیب تاریخ دمشق ۷: ۲۳۷، حلم ۸۹

۲۵۔ کنز العمال ۳۴۱۴۳، تجرید التہجد ۲۹۸

۲۶۔ کنز العمال ۳۴۱۵۲، کشف الخفاء ۲: ۳۱۳، ۳۵۸، تذکرہ ۸۳۹، اکامل ۵: ۱۸۸۴

۲۷۔ کنز العمال ۳۴۱۶۳، اکامل ۶: ۲۳۰۴، بوستان سعدی، ص ۱۰

مکتوب نمبر (۳۷)

۱۔ دیوان حافظ، ص ۲۴۴

۲۔ المعجم الکبیر ۷: ۵۵، موارد الطمان ۳۱، مجمع الزوائد ۱: ۱۸، مستدرک الحاکم ۴: ۲۵۱، الترغیب والترہیب ۲: ۴۲۲، فتح الباری ۱۱: ۲۶۷، اکامل ۷: ۲۶۹، در المنثور ۶: ۶۳، اتحاف ۵: ۲۵، ۹: ۱۸۰، ۲۶۷، حلیۃ الاولیاء ۴: ۱۷، الاسماء والصفات ۹۹

مکتوب نمبر (۳۹)

۱۔ جامع الترمذی ۲۸۶۹، مسند احمد ۳: ۱۴۳، ۴: ۲۳۰، موارد الطمان ۷: ۲۳۰، مجمع الزوائد ۱۰: ۶۸، المطالب العالیہ ۴: ۲۱۶، شرح السنۃ ۱: ۴۰۵، الحاوی للفتاویٰ ۲: ۱۹۵، کنز العمال ۳۴۴۸۵، ۳۴۵۶۹، مشکاة ۷: ۶۲، فتح الباری ۷: ۶، تفسیر ابن کثیر ۷: ۴۹۳، تفسیر القرطبی ۴: ۱۷۲، تاریخ بغداد ۱۱: ۱۱۱، کشف الخفاء ۲: ۲۷۶، الدر المنثور ۴: ۱۴۰، تاریخ جرجان ۴: ۴۳۰، تذکرہ ۷۰

۲۔ جامع الترمذی ۲۳۰۲، ۲۳۰۳، فتح الباری ۷: ۶، ۱۳: ۲۱، اتحاف ۲: ۲۲۳، تلخیص الجیر ۴: ۲۰۴، البدایہ والنہایہ ۶: ۲۸۶، تفسیر ابن کثیر ۷: ۴۹۳، تاریخ بغداد ۲: ۵۳، اسرار المفود ۲۷

مکتوب نمبر (۴۰)

۱۔ اتحاف ۲: ۲۷، ۵: ۱۳، المغنی ۱: ۱۰۱، الفوائد المجموعہ ۴۵۰، اشعۃ اللمعات، ۷: ۷۷، ۸: ۷۷، مرصاد العباد ۵۷

مکتوب نمبر (۴۱)

۱۔ مرصاد العباد، ص ۲۳۸

مکتوب نمبر (۴۲)

۱۔ اتحاف ۲: ۲۷، ۵: ۱۳، المغنی ۱: ۱۰۱، الفوائد المجموعہ ۴۵۰، اشعۃ اللمعات، ۷: ۷۷، ۸: ۷۷، مرصاد العباد ۵۷

۲۔ کلیات شمس: جلد ۵: ۱۷۱

۳۔ یہ شعر مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔

۴۔ صحیح البخاری ادب ۹۶، صحیح مسلم ۱۶۵، جامع الترمذی زہد ۵۰، دعوات ۹۸، سنن الدارمی رقائق ۷۱، مسند احمد ۱: ۲۹۲، ۳: ۱۰۴، ۴: ۱۱۱، ۷: ۱۰۷

۵۔ اتحاف السادة المتقين ۹: ۲۴۳، احادیث مثنوی، ص ۵۳، بحوالہ شرح ایوب

مکتوب نمبر (۴۳)

۱۔ شمائل ترمذی، ص ۱۶۶

۲۔ یہ اشعار مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ کے ہیں۔

مکتوب نمبر (۴۴)

۱۔ صحیح مسلم علم ۱۳، جامع الترمذی علم ۵، سنن ابن ماجہ مقدمہ ۸، سنن الدارمی مقدمہ ۲۶، مسند احمد ۲: ۱۶۲، ۱۹۰

۲۔ احادیث مثنوی، ص ۲۹، بحوالہ منارات السائرین، نجم الدین رازی، واللؤلؤ والمرصوع، ص ۶۱

۳۔ اتحاف ۲: ۲۸۴، ۸: ۵۰۶، ۹: ۶۰۹، الدر المنثور ۱: ۲۶۱

۴۔ السنن الکبریٰ ۹: ۹۸، صحیح ابن خزیمہ ۲۵۱۵، الدر المنثور ۱: ۲۱۰، ابو عوانہ ۷: ۷۰، نیز رواہ مسلم

مکتوب نمبر (۴۸)

۱۔ مثنوی ۶۹: ۵

مکتوب نمبر (۵۰)

- ۱- اتحاد ۶: ۳۷، ۷: ۲۱۸، لمغنی ۳: ۷، كشف الخفاء ۱: ۵۱۱، اسرار المرفوعہ ۲۰۶، تذکرہ ۱۹۱، درر المنثور ۸۹، تاریخ بغداد ۳: ۳۹۳
- ۲- اخرج البراء والبیہقی ومسلم بالفاظ مختلفہ، تشدید السبانی

مکتوب نمبر (۵۱)

- ۱۔ مسلم ایمان ۲۹۱، جامع الترمذی تفسیر سورۃ ۹، ۷۱، مسند احمد ۶: ۲۸۹

مکتوب نمبر (۵۲)

- ۱۔ فتح الباری ۱۱: ۲۰۹، الحاوی للفتاویٰ ۲: ۲۷، کشف الخفاء ۲: ۴۶۲۔

مکتوب نمبر (۵۳)

- ۱- فتح الباری ۱۱: ۲۰۹، الحاوی للمفتاویٰ ۲: ۲۷، کشف الخفاء ۲: ۴۶۲
- ۲- مسند احمد ۴: ۴۲۱، مشکاة ۲: ۴۰۱، سنن الدارمی ۲: ۳۰۱، المغنی ۱: ۲۳۶، اتحاف ۴: ۲۴۸

مکتوب نمبر (۵۵)

- ۱۔ یہ اشعار مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ کے ہیں۔

مکتوب نمبر (۵۷)

- ۱- اتحاف: ۷، کنز العمال ۱۸۷۳، اتحافات ۴۱، حلیۃ الاولیاء: ۷، ۳۱۳، المغنی: ۱، ۴۷۴، ۲۹۶، علل الحدیث ۱۷۳۸
- ۲- سنن ابن ماجه ۲۰، مسند احمد: ۳۶۱، ۳۶۲، مجمع الزوائد: ۱۶۷، ۱۶۸، اتحاف: ۳۰۸، ۳۰۹، الکامل: ۵، ۷۰۷، الدر المنثور: ۲، ۱۱۵، ۵: ۲۶۰، مشکل الآثار: ۹۴، ۹۶، ۲۸۱، ۴۸۲، فتح الباری: ۲، ۳۳۱، ۹: ۱۳، کنز العمال ۴۳۱۲۶، جامع الترمذی ۲۶۷۵، سنن الدارمی: ۱، ۱۳۱، صحیح مسلم العلم ۱۵
- ۳- الدر المنثور: ۳، ۲۵۶، جمع الجوامع ۶۰۸۵، کنز العمال ۱۵۹۶۸

مکتوب نمبر (۵۸)

- ۱۔ نیز دیکھئے: دفتر اول، مکتوب ۲۱۶ میں اسی طرح کے واقعات۔
- ۲۔ صحیح مسلم علم ۱۳، جامع الترمذی علم ۵، سنن ابن ماجہ مقدمہ ۸، سنن الدارمی مقدمہ ۲۶، مسند احمد ۲: ۱۶۲، ۱۹۰
- ۳۔ احادیث مشنوی، ص ۶۷ بحوالہ شرح خوارزمی، ۱، المنہج القوی ۲: ۵۸۰

مکتوب نمبر (۶۰)

- ۱۔ تشہید المبانی ذکرہ ابن حجر دیشیح علی متقی فی جوامع الکلم

مکتوب نمبر (۶۴)

- ١- مسلم الزهد المقدمه، جامع الترمذی ۲۳۲۲، سنن ابن ماجه ۴۱۱۳، مسند احمد ۱۹۷، مستدرک الحاکم ۴: ۲۰۳، ۳۱۵، مجمع الزوائد ۱: ۲۸۸، ۲۸۹، المعجم الكبير ۶: ۲۸۹، شرح السنه ۱۲: ۲۹۶، ۲۹۷، اتحاف ۴: ۴۱۲، ۸: ۳۹۳، ۹: ۱۴۱، ۱۰: ۲۲۷، موارد الظمآن ۲۳۸۸، الترغيب والترهيب ۳: ۱۳۷، الدر المنثور ۳: ۲۳۸، مشكاة ۵۱۵۸، ۵۲۴۹، جامع الصغير ۶: ۶۰۸، کنز العمال ۶: ۶۰۸، ۶۰۹، تفسير القرطبي ۱۶: ۸۸، المغني ۳: ۹۷، ۱۲: ۲۱۴، امالي الشجري ۲: ۱۶۱، ۱۶۳، ۱۹۲، حلية الاولياء ۸: ۷۷، ۸۵، المطالب العاليه ۳۱۷، تاريخ بغداد ۶: ۴۰۱، ۱۴: ۴۳۲، تهذيب تاريخ دمشق ۵: ۴۱۵، ۴: ۴۰۹، تاريخ اصهبان ۴: ۳۰، الکامل ۳: ۸۸۹، ۴: ۱۶۳۸، درر المنثور ۸۳، اسرار المرفوعه ۳۶۶، علل الحديث ۱۹۱

مکتوب نمبر (۶۵)

- ۱۔ اتحاف ۸: ۶۰۸، الفوائد المجموعه، ص ۲۵۰، كشف الخفاء: ۴۲۸

مکتوب نمبر (۶۶)

- ۱- صحیح مسلم الذکر ۴۱، سنن ابی داؤد ۱۵۱۵، مسند احمد ۲۸۸۲: ۴، ۴۵۰: ۴، ۲۱۱: ۴، جامع الترمذی ۳۲۵۹، مشکاۃ ۲۳۳۲: ۲، سنن الکبریٰ ۷: ۵۲،

- ۱- المعجم الکبیر: ۲۸۰: موارد الظمان ۲۳۵۶، فتح الباری ۱۱: ۱۰۱، کنز العمال ۲۰۷: ۲۱۱۳-۲۱۱۵، اتحاف ۵: ۵۷۷: ۸، ۲۹۹: ۹، ۵۹: ۱۰، ۱۱۲: ۱۱۳
- ۲- کنز العمال ۱۰۴۲۱، در المنثور ۲: ۷۷: ۳۶۳، سنن ابن ماجہ ۱۳۹۵، مسند احمد ۲: ۲، جامع الترمذی ۲۰۶: ۳۰۰۶، سنن الدارمی ۱: ۳۸۵، مسند ابی بکر الصدیق ۴۹، مصنف ابن ابی شیبہ ۲: ۳۸۷، تفسیر ابن کثیر ۲: ۱۳، فتح الباری ۱۱: ۹۸، مشکاة ۱۳۳۴، الترغیب والترہیب ۲: ۴۷، تفسیر الطبری ۴: ۶۲، مسند الحمیدی ۴، تاریخ اصہبان ۱: ۱۴۲
- ۳- تشہید المبانی، وبالفاظ: کفارة الذنب الندامة، دیکھئے: مسند احمد ۱: ۲۸۹، مجمع الزوائد ۱۰: ۱۴۲، ۱۹۹، ۲۱۵، المعجم الکبیر ۱۲: ۱۷۲، اتحاف ۸: ۵۲۴، کنز العمال ۱۰۲۱۸، تفسیر ابن کثیر ۷: ۱۰۰، السنن الکبریٰ ۸: ۳۲۸، ۳۲۲، مستدرک الحکم ۴: ۲۴۲، کنز العمال ۱۰۲۳۷
- ۴- تاریخ اصہبان ۲: ۱۴۴، رواہ الدیلمی
- ۵- تشہید المبانی کے بقول: رواہ الدیلمی فی مسند الفردوس والخطیب وبخاری فی التاریخ لیکن دوسرے الفاظ سے۔
- ۶- بقول تشہید المبانی رواہ صاحب الكنز انھنی وقاضی ابوسعید
- ۷- سنن ابن ماجہ ۴۲۱۷، مجمع الزوائد ۱: ۳۱۸، اتحاف ۸: ۱۶۰، الترغیب والترہیب ۲: ۵۲۰، کنز العمال ۴۳۴۹۸، سلسلہ احادیث صحیحہ ۹۳۰، حلیۃ الاولیاء ۱۰: ۳۶۵، الجامع الکبیر ۲: ۶۹۴، ۶۹۵، تہذیب تاریخ دمشق ۲: ۱۶۸، مکارم الاخلاق ۳۹، تاریخ اصہبان ۲: ۳۰۲، المغنی ۳: ۲۳۳، الکامل ۹: ۳۳۳، کشف الخفاء ۲: ۴۵

مکتوب نمبر (۶۷)

- ۱- صحیح البخاری ادب ۹۶، صحیح مسلم بر ۱۶۵، جامع الترمذی زہد ۵۰، دعوات ۹۸، سنن الدارمی رقائق ۷، مسند احمد ۱: ۲۹۲، ۳: ۱۰۳، ۴: ۱۱۱، ۷: ۱۰۷
- ۲- نیز دیکھئے: دفتر، مکتوب ۲۶۶ کہ وہاں بھی عقائد کا بیان ہے۔
- ۳- سنن ابوداؤد ۳۹۷، جامع الترمذی ۲۴۳۶، مسند احمد ۲: ۳۱۳، السنن الکبریٰ ۸: ۱۷۷، ۱۰: ۱۹۰، المعجم الکبیر ۱: ۲۳۲، ۱۱: ۱۸۹، مجمع الزوائد ۱۰: ۳۷۸، اتحاف ۳: ۲۸۸، ۹: ۱۸۴، ۱۰: ۵۶۰، تلخیص الخیر ۲: ۱۴۰، السنۃ ۲: ۳۹۹، مشکاة ۵۵۹۸، ۵۵۹۹، الترغیب والترہیب ۲: ۴۳۶، مسند الشہاب ۲۳۶، ۲۳۷، موارد الظمان ۲۵۹۶، کنز العمال ۳۹۰۵۵، ۳۹۷۵۱، تفسیر ابن کثیر ۶: ۵۳۲، تہذیب تاریخ دمشق ۵: ۱۸۹، الشریعۃ ۳۳۸، المغنی ۴: ۱۴۸، البدایہ والنہایہ ۱۰: ۲۲۸، الکامل ۱: ۳۲۲، ۲: ۵۱۲، ۳: ۱۰۰۳، ۷: ۱۳۷، تذکرۃ الموضوعات ۴۹۲، کشف الخفاء ۲: ۴۷، علل الحدیث ۲۹: ۱۷۵، ۲۱۵، در المنثور ۱۰۰، السلسلہ الضعیفہ ۲۰۹
- ۴- یعنی: سید محمد جوہی پوری (م ۱۵۰۵ھ/ ۱۹۱۰ء) جن کے معتقدین حیدرآباد دکن کے شہروں میں بکثرت موجود ہیں۔
- ۵- قال فی التشہید اخرجہ ابو نعیم عن ابن عمرؓ
- ۶- قال فی التشہید اخرجہ ابن الجوزی فی تاریخہ عن ابن عباسؓ
- ۷- رواہ الترمذی وابوداؤد
- ۸- اخرجه ابن عساكر فی تاریخہ وابن مردويه فی تفسیرہ عن ابن عباسؓ مرفوعًا اصحاب الکہف اعیان المہدی
- ۹- رواہ الدارقطنی
- ۱۰- یعنی: سید محمد جوہی پوری
- ۱۱- رواہ الترمذی واحمد وابوداؤد عن ابن عمرؓ تشہید
- ۱۲- جہمیہ منسوب ہیں جہم بن صنوان سے اور ضرار یہ ضرار بن عمرو سے اور نجاریہ حسین بن محمد النجار سے اور کلابیہ ابو عبد الرحمن بن کلام سے۔ (غنیۃ الطالبین)
- ۱۳- یعنی سعید بن مسیب عروہ بن زبیر، قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق، ابوبکر بن عبد الرحمن، خارجہ بن زید سالم، عبد اللہ بن عبد اللہ بن عمر، سلیمان بن یسار رضی اللہ عنہم اجمعین
- ۱۴- رواہ بخاری و مسلم وابوداؤد واحمد والترمذی وابن ماجہ ومشکوٰۃ

مکتوب نمبر (۶۸)

- ۱- رواہ ابو نعیم فی الکتاب الفتن عن ابی جعفر محمد بن علی - تشہید المبانی

۲۔ اخرجہ ابو نعیم عن کعب۔ تشدید المبانی

۳۔ ان سب روایات کو امام سیوطیؒ نے خصائص الکبریٰ میں نقل کیا ہے۔ نیز تشہید المسانی میں بھی ان کی تخریج و اسناد موجود ہیں۔

۴۔ الترغیب والترہیب ۴: ۱۲۶، کنز العمال ۳۰۹۲۲۔

٥- سنن أبي داود ٢٤٥٩، سنن ابن ماجه ٣٩٦١، مسند احمد ٢٤٢: ٢٤٤، ٣١٦، السنن الكبرى ٨: ١٩١، مستدرک الحکم ٣: ٥٢٥، ٥٣١، المعجم الکبیر ٨: ٣٥٤، موارد الطمان ١٨٦٩، مجمع الزوائد ٣٠٨، ٣٠٩، حلیۃ الاولیاء ١٠: ١٤١، منیۃ المعبود ٢٤٦، مشکاة ٥٣٩٩، ابالی الشجر ٢:

۲۵۷، ۲۷۳، تهذيب تاريخ دمشق ۷: ۸، كنز العمال ۸۲۸: ۳۰، ۳۸۵۱۲، ۳۸۵۱۳، ۳۸۵۱۶

مکتوب نمبر (۶۹)

۱۔ رواہ احمد و امام مالک و دارمی۔ نیز مشکوٰۃ

۲۔ رواہ احمد۔ نیز مشکوٰۃ

۳۔ رواہ بخاری وطبرانی والبیہقی وابن حزمہ۔ دیکھئے: تشدید المسانی ۴۔ رواہ ابوداؤد وغیرہ۔ دیکھئے: تشدید

۵۔ رواہ طبرانی فی الاوسط۔ دیکھئے: تشدید

رواہ البیہقی فی کتاب الزہد، نیز الترغیب والترہیب ۱: ۸۰، مشکاۃ ۶: ۱، الکامل ۲: ۳۹۷۔

۸۔ بخاری و مسلم عن انسؓ

۱۰۔ رواہ ابن ماجہ عن ابن مسعودؓ والبیہقی وشرح السنۃ ۱۱۔ قول عبدالحق بن محمد وائی، دیکھئے: آگاہی سید امیر کمال، ص ۱۰۳

۱۲- مسلم الذکر ۵۴، جامع الترمذی ۳۴۳۷، مسند ۶: ۳۷۷، السنن الکبریٰ ۵: ۲۵۳، صحیح ابن خزيمة ۲۵۶۷، مصنف عبد الرزاق ۹۲۶۰، مشکاة

٢٢٢، اتحاف: ٢، ٢٣٠: ٦، ٤٠٧، الدر المنثور: ٣، ٢٢١، فتح الباری: ١٠، ١٩٦، تفسیر القرطبی: ٩: ٢٢٢

مکتوب نمبر (۷۰)

۱۔ گلستان سعدی، ص ۸۶۔

مکتوب نمبر (۷۳)

١- ديوان حافظ، ص ٨٨

٢- فتح الباري ١: ٢٠٩، الحاوي للفتاوى ٢: ٢٨، كشف الخفاء ٣٢٣

مکتوب نمبر (۷۴)

۱- صحیح مسلم البر والصلة ۱۱۵، مسند احمد ۲: ۲۴۴، ۲۵۱، فتح الباری ۱۱: ۳، نیز رواہ البخاری ومشکوٰۃ باب الاسلام وتشیید المبانی

۲۔ مرصا والعماد، ص ۳۳۸

مکتوب نمبر (۷۶)

۱۔ اتحاف ۷: ۲۲۳، كشف الخفاء ۲: ۲۷۳، مرقاۃ المفاتيح شرح مشكوة المصابيح ۹: ۳۹۴

مکتوب نمبر (۷۸)

۱- صحیح البخاری ادب، ۹۶، صحیح مسلم ب، ۱۶۵، جامع الترمذی زبد، ۵۰، دعوات، ۹۸، سنن الدارمی رقاق، ۷، مسند احمد، ۲۹۳، ۴۰۳، ۱۱۱، ۱۰۷، ۱۰۴.

۲۔ فتح الباری ۱: ۲۰۹، الحاوی للفتاویٰ ۲: ۲۷، کشف الخفاء ۲: ۴۶۲، نیز صحیح البخاری و صحیح مسلم

مکتوب نمبر (۸۰)

۱- صحیح البخاری ادب ۹۶، صحیح مسلم ب ۱۶۵، جامع الترمذی زید ۵۰، دعوات ۹۸، سنن الدارمی رفاق ۷، مسند احمد ۲۹۲، ۳۰۲، ۱۰۴، ۱۱۱، ۱۰۷: ۱۰۷.

مکتوب نمبر (۸۱)

۱۔ رواہ البیہقی فی شعب الایمان، نیز مشکوٰۃ

۲۔ رواہ الترمذی عن جابرؓ

مکتوب نمبر (۸۳)

۱۔ صحیح البخاری ادب ۹۶، صحیح مسلم بر ۱۶۵، جامع الترمذی زہد ۵۰، دعوات ۹۸، سنن الدارمی رقاق ۷۱، مسند احمد ۱: ۲۹۲، ۳: ۱۰۴، ۱۱: ۱۱۱، ۱۰۷: ۱۰۷

مکتوب نمبر (۸۷)

۱۔ الترغیب والترہیب ۱: ۸۰، مشکوٰۃ ۶: ۱۷۱، الکامل ۲: ۳۹، السلسلۃ الضعیفہ ۳۲۶، نیز رواہ البیہقی فی کتاب الزہد

مکتوب نمبر (۹۰)

۱۔ کنز العمال ۳۹۵۳، کشف الخفاء ۱: ۵۴، تہذیب تاریخ دمشق ۲: ۶۵، نیز رواہ البیہقی، مشکوٰۃ

مکتوب نمبر (۹۲)

۱۔ فتح الباری ۱: ۲۰۹، الحاوی للفتاویٰ ۲: ۲۷، کشف الخفاء ۲: ۲۶۲

۲۔ فتح الباری ۱: ۲۰۹، الحاوی للفتاویٰ ۲: ۲۷، کشف الخفاء ۲: ۲۶۲، نیز بخاری و مسلم

مکتوب نمبر (۹۳)

۱۔ مثلاً مکتوب اول، دفتر دوم

۲۔ مشنوی ۴: ۳۲۵

مکتوب نمبر (۹۶)

۱۔ دیکھئے: مسند الحمیدی ۵۲۶، صحیح البخاری ۶: ۱۱، فتح الباری ۸: ۱۳۲، مسند احمد ۱: ۳۳۶، مشکوٰۃ ۵۹۶۶، البدایہ والنہایہ ۵: ۱۲۷، دلائل النبوة ۷: ۱۸۳، نیز مسلم

۲۔ الدر المنثور ۳: ۲۰۳، تفسیر القرطبی ۸: ۴۷، تفسیر الطبری ۱۰: ۳۴

۳۔ رواہ البخاری عن ابو ہریرہؓ

۴۔ جامع الترمذی ۳۸۶۲، مسند احمد ۵: ۵۴، کنز العمال ۳۲۸۸۳

مکتوب نمبر (۹۸)

۱۔ مرصاد العباد ص ۳۳۸

مکتوب نمبر (۹۹)

۱۔ ان الفاظ میں: لا یرمی رجل رجلاً بالفسوق ولا یرمیہ بالكفر الا ارتد علیہ ان لم یکن صاحبہ كذلك. (دیکھئے:

بخاری ۸: ۱۸، نیز: مسند احمد ۵: ۱۸۱، مجمع الزوائد ۸: ۷۳، مشکوٰۃ ۸۱۶۶، فتح الباری ۱۰: ۴۶۴)

۲۔ کنز العمال ۳۲۵۳، ۳۲۵۵، ۶۷۸۰-۶۷۸۳، مستدرک الحاکم ۳: ۳۴۳، اتحاف ۵: ۱۱۶، ۸: ۱۲۱، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۲۳، البدایہ والنہایہ ۱: ۲۲۴، ۵: ۲۳۷

۳۔ اتحاف السادہ ۸: ۶۰۸، الفوائد المجموعہ ۲۵۰، کشف الخفاء ۱: ۴۲۸

۴۔ الشفا ۲: ۶۵۲، مسند احمد ۴: ۲۳، سنن الدارقطنی ۱: ۱۵۰، رواہ البخاری و مسلم و شرح علی قاری

۵۔ کنز العمال ۳۶۷۷، ۵۰۷۵، مجمع الزوائد ۱۰: ۱۸۱، کشف الخفاء ۱: ۲۱۷، کشف ۱۰: ۱۰۱، تفسیر القرطبی ۱۶: ۱۸۱

۶۔ فتح الباری، ۷: ۱۶۶، کنز العمال، ۳۲۶۱، ۵۸۱۷، ۵۸۱۸، ۳۲۱۶۰، کشف الخفاء ۲: ۲۵۳، میزان الاعتدال، ۷: ۶۲۴، ۹۸۸۴، الکامل،

۷: ۲۶۱۳، تذکرہ ۶۶۸، حلیۃ الاولیاء، ۶: ۳۳۳

۷۔ صحیح البخاری ادب ۹۶، صحیح مسلم بر ۱۶۵، جامع الترمذی زہد ۵۰، دعوات ۹۸

حواشی و تعلیقات دفتر سوّم

مکتوب نمبر (۴)

- ۱۔ تفسیر القرطبی ۴: ۳۱۴، اتحاف ۱: ۱۶۱، المفتی ۳: ۴۰۹، اسرار المرفوعہ ۱۶۲، کشف الخفاء ۱: ۳۷۰، فوائد ۲۵۱، تذکرہ ۱۸۸، نیز رواہ ملا علی قاری فی شرح شامک

مکتوب نمبر (۶)

- ۱۔ حضرت مجدد قدس سرہ کا قلعہ گوالیار میں قید ہونا۔

مکتوب نمبر (۹)

- ۱۔ رواہ البیہقی عن عائشہؓ
- ۲۔ رواہ ترمذی بحوالہ مشکوٰۃ عن جابرؓ

مکتوب نمبر (۱۱)

- ۱۔ دیکھئے: بخاری ادب ۹۶، مسلم بر ۱۶۵

مکتوب نمبر (۱۳)

- ۱۔ مکتوب نمبر ۳ بنام حضرت خواجہ محمد سعید قدس سرہ

مکتوب نمبر (۱۷)

- ۱۔ مرصاد العباد ص ۲۳۸
- ۲۔ سنن ابی داؤد ۳۹۹، جامع الترمذی ۲۴۳۳۶، مسند احمد ۳: ۲۱۳، السنن الکبریٰ ۸: ۱۷۰، ۱۰: ۱۹۰، المعجم الکبیر ۱: ۲۳۲، ۱۱: ۱۸۹، مجمع الزوائد ۱۰: ۳۷۸، تلخیص الخیر ۳: ۱۲۰، مشکاۃ ۵۵۹۸، ۵۵۹۹، اتحاف ۳: ۲۸۸، ۹: ۱۸۴، ۱۰: ۵۶۰، موارد الظمان ۲۵۹۶، مسند الشہاب ۲۳۶، ۲۳۷، کنز العمال ۳۹۰۵۵، ۳۹۷۵۱
- ۳۔ بخاری ۱: ۱۲۶، مسلم فضائل الصحابہ رقم ۲-۵، مسند احمد ۱: ۲۷۰، ۳: ۱۸، فتح الباری ۱: ۵۵۸، جامع الترمذی ۳۶۵۹، ۳۶۶۰، سنن ابن ماجہ ۹۳، الحیوی للفتاویٰ ۲: ۵۴، ۵۵، مشکل الآثار ۱: ۴۴۱
- ۴۔ بخاری ۵: ۶، جمع الجوامع ۳۲، کنز العمال ۳۲۶۰۹، البدایہ والنہایہ ۳: ۲۷، فتح الباری ۷: ۱۸، السنۃ ۲: ۵۷۶
- ۵۔ جامع الترمذی ۳۶۸۶، مستدرک الحکم ۳: ۸۵، المعجم الکبیر ۷: ۲۹۸، ۳۱۰، مجمع الزوائد ۹: ۶۸، کنز العمال ۳۲۷۴۵، مشکاۃ ۶۰۳۵، فتح الباری ۷: ۵۱، زاد المسیر ۸: ۳۰۸، احادیث صحیحہ ۳۲۷
- ۶۔ جامع الترمذی ۳۸۶۲، مسند احمد ۵: ۵۴، ۵۷، کنز العمال ۳۲۸۸۳، ۳۲۵۳۰، جامع الجوامع ۹۶۵۷، موارد الظمان ۲۲۸۴، مشکاۃ ۶۰۰۵، میزان الاعتدال ۴۴۱۳، لسان المیزان ۳: ۱۲۶۹
- ۷۔ جامع الترمذی ۳۸۶۲، ایضاً
- ۸۔ بخاری ۹: ۱، مسلم الایمان ۲۰، ۲۱، جامع الترمذی ۲۶۰۹، مسند احمد ۲: ۲۶، ۹۳، ۱۲۰، ۴: ۳۶۳، ۳۶۴، السنن الکبریٰ ۱: ۳۵۸، ۴: ۸۱، ۱۹۹، مجمع الزوائد ۴۸، مشکاۃ ۴: ۲۸، ۲۹، ۲۱، ۲۲، ۲۸، ۲۹
- ۹۔ الترغیب ۲: ۵۷۰، اتحاف ۵: ۵۷، مشکاۃ ۲۳۵۳، کنز العمال ۲۱۰۷، ۲۱۰۹، الاذکار ۳۶۰، نیز رواہ ترمذی
- ۱۰۔ سنن ابن ماجہ ۳۸۱۸، مشکاۃ ۲۳۵۶، کنز العمال ۲۰۸۸، جامع مسانید ابی حنیفہ ۹۲، الترغیب ۲: ۴۶۸، درالمشور ۳: ۱۸۳، الاذکار ۳۶۰

- ۱۱۔ الترغیب: ۲، ۴۵۳: ۱، مجمع الکبیر: ۸، ۱۳۴: ۱، مجمع الزوائد: ۲، ۱۲۸: ۱، عمل الیوم واللیلہ: ۱۲۰، ۱۲۱، اتحاف: ۵، ۱۳۳: ۱، کنز العمال: ۲۵۳۳، ۲۵۷۰، ۲۵۶: ۱، امالی الشجر: ۱، ۱۱۱: ۱، الامالی المصنوعہ: ۱۱۹، ۱۲۰
- ۱۲۔ مجمع الکبیر: ۸، ۳۳۶: ۱، امالی الشجر: ۱، ۲۴۶: ۱، عمل الیوم واللیلہ: ۱۳۹، نیز رواہ مسلم
- ۱۳۔ میزان الاعتدال: ۴۴۹۳، عمل الیوم واللیلہ: ۳۹، موارد النظم: ۲۳۶۱، سنن ابی داؤد الادب: ۱۰۹، کنز العمال: ۳۴۸۶
- ۱۴۔ سنن النسائی: ۵، ۱۱۴: ۱، سنن ابن ماجہ: ۲۸۸۹، مسند احمد: ۲، ۴۱۰: ۱، سنن الکبریٰ: ۵، ۶۷: ۱، کنز العمال: ۸۸۰۰
- ۱۵۔ اتحاف: ۱۱، ۱۰: ۱، المغنی: ۴، ۶۳: ۱، تذکرہ: ۲۱۵، کشف الخفاء: ۲، ۳۸۶: ۱، الفوائد المجموعہ: ۳۶۷، نیز رواہ دیلمی عن انسؓ مرفوعاً
- ۱۶۔ کنوز الحقائق، ص ۱۴۰، احادیث مثنوی، ص ۴۲

مکتوب نمبر (۱۸)

- ۱۔ حضرت مجدد قدس سرہ نے یہ مکتوب قید خانہ سے تحریر فرمایا۔
- ۲۔ رواہ ملا علی قاری فی شرح مشکوٰۃ، دیکھئے: تشبیہ الملبانی
- ۳۔ شاید مکتوب نمبر ۱۰، دفتر سؤم

مکتوب نمبر (۲۱)

- ۱۔ یہ حدیث ان الفاظ سے شروع ہوتی ہے: یدخل الجنة من امتی سبعون الفا۔ دیکھئے: بخاری: ۸، ۱۲۴: ۱، مسلم الايمان: ۳۷۲، ۳۷۱، سنن الکبریٰ: ۹، ۳۴۱: ۱، مسند احمد: ۱، ۳۳۱: ۲، ۳۵۱: ۲، ۴۰۰: ۲، ۴۵۶: ۲، ۴۳۶: ۲، ۴۴۱: ۲، ۴۴۲: ۲، ۴۴۳: ۲، ۴۴۴: ۲، ۴۴۵: ۲، ۴۴۶: ۲، ۴۴۷: ۲، ۴۴۸: ۲، ۴۴۹: ۲، ۴۵۰: ۲، ۴۵۱: ۲، ۴۵۲: ۲، ۴۵۳: ۲، ۴۵۴: ۲، ۴۵۵: ۲، ۴۵۶: ۲، ۴۵۷: ۲، ۴۵۸: ۲، ۴۵۹: ۲، ۴۶۰: ۲، ۴۶۱: ۲، ۴۶۲: ۲، ۴۶۳: ۲، ۴۶۴: ۲، ۴۶۵: ۲، ۴۶۶: ۲، ۴۶۷: ۲، ۴۶۸: ۲، ۴۶۹: ۲، ۴۷۰: ۲، ۴۷۱: ۲، ۴۷۲: ۲، ۴۷۳: ۲، ۴۷۴: ۲، ۴۷۵: ۲، ۴۷۶: ۲، ۴۷۷: ۲، ۴۷۸: ۲، ۴۷۹: ۲، ۴۸۰: ۲، ۴۸۱: ۲، ۴۸۲: ۲، ۴۸۳: ۲، ۴۸۴: ۲، ۴۸۵: ۲، ۴۸۶: ۲، ۴۸۷: ۲، ۴۸۸: ۲، ۴۸۹: ۲، ۴۹۰: ۲، ۴۹۱: ۲، ۴۹۲: ۲، ۴۹۳: ۲، ۴۹۴: ۲، ۴۹۵: ۲، ۴۹۶: ۲، ۴۹۷: ۲، ۴۹۸: ۲، ۴۹۹: ۲، ۵۰۰: ۲، ۵۰۱: ۲، ۵۰۲: ۲، ۵۰۳: ۲، ۵۰۴: ۲، ۵۰۵: ۲، ۵۰۶: ۲، ۵۰۷: ۲، ۵۰۸: ۲، ۵۰۹: ۲، ۵۱۰: ۲، ۵۱۱: ۲، ۵۱۲: ۲، ۵۱۳: ۲، ۵۱۴: ۲، ۵۱۵: ۲، ۵۱۶: ۲، ۵۱۷: ۲، ۵۱۸: ۲، ۵۱۹: ۲، ۵۲۰: ۲، ۵۲۱: ۲، ۵۲۲: ۲، ۵۲۳: ۲، ۵۲۴: ۲، ۵۲۵: ۲، ۵۲۶: ۲، ۵۲۷: ۲، ۵۲۸: ۲، ۵۲۹: ۲، ۵۳۰: ۲، ۵۳۱: ۲، ۵۳۲: ۲، ۵۳۳: ۲، ۵۳۴: ۲، ۵۳۵: ۲، ۵۳۶: ۲، ۵۳۷: ۲، ۵۳۸: ۲، ۵۳۹: ۲، ۵۴۰: ۲، ۵۴۱: ۲، ۵۴۲: ۲، ۵۴۳: ۲، ۵۴۴: ۲، ۵۴۵: ۲، ۵۴۶: ۲، ۵۴۷: ۲، ۵۴۸: ۲، ۵۴۹: ۲، ۵۵۰: ۲، ۵۵۱: ۲، ۵۵۲: ۲، ۵۵۳: ۲، ۵۵۴: ۲، ۵۵۵: ۲، ۵۵۶: ۲، ۵۵۷: ۲، ۵۵۸: ۲، ۵۵۹: ۲، ۵۶۰: ۲، ۵۶۱: ۲، ۵۶۲: ۲، ۵۶۳: ۲، ۵۶۴: ۲، ۵۶۵: ۲، ۵۶۶: ۲، ۵۶۷: ۲، ۵۶۸: ۲، ۵۶۹: ۲، ۵۷۰: ۲، ۵۷۱: ۲، ۵۷۲: ۲، ۵۷۳: ۲، ۵۷۴: ۲، ۵۷۵: ۲، ۵۷۶: ۲، ۵۷۷: ۲، ۵۷۸: ۲، ۵۷۹: ۲، ۵۸۰: ۲، ۵۸۱: ۲، ۵۸۲: ۲، ۵۸۳: ۲، ۵۸۴: ۲، ۵۸۵: ۲، ۵۸۶: ۲، ۵۸۷: ۲، ۵۸۸: ۲، ۵۸۹: ۲، ۵۹۰: ۲، ۵۹۱: ۲، ۵۹۲: ۲، ۵۹۳: ۲، ۵۹۴: ۲، ۵۹۵: ۲، ۵۹۶: ۲، ۵۹۷: ۲، ۵۹۸: ۲، ۵۹۹: ۲، ۶۰۰: ۲، ۶۰۱: ۲، ۶۰۲: ۲، ۶۰۳: ۲، ۶۰۴: ۲، ۶۰۵: ۲، ۶۰۶: ۲، ۶۰۷: ۲، ۶۰۸: ۲، ۶۰۹: ۲، ۶۱۰: ۲، ۶۱۱: ۲، ۶۱۲: ۲، ۶۱۳: ۲، ۶۱۴: ۲، ۶۱۵: ۲، ۶۱۶: ۲، ۶۱۷: ۲، ۶۱۸: ۲، ۶۱۹: ۲، ۶۲۰: ۲، ۶۲۱: ۲، ۶۲۲: ۲، ۶۲۳: ۲، ۶۲۴: ۲، ۶۲۵: ۲، ۶۲۶: ۲، ۶۲۷: ۲، ۶۲۸: ۲، ۶۲۹: ۲، ۶۳۰: ۲، ۶۳۱: ۲، ۶۳۲: ۲، ۶۳۳: ۲، ۶۳۴: ۲، ۶۳۵: ۲، ۶۳۶: ۲، ۶۳۷: ۲، ۶۳۸: ۲، ۶۳۹: ۲، ۶۴۰: ۲، ۶۴۱: ۲، ۶۴۲: ۲، ۶۴۳: ۲، ۶۴۴: ۲، ۶۴۵: ۲، ۶۴۶: ۲، ۶۴۷: ۲، ۶۴۸: ۲، ۶۴۹: ۲، ۶۵۰: ۲، ۶۵۱: ۲، ۶۵۲: ۲، ۶۵۳: ۲، ۶۵۴: ۲، ۶۵۵: ۲، ۶۵۶: ۲، ۶۵۷: ۲، ۶۵۸: ۲، ۶۵۹: ۲، ۶۶۰: ۲، ۶۶۱: ۲، ۶۶۲: ۲، ۶۶۳: ۲، ۶۶۴: ۲، ۶۶۵: ۲، ۶۶۶: ۲، ۶۶۷: ۲، ۶۶۸: ۲، ۶۶۹: ۲، ۶۷۰: ۲، ۶۷۱: ۲، ۶۷۲: ۲، ۶۷۳: ۲، ۶۷۴: ۲، ۶۷۵: ۲، ۶۷۶: ۲، ۶۷۷: ۲، ۶۷۸: ۲، ۶۷۹: ۲، ۶۸۰: ۲، ۶۸۱: ۲، ۶۸۲: ۲، ۶۸۳: ۲، ۶۸۴: ۲، ۶۸۵: ۲، ۶۸۶: ۲، ۶۸۷: ۲، ۶۸۸: ۲، ۶۸۹: ۲، ۶۹۰: ۲، ۶۹۱: ۲، ۶۹۲: ۲، ۶۹۳: ۲، ۶۹۴: ۲، ۶۹۵: ۲، ۶۹۶: ۲، ۶۹۷: ۲، ۶۹۸: ۲، ۶۹۹: ۲، ۷۰۰: ۲، ۷۰۱: ۲، ۷۰۲: ۲، ۷۰۳: ۲، ۷۰۴: ۲، ۷۰۵: ۲، ۷۰۶: ۲، ۷۰۷: ۲، ۷۰۸: ۲، ۷۰۹: ۲، ۷۱۰: ۲، ۷۱۱: ۲، ۷۱۲: ۲، ۷۱۳: ۲، ۷۱۴: ۲، ۷۱۵: ۲، ۷۱۶: ۲، ۷۱۷: ۲، ۷۱۸: ۲، ۷۱۹: ۲، ۷۲۰: ۲، ۷۲۱: ۲، ۷۲۲: ۲، ۷۲۳: ۲، ۷۲۴: ۲، ۷۲۵: ۲، ۷۲۶: ۲، ۷۲۷: ۲، ۷۲۸: ۲، ۷۲۹: ۲، ۷۳۰: ۲، ۷۳۱: ۲، ۷۳۲: ۲، ۷۳۳: ۲، ۷۳۴: ۲، ۷۳۵: ۲، ۷۳۶: ۲، ۷۳۷: ۲، ۷۳۸: ۲، ۷۳۹: ۲، ۷۴۰: ۲، ۷۴۱: ۲، ۷۴۲: ۲، ۷۴۳: ۲، ۷۴۴: ۲، ۷۴۵: ۲، ۷۴۶: ۲، ۷۴۷: ۲، ۷۴۸: ۲، ۷۴۹: ۲، ۷۵۰: ۲، ۷۵۱: ۲، ۷۵۲: ۲، ۷۵۳: ۲، ۷۵۴: ۲، ۷۵۵: ۲، ۷۵۶: ۲، ۷۵۷: ۲، ۷۵۸: ۲، ۷۵۹: ۲، ۷۶۰: ۲، ۷۶۱: ۲، ۷۶۲: ۲، ۷۶۳: ۲، ۷۶۴: ۲، ۷۶۵: ۲، ۷۶۶: ۲، ۷۶۷: ۲، ۷۶۸: ۲، ۷۶۹: ۲، ۷۷۰: ۲، ۷۷۱: ۲، ۷۷۲: ۲، ۷۷۳: ۲، ۷۷۴: ۲، ۷۷۵: ۲، ۷۷۶: ۲، ۷۷۷: ۲، ۷۷۸: ۲، ۷۷۹: ۲، ۷۸۰: ۲، ۷۸۱: ۲، ۷۸۲: ۲، ۷۸۳: ۲، ۷۸۴: ۲، ۷۸۵: ۲، ۷۸۶: ۲، ۷۸۷: ۲، ۷۸۸: ۲، ۷۸۹: ۲، ۷۹۰: ۲، ۷۹۱: ۲، ۷۹۲: ۲، ۷۹۳: ۲، ۷۹۴: ۲، ۷۹۵: ۲، ۷۹۶: ۲، ۷۹۷: ۲، ۷۹۸: ۲، ۷۹۹: ۲، ۸۰۰: ۲، ۸۰۱: ۲، ۸۰۲: ۲، ۸۰۳: ۲، ۸۰۴: ۲، ۸۰۵: ۲، ۸۰۶: ۲، ۸۰۷: ۲، ۸۰۸: ۲، ۸۰۹: ۲، ۸۱۰: ۲، ۸۱۱: ۲، ۸۱۲: ۲، ۸۱۳: ۲، ۸۱۴: ۲، ۸۱۵: ۲، ۸۱۶: ۲، ۸۱۷: ۲، ۸۱۸: ۲، ۸۱۹: ۲، ۸۲۰: ۲، ۸۲۱: ۲، ۸۲۲: ۲، ۸۲۳: ۲، ۸۲۴: ۲، ۸۲۵: ۲، ۸۲۶: ۲، ۸۲۷: ۲، ۸۲۸: ۲، ۸۲۹: ۲، ۸۳۰: ۲، ۸۳۱: ۲، ۸۳۲: ۲، ۸۳۳: ۲، ۸۳۴: ۲، ۸۳۵: ۲، ۸۳۶: ۲، ۸۳۷: ۲، ۸۳۸: ۲، ۸۳۹: ۲، ۸۴۰: ۲، ۸۴۱: ۲، ۸۴۲: ۲، ۸۴۳: ۲، ۸۴۴: ۲، ۸۴۵: ۲، ۸۴۶: ۲، ۸۴۷: ۲، ۸۴۸: ۲، ۸۴۹: ۲، ۸۵۰: ۲، ۸۵۱: ۲، ۸۵۲: ۲، ۸۵۳: ۲، ۸۵۴: ۲، ۸۵۵: ۲، ۸۵۶: ۲، ۸۵۷: ۲، ۸۵۸: ۲، ۸۵۹: ۲، ۸۶۰: ۲، ۸۶۱: ۲، ۸۶۲: ۲، ۸۶۳: ۲، ۸۶۴: ۲، ۸۶۵: ۲، ۸۶۶: ۲، ۸۶۷: ۲، ۸۶۸: ۲، ۸۶۹: ۲، ۸۷۰: ۲، ۸۷۱: ۲، ۸۷۲: ۲، ۸۷۳: ۲، ۸۷۴: ۲، ۸۷۵: ۲، ۸۷۶: ۲، ۸۷۷: ۲، ۸۷۸: ۲، ۸۷۹: ۲، ۸۸۰: ۲، ۸۸۱: ۲، ۸۸۲: ۲، ۸۸۳: ۲، ۸۸۴: ۲، ۸۸۵: ۲، ۸۸۶: ۲، ۸۸۷: ۲، ۸۸۸: ۲، ۸۸۹: ۲، ۸۹۰: ۲، ۸۹۱: ۲، ۸۹۲: ۲، ۸۹۳: ۲، ۸۹۴: ۲، ۸۹۵: ۲، ۸۹۶: ۲، ۸۹۷: ۲، ۸۹۸: ۲، ۸۹۹: ۲، ۹۰۰: ۲، ۹۰۱: ۲، ۹۰۲: ۲، ۹۰۳: ۲، ۹۰۴: ۲، ۹۰۵: ۲، ۹۰۶: ۲، ۹۰۷: ۲، ۹۰۸: ۲، ۹۰۹: ۲، ۹۱۰: ۲، ۹۱۱: ۲، ۹۱۲: ۲، ۹۱۳: ۲، ۹۱۴: ۲، ۹۱۵: ۲، ۹۱۶: ۲، ۹۱۷: ۲، ۹۱۸: ۲، ۹۱۹: ۲، ۹۲۰: ۲، ۹۲۱: ۲، ۹۲۲: ۲، ۹۲۳: ۲، ۹۲۴: ۲، ۹۲۵: ۲، ۹۲۶: ۲، ۹۲۷: ۲، ۹۲۸: ۲، ۹۲۹: ۲، ۹۳۰: ۲، ۹۳۱: ۲، ۹۳۲: ۲، ۹۳۳: ۲، ۹۳۴: ۲، ۹۳۵: ۲، ۹۳۶: ۲، ۹۳۷: ۲، ۹۳۸: ۲، ۹۳۹: ۲، ۹۴۰: ۲، ۹۴۱: ۲، ۹۴۲: ۲، ۹۴۳: ۲، ۹۴۴: ۲، ۹۴۵: ۲، ۹۴۶: ۲، ۹۴۷: ۲، ۹۴۸: ۲، ۹۴۹: ۲، ۹۵۰: ۲، ۹۵۱: ۲، ۹۵۲: ۲، ۹۵۳: ۲، ۹۵۴: ۲، ۹۵۵: ۲، ۹۵۶: ۲، ۹۵۷: ۲، ۹۵۸: ۲، ۹۵۹: ۲، ۹۶۰: ۲، ۹۶۱: ۲، ۹۶۲: ۲، ۹۶۳: ۲، ۹۶۴: ۲، ۹۶۵: ۲، ۹۶۶: ۲، ۹۶۷: ۲، ۹۶۸: ۲، ۹۶۹: ۲، ۹۷۰: ۲، ۹۷۱: ۲، ۹۷۲: ۲، ۹۷۳: ۲، ۹۷۴: ۲، ۹۷۵: ۲، ۹۷۶: ۲، ۹۷۷: ۲، ۹۷۸: ۲، ۹۷۹: ۲، ۹۸۰: ۲، ۹۸۱: ۲، ۹۸۲: ۲، ۹۸۳: ۲، ۹۸۴: ۲، ۹۸۵: ۲، ۹۸۶: ۲، ۹۸۷: ۲، ۹۸۸: ۲، ۹۸۹: ۲، ۹۹۰: ۲، ۹۹۱: ۲، ۹۹۲: ۲، ۹۹۳: ۲، ۹۹۴: ۲، ۹۹۵: ۲، ۹۹۶: ۲، ۹۹۷: ۲، ۹۹۸: ۲، ۹۹۹: ۲، ۱۰۰۰: ۲

۱۲۶

مکتوب نمبر (۲۳)

- ۱۔ صحیح مسلم، علم، سنن الترمذی، علم، سنن ابن ماجہ مقدمہ ۸، سنن الدارمی مقدمہ ۲۶، مسند احمد: ۲، ۱۶۲: ۱۹۰
- ۲۔ بوستان سعدی، ص ۹
- ۳۔ افسوس کہ حضرت مجدد قدس سرہ کے دست مبارک سے لکھے مکتوبات شریف کہیں دستیاب نہیں۔ جو ملتے ہیں وہ سب کاتبوں کے (لکھے ہوئے ہیں)۔ مکتوبات شریف میں افلاطون کا ذکر مکتوب ۱: ۲۶۶، ۳: ۳۱۳، ۳: ۲۳۳ میں آتا ہے اور ان تینوں مقامات میں اس کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معاصر لکھا گیا ہے۔ لیکن یقین ہے کہ حضرت مجدد قدس سرہ نے مذکورہ بالا مقامات میں حضرت موسیٰ لکھا ہوگا (حضرت عیسیٰ علیہ السلام لکھا ہوگا)۔ (از حضرت ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان صاحب، حواشی مکتوبات امام ربانی از حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ)

مکتوب نمبر (۲۴)

- ۱۔ جامع الترمذی: ۴، ۳۴۴: ۱، مسند احمد: ۳، ۱۸۴: ۱، ۲۸۱: ۱، سنن ابن ماجہ: ۱۵۴، سنن الکبریٰ: ۶، ۲۱۰: ۱، مستدرک الحاکم: ۳، ۴۲۲: ۱، مشکاۃ: ۶۱۱۱، موارد النظم: ۲۲۱۸، کنز العمال: ۵۳، ۳۱۷، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳،

۲۔ دیوان حافظ، ص ۲۷۲

مکتوب نمبر (۲۷)

۱۔ رواہ رزین عن ابن مسعود و احمد و بیہقی و ترمذی عن نواس بن سمرعان۔ (حواشی مکتوبات امام ربانی)

مکتوب نمبر (۳۱)

۱۔ اتحاف ۱۰: ۱۱، ۳۸۰: ۴، المغنی ۴: ۶۳، ۴۷۹، تذکرہ ۲۱۵، کشف الخفاء ۲: ۳۸۶، الفوائد المجموعہ ۲۶۷

۲۔ مسند احمد ۱: ۳۹۲، دلائل النبوة ۲: ۵۲۵، الدر المنثور ۳: ۶۶

مکتوب نمبر (۳۳)

۱۔ یعنی: میں حق ہوں۔ قول منصور یعنی: میں پاک ہوں۔ قول بایزید

۳۔ میرے جہ میں اللہ کے سوا کچھ نہیں۔ قول جنید

۴۔ الفاظ کی کمی و بیشی کے ساتھ: اتحاف ۴: ۳۶۲، ۵: ۷۷، المغنی ۱: ۳۲۲، کنز العمال ۸۹: ۳، جمع الجوامع ۹۹۳۰

۵۔ مسلم صفات المنافقین ۶۹، مسند احمد ۱: ۳۸۵، ۴۰۱، مشکاة ۹۷

مکتوب نمبر (۳۴)

۱۔ آپ حضرت خواجہ میر محمد نعمان قدس سرہ کی زوجہ محترمہ ہیں۔

مکتوب نمبر (۳۷)

۱۔ دیکھئے: بخاری ادب ۹۶، مسلم بر ۱۶۵

مکتوب نمبر (۳۸)

۱۔ اس حدیث کو ترمذی، احمد اور ابوداؤد نے حضرت معاویہؓ سے روایت کیا ہے۔ (مشکوٰۃ)

مکتوب نمبر (۴۱)

۱۔ اتحاف ۸: ۲۸۱، الدر المنثور ۴: ۲۵۷، نیز رواہ احمد و بیہقی، مشکوٰۃ

۲۔ اتحاف ۸: ۲۷۴، الدر المنثور ۴: ۲۵۷، نیز رواہ ابن مردویہ فی الترغیب والترہیب

۳۔ سنن النسائي ۴: ۱۶۱، ۱۶۲، السنن الکبریٰ ۴: ۳۰۴، مسند الریج بن حبیب ۱: ۶۵، الترغیب والترہیب ۲: ۸۰، اتحاف ۴: ۱۹۰

۴۔ رواہ سیوطی فی جامع الکبیر ۵۔ رواہ مسلم بزیادة

۶۔ الترغیب والترہیب ۲: ۱۶۳، الطبقات الکبریٰ ۴: ۶، نیز رواہ البيهقي فی شعب الایمان

۷۔ رواہ البيهقي عن عائشة، مشکوٰۃ

مکتوب نمبر (۴۴)

۱۔ دیوان حافظ، ص ۱۳ ۲۔ مرصاد العباد، ص ۲۳۸

مکتوب نمبر (۴۷)

۱۔ جامع الترمذی، نمبر ۲۱۳۹، مشکوٰۃ ۲۲۳۳، ترغیب ۲: ۲۸۲

۲۔ رواہ شرح السنہ، مشکوٰۃ

مکتوب نمبر (۴۸)

۱۔ اتحاف ۷: ۲۴۳، کشف الخفاء ۲: ۲۷۳، مرقاۃ ۹: ۳۹۴

مکتوب نمبر (۵۰)

۱۔ بخاری ادب ۹۶، مسلم بر ۱۶۵

مکتوب نمبر (۵۲)

۱۔ بخاری ۴: ۱۷۰، ۹۵: ۲، مسند احمد ۲: ۸۵، کنز العمال ۲۸: ۸۰، الفقیہ والمحقق ۹: ۱

مکتوب نمبر (۵۳)

۱۔ مسلم البر والصلة ۹۵، فتح الباری ۱۱: ۲، اتحاف ۸: ۱۷، مسند احمد ۲: ۲۳۳

مکتوب نمبر (۵۸)

۱۔ بخاری توحید ۲۲، بدء الخلق ۱، مسند احمد ۳: ۲۲۱

مکتوب نمبر (۵۹)

۱۔ تہذیب تاریخ دمشق ۶: ۱۲۸، تذکرہ ۸۸۴، اتحاف ۹: ۶۵۱، نیز رواہ الطبرانی فی معجم الکبیر، تشہید المبانی

مکتوب نمبر (۶۱)

۱۔ سنن ابی داؤد نکاح ۴۳، جامع الترمذی ادب ۲۸، سنن الدارمی رقاق ۳، مسند احمد ۵: ۳۵۱، ۳۵۳، ۳۵۷

۲۔ اشعة الممعات، نیز اسی مفہوم میں دیکھئے: سنن ابی داؤد طب ۱۱

مکتوب نمبر (۶۶)

۱۔ بعض کے نزدیک مقولہ ہے اور بعض نے حدیث کہا ہے۔ (تشہید المبانی)

۲۔ الحاوی للفتاویٰ ۲: ۴۱۲، کشف الخفاء ۲: ۳۶۲، اسرار المرفوعہ ۳۵۱، الدرر المنقشہ ۱۵۲، شرح نوح البلاغہ ۴: ۵۴۷، کنوز الحقائق ۹، اللؤلؤ

المروصع ۸۶، احادیث مثنوی ۱۶۷

۳۔ سنن ابی داؤد نکاح ۴۳، جامع الترمذی ادب ۲۸، سنن الدارمی رقاق ۳، مسند احمد ۵: ۳۵۱، ۳۵۳، ۳۵۷

۴۔ ایضاً

مکتوب نمبر (۶۷)

۱۔ مؤلف سے مراد اگر خود حضرت مجدد قدس سرہ ہیں تو گویا یہ رباعی آپ کا واحد شعری کلام ہے۔ (حواشی مکتوبات امام ربانی از حضرت مولانا

سید زوار حسن شاہ)

مکتوب نمبر (۶۸)

۱۔ احیاء العلوم ۴: ۲۱۸

مکتوب نمبر (۷۵)

۱۔ اتحاف ۱: ۷۹، ۵: ۱۵۰، ۷: ۲۳۱، ۹: ۶۲۸، ۱۰: ۴۳۹، المغنی ۴: ۳۲۶، تذکرہ ۲۲، درر المنقشہ ۱۴۶، اسرار المرفوعہ ۳۲۷، کشف الخفاء ۲:

۳۲۳، نیز رواہ دلیلی و سیوطی و سخاوی، تشہید المبانی

۲۔ الرسالة الغوثیہ، ص ۶۶

مکتوب نمبر (۷۶)

۱۔ اتحاف ۱: ۴۵۳، اللآلی المصنوعہ ۱: ۶۸، ۱۲۹، ۱۳۰، وافی فیض ۱: ۱۷، ۱۹، احادیث مثنوی ۲۰۲

۲۔ بحار الانوار جلد ۶، باب بدء خلقہ وما جرى له، احادیث مثنوی ۱۱۴

۳۔ اتحاف ۲: ۷۲، ۵: ۱۳۷، المغنی ۱: ۱۰۱، القوائد المجموعہ ۴۵، اشعة الممعات، ص ۷۷، ۷۸

۴۔ اتحاف ۲: ۷۲، ۳: ۷۳، فتح الباری ۱۳: ۲۷، المسند ابی عوانہ ۱: ۱۴۵، المغنی ۱: ۱۰۱، تذکرہ ۱۲

۵۔ ایضاً، نیز دیکھئے: القوائد المجموعہ ۴۵، اشعة الممعات، ص ۷۷، ۷۸

مکتوب نمبر (۷۷)

۱۔ رسالة الغوثیہ، ص ۶۶

۲۔ رواہ القسطلانی فی المواہب اللدنیہ

مکتوب نمبر (۷۸)

۱۔ یہ مکتوب لشکر کے ساتھ قیام کے دوران تحریر فرمایا گیا ہے۔

مکتوب نمبر (۷۹)

۱۔ بخاری ادب ۹۶، مسلم بر ۱۶۵

۲۔ مسلم البر واصلۃ ۱۱۵، الجتہ ۲۸، مسند احمد ۲: ۲۴۴، ۲۵۱، ۳۲۳، ۴۳۴، ۴۶۳، ۵۱۹، مسند الحمیدی ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، تہذیب تاریخ دمشق ۱: ۳۹۵، فتح

الباری ۱۱: ۳، المغنی ۲: ۱۶۶، سلسلہ احادیث الصحیحہ ۱۰۷، السنۃ لابن ابی عاصم ۱: ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، الاسماء والصفات ۲۹۰، ۲۹۱

۳۔ مستدرک الحاکم ۱: ۱۱۵، مشکاۃ ۴: ۱۷۷، السنۃ لابن ابی عاصم ۱: ۳۹، تفسیر القرطبی ۱۲: ۵۶، تہذیب تاریخ دمشق ۲: ۲۸۹

مکتوب نمبر (۸۰)

۱۔ گلستان سعدی، ص ۲۱

۲۔ مسلم البر واصلہ ۱۱۵، مسند احمد ۲: ۲۴۴

۳۔ گلستان سعدی، ص ۸۶

مکتوب نمبر (۸۲)

۱۔ دیکھئے دفتر دوم کا مکتوب نمبر ۱۰۶، وہاں تحریر ہے کہ ”ایک زمانے کے بعد ظاہر ہوا کہ اس (تیسرے) کو بھی قبول کر لیا گیا ہے“ اور ان سے

غالباً مراد خواجہ محمد ہاشم (رحمۃ اللہ علیہ) ہیں اور بادشاہ کے نوکروں کی نوکری سے مراد حضرت خواجہ محمد سعید قدس سرہ اور حضرت محمد معصوم

قدس سرہ کی نوکری ہے۔ (حاشیہ مکتوبات امام ربانی از مولانا نور احمد امروہی اور حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ)

مکتوب نمبر (۸۵)

۱۔ اس حدیث کی طرف اشارہ ہے: کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیتہ۔ (بخاری ج ۲، ۳۲، وصایا ۹، جامع الترمذی ج ۷، ۳۷،

مسند احمد ۲: ۴۵، ۴۵۴)

مکتوب نمبر (۸۷)

۱۔ جب مکتوب ہذا پر بعض حضرات نے اعتراضات کیے تو حضرت مجدد قدس سرہ نے ان کا جواب اسی دفتر کے مکتوب ۱۲۱ میں دیا، جو حضرت

خواجہ حسام الدین رحمۃ اللہ علیہ کو تحریر فرمایا۔

مکتوب نمبر (۸۸)

۱۔ شمائل ترمذی، ص ۱۶۶

۲۔ فتح الباری ۷: ۱۶۶، کنز العمال ۳۲۶۱، ۵۸۱۷، ۵۸۱۸، کشف الخفاء ۲: ۲۵۳، تذکرہ ۶۸۸، الکامل ۷: ۲۶۱۳، حلیۃ الاولیاء ۶: ۳۳۳، المعجم

الکبیر ۵: ۲۵۳، العلل المتناہیہ ۱: ۲۱۵

۳۔ المعنی ۳: ۸

۵۔ اللؤلؤ والمرصوع، ص ۶۱، منارات السائرین، احادیث مثنوی، ص ۲۹

۶۔ بخاری ادب ۹۶، مسلم بر ۱۶۵

مکتوب نمبر (۸۹)

۱۔ اتحاف ۲: ۷۲، ۵: ۱۳۷، المغنی ۱: ۱۰۱، الفوائد المجموعہ ۴۵۰

مکتوب نمبر (۹۱)

۱۔ مسند احمد ۱: ۳۹۲، دلائل النبوة ۲: ۵۲۵، الدر المنثور ۳: ۶۶

مکتوب نمبر (۹۲)

۱۔ مرصاد العباد، ص ۶۶

مکتوب نمبر (۹۳)

- ۱۔ بخار الانوار، ج ۶، باب بدء خلقہ، احادیث مثنوی، ص ۱۱۳، الفاظ کی کمی و بیشی کے ساتھ: کشف الخفاء: ۱، ۳۱۰، نیز شرح المواہب
- ۲۔ اللؤلؤ المصنوع، ص ۶۶، شرح تعرف: ۲، ۴۶۰

مکتوب نمبر (۹۴)

- ۱۔ دیکھئے: سنن ابن ماجہ ۲۰۷، مسند احمد ۳۶۱: ۲، ۲۶۲، مجمع الزوائد: ۱، ۱۶۷، ۱۶۸، اتحاف: ۸، ۳۰۲، مشکل الآثار: ۱، ۹۶، ۹۷، ۴۸۱، ۴۸۲، کنز العمال ۳۳۱۲۶
- ۲۔ اتحاف: ۱، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۲۳۱: ۹، ۶۲۸: ۱۰، ۴۳۹: ۱۰، اسرار المرفوعہ ۳۲۷، کشف الخفاء: ۲، ۳۲۳، درر المنثور ۱۴۶، تذکرہ ۲۲، المغنی: ۴، ۳۲۶
- ۳۔ مجمع الزوائد: ۱، ۳۳۲، ترغیب: ۲، ۴۹۶، نیز: جامع الترمذی ۳۶۱۲، السنن الکبریٰ: ۱، ۴۰۹، مجمع الزوائد: ۱، ۳۳۳، مشکاۃ ۶۶، ۵۷، المطالب العالیہ ۲۴۳، کنز العمال ۲۱۹۰، ۳۲۷

۴۔ شرح السنہ، نیز: مشکوٰۃ بروایت امیہ بن خالد بن عبد اللہ بن اسید

مکتوب نمبر (۹۵)

- ۱۔ بخاری و مشکوٰۃ
- ۲۔ شرح خواجہ ایوب، المنج القوی ۲: ۵۸۰، احادیث مثنوی، ص ۶۷

مکتوب نمبر (۹۹)

- ۱۔ جامع الترمذی ۱۹۵۵، مسند احمد ۲: ۲۵۸، ۳: ۳۲، ۴: ۲۷۸، ۵: ۳۷۵، المعجم الکبیر ۲: ۴۰۸، مجمع الزوائد، ۵: ۲۱۷، ۸: ۱۸۱، ۱۸۲، شرح السنہ: ۷، ۲۶۱، الدرر المنثور ۶: ۳۲، مشکاۃ ۲۵، ۳۰، کنز العمال، نمبر ۶۴۳۳، تفسیر القرطبی ۲: ۱۰۲، تفسیر ابن کثیر ۸: ۴۴۹، التاریخ الکبیر ۹: ۵۱، المغنی: ۱، ۲۲۴، کشف الخفاء: ۲، ۳۸۴

مکتوب نمبر (۱۰۰)

- ۱۔ مجمع الزوائد: ۱، ۱۲۲، ۷: ۲۶۵، ۱۰: ۲۲۲، جامع بیان العلم و فضلہ: ۱، ۲۷، شرح السنہ: ۱، ۲۳۰، اتحاف: ۱، ۱۱۰، سنن ابن ماجہ ۱۱۲، التہذیب: ۱، ۳۱۷، ترغیب: ۱، ۹۸، کنز العمال ۶۰۸۳
- ۲۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو لوگ محبت کرتے ہیں میرے جلال کے بارے میں، ان کے لیے نور کے منبر ہوں گے جن کو دیکھ کر انبیاء اور شہداء رشک کریں گے (ترمذی)۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے بعض ایسے بندے بھی ہیں کہ وہ نہ انبیاء ہیں اور نہ شہداء، لیکن اس کے باوجود قیامت کے روز انبیاء اور شہداء ان پر رشک کریں گے (ابوداؤد، مشکوٰۃ)۔ (حواشی مکتوبات امام ربانی از مولانا امرتسری اور حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ)

۳۔ بخاری ادب ۹۶، مسلم بر ۱۶۵

۵۔ الفاظ کی کمی و بیشی کے ساتھ دیکھئے: تذکرہ ۸۶، مدارج النبوة

- ۶۔ مسلم: ۱، ۶۵، جامع صغیر: ۱، ۶۸، مستدرک الحاکم: ۱، ۲۶، احیاء العلوم: ۴، ۲۱۲، تلخیص ابلیس، ص ۲۰۱، کنوز الحقائق، ص ۲۵، مسند احمد: ۴، ۱۳۳، ۱۳۴، مجمع الزوائد: ۲، ۲۱۴، ۵: ۱۳۲، مشکوٰۃ ۵۱۰۸، شرح السنہ: ۱۳، ۱۶۵، المطالب العالیہ: ۲، ۲۱۷، اتحاف: ۶، ۴۹۸، کنز العمال ۱۷۱۶۵، مجمع الجوامع ۷: ۷۷، تفسیر القرطبی: ۱، ۴۹۶، تفسیر ابن کثیر: ۶، ۲۶۹، احادیث صحیحہ: ۱، ۲۱۱، ترغیب: ۳، ۵۶۷، فتح الباری: ۱۰، ۲۶۰، میزان الاعتدال ۱۱۰۰
- ۷۔ عقیل: ۴، ۲۵۶، اکمال: ۶، ۴۲۲، موضوعات: ۱، ۱۸۴، درر المنثور ۲، البدایہ والنہایہ: ۲، ۶۶، تذکرہ ۱۳۲
- ۸۔ دیکھئے: مدارج النبوة و تشہید المسبانی
- ۹۔ بخاری و مشکوٰۃ

مکتوب نمبر (۱۰۱)

- ۱۔ تصنیف علامہ علی بن احمد شافعی مہمانی رحمۃ اللہ علیہ، جو اپنے وقت کے اکابر علماء و صوفیہ میں شمار ہوتے تھے۔ ۷۶/ھ - ۱۳۷۵ء

میں پیدا ہوئے اور ۲۸ جمادی الآخر ۸۳۵ھ/۲ مارچ ۱۴۳۲ء میں وفات پائی۔ (نہیۃ الخواطر، ج ۳، تذکرہ علماء ہند، حواشی مکتوبات

امام ربانی از حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ)

مکتوب نمبر (۱۰۳)

۱۔ مسند احمد: ۴۳۵

مکتوب نمبر (۱۰۵)

۱۔ ترغیب: ۸۰، مشکا: ۱۷۶، الکامل: ۳۹: ۷

مکتوب نمبر (۱۱۰)

۱۔ جامع الترمذی ۳۸۶۲، مسند احمد: ۵۴: ۵۷، کنز العمال ۳۲۲۸۳

مکتوب نمبر (۱۲۱)

۱۔ اسی دفتر کا مکتوب نمبر ۸۷ ہے، غالباً حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اعتراض کیے۔

۲۔ مثنوی: ۳: ۳۱۳ ۳۔ بخاری ادب: ۹۶، مسلم بر: ۱۶۵

۴۔ بوستان سعدی، ص ۹

۵۔ شرح تعرف، ص ۴۶

۶۔ اسرار المرفوعہ: ۲۴، کشف الخفاء: ۸۳: ۲، فوائد المجموعہ: ۲۸۶، الدرر المنثور فی الاحادیث المشترکہ: ۱۱۳، ضعیفہ: ۶۶۶، تذکرہ: ۲۰

۷۔ دیوان حافظ، ص ۸۸

مکتوب نمبر (۱۲۲)

۱۔ بحار الانوار، ج ۶، باب بدء خلقہ وما جرى له، احادیث مثنوی، ص ۱۱۳، کشف الخفاء: ۳۱۰

۲۔ بحار الانوار، ج ۶، باب بدء خلقہ وما جرى له، احادیث مثنوی، ص ۱۱۳-۱۱۴

۳۔ اللؤلؤ المرصوع، ص ۶۱، منارات السائرین، احادیث مثنوی، ص ۲۹

۴۔ شرح تعرف: ۶: ۴۶

۵۔ الحاوی للفتاویٰ: ۱۰۱: ۲، کشف الخفاء: ۵۵۳: ۲، القوائد المجموعہ: ۳۳۵، اسرار المرفوعہ: ۲۷، تذکرہ: ۹۳

۶۔ مسلم الزکاة: ۶۹، مسند احمد: ۴: ۳۵۹، السنن الکبریٰ: ۴: ۱۷۵، الترغیب: ۹۰، اتحاف: ۳۲۸، ۳۰۲: ۸، فتح الباری: ۱۳: ۳۰۲

۷۔ بحار الانوار، ج ۶، باب بدء خلقہ وما جرى له، احادیث مثنوی، ص ۱۱۳

۸۔ مستدرک الحاکم: ۲: ۴۰۶، منابیل الصفا: ۴، الشفا: ۹۰، اتحاف: ۷: ۵۷۲، کنز العمال: ۳۲۰۴۰، ۳۳۶۸۲، اصلاح خطا المحدثین: ۲۹

۹۔ کشف الخفاء: ۱۶: ۱، الدر المنثور: ۳۰۱: ۶ ۱۰۔ مثنوی: ۶: ۵۳۶

۱۱۔ کنز العمال: ۵۸۱۸، میزان الاعتدال: ۶۲۴، فتح الباری: ۷: ۱۶۶

مکتوب نمبر (۱۲۳)

۱۔ گلستان سعدی، ص ۲۱

مکتوب نمبر (۱۲۴)

۱۔ مسند الفردوس، نیز: شرح تعرف: ۶: ۴۶، تسمیۃ المبانی

۲۔ مرقاة المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح: ۹: ۳۹۴، اتحاف: ۷: ۲۳۴، احیاء العلوم: ۳: ۱۳، حاشیہ احیاء العلوم: ۲: ۲۵۰

فہرست رجال

(اس فہرست میں مکتوب الیہان اور دیگر مذکور اشخاص کا ذکر ہے)

ابراہیم بن شیمان — حضرت شیخ ابراہیم شیبانی رحمۃ اللہ علیہ حضرت عبداللہ مغربی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ کے اصحاب میں سے تھے اور چالیس برس حضرت عبداللہ مغربی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں رہے۔ ۳۳۷ھ/ ۹۴۸-۹۴۹ میں رحلت فرمائی۔ (تذکرۃ الاولیاء، ص ۷۱-۷۱۹، حاشیہ مکتوبات امام ربائی)

ابراہیم قبادیانی — آپ کے نام ایک مکتوب (۲۳:۳) ہے۔ حالات دستیاب نہیں۔

ابراہیم، ملا — آپ کو ابوالکلام کے لقب سے بھی یاد کیا جاتا تھا۔ آپ متقی تھے اور علم حدیث کی تدریس میں مصروف رہتے تھے۔ لوگوں سے میل جول کم تھا۔ اکبر بادشاہ (م ۱۰۱۴ھ/ ۱۶۰۵ء) کے بلانے پر اکبر آباد جاتے تو رسمی تکلفات اور شاہی آداب کی پابندی نہ کرتے تھے۔ ہمیشہ وعظ و نصیحت معمول رہا۔ آپ کے نام دو مکتوب (۳:۳۸، ۱۱۶) ہیں۔ (نزہۃ الخواطر ۵:۴، منتخب التواریخ و تذکرہ علمائے ہند، حواشی مکتوبات امام ربائی از حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ)

ابن عربی، ابوبکر محمد بن محمد — آپ ۵۶۰ھ/ ۱۱۶۵ء میں مرسیا میں پیدا ہوئے۔ تیس برس تک حصول علم میں کوشاں رہے۔ بہت زیادہ صوفیہ سے ملاقات کی۔ بالآخر ۶۳۸ھ/ ۱۲۴۰ء میں دمشق میں رحلت فرمائی۔ تقریباً ڈیڑھ سو کتب تصنیف کیں۔ جن میں فتوحات مکیہ، فصوص الحکم اور ذخائر الاخلاق (دیوان اشعار) بہت معروف ہیں۔ (دیکھئے: شاہکار اسلامی انسائیکلو پیڈیا، ص ۹۱-۹۲)

ابوالحسن بہادختی کشمی — آپ کے نام ایک مکتوب (۹۶:۲) ہے۔ حالات دستیاب نہیں۔

ابوالحسن خرقانی — آپ کا نام نامی علی بن جعفر ہے۔ آپ یگانہ روزگار، غوث وقت اور مرجع الخلق تھے۔ حضرت بایزید بسطامی قدس اللہ سرہ (م ۲۶۱ھ/ ۸۴۷ء) کی روحانیت سے فیض پایا تھا۔ حضرت بایزید قدس سرہ خرقان کی جانب منہ کر کے فرمایا کرتے تھے کہ مجھے ادھر سے دوست کی خوشبو آتی ہے۔ محمود غزنوی (م ۴۲۱ھ/ ۱۰۳۰ء) آپ کا بڑا عقیدتمند تھا۔ آپ نے بروز منگل عاشورہ کی رات ۴۲۵ھ/ ۱۰۳۳ء میں خرقان میں رحلت فرمائی۔ (حاشیہ مکتوبات امام ربائی)

ابوالقاسم — حضرت خواجہ ابوالقاسم رحمۃ اللہ علیہ حضرت خواجگی المکنی قدس سرہ (م ۱۰۰۸ھ/ ۱۶۰۰ء) کے صاحبزادے تھے۔ آپ نے لوگوں کی جان و مال کی حفاظت اور حاجت براری کو اپنا شعار بنائے رکھا اور ۱۰۲۲ھ/ ۱۶۱۳ء میں وصال فرمایا۔ مکتوبات امام ربائی میں پانچ مکتوبات (۱:۹۰، ۱۵۰، ۱۶۸، ۱۸۰، ۲:۴) آپ کے نام ہیں۔ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ (م ۱۰۱۲ھ/ ۱۶۳۶ء) کا ایک مکتوب شریف بھی آپ کے نام ہے۔ (نسماۃ القدس، ص ۲۸۲-۲۸۳)

ابوالنجیب سہروردی — آپ ۴۹۰ھ/ ۱۰۹۷ء میں پیدا ہوئے اور ۱۷۱۸ھ/ ۲۹ مارچ ۱۱۶۸ء میں بغداد میں وصال فرمایا۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ — آپ کا نام مبارک ”عبداللہ“ تھا۔ سلسلہ نسب ساتویں پشت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتا ہے۔ آپ کے والدین گرامی اور ساری اولاد امجاد و صحابی ہونے کا شرف حاصل ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفۃ المسلمین اور خلفائے راشدین میں خلیفہ اول قرار پائے۔ ۶۲ برس کی عمر مبارک میں بروز ۲۲ جمادی الآخر ۱۳ھ/ ۲۳ اگست ۶۳۴ء کو

وصال فرمایا اور نبی کریم ﷺ کے پہلو مبارک میں محو استراحت ہوئے۔ (شاہکار اسلامی انسائیکلو پیڈیا، ص ۱۱۰-۱۱۴)
 ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ — آپ کا نام جندب بن جنادہ، کنیت ابو ذر اور قبیلہ غفار تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کا شہرہ سن کر مکہ مکرمہ میں آکر اسلام قبول کیا اور کفار کے ظلم و ستم سے پالا پڑا۔ ۵ھ میں مدینہ منورہ آگئے اور ۸ رذی الحجہ ۳۲ھ/۱۰ جولائی ۶۵۳ء کو ربذہ میں وصال فرمایا۔ (دیکھئے: شاہکار انسائیکلو پیڈیا، ص ۱۲۳)

ابوسعید ابوالخیر — آپ کا نام فضل اللہ بن ابوالخیر تھا۔ حضرت شیخ فضل اللہ بن حسن سرخسی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید اور فیض یافتہ تھے۔ تمام مشائخ وقت آپ کے گرویدہ تھے۔ آپ کی رباعیات بہت مشہور ہیں۔ بروز جمعہ وقت عشاء ۴ شعبان ۴۴۰ھ/۱۲ جنوری ۱۰۴۹ء میں وصال فرمایا۔ آپ کے نام ایک مکتوب (۱۱:۱) ہے۔ (کارنامہ بزرگان ایران، ص ۱۳۸-۱۴۰)

ابوسعید خراز — آپ کا نام احمد بن عیسیٰ اور لقب خراز ہے۔ ۲۸۶ھ/۸۹۹ء میں وصال فرمایا۔ (دیکھئے: تذکرۃ الاولیاء، ص ۴۵۶-۴۶۳)
 احمد بجوازی — سید احمد بن محمد بن الیاس حسینی غور عشقوی بجوازی وی کے نام دو مکتوب (۱۰۸، ۹۵:۱) ہیں۔ آپ نے ۱۰۰۱ھ/۹۳-۱۵۹۲ء میں علوم عقلیہ و نقلیہ سے فراغت پائی۔ علم شریعت و طریقت کے جامع تھے۔ درس و تدریس اور ارشاد و تلقین میں مصروف رہے۔ جہانگیر (م ۱۰۳۷ھ/۱۶۲۷ء) نے ترک آداب کی پاداش میں تین برس قلعہ گوار میں قید رکھا۔ خان جہان لودھی نے رہا کر لیا اور اپنے ساتھ دکن لے گیا۔ کچھ عرصہ برہان پور رہ کر ۱۰۲۰ھ/۱۲-۱۶۱۱ء آگرہ میں وارد ہوئے۔ (دیکھئے: نزہۃ الخواطر، ۶۸-۶۹، حاشیہ مکتوبات امام ربانی)

احمد برکی — آپ افغانستان کے شہر برک، جو کابل اور قندھار کے درمیان واقع ہے، کے باشندے تھے اور آپ کا شمار وہاں کے جید علماء میں ہوتا تھا۔ ایک ساتھی سے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے احوال و مناقب سنے تو ذوق زیارت کے ہاتھوں مغلوب ہو کر برک سے سر ہند آئے۔ پچھلے اور حضرت مجدد قدس سرہ کے دست مبارک پر بیعت کا شرف پایا۔ ایک ہی ہفتہ کی صحبت کے فیض نے درجہ کمال تک پہنچا دیا اور اجازت و خلافت سے مشرف ہو گئے۔ ۱۰۲۶ھ/۱۶۱۷ء میں وصال فرمایا۔ آپ کے نام پانچ مکتوب (۲۳۹:۱، ۲۵۰، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۷۵:۲) ہیں۔

احمد دہلوی — آپ دیوبند ضلع سہارنپوری (ہندوستان) کے باشندے تھے۔ شروع میں کچھ مدت حضرت مجدد قدس سرہ کی خدمت میں رہے۔ بعد ازاں برہانپور چلے گئے اور حضرت شیخ محمد ابن فضل اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے حلقہ ارادت میں شامل ہو گئے۔ ان سے خلافت ملی۔ پھر آگرہ میں مقیم ہو گئے۔ ان دنوں حضرت مجدد قدس سرہ بھی آگرہ میں تھے۔ ان کی خدمت میں حاضر ہو کر شرف بیعت حاصل کیا۔ حضرت مجدد قدس سرہ نے آپ کی تربیت حضرت میر محمد نعمان قدس سرہ کے سپرد فرمائی۔ کچھ عرصہ برہانپور میں ان کے پاس رہے۔ پھر حضرت مجدد قدس سرہ کے پاس آئے تو ان سے خلافت پائی۔ بعد ازاں بنگال چلے گئے اور شہرت خاصہ نصیب ہوئی۔ آپ کے نام ایک مکتوب (۱۶:۳) ہے۔ (حواشی مکتوبات امام ربانی، ماخوذ از تجلیات ربانی)

احمد قادری — آپ جہانگیر (م ۱۰۳۷ھ/۱۶۲۷ء) کے زمانے میں صدارت کا عہدہ رکھتے تھے۔ آپ کے نام ایک مکتوب (۸۴:۱) ہے۔ (دیکھئے: آثار الامراء، ۲: ۲۵۹، حاشیہ مکتوبات امام ربانی)

احمد، شیخ — آپ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے برادر نسبتی تھے۔ آپ کے والد بزرگوار کو بادشاہ اکبر (م ۱۰۱۴ھ/۱۶۰۵ء) کے حکم سے گواشی کے جرم میں ۹۹-۱۵۹۸ء میں پھانسی دی گئی۔

اور لیس سامانی — آپ کے نام ایک مکتوب (۲۵۳:۱) ہے۔ مزید حالات دستیاب نہیں۔

اسحاق، قاضی — آپ غالباً سیون (سندھ) کے باشندے اور فاضل بزرگ تھے۔ حضرت بابا کریم الدین حسن ابدالی رحمۃ اللہ علیہ

(م ۱۰۵۰ھ/۱۶۴۰ء) خلیفہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ سے طریقہ نقشبندیہ سیکھا اور اکیس روز مسلسل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف نصیب ہوا۔ بعد ازاں حضرت مجدد قدس سرہ کی خدمت میں ذوق و شوق سے عریضہ تحریر کیا۔ آپ کے نام ایک مکتوب (۷۰:۳) ہے۔ (زبدۃ المقامات، حواشی مکتوبات امام ربانی از حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ)

اسلم، قاضی — آپ کی پیدائش ہرات میں ہوئی۔ شیخ بہلول سے تعلیم پائی۔ جہانگیر (م ۱۰۳۷ھ/۱۶۲۷ء) نے آپ کو کابل کا قاضی مقرر کیا اور پھر اپنے پاس طلب کر کے اردوئے معلیٰ کا عہدہ قضا آپ کو سونپ دیا۔ شاہجہان (م ۱۰۷۶ھ/۱۶۶۶ء) نے آپ کو روپوں میں تلوا یا اور آپ کے وزن کے برابر مبلغ چھ ہزار روپے آپ کو بخش دیے۔ ۱۰۶۱ھ/۱۶۵۱ء میں لاہور میں فوت ہوئے۔ آپ کے نام ایک مکتوب (۱۱۲:۳) ہے۔ (آثر الامراء، ۸۰:۳، آثر الکرام، ص ۲۰۸، نیز تذکرہ علمائے ہند، حواشی مکتوبات امام ربانی از حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ)

اشعری — حضرت امام ابو الحسن علی بن اسماعیل اشعری رحمۃ اللہ علیہ مشہور عالم دین اشاعرہ کے بانی اور علم کلام کے امام ہوئے ہیں۔ ۲۶۰ھ/۸۷۷ء میں بصرہ میں پیدا ہوئے۔ شروع میں معتزلہ عقائد کے پیروکار تھے۔ بعد ازاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ صحیح سنت کی پیروی کریں۔ چنانچہ انہوں نے جامع مسجد بصرہ کے منبر پر تبدیلی عقائد کا اعلان کیا اور اہل سنت میں شامل ہو گئے۔ انہوں نے امام احمد بن حنبل کا مسلک اختیار کیا۔ آخری ایام میں بغداد میں مقیم رہے اور وہیں ۳۲۴ھ/۹۳۶ء میں رحلت فرمائی۔ تقریباً تین سو کتب لکھیں۔ مقامات الاسلامین سب سے اہم ہے۔ (دیکھئے: شاہکار اسلامی انسائیکلو پیڈیا، ص ۲۲۱)

اللہ دان، میاں شیخ — حضرت میاں شیخ اللہ داد رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۰۴۹ھ/۱۶۳۹ء) اس زمانے میں حضرت باقی باللہ قدس سرہ (م ۱۰۱۲ھ/۱۶۰۳ء) کی خدمت میں حاضر ہوئے، جب آپ لاہور سے ماوراء النہر (ترکستان) تشریف لے جانے کی تیاری فرما رہے تھے۔ آپ کے دست مبارک پر بیعت کا شرف حاصل کرنے کے بعد طریقہ نقشبندیہ اخذ و کسب کیا اور جب حضرت خواجہ قدس سرہ سفر سے واپس تشریف لائے تو حضرت میاں شیخ اللہ داد رحمۃ اللہ علیہ حضرت خواجہ قدس سرہ کی خانقاہ کی خدمت اور مہمانوں کے قیام و طعام کے منتظم مقرر ہوئے۔ وفات کے بعد حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کے مزار انور کے مغرب کی جانب آسودہ خاک ہوئے۔ (زبدۃ المقامات، ص ۸۸، حاشیہ مکتوبات امام ربانی)

امام اعظم — حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی کنیت ابو حنیفہ، نام نعمان بن ثابت تھا۔ اہل سنت و جماعت میں سے آپ کے پیروکار حنفی کہلاتے ہیں۔ آپ کے علم کی طرح آپ کی ذہانت اور طباعی بھی ضرب المثل تھی۔ حضرت امام عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں دو آثار اور فقہ فی الحدیث کے لیے ایک ”مقیاس“ صحیح پیدا کرنا وہ لازوال علمی کارنامہ ہے جو ہمیشہ امام ابو حنیفہ کے نام سے منسوب رہے گا۔ آپ نے ۱۵۰ھ/۷۶۷ء میں وفات پائی۔ (شاہکار اسلامی انسائیکلو پیڈیا، ص ۱۱۸-۱۲۱)

امام الحرمین — ابوالمعالی عبدالملک بن عبداللہ جوینی کا لقب امام الحرمین تھا۔ مشہور شافعی عالم دین ۱۸ محرم ۴۱۹ھ/۱۷ فروری ۱۰۲۸ء میں نیشاپور کے نواح میں پیدا ہوئے۔ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں تدریس کرتے رہے۔ آخری عمر میں بیمار ہوئے اور ۲۵ ربیع الآخر ۴۷۸ھ/۲۰ اگست ۱۰۸۵ء میں رحلت فرمائی۔ کتاب الورقات فی اصول الفقہ، کتاب البرہان فی اصول الفقہ، کتاب البرہان فی اصول فقہ، الشامل اور کتاب الارشاد ان کی معروف کتب ہیں۔ (دیکھئے: شاہکار اسلامی انسائیکلو پیڈیا، ص ۳۳۳)

امام ذہبی — شمس الدین ابو عبداللہ ذہبی دمشقی شافعی، مشہور مؤرخ اور عالم دین۔ انہیں حدیث، فقہ اور تاریخ میں ممتاز مقام حاصل ہے۔ ۴۸ھ/۱۳۴۸ء میں رحلت فرمائی۔ تاریخ الاسلام، تذہیب الکمال اور المصنوع فی اسماء الرجال ان کی مشہور کتب ہیں۔

(دیکھئے: شاہکار اسلامی انسائیکلو پیڈیا، ص ۹۵۷)

امام صفی — ابو عمرو بن شراحیل بن عمرو صفی رحمۃ اللہ علیہ محدث، ابتدائے اسلام کے مشاہیر میں سے ہیں۔ (دیکھئے: شاہکار اسلامی انسائیکلو پیڈیا، ص ۱۰۴۹)

امام غزالی — امام ابو حامد محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی کنیت ابو حامد، القاب حجۃ الاسلام اور زیدین تھے۔ ۴۵۰ھ/۱۰۵۸ء میں طوس میں پیدا ہوئے۔ علوم عقلی و نقلی متداولہ سے فراغت کے بعد جامعہ نظامیہ بغداد میں درس و تدریس میں مشغول ہو گئے۔ آپ جامع شریعت و طریقت تھے۔ تصوف میں حضرت خواجہ ابوعلی فارمدی قدس سرہ (م ۴۷۷ھ/۱۰۸۴ء) سے نسبت تھی۔ آپ کی تصانیف کی تعداد ایک سو تیس منقول ہے۔ جن میں کیمیائے سعادت، نصیحۃ الملوک، احیاء علوم الدین اور تفسیر قرآن یا قوت التویل (چالیس مجلد) شامل ہیں۔ ۱۴ جمادی الآخر ۵۰۵ھ/۱۸ دسمبر ۱۱۱۱ء میں طوس میں رحلت فرمائی اور وہیں آسودہ خاک ہوئے۔ (دیکھئے: تاریخ نظم و نثر در ایران و در زبان فارسی، ۶۶:۱، کارنامہ بزرگان ایران، ص ۱۳۱-۱۳۳)

امام مالک — ابو عبد اللہ کنیت تھی۔ والد بزرگوار انس بن مالک بن ابی عامر صحیحی تھے۔ آپ مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ نو سو اساتذہ احادیث سے استفادہ حدیث کیا۔ آپ نے حدیث کی کتاب ”موطأ“ تالیف کی، جس کا مقام بہت بلند ہے۔ ۱۰ ربیع الاول ۱۷۹ھ/۳ جون ۷۹۵ء کو مدینہ منورہ میں رحلت فرمائی اور جنت البقیع میں محو استراحت ہوئے۔ (شاہکار اسلامی انسائیکلو پیڈیا، ۱۳۹۴-۱۳۹۵)

امان اللہ فقیہ — مولانا امان اللہ فقیہ رحمۃ اللہ علیہ حضرت مجدد قدس سرہ کے اکابر خلفاء میں شامل تھے۔ ۱۰۳۱ھ/۱۶۲۲ء میں حج بیت اللہ شریف کے ذوق و شوق کے ہاتھوں مغلوب ہو کر بے سر و سامانی میں جاز مقدس روانہ ہوئے اور زیارت حرمین شریفین اور حج کی سعادت عظمیٰ نصیب ہوئی۔ بعد ازاں مزارات انبیاء علیہم السلام کے ذوق سے شام و مصر تشریف لے گئے اور وہیں وصال فرمایا۔ آپ کے نام ایک مکتوب (۲۸۶:۱) ہے۔ (دیکھئے: زبدۃ المقامات، ص ۴۰۳-۴۰۴، تاریخ و تذکرہ خانقاہ سرہند شریف، ص ۴۵۷)

امیر حمزہ رضی اللہ عنہ — حضرت امیر حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ (م ۳ھ/۶۲۵ء) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے چچا اور جلیل القدر صحابی جو غزوہ احد میں شہادت عظمیٰ کے درجہ پر فائز المرام ہوئے۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ — حضرت امیر معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ فتح مکہ مکرمہ کے بعد دولت ایمان سے مشرف ہوئے۔ آپ کا شمار کاتبانِ وحی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب صحابہ کرامؓ میں ہوتا ہے۔ مذہبی علوم میں درک وافر رکھتے تھے۔ قرآن کی تفسیر پر عبور تھا۔ ۱۶۳ حدیثیں آپ سے مروی ہیں۔ آپ عدل گستری اور رعایا کی دادرسی کا خاص اہتمام رکھتے تھے۔ ۶۰ھ/۶۸۰ء میں وصال فرمایا۔ (شاہکار اسلامی انسائیکلو پیڈیا، ص ۱۴۶۸-۱۴۷۰)

امیر علی عبو — آپ اپنے زمانے کے بڑے باکمال بزرگوں میں سے تھے۔ حسین قصابؒ اور دوترکوں کا واقعہ آپ کے حالات میں درج ہے۔ (دیکھئے: نجات، ص ۳۴۰، حاشیہ مکتوباتِ امام ربانیؒ)

ایرج، میرزا — آپ میرزا عبد الرحیم خان خانان رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۰۳۶ھ/۱۶۲۷ء) کے صاحبزادے تھے۔ اپنے والد گرامی کے ہمراہ تسخیر سندھ کی مہم میں شریک تھے۔ ٹھٹھہ کے حکمران حاجی بیگ کی صاحبزادی سے شادی ہوئی۔ جہانگیر (م ۱۰۳۷ھ/۱۶۲۷ء) نے آپ کو ”شاہ نواز خان“ کا خطاب دیا۔ آپ کے نام ایک مکتوب (۲۱۹:۱) ہے۔ (حالات کے لیے دیکھئے: حاشیہ مکتوباتِ امام ربانیؒ، بحوالہ مآثر الامراء اور تزک جہانگیری)

ایوب مختب — آپ کے نام ایک مکتوب (۲۴۳:۱) ہے۔ مزید حالات دستیاب نہیں۔

باقر سارنگپوری۔ بعض نسخوں میں آپ کے نام کے ساتھ سہارنپوری مذکور ہے۔ آپ حضرت مجدد الف ثانی کے قدیمی خدمت گزار احباب میں سے ہیں۔ آخری عمر میں حضرت مجدد سے اجازت و خلافت کا شرف پایا۔ آپ کے نام ایک مکتوب (۲۶۴:۱) ہے۔ (دیکھئے: روضۃ القیومیۃ: ۳۳۹، حاشیہ مکتوبات امام ربانی قدس سرہ از حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ)

بازید بسطامی۔ آپ کا نام طیفور بن عیسیٰ بن آدم بن شروشان، کنیت ابو یزید، لقب سلطان العارفین تھا۔ بسطام کے رہنے والے تھے۔ آپ نے حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ (م ۱۴۸ھ/ ۶۵ء) سے باطنی سلوک کی تربیت پائی۔ آپ تصوف کے انتہائی بلند درجے و مقام پر تھے۔ احادیث نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے متعلق آپ کی روایات نہایت اعلیٰ تھیں۔ ۱۵ شعبان ۲۶۱ھ/ ۲۵ مئی ۸۷۵ء کو وصال فرمایا۔ آپ کا مزار بسطام میں مرجع الخلائق ہے۔ (تذکرۃ الاولیاء، ۱۶۰-۲۱۰)

بدر الدین سرہندی۔ آپ ۱۰۰۲ھ/ ۱۵۹۳ء میں سرہند شریف میں پیدا ہوئے۔ خانقاہ سرہند شریف میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ اور حضرت خواجہ محمد صادق قدس سرہ سے تعلیم حاصل کی۔ پندرہ برس کی عمر میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے دست مبارک پر بیعت ہوئے۔ خانقاہ سرہند شریف کے مدرسہ مجددیہ میں درس و تدریس کے ساتھ ساتھ حضرت مجدد قدس سرہ سے تکمیل سلوک کی اور اجازت و خلافت پائی۔ ۱۰۵۸ھ/ ۱۶۴۸ء میں اپنی معروف کتاب حضرات القدس کی تکمیل کی اور بعد ازاں وصال فرمایا۔ آپ سے کئی کتب یادگار ہیں۔ آپ کے نام چار مکتوب (۱: ۲۸۹، ۲: ۲۹۷، ۳: ۳۱۰) ہیں۔ (دیکھئے: حضرات القدس ۲: ۳۸۶-۴۱۰، تاریخ و تذکرہ سرہند شریف، ص ۴۵۸-۴۶۷)

بدیع الدین۔ آپ سہارنپور (ہندوستان) میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام شیخ رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ تھا۔ ابتدائی عربی درسی کتب سہارنپور میں پڑھیں۔ بعد ازاں سرہند شریف میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ (م ۱۰۳۴ھ/ ۱۶۲۴ء) کے حلقہ درس میں شامل ہو کر علوم ظاہری میں مہارت پائی۔ پھر حضرت مجدد قدس سرہ کے دست مبارک پر بیعت ہوئے اور منازل سلوک طے کر کے خلعت خلافت کا شرف پایا اور وطن مالوف سہارنپور میں مسند ارشاد پر جلوہ افروز ہو کر سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کے طالبین کی تربیت و ارشاد میں مشغول ہو گئے۔ کچھ عرصہ حضرت مجدد قدس سرہ کے حکم سے آگرہ میں بھی طالبین کو فیض و برکات سے نوازا۔ بالآخر سہارنپور ہی میں ۱۰۴۲ھ/ ۱۶۳۲ء میں وصال فرمایا اور یہیں آسود خاک ہوئے۔ آپ کے نام ایک مکتوب (۱: ۱۷۲) ہے۔ (تاریخ و تذکرہ سرہند شریف، ص ۴۶۸-۴۷۵)

بدیع الزمان۔ آپ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ (م ۶۳۴ھ/ ۱۲۳۴ء) کی اولاد میں سے تھے۔ والد بزرگوار کا نام ملا دولت دار تھا۔ میرزا بدیع الزمان کی ایک صاحبزادی ارادت خان میرا اسحاق شاہجہانی سے منسوب تھی۔ آپ کے نام دو مکتوب (۱: ۷۵، ۷۷) ہیں۔ (مآثر الامراء، جلد ۱: ۱۱۶، حاشیہ مکتوبات امام ربانی)

بوعلی سینا۔ آپ صفر ۳۷۰ھ/ اگست ۹۸۰ء میں بخارا کے ایک گاؤں افشنا میں پیدا ہوئے۔ لقب شیخ الرئیس تھا اور مغرب میں اوی سینا مشہور ہیں۔ دنیائے اسلام کے نامور طبیب، شہرہ آفاق سائنس دان، جامع العلوم فلسفی، ریاضی دان، اور ماہر فلکیات تھے۔ ان کی متعدد تصانیف ہیں، جن میں شفاء، القانون اور کتاب الادویہ شہرت خاصہ رکھتی ہیں۔ آپ نے ۴ رمضان ۴۲۸ھ/ ۲۱ جون ۱۰۳۷ء کو ہمدان میں رحلت فرمائی اور وہیں مدفون ہوئے۔ (دیکھئے: شاہکار اسلامی انسائیکلو پیڈیا، ص ۸۷-۸۹)

بہادر خان۔ ان کا نام عبدالنبی تھا اور توران کے بزرگ خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ عبدالمومن خان کے عہد میں مشہد کے حکمران رہے۔ ان کی وفات کے بعد ہندوستان وارد ہوئے۔ اکبر (م ۱۰۱۴ھ/ ۱۶۰۵ء) نے معقول عہدہ دار بنایا اور جہانگیر (م ۱۰۳۷ھ/ ۱۶۰۵ء) سے تین ہزاری منصب اور بہادر خان کا لقب پایا۔ آپ کے نام ایک مکتوب (۱: ۸۳) ہے۔ (دیکھئے:)

آثار الامراء، ۱: ۳۹۸، حاشیہ مکتوباتِ امام ربانیؒ)

بہاء الدین سرہندی — حضرت مولانا سید زوار حسین رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ آپ غالباً حضرت مجدد صاحبؒ کے بھتیجے ہیں، جیسا کہ حضرت مجدد صاحبؒ کے غسل میت کے حالات میں آیا ہے۔ آپ کے نام دو مکتوب (۱: ۱۳۸، ۱۶۴) ہیں۔ (دیکھئے: حضرت مجدد الف ثانیؒ، ص ۲۳۵)

بہاء الدین قشلاقی — آپ اپنے زمانے کے مقتدا اور صاحب کرامات بزرگ تھے۔ بخارا سے اڑتالیس کلومیٹر کے فاصلے پر قشلاق میں پیدا ہوئے۔ آپ حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند قدس سرہ کے شیخ صحبت اور استاد حدیث تھے اور حضرت مولانا عارف دیگ گرائی کے دادا بزرگوار تھے۔ مولانا عارفؒ خواجہ امیر کلال قدس سرہ کی بیعت سے پہلے ان کے مرید تھے۔ (دیکھئے: رشحات) بہاء الدین نقشبند — آپ محرم ۱۸ھ / ۱۳۱۸ء میں قصر عارفان بخارا میں پیدا ہوئے اور سوموار ۱۳ ربیع الاول ۹۱ھ / یکم مارچ ۱۳۸۹ء کو وہیں وصال فرمایا۔ (دیکھئے: کارنامہ بزرگان ایران، ص ۲۷۳-۲۷۴، رشحات ۱: ۹۵-۱۰۱)

بیک فرقتی — اہل سپاہ میں سے تھے اور حضرت مجدد الف ثانیؒ قدس سرہ کی خانقاہ شریف کے بڑے لوگوں میں شمار تھا۔ آپ کے نام چار مکتوب (۱: ۲۳۵، ۳۰۹، ۲۴۴، ۳۰) ہیں۔ (حاشیہ مکتوباتِ امام ربانیؒ)

پہلوان محمود — ان کے نام تین مکتوبات (۱: ۸۸، ۸۷، ۱۹۷) ہیں۔ حالات دستیاب نہیں ہو سکے۔

تاج الدین — حضرت شیخ تاج الدین بن زکریا بن سلطان عثمانی حنفی رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت سنبھل ضلع مراد آباد (ہندوستان) میں ہوئی۔ یہیں علوم سے فراغت حاصل کی۔ بعد ازاں حضرت خواجہ اللہ بخش رحمۃ اللہ علیہ (گرڑھ ملٹیسر، ضلع میرٹھ) سے سلوک کی تکمیل کر کے اجازت و خلافت کا شرف پایا اور ان کی صحبت و خدمت مستقلاً اختیار کر لی۔ ان کی وفات کے بعد عازم سفر ہوئے۔ اوّل ۱۰۴۰ھ / ۱۶۳۰ء میں بصرہ میں وارد ہوئے۔ یہاں خوب مقبول ہوئے۔ بعد ازاں مکہ مکرمہ میں مقیم ہو گئے۔ ایک جہان نے آپ سے فیض حاصل کیا، جن میں علما و مشائخ بھی شامل تھے۔ حج کا شرف حاصل کیا اور واپس ہندوستان آ گئے۔ دوبارہ حرمین شریفین آ گئے۔ ننانوے کی عمر میں اس شہر مقدس میں عصر و مغرب کے درمیان بدھ کے روز ۱۸ جمادی الآخرہ ۱۰۵۰ھ / ۲۵ ستمبر ۱۶۴۰ء کو رحلت فرمائی اور کوہِ قعقعان کے دامن میں آخری آرام گاہ پائی۔ (دیکھئے: نزہۃ الخواطر ۵: ۹۹، زبدۃ المقامات، ص ۷۰-۷۷، رود کوثر، ص ۲۲۱، حاشیہ مکتوباتِ امام ربانیؒ قدس سرہ)

جامی، عبدالرحمن — آپ قصبہ جام میں پیدا ہوئے۔ حضرت امام محمد شبیبانی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں سے تھے۔ مدرسہ نظامیہ ہرات (افغانستان) سے فراغت پائی۔ حضرت خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ (م ۸۹۵ھ / ۱۴۹۰ء) سے سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کی تکمیل فرمائی۔ کثیر التصانیف بزرگ ہیں۔ ۱۸ محرم ۸۹۸ھ / ۹ نومبر ۱۴۹۲ء کو رحلت فرمائی۔ (حاشیہ مکتوبات)

جباری خان — آپ کے نام تین مکتوبات شریف (۱: ۷۷-۷۹) ہیں۔ آثار الامراء (جلد ۲: ۳۸۹) میں تحریر ہے کہ جباری خان یا جباری بیک نامی شخص مجنون خان تاقشال کے صاحبزادے اور میرزا مظہر جان جاناں (رحمۃ اللہ علیہ) کے اجداد میں سے تھے۔ مجنون خان کی وفات کے بعد جباری خان برائے نام سردار تھے اور ان کے چچا بابا خان سرداری کے فرائض انجام دیتے تھے۔ (حاشیہ مکتوباتِ امام ربانیؒ از حضرت سید زوار حسین شاہؒ)

جعفر بیک نہانی — آپ میرزا بدیع الدین کے صاحبزادے تھے۔ انتہائی ذہین اور صاحب کمال تھے۔ ۹۸۵ھ / ۷۸-۷۷ھ / ۱۵۷۷ء میں عراق سے ہندوستان پہنچے۔ جلال الدین محمد اکبر (م ۱۰۱۴ھ / ۱۶۰۵ء) سے دو ہزاری منصب اور آصف خان کا خطاب ملا۔ جہانگیر (م ۱۰۳۷ھ / ۱۶۲۷ء) نے پنج ہزاری بنا دیا۔ ۱۰۲۱ھ / ۱۶۱۲ء میں بالاگھاٹ میں رحلت فرمائی۔ آپ کے نام ایک مکتوب

(۱۳۹:۱) ہے۔ (دیکھئے: آثار الامراء، جلد ۱: ۱۱۶، حاشیہ مکتوبات امام ربانی)

جمال الدین حسین کولابی — گمان ہے کہ آپ حضرت میرزا حسام الدین احمد رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۰۴۳ھ/۱۶۳۳ء) کے صاحبزادے ہیں۔ جو حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ (م ۱۰۱۲ھ/۱۶۰۳ء) کے خلیفہ تھے۔ آپ کے نام چھ مکتوبات (دفتر: ۱۱۳، ۱۷۷، ۲۲۳، ۵۶۱: ۸۱) ہیں۔

جمال الدین ناگوری — آپ کے نام ایک مکتوب (۱۸:۲) ہے اور مزید حالات دستیاب نہیں۔

جمال الدین — غالباً علامہ جمال الدین تلوی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ مراد ہیں، جن کا درس و تدریس میں کوئی ثانی نہ تھا۔ لاہور کی علمی سلطنت کے بادشاہ تھے۔ مشتاقان علم دور و دراز سے ان سے مستفید ہونے کے لیے آیا کرتے تھے۔ آپ کے نام ایک مکتوب (۱۳۰:۱) ہے۔ (دیکھئے: حاشیہ مکتوبات امام ربانی، بحوالہ نزہۃ الخواطر و تذکرہ علمائے ہند)

جنید بغدادی — آپ سلطان طریقت اور شیخ المشائخ عالم تھے۔ کنیت ابوالقاسم تھی اور سید الطائفہ اور لسان القوم القاب تھے۔ شریعت و طریقت میں بلند مقام کے حامل تھے۔ اپنے ماموں حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید و خلیفہ تھے۔ اشارت و تحائق اور معانی میں آپ کی عمدہ تصانیف ہیں۔ ۱۷۱/۱۱۲۲ھ/۲۹ جون ۱۶۰۲ء میں وصال فرمایا۔ (دیکھئے: تذکرۃ الاولیاء، ص ۲۱۶-۲۵۱، خزینۃ الاصفیاء، ۸۱:۱)

جہانگیر — اس کا اصلی نام سلیم تھا، کیونکہ یہ حضرت سلیم چشتی کی دعا کی برکت سے آگرہ میں بروز بدھ ۱۷۷۷/۱۱۲۲ھ/۳۰ اگست ۱۵۶۹ء میں پیدا ہوا۔ اپنی خداداد ذہانت و فطانت کا حامل تھا۔ اسے شاعری و مصوری، موسیقی اور مناظر قدرت سے خوب لگاؤ تھا۔ اس کا عدل و انصاف ضرب المثل تھا۔ جمعات کے دن ۲۸ صفر ۱۰۳۷ھ/۲۹ اکتوبر ۱۶۲۷ء کو فوت ہوا اور شاہراہ لاہور میں آخری آرام گاہ پائی۔ جہانگیر کے نام ایک مکتوب (۴۷:۳) ہے۔ (ماخوذ از حواشی مکتوبات امام ربانی)

حامد تہاری — آپ لاہور کے رہنے والے تھے۔ قرأت و تجوید میں یگانہ تھے۔ روحانی تعلیم محمد میر بن قاضی سائیدہ سیستانی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کی تھی۔ آخر عمر میں گوشہ نشینی اختیار کی اور ۱۰۴۲ھ/۳۵-۱۶۳۲ء میں رحلت فرمائی۔ آپ کے نام ایک مکتوب (۸۰:۲) ہے۔ (نزہۃ الخواطر ۵: ۱۲۶، حاشیہ مکتوبات امام ربانی از حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ)

حبیب عجمی — آپ کی کنیت ابو محمد تھی۔ آپ اکابرین طائفہ، عظمائے اولیاء اور کبرائے فقہاء میں سے تھے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے دست مبارک پر توبہ کی اور آپ کی صحبت کی برکت سے متجانب الدعوات بزرگ بن گئے۔ جب دوسرے بزرگوں کو کسی مسئلہ میں باہم اختلاف ہوتا تو وہ آپ ہی کو مصنف مقرر کرتے تھے۔ آپ نے ۱۵۶ھ/۷۷۷ء میں رحلت فرمائی۔ (دیکھئے: تذکرۃ الاولیاء، ص ۵۹-۶۵)

حسام الدین احمد — مکتوبات امام ربانی قدس سرہ میں سولہ مکتوبات شریف (۱: ۳۲، ۶۲، ۲۰۷، ۲۱۶، ۲۲۹، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۶۷، ۲۷۷، ۲۸۷، ۲۹۷، ۳۰۷، ۳۱۷، ۳۲۷، ۳۳۷، ۳۴۷، ۳۵۷، ۳۶۷، ۳۷۷، ۳۸۷، ۳۹۷، ۴۰۷، ۴۱۷، ۴۲۷، ۴۳۷، ۴۴۷، ۴۵۷، ۴۶۷، ۴۷۷، ۴۸۷، ۴۹۷، ۵۰۷، ۵۱۷، ۵۲۷، ۵۳۷، ۵۴۷، ۵۵۷، ۵۶۷، ۵۷۷، ۵۸۷، ۵۹۷، ۶۰۷، ۶۱۷، ۶۲۷، ۶۳۷، ۶۴۷، ۶۵۷، ۶۶۷، ۶۷۷، ۶۸۷، ۶۹۷، ۷۰۷، ۷۱۷، ۷۲۷، ۷۳۷، ۷۴۷، ۷۵۷، ۷۶۷، ۷۷۷، ۷۸۷، ۷۹۷، ۸۰۷، ۸۱۷، ۸۲۷، ۸۳۷، ۸۴۷، ۸۵۷، ۸۶۷، ۸۷۷، ۸۸۷، ۸۹۷، ۹۰۷، ۹۱۷، ۹۲۷، ۹۳۷، ۹۴۷، ۹۵۷، ۹۶۷، ۹۷۷، ۹۸۷، ۹۹۷، ۱۰۰۷، ۱۰۱۷، ۱۰۲۷، ۱۰۳۷، ۱۰۴۷، ۱۰۵۷، ۱۰۶۷، ۱۰۷۷، ۱۰۸۷، ۱۰۹۷، ۱۱۰۷، ۱۱۱۷، ۱۱۲۷، ۱۱۳۷، ۱۱۴۷، ۱۱۵۷، ۱۱۶۷، ۱۱۷۷، ۱۱۸۷، ۱۱۹۷، ۱۲۰۷، ۱۲۱۷، ۱۲۲۷، ۱۲۳۷، ۱۲۴۷، ۱۲۵۷، ۱۲۶۷، ۱۲۷۷، ۱۲۸۷، ۱۲۹۷، ۱۳۰۷، ۱۳۱۷، ۱۳۲۷، ۱۳۳۷، ۱۳۴۷، ۱۳۵۷، ۱۳۶۷، ۱۳۷۷، ۱۳۸۷، ۱۳۹۷، ۱۴۰۷، ۱۴۱۷، ۱۴۲۷، ۱۴۳۷، ۱۴۴۷، ۱۴۵۷، ۱۴۶۷، ۱۴۷۷، ۱۴۸۷، ۱۴۹۷، ۱۵۰۷، ۱۵۱۷، ۱۵۲۷، ۱۵۳۷، ۱۵۴۷، ۱۵۵۷، ۱۵۶۷، ۱۵۷۷، ۱۵۸۷، ۱۵۹۷، ۱۶۰۷، ۱۶۱۷، ۱۶۲۷، ۱۶۳۷، ۱۶۴۷، ۱۶۵۷، ۱۶۶۷، ۱۶۷۷، ۱۶۸۷، ۱۶۹۷، ۱۷۰۷، ۱۷۱۷، ۱۷۲۷، ۱۷۳۷، ۱۷۴۷، ۱۷۵۷، ۱۷۶۷، ۱۷۷۷، ۱۷۸۷، ۱۷۹۷، ۱۸۰۷، ۱۸۱۷، ۱۸۲۷، ۱۸۳۷، ۱۸۴۷، ۱۸۵۷، ۱۸۶۷، ۱۸۷۷، ۱۸۸۷، ۱۸۹۷، ۱۹۰۷، ۱۹۱۷، ۱۹۲۷، ۱۹۳۷، ۱۹۴۷، ۱۹۵۷، ۱۹۶۷، ۱۹۷۷، ۱۹۸۷، ۱۹۹۷، ۲۰۰۷، ۲۰۱۷، ۲۰۲۷، ۲۰۳۷، ۲۰۴۷، ۲۰۵۷، ۲۰۶۷، ۲۰۷۷، ۲۰۸۷، ۲۰۹۷، ۲۱۰۷، ۲۱۱۷، ۲۱۲۷، ۲۱۳۷، ۲۱۴۷، ۲۱۵۷، ۲۱۶۷، ۲۱۷۷، ۲۱۸۷، ۲۱۹۷، ۲۲۰۷، ۲۲۱۷، ۲۲۲۷، ۲۲۳۷، ۲۲۴۷، ۲۲۵۷، ۲۲۶۷، ۲۲۷۷، ۲۲۸۷، ۲۲۹۷، ۲۳۰۷، ۲۳۱۷، ۲۳۲۷، ۲۳۳۷، ۲۳۴۷، ۲۳۵۷، ۲۳۶۷، ۲۳۷۷، ۲۳۸۷، ۲۳۹۷، ۲۴۰۷، ۲۴۱۷، ۲۴۲۷، ۲۴۳۷، ۲۴۴۷، ۲۴۵۷، ۲۴۶۷، ۲۴۷۷، ۲۴۸۷، ۲۴۹۷، ۲۵۰۷، ۲۵۱۷، ۲۵۲۷، ۲۵۳۷، ۲۵۴۷، ۲۵۵۷، ۲۵۶۷، ۲۵۷۷، ۲۵۸۷، ۲۵۹۷، ۲۶۰۷، ۲۶۱۷، ۲۶۲۷، ۲۶۳۷، ۲۶۴۷، ۲۶۵۷، ۲۶۶۷، ۲۶۷۷، ۲۶۸۷، ۲۶۹۷، ۲۷۰۷، ۲۷۱۷، ۲۷۲۷، ۲۷۳۷، ۲۷۴۷، ۲۷۵۷، ۲۷۶۷، ۲۷۷۷، ۲۷۸۷، ۲۷۹۷، ۲۸۰۷، ۲۸۱۷، ۲۸۲۷، ۲۸۳۷، ۲۸۴۷، ۲۸۵۷، ۲۸۶۷، ۲۸۷۷، ۲۸۸۷، ۲۸۹۷، ۲۹۰۷، ۲۹۱۷، ۲۹۲۷، ۲۹۳۷، ۲۹۴۷، ۲۹۵۷، ۲۹۶۷، ۲۹۷۷، ۲۹۸۷، ۲۹۹۷، ۳۰۰۷، ۳۰۱۷، ۳۰۲۷، ۳۰۳۷، ۳۰۴۷، ۳۰۵۷، ۳۰۶۷، ۳۰۷۷، ۳۰۸۷، ۳۰۹۷، ۳۱۰۷، ۳۱۱۷، ۳۱۲۷، ۳۱۳۷، ۳۱۴۷، ۳۱۵۷، ۳۱۶۷، ۳۱۷۷، ۳۱۸۷، ۳۱۹۷، ۳۲۰۷، ۳۲۱۷، ۳۲۲۷، ۳۲۳۷، ۳۲۴۷، ۳۲۵۷، ۳۲۶۷، ۳۲۷۷، ۳۲۸۷، ۳۲۹۷، ۳۳۰۷، ۳۳۱۷، ۳۳۲۷، ۳۳۳۷، ۳۳۴۷، ۳۳۵۷، ۳۳۶۷، ۳۳۷۷، ۳۳۸۷، ۳۳۹۷، ۳۴۰۷، ۳۴۱۷، ۳۴۲۷، ۳۴۳۷، ۳۴۴۷، ۳۴۵۷، ۳۴۶۷، ۳۴۷۷، ۳۴۸۷، ۳۴۹۷، ۳۵۰۷، ۳۵۱۷، ۳۵۲۷، ۳۵۳۷، ۳۵۴۷، ۳۵۵۷، ۳۵۶۷، ۳۵۷۷، ۳۵۸۷، ۳۵۹۷، ۳۶۰۷، ۳۶۱۷، ۳۶۲۷، ۳۶۳۷، ۳۶۴۷، ۳۶۵۷، ۳۶۶۷، ۳۶۷۷، ۳۶۸۷، ۳۶۹۷، ۳۷۰۷، ۳۷۱۷، ۳۷۲۷، ۳۷۳۷، ۳۷۴۷، ۳۷۵۷، ۳۷۶۷، ۳۷۷۷، ۳۷۸۷، ۳۷۹۷، ۳۸۰۷، ۳۸۱۷، ۳۸۲۷، ۳۸۳۷، ۳۸۴۷، ۳۸۵۷، ۳۸۶۷، ۳۸۷۷، ۳۸۸۷، ۳۸۹۷، ۳۹۰۷، ۳۹۱۷، ۳۹۲۷، ۳۹۳۷، ۳۹۴۷، ۳۹۵۷، ۳۹۶۷، ۳۹۷۷، ۳۹۸۷، ۳۹۹۷، ۴۰۰۷، ۴۰۱۷، ۴۰۲۷، ۴۰۳۷، ۴۰۴۷، ۴۰۵۷، ۴۰۶۷، ۴۰۷۷، ۴۰۸۷، ۴۰۹۷، ۴۱۰۷، ۴۱۱۷، ۴۱۲۷، ۴۱۳۷، ۴۱۴۷، ۴۱۵۷، ۴۱۶۷، ۴۱۷۷، ۴۱۸۷، ۴۱۹۷، ۴۲۰۷، ۴۲۱۷، ۴۲۲۷، ۴۲۳۷، ۴۲۴۷، ۴۲۵۷، ۴۲۶۷، ۴۲۷۷، ۴۲۸۷، ۴۲۹۷، ۴۳۰۷، ۴۳۱۷، ۴۳۲۷، ۴۳۳۷، ۴۳۴۷، ۴۳۵۷، ۴۳۶۷، ۴۳۷۷، ۴۳۸۷، ۴۳۹۷، ۴۴۰۷، ۴۴۱۷، ۴۴۲۷، ۴۴۳۷، ۴۴۴۷، ۴۴۵۷، ۴۴۶۷، ۴۴۷۷، ۴۴۸۷، ۴۴۹۷، ۴۵۰۷، ۴۵۱۷، ۴۵۲۷، ۴۵۳۷، ۴۵۴۷، ۴۵۵۷، ۴۵۶۷، ۴۵۷۷، ۴۵۸۷، ۴۵۹۷، ۴۶۰۷، ۴۶۱۷، ۴۶۲۷، ۴۶۳۷، ۴۶۴۷، ۴۶۵۷، ۴۶۶۷، ۴۶۷۷، ۴۶۸۷، ۴۶۹۷، ۴۷۰۷، ۴۷۱۷، ۴۷۲۷، ۴۷۳۷، ۴۷۴۷، ۴۷۵۷، ۴۷۶۷، ۴۷۷۷، ۴۷۸۷، ۴۷۹۷، ۴۸۰۷، ۴۸۱۷، ۴۸۲۷، ۴۸۳۷، ۴۸۴۷، ۴۸۵۷، ۴۸۶۷، ۴۸۷۷، ۴۸۸۷، ۴۸۹۷، ۴۹۰۷، ۴۹۱۷، ۴۹۲۷، ۴۹۳۷، ۴۹۴۷، ۴۹۵۷، ۴۹۶۷، ۴۹۷۷، ۴۹۸۷، ۴۹۹۷، ۵۰۰۷، ۵۰۱۷، ۵۰۲۷، ۵۰۳۷، ۵۰۴۷، ۵۰۵۷، ۵۰۶۷، ۵۰۷۷، ۵۰۸۷، ۵۰۹۷، ۵۱۰۷، ۵۱۱۷، ۵۱۲۷، ۵۱۳۷، ۵۱۴۷، ۵۱۵۷، ۵۱۶۷، ۵۱۷۷، ۵۱۸۷، ۵۱۹۷، ۵۲۰۷، ۵۲۱۷، ۵۲۲۷، ۵۲۳۷، ۵۲۴۷، ۵۲۵۷، ۵۲۶۷، ۵۲۷۷، ۵۲۸۷، ۵۲۹۷، ۵۳۰۷، ۵۳۱۷، ۵۳۲۷، ۵۳۳۷، ۵۳۴۷، ۵۳۵۷، ۵۳۶۷، ۵۳۷۷، ۵۳۸۷، ۵۳۹۷، ۵۴۰۷، ۵۴۱۷، ۵۴۲۷، ۵۴۳۷، ۵۴۴۷، ۵۴۵۷، ۵۴۶۷، ۵۴۷۷، ۵۴۸۷، ۵۴۹۷، ۵۵۰۷، ۵۵۱۷، ۵۵۲۷، ۵۵۳۷، ۵۵۴۷، ۵۵۵۷، ۵۵۶۷، ۵۵۷۷، ۵۵۸۷، ۵۵۹۷، ۵۶۰۷، ۵۶۱۷، ۵۶۲۷، ۵۶۳۷، ۵۶۴۷، ۵۶۵۷، ۵۶۶۷، ۵۶۷۷، ۵۶۸۷، ۵۶۹۷، ۵۷۰۷، ۵۷۱۷، ۵۷۲۷، ۵۷۳۷، ۵۷۴۷، ۵۷۵۷، ۵۷۶۷، ۵۷۷۷، ۵۷۸۷، ۵۷۹۷، ۵۸۰۷، ۵۸۱۷، ۵۸۲۷، ۵۸۳۷، ۵۸۴۷، ۵۸۵۷، ۵۸۶۷، ۵۸۷۷، ۵۸۸۷، ۵۸۹۷، ۵۹۰۷، ۵۹۱۷، ۵۹۲۷، ۵۹۳۷، ۵۹۴۷، ۵۹۵۷، ۵۹۶۷، ۵۹۷۷، ۵۹۸۷، ۵۹۹۷، ۶۰۰۷، ۶۰۱۷، ۶۰۲۷، ۶۰۳۷، ۶۰۴۷، ۶۰۵۷، ۶۰۶۷، ۶۰۷۷، ۶۰۸۷، ۶۰۹۷، ۶۱۰۷، ۶۱۱۷، ۶۱۲۷، ۶۱۳۷، ۶۱۴۷، ۶۱۵۷، ۶۱۶۷، ۶۱۷۷، ۶۱۸۷، ۶۱۹۷، ۶۲۰۷، ۶۲۱۷، ۶۲۲۷، ۶۲۳۷، ۶۲۴۷، ۶۲۵۷، ۶۲۶۷، ۶۲۷۷، ۶۲۸۷، ۶۲۹۷، ۶۳۰۷، ۶۳۱۷، ۶۳۲۷، ۶۳۳۷، ۶۳۴۷، ۶۳۵۷، ۶۳۶۷، ۶۳۷۷، ۶۳۸۷، ۶۳۹۷، ۶۴۰۷، ۶۴۱۷، ۶۴۲۷، ۶۴۳۷، ۶۴۴۷، ۶۴۵۷، ۶۴۶۷، ۶۴۷۷، ۶۴۸۷، ۶۴۹۷، ۶۵۰۷، ۶۵۱۷، ۶۵۲۷، ۶۵۳۷، ۶۵۴۷، ۶۵۵۷، ۶۵۶۷، ۶۵۷۷، ۶۵۸۷، ۶۵۹۷، ۶۶۰۷، ۶۶۱۷، ۶۶۲۷، ۶۶۳۷، ۶۶۴۷، ۶۶۵۷، ۶۶۶۷، ۶۶۷۷، ۶۶۸۷، ۶۶۹۷، ۶۷۰۷، ۶۷۱۷، ۶۷۲۷، ۶۷۳۷، ۶۷۴۷، ۶۷۵۷، ۶۷۶۷، ۶۷۷۷، ۶۷۸۷، ۶۷۹۷، ۶۸۰۷، ۶۸۱۷، ۶۸۲۷، ۶۸۳۷، ۶۸۴۷، ۶۸۵۷، ۶۸۶۷، ۶۸۷۷، ۶۸۸۷، ۶۸۹۷، ۶۹۰۷، ۶۹۱۷، ۶۹۲۷، ۶۹۳۷، ۶۹۴۷، ۶۹۵۷، ۶۹۶۷، ۶۹۷۷، ۶۹۸۷، ۶۹۹۷، ۷۰۰۷، ۷۰۱۷، ۷۰۲۷، ۷۰۳۷، ۷۰۴۷، ۷۰۵۷، ۷۰۶۷، ۷۰۷۷، ۷۰۸۷، ۷۰۹۷، ۷۱۰۷، ۷۱۱۷، ۷۱۲۷، ۷۱۳۷، ۷۱۴۷، ۷۱۵۷، ۷۱۶۷، ۷۱۷۷، ۷۱۸۷، ۷۱۹۷، ۷۲۰۷، ۷۲۱۷، ۷۲۲۷، ۷۲۳۷، ۷۲۴۷، ۷۲۵۷، ۷۲۶۷، ۷۲۷۷، ۷۲۸۷، ۷۲۹۷، ۷۳۰۷، ۷۳۱۷، ۷۳۲۷، ۷۳۳۷، ۷۳۴۷، ۷۳۵۷، ۷۳۶۷، ۷۳۷۷، ۷۳۸۷، ۷۳۹۷، ۷۴۰۷، ۷۴۱۷، ۷۴۲۷، ۷۴۳۷، ۷۴۴۷، ۷۴۵۷، ۷۴۶۷، ۷۴۷۷، ۷۴۸۷، ۷۴۹۷، ۷۵۰۷، ۷۵۱۷، ۷۵۲۷، ۷۵۳۷، ۷۵۴۷، ۷۵۵۷، ۷۵۶۷، ۷۵۷۷، ۷۵۸۷، ۷۵۹۷، ۷۶۰۷، ۷۶۱۷، ۷۶۲۷، ۷۶۳۷، ۷۶۴۷، ۷۶۵۷، ۷۶۶۷، ۷۶۷۷، ۷۶۸۷، ۷۶۹۷، ۷۷۰۷، ۷۷۱۷، ۷۷۲۷، ۷۷۳۷، ۷۷۴۷، ۷۷۵۷، ۷۷۶۷، ۷۷۷۷، ۷۷۸۷، ۷۷۹۷، ۷۸۰۷، ۷۸۱۷، ۷۸۲۷، ۷۸۳۷، ۷۸۴۷، ۷۸۵۷، ۷۸۶۷، ۷۸۷۷، ۷۸۸۷، ۷۸۹۷، ۷۹۰۷، ۷۹۱۷، ۷۹۲۷، ۷۹۳۷، ۷۹۴۷، ۷۹۵۷، ۷۹۶۷، ۷۹۷۷، ۷۹۸۷، ۷۹۹۷، ۸۰۰۷، ۸۰۱۷، ۸۰۲۷، ۸۰۳۷، ۸۰۴۷، ۸۰۵۷، ۸۰۶۷، ۸۰۷۷، ۸۰۸۷، ۸۰۹۷، ۸۱۰۷، ۸۱۱۷، ۸۱۲۷، ۸۱۳۷، ۸۱۴۷، ۸۱۵۷، ۸۱۶۷، ۸۱۷۷، ۸۱۸۷، ۸۱۹۷، ۸۲۰۷، ۸۲۱۷، ۸۲۲۷، ۸۲۳۷، ۸۲۴۷، ۸۲۵۷، ۸۲۶۷، ۸۲۷۷، ۸۲۸۷، ۸۲۹۷، ۸۳۰۷، ۸۳۱۷، ۸۳۲۷، ۸۳۳۷، ۸۳۴۷، ۸۳۵۷، ۸۳۶۷، ۸۳۷۷، ۸۳۸۷، ۸۳۹۷، ۸۴۰۷، ۸۴۱۷، ۸۴۲۷، ۸۴۳۷، ۸۴۴۷، ۸۴۵۷، ۸۴۶۷، ۸۴۷۷، ۸۴۸۷، ۸۴۹۷، ۸۵۰۷، ۸۵۱۷، ۸۵۲۷، ۸۵۳۷، ۸۵۴۷، ۸۵۵۷، ۸۵۶۷، ۸۵۷۷، ۸۵۸۷، ۸۵۹۷، ۸۶۰۷، ۸۶۱۷، ۸۶۲۷، ۸۶۳۷، ۸۶۴۷، ۸۶۵۷، ۸۶۶۷، ۸۶۷۷، ۸۶۸۷، ۸۶۹۷، ۸۷۰۷، ۸۷۱۷، ۸۷۲۷، ۸۷۳۷، ۸۷۴۷، ۸۷۵۷، ۸۷۶۷، ۸۷۷۷، ۸۷۸۷، ۸۷۹۷، ۸۸۰۷، ۸۸۱۷، ۸۸۲۷، ۸۸۳۷، ۸۸۴۷، ۸۸۵۷، ۸۸۶۷، ۸۸۷۷، ۸۸۸۷، ۸۸۹۷، ۸۹۰۷، ۸۹۱۷، ۸۹۲۷، ۸۹۳۷، ۸۹۴۷، ۸۹۵۷، ۸۹۶۷، ۸۹۷۷، ۸۹۸۷، ۸۹۹۷، ۹۰۰۷، ۹۰۱۷، ۹۰۲۷، ۹۰۳۷، ۹۰۴۷، ۹۰۵۷، ۹۰۶۷، ۹۰۷۷، ۹۰۸۷، ۹۰۹۷، ۹۱۰۷، ۹۱۱۷، ۹۱۲۷، ۹۱۳۷، ۹۱۴۷، ۹۱۵۷، ۹۱۶۷، ۹۱۷۷، ۹۱۸۷، ۹۱۹۷، ۹۲۰۷، ۹۲۱۷، ۹۲۲۷، ۹۲۳۷، ۹۲۴۷، ۹۲۵۷، ۹۲۶۷، ۹۲۷۷، ۹۲۸۷، ۹۲۹۷، ۹۳۰۷، ۹۳۱۷، ۹۳۲۷، ۹۳۳۷، ۹۳۴۷، ۹۳۵۷، ۹۳۶۷، ۹۳۷۷، ۹۳۸۷، ۹۳۹۷، ۹۴۰۷، ۹۴۱۷، ۹۴۲۷، ۹۴۳۷، ۹۴۴۷، ۹۴۵۷، ۹۴۶۷، ۹۴۷۷، ۹۴۸۷، ۹۴۹۷، ۹۵۰۷، ۹۵۱۷، ۹۵۲۷، ۹۵۳۷، ۹۵۴۷، ۹۵۵۷، ۹۵۶۷، ۹۵۷۷، ۹۵۸۷، ۹۵۹۷، ۹۶۰۷، ۹۶۱۷، ۹۶۲۷، ۹۶۳۷، ۹۶۴۷، ۹۶۵۷، ۹۶۶۷، ۹۶۷۷، ۹۶۸۷، ۹۶۹۷، ۹۷۰۷، ۹۷۱۷، ۹۷۲۷، ۹۷۳۷، ۹۷۴۷، ۹۷۵۷، ۹۷۶۷، ۹۷۷۷، ۹۷۸۷، ۹۷۹۷، ۹۸۰۷، ۹۸۱۷، ۹۸۲۷، ۹۸۳۷، ۹۸۴۷، ۹۸۵۷، ۹۸۶۷، ۹۸۷۷، ۹۸۸۷، ۹۸۹۷، ۹۹۰۷، ۹۹۱۷، ۹۹۲۷، ۹۹۳۷، ۹۹۴۷، ۹۹۵۷، ۹۹۶۷، ۹۹۷۷، ۹۹۸۷، ۹۹۹۷، ۱۰۰۰۷، ۱۰۰۰۸، ۱۰۰۰۹، ۱۰۰۱۰، ۱۰۰۱۱، ۱۰۰۱۲، ۱۰۰۱۳، ۱۰۰۱۴، ۱۰۰۱۵، ۱۰۰۱۶، ۱۰۰۱۷، ۱۰۰۱۸، ۱۰۰۱۹، ۱۰۰۲۰، ۱۰۰۲۱، ۱۰۰۲۲، ۱۰۰۲۳، ۱۰۰۲۴، ۱۰۰۲۵، ۱۰۰۲۶، ۱۰۰۲۷، ۱۰۰۲۸، ۱۰۰۲۹، ۱۰۰۳۰، ۱۰۰۳۱، ۱۰۰۳۲، ۱۰۰۳۳، ۱۰۰۳۴، ۱۰۰۳۵، ۱۰۰۳۶، ۱۰۰۳۷، ۱۰۰۳۸، ۱۰۰۳۹، ۱۰۰۴۰، ۱۰۰۴۱، ۱۰۰۴۲، ۱۰۰۴۳، ۱۰۰۴۴، ۱۰۰۴۵، ۱۰۰۴۶، ۱۰۰۴۷، ۱۰۰۴۸، ۱۰۰۴۹، ۱۰۰۵۰، ۱۰۰۵۱، ۱۰۰۵۲، ۱۰۰۵۳، ۱۰۰۵۴، ۱۰۰۵۵، ۱۰۰۵۶، ۱۰۰۵۷، ۱۰۰۵۸، ۱۰۰۵۹، ۱۰۰۶۰، ۱۰۰۶۱، ۱۰۰۶۲، ۱۰۰۶۳، ۱۰۰۶۴، ۱۰۰۶۵، ۱۰۰۶۶، ۱۰۰۶۷، ۱۰۰۶۸، ۱۰۰۶۹، ۱۰۰۷۰، ۱۰۰۷۱، ۱۰۰۷۲، ۱۰۰۷۳، ۱۰۰۷۴، ۱۰۰۷۵، ۱۰۰۷۶، ۱۰۰۷۷، ۱۰۰۷۸، ۱۰۰۷۹، ۱۰۰۸۰، ۱۰۰۸۱، ۱۰۰۸۲، ۱۰۰۸۳، ۱۰۰۸۴، ۱۰۰۸۵، ۱۰۰۸۶، ۱۰۰۸۷، ۱۰۰۸۸، ۱۰۰۸۹، ۱۰۰۹۰، ۱۰۰۹۱، ۱۰۰۹۲، ۱۰۰۹۳، ۱۰۰۹۴، ۱۰۰۹۵، ۱۰۰۹۶، ۱۰۰۹۷، ۱۰۰۹۸، ۱۰۰۹۹، ۱۰۱۰۰، ۱۰۱۰۱، ۱۰۱۰۲، ۱۰

اختیار کر لی۔ سلوک میں بلند مرتبہ پایا اور حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کے وصال مبارک کے بعد اُن کے صاحبزادگان گرامی کی تربیت میں مصروف رہے۔ بالآخر قضائے الہی سے یکم صفر ۱۰۴۳ھ / ۲۸ جولائی ۱۶۳۳ء کو اکبر آباد (آگرہ) میں رحلت فرمائی اور وہیں آسودہ خاک ہوئے۔ کچھ مدت کے بعد آپ کے جسد کو دہلی لاکر حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کے قبرستان میں دفن کیا گیا۔ (ماخوذ از زبدۃ المقامات، نزہۃ الخواطر، حاشیہ مکتوباتِ امام ربانی)

حسن رضی اللہ عنہ — آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کے بڑے صاحبزادے ہیں۔ آپ رمضان ۳ / ۶۲۵ء میں مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ کنیت ابو محمد تھی۔ سید اور ریحانہ خطاب تھا۔ شیبہ رسول لقب۔ نبی کریم ﷺ کے نواسے اور صحابی ہیں۔ ۴۹ھ یا ۵۰ھ / ۶۲۹ء یا ۶۷۰ء میں وصال فرمایا۔ (دیکھئے: شاہکار اسلامی انسائیکلو پیڈیا، ص ۸۲۸-۸۵۰)

حسن برکی — آپ حضرت شیخ احمد برکی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۰۲۶ھ / ۱۶۱۷ء) کے شاگرد تھے۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی شہرت سنی تو سرہند شریف حاضر ہو کر آپ کی زیارت و بیعت کا شرف پایا۔ اور کمالات سلسلہ حاصل کر کے اجازت و خلافت کی سعادت سے بہرہ ور ہوئے۔ بعد ازاں وطن مالوف لوٹ گئے اور حضرت شیخ احمد برکی رحمۃ اللہ علیہ نے وصال فرمایا تو حضرت مجدد قدس سرہ نے آپ کو ان کا جانشین مقرر فرمایا۔ وہیں وصال فرمایا اور اپنے وطن عثمان پور (برک، افغانستان) میں آخری آرام گاہ پائی۔ آپ کے نام حضرت مجدد قدس سرہ کے تین مکتوبات شریف (۱: ۲۷۱، ۲: ۷۷، ۳: ۱۰۵) ہیں۔ (دیکھئے: تاریخ و تذکرہ خانقاہ سرہند شریف، ص ۶۷-۶۸)

حسن بصری — آپ ۲۱ھ / ۶۴۲ء میں مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کی والدہ ماجدہ ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی کنیز تھیں۔ آپ بڑے مستجاب الدعوات، صاحب کرامات، عالی مقامات اور ظاہری و باطنی علوم میں یگانہ روزگار تھے۔ شب جمعہ ۴ / محرم ۱۱۰ھ / ۱۹ اپریل ۷۲۸ء رحلت فرمائی۔ (دیکھئے: تذکرۃ الاولیاء، ص ۳۰-۴۸)

حسن کشمیری — آپ علم و فضل اور بزرگی میں یکتا تھے۔ حضرت شیخ نجم چائیں سہنوی رحمۃ اللہ علیہ سے سلوک کی تکمیل کی۔ بعد ازاں حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ (م ۱۰۱۲ھ / ۱۶۰۳ء) کی خدمت میں اخذ و کسب میں مشغول ہوئے اور بلند مقام پایا۔ حضرت مجدد قدس سرہ کو آپ ہی حضرت خواجہ باقی قدس سرہ کی خدمت میں لے گئے۔ ۱۰۵۱ھ / ۴۲-۱۶۴۱ء میں وفات پائی۔ آپ کے نام پانچ مکتوب شریف (۱: ۹۹-۱۰۱، ۲: ۳۷۹، ۱۲۲) ہیں۔ (حالات کے لیے دیکھئے: نزہۃ الخواطر، جلد ۵: ۱۳۲، زبدۃ المقامات، ص ۱۳۸، حاشیہ مکتوباتِ امام ربانی)

حسین رضی اللہ عنہ — آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کے دوسرے صاحبزادے ہیں۔ ۳ شعبان ۴ھ / ۸ جنوری ۶۲۶ء کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ کنیت ابو عبید اللہ اور سید شباب اہل الجنۃ، ریحانہ النبی اور سید الشہد القب ہے۔ ۱۰ محرم ۶۱ھ / ۱۰ اکتوبر ۶۸۰ء کو جام شہادت نوش فرمایا۔ (دیکھئے: شاہکار اسلامی انسائیکلو پیڈیا، ص ۸۵۷-۸۵۸، خزینۃ الاصفیاء، ۲۸: ۱)

حسین مانک پوری — آپ کے نام ایک مکتوب (۲۲۱: ۱) ہے۔ مزید حالات دستیاب نہیں۔
حسینی، ملا — غالباً حضرت مولانا حسین نانباتی رحمۃ اللہ علیہ مراد ہیں۔ جن کی ولادت کشمیر میں ہوئی اور انہوں نے حضرت شیخ محمد قادری رحمۃ اللہ علیہ سے روحانی تعلیم حاصل کی۔ نیز حضرت خواجہ عبدالشہید رحمۃ اللہ علیہ (م ۹۸۲ھ / ۱۵۷۷ء) کی صحبت سے مستفید ہوئے اور بعد ازاں ایک مدت تک حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ (م ۱۰۱۲ھ / ۱۶۰۳ء) کی خدمت میں رہے۔ ۱۰۵۰ھ / ۴۱-۱۶۴۰ء میں وفات پائی۔ (دیکھئے: نزہۃ الخواطر، ص ۲۱۲: ۵، حاشیہ مکتوباتِ امام ربانی)

حماد دباس — آپ شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ کے شیوخ میں سے تھے۔ رمضان ۵۲۵ھ / اگست ۱۱۳۱ء میں وصال فرمایا۔

حمید احمدی — آپ اجیر کے بزرگ زادے ہیں۔ آپ نے حضرت مجددِ قدس سرہ سے سلوک کے مقامات طے کیے اور خلافت کا شرف پایا۔ آپ کے نام دو مکتوب (۳: ۵۷، ۱۰۳) ہیں۔ (حواشی مکتوباتِ امام ربانی بحوالہ روضۃ القیومیہ)

حمید بنگالی — آپ منگل کوٹ، ضلع بردوان، بنگال کے رہنے والے تھے۔ علوم معقول و منقول کے جامع تھے۔ صرف ایک برس حضرت مجددِ الف ثانی قدس اللہ سرہ کی صحبت میں رہ کر سلوک کی منازل کو طے کیا اور اجازت و خلافت کا شرف حاصل کر کے اپنے وطن مالوف لوٹ گئے۔ منگل کوٹ ہی میں ۱۰۵۰ھ/۴۱-۱۶۴۰ء میں رحلت فرمائی۔ آپ کے نام پانچ مکتوب (۱: ۱۵۸، ۲۲۰، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴) ہیں۔

حمید سنبھلی — آپ قرآن مجید کی تفسیر بیان کرنے کے لحاظ سے علامہ زماں اور یکتائے دوراں معروف تھے۔ آپ کے نام ایک مکتوب (۱: ۱۱۱) ہے۔ (تذکرہ علمائے ہند، ص ۱۱۱، حاشیہ مکتوباتِ امام ربانی از حضرت سید زوار حسین شاہ)

خان اعظم — خان اعظم مرزا عزیز کو کہ جلال الدین محمد اکبر بادشاہ (م ۱۰۱۴ھ/۱۶۰۵ء) کے ہم عمر اور ہم شیر تھے۔ ہمیشہ شاہی قرابت نصیب رہی اور انتہائی عنایتوں سے مشرف ہوئے۔ جہانگیر (م ۱۰۳۷ھ/۱۶۲۷ء) بھی ان کی خوب عزت کرتا رہا۔ تاریخ دانی میں ماہر اور سلاستِ زبان میں یگانہ روزگار تھے۔ ۱۰۰۲ھ/۱۵۹۴ء میں حج بیت اللہ شریف کا شرف پایا اور ۱۰۳۳ھ/۱۶۲۴ء میں راہی ملک بقا ہوئے۔ ان کی میت کو دہلی میں لایا گیا اور حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ (م ۲۶ھ/۱۲۳۵ء) کے قرب میں آخری آرام گاہ پائی۔ مکتوباتِ امام ربانی میں آپ کے نام دو مکتوب (۱: ۶۵، ۶۶) ہیں۔ (ماثر الامراء، جلد ۱: ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱

مکتوب (۱۳۷:۱) ہے۔ (حاشیہ مکتوباتِ امام ربانی)

خضر خان لودھی — ان کے نام ایک مکتوب (۹۴:۱) ہے۔ حالات دستیاب نہیں ہیں۔

خطیب بغدادی — ابوبکر احمد بن علی بن ثابت، مشہور محدث اور خطیب۔ بغداد میں پیدا ہوئے۔ خطیب کے عہدے پر فائز رہے۔ تصانیف کی تعداد ایک سو کے قریب ہے۔ جن میں سب سے زیادہ معروف تاریخ بغداد ہے۔ ۷/ ذی الحجہ ۳۶۳ھ / ۵ ستمبر ۱۰۷۱ء کو رحلت فرمائی۔ (شاہکار اسلامی انسائیکلو پیڈیا، ص ۹۰۵)

خواجگی ملکنی — آپ حضرت خواجہ درویش محمد قدس سرہ (م ۹۷۰ھ / ۱۵۶۲ء) کے صاحبزادے اور جانشین تھے۔ آپ نے ۱۰۰۸ھ / ۱۶۰۰ء میں وصال فرمایا۔ (نسماۃ القدس، ص ۲۸۰-۲۸۲، حضرات القدس ۲۵۹:۱-۲۶۲)

خواجہ جہاں — اصل نام دوست محمد اور لقب خواجہ جہاں تھا۔ بڑے متقی اور دیانتدار تھے۔ ان کی بیٹی جہانگیر بادشاہ (م ۱۰۳۷ھ / ۱۶۲۷ء) کے نکاح میں آئیں تو اعلیٰ منصب پایا۔ ۱۰۲۹ھ / ۱۶۱۹ء میں فوت ہوئے۔ آپ کے نام دو مکتوب (۱:۲۵، ۷۲) ہیں۔ (مآثر الامراء، ۶۶۸:۱، حاشیہ مکتوباتِ امام ربانی)

خواجہ عمک — آپ کے نام دو مکتوب (۱:۲۷، ۲۸) ہیں۔ مزید حالات دستیاب نہیں۔

خواجہ گدا — آپ کے نام ایک مکتوب (۲:۴۹) ہے۔ حالات دستیاب نہیں۔

داراب خان — میرزا داراب ابن خان خانان بڑے قابل اور بشمار خوبیوں کے حامل تھے۔ جہانگیر (م ۱۰۳۷ھ / ۱۶۲۷ء) کے عہد میں ایک ہزاری کا منصب ملا اور برار اور احمد نگر صوبہ کے حاکم بنے۔ ۱۰۳۴ھ / ۱۶۲۵ء میں بعض شبہات کی بنا پر بادشاہ کے حکم پر مہابت خان نے ان کو قتل کر دیا۔ ان کے نام حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے چار مکتوب شریف (۱:۷۱، ۲۱۵، ۲۳۹، ۲۷۸) ہیں۔ (دیکھئے: مآثر الامراء، جلد ۱۴، حاشیہ مکتوباتِ امام ربانی)

داؤد طائی — آپ گروہ صوفیہ کے اکابر اور سید القوم تھے۔ ورع میں حد کمال کو پہنچے ہوئے تھے۔ علوم کی مختلف اقسام میں مہارت خاصہ رکھتے تھے۔ بیس برس تک حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۵۰ھ / ۷۷۷ء) کی شاگردی میں رہے۔ حضرت فضل عیاض رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت ابراہیم ادھم رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۶۰-۱۶۶ھ / ۷۷۶-۷۸۳ء) کو دیکھا تھا اور آپ کے پیر طریقت حضرت حبیب راعی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ ۱۶۲ھ / ۷۷۸-۷۷۹ء میں رحلت فرمائی۔ (تذکرۃ الاولیاء، ص ۲۶۳-۲۶۹)

داؤد، ملا — آپ مجدد الف ثانی قدس سرہ کے خلیفہ اور صاحبِ انکسار بزرگ تھے۔ آپ کے نام ایک مکتوب (۱:۲۱۸) ہے۔ درویش حبیب — آپ حضرت مجدد قدس سرہ کے سفر و حضر میں خصوصی خادم تھے۔ آپ کے نام ایک مکتوب (۳:۸۶) ہے۔ (روضہ القیومیہ، حواشی مکتوباتِ امام ربانی از حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ)

درویش محمد — آپ حضرت خواجہ محمد زاہد قدس سرہ (م ۹۳۶ھ / ۱۵۲۹ء) کے بھانجے اور خلیفہ اعظم تھے۔ ۹ محرم ۹۷۰ھ / ۱۸ ستمبر ۱۵۶۲ء کو وصال فرمایا۔ (نسماۃ القدس، ص ۲۷۶-۲۷۹، حضرات القدس، ۲۵۹:۱-۲۵۸)

رابعہ بصری — آپ اپنے وقت کی زاہدہ و کاملہ اور عارفہ تھیں۔ ۹۵ھ / ۷۱۳ء میں ایک غریب خاندان میں پیدا ہوئیں۔ بچپن میں کسی نے پکڑ کر فروخت کر دیا۔ پاک طینتی کی بدولت اللہ نے رہائی دلائی اور گوشہ نشینی اور تجرک و اختیار فرمایا۔ حضرت ثقیان ثوری آپ سے مسائل دریافت فرماتے تھے۔ ۱۸۵ھ / ۸۰۱ء میں وصال فرمایا۔ (دیکھئے: شاہکار انسائیکلو پیڈیا، ص ۹۵۸، تذکرۃ الاولیاء، ص ۷۲-۸۸)

رحمت اللہ، شیخ — شیخ رحمت اللہ بن قاضی عبداللہ بن ابراہیم سندھی مدنی حنفی رحمۃ اللہ علیہ۔ دریلہ سندھ (ہندوستان) میں پیدا ہوئے۔ یہیں تعلیم حاصل کی۔ پھر والد کے ہمراہ گجرات (ہندوستان) اور بعد ازاں ۹۴۷ھ / ۱۵۴۱ء میں حرمین شریفین پہنچے۔ شیخ

علی بن محمد بن عراق رحمۃ اللہ علیہ (م ۹۶۳ھ / ۱۵۵۶ء) صاحب تنزیہ الشریعہ، قطب مدنی اور دوسرے محدثین حجاز مقدس سے علم حدیث سیکھا اور پھر مدینہ منورہ میں درس حدیث دیتے رہے۔ ۹۷۷ھ / ۱۵۷۰ء میں ہندوستان آئے۔ پھر مکہ مکرمہ چلے گئے اور ۸ / محرم ۹۹۴ھ / ۱۵۸۵ء میں رحلت فرمائی۔ ان کی تصانیف یہ ہے: لباب المناسک و عباب المناسک، (۲) المناسک الصغیر، (۳) غایۃ التحقیق، (۴) تلخیص تنزیہ الشریعہ۔ (دیکھئے: النور السافر ۴۳۹، شذرات الذہب ۸: ۴۳۱، ۴۳۰، مجمع المؤلفین ۱۵۴: ۴، اخبار الاخیار ۲۸۰، گلزار ابرار ۵۰۴، تذکرہ علمائے ہند ۱۰۲)

روز بہان بھلی — آپ کی کنیت ابو محمد بن ابی نصر بھلی نسوی شیرازی ہے۔ اپنے وقت کے عرفا کے سلطان، علماء کی برہان اور عاشقوں کے امام تھے۔ شروع حال میں عراق، حجاز اور شام کا سفر کیا۔ شیخ ابو نجیب سہروردی قدس سرہ کے ساتھ صحیح بخاری کے استماع میں ثغر اسکندریہ میں شریک تھے۔ سخت ریاضتوں اور ذوق و استغراق کے حامل تھے۔ گریہ زاری طاری رہتی تھی۔ آپ کی بہت زیادہ تصنیفات ہیں۔ نصف محرم ۶۰۶ھ / جولائی ۱۲۰۹ء میں رحلت فرمائی۔ (نفحات الانس، حواشی مکتوبات امام ربانی) زکریا، میاں شیخ — شیخ زکریا رحمۃ اللہ علیہ شیخ سلطان رحمۃ اللہ علیہ (یعنی حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ سرہ کے خسر) ہیں، جو کسی پرگنہ کے کروڑی (تحصیلدار) تھے۔ (رود کوثر ۲۴۷) نیز حضرت مجدد قدس سرہ نے دفتر اول مکتوب کے نمبر ۵۰ میں بھی شیخ زکریا کے لیے سفارش فرمائی ہے۔

زین الدین تائبادی — آپ نے علوم ظاہری مولانا نظام الدین ہروی سے اخذ کیے۔ اتباع شریعت اور متابعت سنت کی برکت سے علوم باطنی کے دروازے آپ پر کھل گئے اور ارباب ولایت کے احوال و مقامات سے سرفراز ہوئے۔ شیخ الاسلام احمد نامقی کے زیر تربیت رہے اور حقیقت میں اویسی نسبت رکھتے تھے۔ آپ ایک عرصہ تک حضرت نامقی کے مزار پر خادم رہے۔ اس دوران ایک ہزار ختم قرآن کیے۔ بالآخر محرم الحرام ۹۱ھ / جنوری ۱۳۸۹ء میں جمعرات کے روز رحلت فرمائی۔ (نفحات الانس، ۱۹۱) زین العابدین — حضرت امام زین العابدین علی بن حسین بن علی رضی اللہ عنہ کی کنیت ابو محمد، ابوالحسن اور ابوبکر اور القاب سجاد اور زین العابدین تھے۔ ۳۶ھ یا ۳۸ھ / ۵۸-۶۵ء میں مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے اور ۱۸ / محرم ۹۴ھ / ۵ / نومبر ۱۲۷۷ء میں فوت ہوئے۔ (خزینۃ الاصفیاء، ۱: ۳۰)

سعد الدین — سعد الدین بن مسعود بن عمرؒ، بلاغت، منطق، کلام، فقہ اور تفسیر کے ماہر اور مصنف۔ تفتان خراسان میں نسا کے قریب پیدا ہوئے اور ۹۱ھ / ۱۳۸۹ء میں سمرقند میں فوت ہوئے اور سرخس میں آخری آرامگاہ پائی۔ متعدد کتابیں تصنیف کیں جن میں شرح العقائد النسفیہ، ماوراء الطبیعات اور التلویح شامل ہیں۔ (دیکھئے: شاہکار اسلامی انسائیکلو پیڈیا، ص ۱۵۱-۵۵۲) سکندر خان لودھی — آپ کے نام دو مکتوب (۱: ۸۲، ۹۳) ہیں۔ حالات دستیاب نہیں۔

سلطان سرہندی — آپ کے نام دو مکتوب (۳: ۴۵، ۱۱۳) ہیں۔ سلطان، شیخ — آپ حضرت مجدد قدس سرہ کے خسر تھے۔ حج و زیارت حرمین شریفین کا شرف پایا تھا۔ شاہی خدمات پر مامور رہے، گاؤ کشی کے جرم میں ۳ / جمادی الثانی ۱۰۰۷ھ / یکم جنوری ۱۵۹۹ء کو پھانسی دی گئی۔ (دیکھئے: رود کوثر، منتخب التواریخ، حاشیہ مکتوبات امام ربانی)

سہل تستری — حضرت ابو محمد سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ ۲۰۳ھ / ۱۸۱۸ء میں پیدا ہوئے۔ اکابر صوفیہ میں اپنے زہد و ورع کی وجہ سے بلند مقام رکھتے تھے۔ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کے فیض یافتہ اور حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے معاصرین میں سے تھے۔ محرم ۲۸۳ھ / مارچ ۸۹۶ء میں رحلت فرمائی اور بصرہ میں آسودہ خاک ہوئے۔ (دیکھئے: تذکرۃ

الاولیا، ص ۳۰۴-۳۲۳، اسلامی انسائیکلو پیڈیا، ص ۱۰۳۵، نجات الانس، ص ۷۵)

سید انبیاء — مکتوبات (فارسی) کے مطبوعہ نسخے کے حاشیہ پر نسخہ بدل کے مطابق مکتوب الیہ کا نام ملّا صالح (رحمۃ اللہ علیہ) لکھا ہے، جبکہ متن میں سید انبیاء تحریر ہے۔ مولانا نسیم احمد فریدی نے آپ کا نام سید غلام انبیاء لکھا ہے۔ سید انبیاء (رحمۃ اللہ علیہ) کے نام دو مکتوب (۲۸۸، ۲۴۵:۱) ہیں۔ مزید حالات دستیاب نہیں۔

شاہ محمد — آپ کے نام ایک مکتوب (۵۴:۲) ہے اور حالات دستیاب نہیں۔

شرف الدین حسین بدخشی — آپ حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ (م ۸۹۵ھ/۱۴۹۰ء) کی اولاد میں سے تھے۔ اکبر (م ۱۰۱۴ھ/۱۶۰۵ء) کے عہد میں منصب امارت تک رسائی حاصل کی۔ بعد ازاں اکبر کے الحاد کی وجہ سے اس کے خلاف ہو گئے۔ جس پر ایک مدت قید خانہ میں رہے اور پھر آزادی ملی۔ آپ کے نام ایک مکتوب (۱۴۶:۱) ہے۔ (دیکھئے: ذخیرۃ الخوانین، ۷:۱، حاشیہ مکتوباتِ امام ربانیؒ)

شریف خان — آپ کے والد کا نام خواجہ عبدالصمد شیرین قلم تھا۔ آپ جہانگیر (م ۱۰۳۷ھ/۱۶۲۷ء) کے ہم مکتب اور ہم جلس تھے، لہذا اس نے اپنے دور حکومت میں آپ کو بیچ ہزاری منصب اور امیر الامراء کا خطاب دیا۔ آخری عمر میں دکن بھیجے گئے اور وہیں وفات پائی۔ آپ کے نام ایک مکتوب (۲۵۸:۱) ہے۔ (حاشیہ مکتوباتِ امام ربانیؒ، بحوالہ مآثر الامراء)

شکیبی اصفہانی — آپ عبدالرحیم خان خاناںؒ (م ۱۰۳۶ھ/۱۶۲۷ء) کے مصاحب تھے۔ آپ کے نام دو مکتوب (۲۱۰، ۲۰۰:۱) ہیں۔

شمس الائمہ حلوانی — عبدالعزیز بن احمد بن نصر بن صالح بخاری حنفی حلوانی (م ۴۳۸ یا ۴۳۹ھ/۱۰۵۶ یا ۱۰۵۷ء) کے والد حلوا بیچتے تھے اور فقیروں کو مفت کھلاتے اور کہتے کہ میرے بیٹے کے لیے دعا کرو۔ ان کی سخاوت، دعاؤں اور فقیروں کی دعاؤں کو اللہ تعالیٰ نے قبولیت بخشی اور شمس الائمہ کو معاصرین میں بلند درجہ عطا فرمایا۔ (دیکھئے: کشف الظنون)

شمس الائمہ سمرخی — محمد بن احمد بن سہل ابوبکر المعروف شمس الائمہ سمرخیؒ (م ۴۹۰ھ یا ۵۰۰ھ/۱۰۹۷ یا ۱۱۰۷ء) بادشاہ وقت خاقان کو نیکی کی تلقین کرنے کی پاداش میں اذرجند کی جیل میں قید ہوئے تو اس قید کے دوران جیل میں اپنی شہرہ آفاق کتاب مسبوط پندرہ جلدوں میں تصنیف کر ڈالی۔ (دیکھئے: کشف الظنون)

شمس الدین علی غلطالی — دفتر سوم کے مکتوب گیارہ میں آپ کے نام کے ساتھ ”سیادت پناہ“ درج ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا تعلق سید گھرانے سے تھا۔ نیز یہ کہ آپ میر سید محبت اللہ مانکپوریؒ کے ہم وطن تھے۔ آپ کے نام چار مکتوب (۱۱:۳، ۵، ۲:۲) ہیں۔

شمس الدین، مرزا — آپ کے نام دو مکتوب (۵۰، ۱۳:۲) ہیں۔ حالات دستیاب نہیں۔

شمس، ملا — آپ حسینی سادات میں سے تھے۔ عرصہ دراز دنیا سے تارک ہو کر سیاحت میں مشغول رہے۔ جہانگیر (م ۱۰۳۷ھ/۱۶۲۷ء) کی وفات کے بعد شاہجہان (م ۱۰۷۶ھ/۱۶۶۶ء) کی ملازمت میں آ گئے اور تین ہزاری منصب پایا۔ ۱۹ رمضان المبارک ۱۰۶۷ھ/۲۱ جولائی ۱۶۵۷ء میں رحلت فرمائی۔ آپ کے نام دو مکتوب (۳۳:۳، ۱۴۳:۱) ہیں۔ (دیکھئے: مآثر الامراء، جلد ۳: ۴۱۴، حاشیہ مکتوباتِ امام ربانیؒ)

شیخ درویش — آپ امراء سلطنت میں سے معلوم ہوتے ہیں۔ آپ کے نام تین مکتوبات (۴۲، ۴۱:۱، ۹۷) ہیں اور تینوں میں نصائح کے علاوہ کسی نہ کسی کے لیے امداد و سفارش کا بیان ہے۔ (حاشیہ مکتوباتِ امام ربانیؒ)

شیخ صوفی — آپ کا نام محمد تھا۔ اکثر علوم میں تبحر رکھتے تھے۔ درس و تدریس شغل تھا۔ بہت زیادہ علماء نے آپ سے علم حاصل کیا۔ عبدالرحیم خان خاناںؒ (م ۱۰۳۶ھ/۱۶۲۷ء) کے کتب خانہ کے ناظم اور مصاحب رہے۔ بعد ازاں عزلت اختیار کر لی۔ شعر خوب کہتے تھے۔

اکابر صوفیہ میں شمار تھا۔ آپ کے نام ایک مکتوب (۳۱:۱) ہے۔ (دیکھئے: نزہۃ الخواطر ۵: ۱۸۱، حاشیہ مکتوباتِ امام ربانی)

شیر محمد لاہوری — آپ کے نام ایک مکتوب (۵۱:۳) ہے۔ حالات دستیاب نہیں۔

صالح بدخشی کولابی — آپ کا شمار حضرت مجدد الف ثانی کے قدیم احباب میں ہوتا تھا۔ انتہائی عاجز اور خاموش طبع کے مالک تھے۔ حسن اتفاق سے جامع مسجد آگرہ میں حضرت مجدد قدس سرہ کی زیارت ہوئی اور پھر برسوں آپ کی صحبت نصیب رہی۔ آپ کی شفقت و عنایت اور توجہ سے مراتب سلوک طے کرنے کے بعد مجاز طریقت قرار پائے اور ۱۰۳۸ھ/ ۲۹-۱۶۲۸ء میں وفات پائی۔ حضرت مجدد قدس سرہ کے ارشاد پر آپ کے دن رات کے معمولات کو ایک رسالہ میں جمع کیا۔ جس کا اردو ترجمہ حضرت مولانا سید زوار حسین شاہؒ نے اپنی کتاب حضرت مجدد الف ثانی میں درج فرمایا ہے۔ اس ناکارہ روزگار نے اسے اپنی کتاب ”تاریخ و تذکرہ سرہند شریف“ اور ”حضرت مجدد اور ان کے خلفاء“ میں بھی شامل کیا ہے۔ آپ کے نام دس مکتوبات (۱: ۱۶۱، ۱۸۲، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵، ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۶۹، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، ۱۴۷۳، ۱۴۷۴، ۱۴۷۵، ۱۴۷۶، ۱۴۷۷، ۱۴۷۸، ۱۴۷۹، ۱۴۸۰، ۱۴۸۱، ۱۴۸۲، ۱۴۸۳، ۱۴۸۴، ۱۴۸۵، ۱۴۸۶، ۱۴۸۷، ۱۴۸۸، ۱۴۸۹، ۱۴۹۰، ۱۴۹۱، ۱۴۹۲، ۱۴۹۳، ۱۴۹۴، ۱۴۹۵، ۱۴۹۶، ۱۴۹۷، ۱۴۹۸، ۱۴۹۹، ۱۵۰۰، ۱۵۰۱، ۱۵۰۲، ۱۵۰۳، ۱۵۰۴، ۱۵۰۵، ۱۵۰۶، ۱۵۰۷، ۱۵۰۸، ۱۵۰۹، ۱۵۱۰، ۱۵۱۱، ۱۵۱۲، ۱۵۱۳، ۱۵۱۴، ۱۵۱۵، ۱۵۱۶، ۱۵۱۷، ۱۵۱۸، ۱۵۱۹، ۱۵۲۰، ۱۵۲۱، ۱۵۲۲، ۱۵۲۳، ۱۵۲۴، ۱۵۲۵، ۱۵۲۶، ۱۵۲۷، ۱۵۲۸، ۱۵۲۹، ۱۵۳۰، ۱۵۳۱، ۱۵۳۲، ۱۵۳۳، ۱۵۳۴، ۱۵۳۵، ۱۵۳۶، ۱۵۳۷، ۱۵۳۸، ۱۵۳۹، ۱۵۴۰، ۱۵۴۱، ۱۵۴۲، ۱۵۴۳، ۱۵۴۴، ۱۵۴۵، ۱۵۴۶، ۱۵۴۷، ۱۵۴۸، ۱۵۴۹، ۱۵۵۰، ۱۵۵۱، ۱۵۵۲، ۱۵۵۳، ۱۵۵۴، ۱۵۵۵، ۱۵۵۶، ۱۵۵۷، ۱۵۵۸، ۱۵۵۹،

طاہر، ملا۔ آپ کے نام دو مکتوب (۳: ۲۵، ۱۰۸) ہیں۔ آپ مجددِ قدس سرہ کے خادمِ خاص ہیں۔
عبدالباقی سارنگپوری۔ آپ کے نام ایک مکتوب (۲: ۳۹) ہے۔

عبدالحق محدث دہلوی - آپ محرم ۹۵۸ھ / جنوری ۱۵۵۱ء میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد بزرگوار حضرت سیف الدین قادریؒ سے تعلیم حاصل کی اور حفظ قرآن کیا۔ بچپن ہی سے حصول علم کے ذوق میں مستغرق تھے۔ ۹۹۶ھ / ۱۵۸۷ء میں حرمین شریفین کے لیے عازم ہوئے۔ رمضان ۹۹۷ھ / جولائی - اگست ۱۵۸۹ء سے پہلے مکہ مکرمہ میں پہنچے۔ دو سال وہاں رہے اور دروج کیے۔ حضرت شیخ علی متقی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ حضرت شیخ عبدالوہاب متقی رحمۃ اللہ علیہ کی بیعت کی اور ان سے خرقہ خلافت پایا۔ دوران قیام بہت سے علماء و مشائخ سے مستفید ہوئے۔ بعد ازاں دہلی واپس آئے اور حضرت خواجہ باقی باللہ قدس اللہ سرہ سے بیعت کی۔ بیشمار کتابوں کے مصنف و مؤلف ہیں۔ ۲۱ / ربیع الاول ۱۰۵۲ھ / ۳۰ مئی ۱۶۴۲ء کو وصال فرمایا۔ آپ کے نام دو مکتوب (۱: ۱۱۵، ۲: ۲۹) ہے۔ آپ نے حضرت مجدد قدس سرہ کے مخدوم زادگان کی طاعون میں رحلت فرمانے پر ایک تعزیت نامہ حضرت مجدد قدس سرہ کی خدمت میں ارسال کیا تھا۔ حضرت مجدد قدس سرہ نے اس کے جواب میں مکتوب (۲: ۲۹) تحریر فرمایا۔ (دیکھئے: حواشی مکتوبات از مولانا سید زوار حسین شاہ)

عبدالرحمن۔ ملا عبدالرحمن بن خواجہ چاکر حنفی رحمۃ اللہ علیہ تقریباً ۹۹۰ھ/ ۱۵۸۲ء میں حصار شادمان (ایران) میں پیدا ہوئے۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ سے بیعت کا شرف پایا۔ کتب بات امام ربانی کے دفتر دوم کونور الخلائق (۱۰۸۲ھ) کے تاریخی نام سے مرتب کیا۔ حضرت مجدد قدس سرہ نے خلافت و احازت سے سرفراز فرما کر ان کو بیٹھنے میں روانہ فرمایا۔ ۶۰ سال کی عمر میں ۱۰۵۰ھ/

۱۶۲۱ء میں حج کی سعادت پائی اور ۱۰۷۰ھ/۶۰-۱۶۵۹ء میں وصال فرمایا۔ آپ کے نام ایک مکتوب (۱: ۲۷۷) ہے۔

(دیکھئے: تاریخ و تذکرہ سرہند شریف، ص ۴۹۵-۴۹۸، نزہۃ الخواطر ۵: ۲۱۲)

عبدالحق غجدوانی — منقول ہے کہ آپ کے پیر طریقت حضرت خضر علیہ السلام تھے اور حضرت خواجہ ابویقوب یوسف ہمدانی قدس سرہ

(م ۵۳۵ھ/۱۱۴۱ء) آپ کے پیر صحبت و خرقہ تھے۔ آٹھ کلمات جن پر سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کی بنیاد ہے، آپ ہی نے مقرر

فرمائے۔ آپ نے ۱۲ ربیع الاول ۵۷۵ھ/۱۷ اگست ۱۱۷۹ء کو غجدوان میں رحلت فرمائی اور وہیں آسودہ خاک ہوئے۔

(دیکھئے: رشحات، ۱: ۳۴-۵۱، خزینۃ الاصفیاء، ۵۳۲)

عبدالرحمن مفتی کابلی — آپ فقہ و اصول اور عربی ادب میں مہارت تامہ کے حامل تھے۔ انتہائی نیک اور صاحب تقویٰ و ورع تھے۔ شاید

آپ ہی کو شاہجہان (م ۱۰۷۶ھ/۱۶۶۶ء) نے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی خدمت میں بھیجا تھا کہ آپ سجدہ تعظیمی کر

لیں تو میں ذمہ دار ہوں کہ اکبر (م ۱۰۱۴ھ/۱۶۰۵ء) سے آپ کو کوئی گزند نہیں پہنچے گی۔ شاہجہان کے دور میں آپ آگرہ میں

مفتی رہے۔ آپ کے نام دو مکتوب (۱: ۱۴۵، ۱۸۶) ہیں۔ (دیکھئے: نزہۃ الخواطر، جلد ۵: ۵۱۴، حاشیہ مکتوبات امام ربانی)

عبدالرحمن، میر — آپ کے نام ایک مکتوب (۳: ۴۴) ہے۔

عبدالرزاق کاشی — آپ حضرت خواجہ حسن عطار کے اجلہ اصحاب اور خلفاء میں سے تھے۔ (دیکھئے: رشحات، ۱: ۱۶۵-۱۶۶)

عبدالصمد سلطانپوری — آپ کے نام ایک مکتوب شریف (۱: ۱۶۹) ہے، حالات دستیاب نہ ہو سکے۔

عبدالعزیز جونپوری — آپ کی ولادت جونپور (ہندوستان) میں ہوئی۔ ابتدائی درسی کتابیں اپنے والد بزرگوار فخر الدین جونپوری سے

پڑھیں۔ پھر تکمیل سلوک کی اور اجازت و خلافت سے مشرف ہو کر مسند ارشاد پر جلوہ افروز ہوئے۔ اپنے مشائخ عظام کے

احوال میں کتاب ”سیرت الاولیاء“ تصنیف فرمائی۔ آپ کا شمار صاحب سلسلہ بزرگوں میں ہے۔ آپ کے نام ایک مکتوب

(۱: ۲) ہے۔ (دیکھئے: نزہۃ الخواطر ۵: ۲۲۸، حاشیہ مکتوبات امام ربانی)

عبدالغفور سمرقندی — آپ کا شمار حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ سرہ کے اجلہ خلفاء میں ہوتا ہے۔ آپ کے نام تین مکتوبات (۱: ۱۴۲،

۲۰۶، ۲۳۵) ہیں۔ (دیکھئے: روضۃ القیومیہ، ۱: ۳۴۰، حاشیہ مکتوبات امام ربانی)

عبدالقادر انبالوی — ملا عبدالقادر انبالوی بن محمود پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ عبدالملک بن عبدالغفور پانی پتی سے، جو آپ کے بنی اعمام

میں سے تھے، علم حاصل کیا۔ بعد ازاں شیخ عبدالرزاق جھنجھانوی سے بیعت ہو گئے۔ حج و زیارت حرمین کا شرف حاصل کیا اور

صاحب تصانیف ہوئے۔ ۱۰۱۱ھ/۳-۱۶۰۲ء میں فوت ہوئے۔ (دیکھئے: نزہۃ الخواطر ۵: ۲۳۶، حاشیہ مکتوبات امام ربانی از

مولانا سید زوار حسین شاہ) ان کے نام چار مکتوب (دفتر ۱: ۲۸۴، ۵۶۲، ۵۹۴، ۱۱۸) ہیں۔

عبدالقادر جیلانی — آپ سلسلہ قادریہ کے بانی ہیں۔ آپ کا نام عبدالقادر، کنیت ابو محمد اور لقب محی الدین اور غوث الاعظم تھا۔ آپ حسنی

وحسینی سید ہیں۔ ۲۹ شعبان ۴۷۰ھ/۱۷ مارچ ۱۰۷۸ء میں قصبہ جیلان میں پیدا ہوئے۔ بغداد میں علوم عقلی و نقلی متداولہ میں

فراغت حاصل کی اور عبادت و ریاضت اور خدا طلبی میں مشغول ہو گئے۔ حضرت ابوسعید خدری رحمۃ اللہ علیہ سے خرقہ خلافت پایا۔

۱۱ ربیع الثانی ۵۶۱ھ/۱۴ فروری ۱۱۶۶ء میں رحلت فرمائی۔ آپ کی تصنیفات میں بشار الخیرات، کتاب الغنیۃ لطالبی طریق

الحق، الفتح الربانی، فتوح الغیب، الفیوضات الرحمانیہ فی الادراد القادر اور دیوان شعر (بنام دیوان غوث اعظم) شامل ہیں۔

(دیکھئے: کارنامہ بزرگان ایران، ۱۹۳-۱۹۵)

عبدالقادر — آپ حضرت مجدد قدس سرہ کے خسر، شیخ زکریا کے بھائی اور شیخ سلطان کے صاحبزادے ہیں۔ آپ کے نام ایک مکتوب

(۹۸:۱) ہے۔

عبدالقادر، حکیم — غالباً علامہ عبدالقادر بن ابی محمد بغدادی ثم الاصبی (م ۱۰۲۱ھ/۱۳-۱۶۱۲ء) مراد ہیں، جو منطق و حکمت کے ممتاز علماء میں سے تھے۔ ان کے نام ایک مکتوب (۱۰۵:۱) ہے۔ (دیکھئے: نزہۃ الخواطر، ۵-۲۳۲، حاشیہ مکتوباتِ امام ربانیؒ)

عبدالکبیر یحییٰ — آپ اکابر اولیاء میں سے تھے۔ متقی اور صائم الہر تھے۔ ایک تھیلی رکھتے تھے، جس میں کچھ ستواں لکڑی کا پیالہ ہوتا تھا۔ جب افطاری کا وقت ہوتا تو پیالہ نکالتے، اس میں آب زمزم ڈالتے اور تین انگلیوں سے ستونکا لیتے اور اس پانی میں ملا کر کھا لیتے اور دوسری شام تک یہی آپ کی غذا تھی۔ (دیکھئے: رشحات، ۱: ۳۴۷)

عبدالکریم سنائی — ملا عبدالکریم سنائی بن درویشہ الحنفی پشاور رحمة اللہ علیہ عالم و فقیہ تھے۔ حضرت شیخ علی خاص ترمذی رحمۃ اللہ علیہ سے فیض یافتہ تھے۔ مخزن الاسلام آپ کی تصنیف ہے۔ ۱۶۶۱-۶۲ھ/۱۰۷۲ء میں علاقہ یوسف زئی باغستان میں فوت ہوئے۔

آپ کے نام ایک مکتوب (۲۷۸:۱) ہے۔ (دیکھئے: حاشیہ مکتوباتِ امام ربانیؒ)

عبد اللہ بن مبارک — آپ ۱۱۸ھ/۳۶ء میں مرو میں پیدا ہوئے۔ علوم عقلی و نقلی میں کمال حاصل کیا اور علم حدیث میں مہارت خاصہ پائی۔ محدثین میں ”امیر المؤمنین فی الحدیث“ کا لقب پایا۔ زہد و تقویٰ اور عبادت و ریاضت میں ممتاز تھے۔ ۱۸۱ھ/۹۸-۹۷ء میں وفات پائی۔ (شاہکار اسلامی انسائیکلو پیڈیا، ص ۱۱۲۳)

عبد اللہ، خواجہ — آپ حضرت خواجہ محمد باقی باللہ قدس سرہ (م ۱۰۲۱ھ/۱۶۰۳ء) کے چھوٹے صاحبزادے ہیں۔ ۶ رجب ۱۰۱۰ھ/۱۶۰۱ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ حافظ قرآن، خوش گوشا عرا اور صاحب تصانیف تھے۔ حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ (م ۱۱۷۶ھ/۱۷۱۹ء) کے والد بزرگوار حضرت شاہ عبدالرحیم دہلوی قدس سرہ (م ۱۱۳۱ھ/۱۷۱۹ء) آپ کے بیعت تھے۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو خواجہ صاحب قدس سرہ نے دونوں صاحبزادوں کو حضرت مجدد قدس سرہ کی خدمت میں لانے کا حکم فرمایا۔ نیز حضرت مجدد قدس سرہ کو ان پر توجہ کرنے کا حکم فرمایا اور حضرت مجدد قدس سرہ نے دونوں صاحبزادگان پر توجہ فرمائی۔ آپ نے بروز بدھ ۲۵ جمادی الاول ۱۰۷۵ھ/۱۲ دسمبر ۱۶۶۴ء کو دہلی میں وصال فرمایا اور والد بزرگوار کے پہلو میں آخری آرام گاہ پائی۔ باقی چھ مکتوبات (دفتر: ۲۳، ۳۵، ۵۹، ۶۰، ۷۱) ہیں۔ (دیکھئے: برکات احمدیہ ص ۶۶-۷۰، تاریخ و تذکرہ خانقاہ سرہند شریف ص ۱۷۰-۱۷۷)

عبد اللہ، شیخ — شیخ عبداللہ بن سعد الدین متقی سندھی رحمۃ اللہ علیہ مہاجر مدینہ منورہ۔ آپ شیخ و عالم اور ماہر علم حدیث و تفسیر تھے۔ سندھ میں پیدا ہوئے اور یہیں تعلیم حاصل کی اور ۹۴۷ھ/۴۰-۱۵۴۱ء میں حرمین شریفین آئے اور ائمہ حدیث سے درس لیا اور شیخ علی متقی رحمۃ اللہ علیہ (م ۹۷۵ھ/۱۵۶۷ء) سے استفادہ کیا اور مدینہ منورہ میں طویل سکونت اختیار کی۔ ۹۷۷ھ/۶۹-۱۵۷۰ء میں ہندوستان واپس ہوئے اور گجرات میں قیام کیا۔ علماء سے علم حاصل کیا اور پھر مکہ مکرمہ لوٹ گئے۔ وہاں ۹۸۴ھ/۱۵۷۶ء میں رحلت فرمائی۔ ان کی تصنیفات میں (۱) حاشیہ علی عوارف المعارف، (۲) مجمع مناسک و نفع المناسک، (۳) حاشیہ مشکوٰۃ شامل ہیں۔ (دیکھئے: شذرات الذہب ۸: ۴۰۳، مجمع المؤمنین ۶: ۷۷-۷۸، نزہۃ الخواطر ۴: ۲۰۵-۲۰۶، تذکرہ علمائے ہند ۲: ۱۰۲)

عبد اللہ، میر — آپ کے والد کا نام میر محمد نعمان تھا۔ آپ کے نام ایک مکتوب (۱۷۹:۱) ہے۔ حالات دستیاب نہیں۔

عبدالمجید — آپ نے حضرت مجدد قدس سرہ کو عربی میں عریضہ (۲۲:۱) لکھا، لہذا حضرت مجدد قدس سرہ نے بھی عربی میں جواب تحریر فرمایا تھا۔ آپ بڑے عالم و فقیہ اور صلحائے روزگار تھے۔ آپ کے والد بزرگوار بھی عہد اکبری کے بزرگ عالم اور صاحب کمالات تھے۔ (دیکھئے: نزہۃ الخواطر، ۵: ۲۵۹، حاشیہ مکتوباتِ امام ربانیؒ)

عبدالواحد لاہوری — آپ کو حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ نے حضرت مجدد قدس سرہ کی خدمت میں تربیت کے لیے روانہ فرمایا۔ آپ کثیر المراقبہ اور کثیر العبادت تھے۔ ایک روز آپ نے حضرت خواجہ محمد ہاشم کشمیری سے پوچھا کہ کیا جنت میں نماز ہوگی؟ انہوں نے کہا: نہیں! اس پر آپ نے ایک سرود آہستہ پڑھنا شروع کیا اور روتے ہوئے کہا: ”نماز اور اس بے نیاز کی عبادت کے بغیر کس طرح زندگی گزار سکیں گے۔“ آپ کے نام تین مکتوب (۱: ۱۱۶، ۲: ۳۰، ۳: ۷۰) ہیں۔ (زبدۃ المقامات، ص ۲۰۳، تذکرہ حضرت مجدد، ص ۶۹، تاریخ و تذکرہ خانقاہ سرہند شریف، ص ۴۹۹-۵۰۰)

عبدالوہاب بخاری — حضرت شیخ عبدالوہاب بن یوسف بن عبدالوہاب حسینی بخاری اوچی رحمۃ اللہ علیہ حضرت مخدوم جہانیاں جہان گشت رحمۃ اللہ علیہ (م ۸۵ھ/ ۱۳۸۴ء) کی اولاد سے تھے۔ دہلی میں ولادت ہوئی۔ وقت کے علماء اور مشائخ سے کسب و اخذ کیا۔ عہد اکبری اور اوائل جہانگیری میں آپ دہلی کی حکومت پر متعین تھے۔ ۱۰۶۰ھ/ ۱۶۵۰ء میں زیارت حرمین شریفین اور حج بیت اللہ شریف کا شرف پایا۔ بعد ازاں ہندوستان مراجعت فرمائی۔ (ماثر الامراء، جلد ۲: ۴۰، نزہۃ الخواطر، جلد ۵: ۲۶۶، مکتوباتِ امام ربانی، اردو ترجمہ از حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ)

عبدالوہاب حکیم — آپ کے نام ایک مکتوب (۱: ۱۵۷) ہے۔ حالات دستیاب نہیں ہیں۔ عبدالہادی بدایونی — آپ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کے مرید اور اپنے علاقے کے مشاہیر میں سے تھے۔ حضرت خواجہ قدس سرہ نے آپ کو حضرت مجدد قدس سرہ کے ساتھ دہلی سے سرہند شریف بھیجا۔ آپ نے حضرت مجدد قدس سرہ کی خدمت و صحبت میں عرصہ دراز تک رہ کر کمالات و مقامات کسب کیے اور اجازت و خلافت کے شرف سے مشرف ہوئے۔ بالآخر ۹ شعبان ۱۰۴۱ھ/ ۱۰ مارچ ۱۶۲۹ء کو بدایوں (ہندوستان) میں رحلت فرمائی اور تکیہ خرم شاہ (بدایوں) میں آسودہ خاک ہوئے۔ آپ کے نام ایک مکتوب (۱: ۲۶۵) ہے۔ (دیکھئے: حضرات القدس ۲: ۳۴۴، برکات احمدیہ ص ۳۶۹، تذکرہ حضرت مجدد الف ثانی، ص ۷۷، تاریخ و تذکرہ خانقاہ سرہند شریف، ص ۵۰۱-۵۰۲)

عبید اللہ خواجہ — آپ حضرت خواجہ محمد باقی باللہ قدس سرہ (م ۱۰۴۳ھ/ ۱۶۰۳ء) کے بڑے صاحبزادے ہیں اور دوسری زوجہ محترمہ سے ہیں۔ یکم ربیع الاول ۱۰۱۰ھ/ ۲۰ اگست ۱۶۰۱ء کو دہلی میں ولادت ہوئی۔ حضرت مجدد قدس سرہ کی روحانی تربیت میں رہے اور صاحب مقامات بلند ہوئے۔ آپ نے ۱۸ جمادی الثانی ۱۰۷۴ھ/ ۷ جنوری ۱۶۶۴ء کو رحلت فرمائی اور اپنے والد بزرگوار کے قریب آخری آرام گاہ پائی۔ آپ کے نام ایک مکتوب (۱: ۲۶۶) ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے: برکات احمدیہ، ص ۶۱-۶۲، تاریخ و تذکرہ خانقاہ سرہند شریف، ص ۱۶۵-۱۶۹)

عبید اللہ احرار — آپ اپنے وقت کے مشہور عارف اور حضرت مولانا یعقوب چرنی قدس سرہ (م ۸۵۱ھ/ ۱۴۴۷ء) کے خلیفہ اجل و جانشین تھے۔ آپ نے ۲۹ ربیع الاول ۸۹۵ھ/ ۲۰ فروری ۱۴۹۰ء میں سمرقند میں وصال فرمایا۔ آپ کے بارے میں معروف ہے کہ: ”وہ پیری نہیں کرتے تھے، لیکن مرید کثرت سے تھے، وہ صاحب اقتدار و حکومت بھی نہیں تھے، لیکن ان کے حضور شاہان وقت کا ہیبت اور خوف سے پسینہ چھوٹتا تھا اور وہ سب ان کے مطیع فرمان تھے۔“ (دیکھئے: رشحات، ۱: ۱۲۱، ۲: ۳۹۰-۳۹۸، خواجہ احرار، ص ۱۳، ۸۱، ۱۲۷)

عرب خان — آپ جہانگیر (م ۱۰۳۷ھ/ ۱۶۲۷ء) کے امراء میں شامل تھے۔ شاہجہاں (م ۱۰۷۶ھ/ ۱۶۶۶ء) کے زمانے میں فتح آباد اور دھاردار کے قلعہ دار رہے۔ ۱۰۶۳ھ/ ۱۶۵۳ء میں فوت ہوئے۔ آپ کے نام ایک مکتوب (۲: ۹۰) ہے۔ (ماثر الامراء، ص ۱۵۵۔ حاشیہ مکتوباتِ امام ربانی)

علاء الدولہ سمنانی — شیخ رکن الدین ابوالکارم احمد بن محمد بن احمد سمنانی بیاباکی ملقب بہ علاء الدولہ ذی الحجہ ۶۵۹ھ / ۱۲۶۱ء میں پیدا ہوئے۔ علوم ظاہری و باطنی کے جامع تھے۔ حضرت شیخ نور الدین عبدالرحمن اسفراینی رحمۃ اللہ علیہ سے اجازت و خلافت پائی۔ شب جمعہ ۲۲ رجب ۷۳۶ھ / ۶ مارچ ۱۳۳۶ء کو وصال فرمایا۔ (دیکھئے: کارنامہ بزرگان ایران، ص ۲۶۵-۲۶۷)

علاء الدین عطار — آپ کا نام نامی محمد بن محمد بخاری تھا اور علاء الدین عطار قدس سرہ کے نام سے معروف تھے۔ دراصل خوارزم سے تھے۔ حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند قدس سرہ (م ۷۹۱ھ / ۱۳۸۹ء) کی دامادی کا شرف حاصل تھا اور ان کے اکابر خلفاء میں سے تھے۔ حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ نے اپنی زندگی میں اپنے اکثر طالبین کی تربیت آپ کے سپرد فرمادی تھی۔ آپ نے ۲۰ رجب ۸۰۲ھ / ۱۷ مارچ ۱۴۰۰ء میں چغانیان میں رحلت فرمائی۔ (رشحات، ۱: ۱۳۹-۱۵۸، خزینۃ الاصفیاء، ۱: ۵۴۵، نجات الانس، ۲۶۹-۲۷۱)

علی جان، میرزا — ان کے نام ایک مکتوب (۸۹:۱) ہے۔ حالات دستیاب نہیں ہیں۔

علی کشمی — آپ کے نام ایک مکتوب (۲۷:۳) ہے۔ اور حالات دستیاب نہیں ہوئے۔

عمر بن عبدالعزیز — آپ کا شمار اموی خلفاء میں ہوتا ہے۔ آپ اپنے زمانے کے قطب تھے اور خلفائے راشدین میں شمار ہوتا ہے۔ بڑے متقی، زہاد اور عبادت گزار تھے۔ ۹۹ھ / ۱۹-۱۸ء میں خلیفہ بنے اور ۱۰۲ھ / ۲۲-۲۱ء میں وفات پائی۔ (حاشیہ مکتوبات امام ربانی)

عین القضاۃ ہمدانی — آپ کا نام ابوالمعالی ابن ابی بکر عبداللہ تھا اور عین القضاۃ ہمدانی مشہور تھے۔ تقریباً ۴۹۲ھ / ۱۰۹۹ء میں پیدا ہوئے۔ علوم رسمی سے فراغت کے بعد حجۃ الاسلام (امام غزالیؒ) کی تصانیف چار برس پڑھتے رہے۔ اس سے اپنا مقصود حاصل کیا۔ اچانک حضرت احمد بن محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ ہمدان آئے تو ان کی صحبت میں بیس روز رہنے سے ایسی چیز حاصل ہوئی کہ طلب فنا کے سوا ان کا کوئی شغل نہ رہا۔ آپ منصور بن حلاج رحمۃ اللہ علیہ کی روش رکھتے تھے۔ اول قید کیے گئے اور وہاں کتاب ”شکوی الغریب...“ لکھنے میں مصروف رہے۔ بروز بدھ ۷ جمادی الثانی ۵۲۵ھ / ۷ مئی ۱۱۳۱ء کو اس مدرسہ کے دروازے پر سولی چڑھائے گئے جس میں مریدوں کی تربیت و ارشاد میں مشغول رہتے تھے۔ آپ کی تصانیف میں تمہیدات، زبدۃ الحقائق، رسالہ یزدان شناخت، شکوی الغریب عن الاوطان الی علماء البلدان، قری العاشی الی معرفۃ العوران والا عاشی، تفسیر حقائق القرآن (جو نامکمل رہ گئی) کے علاوہ چند اور کتب بھی شامل ہیں۔ (دیکھئے: کارنامہ بزرگان ایران، ۱: ۱۷۵-۱۷۷)

غازی نائب — اس نام کی دو شخصیات ہیں۔ ایک قاضی خان جو بدخشان کے باشندے ہیں، جن کے اساتذہ ملا سعید اور مولانا عصام الدین تھے اور طریقت میں یہ شیخ حسین خوارزمی کے مرید تھے۔ ۹۸۲ھ / ۷۵-۱۵۷۴ء میں دربار اکبری سے منسلک ہو کر منصب ایک ہزاری اور غازی خان کا خطاب پایا۔ سجدہ زمین بوسی انہوں نے ہی اختراع کیا اور محض نامے پر بھی سب سے پہلے انہوں نے ہی دستخط کیے۔ کئی رسائل لکھے اور ستر برس کی عمر میں فوت ہوئے۔ (ماثر الامراء، منتخب التواریخ) دوسری شخصیت مولانا غازی گجراتی کی تھی جو شریعت و طریقت کے بڑے پابند اور حضرت مجدد قدس سرہ کے خلفاء میں شامل تھے۔ (دیکھئے: دفتر دوم، مکتوب نمبر ۵۷، نیز دیکھئے: روضۃ القیومیہ، حواشی مکتوبات امام ربانیؒ از حضرت مولانا سید زور حسین شاہ)

غلام محمد مروہی — مولانا غلام محمد مروہی ابن دیار حسین مروہی کی ولادت مروہہ میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم وہیں حاصل کی اور بعد ازاں دہلی آ کر مختلف علمائے وقت سے تعلیم حاصل کی۔ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کے ارادتمندوں میں شامل ہو کر باطنی علوم کسب کیے۔ آپ اچھے شعراء میں شامل تھے۔ ۱۰۴۰ھ / ۳۱-۱۶۳۰ء میں رحلت فرمائی۔ آپ کے نام ایک مکتوب (۱۱: ۳)

ہے۔ (نزہۃ الخواطر ۵: ۳۰۱، حواشی مکتوبات امام ربانی از حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ)

غلام محمد — حضرت میاں غلام محمد رحمۃ اللہ علیہ حضرت مجدد قدس سرہ کے چھوٹے بھائی ہیں۔ آپ کے نام دو مکتوبات (۱: ۲۸۷، ۲: ۱۲) ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ بھی حضرت مجدد قدس سرہ کے مریدوں اور خلفاء میں شامل تھے۔ (دیکھئے: حاشیہ مکتوبات فارابی) — ابونصر محمد بن محمد ترخان ترکی النسل عظیم مسلمان، فلسفی۔ اپنے وطن ایران ترکستان میں تحصیل کے بعد قاضی کے عہدے پر فائز ہوئے۔ ان کی تصانیف میں رسالہ ”المجموع“، احضاء العلوم والتعرف باغراضا، فصوص الحکم، السیاست المدنیہ، تحصیل سعادات اور تعلیقات شامل ہیں۔ ۹۹۰ھ میں فوت ہوئے۔ (دیکھئے: اسلامی شاہکار انسائیکلو پیڈیا، ص ۱۲۰۹-۱۲۱۲)

فاطمہ رضی اللہ عنہا — خاتون جنت حضرت سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چھٹی صاحبزادی ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ (م ۴۰ھ/۶۶۱ء) سے شادی ہوئی۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ (م ۵۰ھ/۶۷۰ء)، حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ (م ۶۱ھ/۶۸۰ء)، حضرت سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا اور حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا آپ کی اولاد امجاد میں ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال مبارک کے چھ ماہ بعد ۱۱ھ/۶۳۲ء میں وصال فرمایا اور جنت البقیع میں موصلاً استراحت ہوئیں۔ (شاہکار اسلامی انسائیکلو پیڈیا، ص ۱۲۱۵)

فتح اللہ حکیم — آپ کے نام تین مکتوب (۱: ۸۰، ۲: ۸۵، ۳: ۲۰۲) ہیں۔ آپ حکیم لطف اللہ کے بیٹے تھے۔ بڑے لائق اور صاحب حیثیت تھے۔ قرآن مجید کی تفسیر بھی لکھی تھی۔ آپ نے جہانگیر (م ۱۰۳۷ھ/۱۶۲۷ء) کے مقابلہ میں شاہجہان (م ۱۰۷۶ھ/۱۶۶۶ء) کی مدد کی اور اس کو قید سے نکال کر تخت پر بٹھانے کا منصوبہ بنایا، جس کا راز افشا ہونے پر آپ کے ساتھیوں کو قتل کر دیا گیا اور آپ کو اندھا کر دیا گیا۔ بعد ازاں آپ اپنے وطن شیراز چلے گئے اور وہیں فوت ہوئے۔ (دیکھئے: مآثر الامراء، جلد ۵: ۵۵۸، نزہۃ الخواطر، جلد ۵: ۳۰۳، تجلیات ربانی، ص ۱۰۰، حاشیہ مکتوبات امام ربانی)

فتح خان افغان — غالباً آپ ملک عنبر جیٹی کے بیٹے ہیں جنہوں نے اپنے والد گرامی کی حیات ہی میں اپنی شجاعت اور جود و سخا کی بدولت شہرت پائی تھی۔ والد گرامی کی رحلت کے بعد نظام شاہی خاندان کے ناظم و مختار بنے اور پھر عادل شاہی اور سلطنت مغلیہ کے ادوار میں بھی سیاسی طور پر متحرک رہے اور کبھی اعزاز پایا اور کبھی محبوس ہوئے۔ آخری عمر لاہور میں عزت نشینی میں گزری۔ یہیں فوت ہوئے۔ آپ کے نام ایک مکتوب (۲: ۸۷) ہے۔ (مآثر الامراء ۲: ۵۲۰-۵۲۱، حاشیہ مکتوبات امام ربانی)

فخر حسین — آپ کا تعلق بدخشاں سے تھا۔ ہرات میں ولادت ہوئی۔ تحصیل علوم کے بعد ہندوستان آئے اور حضرت مجدد (قدس سرہ) کے دست مبارک پر بیعت کا شرف پایا۔ تکمیل کے بعد اجازت و خلافت سے مشرف ہوئے۔ مختلف فنون، انشا و حکمت اور شاعری میں خوب مہارت رکھتے تھے۔ شہزادہ شجاع کے مقربین میں شامل ہو کر ڈھاکہ گئے۔ کئی علماء آپ سے مستفید و مستفیض ہوئے۔ ۱۰۶۸ھ/۱۸ اکتوبر ۱۶۵۷ء کو نماز فجر میں وصال فرمایا۔ آپ کے نام ایک مکتوب (۲: ۷۶) ہے۔ (نزہۃ الخواطر، روضۃ القیومیہ، حواشی مکتوبات امام ربانی از حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ)

فرید الدین بخاری — آپ کے نام مکتوبات امام ربانی میں بائیس مکتوب شریف ہیں (۱: ۲۳-۲۴، ۲۳، ۲۴، ۱۰۳، ۱۵۲، ۱۶۳، ۱۶۵، ۱۹۳، ۲۱۳، ۲۳۳، ۲۶۹)۔ جہانگیر بادشاہ (م ۱۰۳۷ھ/۱۶۲۷ء) سے اپنی حسن خدمات کے صلہ میں ”مرضی خان“ کا خطاب پایا۔ (توزک جہانگیری، ص ۲۳) اسی وجہ سے مکتوب ۲۶۹ میں ”مرضی خان“ نام آیا ہے۔ آپ کے والد شیخ احمد صحیح النسب سید تھے۔ آپ کا نسب نو واسطوں سے حضرت سید جلال الدین اعظم حسینی بخاری تک پہنچ کر ستائیس واسطوں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے۔ (از تجلیات ربانی، ص ۵۶) آپ کی ولادت دہلی میں ہوئی۔ علوم سے فراغت کے بعد اکبر بادشاہ

(م ۱۰۱۴ھ/ ۱۶۰۵ء) کے ملازم ہو گئے۔ خدا داد ذہانت، ایمان داری، دیانتداری اور بہادری کی بدولت بہت جلد شہرت ملی۔ گجرات اور پنجاب کے گورنر بنے۔ آپ ایسے درویش صفت امیر تھے جن پر مشائخ رشک کرتے تھے۔ آپ کا دسترخوان نہایت وسیع اور رہنے کا مکان معمولی تھا۔ آپ نے جگہ جگہ سرائیں تعمیر کرائیں۔ ستودہ صفات کے مالک تھے۔ ۱۶۲۵ھ/ ۱۶۱۶ء میں رحلت فرمائی اور چراغِ دہلی کے راستہ پر آپ کا مزار ہے۔ (تجلیاتِ ربانی، ص ۵۶، نیز حاشیہ مکتوباتِ امام ربانیؒ)

فرید الدین شکر گنج — شیخ فرید شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ ۵۶۹ھ/ ۱۱۷۳ء میں پیدا ہوئے۔ نام مسعود اور لقب فرید الدین گنج شکر تھا۔ آپ کا سلسلہ نسب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔ آپ کے دادا چنگیز خان کے حملہ کے دوران کا بل سے ہجرت کر کے قصور آئے تھے۔ آپ کے والد بزرگوار کا نام جمال الدین سلیمانؒ تھا۔ حضرت خواجہ مختیار الدین احمد رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کا شرف پایا اور ان کے خلیفہ نامدار بنے۔ اشاعتِ اسلام میں بلند مقام پایا اور سلسلہ چشتیہ کے مجدد ہیں۔ بروز ہفتہ ۵ محرم ۶۲۴ھ/ ۱۷ اکتوبر ۱۲۶۵ء وصال فرمایا۔ (دیکھئے اسلامی انسائیکلو پیڈیا، ص ۱۲۴۰-۱۲۴۱)

فرید انہونی — آپ کے نام ایک مکتوب (۲۹۹:۱) ہے۔ مزید حالات دستیاب نہیں ہوئے۔

فرید تھامیری — آپ کے نام ایک مکتوب (۴۱:۲) ہے۔ حالات دستیاب نہیں ہوئے۔

فیض اللہ پانی پتی — آپ کے نام ایک مکتوب (۳۰۸:۱) ہے۔ مزید حالات دستیاب نہیں ہوئے۔

قاسم علی بدخشی — آپ ان بزرگوں میں سے ہیں جن کو حضرت خواجہ باقی باللہ قدس اللہ سرہ نے حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ سرہ کے سپرد فرمایا تھا۔ آپ برسوں حضرت مجدد قدس سرہ کی صحبت میں رہ کر دریائے معرفت میں غوطہ زن رہے۔ آپ کے نام ایک مکتوب (۱۱۸:۱) ہے۔ دفتر اول کے مکتوب ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱

محمد چتری خیری — آپ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ سرہ کے خلفاء اور اپنے وقت کے معروف بزرگوں میں سے تھے۔ آپ کے نام پانچ مکتوب (۱: ۳۷-۲۹۳) ہیں۔ (روضۃ القیومیہ، رکن اول، ص ۳۳۹)

محمد روجی — حضرت مولانا شمس الدین محمد روجیؒ حضرت مولانا سعد الدین کاشغریؒ (م ۸۶۰ھ/۱۴۵۶ء) کے اجلہ اصحاب میں سے تھے۔ شب برات ۸۲۰ھ/۱۴۱۷ء میں پیدا ہوئے۔ جامع مسجد ہرات (افغانستان) میں سالوں طالبین حق کو دعوت الی اللہ دیتے رہے۔ حضرت ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خانؒ نے آپ کا ایک رسالہ ۱۹۵۹ء میں طبع فرمایا اور آپ کے خلیفہ حضرت جلال ہرویؒ پر انگریزی زبان میں ایک مفصل مضمون ۱۹۶۷ء میں تحریر فرمایا۔ (دیکھئے: رشحات: ۱: ۳۲۵-۳۴۵، حاشیہ مکتوباتِ امام ربانیؒ)

محمد زاہد — آپ حضرت خواجہ عبید اللہ احرار قدس سرہ (م ۸۹۵ھ/۱۴۹۰ء) کے خلیفہ اجل تھے، یکم ربیع الاول ۹۳۶ھ/۴ نومبر ۱۵۲۹ء کو وصال فرمایا۔ (نسماۃ القدس، ۲۷۴-۲۷۵، حضرات القدس: ۱: ۲۴۸-۲۵۵)

محمد سعید — آپ ماہ شوال ۱۰۰۵ھ/مئی جون ۱۵۹۷ء میں سرہند شریف میں پیدا ہوئے۔ چھوٹی عمر ہی میں آپ کی پیشانی پر ہدایت و کرامت کے آثار نمایاں تھے۔ سن شعور میں قدم رکھا تو ظاہری علوم کی تحصیل کا آغاز ہوا۔ اکثر علوم اپنے والد بزرگوار حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ سے حاصل کیے۔ کتب حدیث حضرت مجدد قدس سرہ اور حضرت شیخ عبدالرحمن رمزیؒ سے پڑھیں۔ کچھ علوم اپنے بڑے بھائی حضرت خواجہ محمد صادق رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۰۲۵ھ/۱۶۱۶ء) اور حضرت شیخ محمد طاہر لاہوری رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۰۴۰ھ/۱۶۳۰ء) سے پڑھے۔ سترہ اٹھارہ برس کی عمر میں تمام علوم عقلی و نقلی سے فراغت پائی اور درس و تدریس میں مصروف ہو گئے۔ اپنے زمانے کے علماء و فضلاء میں ممتاز و یگانہ تھے۔ ایک بار اورنگ زیب عالمگیرؒ (م ۱۱۱۸ھ/۱۷۰۷ء) نے آپ سے دہلی تشریف لانے کی درخواست کی۔ آپ دہلی تشریف لائے اور کافی روز قیام فرمایا۔ واپسی پر بیمار ہوئے اور سنبھالکے کے مقام پر ۲۷ جمادی الآخر ۱۰۷۰ھ/۲۹ فروری ۱۶۶۰ء کو وصال فرمایا اور سرہند شریف میں آخری آرام گاہ پائی۔ آپ کے نام ۲۴ مکتوب ہیں؛ دفتر اول ۲۵۹، ۲۹۶، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵، ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۶۹، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، ۱۴۷۳، ۱۴۷۴، ۱۴۷۵، ۱۴۷۶، ۱۴۷۷، ۱۴۷۸، ۱۴۷۹، ۱۴۸۰، ۱۴۸۱، ۱۴۸۲، ۱۴۸۳، ۱۴۸۴، ۱۴۸۵، ۱۴۸۶، ۱۴۸۷، ۱۴۸۸، ۱۴۸۹، ۱۴۹۰، ۱۴۹۱، ۱۴۹۲، ۱۴۹۳، ۱۴۹۴، ۱۴۹۵، ۱۴۹۶، ۱۴۹۷، ۱۴۹۸، ۱۴۹۹، ۱۵۰۰، ۱۵۰۱، ۱۵۰۲، ۱۵۰۳، ۱۵۰۴، ۱۵۰۵، ۱۵۰۶، ۱۵۰۷، ۱۵۰۸، ۱۵۰۹، ۱۵۱۰، ۱۵۱۱، ۱۵۱۲، ۱۵۱۳، ۱۵۱۴، ۱۵۱۵، ۱۵۱۶، ۱۵۱۷، ۱۵۱۸، ۱۵۱۹، ۱۵۲۰، ۱۵۲۱، ۱۵۲۲، ۱۵۲۳، ۱۵۲۴، ۱۵۲۵، ۱۵۲۶، ۱۵۲۷، ۱۵۲۸، ۱۵۲۹، ۱۵۳۰، ۱۵۳۱، ۱۵۳۲، ۱۵۳۳، ۱۵۳۴، ۱۵۳۵، ۱۵۳۶، ۱۵۳۷، ۱۵۳۸، ۱۵۳۹، ۱۵۴۰، ۱۵۴۱، ۱۵۴۲، ۱۵۴۳، ۱۵۴۴، ۱۵۴۵، ۱۵۴۶، ۱۵۴۷، ۱۵۴۸، ۱۵۴۹، ۱۵۵۰، ۱۵۵۱، ۱۵۵۲، ۱۵۵۳، ۱۵۵۴، ۱۵۵۵، ۱۵۵۶، ۱۵۵۷، ۱۵۵۸، ۱۵۵۹، ۱۵۶۰، ۱۵۶۱، ۱۵۶۲، ۱۵۶۳، ۱۵۶۴، ۱۵۶۵، ۱۵۶۶، ۱۵۶۷، ۱۵۶۸، ۱۵۶۹، ۱۵۷۰، ۱۵۷۱، ۱۵۷۲، ۱۵۷۳، ۱۵

ڈاکٹر محمد سلیم کی کوشش و تصحیح و تعلیقات سے ۱۹۸۹ء میں مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد سے طبع ہوئی ہے۔ آپ کے نام پانچ مکتوب (دفتر: ۱۰۶:۱، ۱۰۷:۲، ۲۲:۲، ۲۸:۳، ۳۹:۳) ہیں۔ (دیکھئے: نزہۃ الخواطر، ۵: ۳۷۸، حدائق الحفیف، حاشیہ مکتوبات امام ربائی)

محمد صادق — آپ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے بڑے صاحبزادے تھے۔ ۱۰۰۰ھ/۹۲-۱۵۹۱ء میں پیدا ہوئے۔ اپنے جد بزرگوار حضرت شیخ عبدالاحد (م ۱۰۰۷ھ/۱۵۹۹ء) سے ظاہری و روحانی تربیت کا شرف فرمایا۔ بعد ازاں حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ (م ۱۰۱۲ھ/۱۶۰۳ء) کی صحبت میں بھی روحانی تربیت اور فیوض و برکات حاصل کیں اور حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ سے خرقہ خلافت پایا۔ بلند مراتب و درجات کے حامل تھے۔ ۱۰۲۵ھ/۱۶۱۶ء میں وصال فرمایا۔ آپ کے نام پانچ مکتوبات (دفتر: ۱۸۱:۱، ۲۰۸:۲، ۲۳۶:۲، ۲۶۰:۲) ہیں۔

محمد صادق — آپ کے والد کا نام حاجی محمد مومن تھا۔ آپ کے نام ایک مکتوب (۲: ۲۴) ہے۔ حالات دستیاب نہیں۔
محمد صدیق بدخشی — آپ کا لقب ہدایت بن ظہیر الدین حسن تھا اور کشم علاقہ بدخشان کے باشندے تھے۔ شعر و شاعری سے گہرا ربط تھا۔ شروع میں حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کے حلقہ ارادت میں شامل ہوئے۔ ان کے وصال مبارک کے بعد حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ سے بیعت ہوئے اور مجاز طریقت قرار پائے۔ حضرت مجدد قدس سرہ کا رسالہ مبداء و معاد مدون کیا۔ ۱۰۳۲ھ/۱۶۲۳ء میں حج بیت اللہ کا شرف پایا اور ماہ شوال ۱۰۵۰ھ/جنوری ۱۶۴۱ء میں رحلت فرمائی۔ حضرت خواجہ قدس سرہ کے قبرستان میں آخری آرام گاہ پائی۔ آپ کے نام بارہ مکتوبات (۱: ۱۳۲-۱۳۶، ۱۶۲، ۱۷۶، ۱۸۸، ۲۱۲، ۲۱۴، ۲۱۶، ۲۱۸، ۲۲۰، ۲۲۲، ۲۲۴، ۲۲۶، ۲۲۸، ۲۳۰، ۲۳۲، ۲۳۴، ۲۳۶، ۲۳۸، ۲۴۰، ۲۴۲، ۲۴۴، ۲۴۶، ۲۴۸، ۲۵۰، ۲۵۲، ۲۵۴، ۲۵۶، ۲۵۸، ۲۶۰، ۲۶۲، ۲۶۴، ۲۶۶، ۲۶۸، ۲۷۰، ۲۷۲، ۲۷۴، ۲۷۶، ۲۷۸، ۲۸۰، ۲۸۲، ۲۸۴، ۲۸۶، ۲۸۸، ۲۹۰، ۲۹۲، ۲۹۴، ۲۹۶، ۲۹۸، ۳۰۰، ۳۰۲، ۳۰۴، ۳۰۶، ۳۰۸، ۳۱۰، ۳۱۲، ۳۱۴، ۳۱۶، ۳۱۸، ۳۲۰، ۳۲۲، ۳۲۴، ۳۲۶، ۳۲۸، ۳۳۰، ۳۳۲، ۳۳۴، ۳۳۶، ۳۳۸، ۳۴۰، ۳۴۲، ۳۴۴، ۳۴۶، ۳۴۸، ۳۵۰، ۳۵۲، ۳۵۴، ۳۵۶، ۳۵۸، ۳۶۰، ۳۶۲، ۳۶۴، ۳۶۶، ۳۶۸، ۳۷۰، ۳۷۲، ۳۷۴، ۳۷۶، ۳۷۸، ۳۸۰، ۳۸۲، ۳۸۴، ۳۸۶، ۳۸۸، ۳۹۰، ۳۹۲، ۳۹۴، ۳۹۶، ۳۹۸، ۴۰۰، ۴۰۲، ۴۰۴، ۴۰۶، ۴۰۸، ۴۱۰، ۴۱۲، ۴۱۴، ۴۱۶، ۴۱۸، ۴۲۰، ۴۲۲، ۴۲۴، ۴۲۶، ۴۲۸، ۴۳۰، ۴۳۲، ۴۳۴، ۴۳۶، ۴۳۸، ۴۴۰، ۴۴۲، ۴۴۴، ۴۴۶، ۴۴۸، ۴۵۰، ۴۵۲، ۴۵۴، ۴۵۶، ۴۵۸، ۴۶۰، ۴۶۲، ۴۶۴، ۴۶۶، ۴۶۸، ۴۷۰، ۴۷۲، ۴۷۴، ۴۷۶، ۴۷۸، ۴۸۰، ۴۸۲، ۴۸۴، ۴۸۶، ۴۸۸، ۴۹۰، ۴۹۲، ۴۹۴، ۴۹۶، ۴۹۸، ۵۰۰، ۵۰۲، ۵۰۴، ۵۰۶، ۵۰۸، ۵۱۰، ۵۱۲، ۵۱۴، ۵۱۶، ۵۱۸، ۵۲۰، ۵۲۲، ۵۲۴، ۵۲۶، ۵۲۸، ۵۳۰، ۵۳۲، ۵۳۴، ۵۳۶، ۵۳۸، ۵۴۰، ۵۴۲، ۵۴۴، ۵۴۶، ۵۴۸، ۵۵۰، ۵۵۲، ۵۵۴، ۵۵۶، ۵۵۸، ۵۶۰، ۵۶۲، ۵۶۴، ۵۶۶، ۵۶۸، ۵۷۰، ۵۷۲، ۵۷۴، ۵۷۶، ۵۷۸، ۵۸۰، ۵۸۲، ۵۸۴، ۵۸۶، ۵۸۸، ۵۹۰، ۵۹۲، ۵۹۴، ۵۹۶، ۵۹۸، ۶۰۰، ۶۰۲، ۶۰۴، ۶۰۶، ۶۰۸، ۶۱۰، ۶۱۲، ۶۱۴، ۶۱۶، ۶۱۸، ۶۲۰، ۶۲۲، ۶۲۴، ۶۲۶، ۶۲۸، ۶۳۰، ۶۳۲، ۶۳۴، ۶۳۶، ۶۳۸، ۶۴۰، ۶۴۲، ۶۴۴، ۶۴۶، ۶۴۸، ۶۵۰، ۶۵۲، ۶۵۴، ۶۵۶، ۶۵۸، ۶۶۰، ۶۶۲، ۶۶۴، ۶۶۶، ۶۶۸، ۶۷۰، ۶۷۲، ۶۷۴، ۶۷۶، ۶۷۸، ۶۸۰، ۶۸۲، ۶۸۴، ۶۸۶، ۶۸۸، ۶۹۰، ۶۹۲، ۶۹۴، ۶۹۶، ۶۹۸، ۷۰۰، ۷۰۲، ۷۰۴، ۷۰۶، ۷۰۸، ۷۱۰، ۷۱۲، ۷۱۴، ۷۱۶، ۷۱۸، ۷۲۰، ۷۲۲، ۷۲۴، ۷۲۶، ۷۲۸، ۷۳۰، ۷۳۲، ۷۳۴، ۷۳۶، ۷۳۸، ۷۴۰، ۷۴۲، ۷۴۴، ۷۴۶، ۷۴۸، ۷۵۰، ۷۵۲، ۷۵۴، ۷۵۶، ۷۵۸، ۷۶۰، ۷۶۲، ۷۶۴، ۷۶۶، ۷۶۸، ۷۷۰، ۷۷۲، ۷۷۴، ۷۷۶، ۷۷۸، ۷۸۰، ۷۸۲، ۷۸۴، ۷۸۶، ۷۸۸، ۷۹۰، ۷۹۲، ۷۹۴، ۷۹۶، ۷۹۸، ۸۰۰، ۸۰۲، ۸۰۴، ۸۰۶، ۸۰۸، ۸۱۰، ۸۱۲، ۸۱۴، ۸۱۶، ۸۱۸، ۸۲۰، ۸۲۲، ۸۲۴، ۸۲۶، ۸۲۸، ۸۳۰، ۸۳۲، ۸۳۴، ۸۳۶، ۸۳۸، ۸۴۰، ۸۴۲، ۸۴۴، ۸۴۶، ۸۴۸، ۸۵۰، ۸۵۲، ۸۵۴، ۸۵۶، ۸۵۸، ۸۶۰، ۸۶۲، ۸۶۴، ۸۶۶، ۸۶۸، ۸۷۰، ۸۷۲، ۸۷۴، ۸۷۶، ۸۷۸، ۸۸۰، ۸۸۲، ۸۸۴، ۸۸۶، ۸۸۸، ۸۹۰، ۸۹۲، ۸۹۴، ۸۹۶، ۸۹۸، ۹۰۰، ۹۰۲، ۹۰۴، ۹۰۶، ۹۰۸، ۹۱۰، ۹۱۲، ۹۱۴، ۹۱۶، ۹۱۸، ۹۲۰، ۹۲۲، ۹۲۴، ۹۲۶، ۹۲۸، ۹۳۰، ۹۳۲، ۹۳۴، ۹۳۶، ۹۳۸، ۹۴۰، ۹۴۲، ۹۴۴، ۹۴۶، ۹۴۸، ۹۵۰، ۹۵۲، ۹۵۴، ۹۵۶، ۹۵۸، ۹۶۰، ۹۶۲، ۹۶۴، ۹۶۶، ۹۶۸، ۹۷۰، ۹۷۲، ۹۷۴، ۹۷۶، ۹۷۸، ۹۸۰، ۹۸۲، ۹۸۴، ۹۸۶، ۹۸۸، ۹۹۰، ۹۹۲، ۹۹۴، ۹۹۶، ۹۹۸، ۱۰۰۰، ۱۰۰۲، ۱۰۰۴، ۱۰۰۶، ۱۰۰۸، ۱۰۱۰، ۱۰۱۲، ۱۰۱۴، ۱۰۱۶، ۱۰۱۸، ۱۰۲۰، ۱۰۲۲، ۱۰۲۴، ۱۰۲۶، ۱۰۲۸، ۱۰۳۰، ۱۰۳۲، ۱۰۳۴، ۱۰۳۶، ۱۰۳۸، ۱۰۴۰، ۱۰۴۲، ۱۰۴۴، ۱۰۴۶، ۱۰۴۸، ۱۰۵۰، ۱۰۵۲، ۱۰۵۴، ۱۰۵۶، ۱۰۵۸، ۱۰۶۰، ۱۰۶۲، ۱۰۶۴، ۱۰۶۶، ۱۰۶۸، ۱۰۷۰، ۱۰۷۲، ۱۰۷۴، ۱۰۷۶، ۱۰۷۸، ۱۰۸۰، ۱۰۸۲، ۱۰۸۴، ۱۰۸۶، ۱۰۸۸، ۱۰۹۰، ۱۰۹۲، ۱۰۹۴، ۱۰۹۶، ۱۰۹۸، ۱۱۰۰، ۱۱۰۲، ۱۱۰۴، ۱۱۰۶، ۱۱۰۸، ۱۱۱۰، ۱۱۱۲، ۱۱۱۴، ۱۱۱۶، ۱۱۱۸، ۱۱۲۰، ۱۱۲۲، ۱۱۲۴، ۱۱۲۶، ۱۱۲۸، ۱۱۳۰، ۱۱۳۲، ۱۱۳۴، ۱۱۳۶، ۱۱۳۸، ۱۱۴۰، ۱۱۴۲، ۱۱۴۴، ۱۱۴۶، ۱۱۴۸، ۱۱۵۰، ۱۱۵۲، ۱۱۵۴، ۱۱۵۶، ۱۱۵۸، ۱۱۶۰، ۱۱۶۲، ۱۱۶۴، ۱۱۶۶، ۱۱۶۸، ۱۱۷۰، ۱۱۷۲، ۱۱۷۴، ۱۱۷۶، ۱۱۷۸، ۱۱۸۰، ۱۱۸۲، ۱۱۸۴، ۱۱۸۶، ۱۱۸۸، ۱۱۹۰، ۱۱۹۲، ۱۱۹۴، ۱۱۹۶، ۱۱۹۸، ۱۲۰۰، ۱۲۰۲، ۱۲۰۴، ۱۲۰۶، ۱۲۰۸، ۱۲۱۰، ۱۲۱۲، ۱۲۱۴، ۱۲۱۶، ۱۲۱۸، ۱۲۲۰، ۱۲۲۲، ۱۲۲۴، ۱۲۲۶، ۱۲۲۸، ۱۲۳۰، ۱۲۳۲، ۱۲۳۴، ۱۲۳۶، ۱۲۳۸، ۱۲۴۰، ۱۲۴۲، ۱۲۴۴، ۱۲۴۶، ۱۲۴۸، ۱۲۵۰، ۱۲۵۲، ۱۲۵۴، ۱۲۵۶، ۱۲۵۸، ۱۲۶۰، ۱۲۶۲، ۱۲۶۴، ۱۲۶۶، ۱۲۶۸، ۱۲۷۰، ۱۲۷۲، ۱۲۷۴، ۱۲۷۶، ۱۲۷۸، ۱۲۸۰، ۱۲۸۲، ۱۲۸۴، ۱۲۸۶، ۱۲۸۸، ۱۲۹۰، ۱۲۹۲، ۱۲۹۴، ۱۲۹۶، ۱۲۹۸، ۱۳۰۰، ۱۳۰۲، ۱۳۰۴، ۱۳۰۶، ۱۳۰۸، ۱۳۱۰، ۱۳۱۲، ۱۳۱۴، ۱۳۱۶، ۱۳۱۸، ۱۳۲۰، ۱۳۲۲، ۱۳۲۴، ۱۳۲۶، ۱۳۲۸، ۱۳۳۰، ۱۳۳۲، ۱۳۳۴، ۱۳۳۶، ۱۳۳۸، ۱۳۴۰، ۱۳۴۲، ۱۳۴۴، ۱۳۴۶، ۱۳۴۸، ۱۳۵۰، ۱۳۵۲، ۱۳۵۴، ۱۳۵۶، ۱۳۵۸، ۱۳۶۰، ۱۳۶۲، ۱۳۶۴، ۱۳۶۶، ۱۳۶۸، ۱۳۷۰، ۱۳۷۲، ۱۳۷۴، ۱۳۷۶، ۱۳۷۸، ۱۳۸۰، ۱۳۸۲، ۱۳۸۴، ۱۳۸۶، ۱۳۸۸، ۱۳۹۰، ۱۳۹۲، ۱۳۹۴، ۱۳۹۶، ۱۳۹۸، ۱۴۰۰، ۱۴۰۲، ۱۴۰۴، ۱۴۰۶، ۱۴۰۸، ۱۴۱۰، ۱۴۱۲، ۱۴۱۴، ۱۴۱۶، ۱۴۱۸، ۱۴۲۰، ۱۴۲۲، ۱۴۲۴، ۱۴۲۶، ۱۴۲۸، ۱۴۳۰، ۱۴۳۲، ۱۴۳۴، ۱۴۳۶، ۱۴۳۸، ۱۴۴۰، ۱۴۴۲، ۱۴۴۴، ۱۴۴۶، ۱۴۴۸، ۱۴۵۰، ۱۴۵۲، ۱۴۵۴، ۱۴۵۶، ۱۴۵۸، ۱۴۶۰، ۱۴۶۲، ۱۴۶۴، ۱۴۶۶، ۱۴۶۸، ۱۴۷۰، ۱۴۷۲، ۱۴۷۴، ۱۴۷۶، ۱۴۷۸، ۱۴۸۰، ۱۴۸۲، ۱۴۸۴، ۱۴۸۶، ۱۴۸۸، ۱۴۹۰، ۱۴۹۲، ۱۴۹۴، ۱۴۹۶، ۱۴۹۸، ۱۵۰۰، ۱۵۰۲، ۱۵۰۴، ۱۵۰۶، ۱۵۰۸، ۱۵۱۰، ۱۵۱۲، ۱۵۱۴، ۱۵۱۶، ۱۵۱۸، ۱۵۲۰، ۱۵۲۲، ۱۵۲۴، ۱۵۲۶، ۱۵۲۸، ۱۵۳۰، ۱۵۳۲، ۱۵۳۴، ۱۵۳۶، ۱۵۳۸، ۱۵۴۰، ۱۵۴۲، ۱۵۴۴، ۱۵۴۶، ۱۵۴۸، ۱۵۵۰، ۱۵۵۲، ۱۵۵۴، ۱۵۵۶، ۱۵۵۸، ۱۵۶۰، ۱۵۶۲، ۱۵۶۴، ۱۵۶۶، ۱۵۶۸، ۱۵۷۰، ۱۵۷۲، ۱۵۷۴، ۱۵۷۶، ۱۵۷۸، ۱۵۸۰، ۱۵۸۲، ۱۵۸۴، ۱۵۸۶، ۱۵۸۸، ۱۵۹۰، ۱۵۹۲، ۱۵۹۴، ۱۵۹۶، ۱۵۹۸، ۱۶۰۰، ۱۶۰۲، ۱۶۰۴، ۱۶۰۶، ۱۶۰۸، ۱۶۱۰، ۱۶۱۲، ۱۶۱۴، ۱۶۱۶، ۱۶۱۸، ۱۶۲۰، ۱۶۲۲، ۱۶۲۴، ۱۶۲۶، ۱۶۲۸، ۱۶۳۰، ۱۶۳۲، ۱۶۳۴، ۱۶۳۶، ۱۶۳۸، ۱۶۴۰، ۱۶۴۲، ۱۶۴۴، ۱۶۴۶، ۱۶۴۸، ۱۶۵۰، ۱۶۵۲، ۱۶۵۴، ۱۶۵۶، ۱۶۵۸، ۱۶۶۰، ۱۶۶۲، ۱۶۶۴، ۱۶۶۶، ۱۶۶۸، ۱۶۷۰، ۱۶۷۲، ۱۶۷۴، ۱۶۷۶، ۱۶۷۸، ۱۶۸۰، ۱۶۸۲، ۱۶۸۴، ۱۶۸۶، ۱۶۸۸، ۱۶۹۰، ۱۶۹۲، ۱۶۹۴، ۱۶۹۶، ۱۶۹۸، ۱۷۰۰، ۱۷۰۲، ۱۷۰۴، ۱۷۰۶، ۱۷۰۸، ۱۷۱۰، ۱۷۱۲، ۱۷۱۴، ۱۷۱۶، ۱۷۱۸، ۱۷۲۰، ۱۷۲۲، ۱۷۲۴، ۱۷۲۶، ۱۷۲۸، ۱۷۳۰، ۱۷۳۲، ۱۷۳۴، ۱۷۳۶، ۱۷۳۸، ۱۷۴۰، ۱۷۴۲، ۱۷۴۴، ۱۷۴۶، ۱۷۴۸، ۱۷۵۰، ۱۷۵۲، ۱۷۵۴، ۱۷۵۶، ۱۷۵۸، ۱۷۶۰، ۱۷۶۲، ۱۷۶۴، ۱۷۶۶، ۱۷۶۸، ۱۷۷۰، ۱۷۷۲، ۱۷۷۴، ۱۷۷۶، ۱۷۷۸، ۱۷۸۰، ۱۷۸۲، ۱۷۸۴، ۱۷۸۶، ۱۷۸۸، ۱۷۹۰، ۱۷۹۲، ۱۷۹۴، ۱۷۹۶، ۱۷۹۸، ۱۸۰۰، ۱۸۰۲، ۱۸۰۴، ۱۸۰۶، ۱۸۰۸، ۱۸۱۰، ۱۸۱۲، ۱۸۱۴، ۱۸۱۶، ۱۸۱۸، ۱۸۲۰، ۱۸۲۲، ۱۸۲۴، ۱۸۲۶، ۱۸۲۸، ۱۸۳۰، ۱۸۳۲، ۱۸۳۴، ۱۸۳۶، ۱۸۳۸، ۱۸۴۰، ۱۸۴۲، ۱۸۴۴، ۱۸۴۶، ۱۸۴۸، ۱۸۵۰، ۱۸۵۲، ۱۸۵۴، ۱۸۵۶، ۱۸۵۸، ۱۸۶۰، ۱۸۶۲، ۱۸۶۴، ۱۸۶۶، ۱۸۶۸، ۱۸۷۰، ۱۸۷۲، ۱۸۷۴، ۱۸۷۶، ۱۸۷۸، ۱۸۸۰، ۱۸۸۲، ۱۸۸۴، ۱۸۸۶، ۱۸۸۸، ۱۸۹۰، ۱۸۹۲، ۱۸۹۴، ۱۸۹۶، ۱۸۹۸، ۱۹۰۰، ۱۹۰۲، ۱۹۰۴، ۱۹۰۶، ۱۹۰۸، ۱۹۱۰، ۱۹۱۲، ۱۹۱۴، ۱۹۱۶، ۱۹۱۸، ۱۹۲۰، ۱۹۲۲، ۱۹۲۴، ۱۹۲۶، ۱۹۲۸، ۱۹۳۰، ۱۹۳۲، ۱۹۳۴، ۱۹۳۶، ۱۹۳۸، ۱۹۴۰، ۱۹۴۲، ۱۹۴۴، ۱۹۴۶، ۱۹۴۸، ۱۹۵۰، ۱۹۵۲، ۱۹۵۴، ۱۹۵۶، ۱۹۵۸، ۱۹۶۰، ۱۹۶۲، ۱۹۶۴، ۱۹۶۶، ۱۹۶۸، ۱۹۷۰، ۱۹۷۲، ۱۹۷۴، ۱۹۷۶، ۱۹۷۸، ۱۹۸۰، ۱۹۸۲، ۱۹۸۴، ۱۹۸۶، ۱۹۸۸، ۱۹۹۰، ۱۹۹۲، ۱۹۹۴، ۱۹۹۶، ۱۹۹۸، ۲۰۰۰، ۲۰۰۲، ۲۰۰۴، ۲۰۰۶، ۲۰۰۸، ۲۰۱۰، ۲۰۱۲، ۲۰۱۴، ۲۰۱۶، ۲۰۱۸، ۲۰۲۰، ۲۰۲۲، ۲۰۲۴، ۲۰۲۶، ۲۰۲۸، ۲۰۳۰، ۲۰۳۲، ۲۰۳۴، ۲۰۳۶، ۲۰۳۸، ۲۰۴۰، ۲۰۴۲، ۲۰۴۴، ۲۰۴۶، ۲۰۴۸، ۲۰۵۰، ۲۰۵۲، ۲۰۵۴، ۲۰۵۶، ۲۰۵۸، ۲۰۶۰، ۲۰۶۲، ۲۰۶۴، ۲۰۶۶، ۲۰۶۸، ۲۰۷۰، ۲۰۷۲، ۲۰۷۴، ۲۰۷۶، ۲۰۷۸، ۲۰۸۰، ۲۰۸۲، ۲۰۸۴، ۲۰۸۶، ۲۰۸۸، ۲۰۹۰، ۲۰۹۲، ۲۰۹۴، ۲۰۹۶، ۲۰۹۸، ۲۱۰۰، ۲۱۰۲، ۲۱۰۴، ۲۱۰۶، ۲۱۰۸، ۲۱۱۰، ۲۱۱۲، ۲۱۱۴، ۲۱۱۶، ۲۱۱۸، ۲۱۲۰، ۲۱۲۲، ۲۱۲۴، ۲۱۲۶، ۲۱۲۸، ۲۱۳۰، ۲۱۳۲، ۲۱۳۴، ۲۱۳۶، ۲۱۳۸، ۲۱۴۰، ۲۱۴۲، ۲۱۴۴، ۲۱۴۶، ۲۱۴۸، ۲۱۵۰، ۲۱۵۲، ۲۱۵۴، ۲۱۵۶، ۲۱۵۸، ۲۱۶۰، ۲۱۶۲، ۲۱۶۴، ۲۱۶۶، ۲۱۶۸، ۲۱۷۰، ۲۱۷۲، ۲۱۷۴، ۲۱۷۶، ۲۱۷۸، ۲۱۸۰، ۲۱۸۲، ۲۱۸۴، ۲۱۸۶، ۲۱۸۸، ۲۱۹۰، ۲۱۹۲، ۲۱۹۴، ۲۱۹۶، ۲۱۹۸، ۲۲۰۰، ۲۲۰۲، ۲۲۰۴، ۲۲۰۶، ۲۲۰۸، ۲۲۱۰، ۲۲۱۲، ۲۲۱۴، ۲۲۱۶، ۲۲۱۸، ۲۲۲۰، ۲۲۲۲، ۲۲۲۴، ۲۲۲۶، ۲۲۲۸، ۲۲۳۰، ۲۲۳۲، ۲۲۳۴، ۲۲۳۶، ۲۲۳۸، ۲۲۴۰، ۲۲۴۲، ۲۲۴۴، ۲۲۴۶، ۲۲۴۸، ۲۲۵۰، ۲۲۵۲، ۲۲۵۴، ۲۲۵۶، ۲۲۵۸، ۲۲۶۰، ۲۲۶۲، ۲۲۶۴، ۲۲۶۶، ۲۲۶۸، ۲۲۷۰، ۲۲۷۲، ۲۲۷۴، ۲۲۷۶، ۲۲۷۸، ۲۲۸۰، ۲۲۸۲، ۲۲۸۴، ۲۲۸۶، ۲۲۸۸، ۲۲۹۰، ۲۲۹۲، ۲۲۹۴، ۲۲۹۶، ۲۲۹۸، ۲۳۰۰، ۲۳۰۲، ۲۳۰۴، ۲۳۰۶، ۲۳۰۸، ۲۳۱۰، ۲۳۱۲، ۲۳۱۴، ۲۳۱۶، ۲۳۱۸، ۲۳۲۰، ۲۳۲۲، ۲۳۲۴، ۲۳۲۶، ۲۳۲۸، ۲۳۳۰، ۲۳۳۲، ۲۳۳۴، ۲۳۳۶، ۲۳۳۸، ۲۳۴۰، ۲۳۴۲، ۲۳۴۴، ۲۳۴۶، ۲۳۴۸، ۲۳۵۰، ۲۳۵۲، ۲۳۵۴، ۲۳۵۶، ۲۳۵۸، ۲۳۶۰، ۲۳۶۲، ۲۳۶۴، ۲۳۶۶، ۲۳۶۸، ۲۳۷۰، ۲۳۷۲، ۲۳۷۴، ۲۳۷۶، ۲۳۷۸، ۲۳۸۰، ۲۳۸۲، ۲۳۸۴، ۲۳۸۶، ۲۳۸۸، ۲۳۹۰، ۲۳۹۲، ۲۳۹۴، ۲۳۹۶، ۲۳۹۸، ۲۴۰۰، ۲۴۰۲، ۲۴۰۴، ۲۴۰۶، ۲۴۰۸، ۲۴۱۰، ۲۴۱۲، ۲۴۱۴، ۲۴۱۶، ۲۴۱۸، ۲۴۲۰، ۲۴۲۲، ۲۴۲۴، ۲۴۲۶، ۲۴۲۸، ۲۴۳۰، ۲۴۳۲، ۲۴۳۴، ۲۴۳۶، ۲۴۳۸، ۲۴۴۰، ۲۴۴۲، ۲۴۴۴، ۲۴۴۶، ۲۴۴۸، ۲۴۵۰، ۲۴۵۲، ۲۴۵۴، ۲۴۵۶، ۲۴۵۸، ۲۴۶۰، ۲۴۶۲، ۲۴۶۴، ۲۴۶۶، ۲۴۶۸، ۲۴۷۰، ۲۴۷۲، ۲۴۷۴، ۲۴۷۶، ۲۴۷۸، ۲۴۸۰، ۲۴۸۲، ۲۴۸۴، ۲۴۸۶، ۲۴۸۸، ۲۴۹۰، ۲۴۹۲، ۲۴۹۴، ۲۴۹۶، ۲۴۹۸، ۲۵۰۰، ۲۵۰۲، ۲۵۰۴، ۲۵۰۶، ۲۵۰۸، ۲۵۱۰، ۲۵۱۲، ۲۵۱۴، ۲۵۱۶، ۲۵۱۸، ۲۵۲۰، ۲۵۲۲، ۲۵۲۴، ۲۵۲۶، ۲۵۲۸، ۲۵۳۰، ۲۵۳۲، ۲۵۳۴، ۲۵۳۶، ۲۵۳۸، ۲۵۴۰، ۲۵۴۲، ۲۵۴۴، ۲۵۴۶، ۲۵۴۸، ۲۵۵۰، ۲۵۵۲، ۲۵۵۴، ۲۵۵۶، ۲۵۵۸، ۲۵۶۰، ۲۵۶۲، ۲۵۶۴، ۲۵۶۶، ۲۵۶۸، ۲۵۷۰، ۲۵۷۲، ۲۵۷۴، ۲۵۷۶، ۲۵۷۸، ۲۵۸۰، ۲۵۸۲، ۲۵۸۴، ۲۵۸۶، ۲۵۸۸، ۲۵۹۰، ۲۵۹۲، ۲۵۹۴، ۲۵۹۶، ۲۵۹۸، ۲۶۰۰، ۲۶۰۲، ۲۶۰۴، ۲۶۰۶، ۲۶۰۸، ۲۶۱۰، ۲۶۱۲، ۲۶۱۴، ۲۶۱۶، ۲۶۱۸، ۲۶۲۰، ۲۶۲۲، ۲۶۲۴، ۲۶۲۶، ۲۶۲۸، ۲۶۳۰، ۲۶۳۲، ۲۶۳۴، ۲۶۳۶، ۲۶۳۸، ۲۶۴۰، ۲۶۴۲، ۲۶۴۴، ۲۶۴۶، ۲۶۴۸، ۲۶۵۰، ۲۶

محمد مراد بدخشی — آپ خواجہ میر محمد نعمان بدخشی رحمۃ اللہ علیہ کے خادم ہیں۔ آپ کے نام دو مکتوب (۲۹:۳، ۲۴:۳) ہیں۔
محمد مراد قوریگی — بعض نسخوں میں قوریگی اور بعض میں قوریگی مرقوم ہے۔ حالات دستیاب نہیں۔ آپ کے نام ایک مکتوب (۸۱:۱) ہے۔
محمد مراد کشمی — آپ کے نام دو مکتوب (۹۶:۳، ۲۴:۳) ہیں۔

محمد معشوق طوسی — آپ کا نام محمد ہے، اہل علم اور دیوانوں میں سے تھے۔ بڑے بزرگوار اور حال کمال کے حامل تھے۔ طوس میں رہتے تھے۔ آپ کی قبر وہیں ہے۔ (دیکھئے: نجات، ص ۳۳۹، حاشیہ مکتوبات امام ربانی)
محمد معصوم کالمی — آپ علوم حکمیہ کے بہت بڑے عالم تھے۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ سرہ کے بڑے صاحبزادے حضرت خواجہ محمد صادق رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۰۲۵ھ/۱۶۱۶ء) نے علوم حکمیہ آپ سے پڑھے تھے۔ آپ نے ۱۰۲۶ھ/۱۶۱۷ء میں رحلت فرمائی۔ آپ کے نام دو مکتوبات (۱۸۳:۱، ۱۴۰:۱) ہیں۔ (حاشیہ مکتوبات امام ربانی)

محمد معصوم — آپ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے فرزند سوم ہیں۔ آپ بروز سوموار ۱۱ شوال ۱۰۰۷ھ/۷ مئی ۱۵۹۹ء کو پیدا ہوئے۔ سولہ برس کی عمر میں جملہ علوم متداولہ سے فراغت پائی۔ تحصیل سلوک کے بعد مقامات عالیہ قیومیہ کی بشارت نصیب ہوئی۔ آپ حضرت مجدد قدس سرہ کے خلیفہ و جانشین بنے۔ حضرت مجدد قدس سرہ کے مکتوبات کی تشریح اور سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کی ترویج و اشاعت میں آپ کا بہت بڑا حصہ ہے۔ ۹ ربیع الاول ۱۰۷۹ھ/۷ اگست ۱۶۶۸ء کو وصال فرمایا اور سر ہند شریف میں قصر معصومی کے جنوب کی طرف آسودہ خاک ہوئے۔ آپ کے نام ایک مکتوب (۲۹۴:۱) ہے۔ (حاشیہ مکتوبات امام ربانی، تاریخ و تذکرہ خانقاہ سر ہند شریف، ص ۵۹۳-۶۳۲)

محمد مقیم قصوری — آپ شاہ ابوالمعالی کے فرزند ہیں۔ ابھی چھوٹے تھے کہ والد رحلت فرما گئے۔ ظاہری علوم سے فراغت کے بعد مرشد کی تلاش میں سرگرداں ہوئے۔ لاہور پہنچ کر حیات المیر زندہ پیر کے بیعت ہوئے اور خلافت کا شرف پایا۔ ۱۰۵۵ھ/۱۶۴۵ء میں فوت ہوئے۔ آپ کے نام ایک مکتوب (۶۶:۳) ہے۔ (حدیقۃ الاولیاء، ص ۱۹، حواشی مکتوبات امام ربانی از حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ)

محمد مکی — آپ کے نام ایک مکتوب (۲۱:۱) ہے۔ حالات دستیاب نہیں ہو سکے۔
محمد مودود — آپ حضرت مجدد قدس سرہ کے چھوٹے بھائی ہیں۔ آپ کے نام دو مکتوب (۱۰:۲، ۲۲۶:۱) ہیں۔
محمد مومن — آپ کے والد کا نام خواجہ علی خان تھا۔ آپ کے نام ایک مکتوب (۶۴:۲) ہے۔ اور حالات دستیاب نہیں۔
محمد نعمان بدخشی — حضرت میر محمد نعمان بن سید شمس الدین یحییٰ بدخشی معروف بہ میر بزرگ رحمۃ اللہ علیہ ۷۰-۱۵۶۹ء میں سمرقند میں پیدا ہوئے۔ علوم ظاہری سے فراغت کے بعد بلخ میں امیر عبداللہ عشق رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت اختیار کی اور ان کے کہنے پر ہندوستان آکر حضرت خواجہ باقی باللہ قدس اللہ سرہ کے حلقہ ارادت میں شامل ہو گئے۔ بعد ازاں حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ سرہ کی صحبت میں برسوں رہے۔ ۱۰۱۸ھ/۱۰-۱۶۰۹ء میں حضرت مجدد نے خلافت سے مشرف فرما کر برہانپور بھیجا اور ۱۸ صفر ۱۰۵۸ھ/۱۴ مارچ ۱۶۴۸ء میں آگرہ (اکبر آباد) میں رحلت فرمائی۔ مکتوبات امام ربانی میں آپ کے نام ۳۳ مکتوب ہیں۔ (حاشیہ مکتوبات، تاریخ و تذکرہ خانقاہ سر ہند شریف، ص ۵۴۲-۵۵۵)

محمد ہاشم خادم — آپ کے نام ایک مکتوب (۶۵:۲) ہے۔ آپ حضرت مجدد قدس سرہ کے خادم ہیں۔
محمد ہاشم کشمی — آپ بدخشان کے شہر کشم کے بزرگ زادوں میں سے تھے۔ والد ماجد کا نام محمد قاسم تھا۔ ۹۸۹ھ/۱۵۸۱ء میں پیدا ہوئے۔ تلاش مرشد میں ہندوستان وارد ہوئے۔ اول حضرت خواجہ میر محمد نعمان رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۰۵۸ھ/۱۶۴۸ء) کے حلقہ

ارادت میں شامل ہوئے۔ بعد ازاں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے دست مبارک پر بیعت ہوئے۔ اجازت و خلافت سے مشرف فرما کر حضرت مجدد قدس سرہ نے آپ کو برہانپور روانہ فرمایا۔ ایک عرصہ خلق خدا کو دعوت حق دینے اور فیض یاب فرمانے کے بعد بالآخر برہانپور میں وصال فرمایا اور یہیں آسودہ خاک ہوئے۔ شعر و شاعری سے شغف تھا۔ زبدۃ المقامات، دیوان اشعار اور رشحات القدس آپ سے یادگار ہیں۔ علاوہ ازیں آپ نے مکاشفات عینیہ اور مکتوبات امام ربانی (دفتر سوم) کو مرتب فرمایا۔ آپ کے نام تیرہ مکتوبات (۱: ۲۹۰، ۳۱۰، ۳۱۳، ۴: ۲، ۹۳، ۷، ۹۷، ۲۲، ۵۲، ۶۸، ۷۵، ۹۰، ۹۲، ۹۶) ہیں۔ مکتوب (۲۲: ۳) آپ کے برہانپور جانے کے بعد ۱۰۳۳ھ/۲۲-۱۶۲۳ء میں تحریر فرمایا گیا۔ (دیکھئے: حضرات القدس ۲: ۳۶۸-۳۸۲، زبدۃ المقامات ۱-۵، تاریخ و تذکرہ خانقاہ سرہند شریف، ص ۵۵۶-۵۶۳)

محمد یوسف — آپ کے نام ایک مکتوب شریف (۵۷: ۱) ہے۔ آپ کے مزید حالات دستیاب نہیں، لیکن مکتوب شریف سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ سید تھے اور کسی اچھے عہدے پر فائز تھے۔ ممکن ہے کہ حضرت عبدالوہاب حسینی بخاری اوچی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے ہوں، جن کے نام مکتوب نمبر ۵۵ ہے۔ (حاشیہ مکتوبات امام ربانی)

محمود غزنوی، سلطان — آپ سلطان سبکتگین کے بیٹے تھے۔ حفظ قرآن کی سعادت کے بعد انہوں نے اسلامی قانون، فقہ اور حدیث کے علوم بھی اخذ کیے۔ شمشیر زنی اور نشانی بازی میں مہارت حاصل کی۔ اپنے والد کی زندگی میں خراسان کے گورنر رہے۔ آپ نے ۳۸۹ھ/۹۹۸-۴۲۱ھ/۱۰۳۰ء تک بادشاہت کی اور اس دوران ہندوستان پر سترہ بار حملہ آور ہوئے۔ آخری حملہ (۴۱۷ھ/۱۰۲۶ء) میں سومنات فتح ہوا۔ مؤرخین کے بقول: ”وہ بلاشبہ خدا ترس، صوفی منش اور دنیا کے عظیم ترین فاتح فرمانرواؤں میں سے تھے۔“ ۴۲۱ھ/۱۰۳۰ء میں فوت ہوئے۔ (حاشیہ مکتوبات امام ربانی)

محمود لاہوری — آپ کا شمار حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے مخلص احباب میں ہوتا ہے۔ حضرت مجدد نے آپ کو اعلیٰ درجہ کی بشارت سے مشرف فرمایا۔ آپ کے نام تین مکتوب (۱: ۱۴۴، ۷۵، ۱۷۰، ۲۸۰) ہیں۔ (حاشیہ مکتوبات امام ربانی)

محمود، سید — مکتوبات امام ربانی میں پانچ مکتوبات شریف آپ کے نام ہیں (۱: ۵۸، ۲: ۸۳، ۷۱-۵۸: ۱)۔ حضرت سید محمود بارہ رحمۃ اللہ علیہ کا وطن سنبھل تھا۔ شجاعت اور سخاوت میں شہرت رکھتے تھے۔ جلال الدین اکبر (م ۱۰۱۴ھ/۱۶۰۵ء) نے آپ کو بیچ ہزاری خلعت دی تھی۔ ایک بار کسی نے مذاق کرتے ہوئے آپ سے کہا کہ آپ سادات میں سے نہیں لگتے۔ آپ اسی وقت ملنگوں کی لگائی ہوئی دھونی کی آگ میں کود پڑے اور فرمایا: ”اگر میں سید ہوں تو آگ کا میرے اوپر اثر نہیں ہوگا اور اگر سید نہیں ہوں تو جل جاؤں گا۔ میں اس کے علاوہ حسب و نسب کی کوئی دلیل نہیں رکھتا۔“ تقریباً ایک ساعت آپ آگ میں کھڑے رہے۔ لوگوں نے منتیں کر کے باہر نکالا۔ جو مچلی جوتا آپ کے پاؤں میں تھا اس کا رُواں تک نہ جلا۔ آپ نے ۱۰۴۰ھ/۳۱-۱۶۳۰ء میں وصال فرمایا۔ (ذخیرۃ الخواص، ۲: ۱۸۲، حاشیہ مکتوبات امام ربانی)

مخدوم جہانیاں جہان گشت — آپ حضرت سید احمد کبیر بن سید جلال الدین سرخ بخاری اوچی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے ہیں۔ ۷۰۷ھ/۸-۱۳۰۷ء میں ولادت پائی۔ مادر زاد ولی تھے۔ سات برس کی عمر میں آپ اپنے والد بزرگوار کے ہمراہ حضرت شیخ جمال الدین خنداں رو رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت اور دست بوتی سے مشرف ہوئے۔ حضرت شیخ جمال الدین رحمۃ اللہ علیہ نے خوش ہو کر آپ کے حق میں دعا فرمائی اور فرمایا کہ تم خاندان اور مشائخ عظام کے سلسلہ کو روشن کرو گے۔ آپ نے دوبار ربع مسکون کی سیر فرمائی۔ سینکڑوں فقرا اور مشائخ کی زیارت کی اور ان سے فیوض و برکات اخذ کیے۔ تصوف کے چودہ سلاسل میں خرقہ خلافت پایا، لیکن سلسلہ عالیہ قادریہ کے محب و عقیدتمند رہے۔ ۸۵ھ/۸۴-۱۳۸۳ء یا ۸۸ھ/۸۷-۱۳۸۶ء میں

وصال فرمایا۔ (خزینۃ الاصفیاء، حاشیہ مکتوبات امام ربانی)

مزل، میاں شیخ — آپ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ سرہ کے قدیم و مخلص مرید تھے۔ سفر و حضر میں حضرت مجدد قدس سرہ کے ساتھ رہتے تھے۔ حسن اخلاق اور انکسار و ایثار میں یکتا روزگار تھے۔ کئی سال فیوضات اخذ و کسب کرنے کے بعد خلافت و اجازت کا شرف پایا۔ حضرت مجدد قدس سرہ نے آپ کی صحبت کو غنیمت قرار دیا۔ ۲۶ ربیع الثانی ۱۰۲۶ھ/ ۳ مئی ۱۶۱۷ء کو رحلت فرمائی۔ حضرت مجدد قدس سرہ کو آپ کی وفات کا بہت دکھ ہوا۔ آپ نے ان کے لیے دعائے مغفرت کی اور ایصالِ ثواب فرمایا۔ (دیکھئے: زبدۃ المقامات، ص ۳۷۸-۳۷۹، حضرت مجدد الف ثانی، ۹۳-۷۹۴، تاریخ و تذکرہ سرہند شریف، ۵۶۵-۵۶۷)

مظفر، مرزا — آپ کے نام دو مکتوب (۱: ۸۱، ۲: ۷۵) ہیں۔ حالات دستیاب نہیں۔

مظفر، ملا — ان کے نام ایک مکتوب شریف (۱: ۱۰۲) ہے۔ حالات دستیاب نہیں ہیں۔

معروف کرنی — آپ نے ۲۰۰ھ/ ۱۶-۸۱۵ء میں بغداد میں وصال فرمایا۔ (دیکھئے تذکرۃ الاولیاء، ص ۳۲۴-۳۲۹، کارنامہ بزرگان ایران، ص ۱۵-۱۷)

مقصود علی تبریزی — آپ کے نام تین مکتوب (۲: ۹۵، ۳: ۲۲، ۳: ۳۲) ہیں۔ حالات دستیاب نہیں۔

مقیم، خواجہ — آپ کے نام ایک مکتوب (۱: ۱۲۸) ہے۔ حالات دستیاب نہیں۔

ممریز خان افغان — آپ عیسیٰ خان نیازی کے بیٹے اور جہان خان کے ساتھیوں میں سے صاحب منصب آدمی تھے۔ عہد شاہجہانی میں ۱۰۴۰ھ/ ۳۱-۱۶۳۰ء جب خان جہاں لودھی باغی ہو کر آگرہ سے دھوپور کی طرف بھاگا تو اُس کے مصاحبین اور معاونین نے شاہی دستے سے مقابلہ کیا، جس میں کئی آدمی قتل ہوئے، ان میں ممریز خان بھی شامل تھے۔ آپ کے نام ایک مکتوب (۳: ۵۵) ہے۔

منصور حلاج — حضرت حسین بن منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ کی کنیت ابوالمغیث تھی۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں شریک رہے۔ تین بار حج بیت اللہ کی سعادت پائی۔ آپ نے تصوف، طریق تصوف اور اپنے مخصوص عقائد کی تشریح میں کئی کتب لکھیں ۲۴ ربیع الثانی ۳۰۹ھ/ ۲۶ مارچ ۹۲۲ء کو سولی پر لٹکائے گئے۔ (شاہکار اسلامی انسائیکلو پیڈیا، ص ۸۷۰-۸۷۱)

منصور عرب — آپ کے نام دو مکتوب (۱: ۱۸۵، ۱۹۶) ہیں۔ مزید حالات دستیاب نہیں ہوئے۔

منصور، میر — آپ کا شمار شاہی امراء میں ہوتا تھا۔ جب مہابت خان نے جہانگیر (م ۱۰۳۷ھ/ ۱۶۲۷ء) بادشاہ کو قید کر لیا تو اُس وقت میر منصور نے جہانگیر کو ترکی زبان میں مشورہ دیا کہ یہ وقت تخیل کا ہے۔ آپ کے نام تین مکتوب (۳: ۶۳، ۶۷، ۱۲۰) ہیں۔ (مآثر الامراء، ۳: ۳۳۴، حواشی مکتوبات امام ربانی از حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ)

منوچہر، میرزا — آپ میرزا ایرج شاہ نواز خان بن عبدالرحیم کے بیٹے تھے۔ بیرم خانی خاندان کی یادگار تھے۔ جہانگیر (م ۱۰۳۷ھ/ ۱۶۲۷ء) نے ان کو میرزا خان کا خطاب اور مناصب سے نوازا۔ ۱۰۸۳ھ/ ۳-۱۶۷۲ء میں فوت ہوئے۔ ان کے نام ایک مکتوب (۳: ۳۵) ہے۔ (دیکھئے: مآثر الامراء، ۳: ۴۸۷-۴۸۸، حواشی مکتوبات امام ربانی)

موسیٰ شوچین، قاضی — شوچین درست نہیں معلوم ہوتا۔ شاید سیکون (سندھ) ہو۔ ان کے بیٹے مولانا اسحاق کے نام دفتر سوم کا مکتوب ۷۰ ہے۔ قاضی موسیٰ کے نام ایک مکتوب (۳: ۶۹) ہے۔ حالات دستیاب نہیں۔

مومن، بلخی — آپ کے نام دو مکتوب (۱: ۱۵۱، ۳: ۹۹) ہیں۔ حالات دستیاب نہیں ہو سکے۔

مہدی علی کشمیری — آپ کے نام ایک مکتوب (۲: ۵۲) ہے۔ حالات دستیاب نہیں۔

میرماہ محمود — آپ کے حالات دستیاب نہیں۔ آپ کے نام ایک مکتوب (۸۳:۲) ہے۔
 نجم الدین کبریٰ — آپ کا نام احمد بن عمرو، کنیت ابو الحسنات اور لقب ”طامۃ الکبریٰ“ اور ”دایہ“ تھا۔ آپ نے خرقہ ارشاد حضرت شیخ اسماعیل قسری رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کیا۔ حالتِ وجد میں جس پر نگاہ فرماتے اسے ولی بنا دیتے تھے۔ ۶۱۸ھ/ ۱۶۲۱ء میں چنگیزی لشکر کے ساتھ لڑتے ہوئے جام شہادت نوش فرمایا۔ (دیکھئے: کارنامہ بزرگان ایران، ص ۲۰۹-۲۱۰)
 نصر اللہ — آپ کے نام ایک مکتوب (۵۰:۳) ہے۔ حالات دستیاب نہیں۔

نظام تھامیری — آپ شیخ عبدالشکور عمری بلوچی کے بیٹے تھے۔ ظاہری و باطنی کمالات کے حامل، شریعت و طریقت کے جامع، سلسلہ چشتیہ کے اکابر اور شیخ جلال الدین تھامیری کے برادر زادہ اور داماد تھے۔ کئی کتب تصانیف کیں اور ۱۰۲۳ھ/ ۱۶۱۵ء میں فوت ہوئے۔ آپ کے نام ایک مکتوب (۲۹:۱) ہے۔ (دیکھئے: نزہۃ الخواطر ۵: ۴۱۸، حاشیہ مکتوبات امام ربانی)
 نظام، سید — غالباً سید نظام الدین خان مراد ہیں جو میراں صدر جہاں حسینی نبھانی رحمۃ اللہ علیہ کے چھوٹے صاحبزادے تھے۔ تعلیم سے فراغت کے بعد شاہی ملازمت میں بڑا منصب پایا۔ دولت آباد کی مہم میں نمایاں کارنامے انجام دیے۔ مہابت خان نے آپ کو دولت آباد کی قلعہ داری سونپی چاہی، لیکن آپ نے قبولیت سے انکار کر دیا۔ آپ کے نام ایک مکتوب (۱۲۹:۱) ہے۔ (دیکھئے: ذخیرۃ الخوانین، جلد ۲: ۲۳۲)

نورالحق — آپ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۰۵۲ھ/ ۱۶۴۲ء) کے صاحبزادے اور بہت بڑے عالم و فقیہ تھے۔ جملہ ظاہری و باطنی علوم اپنے والد بزرگوار سے حاصل کیے اور ان سے سلسلہ قادریہ میں مجاز طریقت ہوئے۔ بعد ازاں حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہ (م ۱۰۷۹ھ/ ۱۶۶۸ء) سے طریقہ نقشبندیہ مجددیہ اخذ کیا۔ شاہ جہاں (م ۱۰۷۶ھ/ ۱۶۶۶ء) کے دور میں آگرہ میں قاضی رہے۔ صاحب تصنیف تھے۔ نوے برس کی عمر میں ۱۰۷۳ھ/ ۱۶۶۳ء میں دہلی میں رحلت فرمائی۔ آپ کے نام ایک مکتوب (۱۰۰:۳) ہے۔ (تذکرہ علمائے ہند، حواشی مکتوبات امام ربانی، از حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ)
 نور محمد انبالی — آپ کے نام ایک مکتوب (۶۳:۲) ہے۔ حالات دستیاب نہیں ہوئے۔

نور، شیخ — آپ نے شروع میں حضرت خواجہ باقی باللہ قدس اللہ سرہ (م ۱۰۱۲ھ/ ۱۶۰۳ء) کی ارادت مندی و صحبت اختیار کی۔ بعد ازاں انہوں نے آپ کو حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ سرہ (م ۱۰۳۴ھ/ ۱۶۲۴ء) کے سپرد فرمایا۔ ان سے خلافت و اجازت کا شرف پا کر پٹنہ میں وارد ہوئے۔ آپ کے نام چھ مکتوبات (۱: ۱، ۲، ۳، ۴، ۵، ۶) ہیں۔ بقول حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۴۰۰ھ/ ۱۹۸۰ء) ”شیخ نور، شیخ نور محمد اور شیخ نور محمد بہاری ایک ہی بزرگ معلوم ہوتے ہیں۔“

واصل بن عطا — واصل بن عطا (۸۰ھ/ ۶۹۹ء-۱۳۱ھ/ ۷۴۹ء) کا لقب ”العزل“ تھا۔ مدینہ منورہ میں پیدا ہوا۔ وہاں سے بصرہ پہنچا اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۱۰ھ/ ۷۲۸ء) کے اصحاب میں شامل ہو گیا۔ اس کا قول ہے کہ ”کبیرہ گناہ کرنے والا مؤمن نہیں ہے۔“ کتاب اصناف المرحۃ، کتاب التوحید، کتاب معانی القرآن اس کی تصانیف میں شامل ہیں۔ (دیکھئے: شاہکار اسلامی انسائیکلو پیڈیا، ص ۱۵۴۰)

وحشی بن حرب رضی اللہ عنہ — آپ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کے غلام تھے۔ اسلام لانے سے قبل ان کے ہاتھ سے غزوہ احد میں حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ شہید ہوئے۔ بعد ازاں انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر اسلام قبول کیا اور جنگ یمامہ میں اسلام کے سب سے بڑے دشمن مسیلہ کذاب کو قتل کیا۔

ہروی، شیخ الاسلام — شیخ الاسلام ابو اسماعیل عبداللہ بن ابی منصور محمد انصاری ہروی (م ۴۸۱ھ/ ۱۰۸۹ء) حضرت ابویوب انصاری رضی

اللہ عنہ کی اولاد امجاد میں سے تھے۔ آپ فرماتے تھے کہ میں نے اپنے اوقات کو قرآن وحدیث پڑھنے اور لکھنے میں تقسیم کر رکھا تھا۔ کھانا کھانے کی فرصت نہ ملتی تھی۔ والدہ ماجدہ روٹی کا لقمہ بنا کر منہ میں ڈالتیں اور میں لکھتا رہتا تھا۔ حافظہ اتنا عمدہ کہ تین ہزار حدیثیں از بر تھیں۔ (نجات الانس، ص ۳۶۲، مکتوباتِ امام ربانیؒ، اردو ترجمہ حضرت مولانا سید زوار حسین شاہؒ)

یار محمد جدید بدخشی طالقانی — آپ صاحب علم و عرفان تھے۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ (م ۱۰۳۴ھ/۱۶۲۴ء) سے بعض کتابیں پڑھیں اور عرصہ دراز تک آپ کی خدمت میں رہے۔ تکمیل سلوک کے بعد اجازت و خلافت کا شرف پایا۔ آپ کے نام ایک مکتوب (۱: ۱۶۰) ہے۔ مکتوباتِ امام ربانی دفتر اول ۱۰۲۵ھ/۱۶۱۶ء میں مرتب فرمایا اور تاریخی نام ”در المعرفت“ (۱۰۲۵ھ) رکھا۔ (دیکھئے: حضرت مجدد الف ثانیؒ، ص ۵۹۷، تاریخ و تذکرہ خانقاہ سرہند شریف، ص ۵۷۳، نزہۃ الخواطر، ۴۳۴: ۵، روضۃ القیومیہ، ۳۴۲: ۱)

یار محمد قدیم بدخشی — آپ کا شمار حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے پرانے مریدوں اور ممتاز خلفاء میں ہوتا ہے۔ راتوں کو قیام کرنے والے، دن کو روزہ رکھنے والے اور صاحب کثیر سکوت و مراقبہ تھے۔ حضرات نقشبندیہ کی بعض خصوصیات آپ کی شان سے عیاں تھیں۔ خوش سیرت و خوبصورت تھے۔ ۱۰۴۶ھ/۱۶۳۷ء میں حج کی سعادت پائی۔ بعد ازاں آگرہ (اکبر آباد) آگئے اور یہیں رحلت فرمائی۔ آپ کے نام دو مکتوب (۱: ۱۱۷، ۲۱۱) ہیں۔ (حاشیہ مکتوباتِ امام ربانیؒ)

یعقوب چرنی — آپ طریقہ میں بلند درجہ کے حامل تھے۔ طریقہ کی ترویج و اشاعت کے لیے خوب محنت فرمائی۔ آپ سے کئی تصانیف یادگار ہیں، جن میں ابدالیہ، انبیہ، حواریہ، ناسیہ اور تفسیر چرنی شامل ہیں۔ ایک جہان کو مستفید کرنے کے بعد ۵ صفر ۸۵۱ھ/۲۲ اپریل ۱۴۴۷ء کو وصال فرمایا۔ آپ کا مزار حصار شادمان کے نزدیک موضع بلفقو (تاجکستان) میں مرجع الخلاق ہے۔ (دیکھئے: رشحات، ۱۱۶: ۱-۱۲۱)

یوسف برکی — آپ افغانستان کے شہر برک کے رہنے والے تھے جو کابل و قندھار کے درمیان تھا۔ ایک رویائے صادق دیکھ کر حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بیعت کا شرف پایا۔ بعد ازاں مراتب کمال نصیب ہوئے اور شیخ و مرشد نے آپ کو اجازت و خلافت عنایت فرما کر جالندھر (ہندوستان) روانہ فرمایا۔ آپ کے نام حضرت مجدد قدس سرہ کے چار مکتوبات (۱: ۲۳۰، ۲۴۰، ۲۷۲، ۷۹) ہیں۔ ۱۰۳۴ھ/۲۵-۱۶۲۴ء میں جالندھر میں وصال فرمایا اور وہیں آسودہ خاک ہوئے۔ (دیکھئے: حضرات القدس، ۲: ۳۵۴-۳۵۵، برکات احمدیہ، ۳۹۶-۳۹۷، حضرت مجدد الف ثانیؒ، ص ۷۹، تاریخ و تذکرہ سرہند شریف، ص ۵۷۷-۵۷۸)

یوسف کشمیری — آپ کے نام چار مکتوب (۱: ۲۹۵، ۳۰۳، ۳۸: ۲) ہیں۔ مزید حالات معلوم نہیں ہو سکے۔

